اور کار ہر دو صاحب مصر سے لاہور آیا کرے گی"۔

روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۳ نومبر ۱۹۳۸ء کے صفحہ کالم ۲ پر تحریر ہے کہ "سردار الک خان صاحب سردار محمد کرم اللہ جان صاحب آنریری سب جج درجہ چہارم تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خان "پنڈت مت آ مدولد" کر کے اس برہمن نوسالہ سکہ نکالی تھیں سنگھڑ" مدعی۔

رسالہ آواز نسواں دہلی بابتہ ماہ جولائی ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۳ پر ایک حمد تحریر ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

کس نے کہلایا انا الحق دار پر منصور سے ‌ ‌ ‌ ‌ کس نے دکھلائی جھلک موسیٰ کو کوہ طور سے

اور مقطع یہ ہے ؎

عرق عصیاں کس کے ہے محبوب کی امت عجب ‌ ‌ ‌ ‌ کون بیٹھا دیکھتا ہے خود تماشا دور سے

اس حمد کی مصنفہ کا نام اس طرح تحریر ہے "از محترمہ سیدہ عقیلہ خاتون صاحبہ عفت سنگڑ ۔۔۔ (اٹک)" مقام سنگڑہ کی موجودگی کے شواہد مندرجہ بالا کے علاوہ "حضرت سید شاہ شیخ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قدس سرہٗ" (پیدائش آواخر آٹھویں صدی ہجری) سے بھی اس موقع پر تعارف کرا دینا لازم معلوم ہوتا ہے۔ "آپ حضرت سلطان سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی" کی اولاد سے ہیں "تیرھویں پشت میں آپ کا سلسلہ حضرت سلطان سید احمد قدس سرہ العزیز سے مل جاتا ہے" آپ بڑے پایہ کے اولیاء اللہ تھے" آپ کے صاحبزادے اور خلیفہ "حضرت شیخ ضیاء الدین عبد الکریم بیابانی" نے آپ کے ملفوظات اپنی مشہور و معروف تالیف "مطلوب الطالبین" میں خاص اہتمام اور اعتماد سے جمع کر دیئے ہیں"۔ اور "مولانا شاہ رفیع الدین" نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ انوار القندھار" (ضلع ناندیڑ دکن) مؤلفہ ۱۳۱۲ ہجری میں آپ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں" آپ نے دکن کے مختلف مقامات کے علاوہ پنجاب و سندھ وغیرہ کا بھی سفر کیا تھا جب سندھ میں "قصبہ سنگڑہ میں آپ کچھ عرصہ مقیم رہے تو آپ کے کشف و کرامات دیکھ کر وہاں کی مخلوق جوق جوق آپ کے زمرۂ مریدوں میں شامل ہونے لگی اور حسن عقیدت کی بنا پر آپ کو "سانگڑے سلطان" کے لقب سے یاد کرنے لگی" آپ کے حالات "اولیاء اللہوں" کے حالات کی اکثر کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور رسالہ شہاب حیدر آباد دکن بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۶ء میں بھی صفحہ ۵۱ تا ۵۶ پر تحریر ہیں"۔

ہمارے پیش کردہ ان شواہد سے اب یہ بات پورے طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ مؤلف امروہوی کا مبلغ علم کس قدر ہے اور ان کا یہ لکھنا کہ مؤلف کو پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا تحقیق نہیں ہوا۔ کیا حقیقت رکھتا ہے" جب حضرت سید شاہ شیخ علی قدس سرہٗ کا لقب قصبہ سنگڑہ میں کچھ عرصہ مقیم رہنے سے ہی "سانگڑے سلطان" ہمیشہ کے لئے پڑ گیا تو ایک خاندان کا وہاں سے عام وجہ آ کر سنگڑہ لقب پڑ جانا بالکل ممکن ہے" اور مؤلف امروہوی کی کمزوری کی طرح مقام سنگڑہ کی ناواقفیت سے خاندان سنگڑہ علوی حنفی کے بیان کی کسی طرح بھی تردید نہیں ہو سکتی"۔

مؤلف امروہوی کی تحقیقات کا تجزیہ کرنے کے بعد ہماری گذارش

ان حقائق و شواہد سے جو ہم نے اپنی اس کتاب میں پیش کئے ہیں "مؤلف امروہوی کی تحقیقات کی حقیقت اور حیثیت نیز طینت اور خصلت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے اور اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ انہوں نے کس مقصد اور حد کے ماتحت اپنی تالیف مرتب کی ہے۔ مؤلف موصوف نے جن طریقوں سے قیاس و آراء کی پچر پیں لگا کر اور غلط باتیں پیش کر کے صحیح حالات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کیفیت بھی اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے" حالات کے دستیاب نہ ہونے یا ناواقفیت کی وجہ سے اگر وہ غلط راستے پر جا پڑتے تو ان پر کوئی الزام نہ تھا۔ لیکن انہوں نے تو صحیح راستے سے بھٹکانے کے لئے خود ایک نئی سڑک تیار کی تاکہ ناواقف دھوکے میں آ کر بھٹک جائیں اور منزل مقصود سے دور جا پڑیں انہوں نے صداقت کا خون کرنے اور حقیقت کے اخفا کے جرم کے علاوہ اس دودمان عالی شان زبیری کسوی خاندان کے متقی اور پرہیزگار بزرگوں کی نیتوں پر بھی حملے نہیں کئے اور ان کے درجات کو گھٹا کر دکھانے کی ہی کوشش نہیں کی بلکہ ان کی طینت و ناموس پر بھی کھلم کھلا چوٹیں کی ہیں"

"قدیم زمانے میں عرصہ دراز تک ان کا راج رہا۔ بشتر پشتوں تک دکن میں ان کی سلطنت
رہی۔ اس کے بعد دھار میں آکر عرصہ تک رہے۔ اور اب اس قوم کے لوگ اضلاع اٹاوہ
(صوبہ متحدہ) وغیرہ میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہوگئے ہیں"

مؤلف تاریخ امروہہ نے "خاندان سنگرڈہ کی تحقیق نسب میں جن دو متضاد رایوں کا اظہار کیا ہے ان ہی سے اُن کی عدم اصابت یا ناواقفیت اور طینت کا حال بخوبی عریاں ہوگیا ہے"

(الف) "مؤلف موصوف ہمیشہ لکھ دیتے ہیں کہ تمام قدیم کتب انساب میں ایسا لکھا ہے" اور جب سند پیش کرتے ہیں تو "صرف معارف ابن قتیبہ ہی کی پیش کرتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی کتاب ان کے پاس ہے جس کا نام انھوں نے تمام قدیم کتب انساب رکھا ہے۔ اس سے زیادہ معتبر اور قدیم کتاب ان کے نزدیک دوسری کوئی بھی نہیں ہے" لیکن اس کی جو حقیقت ہے اُسے ہم اپنی اسی کتاب کی پچھلی بحثوں میں وضاحت سے دکھا اور ثابت کر آئے ہیں کہ اُن کا "مستند اور قدیم مؤرخ جھوٹ کی پوٹ ہے" اُس کی کتاب **معارف** کے نوشتے ہرگز قابل تسلیم نہیں ہیں۔

ہم خاندان سنگرڈہ علوی حنفی کے مورثوں کے متعلق بہت کچھ لکھ سکتے ہیں مگر یہاں اُن کے معقب اور غیر معقب ہونے کی بحث میں پڑنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے" ہمیں تو یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ مؤلف امروہوی کو اس امر کا یقین ہے کہ "خاندان سنگرڈہ نے جن دو بزرگوں سے اپنا سلسلہ نسب ملایا ہے۔ وہ غیر معقب یا لاولد تھے" مگر اس پر بھی انھیں اس خاندان کی علویت سے انکار نہیں ہے۔ اور جن خاندانوں کی انہیں خاطر منظور تھی اُن کے شجروں میں اسی قسم کی غلطیاں پاکر جیسی کہ خاندان سنگرڈہ کے شجرے میں دکھائی ہیں انھوں نے اپنی کتاب میں کئی جگہ یہ لکھنا ضروری خیال کیا کہ "امتداد زمانہ کی وجہ سے شجروں کے ناموں میں کمی بیشی یا غیر صحیح ناموں کا اندراج ہوجانا قطعی ممکن ہے" یعنی ایسی غلطیوں کی وجہ سے ایسے شجرے رکھنے والے خاندانوں کے نسب پر کوئی حرف زنی نہیں کی جاسکتی" اور اُن لوگوں کے خاندانوں کے متعلق جن سے لغض للّٰہی تھا انھوں نے اپنی اس تحریر سے انحراف کرنا ضروری جانا ہے" انہیں مطلق خیال نہیں آیا کہ اُن کی ایسی تحریروں کو دیکھ کر ناظرین کیا کہیں گے" اور کیا اثر لیں گے" سچ ہے کہ حسد اور کینہ عقل کو زایل اور انسان کے سوچنے سمجھنے کی طاقت کو سلب کر دیتا ہے"

(ب) اب رہا خاندان سنگرڈہ علوی حنفی کے متعلق مؤلف امروہوی کا یہ لکھنا کہ۔

"لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی" پنجاب میں کوئی مقام اِس نام کا
(سنگرڈہ نام کا) خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا"

ان کی ناواقفیت کا ایسا ثبوت ہے جس سے اُن کی تحقیق و تلاش کی قلعی بالکل ہی کھل گئی ہے" جو شخص اپنے ملک بلکہ قریبی صوبے کے جغرافیہ سے اتنا بھی واقف نہ ہو جتنا کہ ایک طالب علم ہوتا ہے اُس کی تحقیقات کی حقیقت ظاہر ہے۔

ہمیں اس سے مطلق بحث نہیں ہے کہ کوئی قوم "سنگرڈہ" بھی ہے کہ نہیں ہے" اور وہ کہاں رہتی ہے" البتہ ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ پنجاب میں "**سنگرڈہ**" مشہور مقام ہے۔ تاریخوں میں بھی اُس کا ذکر ہے اور اخبارات و رسائل میں بھی اُس کا نام آتا رہتا ہے" بلکہ اس نام کے پنجاب میں کئی مقامات ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

"تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند" مؤلفہ شمس العلماء محمد ذکاء اللہ کے صفحہ ۱۸ پر سلسلہ فتح پنجاب "سکھوں کی لڑائی کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ" ...... اس نوجوان بلوچی سردار نے جنرل صاحب سے اجازت لے کر "ڈیرہ غازی خاں پر چڑھائی کی ... سونکا مل کے ساتھ اُس کا چچا "جیتن مل" حاکم **سنگرڈہ** "اور منگروٹا" مل گیا.......

روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۱ر مئی ۱۹۳۹ء کے صفحہ کالم ۱ پر "نارتھ ویسٹرن ریلوے پر تیز رفتار ریل کاریں" کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ...... "یہ کاریں "جالندھر شہر" ہوشیار پور" کپورتھلہ" ٹانڈہ" اور دسوہہ اور لدھیانہ خاص کے درمیان" اور "امرت سر" "ناروال" قادیان" بٹالہ" اور گورداسپور" کے درمیان" اور فیروز پور" بھٹنڈہ" وصوری" "**سنگر**" کے درمیان چلیں گی

"مہابھارت کے بعد راجہ دھشٹر نے ہستناپور میں راجدھانی قائم کی۔ سلطنت کو وسعت دی ہستناپور دریائے جمنا کے کنارے موجودہ دہلی سے کئی کوس دور واقع تھا۔ دریا کے چڑھاؤ سے جب یہ شہر بہہ گیا۔ تو اس خاندان کا راجہ وشٹ دان جو ۱۲۱۲ قبل مسیح گدی نشین ہوا۔ ہستناپور چھوڑ کر اندرپت (اندرپرست) چلا آیا۔"

مؤلف موصوف کا یہ بیان غلط اور اُن کی ناواقفیت کا ایسا کھلا ثبوت ہے۔ جس پر مدرسوں کی بچیاں بھی اپنی ہنسی کسی طرح ضبط نہیں کرسکتیں۔

"ہستناپور" اپنی آبادی کے زمانے سے ہمیشہ اپنی جگہ موجود رہا اور اب بھی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ راجہ کے وہاں سے منتقل ہوجانے کی وجہ سے اس کی آبادی اور رونق میں زوال آگیا اور وہ شہر سے قصبہ رہ گیا ہے۔ "ہستناپور" جمنا کنارے اور دہلی کے قریب کبھی واقع نہ تھا۔ بلکہ گنگا کے کنارے "شہر میرٹھ سے ۱۶ کوس یا چوبیس ۲۴ میل دور" تحصیل مواہنہ میں ہے۔ جینیوں کے وہاں متعدد مندر ہیں اور مسجد بھی ہے۔ وہاں ہرسال ایک بڑا میلہ لگا کرتا ہے۔ جس میں دور دور سے بکثرت تماشائی آیا کرتے ہیں۔"

(۲) سنگر گڑھ | مؤلف امروہوی نے اپنی تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۸ پر لکھا ہے کہ "صاحب آئینۂ عباسی کہتے ہیں کہ۔

"ایک گروہ ملقب بہ "سنگرڈہ" علوی حسنی" کہے ہیں۔ ان میں شاہ جی بہاؤ الدین علیہ الرحمہ صاحب علی اور خلیفہ روشن علی وغیرہ ہیں" اپنا سلسلۂ نسب انہوں نے "حضرت امام محمد حنیفہ کے صاحبزادے" امام ابوہاشم عبداللہ سے متصل کیا ہے۔ حالانکہ تمام قدیم کتب انساب میں "ابوہاشم کو غیر متعقب بتایا گیا ہے" (معارف ابن قتیبہ جیسی مستند اور قدیم ترین کتاب میں اُن کے متعلق لکھا ہے کہ "لاعقب لہ" یعنی اُن کے کوئی عقب نہیں تھا" پھر اس سے زیادہ شدید غلطی یہ کی کہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کو ابوہاشم عبداللہ کی اولاد میں ظاہر کرکے اُن سے اپنے خاندان کا سلسلۂ نسب ملا دیا ہے مشہور ہے کہ حضرت غازیؒ کی شادی ہونے والی تھی کہ انہوں نے شہادت پائی۔

حضرت شاہ ضیاء الدین صاحب کی (مؤلف مرآۃ الانساب مطبوعہ ۱۹۱۱ء کی) علویت سے انکار نہیں لیکن جو نسب نامہ انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔ یہ خاندان جیسا کہ "صاحب آئینۂ عباسی (مطبوعہ ۱۸۸۳ء رسالہ کی شکل میں ہے) نے لکھا ہے کہ "مورث اعلیٰ اُن کے "شاہ وحداود عارف" مقام سنگرڈے علاقہ پنجاب سے۔ یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ لہٰذا "سنگرڈے" کہلائے۔"

لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی "پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا"

"البتہ سنگرڈہ ہندو راجپوتوں کی ایک شاخ ضرور ہے" ممکن ہے کسی علوی بزرگ نے جیسا کہ ایک روایت بھی مشہور ہے "سنگرڈہ قوم کے کسی بزرگ کو دین اسلام میں داخل کیا ہو اور علوی ولاء" وہ سنگرڈے علوی حسنی مشہور ہوگئے ہوں" واللہ اعلم بحقیقت حال۔"

سنگرڈہ قوم کے وجود کے متعلق اپنے بیان کی تائید میں ایک نوٹ میں مؤلف موصوف نے "سرہنری اِلیٹ کی تاریخ سے یہ شہادت بھی پیش کی ہے کہ۔

(۱) تاریخ امروہہ پر ریویو " (۲) تحفۂ سیادت " (۳) تاریخ امروہہ کے ایک نوٹ پر اجمالی نظر " (۴) نسب نامۂ عبّاسیہ " (۵) ذوالفقار " (۶) بڑے بول کا پول " (۷) القریش " (۸) الخلیفۃ " (۹) ید اللّٰہی تپانچہ " (۱۰) خاتمہ بالخیر " (۱۱) تاریخ سادات امروہہ " اِس کے علاوہ رسالوں میں اور اخباروں اور پوسٹروں میں بھی آپ کی تاریخ کی تردیدیں کی ہیں۔ یعنی رسالہ جاسوس " روزنامچہ خواجہ حسن نظامی " اخبار اتحاد " نیرّ اعظم مراد آباد " برخلاف اس کے امروہہ کی سابقہ تاریخوں پر کبھی اُن کی تردید میں پمفلٹ بازی نہیں ہوئی "

اور صلاً ۳۶ پر لکھا ہے کہ " اور دوسرے سلسلہ کو جن میں حکیم عبدالرّب اور پروفیسر عبدالجلیل وغیرہ ہیں۔ زُمرۂ شیوخ میں بھی نہیں رکھا۔ بلکہ قوم ترکمان میں شمار کیا ہے " جس طرح ہم کو شیخ کے استعمال سے شیخوں میں شامل کیا ہے " اِسی طرح بڑ یگے ترکمان کہلاتے ہیں۔ اس لئے مؤلف نے قیاس کرلیا کہ ترکمان سیّد نہیں ہوسکتے۔ اور یہ اُن کا خود ساختہ نسب ہے۔ لیکن واضح رہے کہ بالکل یہی نظیر اس وقت لاہور میں بھی موجود ہے " وہ خاندان ترکمان بھی کہلاتے ہیں اور سیّد بھی ہیں " جو اولاد دختر شاہ بخارا ہیں اس لئے یہ نسلیں جہاں پر بھی ہیں ترکمان کہلاتی ہیں۔ اور میراں شاہ موج اولاد احمدؒ کبیر بن جلال الدین میر سُرخ ہیں اُن کا سلسلہ نسب امام نقیؑ سے متصل ہوتا ہے " .... اِسی طرح کیا کتاب نخبتہ التواریخ جو اُن کے خاندان کے ایک بزرگ کی تحریر شدہ ہے اس کے علاوہ تاریخ اصغری و آئینۂ عبّاسی نے " سادات نخشبی کو جن کا سلسلہ خواجہ محمود چشتی سے ملتا ہے۔ زُمرۂ سادات میں تحریر نہیں کیا " لیکن مؤلف تاریخ امروہہ کو اُن کی سیادت میں کلام ہے۔ اور زُمرۂ شیوخ میں شامل کیا ہے۔ جس سے مؤلف موصوف کی حق پسندی اور دیانت اور اُن کے دماغی تعصّب پر تاریخی حیثیت سے کافی روشنی پڑتی ہے " اِس لئے کہ ایک مؤرخ کا اوّل ترین فرض ہے کہ وہ اپنے تعلقات قومی و مذہبی سے قطع نظر کرکے کتاب کو تحریر کرے لیکن مؤلف تاریخ امروہہ نے قطعاً اِس طرف توجہ نہیں کی جیسا کہ ہر سہ جلد سے ظاہر ہے "

اور صلاً ۴۷ پر تحریر کیا ہے کہ " مؤلف نے سیادت کے پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی تیار کی ہے جس سے اُن خاندانوں کو پرکھا ہے جو سیادت کے مدّعی ہیں " چنانچہ اِس بنا پر ہمارے خاندان پر بھی اعتراض کیا ہے " کہ " اِس خاندان میں نہ کبھی مشیخت نہ طریقت کا چرچا رہا نہ پیری مُریدی کا سلسلہ ہوا نہ کبھی پیرزادے مشہور ہوئے۔ نہ کسی بزرگ سے سلسلہ بیعت کا چلا نہ مسندِ سجّادگی رہی تو پھر نسباً کیسے سیّد ہوسکتے ہیں " سیادت کے پرکھنے کا یہ معیار ہے جو مؤلف تاریخ امروہہ نے قایم کیا ہے " ناظرین اس کو اچھی طرح یاد کرلیں ممکن ہے کسی وقت کام آئے۔ لیکن ہے عجیب و غریب بہت اطمینان اور فرصت کے وقت کا تیار شدہ " جس کو سیّد بننا ہو خواہ وہ نسباً کوئی بھی ہو اُس کو چاہئے کہ کسی بزرگ سے بیعت ہوکر پیری و مُریدی کا سلسلہ شروع کرے۔ مسندِ سجّادگی پر بیٹھ جائے اور اپنے کو پیرزادہ مشہور کرے بس کچھ عرصہ میں دو ایک پشت کے بعد بغیر کسی اعتراض کے چوکھا سیّد ہوجائے گا " نسخہ نہایت اچھا ہے ایک پنتھ دو کاج " سیادت بھی ملے گی اور روٹیوں کا ٹھکانا بھی ہوجائے گا۔ لیکن اِس کسوٹی پر دوسروں کو تو پرکھ لیا ہے اپنے خاندان کو بھی دیکھا ہوتا " مشیخت و طریقت کا چرچا کبھی ہوا " پیری مُریدی کا سلسلہ کبھی ہوا۔ کبھی پیرزادے مشہور ہوئے " کبھی مسندِ سجّادگی پر متمکن ہوئے " اِن سب کا جواب عوام کے نزدیک نفی میں ہے "

صاحب تنقید محمود کے اِس بیان سے بھی مؤلف امروہوی کی دلی کیفیت اور تحقیقات کی حقیقت بخوبی عیاں ہوگئی ہے۔ اور اُس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے "

مؤلف امروہوی کی جغرافی ناواقفیت کے مزید دو نمونے

(۱) ہستناپور | مؤلف تاریخ امروہہ نے جلد اوّل کے صلاً ۲ پر لکھا ہے کہ۔

(اوّل) اپنے نسب کے غلوئے شان کا اظہار۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت بابو صاحب کے جدِ امجد نے خاکِ پاک امروہہ پر
قدم رکھا اور یہاں کی سکونت اختیار کی ہے اُن کو یہاں کے سادات نے منہ نہیں لگایا۔ کوئی سلسلہ قرابت و مناکحت اُن سے
پیدا نہیں کیا البتہ بلا تکلفی ان کے لڑکوں کو ڈولیں دیتے رہے جس کا مؤلف کو بھی اقرار ہے چونکہ اپنے کو شیخ لکھتے اور کہتے تھے ا
چھٹی کا دور کے بعد ان لوگوں کا ملاپ ایسے خاندان سے ہوگیا جو بنی فاطمہ سے تھے اور شیخ ہی کہلاتے تھے ان گروہوں کی سیادت تو مالائے
ان کو تو کسی نوعیت سے صحیح النسل ہونے کا بھی موقع نہ تھا۔ مؤلف سے پیشتر جس قدر تاریخیں تالیف ہوئیں اُن میں اعلیٰ ولد
عباسی شیخ ہی لکھے گئے۔ اور ان کا ذکر عنوان شیوخ ہی میں صفحہ پر کیا گیا۔ محمود احمد کو یہ لفظ خوش نہ آیا کیونکہ انصار،
اہلِ قریش۔ صدیقی و صدیقی۔ عثمانی و فاروقی۔ سب شیخ ہی کہلاتے تھے۔ مؤلف کو سید بننے کی ہوس دامنگیر تھی۔ پھر
تو پھر عباسیت خواہ وہ کیسی ہی واضح کیوں نہ ہو شیخ کہلانے کی کب اجازت دے سکتا ہے۔ جس طرح بلا دلیل محض اُن تواریخ کا
پر عباسی بن گئے تھے جو بعد غدر ۱۸۵۷ء تالیف ہوئی تھیں اور جن کو مؤلف غیر معتبر ٹھہرا چکے ہیں۔ اسی طرح بلا کسی رہنمائی کے اپنی سیا
طلبی کا بجانا شروع کر دیا سینکڑوں حلقے کے بعد ان عبدی الاصل گروہوں کو بھی خلعت سیادت عطا کر ڈالا جن سے ان کے ساتھ سابقاً
رشتہ مناکحت چلا آرہا تھا یہی وہ جذبہ تھا جس نے مجبور کیا کہ صرف انعام کے سید مشائخ الیہ پیرزادگان کی سیادت کی عبار
بیالیس صفحات میں بنا کر کھڑی کر دی اور اپنے حالات میں جن کا بیشتر حصہ تاریخ امروہہ کے نقطۂ نظر سے بالکل غیر متعلق تھا۔ ۹۲ صفحے
سیاہ کر ڈالے۔

(دوم) مولوی الیکشن لیجسلیٹو بورڈ امروہہ جس میں ایک طرف مؤلف صاحب۔ پیرزادگان و چودھریان اور دوسری
دوسرے تمام خاندان جن میں سادات پیش پیش تھے اور اوّل الذکر کو اس میں شکست فاش ہوئی تھی جس کا انتقام کچھ تو ایک اخبا
ر بعد سے لیا گیا جو قارئین کے سامنے آچکا ہوگا۔ بغض و غضب کے اظہار کے واسطے مؤلف نے اپنی تالیف
وقف کر دیا۔

(سوم) مؤلف کی بے بضاعتی و تنگدستی۔

اسی کتاب میں مولوی صفت اللہ صاحب بی اے مؤلف امروہوی کی تالیفات کے متعلق ایک
تحریر فرماتے ہیں کہ مؤلف کی حیثیت افسانہ گوئی ہے نہ کہ وقائع نویسی کی اور یہ کہ محمود احمد (مؤلف امروہوی) کی تالیفات کے
مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے شرافت کو صرف اپنے اور اپنے رشتہ داروں کی قوم تک محدود کر دیا ہے سوائے پیرزا
دا اولاد شیخ ابن امروہوی، اور عباسیان اور اپنے اقارب کے انہوں نے امروہہ میں کسی قوم کو ایسا نہیں چھوڑا جس کے حسب
نسب میں نکتہ چینی یا خوردہ گیری نہ کی ہو اور اُن کے افراد میں طرح طرح کے عیب نہ پیدا کئے ہوں۔ مؤلف امروہوی کا یہ دعویٰ
معلوم ہوتا ہے کہ عباسی لاولد پیرزادگان اور اپنے دیگر اقارب کی چار دیواری سے باہر شرافت و نجابت نہیں جا

مؤلف امروہوی کی افتادِ طبیعت کے متعلق صاحب تنقید محمود کا بیان

مؤلف امروہوی کے متعلق صاحب تنقید محمود کا بیان ہے کہ خاندان متعلقہ کے کسی فرد سے معلوم کئے بغیر علم دا آج
نہیں ہوسکتا مگر چونکہ مؤلف تاریخ امروہہ کی افتادِ طبع اس کے خلاف ہے اس لئے کوئی خاندان ایسا نہیں ہے جس کے حالات صحیح کر
ہوں حتیٰ کہ عباسی خاندان تک بھی جناب والا سے نالاں ہے پھر دوسرے خاندانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے جس کی وجہ سے تاریخ امروہہ
آج بے گت بن رہی ہے اور شہر کا مشکل سے کوئی خاندان ایسا ہوگا جو آپ کی تاریخ پر صدائے احتجاج بلند نہ کرتا ہو جس کا ثبوت موجود
مادی سے ہے۔ جس کی تردید میں اس وقت تک گیارہ پمفلٹ لکھے گئے ہیں۔ جیسے:

دشمن سے ثابت کرو اور اُن کو مسلّم الثبوت سیّد ٹھہراؤ۔ اور لفظ "بنجارہ" کو چھیل کر پھینک دو۔ یا کسی کرم کی غذا بناؤ اُس وقت تم یہ کہنے کے مجاز ہوگے کہ لفظ شیخ اُن کے اور اُن کے خاندان کے افراد کے ناموں سے مخالف سیادت و قادح رضویت نہیں ہے۔.....

لفظ شیخ پر قلم فرسائی کرنے کے بعد حضرت مؤلف اِس نتیجہ پر پہونچتے ہیں "

"آپ (شاہ ابن صاحب) جیسے شیخ وقت و ولی کامل کے اِسم گرامی کے ساتھ محض لفظِ شیخ کا استعمال تاوقتیکہ نسب کا اظہار صراحتہً نہ کیا جائے قادح سیادت و فاطمیت" نہیں ہو سکتا" (جلد ۲ صفحہ ۳۴)

جو کہ فقرۂ بالا میں ارشاد فرمایا گیا ہے وہ اُس موقع کے لئے ہے جہاں سیادت مُسلّم و ثابت ہو۔ شاہ ابن صاحب کی سیادت کب مسلّم ہے۔ جو شیخ کا لفظ قادح نہ ہوگا۔ اوّلاً شاہ صاحب کی سیادت ثابت کیجئے۔ اُس کے بعد آپ کو اپنی زبانِ قلم سے الفاظ "قادح نہ ہوگا" فرمانے کا مجاز ہوگا"........

صاحب نخبتہ۔ مولوی سیّد آلِ حسن صاحب مرحوم و مغفور" لفظ شیخ کی نسبت لکھتے ہیں کہ۔

"در اکثر بلاد سادات امروہہ کہ سیادت ایشاں اشہر و اظہر است۔ دو بزرگ صاحب ارشاد و ہدایت بنیا دبودند۔ وہم در کتب مسطور۔ الّا نسب ایشاں ہم مذکور "۔

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ لفظ شیخ اِن حضرات کے نام کے ساتھ قادح سیادت نہیں ہے جن کی سیادت اشہر و اظہر ہے (مشہور اور ظاہر ہے) اور اُن کا نسب بھی مذکور ہے مگر جہاں نہ شہرت ہے اور نہ کسی کتاب میں نسب درج ہے اُن کے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ قادح و منافی سیادت کیوں نہ ہوگا"

مؤلف کی تالیفات میں جو شے نمایاں نظر آتی ہے وہ اپنے اقالیم ثلثہ یعنی عبّاسیان "پیرزادگان و چودھریان کی تعریف اور دوسرے مقتدر و معزز خاندانوں کی تنقیص ہے۔ مؤلف نے دوسرے گروہوں کی عیب چینی کرکے اپنے خاندان کے نسب کی شانِ امتیاز کو بالائے بام لے جانے کی کوشش کی ہے۔ جس چیز کو عیب سمجھا ہے اور جو چیز مؤلف کے خاندان میں بدرجۂ اتم موجود ہے اُسے پوشیدہ رکھا ہے اور دوسرے خاندانوں میں نمایاں کرکے دکھلایا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (جلد ۲ صفحہ ۱ دیباچہ)

"ہاشمیوں بالخصوص.........کنیزوں سے ملتا ہے"

اِن حضرتِ مؤلف سے دریافت کیا جائے کہ حضرت نے اِس فقرہ میں خلفائے بنی عبّاس کو چھوڑ کر فاطمیوں کو کیوں مخصوص کیا ہے۔....... بہترین مثال تو خلفائے عبّاسیہ کی تھی" جن میں تابڑ توڑ مسلسل یکے بعد دیگرے بلا انقطاع کنیز زادوں کی بھرمار رہی۔ انہیں میں ماموں رشید و ہاروں رشید بھی ہیں۔ کیا یہ خلفاء کی شانِ امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ جو ان سے چشم پوشی کی گئی۔

اِسی ضمن میں (جلد ۲ صفحہ ۱۲) پر ہے کہ :۔

"صدہا ایرانی...........عورتوں کے بطن سے ہوئے"

یہاں بھی کسی ایک خلیفہ عبّاسی کا نام زبان قلم سے نہ نکلا۔.........

.........یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اِس وقت تک جتنے حصّے اوّل و دوم و چہارم شائع ہو چکے ہیں اُن میں سے ہر حصّہ اپنے ما سبق سے مؤلف کی نسبی لن ترانی، دروغ بیانی، خانہ ساز روایات اور اپنے اقارب کے خاندانوں کی تفضیل اور دوسرے گروہوں کی تنقیص میں مراتب فائق ہوتا چلا گیا ہے۔ یہاں یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ کیا حالات تھے جو بعض کی طرف سے مؤلف کے لئے باعث عناد و مخالفت اور اپنے ہمنواؤں و اعزاء کے لئے سبب مدح شوائی ہوئے بظاہر اس کے تین اسباب ہیں۔

خاندان مشہور النسب کے عنوان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

(۴) مجہول النسب۔ ہاں اگر کوئی نسب متنازعہ فیہ ہو تو طرفین کے ثبوت و شواہد کو میزان عقل میں وزن کرنا پڑے گا اور عقلاً جو ثبوت قوی ہوگا اُس کے موافق فیصلہ صادر کرنا ہوگا پس جو تعریف مجہول النسب کی کی گئی ہے وہ بھی نقویت سے خالی نہیں۔

(۵) مردود النسب۔ اس مثال کی تلاش میں کچھ دُور جانا نہ پڑے گا۔ خاندان پیرزادگان و خاندان مولوی محمود احمد صاحب اِس تعریف کے لحاظ سے ثابت النسب بالفعل کے مصداق ہیں۔ حضرات پیرزادگان کے اسلاف کا اپنے ناموں سے پیشتر خود اپنے قلم سے شیخ وغیرہ کا لکھا گیا مظہر بطلان نہیں ہے

مذکورۂ بالا اقسام نسب جامع مانع نہیں ہیں۔ ذیل میں چند صورتیں پیش کی جاتی ہیں اور دریافت کیا جاتا ہے کہ ان صورتوں میں ذیل کے لئے کون سے اقسام ہیں

(الف) اگر کسی سلسلۂ نسب میں صدیوں تک چند دسائس اندر ریاں ہو گئے ہوں اور صدیوں کے بعد اسلاف کے فراموش کردہ تمام اخلاف بعید نے گھڑ لئے ہوں یا اپنے قیاس سے سلسلہ کی کڑیوں کو مربوط کر لیا ہو تو ایسے خاندان کو مکملہ پانچ اقسام مذکورہ کے کس قسم میں داخل کیا جائے گا۔

(ب) اگر کسی خاندان کا سلسلہ کسی ایسے شخص سے ملحق کیا جائے جس کے مسلمہ طور پر عقب نہ ہو تو وہ خاندان کس قسم میں شمار کیا جائے گا۔

(ج) اگر کوئی مغل یا قزلباش ہو یا کوئی مسلم برہمن یا راجپوت ہو اور اُس کی برہمنیت یا راجپوتیت علی وجہ الشہرت و تواتر مُسلّم ہو تو وہ مجملاً اقسام مذکورہ کے کس قسم کے تحت آئے گا۔ غرضیکہ بیسیوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(قسم ششم) سیادت پیرزادگان کے علمبردار جب تک دوسروں کے مال پر تصرف کر کے طبع آزمائی کرتے رہے اُن کی حقیقت حال پر ایک حد تک پردہ پڑا رہا مگر جب اُنھوں نے اس میدان سے آگے قدم بڑھایا۔ اور قیاس کے گھوڑے دوڑانے شروع کئے تو محالات عقلی و نقلی میں بیسکر قیاسات فاسدہ کا شکار ہو گئے چند اسماء گرامی جن سے پیشتر لفظ شیخ ہے اُس کو کھا گئے۔ حوالہ قلم کر کے اپنے قیاس سے یہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ خاندان پیرزادگان کے افراد کے ناموں کے ساتھ محض لفظ شیخ کا پایا جانا کسی طرح صحت سیادت کے مخالف نہیں۔ مثلاً۔ (۱) شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری ان کی نسبت مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۴۲۶ پر صاف تحریر ہے کہ از سادات بخاری است (۲) شیخ محمد غوث گوالیاری ان کی نسبت کہاں تحریر ہے کہ از سادات کرمانی است۔ (۳) شیخ آمن صاحب یہ قطعاً سید نہیں (۴) شیخ احمد جامی ان کی سیادت کے متعلق ملاحظہ ہو مقالہ شیخ عبدالقادر جیلانی یہ بھی سید نہیں ہیں۔

تم خود جلد چہارم کے صفحہ ۹۷ سطر ۲ میں لکھتے ہو کہ اُن کی سیادت مسلّم ہے۔ جن کی سیادت مسلّم الثبوت ہو اور مورخین اسلاف اُن کی سیادت پر مُہر تصدیق ثبت کرتے چلے آئے ہوں اور ہر زمانہ اور ہر عہد میں اُن کی سیادت زبان زد خلائق رہی ہو۔ اور کوئی قائل کا ذرا اختلاف پیدا کرنے والا نہ ہو۔ اگر ایسے ناموں سے پیشتر لفظ شیخ لکھا ہے تو یہ لفظ اُن کی صحت سیادت کے منافی نہ ہوگا۔ مگر وہ ہستیاں جو قریباً قرن تک اپنے کو مآثر الشرعی شیخ ملحق الخ لکھواتی اور اپنے دستخط خود اپنے اقراری دستاویزات پر لفظ شیخ کرتی رہی ہوں اور دوسروں کی دستاویزات پر اپنی گواہیاں اپنے قلم سے لفظ شیخ کی ہوں اور دیگر اشخاص نے اُن کے ساتھ شیخ و شرافت پناہ جیسے الفاظ سے مخاطبت و مکاتبت کی ہو۔ اور خود انھوں نے اپنے کو بیچارہ لکھا ہو اور باوجود دعویٰ سیادت کے لفظ شیخ کی آڑ میں صدقات بطریق مبارک قبول کئے ہوں اور سوائے روایات خاندانی کے جو علاوہ ۱۸۵۸ء کے قریب گھڑی گئی ہیں کوئی دستاویزی ثبوت سیادت اُن کے ہاتھ میں نہ ہو اور ایک فرمان شاہی میں شیخ زادہ تک لکھا ہے۔ تو پھر انصاف کرو کہ اِن حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے لفظ شیخ اُن کے حق میں کس معنی پر دلالت کرے گا اور کیوں اُس کی صحت سیادت کے خلاف نہ ہوگا۔ (۱۰) آغا شاہ آتش صاحب کی سیادت دلیل قطعی و

..س نوعیت سے یہ قصہ خاص گھٹاؤلی اور اس کے اطراف میں مشہور ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ یہ قصہ روایتہً و درایتہً غلط اور
خود ادرزمانۂ حال کا موضوعہ ہے۔

سوم) "شہرتِ بلدیہ" یہ تو سفید جھوٹ ہے "امروہہ" میں پیرزادگان و عباسیان اور اُن کے دیگر متعلقین کو چھوڑ کر
ہے وہ سیادت پیرزادگان کے خلاف ہے۔ رہی موضع گھٹاؤلی کی روایت یا شہرت اُس کی امروہہ میں تو کوئی شہرت نہیں
دلی والے۔ شاہ ابّن صاحب کے اصلی نام تک سے واقف نہیں۔ اور گھٹاؤلی میں جس نوعیت سے شہرت دی گئی ہے۔
تو پیرزادگان کی عمارتِ سیادت سر بسجود ہو جاتی ہے۔.........

چہارم) "خانہ ساز و خود ساختہ اصول" جو بطور قاعدۂ کلیہ کے اس غرض سے وضع کئے گئے ہیں کہ مؤلف اور پیرزادگان
کی نیں جو وسائط مفقود ہیں اور طرح طرح کے خبط و انتشار نظر آتے ہیں اُن کی توجیہ ہو جائے۔ اور لفظ شیخ و شیخ زادہ و پیر
زادہ جو حضرات پیرزادگان کے ناموں کے ساتھ وابستہ چلا آتا ہے۔ وہ قادح سیادت و رضویت نہ ہو۔ مثلاً مؤلف فرماتے
اگر کسی خاندان میں مشیخت و طریقت۔ پیری و مریدی کا سلسلہ پایا جاتا ہو۔ اور خاندان مشائخ کی حیثیت سے مشہور ہو۔ اور
یں سلسلہ بیعت و سجادگی بھی پائی جاتی ہو اور وہ خاندان پیرزادہ کہلاتا ہو۔ تو اسے خاندان کے بزرگوں کا اظہار نسب میں لفظ شیخ
نا بر بنائے مشیخت ذاتی نہ ہوگا اور" باوجود اپنے کو شیخ و بنجارہ لکھنے کے سیّد بن جانے کا حقدار ہوگا" افسوس ہے
اصول موضوعہ نے سلاسل نسب کو بد سے بدتر کر دیا۔

قسم پنجم) "اقسام نسب" بابو صاحب نے نسب کی پانچ اقسام اپنے دماغ سے اتاری ہیں اور عوام پر اپنی علمیت کی دھونس
کے لئے یہ بھی ٹانک دیا ہے کہ علمائے علم الانساب نے نسب کی چھان بین کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل پانچ اقسام دی ہیں"

(۱) صحیح النسب جو جملہ نسّابین کے نزدیک ثابت و متحقق ہو۔ سلسلۂ نسب "منقطع و غیر متصل" نہ ہو اور "نسّابین نے
اع اُس کی تصدیق کی ہو"....... زمانۂ حال کے نسّابین میں تو محمود احمد صاحب کو بھی شامل ہونے کا دعویٰ ہے جو جناب
لات سے کما ینبغی پر وقوف رکھتے ہیں وہ تو یقیناً حضرت مؤلف کو عادل نسّابین کے زمرہ سے خارج ہی رکھیں گے۔
.... غضب تو دیکھئے کہ جناب مؤلف نے جلد چہارم صفحہ ۱۸۹ کے فٹ نوٹ میں پیرزادگان کے خاندان کو اور
یں اپنے خاندان کو صحیح النسب کہا ہے.......... صحیح النسب کے جو شرائط مؤلف نے مقرر کی ہیں اِن خاندانوں میں کہاں پائی
ہیں۔ کون کون نسّابین اِن دونوں خاندانوں کی سیادت و رضویت پر شاہد ہیں۔ اجماع تو درکنار یہاں تو ایک نسّاب دیکھئے
نہیں۔ یا تو مؤلف کی تعریف غلط اور لغو یا ان دونوں خاندانوں کا صحیح النسب ہونا غلط"

(۲) مقبول النسب "جو اکثر نسّابین کے نزدیک ثابت ہو اور ایک دو نے اِنکار کیا ہو۔ پس وہ چند عادل نسّابین
ادت کی بنا پر مقبول ہوگا۔ اور بعض کے انکار کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔ یہ نسب بلحاظ مرتبہ اُس نسب کی برابر نہیں جس پر جملہ
بین کا اجماع و اتفاق ہو۔

یہ تعریف نہایت درجہ خبط ہے" مؤلف فرماتے ہیں کہ ایک یا دو نے انکار کیا ہو۔ لیکن اگر منجملہ ایک ہزار نسّابین کے
یا دس سے زیادہ انکار کریں تو کیا حکم ہوگا۔ اگر ایک ہزار میں سے دو سو منکر اور آٹھ سو مثبت ہوں تو کیا حکم لگایا جائے گا"
تو نسّابین کا شمار ہی محال ہے خصوصاً مؤلف جیسے قابلیت کے شخص کے لئے........ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اکثریت کے مقابلہ
چند کا لفظ بالکل مہمل ہے پس یہ تعریف بھی انتہائی لغو ہے۔

(۳) مشہور النسب.......... یہ قسم تو عجائباتِ دنیا سے ہے کیونکہ یہ قسم صرف سادات و شیوخ سے متعلق
پٹھانوں یا قزلباشوں وغیرہ سے اس کا کچھ علاقہ نہیں...... نتیجہ یہ ہے کہ سوائے سادات و شیوخ کے دنیا میں کوئی

ہے عہدۂ سرکاری پر مامور تھے اس ثبوت سے پیرزادگان کی سیادت ہمیشہ کے لئے ستم ہو جاتی ہے۔"

(۷) گزیٹیر۔ اس کو بھی بابو صاحب نے صحیح و مستند نہیں سمجھا۔

نوٹ۔ خلاصۃ الانساب کے مصنف کے متعلق البتہ تاریخ واسطیہ کے صفحہ ۳۲۲ پر یہ عبارت ملتی ہے "

"سید ارشاد علی ولد سید وارث علی یہ اچھے شاعر تھے۔ ان کو استعداد علم فارسی میں کامل تھی۔ فن تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ اکثر تواریخ وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ قصائد نویسی میں لاجواب مشہور و معروف تھے۔ ان کا ایک رسالہ تاریخ سادات امروہہ میں تالیف ہے۔ اس میں بعض حضرات خلاف اصل و خلاف کتب تواریخ سابقین میں درج ہو گئے ہیں"

یہ حالت و کیفیت تو ان تواریخ کی ہے جو در بارۂ ثبوت عباسیت و سیادت پیرزادگان مؤلف کے مانع ہیں۔ جب بابو صاحب کو احساس ہوا کہ ریت کی بنیاد پر مؤلف کی عباسیت اور پیرزادگان کی رضویت قائم نہیں رہ سکتی تو انہوں نے جدید شواہد وضع کرنے اور نئے ثبوت گھڑنے پر کمر باندھی اس طرح جب مؤلف نے ہر طرف سے اپنے حصول مطلب کے دروازے بند پائے تو اپنے سمجھانے یا دہ داقوال پریشان و موضوعات کا تھیلا جلد چہارم کے صفحات قرطاس پر الٹ دیا لیکن جلد اول کا تدارک نہ ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ تناقص و مخالف کا شکار ہو گئے۔

جو خود ساختہ و وضعی شواہد مؤلف نے بہ ثبوت سیادت پیرزادگان جلد چہارم تحقیق الانساب میں درج کئے ہیں ان کو حسب ذیل اقسام پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(قسم اول) دستاویزی یا تحریری ثبوت۔ جس میں کاغذات ذیل شامل ہیں۔

(الف) کھیوٹ مندرجہ جلد چہارم صفحہ ۵۲ متعلق گھٹاولی

(ب) عکس چکنامہ موشیہ مہر خواجہ محمد حسن متعلق صفحہ ۴۷ جلد ۴

(ج) نقل پروانہ بنام چودھری بہار

(د) کاغذ کا ایک چھترا جس کو ایک کتاب کے دیباچہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ؟

(ھ) کاغذات دیہی متعلق گھٹاولی

(ی) ایک تحریر جو پیر عزیز اللہ المعروف بہ پیر جیون کے وقت کی بتائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا کاغذات قطعی غیر قابل اعتبار ہیں مقالۂ پیرزادگان کے سلسلہ میں ان کاغذات پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال دی گئی ہے۔

جلد ۴ صفحہ ۶ میں کاغذ کرم خوردہ تبرکہ کاغذ کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ شاہ اتن صاحب کے نام سے پیشتر جو الفاظ بطور صفت کے استعمال کئے گئے تھے وہ اصل میں سے چھیل ڈالے گئے ہیں اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ وہ کتاب جس کا اس پرزہ کو دیباچہ بتلایا گیا ہے کسی مخالف کے پاس تھی اس نے الفاظ صفتی کو چھیل ڈالا مگر کسی نہ کسی وقت یہ کتاب بابو صاحب کے پاس بھی آئی تھی اور انہوں نے اس کی جانچ و پڑتال بھی کی ہو ورنہ ان کو الفاظ کے چھیل ڈالنے کا علم نہیں ہو سکتا تھا علاوہ ازیں اس کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ مؤلف کو کیونکر علم ہوا کہ وہ کتاب جناب ایا شاہ اتن صاحب تصنیف ہوئی تھی اسی طرح کے قطعے نوٹ پر کاغذ دریدہ کے الفاظ ہیں مگر متن میں چھیل ڈالنا ہے۔

(قسم دوم)۔ خاندانی روایات۔ جو صرف عباسیوں اور پیرزادوں کے خاندان میں سینہ بسینہ ذرتی رہی ہیں ان میں بھی گھٹاولی والی روایت کو خاص اہمیت ہے۔ مقالہ پیرزادگان میں اس روایت کے جو پوست کندہ حالات درج کر دیئے گئے

(ب) خدا مولوی آل حسن کو معاف فرمائے کہ انہوں نے اپنی تالیف میں آئینۂ عباسی و تاریخ رضوی کی تحریرات کے سراسر خلاف ...... بشرطیکہ اُن کی کسی بدنیتی یا تعصب پر محمول نہ کیا جائے .... شیخ نظام الدین کی اولاد کو شیخ نظام الدین عباسی کی نسل میں لکھ مارا " (جلد ۲ صفحہ ۱۹۱)

(ج) کیا ایسے متعصب مورخ کو بد ترین بد دیانتی سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ اُن کا ضمیر اور اُن کا کانشنس بھی بوقت تحریر اُن کو ملامت کر رہا تھا۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۹)

(د) جس خاندان کو پہلے نخبتہ نے زمرۂ شیوخ میں شامل کیا تھا اُس کو پھر نسباً " سید " لکھدیا۔ نخبتہ کے اوراق تبدلہ خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۴۹)

(ھ) مولوی غلام نبی خاں صاحب نے اُس کا رَدّ شائع کیا۔ (جلد ۲ ص)

غرضیکہ یہ کتاب بھی جو تباہی بغداد سے (۶۱۸) برس اور امین الرشید سے (۱۰۶۵) برس بعد عالم وجود میں آئی اور خود عباسیوں کی زبانِ قلم سے ساقط الاعتبار و مردود ٹھہری کیسے لائقِ اِستناد ہو سکتی ہے۔ صاحب نخبتہ کی تحقیق کا تو یہ عالم ہے کہ اُن کو حضرت شاہ اِبن صاحب کے والد ماجد کا نام تک معلوم نہ تھا۔ جو متن میں تحریر فرماتے لہذا حاشیہ پر اُن سے شجرۂ پیرزادگان نقل کرا دیا گیا۔ گھنٹاولی سے اِنتقال مکانی کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔

(۳) تاریخ رضوی " مؤلف نے اس کا ماخذ دربارہ حالات عباسیان " آئینۂ عباسی و نخبتہ التواریخ " بتلایا ہے۔ حالانکہ " رضوی " کو " نخبتہ " پر تقدم حاصل ہے۔ نخبتہ میں جا بجا رضوی کے حوالے موجود ہیں۔ اِس تاریخ کی نسبت مؤلف کی رائے ہے کہ۔

" تحقیق و تنقید سے مطلق کام نہیں لیا " غلط اور مہمل روائتیں درج کردی ہیں " (جلد ۱ صفحہ ۶)

(۴) تاریخ " اسطیہ " یہ کتاب عند المؤلف (مؤلف کے نزدیک) مجموعۂ خرافات ہے " چنانچہ فرماتے ہیں۔

(الف) خاندانی تذکرہ زیادہ تر مہمل و مضحکہ انگیز روایتوں پر مبنی ہیں۔ (جلد ۱ صفحہ دیباچہ)

(ب) اِس کے اَوراق پر تو خرافات واہیہ کا ایک انبار لگا ہوا ہے اس کے مؤلف نے بعض جگہ قصداً و عمداً غلط بیانی سے گریز نہیں کیا۔ (جلد ۱ صفحہ دیباچہ)

(۵) خلاصۃ الانساب قلمی " مؤلفہ سید ارشاد علی راقم ساکن محلہ شفاعت پوتہ ۱۲۸۰ھ ہجری بیان کی جاتی ہے سنا جاتا ہے (دروغ برگردن راوی) کہ یہ حضرت پیرزادگان میں چند تعویش (یعنی چند روپوں) کے ملازم تھے۔ اور جناب کی تبحر علمی کا پارہ بابو صاحب کے مبلغ علم سے کئی درجہ گرا ہوا تھا۔

جس قدر عبارت اس قلمی غیر معروف نسخہ سے بابو صاحب نے نقل کی ہے اُس کو دیکھکر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ع

" اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ اِنہیں کچھ نہ کہو "

حضرت راقم نہ مورخ ہیں نہ نسّاب۔ ایک معمولی حیثیت کے بزرگ اور بزرگ زادے ہیں اور جبکہ بابو محمود احمد صاحب کو مطبوعہ کتب میں تحریف و تدریس کرنے میں تامل نہیں ہوا تو ایسے قلمی غیر معروف کتابوں کے حوالجات و منقولات و اقتباسات کا جو عباسی صاحب نے اپنی تالیفات میں درج کئے ہیں کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مؤلف نے دیانتداری برتی ہوگی۔ بہر حال اِس کتاب کی عمر ۸۴ سال ہے۔

(۶) مثنوی مولوی ظہور علی صاحب دہلوی " اِس مثنوی کی نسبت کہا گیا ہے کہ پیرزادہ محمد نذر نبیرہ حضرت شاہ اِبن صاحب کے ایما سے تصنیف ہوئی تھی۔ اور پیرزادہ مذکور کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ضلع بلند شہر میں جہاں موضع گھٹاولی

۱۱ یہ ہی معاملات کی تحقیقات کے کمش کے رکن اعلم تھے حالانکہ مدائیولی کے "الہ داد" ان میں سے کسی عنوان میں داخل ہیں۔ البتہ باعث گرمیٔ محفل
او مجلس آرائی کے سنگھار اور درج میں مسلک سپاہی ہیں۔ طبقات اکبری کے صفحہ ۳۹۱ پر تحریر ہے کہ "مرد خوش فہم ملائمیہ مشرب بود"
مؤلف نے جلد دوم کے صفحہ ۳۹ پر جو عبارت منتخب التواریخ سے نقل کی ہے اس کا تو منتخب التواریخ میں پتہ نہیں۔ غرضیکہ تاریخ
ہ معید عباسیاں ہے اور ہ مثبت سیادت عباسیان"
(۲) تاریخ فرشتہ: اس کتاب سے مؤلف نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یوسف بے کار واں عرف امغا دا ہیں الرشید
بتائے جاتے ہیں۔ بعد تباہی ہندوستان آئے اور بے یار و مددگار بہ حالت پریشانی یکہ و تنہا خاک پاک ہند پر قدم رکھا مگر مؤلف کی
بدقسمتی سے فرشتہ میں نہ نام ملتا ہے اور نہ ولدیت کا پتہ۔ "نام اور ولدیت مؤلف نے اور میراں کے بزرگ مولوی محب علیخاں
صاحب مرحوم نے عطا فرمائے ہیں" المختصر تاریخ سے نہ مؤلف کی عباسیت اور نہ پیرزادگان کی سیادت ثابت ہوتی ہے۔
(۳) تاریخ فیروزشاہی: اس کو محض برمن اقرار عباسیت کام میں لایا گیا ہے اس کا کوئی تعلق نہ مؤلف کی عباسیت
سے اور نہ پیرزادگان یا چودہریان کی سیادت سے ہے"
(۴) مآثر الامراء۔ اسراریہ۔ ثمرات القدس۔ اخبار الاخیار۔ طبقات اکبری۔ گلزار ابرار۔ شجام نماما(؟)
یہ ساتوں کتابیں حضرت ابن کو شیخ پکار پکار کے کہہ رہی ہیں۔ ہاں میاں پیرزادگان کے واسطے لفظ سید ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا اور
مد گلزار ابرار" میں تو مصنف نے نہایت شہادت و دلیری کے ساتھ تحریف سے کام لیا ہے جس کو تبصرہ ہذا میں اپنے مقام پر واضح طریقہ سے
دکھلا دیا جائے گا۔

قسم دوم میں وہ تواریخ و تذکرے ہیں جو بعد مدت تالیف ہو کر شائع ہوئے ان میں حسب ذیل کتابیں شامل ہیں۔
(۱) آئینہ عباسی: مؤلفہ مولوی محب علی خانصاحب ۱۸۷۹ء یہ کتاب ماہنے بعد ادے پچونسٹھ لیس اور ابیں الرشید
(۳۰۰)
ے ایک ہزار تہتر برس بعد عالم وجود میں آئی۔ سب سے پہلے یوسف میکا رواں کا نام اور مؤلف کا سلسلۂ نسب اسی کتاب میں ملتا ہے۔
یہی کتاب بابو محمود احمد صاحب کی عباسیت کی بنیاد ہے۔ اسی میں دودمان عباسی کے شجرۂ اسلاف کے مجموعہ کے اسمائے گرامی ملتے ہیں
جو ابیں الرشید سے لے کر محب علی خان صاحب کے وقت تک ہر اہل خاندان کو اور خصوصاً خاندان مولوی علی محمد صاحب کو ازبر
یاد تھے سادہ سینہ بسینہ چلے آرہے تھے۔ غرضیکہ مؤلف کی طویل و عریض داستان اسی چند ورق کی کتاب میں سمائی ہوئی ہے۔
تماشہ یہ ہے کہ بابو صاحب نے جو اپنا خاندانی شجرہ بعد از اپنی تالیف میں درج فرمایا ہے اس میں ایک نام کا اضافہ اپنی طرف
سے کر دیا ہے۔ اور سلسلہ سیدی میں ایک دقت میں دو رکن الدین اور چار نظام الدین تشریف رکھتے ہیں۔ محب علی خانصاحب
اسی کتاب میں پیرزادگان کی نسبت لکھتے ہیں کہ "ایک گروہ پیرزادہ صاحب کا کہ اولاد شیخ ابن قدس سرہٗ العزیز کثیر ہیں"
"بابو محمود احمد صاحب اسی رسالہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ "
"اس مختصر کتاب میں جو ایک رسالہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی سادات
و شرفاء امروہہ کے خاندانوں کے اجمالی تذکرے۔ کہیں کہیں چند تاریخی حالات سے
متعلق ہیں۔ (جلد ۱ صفحہ ۷)
(۲) تذکرۃ التواریخ: مؤلفہ مولوی آل حسن صاحب۔ اس تاریخ کا ایک حرف بھی مؤلف کے نزدیک قابل اعتنا
نہیں ہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ ایک وقت تو مولوی صاحب کو مستند نہیں مانتے اور دوسرے وقت انہیں کو اپنے دعوے کی تائید میں
پیش کرتے ہیں۔ اور بھول جاتے ہیں کہ حضرت کا قلم ابتداء میں ان پر نہایت بیباکانہ جرح و قدح کر چکا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
"والعہ خاندانی تذکروں میں بھی تحقیق سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا۔ (جلد ۱ صفحہ ۷)

اور جو کہنہ دستاویزات و فرامین شاہی متعلق پیرزادگان جلد اوّل میں داخل کرچکے تھے اُن کی طرف سے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور جذبۂ افتخار نسبی کی بدولت خارجی اثرات سے متاثر ہو کر بربنائے مفاد و تعصب پرستی اپنی تالیفات کو متباین و تناقص و خود ساختہ قصص و بیانات و موضوعات سے بھر دیا دوسرے خاندانوں میں بے بنیاد معایب و شنا ذ سارعیوب نکال کر اپنے اور اپنے متعلقین کے نقائص خاندانی کو یا تو پوشیدہ رکھا یا خفیف کرکے دکھلایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بابو محمود احمد نے جن کتب و دستاویزات سے اپنی مذعومہ عباسیت اور پیرزادگان کی مفروضہ سیادت ثابت کرنے میں دم لیا ہے اُن کی کیا حقیقت ہے اور باعتبار اسناد کے وہ کن درجہ پر ہیں مؤلف کی معتمد علیہ کتب و مدار علیہ دستاویزات حسب ذیل ہیں :۔

(اوّل) فرامین شاہی و کہنہ دستاویزات "کوئی مستند فرمان یا قابلِ اعتبار دستاویز یا کاغذ مثبت ۔ سیادت پیرزادگان و عباسیت عباسیان مؤلف کے پاس نہیں ہے ۔ سیادت تو درکنار پیرزادگان کی شیخیت خاصہ بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی ۔

(دوئم) تواریخ و تذکرے ۔ یہ دو قسم کے ہیں :۔

(الف) معتبر و مستند ۔ مثلاً:۔ **"منتخب التواریخ" "تاریخ فرشتہ" "تاریخ فیروز شاہی" "مآثر الامراء" "اسراریہ" "ثمرات القدس" "اخبار الاخیار" "طبقات اکبری" "گلزارِ ابرار" "جامِ جہاں نما"**

(ب) تاریخ یا تذکرے جو بعد غدر تالیف ہوئے ۔ اور جن کو مؤلف نے غیر معتبر اور غیر مستند ٹھیرایا ہے ۔ یا جو مجہول الحال اور غیر معروف شخص کی تالیف ہیں ۔ مثلاً:۔ **"آئینۂ عباسی" "گزیٹیر" "نخبۃ التواریخ" "تاریخ رضوی" "تاریخ واسطیہ" "خلاصۃ الانساب" "مثنوی مولوی ظہور علی"**

(۱) **"منتخب التواریخ"** ملّا عبد القادر بدایونی کی تالیف ہے اس میں سوائے الفاظ **"سیّد مشارٌ الیہ"** کے جو متن میں **حضرت شاہ ابّن صاحب** کے حال میں آ گئے ہیں اور کوئی ذکر سیادت پیرزادگان کا نہیں ہے ۔ یہی وہ تین الفاظ ہیں جن کی بحث میں مؤلف نے اپنے ذہن کی بلند پردازی کا جلوہ جس کے ارتفاع کا اندازہ قوّت واہمہ کی دسترس سے باہر ہے ۔ صفحات قرطاس پر بُو را بُو را دکھلایا ہے ۔ اگر واقعات و حقائق پر مؤلف اکتفا کرتے تو پھر خوُلانیٔ طبع کے واسطے مواد کہاں سے آتا ۔

مؤلف کو شاید معلوم نہ ہوگا کہ **بدایونی کی تاریخ** کا اصل نسخہ جو خود اُن کے قلم کا ہوگا تلف کر دیا گیا تھا ۔ اکبر کے عہد میں اس تاریخ نے رواج نہیں پایا جس سال میں ملّا نے تاریخ ختم کی اُسی سال کے آخر میں اُن کا انتقال ہو گیا ۔ جہانگیر کے زمانہ میں اس تاریخ کا چرچا ہوا ۔ بادشاہ نے دیکھی اور حکم دیا کہ اُس نے میرے باپ کو بدنام کیا ہے اُس کے بیٹے کو قید کرو ۔ گھر کو لوٹ لو اور جملہ کتب فروشوں سے مچلکے لے لئے جائیں ۔ کوئی فروخت نہ کرنے پائے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ اس کی نقول خفیہ طور پر کی جاتی تھیں ۔ مقابلہ دشواری سے خالی نہ تھا ہر وقت جاسوسی کا خطرہ تھا ۔ ایسی حالت میں صحت و غلطی کا کیا لحاظ ہو سکتا تھا ۔ قرین قیاس یہی ہے کہ عنوان میں لفظ شیخ صحیح لکھا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ کتاب تین جلدوں میں **ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ** سے چھپکر شائع ہوئی ہے ۔ دوسری جگہ یہ تاریخ مطبع نولکشور میں ۱۸۶۸ء میں طبع ہوئی جو نسخہ قدیم کتب خانہ **نواب ضیاء الدین خاں رئیس لوہارو** سے منقول ہے ۔ اس میں بھی عنوان پر شیخ ہی تحریر ہے اور **ملّا عبد القادر** نے نسباً سیّد قطعاً نہیں لکھا ۔ یہ تو قطعاً جائز نہیں ہو سکتا کہ اپنی طرف سے کوئی دلیل تراش خراش کر کے اور خلاف واقعہ اُمور ملّائے موصوف کے سر تھوپ کر **"سیّد مشارٌ الیہ"** کے معنی گھڑ لئے جائیں اور اس معاملہ خاص میں **منتخب التواریخ** کی اس طرح سے مدد کی جائے جیسے کہ ایک کمزور اور بے طاقت انسان کو یا کسی میّت کو اپنے بازو اور اپنے ہاتھ کے سہارے چلایا جائے ۔

دوسرا کام مؤلف نے اس تاریخ سے یہ لیا ہے کہ چند قصّے اپنے دل سے گھڑ کے اور بعض عبارات اختراع کرکے علّامہ بدایونی سے منسوب کر دیئے ہیں ۔ مثلاً ملّائے موصوف کو امروہہ میں **سیّد محمد میر عدل** کے پاس بغرض اکتساب علوم لا بٹھایا ہے ۔ اور الفاظ **"مولانا الہ داد"** کو **منتخب التواریخ** میں دیکھ کر لکھ مارا کہ یہی انبیٹھن ہیں "یہ ہی **عباسی** ہیں" یہی منصبدار ہیں "یہ ہی فوج کے افسر اعلیٰ تھے

ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کرنے سے۔ ان کی قومی خصوصیات کو تغیر یا نقصان پہنچنے کے بجائے اور مستحکم کر دیا۔" اکثر کا باہمی
تعلق عام آشکارا ہے۔ "ٹوانا۔ سیال" "عیسانہ" اور "بہاولپور کے داؤد پوترے" سب کے سب یک جدی ہیں"
گو مؤخر الذکر اپنا سلسلۂ نسب "حضرت عباس رضی اللہ عنہ" سے ملا کے دل خوش کرتے ہیں۔ (حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے عم بزرگوار تھے) لیکن یہ لوگ پنجاب کی دوسری قدیم ذاتوں کی طرح "راجپوت نسل" کے ہیں"

مولوی صنعت اللہ صاحب بی۔ اے۔ رئیس امروہہ داماد نواب وقار الملک بہادر مرحوم کی تنقید"

مؤلف امروہوی کے حالات اور مورخانہ حیثیت پر

مولوی صنعت اللہ صاحب بی۔ اے۔ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ"
جلد اول کی اشاعت یکم اپریل سنہ ۱۹۲۳ء کو ہوئی۔ مضامین اکثر مقامات پر تشنہ و ناقص تھے۔" جا بجا ایسی عبارات کے ماتحت پیرزادگان
کی سیادت کے خلاف۔ ثبوت کا انبار عظیم اس جلد میں عمداً یا سہواً جمع کر دیا گیا تھا۔" ثبوت و شواہد کو دیکھتے ہوئے مؤلف کا رجحان بھی
پیرزادگان کی عدم سیادت کی طرف میل کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس امر کا ثبوت کہ جلد اول کی تدوین کے وقت مولوی محمود احمد صاحب
کی رائے مخالف سیادتِ پیرزادگان تھی خود ایک لائق و قابل پیرزادہ صاحب کی زبان قلم سے سن لیجئے۔ پیرزادہ حکیم مولوی
طفیل حسن صاحب نے جمعیۃ العلماء کے اجلاس ہم کے استقبالیہ کمیٹی کے خطبۂ صدارت میں فرمایا ہے
"میں قانون اخلاق کا مجرم ہوں گا اگر شکریہ کے عنوان میں مسٹر محمود احمد صاحب عباسی کا تذکرہ نہ کروں جو امروہہ
کے قابل مگر متعصب مؤرخ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے باوجود اجلاس جمعیت کے اولین داعی ہونے کے از اول تا آخر شریک کار رہنے
پر اکتفا فرمایا۔ ورنہ اگر وہ افتاد طبیعت کے ہاتھوں بجائے خاموش رہنے کے مخالفت پر اتر آتے تو ارکان استقبالیہ کو نہ معلوم کن
مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا"
یہ الفاظ ان حکیم صاحب کے ہیں جن کے خاندان کو مؤلف نے ناخنوں تک کا زور لگا کر تاج رضویت عطا کرنے
میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس سے زیادہ مؤلف کی ہنگامہ آرائی و تعصب کا اور کیا ثبوت درکار ہے؟
ہمارے نزدیک تو بابو صاحب (محمود احمد صاحب) کے لئے یہ مناسب ہے کہ پیرزادگان کی سیادت کے تعاقب سے
باز آئیں۔ اپنی عباسیت کی فکر کریں۔ موسیٰ ابن امین الرشید کو صاحب اولاد ثابت کریں۔ ورنہ بقول "ناز عباسیت
برحصت ہوئی" اگر پیرزادگان کی سیادت ثابت کرنے سے مؤلف ناکام رہے تو نظام شمسی درہم برہم نہ ہو گا۔ اگر مؤلف کی عباسیت
ثابت نہ ہوئی اور یہ یقینی امر ہے کہ حشر تک ثابت نہ ہو گی تو یقین کیجئے کہ قیامت قبل از وقت قائم ہو جائے گی۔"
دوسرا حصہ موسومہ "تذکرۃ الکرام" مئی سنہ ۱۹۳۲ء کو شائع ہوا۔ دیباچہ کے جملے غیر متعلق و ناگوار ہیں۔ بے جا اعتراضات
کا ایک انبار عظیم دیباچہ میں اور نیز تحت مقالہ راقم الحروف "سند محمود" میں موجود ہے"
"جلد چہارم موسوم "تحقیق الانساب" ۱۹ دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء کو شائع ہوئی۔ تقریباً ہر خاندان اور ہر گروہ کی مجموعی حالت
نسب پر دل کھول کر لا تعنی نکتہ چینی کی گئی۔ دوسرے خاندانوں کی تنقیص اور اپنے اور پیرزادوں اور چودھریوں کے خاندانوں کی
تعظیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا"
جن کتب تواریخ اور تذکروں کو جو بعد غدر ۱۸۵۷ء تالیف ہو کر شائع ہوئے تھے۔ اور جن کو جلد اول میں حضرت مؤلف
غیر معتبر و مجموعہ خرافات ٹھہرا چکے تھے انہیں کو جلد چہارم میں اپنی عباسیت اور پیرزادگان کی بدعائے سیادت کا مدار علیہ قرار دے دیا

۱۷۵۴ء عیسوی میں جبکہ یہ خرقہ پست ہوگیا تھا۔ احمد شاہ سندھ کی طرف بڑھا۔ نور محمد جیسلمیر کو بھاگ گیا۔ جہاں کہ وہ مرگیا۔ اور محمد مراد خاں اس کا جانشین ہوا۔

In 1754 the Tribute being in arrears Ahmad Shah advanced against Sindh Noor Mohammad fled to Jassolmar, where he died. Mohammad Murad Khan Succeeded.

۱۷۵۷ء عیسوی میں مراد خاں تخت سے اتار دیا گیا۔ اور اس کا بھائی غلام شاہ تخت پر بٹھا دیا گیا۔

In 1757 Murad Khan was dethroned and his Brother Ghulam Shah was put upon the throne.

۱۷۶۸ء عیسوی میں اس نے شہر حیدرآباد قدیم نارن کوٹ کی جگہ آباد کیا۔

In 1768 he founded the city of Hyderabad on the ancient site of Narankot. (

۱۷۷۲ء عیسوی میں وہ مرگیا اور اس کا لڑکا سرفراز خاں اس کا جانشین ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کو تخت سے اتار دیا گیا۔ دو سال تک بغاوت رہی۔

In 1772 he died and was succeeded by his Son Sarfaraz Khan. Soon after he was dethroned anarchy followed for 2 years.

۱۷۷۷ء عیسوی میں غلام نبی خاں برادر غلام شاہ تخت پر آیا۔ مگر تالپوری سردار کے خلاف جنگ میں انتقال کر گیا۔ اس کا بھائی عبدالنبی خاں تخت نشین ہوا۔ اور اس نے اپنے جملہ اعزا کو قتل کروا دیا۔

In 1777 Ghulam Nabi Khan Brother of Ghulam Shah Succeeded who Lost his Life in the battle against Talpore Chief. Abdul Nabi Khan his brother Succeeded to the throne and put all his relatives to death.

۱۷۸۱ء عیسوی میں کلہوڑہ خاندان کا آخری فرد جودھپور کو بھاگ گیا۔ جہاں اس کی اولاد کے فرد اب تک مراتب اعلیٰ پر ہیں۔

In 1781 the Last of Kalhora fled to Jodhpore were his descendents still hold - Distinguished ranks.

(امپیریل گزیٹیر ۵-۸- صفحات ۳۵۸ و ۳۵۹- منجانب ڈاکٹر ڈبلو۔ ڈبلو۔ ہنٹر۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ سی۔ آئی۔ ای۔)

سرلیپل گرفن کا بیان

رولرز آف انڈیا " رنجیت سنگھ " مصنفہ " سرلیپل گریفن " کے سی۔ ایس۔ آئی۔ مترجمہ مولوی نظیر حسین صاحب فاروقی مہتمم تعلیمات ضلع رائچور حیدرآباد دکن، مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ ۱۳۴۰ھ ہجری مطابق ۱۳۳۱ فصلی مطابق ۱۹۲۲ء کے صفحات ۱۲۷ و ۱۲۸ پر تحریر ہے کہ " دوسری ہندو ذاتوں کی طرح ان پر بھی صحیح اور حقیقی طور پر " ہندی الاصل " کا اطلاق ہوتا ہے " ان کے

Under Wazir Mohammad Kalhakhora organised themselves into a regular government

میں منظم کیا۔

In 1701 Yar Mohammad Kalhakhora By the assistance of Talpores tribe, Balochs (بلوچی) seized Shikarpoor fixed his Court and received from the Emperor grant of Darjat in 1719 Noor Mohammad Son of Yar Mohammad succeeded In 1739 Sindh Became a persian territory and shortly after Nadir Shah returned to Kabul, Nadir Shah Set out for a Second expedition against Noor-Mohammad Who had made a bargain of a piece of province for 3 Lakhs of rupees with Sadiq Ali Subehdar of Tatta against the Wishes of Nadir Shah On his approach Noor Mohammad fled and afterwards surrendered with the loss of Shikarpore and Sebi. A Tribute of 20 Lakhs with high Sounding tittle was imposed upon him

۱۷۰۱ عیسوی میں یار محمد کلہوڑہ نے بلوچی نسل کی ایک جماعت تالپور کی مدد سے سکھر کو حاصل کر لیا۔ اور اپنی عدالت قائم کر دی۔ اور بادشاہ نے درجات کو عطا فرما دیا۔ نور محمد پسر یار محمد ۱۷۱۹ء میں جانشین ہوا۔ ۱۷۳۹ عیسوی میں سندھ فارس میں شامل ہو گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نادر شاہ نے کابل کو واپس ہو کر نور محمد پر دوبارہ چڑھائی بول دی۔ جس نے صادق علی صوبے دار ٹھٹھہ سے نادر شاہ کی مرضی کے خلاف ایک قطعہ اراضی کا سودا تیس لاکھ روپئے میں کر لیا تھا۔ اس کے آتے ہی نور محمد فرار ہو گیا۔ اور شکارپور اور سیبی کے نکل جانے کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بیس لاکھ روپئے کا عطیہ اور بڑا خطاب اس کو دیا گیا۔

In 1748 Sindh Became a territory to Ahmad Shah Durrani of Kandahar who Conferred Noor Mohammad the tittle of Shah Nawaz KHAN

۱۷۴۸ عیسوی میں سندھ احمد شاہ درانی ساکن قندھار کی ملکیت ہو گیا۔ اور اس نے نور محمد کو شاہ نواز کا خطاب عطا کیا۔

Which the Wazir accomplished in 1026. In the interval Between Akbar and invasion of Nadir Shah the Daudputtas Sons of Daud Khan rose to Distinction. They were Weavers and warriors by profession and led a wandering life, they established Their supremacy over upper Sindh.

اِس دَوران میں جو اکبر اور نادر شاہ کے حملہ کے درمیان میں گزرا داؤد خاں کے لڑکے نامور ہو گئے - وہ ذات کے جولاہے اور پیشہ میں لڑنے والے تھے - اور اُن کی زندگی خانہ بدوش لوگوں کی طرح تھی، اُنھوں نے شمالی سندھ پر عروج حاصل کیا۔

Towards the end of 17th Century another race Closely allied to the Daudputtas rose to power. they were Kolhoras, traced their descent — historically to Mohammad Kambatho (1204) and more mythically to Abbas, the uncle of prophet.

سترہویں صدی کے اختتام پر دوسری نسل جو داؤد پوتوں سے ملتی جلتی طاقتور ہو گئی - اُن کو کلہوڑہ کہتے تھے اور تاریخ کی رُو سے اُن کا سلسلہ محمدؐ کمبا تھو (۱۲۰۴ء عیسوی) سے ملتا تھا - اور زیادہ تر بناوٹی اور جھوٹی کہانیوں کی رُو سے حضرت عباس سے ملتا تھا جو کہ رسولؐ کریم کے چچا تھے۔

About 1558 the family of Kalhaura rose into notice through the sanctity of Adam Shah, Who was a mendicant

۱۵۵۸ء عیسوی کے لگ بھگ کلہوڑہ خاندان نے نمایاں صورت اختیار کر لی- اور یہ سب کچھ درویش صفت آدم شاہ کی برکت سے حاصل ہوا۔

The Governor of Multan attacked the religious Leader, Dispered his followers, and put to death Adam Shah himself. The fakirs Descended from the familly long lived a Life of warfare against the Moghul Lieftenant Governors. In 1658,

ملتان کے گورنر نے مذہبی لیڈر پر حملہ کر دیا- اور اُس کے مُریدوں کو تتر بتر کر دیا- اور آدم شاہ کو پھانسی دے دی- فقیر کی اولاد نے عرصہ تک مغل لفٹنٹ گورنر صاحبان سے لڑائی رکھی ۔ ۱۶۵۸ء عیسوی میں کلہوڑہ قبیلہ نے نظیر محمد کے تحت اپنے آپ کو گورنمنٹ کی شکل

اپنے حسب منشاء سے مماثلت کو ملا لیا۔ اگر مؤلف موصوف ان لوگوں کا تذکرہ ایسی اغراض فاسدہ میں کرنے سے قبل صرف امپیریل گزیٹئر ہی کو ملاحظہ فرما لیتے تو شاید وہ ان خاندانوں کے متعلق ایک حرف بھی نہ لکھتے لیکن انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۲۷۱ و ۲۷۲ پر یہ لکھا ہے کہ "خلیفہ مستعصم باللہ" دعا تم خلافت عباسیہ جسے ہلاکو خان بن چنگیز خان نے نمدوں میں لپٹوا کر اور دستوں سے سد ہوا کر پھر لاتیں لگوا کر مروا دیا تھا کے چچا "ابو القاسم احمد" کی اولاد میں "شہزادہ احمد شاہ کی" بن مرمل" بن عقیل" بن سہیل" بن ابو القاسم احمد" مذکور معہ چند آل عباس کے "مصر" سے ہجرت کر کے کیچ و مکران ہوتے ہوئے "سندھ" پہنچے۔ "ان کے کئی بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے" ابو الفرا احمد عرف امیر اتن کی اولاد میں "امیر عبد القاہر معروف کاہر خان" ہوئے "شہر کاہر" سیلہ" سایا "ان کے پوتے امیر تیتی خان کے دو فرزند" امیر مہدی" اور" امیر داؤد" ہوئے۔ اول الذکر کی اولاد میں "میاں آدم شاہ" "سندھ" کے مشہور پیر طریقت تھے جن کا مزار پر انوار اُن کا "ٹکری آدم شاہ" میں "سکھر" سے متصل ہے۔ "اُن کی نسل میں ۱۷۸۳ء میں "سندھ" کی سلطنت وحکومت رہی۔ جن میں نواب شامت جنگ "خدایار خان عباسی" نواب غلام شاہ عباسی "وغیرہ مشہور حکمران گذرے" یہ خاندان سندھ میں "کلہوڑہ" کے نام سے مشہور ہوا" خاندان کلہوڑہ کی آبادی "ضلع لاڑکانہ" وغیرہ میں ہے" خان بہادر محمد پریل عباسی رئیس بالیتاہ "ان میں ممتاز ہیں" انہیں کے ہی اہتمام "حاجی پور نواح ملتان" کے قدیمی جاگیردار" بھا قبیلہ ہیں" امیر داؤد" مذکور کی اولاد "داؤد پوترہ" کہلاتی ہے"

"کلہوڑہ اور داؤد پوترہ عباسی نہیں ہیں"۔ امپیریل گزیٹئر کی شہادت"

اب ہم مؤلف موصوف کے بیان متذکرہ کے مقابلہ میں "امپیریل گزیٹئر" مرتبہ ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صاحب ایل ایل ڈی سی آئی ای" کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس سے مؤلف امروہوی کے بیان کی پوری طور پر تردید ہو جاتی ہے"

IMPERIAL GAZETTEER V VIII-PP 358 & 359

BY DR W W HUNTER LL.D., CIE

The hold of Khalifas upon this District (Province (Sindh) grew slowly weaker and became virtually extenct in 871 A.D.

خلفاء کا اثر اس ضلع (صوبہ سندھ) میں کم ہونا شروع ہوا اور ۸۷۱ عیسوی میں قطعی طور پر زائل ہوگیا۔

When Mahmood Ghaznavi invaded India in 1019 Sindh was ruled by a Governor who nominally represented the Khalifa, Qader Billah Abul Abbas-Ahmad. Mahmood sent his Wazir Abdur Raza to conquer Sindh,

جب ۱۰۱۹ عیسوی میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ سندھ میں ایک گورنر حکمران تھا جو خلیفہ قادر باللہ ابو العباس احمد کا نائب تھا۔ محمود نے اپنے وزیر عبدل راضی کو سندھ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جس کو وزیر نے ۱۰۲۶ عیسوی میں فتح کر لیا۔

کی عمر اُس وقت دس۱۰ بارہ۱۲ سال کی بھی مانی جائے تو ایک سو بیس۱۲۰ سال ہی ہوتے ہیں۔ جس میں مؤلف کا دو سو۲۰۰ برس جوڑنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ علاوہ بریں "نظام الدین" جو جلد دوم سے "پدر رکن الدین ہوئے ہیں" "خلیفہ باکمال سید شرف الدین ہوئے" دسے ۶۲۱ھ ہجری میں بقول مؤلف امروہہ میں موجود پائے گئے" اگر اُس وقت ان کی عمر بوجہ خلیفہ باکمال ہونے کے صرف چالیس۴۰ سال ہی مانی جائے تو "نظام الدین" کی پیدائش ۵۸۱ھ ہجری کی مانی جاسکتی ہے۔ "محمد یوسف" کا ۶۷۶ھ ہجری کا جنم بکا آنا مؤلف کو تسلیم ہے۔ اِس طرح "نظام الدین" کی پیدائش اور "محمد یوسف" کے درمیان کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ جبکہ ۶۲۱ھ ہجری میں صرف چالیس۴۰ سال ہی کی عمر "نظام الدین" کی مانی جائے تو صرف پانچ یا چھ سال ہی پڑتے ہیں۔ لہٰذا بشرح "شمس الدین" و "شرف الدین" و "معین الدین" و "تاج الدین" کے وجود خلاف عقل ہیں" زیادہ سے زیادہ محض "نظام الدین" خلیفہ باکمال سید شرف الدین (شاہ ولایت) "محمد یوسف" کے پسر ہو سکتے ہیں" جیسا کہ پیشتر بھی ہم نے ظاہر کیا ہے" جس سے ظاہر ہے کہ مؤلف نے "چار پشتیں اپنی طرف سے تراشی ہیں اور کچھ نہیں"

دوسرا مقام جو صفحہ ۱۸۸ جلد چہارم کا "محمد یوسف سے امین تک کا ہے" اگرچہ اُس میں "موسیٰ" بھی داخل ہیں" جو دس۱۰ برس کی عمر میں "محمد تقی" سے "صاحب ولد ہو جاتے ہیں" اور امین بھی موجود ہیں جن کے بیس۲۰ سال کی عمر میں موسیٰ ہوتے ہیں" گویا تیس۳۰ سال ہی کے درمیان "امین" اور "محمد تقی" کے بیچ میں موسیٰ واسطہ بن جاتے ہیں" اِس پر بھی "امین اور محمد یوسف" کے درمیان جبکہ وہ ۶۵۹ھ ہجری میں پچاس سال کے ہوں ۱۰۴۸ھ ہجری پیدائش امین" اور پیدائش محمد یوسف میں جو ۶۰۹ھ ہجری کی ہو سکتی ہے صرف چار سو انتالیس۴۳۹ سال کا فرق بقول مؤلف ہی نکلتا ہے" جس کو انھوں نے (مؤلف) چار سو پچاس۴۵۰ کا درج کیا ہے" یعنی گیارہ سال زاید درج کیا ہے" تاہم اس سے بھی ٹوٹا کم آگے نہ چلا اور اس قدر کھینچ تان سے بھی مؤلف کے شمار میں گیارہ واسطے آئے" یعنی محمد یوسف اور امین کے درمیان جو زمانہ ہے۔ خواہ وہ چار سو پچاس۴۵۰ سال ہی ہی اِس میں گیارہ واسطے آئے" جناب صرف نو ہی واسطے آئے" ریاضی تیرا بُرا ہو ہر جگہ آڑے آرہی ہے" ابھی پوری چار پشتیں غائب" دس برس کے بچوں کی اولاد محمد تقی بھی شامل اور موسیٰ بھی شامل" اور اس پر بھی یہ حال کہ زبان پر یہ کلمہ جاری فرما کر بھی کہ "موسیٰ" کے بعد اس سلسلہ کے اکثر اشخاص نے طویل عمر پائی ہو" یہ سلسلہ مؤلف کا صحیح اور متصل ہے" ہا۔ یہ ہٹ تریا ہٹ سے بھی بڑھی ہوئی ہے"

جس سے واضح ہو گیا کہ امروہہ کے عباسی صاحبان جو مؤلف کو کہتے ہیں وہ صحیح ہے کہ "مؤلف اپنے کو عباسی کہتے ہیں۔ ہمارا تو ان سے شادی بیاہ بھی نہیں ہوتا"

اِن حالات میں مؤلف کے نسب کی بابت آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ "مؤلف ایسے نسب کے شخص ہیں کہ اقسام نسب تو درکنار وجود نسب ہی میں داخل ہونا اُن کا دشوار کیا بلکہ ناممکن ہے" مسٹر محمود احمد مؤلف تحقیق الانساب، تاریخ امروہہ کے نسب کی جو کیفیت ہے۔ وہ ہمارے پیش کردہ اِن شواہد و بیانات سے بخوبی ظاہر و ہویدا ہو چکی ہے"

کلہوڑہ اور داؤد پوتروں کے عباسی نسب ہونے کے متعلق مؤلف امروہوی کا بیان

مؤلف امروہوی نے اپنے خاندانی نسب کا پورا حال جانتے ہوئے کہ اُس کو خود اُن کے مسکن امروہہ میں صحیح النسب خیال نہیں کیا جاتا۔ پورا زور اپنے صحیح النسب ہونے پر لگایا مگر دل میں خلش رہنے کی وجہ سے اب اُن کو ضرورت ہوئی کہ دوسرے مقامات کے اپنے یعنی نام نہاد عباسیوں کی ہمدردی حاصل کی جائے اور اُن کو بھی عباسیت کی زردار قبا پہنائی جائے تو انہوں نے اِس سلسلہ میں سندھ کے جاموٹ اور کلہوڑہ۔ داؤد پوتہ خاندانوں کی راگ مالا شروع کر دی اور اِس طرح حقیقت کو پس پردہ ڈال کر

(امروہہ) کے حقیقی پدر بزرگوار رہنا۔ اس لئے اس میں کوئی راز بھی معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے جلد اوّل تک کیوں "نظام الدین" کا وجود مخفی کیا۔ اور رکن الدین کی ولدیت "فرزند شمس الدین" درج کرکے "پسر شمس الدین" کیوں ظاہر کیا؟

درحقیقت واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ "شیخ نظام الدین" خلیفہ باکمال کا وجود سید شرف الدین کے ساتھ ۶۲۱ھ میں امروہہ میں ہوتا ہے۔ جبکہ خلیفہ باکمال کی عمر زائد از چالیس سال ہونی چاہئے اور محمد یوسف کی عمر جن کو مؤلف نے ۶۹۵ھ ہجری میں پچاسی سالہ ملتا ہے۔ پچاس سال ہونی چاہئے۔ لہذا نظام الدین عباسی ہی کی پیدائش ۶۲۱ھ ہجری کی جو محمد یوسف کے ہندوستان آنے کے سنہ سے صرف پانچ یا چھ سال بعد ہوتی ہے تو پھر "تاج الدین و معین الدین و شرف الدین و شمس الدین" کا وجود کیسا۔ پھر تو "محمد تقی" سے بھی چار قدم آگے نکلا۔

اسی لئے مؤلف نے جلد اوّل میں اپنے نسب میں "نظام الدین" کا قصہ ہی تمام کر دیا تھا۔ اور دوسرے حصہ پر اس کو رکھ چھوڑا تھا کہ کون دیکھتا پھرتا ہے۔ کسی کو اس پر توجہ بھی نہ ہوگی اور نہ ہوتی۔ چنانچہ احمد علی سے سابق کی پشتیں ہم نے بھی نظرانداز کر دیں۔ مگر کیونکہ صاحب تحفۃ التواریخ کے معاملہ میں مؤلف بہت جھلائے ہیں اور سید امیر علی صاحب کی اولاد کے ساتھ بہت گستاخی سے پیش آئے ہیں اس لئے ہم کو بھی نظام الدین خلیفہ باکمال سے ایک گونہ خصوصیت ہو گئی ہے۔ اس کے بعد سید فیاض حسین صاحب نے شاہ ولایت صاحب اور نظام الدین خلیفہ باکمال کے متعلق لکھتے ہوئے صفحہ ۱۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ "مؤلف صاحب نے یہ خود بھی تسلیم فرمایا ہے کہ "شیخ نظام الدین عباسی" ملتان چلے گئے تھے اور انہوں نے سلسلہ جاری کیا تھا۔ وہ جاری ہے جس سے واضح ہے کہ وہ نظام الدین عباسی کوئی اور ہوں گے۔ وہ ہرگز رکن الدین صاحب کے پدر نہیں ہو سکتے۔ مماثلت اسمی کے سبب مؤلف کو دھوکا ہوا ہے۔"

مؤلف نے بعض موقعوں پر "شیخ نظام الدین" کے بعد عباسی کا لفظ نہ ہونے کی بابت بھی توجہ دلائی ہے۔ جس سے ان کا یہ خیال ہے کہ یہ "رکن الدین صاحب" کے پدر عالی قدر نہیں ہو سکتے۔ اس کو ہم پیشتر ہی ظاہر کر چکے ہیں کہ عباسی امروہہ میں عباسیت کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ قاتل سادات تھے۔ لہذا شیخ نظام الدین اگرچہ عباسی نہ تھے۔ بعض موقعوں پر عباسی "شیخ نظام" کے بعد غلط درج کیا گیا۔ جس سے مؤلف نے یہ غلط خیال باندھا ہے۔ شیخ نظام ہرگز عباسی نہ تھے۔ محض سیدی النسل مسلمان تھے اور کچھ نہیں تھے۔

علاوہ اس کے "شیخ نظام الدین صاحب" کی عمر تقریباً دو سو سال کی بقول مؤلف ہوتی ہے۔ کیونکہ پیدائش کا زمانہ ۵۳۰ھ ہجری کے قریب ہوتا ہے اور ۶۹۹ھ ہجری میں "رکن الدین" عالم شباب میں بسر کرتے ہیں اور موکسہ "امروہہ" میں مزید سکونت اختیار فرماتے ہیں۔ جس کے سبب "تاج الدین" سے لے کر "شمس الدین" تک کی چار پیڑھیوں کا خون ہوا جاتا ہے۔ لہذا مؤلف سے کسی نے غلط کہہ دیا ہے کہ آپ "شیخ نظام الدین" کی اولاد ہیں جو ملتان کے ہیں۔ مگر ۶۲۱ھ ہجری کا زمانہ حیات سید شرف الدین کا ہے۔ نظام الدین خواہ وہ خادم ہو یا خلیفہ باکمال ہو۔ آپ صاحب سید شرف الدین (شاہ ولایت) کے زمانہ میں تو موجود ہونا چاہئے۔ پھر کہ اس کے درمیان میں چار پشتیں "تاج الدین" سے لیکر شمس الدین تک کا فاصلہ ماریں۔ مؤلف کو خود ماشاء اللہ ہوشیار بلکہ موشگاف ہیں۔ ذرا غور و تامل سے کام لینا چاہئے تھا۔

اب رہے "رکن الدین صاحب عباسی" اگرچہ ہم ان کا حال "نظام الدین صاحب" کے تذکرے میں آپ کا پتہ [illegible] تاہم کچھ تشریح کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ یہ بانی خاندان عباسیہ امروہہ ہوئے ہیں جو مؤلف کا ہے۔ لہذا کچھ صراحت کرنا چاہئے

جو صفحہ ۱۹۱ جلد اوّل پر تو فرزند شمس الدین ہیں۔

اور صفحہ ۲۳ جلد دوم میں "بن مولانا نظام الدین" ہیں۔

لیکن ہنوز اسی مقام سے مؤلف کا پیچھا چھوڑانا دشوار ہے "سلطان ناطق بالحق" موصوف کے والماجد محمد امین صاحب کے قتل کی وجہ قبالہ وقف علی الاولاد سلطنت عباسیہ ہے" جو تنسیخ ولیعہدی مامون رشید ہو کر بنام موسیٰ" اور موسیٰ کے بعد بنام چھوٹے پسر "عبداللہ" ہو کے رہتا ہے" اس سے بھی یہی پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ "موسیٰ" کے اختیارات ولیعہدی کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ ہو گا "محمد امین خلیفتہ اللہ" عوام کی نظر میں تھے۔ اس لئے بہ نور باطن انہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ "موسیٰ" کے کوئی اولاد ہونے والی نہیں ہے" لہٰذا چھوٹے بیٹے کو بھی ولیعہد بنا دینا چاہئے" اس سے بھی "محمد تقی" کا وجود قطعی حذف ہو جاتا ہے"

"رکن الدین" کا مقام بھی آتا ہے مگر سلسلہ ہی سے آئے گا" اگرچہ یہ سلسلہ کچھ لوٹ پوٹ یا ربط کا نہیں ہے" بیچ دھاگے کا ہے جا بجا سے تار علیحدہ ہی نظر آ رہے ہیں تاہم جہاں جہاں جوڑ کی مؤلف کی قائم کی ہوئی نظر آ رہی ہے" اسی سلسلہ سے بیان کیا جائے گا"

"محمد یوسف صاحب" جو بقول مؤلف "بانیٔ سلاسل عباسیہ" ہوئے اور ۶۲۵ھ ہجری میں بہ سفر سمندر وارد ہندوستان ہوئے" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے متعلق یہ ہے کہ "کتب سیر نے یہاں تک بھی لکھا ہے کہ بغداد کے صوفیہ اور اہل باطن کا یہ قول تھا کہ چنگیز خانیوں کے ساتھ (تباہی بغداد و سلطنت عباسیہ کے وقت) ہم حضرت خضرؑ کو دیکھتے ہیں" اب کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ "محمد یوسف صاحب کے لئے سمندر کے کنارے اکن بوٹ کھڑے ہوں کہ تشریف لایئے ہم آپ کو ہندوستان پہنچا دیں" آپ کی نسل سے تو "محمود احمد صاحب مؤلف تاریخ امروہہ" پیدا ہونے والے ہیں۔

مؤلف نے ان حالات میں صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ میں "محمد یوسف" کو ہندوستان براہ سمندر بلا کر پھر اپنا سلسلۂ نسب جوڑا۔ جو قطعی لغو اور مہمل ثابت ہوتا ہے" اور "محمد یوسف" سے "تاج الدین و معین الدین و شرف الدین و شمس الدین" "نظام الدین" کا تانا بانا بھایا جس کو ہم "نظام الدین" کے حالات سے غور کرتے ہیں"

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ پر ۶۲۱ھ ہجری میں "سید شرف الدین صاحب" (شاہ ولایت امروہہ اعلی اللہ مقامہ) کا ایک خلیفہ کامل "شیخ نظام الدین عباسی" کے "سودہرہ" سے "امروہہ" آنا مؤلف کو تسلیم ہے۔ ان نظام الدین کو مجاور اپنا جدّ بتاتے ہیں۔ جو بقول مؤلف "آستانہ سید صاحب موصوف یعنی شاہ ولایت صاحبؒ پر دفن ہیں" اور مجاور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہی "شیخ نظام الدین" خلیفہ باکمال "سید شرف الدین صاحب" کے تھے"

مؤلف صاحب (محمود احمد) اس تحریر سے "صاحب نخبتہ التواریخ" پر بہت گرم ہوئے ہیں۔ انہوں نے تاریخ امروہہ حصہ اوّل کے صفحہ ۲۰۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ "مولانا آل حسن نخشبی" مؤلف نخبتہ التواریخ نے "عدم مبالاة کی بنا پر حضرت شاہ ولایت کے خادم نظام الدین کو اور آپ کے خلیفہ باکمال "شیخ نظام الدین عباسی" دو جداگانہ ہستیوں کو ایک سمجھ کر خادمان درگاہ شاہ ولایت صاحب اولاد شیخ نظام خادم کو آپ کے مرید و خلیفہ باکمال "شیخ نظام الدین عباسی" کی نسل سے لکھ مارا" مولوی صاحب ممدوح (محمود احمد صاحب) اگر ذرا عقل سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ جو شخص اتنی دور دراز فاصلہ پر جائے" جیسے امروہہ سے ملتان ہے" اور وہاں جا کر سکونت بھی اختیار کر لے۔ اور پھر سلسلہ بیعت بھی جاری کرے" تو اس کی اولاد مجاوری کا پیشہ کرنے کے لئے "امروہہ" کیوں آ جاتی" ایک ایسے شخص کی اولاد "اپنے آبائی سجادہ پدری پر متمکن ہوتی" یا درگاہ شاہ ولایت" کے نذر و نیاز کے "چند منصوری پیسے اور ریوڑیوں کے چند دانے لینے کے لئے امروہہ آ جاتی"

تاریخ امروہہ کے حصہ اوّل کے صفحہ ۱۹۱ پر "رکن الدین" کے امروہہ آنے کا بیان درج ہے" جو فرزند شمس الدین تھے" اور جو سلسلۂ نسب مؤلف کا صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ جلد اوّل میں درج تھا اس میں کسی نظام الدین کا وجود بھی نہ تھا" ہمیں یہ حیرانی تھی کہ مؤلف کیوں اس قدر جلال میں "نخبتہ التواریخ کی تحریر سے آ گئے" الٰہی یہ ماجرا کیا ہے" لیکن جلد دوم کے صفحہ ۲۳ پر یہ معمہ حل ہوا کہ "شیخ نظام الدین خلیفہ باکمال سید شرف الدین صاحب" "شیخ رکن الدین صاحب" جد بانی خاندان عباسیہ

(۵) "آئینۂ عباسی" "تاریخ اصغری" "تحفۃ التواریخ" "تحقیق الانساب" ان چاروں تذکرہ نویسوں کے بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "مولانا رکن الدین" اور اُن کے تین فرزند "بڈھن" "منجھے" اور "ابیٹھن" "جلال الدین اکبر بادشاہ" کے ہم عصر ہیں۔ "اکبر بادشاہ" کی سلطنت کا آغاز ۹۶۳ہجری میں ہوا ہے پس بیاد رکھنا قطعاً بجا ہے کہ "مولانا رکن الدین" کی پیدائش قریباً ۹۱۰ہجری میں ہوئی۔

(۶) "موسیٰ بن امین الرشید" کے اُوپر کا شجرہ بالکل صاف ہے۔ اور ہزار ہا تاریخی شہادتیں اس کی تائید میں ملتی ہیں۔ دیکھنا ہے کہ "مولانا رکن الدین" شاہ اور "موسیٰ بن امین" کے درمیان اسماء کی تعداد لحاظ تعمیر زمان "اتصال نسب" کے لئے حسب قاعدہ مقبولہ نسابین کافی ہے یا نہیں۔

(۷) جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے۔ "مولانا رکن الدین" کی پیدائش ۹۱۰ہجری میں ہوئی۔ اور "موسیٰ بن امین" کی وفات ۳۰۲ہجری میں ہوئی پس اِن دونوں سنین کا درمیانی زمانہ قریب قریب ساتؔ سو برآمد ہوتا ہے۔

(۸) سات صدیوں میں حسب قاعدہ مقبولہ نسابین فیصدی اکیسؔ پشتوں کی ضرورت اِتصال نسب کے لئے ہوتی ہے "ایک دو پشتوں" کی کمی بیشی بھی ہو تو چنداں مضائقہ نہیں۔

(۹) اگر شجرہ مندرجہ "آئینۂ عباسی" مذکرۂ بالا پر نظر ڈالی جاتی ہے تو "مولانا رکن الدین" اور "موسیٰ" کے درمیان صرف گیارہ نام شمار میں آتے ہیں۔ اور دس پشتوں کی کمی واقع ہوتی ہے "پشتوں کی کمی کی تعداد اس قدر کثیر ہے (یعنی دس) کہ اِس سلسلۂ نسب کو صحیح اور متصل نہیں کہا جاسکتا ہے" (ص ۲۶۹ و ۲۷۰)

(۱۰) اس کے بعد "صاحب تاریخ اصغری" کا بیان بھی توجہ طلب ہے "بیان فرماتے ہیں کہ جب امیر تیمورؒ نے دہلی کو فتح کیا تو یہ لوگ وہاں سے بھی جلاوطن ہو کر پنجاب میں جا رہے اور وہیں "مولوی میاں منجھے" جن کو طوطیٔ پنجاب کہنا لائق ہے پیدا ہوئے "اُن کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے "سلطان محمد امین" تک پہنچتا ہے"

اِس بیان سے بھی "سلسلۂ نسب کے واسطوں کی حد تک قریب قریب وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جو "صاحب آئینۂ عباسی" کے بیان سے برآمد ہوا "جس کا ذکر سطور بالا میں کر دیا گیا" مزید وضاحت اب غیر ضروری ہے" (ص ۲)

(۱۱) "آئینۂ عباسی" کی تاریخ اِشاعت ۱۲۹۲ہجری ہے۔ نصف صدی کی مدت گذر لینے کے بعد "مولوی محمود احمد عباسیؔ" نے "تاریخ امروہہ" شائع کی "اس کی دوسری جلد "تذکرۃ الکرام" کے ص ۲۳۰ پر "مولانا رکن الدین صاحب" مذکور کا شجرۂ نسب درج کیا ہے۔

(۱۲) "آئینۂ عباسی" اور "تذکرۃ الکرام" کے دونوں شجروں کا مقابلہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ "تذکرۃ الکرام" کے شجرے میں تین نام "محمد نقی" "محمد اسمٰعیل" اور "نظام الدین" زائد ہیں۔ تعجب ہے کہ "صرف نصف صدی کی مدت میں اِن دو شجروں میں" جو اہلِ خاندان کے مرتب کردہ ہیں "تین ناموں کی کمی بیشی نظر آتی ہے" ہمیں یقین ہے "صاحب آئینۂ عباسی" نے کامل احتیاط سے شجرہ مرتب فرما کر نام تحریر فرمائے تھے۔

(۱۳) "آئینۂ عباسی" کے شجرے سے بغرض اتصال نسب "دس واسطوں کی کمی۔ اور "تاریخ امروہہ" کے اس شجرے سے "سات واسطوں کی کمی کی موجودگی میں بھی یہ سلسلۂ نسب متصل اور صحیح نہیں ثابت ہوتا ہے "اگر اس میں "مولانا رکن الدین" اور "موسیٰ بن امین" کے ناموں کا اضافہ کر لیا جائے تب بھی "پانچ واسطوں کی کمی قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے" (ص ۲۷۱)

العرض زمانۂ حال کے تذکرہ نویسوں کے بیان و اتفاق پر کہ "مولانا رکن الدین" کا زمانہ "اکبر بادشاہ" کا زمانہ ہے "مولانا نور الدین کے شجرے میں موسیٰ بن امین" تک حسب صراحت "تاریخ اصغری" اور "آئینۂ عباسی" "دس کی" اور حسب صراحت

میں پایا جاتا ہے۔

تاسوا ہے اس کے "موسیٰ موصوف" کے بعد اگر اس سلسلہ کے اکثر اشخاص نے طویل عمر پائی ہو جس کا اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے قوی امکان ہے "تو دو صدیوں میں چار یا پانچ واسطوں کے اوسط سے اس سلسلہ میں کوئی کمی باقی نہیں رہتی"۔

مخدوم زادہ موصوف کے بعد کا سلسلۂ نسب" باعتبار تعداد وسایط صحیح و متصل ہے" "مولانا رکن الدین عباسی" سے "مخدوم زادہ محمد یوسف" تک سات پشتیں ہوتی ہیں۔ بایں طریق "مولانا رکن الدین" بن نظام الدین" بن شمس الدین" "بن شرف الدین" بن معین الدین" بن تاج الدین" بن محمد یوسف" مذکور"

"مولانا رکن الدین عباسی" کا زمانۂ آمد "امروہہ" تقریباً ۸۹۵ھ ہجری اور "مخدوم زادہ موصوف" کا زمانہ ورود ہندوستان ۶۶۱ھ ہجری ہے" ان دونوں سنین کا درمیانی زمانہ "دو سو چونتیس برس کا ہے" اس مدت میں مندرجہ بالا سات پشتیں باعتبار اوسط تعداد صحیح و درست ہیں"

"مولانا رکن الدین موصوف" سے موجودہ نسل کے نوجوانوں تک چودہ اور پندرہ واسطے اور مسن اشخاص بلکہ میرے ہم سنوں تک "بارہ اور تیرہ واسطے شمار میں آتے ہیں" جو بہ لحاظ مدت صحیح و درست" نیز مستند دستاویزی اور تحریری شہادتوں سے ثابت و محقق ہیں"

مثلاً" خاکسار مؤلف" کا سلسلۂ نسب "مولانا موصوف سے اس طریق پر متصل ہوتا ہے" محمود احمد" بن مولوی علی محمد" بن حضرت شاہ علی احمد" بن مولوی سعادت علی" بن مولانا عبدالحی" بن مولانا عبدالرحیم" بن مولانا عنایت اللہ" بن ملا نذر محمد" بن حاجی محمد صالح" بن مولانا محمد" بن مولانا بابن" "بن مولانا رکن الدین عباسی"

امروہہ کے قدیم خاندانوں میں "سوائے خاندان عباسیہ" کے صرف معدودے چند خاندان ایسے ہیں" جن کا سلسلۂ نسب اپنے مورث تک جو "امروہہ" آئے" مستند دستاویزی شہادتوں سے ثابت و محقق ہو" اس لئے علم الانساب کی اصطلاح میں یہ خاندان صحیح النسب خاندان ہے" (ص۱۸۸ تا ۱۹۸)

مؤلف امروہوی کے شجرۂ نسب کی حقیقت پر حسب منشا تاریخ سادات امروہہ کا بیان

مؤلف امروہوی کے مندرجہ بالا بیان کے متعلق "تاریخ سادات امروہہ" میں بدیں الفاظ درج ہے کہ۔

(۱) "صاحب تاریخ امروہہ" اور "صاحب آئینۂ عباسی" نے "تاریخ فرشتہ" کی بعض عبارات کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں کوئی نام۔ اس خاندان کے کسی فرد کا درج نہیں ہے"

(۲) اس خاندان کا ذکر اب سے قریباً پچھتر سال قبل تک کی بعض کتب تذکرہ میں ملتا ہے۔ اس زمانہ سے قبل کی کسی کتاب میں کوئی ذکر اس خاندان یا اہل خاندان کا نہیں ہے"

(۳) اسی ایک صدی کے اندر "جو کتب تذکرہ" "امروہہ" سے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے البتہ۔ اس خاندان کے حسب ونسب کے متعلق رائے قائم کی جاسکتی ہے"

(۴) امروہہ کے تذکرہ نویسوں میں سب سے اول "مولوی محبوب علی خاں صاحب" نے جو اس خاندان کے ایک عالم تھے "شجرۂ نسب" شائع کیا" جس کا سلسلہ "مولانا محمد" اور "مولانا بابن" برادران حقیقی سے اوپر ۱۲۹۲ھ ہجری (ص۲۶۸)

سنہ ہجری کے واقعات میں "تاریخ طبری" میں ہے کہ "اِس سال کے ماہ شعبان میں "امین" کے لڑکے "موسیٰ" کا انتقال ہوا" اور "فضل بن الربیع" نے ذیقعدہ میں وفات پائی"

(ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ ۴۵۲ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی)

(و تاریخ کامل ابن اثیر)

اِن بیانات سے اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ "موسیٰ بن امین" کی انتقال کے وقت قریباً چودہ برس کی عمر تھی نہ کہ امین میں یا اکیس وتیس برس کی" جیسا کہ مؤلف موصوف نے اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لئے صداقت سے منہ موڑ کر باور کرایا ہے" کسی کتاب "تاریخ" "تذکرہ" "حال وغیرہ میں "موسیٰ بن امین" کی شادی اور صاحب اولاد ہونے کا حال درج نہیں ہے "کم سنی میں انتقال کر جانے کی وجہ سے وہ یقیناً بے اولاد رہے اور "امین" کی نسل منقطع ہو گئی" اگر مامون نے بیٹوں کی طرح انہیں پرورش کر کے اپنی صاحبزادی کی ان سے شادی کی ہوتی اور ان کے اولاد ہوئی ہوتی تو کہیں تو کسی تاریخ میں اُن کی نسل کے کسی شخص کا ضرور ذکر ہوتا"

مؤرخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے اِس دور کی ست مستند کتاب "تاریخ اسلام" میں تحریر فرمایا ہے کہ "معتصم ابنِ ہارون رشید و برادر امین" چونکہ علم و فضل سے بے بہرہ تھا اس لئے "ہارون رشید" نے اسے ولیعہدی کے قابل نہ سمجھا" مگر وہ خلیفہ ہوا اسی کی اولاد سے بہت سے عباسی خلیفہ ہوئے بلکہ اسی سے "ہارون" کی نسل چلی" (تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۲۲۳)

جب یہ بات حقیقت کو پہنچ گئی کہ "موسیٰ بن امین الرشید" کم عمری میں لاولد فوت ہوئے۔ تو مؤلف موصوف کا یہ لکھنا کہ "اُن کے کئی اولادیں ہوئی ہوں گی" کم از کم ایک فرزند "محمد نقی" سے سلسلہ عقب باقی ہے۔ یعنی عباسیانِ امروہہ کا سلسلۂ نسب اُن سے متصل ہوتا ہے" کوئی کس طرح قبول کر سکتا ہے"

مؤلف امروہوی نے جس طرح اپنے شجرے کو۔ موسیٰ بن امین سے متصل کیا ہے

مؤلف تحقیق الانساب نے جس طرح اپنے شجرے کو "موسیٰ بن الامین" سے متصل کیا ہے" وہ ان کی تحریر کے مطابق اِس طرح ہے کہ "خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" کے جد اعلیٰ "مخدوم زادہ محمد یوسف" کا سلسلۂ نسب جو بعد تباہی "بغداد" ہندوستان میں آئے۔ دس واسطوں سے "موسیٰ" مذکور کے ذریعے خلیفہ "امین الرشید عباسی" سے متصل ہوتا ہے بدیں طریق "مخدوم زادہ محمد یوسف" بن محمد حمزہ" بن محمد اسحٰق" بن محمد اسمٰعیل" بن محمد باقر" بن علاؤالدین" بن قطب الدین" بن محمد نقی" بن محمد تقی" بن موسیٰ" بن امین الرشید"

"محمد امین" موصوف کا سنہ ولادت ۱۷۰ ہجری ہے اور "مخدوم زادہ محمد یوسف" کی نسبت لکھا ہے کہ "بعد تباہی بغداد کے بعد مختلف دیار و امصار میں ہوتے ہوئے تقریباً سنہ ۶۶۰ ہجری میں وارد ہند ہوئے" اور "سلطان بلبن" نے "امیر المومنین ہارون الرشید" کے پوتے کی حیثیت سے اُن کا اعزاز و اکرام کیا یقیناً چالیس پچاس سال کی ہوگی" اِس لئے ان دونوں بزرگوں یعنی امین الرشید" اور "محمد یوسف" کے سنین ولادت کا درمیانی زمانہ تقریباً چار سو برس کا شمار میں آتا ہے۔ پس ایک صدی میں تین واسطوں کی اوسط سے اِس مدت میں تعداد وسایط "تقریباً تیرہ ہونی چاہیے" لیکن مندرجۂ بالا سلسلہ میں صرف گیارہ واسطے مذکور ہیں۔ گویا دو واسطوں کی کمی رہتی ہے"

لیکن ایسے اشخاص کے سلسلۂ نسب میں جو اپنے "خود مان عالی شان" کی تباہی اور جفائے ابنائے زمان کی بنا پر ترک وطن پر مجبور ہوئے ہوں بعض ناموں کا تقدم و تاخر یا ایک دو ناموں کا ترک ہو جانا ایک ایسا امر ہے جو شرفائے ہند کے تقریباً تمام سلسلہ نسب

مسعودی (۲) مسعودی نے لکھا ہے کہ "امین" نے اپنے بیٹے "موسیٰ" کے لئے بیعت خلافت لی اور اُس کو "ناطق بالحق" (یعنی گویائی حقیقت) کا خطاب دیا۔ یہ ولی عہد اُس وقت "بہت چھوٹا ننھا سا بچہ تھا"
(ترجمہ تنبیہ و اشراف مسعودی ص۳۲۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن (وفات مصنف چوتھی صدی ہجری کا وسطی زمانہ)
(۲) علامہ مسعودی کی کتاب "مروج الذہب و معدن الجواہر" کا بیان بھی وہی ہے جو اُن کی کتاب "تنبیہ و اشراف" سے لے کر لکھا ہے۔

ابو الفدا (۳) تاریخ ابو الفدا میں جو چھٹی صدی ہجری کی کتاب ہے۔ مرقوم ہے کہ "جبکہ یہ "موسیٰ بن امین" (بقول مورخین) "شیر خوار تھے" اُن کی ولیعہدی کا انعقاد ہوا ہے"

سیوطی (۴) تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق "۱۹۵ھ ہجری میں" "موسیٰ بن امین" کی شیرخوارگی تسلیم شدہ ہے "علامہ سیوطی" کے الفاظ یہ ہیں "وبایع بولایۃ العھد لابنہ" "موسیٰ" ولقبہ الناطق بالحق۔ وھوا ذالک طفل رضیع۔ فقال بعض اشعرا فی ذالک شعرا"

ابن اثیر (۵) تاریخ کامل ابن اثیر" کی تحریر "میں بالکل چھوٹے بچے" کے بجائے "موسیٰ" کو اُس وقت "چھوٹا بچہ" لکھا ہے۔ بالکل کا لفظ اُس میں چھوٹ گیا ہے" یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ "ابن اثیر" کی "تاریخ کامل" "تاریخ طبری" سے تقریباً تین سو برس بعد کی کتاب ہے"

ابن خلدون (۶) تاریخ ابن خلدون" آٹھویں صدی ہجری کی کتاب ہے" مؤلف موصوف نے "موسیٰ بن امین" کی عمر کے متعلق اِس تاریخ میں سے کچھ لکھنے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی ہے۔ لیکن ہم نے ابن خلدون سے بہت پہلے کے معتبر مورخین کے جو بیانات دیئے ہیں اُن سے موسیٰ کی عمر پر بخوبی روشنی پڑ گئی ہے"

مگر کیا ہم مؤلف امروہوی سے دریافت کرسکتے ہیں کہ اُن کا اِن بیانات کی روشنی موجود ہونے پر بھی "۱۹۵ھ ہجری میں ناطق بالحق" کا خطاب دیئے جانے اور ولیعہد بنائے جانے کے وقت "موسیٰ" کی عمر چھ سات ماہ کے بجائے چھ سات سال لکھ دینا۔ تاریخی نقطۂ نظر سے کہاں تک جائز ہے" اور صداقت سے اس کو کس قدر تعلق ہے۔ نیز یہ کہ "جسٹس امیر علی" کی حالیہ تاریخ عرب" کے سوائے "موسیٰ" کی شادی کا حال جاننے کے لئے انہوں نے کسی قدیم اور معتبر تاریخ کی جستجو کیوں نہیں کی" یا اُن قدیم کتابوں میں انہیں موسیٰ کی شادی کی کوئی روایت ملی ہی نہیں" جسٹس امیر علی کی تاریخ عرب مجمل اور غلطیوں سے پُر ہے مثلاً اُس میں بجائے عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ کے جو باپ کے ساتھ شہید ہوئے تھے" لکھا ہے کہ "یحییٰ بن حضرت مصعبؓ۔ باپ کے ساتھ شہید ہوئے تھے" پھر جب انہیں "موسیٰ" کی عمر کے "انیس و بیس" یا انتیس" (تیس) برس کے ہونے کا یقین تھا کہ اِس عمر میں ہر ملک کا باشندہ صاحب اولاد ہوجاتا ہے" تو انہوں نے یہ بحث کس غرض کو خیال میں لاکر کی ہے کہ "عربی نژاد بالخصوص شہزادے پندرہ ۱۵ سولہ برس کی عمر میں بالغ اور صاحب اولاد ہوجاتے تھے" اور جب انہوں نے "عبداللہ بن الامین کے حال کے لئے" ابن خلدون" کا حوالہ دیا ہے اور یہ الفاظ ذیل کے تحت اِس مؤرخ کی جو عبارت نقل کی ہے اس کو عبداللہ کا حال آنے سے پہلے ہی ختم کرکے نکتے لگا دینے میں اُن کی کیا مصلحت ہے"

(۷) موسیٰ بن امین" کے متعلق صغر ۱۹۵ھ ہجری میں "بالکل صغیر سن" "بہت چھوٹا ننھا سا بچہ" شیر خوار" طفل رضیع" کے الفاظ اِس حقیقت کو صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ اُن کی ولادت ۱۹۴ھ ہجری کے آخری مہینوں یا زیادہ سے زیادہ ۱۹۴ھ ہجری کے وسط سے پہلے ہرگز نہیں ہوئی"

موسیٰ کی پیدائش کے زمانہ کے بخوبی متعین ہوجانے کے بعد اب ہم اُن کا سنہ وماہِ وفات لکھتے ہیں تاکہ اُن کی عمر کے تعین میں ذرا سا بھی شک اور شبہ باقی نہ رہے"

عمِ رسول اللہ صلعم سے متصل ہوتا ہے " (ص۱۸۵)

امین الرشید عباسی " کے دو فرزند تھے " موسیٰ اور عبداللہ " ابنِ خلدون " نے خلیفہ موصوف کے حالات میں ضمناً اُن کے اِن دونوں بیٹوں کا تذکرہ بھی بالفاظ ذیل کیا ہے "

" اوائل ۱۹۵ھ ہجری میں " امین " نے " مامون " کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے " موسیٰ " کی ولیعہدی کی بیعت لی۔ اور " الناطق بالحق " کے لقب سے ملقب کیا " (ص۱۸۶)

مؤرخین نے اس کا سنہ ولادت بھی وضاحت کے ساتھ تحریر نہیں کیا تاہم ۱۹۵ھ ہجری میں جب خلیفہ " محمد امین " نے اپنے دونوں بیٹوں کو یکے بعد دیگرے ولیعہد خلافت بنایا " موسیٰ " کی عمر زیادہ سے زیادہ چھ سات سال کی تھی۔ اور عبداللہ کی تین یا چار برس کی تھی "

" مسعودی " نے " مروج الذہب " میں " موسیٰ " کے متعلق لکھا ہے " جب وہ ولیعہد بنائے گئے تو اتنے خورد سال تھے کہ ولیعہد خلافت کی حیثیت سے نہ کوئی حکم دے سکتے تھے۔ اور نہ بھلے برے کی تمیز کر سکتے تھے "

" ابن اثیر " نے صرف اس قدر لکھا ہے " کان موسیٰ طفلاً صغیراً " (یعنی موسیٰ اس وقت طفلِ صغیر تھے "

وہ چونکہ باپ کی اولادِ اکبر تھے " اس لئے اُن کا سنہ ولادت ۱۸۹ھ ہجری یا ۱۹۰ھ ہجری قرار دیا جا سکتا ہے " کیونکہ اُن کے والد امین الرشید کی عمر بیس۲۰ یا اکیس۲۱ برس کی تھی " زیادہ قرینِ صحت ہوگا "

مؤرخین نے لکھا ہے کہ " ۲۰۸ھ ہجری یا ۲۱۰ھ ہجری میں " موسیٰ " کا عالمِ شباب میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے انتقال کے وقت اُن کی عمر " انیس۱۹ یا بیس " یا " اٹھائیس۲۸ و بیس " کی تھی "

" جسٹس امیر علی " نے " تاریخ عرب " میں بیان کیا ہے کہ " موسیٰ اور عبداللہ " کو " مامون الرشید " نے اپنے بیٹوں کی طرح پرورش کیا " جب وہ دونوں بھائی سنِ بلوغ کو پہنچ گئے۔ اُن کی شادیاں بھی اپنی ہی دو صاحبزادیوں سے کر دیں "

عربی نژاد بالخصوص شاہزادے " پندرہ۱۵ یا سولہ۱۶ برس کی عمر میں بالغ اور صاحبِ اولاد ہو جاتے تھے " مورخین نے لکھا ہے کہ " موسیٰ " کے چچا " امیر المومنین معتصم باللہ " کی عمر ستاکہ سال کی تھی جب اُن کے پسر اکبر " واثق باللہ " پیدا ہوئے " نیز " عبداللہ بن عمرو بن العاص " اپنے والد سے صرف بارہ برس چھوٹے تھے " اس لئے " موسیٰ " کے انیس۱۹ یا انتیس۲۹ سالہ عمر میں کئی اولادیں ہوئی ہوں گی " کم از کم اُن کے ایک فرزند " محمد تقی " سے سلسلہ عقب باقی ہے " یعنی عباسیانِ امروہہ کا سلسلۂ نسب آپ سے متصل ہوتا ہے " (ص۱۸۷)

مؤلف امروہوی کی غلط بیانیوں کی تردید کرنے والی تاریخی شہادتیں "

طبری | " موسیٰ کی عمر " اور اُن کے صاحبِ اولاد ہونے کے بارے میں " مؤلف تحقیق الانساب کا بیان ایک واقف کو مغالطے میں ڈالنے والا۔ اور سر تا پا جھوٹ کی پوٹ ہے " صداقت کا اس میں ذرا سا شائبہ بھی نہیں "

(۱) تاریخ طبری میں ۱۹۵ھ ہجری کے واقعات میں تحریر ہے کہ " اس سال ماہ صفر میں " امین " نے اپنی تمام سلطنت میں مامون اور قاسم " کے لئے منبروں پر دعا بند کرا دی اور حکم دیا کہ۔ جو ان کے بعد اُن کے بیٹے موسیٰ کے لئے دعا کی جایا کرے "

اس وقت " موسیٰ " شاکل صغیر سن تھا " ناطق بالحق " اس کا نام (خطاب) تجویز کیا گیا " یہ سب باتیں " فضل بن ربیع " کے مشورے سے ہوئیں " جب " مامون " کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنا نام " امام الہدیٰ " رکھ لیا۔ اور یہ ہی لقب اسے تحریر میں لکھا جانے لگا " (ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم ص۲ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن)

(وفات حسب تاریخ طبری ۲۱۰ھ ہجری)

حالات کے لیے مؤلف امروہوی کے زبانی ڈھکوسلوں کو کون مان سکے گا۔ صاحب تحقیق الانساب نے "جب اپنے بزرگ صاحب آئینۂ عباسی" کے بیان کو قبول نہیں کیا تو اُن کا عطا سے مدد معاش کے پروانہ کو پیش نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اسی بیان میں "مؤلف صاحب" نے اپنے اجداد میں سے صرف ایک "مولانا رکن الدین عباسی" کو "سکندر لودی" کے زمانے کے فضلاء سے بتایا ہے "اور انہوں نے لکھا ہے کہ" یہ قیاس درجۂ یقین کو پہنچتا ہے کہ "مولانا رکن الدین عباسی" جو فضلائے عہد سے تھے "یہ عجیب وغریب تحقیقات ہے کہ جس میں قیاس قایم کر کے واقعہ کو حقیقت کا رنگ دے دیا گیا ہے" اور حسب معمول کسی تاریخی سند دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی "سلطان سکندر لودی" کے عہد کے تمام علماء اور فضلاء کے حالات تاریخوں میں موجود ہیں "مولانا رکن الدین عباسی" کا نام اُن میں کہیں نہیں ہے "اسی لئے اس بیچارے مؤلف کو اُن کے متعلق بھی قیاس ہی سے کام لینا پڑا"۔

ہم اسی کتاب میں کسی جگہ ظاہر کر آئے ہیں کہ مؤلف امروہوی نے جن "قاضی نور الدین" کو عباسی لکھا ہے "اُس کے متعلق مسٹر سید حسن برنی۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ علیگ مصنف کتاب "البیرونی" نے جو تاریخی معلومات میں اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ لکھا ہے کہ وہ عباسی نہیں۔ بلکہ عثمانی ہیں۔ اور ان کا شجرۂ نسب برنی صاحب کے پاس موجود ہے"۔

انہوں نے اپنے بزرگوں کے "دہلی" سے نکل کر کچھ مدت تک پنجاب میں متوطن رہنے کے ثبوت میں بھی کوئی تاریخی سند نہیں پیش کی "صرف اس قیاس پر کہ وہاں "سادات عباسی" کی شاخیں موجود ہیں" "مثلاً عباسی سکنہ چکالیاں ضلع گجرات وغیرہ" اُن کے پنجاب کے توطن کو ثابت کرنا چاہا ہے "مگر اُن کا یہ قیاس بھی حقیقت کو نہیں پہنچتا۔ انہوں نے "پنجاب" میں رہنے والے عباسی خاندانوں کے شجرے نہیں دیئے جن سے معلوم کیا جا سکتا کہ "امروہہ" کے رہنے والے اور پنجابی عباسیوں کا سلسلہ کس حد تک مشترک ہے "اور وہ "الامین" کے پرداد "ابوجعفر منصور" کے بھائی "داؤد" کی نسل سے ہیں یا کسی دوسرے کی اولاد ہیں "نیز یہ کہ اگر "امروہہ" کے متوطن عباسیوں کا کوئی ہم جد خاندان "پنجاب" میں آباد ہے تو وہ وہاں کس زمانہ سے آباد ہے "بعد کی طوائف الملوکی یا ملازمت و تجارت کے تعلق سے دو چار یا پانچ سات پشتوں سے تو وہاں جا کر نہیں مقیم ہو گیا ہے" جیسا کہ اکثر خاندانوں میں ہوا ہے اور اب بھی ہوتا رہتا ہے "بلا کسی سند کے کوئی کس طرح باور کر سکتا ہے کہ "پنجاب" کا متذکرہ بالا عباسی خاندان "یوسف از نسل موسیٰ بن الامین" جن کے ہندوستان آنے کی کوئی تاریخی شہادت نہیں پیش کی گئی ہے"۔

اور مؤلف امروہوی کے اُن بزرگوں کی اولاد سے ہے جو تیمور کے زمانہ کی طوائف الملوکی میں پنجاب چلے گئے تھے "حالانکہ اُن کے پنجاب چلے جانے کی روایت بھی ایجاد بندہ سے زیادہ نہیں ہے"۔

مؤلف موصوف کو اس کا تو اقرار ہے کہ "مخدوم زادگان عباسی" کے اسمائے گرامی "اور اُن کے خاندانی حالات" کتب تواریخ" سے معلوم نہیں ہوتے "مگر اس طرف سے فراغت پا کر انہوں نے تشدد سے لکھا ہے" "لیکن یہ کمی "بعض کتب تذکرہ علماء و مشایخ" سے جن میں بعض "عباسی بزرگوں" کے حالات درج ہیں "اور زیادہ تر خاندانی روایات سے پوری ہوتی ہے"۔

اُن کی خاندانی روایات کی حقیقت تو ہم اوپر بتا آئے ہیں "اب ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ "علماء و مشایخ" کے تذکروں میں بعض "عباسی بزرگوں" کے حالات درج ہونے کا جو انہوں نے ادعا کیا ہے "اپنے بزرگوں کے حالات میں یہاں وہ کسی ایک تذکرہ کا بھی حوالہ نہیں دے سکے ہیں" یہ لکھنا اُن کا صرف برائے بیت تھا جس کی حقیقت کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئی"۔

"مؤلف تحقیق الانساب" نے اپنے بزرگوں کے حالات کی تحقیقات میں جن ذرائع۔ توجیہات اور قیاسات کو کام میں لائے ہیں اُنہیں دکھانے کے بعد "اب ہم مؤلف موصوف کی اُن عبارتوں کو لکھتے ہیں" جو انہوں نے اپنے شجرۂ نسب کی تصریح کے تحت لکھی ہے "اور اس میں بھی اپنی لیاقت و فطانت کے جوہر کچھ کم نہیں دکھائے ہیں" وہ لکھتے ہیں کہ "خاندان عباسیہ امروہہ کے مورث "رکن الدین" عباسی" کا سلسلہ نسب "تینتیس" واسطوں سے بذریعہ "ابو موسیٰ محمد الامین" بن امیر المومنین ہارون الرشید" حضرت عباس

تحریر مندرجۂ بالا سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ "سوائے خاندانی روایت" کے اِس خاندان کے مُورث کا زمانہ اور نام تک کسی تاریخ میں تحریر نہیں ہے "گزیٹیر صرف ساٹھ ستر برس قبل لکھے گئے ہیں" اُن کی حقیقت بس اِسی قدر ہے کہ "ایک ملازم اپنی مُفوضہ کام کی انجام دہی کے لئے آیا اُس نے مختلف خاندان کے لوگوں کو بلایا۔ انہوں نے اپنے اپنے خاندانوں کے متعلق روائتوں کو اُس سے بیان کر دیا اور وہ اُنہیں لکھکر چلتا نظر آیا" اِن تحریروں کو تحقیق و تلاش تاریخی کا درجہ حاصل نہیں ہے" اور پھر یہ بھی ہے کہ اِسی مُولف ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراد آباد ڈسٹرکٹ کے اکثر بیانات سے جنہیں مؤلف امروہوی نے اپنے مقصد کے خلاف پایا ہے جگہ جگہ اختلاف کیا ہے وہ خود اُس کی تحریروں سے متفق نہیں ہیں مگر یہاں اپنے مطلب کے لئے اُسی کا بیان پیش کر رہے ہیں"

..... پھر آگے چل کر تحریر کیا ہے کہ "حالات کی تفصیل کتب تاریخ میں درج نہیں ہے" کیونکہ ہمارے ہندوستانی مورخین کی یہ عادت ہے کہ "وہ صرف اِن ہی واقعات کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں" جو ملک کی سیاسی حالت "یا جنگ و جدال" اور بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں" کہیں کہیں علما اور مشایخ کا تذکرہ بھی ملتا ہے "لیکن شرفاء کے مشہور اور تاریخی خاندانوں اور اُن کے مُورثوں کا تذکرہ شاذ و نادر کرتے ہیں" اِن حالات کو عام اور معمولی سمجھکر نظر انداز کر دیتے ہیں" اِس لئے "مخدوم زادگان عبّاسی" کے اسمائے گرامی" اور اُن کے خاندانی حالات" اِن کتب تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے"

لیکن یہ کمی "بعض کتب تذکرہ علما و مشایخ سے" جن میں بعض عبّاسی بزرگوں کے حالات درج ہیں" اور زیادہ تر "خاندانی روایات" سے پوری ہوتی ہیں۔ جو علی التواتر خاندانوں میں چلی آتی ہیں" اور مختلف زمانوں میں ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں"

شرفائے ہند" کے خاندانی حالات کا ماخذ" اکثر و بیشتر" یہی خاندانی روایات تھیں" جنہوں نے مختلف زمانوں میں تحریری شکل اختیار کی" اور یہ روایات اگر روایتاً صحیح اور درایتاً معقول تھیں" تو انہیں بعد میں تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی"

"خاندانِ عبّاسیہ" متوطن امروہہ" کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی" سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کی طرح" زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں"

اِن میں بیان کیا گیا ہے کہ "فتنۂ تیموری" ۸۰۰ھ ہجری کے بعد۔ اِس خاندان کے افراد "دہلی" سے منتشر ہو کر اولاً "پنجاب" گئے۔ جہاں کچھ مدت تک مسکن گزیں رہنے کے بعد" ان میں سے ایک بزرگ "امروہہ" میں آکر متوطن ہوئے"

"صاحب آئینۂ عبّاسی" (محمد محب علی خاں عبّاسی" مؤلف آئینۂ عبّاسی سنہ تالیف ۱۲۹۷ھ ہجری) لکھتے ہیں کہ "جب سلطنت تغلقیہ" خراب ہوئی "دہلی" تباہ ہوئی" امیر منتشر ہوئے" ہمارے بزرگ بھی "پنجاب و سندھ" میں پھرتے رہے" چنانچہ دادا "مولانا لال محمد" پیدائش پنجاب ہیں" ہندی نام ہے" اِن کے والد "مولانا لاڈھے" اور اُن کے چچا مولانا بڈّن..... اِسی عرصہ میں اِسی مقام "امروہہ" تئیں کہ یہاں کے سکنائے سے ملاقات ہوئی" مسکن سادات و شرفا" سمجھ دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی"

صاحب تاریخ اصغری" (سید اصغر حسین نقوی امروہوی) سنہ تالیف ۱۲۹۱ھ ہجری و سنہ طباعت ۱۸۸۹ء") نے بھی اِسی روایت کی تائید کی ہے" اور لکھا ہے کہ "جب امیر تیمور" نے "دہلی" کو فتح کیا۔ یہ لوگ وہاں سے بھی جلا وطن ہو کر "پنجاب" میں جا بسے" برخلاف اِس کے "صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹیر" صفحہ ۱۷۹ پر لکھتے ہیں کہ "تیمور" کے حملہ ۱۳۹۹ء کے بعد جب "دہلی" کے اکثر سربرآوردہ خاندان جا بجا منتشر ہو گئے" شمس الدین (ابن شرف الدین عبّاسی") مع اپنے بیٹوں کے "امروہہ" میں مسکن گزیں ہوئے" ۸۰۰ھ ہجری میں "فتنۂ تیمور" کے بعد "دہلی" سے اِس خاندان کے ترکِ وطن کرنے کے متعلق تو مندرجۂ بالا روایتیں متفق ہیں" البتہ اِس امر میں اختلاف ہے کہ "امروہہ" میں اِبتداءً اِس خاندان کے کون بزرگ آئے"

"صاحب آئینۂ عبّاسی" اور "تاریخ اصغری" کا یہ بیان درحقیقت صحیح نہیں کہ "مولانا لال" و "مولانا بڈّن"

"مؤرخ کا اصلی فرض ہے کہ وہ "سادہ نگاری کی حد سے کا وز نہ کرنے پائے" (ص۲۔)

"اسباب و علل کے پیدا کرنے کے لئے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے" اِس لئے مؤرخ کو "اجتہاد و قیاس" سے باز نہیں "لیکن" یہ اُس کا لازمی فرض ہے کہ وہ - قیاس و اجتہاد کو "واقعہ میں اِس قدر مخلوط نہ کرنے" کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کرسکے" (ص۲۲)

(الفاروق جلد اوّل صفحہ ۲۱ تا ۲ و ۲۲ مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی)

"علامہ ابنِ خلدون" نے یہ بھی لکھا ہے کہ۔

(۱) "جب تک کہ انسان فارغ البال نہیں" اور معتدل مزاج نہ ہو گا واقعہ کی تحقیقات نہیں کرسکتا" اگر وہ پہلے سے کسی کا طرفدار ہے" یا مخالف" یا معتقد" تو واقعات کے اُسی قدر حصے اُس کو نظر آئیں گے جو اُس کے ذوق کے مطابق ہوں گے"

(۲) لحاظ اغراض بھی ضروری ہے" یعنی جو واقعہ بیان کیا گیا ہے" بیان کرنے والے کی اُس سے غرض کیا ہے"

(مجلۂ عثمانیہ - جلد ۱۱ - شمارہ (۱ و ۲) مطبوعہ حیدر آباد دکن)

(مضمون علامہ عبداللہ العمادی "ابنِ خلدون کا فلسفہ تاریخ نویسی")

مؤلف امروہوی کی اپنے نسب کے بارے میں غلط بیانیاں

اُصولِ درایت سے کچھ واقف کرا چکنے کے بعد" اب ہم مؤلف امروہوی کی اُس تحقیقات کو دکھاتے ہیں جو انہوں نے اپنے نسب کے بارے میں پیش کی ہے" تاکہ یہ اچھی طرح معلوم ہوسکے کہ "زبیری کنبوہی خاندان" کے لئے جن "تاریخی و جغرافی" اور اثری" شہادتوں کو مؤلف موصوف نے ضروری لکھا ہے اپنے نسب کے بیان میں ان کی مطلق کوئی ضرورت نہیں تھی" اُن کے اس بیان کا دارومدار صرف اُن کی خاندانی روایتوں یا من گھڑت کہانیوں پر ہے" جن میں "موسیٰ بن امین الرشید" کی عمر کے متعلق دعوے اور اپنے بزرگوں کے بارے میں غلط بیانیاں" نیز اپنے شجرے میں اُن کی کثر بیوت بھی شامل ہے" اور ایسی پوچ دیگر باتیں پیش کرکے وہ ہمیں کا یقین دلا رہے ہیں کہ جھوٹ نہیں بول رہے ہیں" اور کہہ رہے ہیں پھر اُن کے اِس بیان کے مقابلہ میں کسی اُصولِ درایت" اور "تاریخی شہادت" کی مطلق کوئی ضرورت نہیں ہے" یعنی بلا کسی سند کے جو کچھ بھی اُنہوں نے لکھ دیا ہے" آیت اور حدیث ہے" اور ان کا منکر کافر ہے" ناظرین کی واقفیت کے لئے اب ہم مؤلف امروہوی کا وہ بیان جو انہوں نے اپنے نسب کے بارے میں دیا ہے پیش کرتے ہیں"

"تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۸ و ۱۷۹ پر تحریر ہے کہ" خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" اِس خاندان کے مُورث اعلیٰ" مخدوم زادہ محمد یوسف عباسی" بہ شہنشاہی عہد بلبنی" میں" ہندوستان" آئے"

مسٹر اے جے - آر - بیول سائی - سی - ایس" مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراد آباد" امروہہ کے قدیم اور تاریخی خاندانوں کے تذکرہ میں "خاندانِ عباسیہ" کا ذکر ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں"

"۱۲۵۸ء میں جب کہ بغداد" کے آخری خلیفہ عباسی" مستعصم باللہ" مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے - خاندان عباسیہ کے معدودے چند افراد بچ سکے" ان میں سے "محمد احمد (ابو القاسم احمد) بھاگ کر" مصر" پہنچے اور وہاں خلافت قائم کی" دوسرے شخص" محمد یوسف" براہ سمرقند" سندھ" آئے" سلطان غیاث الدین بلبن" نے "ہارون الرشید اعظم" کی اولاد میں ہونے کی بنا پر اُن کا اعزاز و اکرام کیا" (ص۱۷۹)

اور صفحہ ۱۷۹ پر لکھا ہے کہ "عہد بلبنی" میں "خلفائے عباسی" کی اولاد سے بعض بزرگ وارد ہند ہوئے مگر "فرشتہ" نے "اِن عباسی شہزادوں کے نام لکھے ہیں" اور نہ کسی دوسرے مؤرخ نے اس کی تصریح کی ہے" تاہم "خاندانی روایات میں بالاتواتر مذکور ہے کہ" ایک شہزادہ کا نام "محمد یوسف" تھا جن کی اولاد میں "خاندان عباسیہ متوطن امروہہ ہے"

اِن میں سے جو اُصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں " حسبِ ذیل ہیں "

(۱) واقعہ مذکورہ " اُصول عادت کی رُو سے ممکن ہے یا نہیں "

(۲) " اُس زمانے میں لوگوں کا میلانِ عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق "

(۳) " واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے۔ تو اِسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں "

(۴) " اِس امر کی تفتیش۔ کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے۔ اُس میں قیاس اور رائے کا کس قدر حصّہ شامل ہے "

(۵) " راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا " وہ واقعہ کی پوری تفسیر ہے " یا اِس امر کا احتمال ہے " کہ راوی اُس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا "

(۶) " اِس بات کا اندازہ " کہ زمانے کے اِمتداد " اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے " روایت میں کیا کیا " اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں "

اِن اُصولوں کی صحت سے کوئی اِنکار نہیں کر سکتا " اور اُن کے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں " مثلاً " آج جس قدر تاریخیں مُتداوِل ہیں اُن میں غیر قوموں کی نسبت " حضرت عمر رضؓ " کے نہایت سخت احکام منقول ہیں "

لیکن جب اِس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ " اِس زمانے کی تصنیفیں ہیں " جب اسلامی گروہ میں تعصّب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا " اور اِسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اِس قسم کے واقعات بالکل نہیں۔ یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصّب آتا گیا " اُسی قدر روائتیں خود بخود تعصّب کے سانچے میں ڈھلتی گئیں "

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ " حضرت عمر رضؓ " نے حکم دیا تھا کہ " عیسائی " کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں " لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج " و تاریخ طبری) میں یہ روایت اِس قید کے ساتھ منقول ہے کہ " جب مُسلمان نماز پڑھتے ہوں اُس وقت " عیسائی " ناقوس نہ بجائیں "

" ابنِ اثیر " وغیرہ نے لکھا ہے کہ " قبیلہ تغلب " کے عیسائی " اپنے بچّوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں " لیکن یہ روایت " تاریخ طبری " میں اِن الفاظ میں مذکور ہے کہ " جو لوگ اِسلام قبول کر چکے ہوں اُن کے بچّوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے " (ص ۱۶ و ۱۷)

جس قدر اِن میں تنقید ہوتی گئی ہے۔ اُسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئیں " فدک " قرطاس " سقیفہ بنی ساعدہ " کے واقعات " ابنِ عساکر " بیہقی " مُسلم " بخاری " سب نے نقل کئے ہیں "

لیکن جس قدر اِن بزرگوں کے اُصول ۔ اور شِدّتِ احتیاط میں فرقِ مَراتب ہے " اُسی نسبت سے روائتوں میں مشتبہ۔ اور " نزاع انگیز الفاظ " کم ہوتے گئے ہیں ۔ یہاں تک کہ خود " مُسلم " اور " بخاری " میں فرقِ مراتب کا یہ اثر موجود ہے " (ص ۱۸)

اِنہیں اُصولِ عقلی کی بنا پر " مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف ہوں گے "

مثلاً " یہ مُسلم ہے کہ حضرت عمر رضؓ " کی خلافت کے واقعات سَو برس کے بعد تحریر میں آئے۔ اِس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جُزئی تفصیلیں مثلاً " صف آرائی کی کیفیت " فریقین کے سوال و جواب " ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی " پہلوانوں کے داؤ پیچ " اِس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا " لیکن انتظامی اُمور۔ اور قواعد حکومت۔ کیونکہ مدّت تک محسوس صورت میں موجود رہے۔ اِس لئے اُن کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں (ص ۱۸ و ۱۹)

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابلِ ذکر نہ تھے " اور باوجود اِس کے اُن کا ذکر آجاتا ہے۔ اُن کی نسبت سمجھنا چاہئے کہ اصل واقعہ اِس سے زیادہ ہوگا " مثلاً " ہمارے مورخین " رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں ۔ اور رنگینیوں کے مقابلہ میں " اِنتظامی اُمور " کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں " (ص ۱۹ و ۲۰)

دلائل کے ڈھکوسلے کی حقیقت

مؤلف امروہوی نے مذکورہ باتوں پر ہی بس نہیں کی ہے بلکہ یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "انہوں نے زبیری کنبوی خاندان نے سابقہ نسبت کے لحاظ سے جو حضرت شیخ زکریا ملتانی کے خاندان سے ان کے مورثوں کو ہی زبیری کہنا شروع کر دیا ہے۔"

لیکن یہ تحریر بھی مؤلف صاحب کا جھوٹ اور فریب ہے جیسا کہ اسی کتاب میں ہم بتا آئے ہیں۔ سب تاریخ داں جانتے ہیں کہ حضرت مخدوم "حضرت ہبّار اسدی کی اولاد میں تھے۔ یہ حضرت ہبّار حضرت زبیر کے چچازاد بھائی تھے" اس لئے حضرت مخدوم ہباری اور اسدی تو تھے "مگر زبیری نہیں تھے" خاندان کی نسبت سے زبیری بن جانے کے مؤلف امروہوی کے بیان کی جو حقیقت ہے اس کا اندازہ لگانا بھی کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

مؤلف صاحب امروہوی کو اس زبیری کنبوی خاندان کے متعلق جس قدر بحث کرنی تھی یہاں وہ ختم کر چکے اور اس کے جواب پا چکے ہیں "ہم اپنی بحث میں دکھلا چکے ہیں کہ زبیری خاندان کا اسکن لقب "کنبوی" ناقلوں اور کاتبوں کی غلطیوں اور لاعلمی کی وجہ سے کہیں کہیں "کنبوہ" اور "کنبوہ" کی شکل میں ہو گیا ہے" مؤلف موصوف نے لفظ کنبوی کو چھپا کر اور کسی جگہ لفظ کنبو اور زیادہ تر کمبو لکھکر "زبیری کنبوی" خاندان اور قوم کمبو کو جو ایک بنا دکھانے کی کوشش میں ایڑی چوٹی پسینہ ایک کر لیا ہے اس کی تردید ہم تواریخ سے ہم نے ایسی کر دی ہے کہ ان کی تحقیقات اور طبیعت کا حال اس سے بخوبی واضح ہو گیا ہے۔ البتہ اتنا بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "مؤلف امروہوی نے ہر واقعہ پر تاریخی "حقیقت بیانی" اور تاریخی شہادتوں سے روشنی ڈالنے کا اور علامہ ابن خلدون کے مقرر کردہ اصول درایت پر عمل پیرا ہونے کا" اور اپنی صداقت بیانی کا بھی ادعا کیا ہے" اس لئے ہم "علامہ شبلی" کے الفاظ میں "علامہ ابن خلدون کے" اصول درایت کا خلاصہ بتانا بھی مناسب سمجھتے ہیں جس کو دیکھکر بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ مؤلف موصوف نے اپنی تحقیقات میں ان میں سے ایک اصول کو بھی اختیار کرنا ضروری نہیں خیال کیا۔ بلکہ ان سب کو پس پشت ڈال دینا ہی مناسب سمجھا ہے"

درایت کے اصول

"مولانا شبلی" نے "الفاروق" میں تحریر فرمایا ہے کہ "علامہ ابن خلدون" نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گذرا ہے "جب "فلسفہ تاریخ" کی بنیاد ڈالی تو "درایت کے اصول" "نہایت نکتہ سنجی" اور "باریک بینی" کے ساتھ مرتب کئے" چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے"

(الف) خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے" اور "عادت کے اصول" اور سیاست کے قواعد" اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا" اچھی طرح جائزہ نہ لیا جائے" اور غائب کو حاضر پر" اور حال کو گذشتہ پر" نہ قیاس کیا جائے" تو اکثر لغزش ہو گی"

(ب) علامہ موصوف نے تصریح کی ہے "کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے" پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے" بلکہ یہ دیکھنا چاہئے" کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں" کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے"

(ج) علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ "ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں۔ بلکہ اصول عادت" اور قواعد تمدن کی رُو سے ممکن ہونا مراد ہے" (ص ۱۱ و ۱۵)

اس کے بعد "مولانا شبلی" نے لکھا ہے کہ "واقعات کی تنقید کے لئے" درایت کے اصول" سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے" درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اس کے اصول و قواعد نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں"

اب رہا مارہرہ و امروہہ اس میں اوّل الذکر مقام پر ۹۳۸ھ ہجری سے یہ خاندان آباد ہے اور آج تک بھی اطراف کی زمینداری اور علاقے اسی خاندان میں چلے آتے ہیں - یہاں سادات بلگرام میں سے ایک بزرگ جہانگیر کے آخری دور میں تشریف لائے - اور اس مقام کو شرفائے زبیری کنبوی کا جائے سکونت دیکھکر مسکن گزیں ہوئے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا کہ ان بزرگ کے پوتے نے مستقل سکونت یہاں کی اختیار کر لی اور ان دونوں خاندانوں میں جو محبت و مودت اور ایک دوسرے کے لئے بے اختیاری قائم رہی وہ مثال کے قابل تھی - اور اسی خاندان کے ایک قطب وقت نے ہمارے جدِ سویم کی کتاب کا نام "سلسلۂ عالیہ" تجویز فرمایا تھا - جو اس خاندان کے سلسلۂ نسب کی بہترین کتاب ہے - اور جس کا مؤلف امروہوی نے اپنے مقصد کے تحت تذکرہ کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔"

امروہہ میں سادات کا خاندان سلطنت تغلقیہ کے دور میں آباد ہوا - اور دوسرے شرفا بھی مرور ایام سے اس جگہ آباد ہوتے رہے - چنانچہ خود مؤلف امروہوی کے بزرگ بھی مارے مارے پھرنے سے تنگ آکر اور امروہہ کو مسکن سادات و شرفا دیکھکر یہاں آباد ہو گئے - اور ان میں ان سادات و شرفا کے نزدیک قیام پذیری کی وجہ سے یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ بھی مُلاگری سے آگے بڑھکر شرفا کے زمرہ میں شامل ہو جائیں - لہذا انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ امروہہ کے سادات و شرفا کے خاندانوں میں اس طرح کی نئی نکالی جائے تاکہ وہ بھی اُن ہی کے سطح پر نظر آنے لگیں لیکن اس میں بھی ان کو ناکامی ہوئی اور ان کی جو حقیقت پسِ پردہ تھی اور جس کی جانب لوگوں نے توجہ نہیں دی تھی - وہ بر سرِ عام آگئی -

اس کتاب میں پہلے اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ لودھیوں سے پہلے خاندان سادات کے دورِ حکمرانی میں بدایوں اور امروہہ میاں ملک چمن زبیری کنبوہی" کی جاگیر اور حکومت میں شامل تھے - بعد ازاں انہیں بزرگ نے سنبھل میں اپنے نام سے چمن سرائے آباد کی تھی - ان کے بعد دیوان عبد المومن خاں سنبھلی نے اپنے زمانہ میں سنبھل میں عمارتیں بنائے اور اس کی آبادی کے لئے بڑا کام کیا" غرضکہ "امروہہ سے بالکل قریب سنبھل میں ہمارے خاندان کو کافی عروج حاصل تھا -

امروہہ میں زبیری خاندان کے بزرگ عالمگیر کی حکومت کے بعد تشریف لائے جن میں سے ایک خاندان تو وہ تھا جس کے رکن رکین اس دور میں حامد علی خاں بیرسٹر لکھنؤ مرحوم اور اُن کے برادرِ خورد حکیم نواب علی خاں صاحب ہیں - دوسرا خاندان مولوی صبغت اللہ صاحب بی - اے کا ہے - اوّل الذکر خاندان کے بزرگوں کو بھی املاک وغیرہ امروہہ کے اطراف میں حاصل تھیں - اس خاندان کے جو بزرگ سب سے پہلے یہاں تشریف لائے وہ لاہور کے قاضی تھے اور لاہور و ملتان ان کی جاگیر میں تھے" اور یہ خاندان دہلی و امروہہ کا سربرآوردہ گھرانا چلا آتا ہے - جس کی شرافت و نجابت اور علوئے حسب و نسب پر مؤلف امروہوی سے قبل کسی سادات و شرفا نے حاشیہ آرائی نہیں کی تھی - مولوی صبغت اللہ کے بزرگوں میں نواب بہادر خاں میرٹھی فاتح بندر ہگلی (بزمانہ شاہجہاں) کے صاحبزادے دیوان محمد عاقل خاں نظام الملک آصف جاہ اوّل کے مخصوصین میں سے تھے - چنانچہ ان کے دورِ حکومت دکن میں دیوان موصوف برہان پور کے دیوان اور بعد ازاں کل دکن کے دیوان رہے - اور مراد آباد جب آصف جاہ اوّل کے جاگیر میں دیا گیا تھا تو اُس کے بھی کچھ عرصہ ناظم و منتظم رہے تھے - اسی وجہ سے دیوان صاحب کا خاندان جس کے پاس کافی املاک مراد آباد کے اطراف میں تھیں اس جگہ مقیم ہو گیا - اور اسی طرح دوسری جگہ کے چند اہل خاندان بھی اس خاندان سے رشتہ داریوں کی وجہ سے آباد ہو گئے - چنانچہ نواب وقار الملک بہادر مرحوم (جن پر اہل امروہہ کے علاوہ تمام ملک کو بجا طور پر ناز و افتخار رہے ..) کے والد کی شادی ہو جانے کی وجہ سے نواب صاحب موصوف کو امروہہ سے تعلق پیدا ہو گیا - ورنہ اُن کا نسلی تعلق دیوان عبد المومن خاں سنبھلی سے مربوط ہے -

ایک ایسے خاندان کے متعلق مؤلف امروہوی کا یہ لکھنا کہ عربی النسل بننے کا جذبہ پیدا ہو گیا جس قدر مضحکہ خیز ہے - وہ

آئینہ عباسی مطبوعہ ۱۲۹۵ہجری کے صفحہ ۲۱ میں اپنے خاندانی حالات لکھے ہیں۔" جس کو مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۸ پر اس طرح نقل کیا ہے کہ۔

"ہمارے بزرگ بھی پنجاب میں پھرتے رہے۔ چنانچہ دادا **مولانا لال محمدؒ** پیدائش پنجاب ہیں
ہندی نام ہے اور ان کے والد **مولانا مٹھے** اور ان کے چچا **مولانا متّن** ۔ اسی
عرصہ میں اسی مقام **امروہہ** میں کر ساں کے سکنا سے ملاقات ہوئی۔ مسکن سادات و شرفاء
جھکر دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی تھی)

کیا خدا کی شان ہے کہ اپنے خاندان کو کس مپرسی کی حالت میں مسکن سادات و شرفا سمجھکر امروہہ میں آباد ہونے کو نظر انداز کر کے اس کا اطلاق **زبیری کنبوی** خاندان پر کیا جا رہا ہے اس کو آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لینا نہیں کہیے تو اور کیا کہیے ہیں۔ ہم خود مؤلف امروہوی سے سوال کرتے ہیں کہ آج جن جن مقامات پر ہمارا خاندان آباد ہے اور جہاں وہ پہلے آباد رہ چکا ہے۔ کون کون سے ایسے سادات و شرفاء آباد تھے یا ہیں جنہیں ہمارے خاندان کی شرافت کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور جن کی شرافتیں اس خاندان کے لئے خضر راہ ہیں۔ اور نہ سہی تو لودہیوں کی سلطنت کے زمانہ سے تو خود مؤلف صاحب کو اس خاندان کے ہر طرح کے شرف کا اقرار ہے۔ لیکن وہ نہ پیدا ہونے کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ تیس چالیس سال سے پیدا ہوا ہے۔ ہمارے خاندان جیسے صاحب شرف خاندان کے متعلق اس طرح کا بیان سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ کوئی خاص وجہ مؤلف صاحب کے دل میں موجزن ہے جو حقیقت بیانی سے اُن کو روک رہا ہے۔

جن جن مقامات پر **زبیری کنبوی** خاندان اقامت پذیر رہا ہے وہاں وہ حاکمانہ اور جاگیردارانہ طور پر رہا ہے۔ نہ کہ مؤلف امروہوی کے خاندان کی طرح معمولی رعایا بن کر رہا ہو۔ جو مقامات اس خاندان کے مرکز رہے ہیں اُن میں۔ **دہلی۔ سنبھل۔ میرٹھ۔ بارہرہ۔ جیور۔ امروہہ۔ پیلارہ۔ آگرہ۔ کول** (علیگڑھ) اور **دھولپور** وغیرہ وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔"

ان میں سے اگر تجزیہ کیا جائے۔ تو دہلی کے متعلق تو سلسلۂ عالیہ کے صفحہ ۶ پر تحریر ہے کہ "چنانچہ در دہلی تدارت و اقامت ایں گروہ **(زبیری کنبوی)** مشہور است" پھر بعد میں ملتان میں ۸۳۵ہجری میں انقلاب کی وجہ سے وہاں کے شرفاء و سادات **بہلول لودی** کے ابتدائے حکومت میں جب دہلی آئے تو ان سب کا ملجا و ماویٰ اور مرکز یہی خاندان **زبیری کنبوی** بنا رہا۔ یہی مرکز علم اور یہی مرکز عرفان تھا۔ اور اسی در پر بادشاہوں سے لے کر عوام تک اور عالم سے لے کر عارف تک سجدہ ریز تھے۔ اور دارالسلطنت **دہلی** کے عہدۂ افتاء اور قضاءت کا سلسلہ بھی شروع سے آخر زمانۂ سلطنت اسلامیہ تک اسی خاندان میں متوارث رہتا چلا آیا۔ **سکندر لودی** تو کسی شریف و نجیب اور غیر صاحب حسب و نسب سے گفتگو کرنا اور اُن کو ملازمت میں رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ کیوں خاندان **زبیری کنبوی** کے بزرگوں کو اپنا انیس و جلیس رکھتے تھے اُن سے دعا کے جویا ہوتے اُن کے دیئے ہوئے خطاب سے آپ نے آپ کو مشہور کرتے تھے اگر اس خاندان کے حسب نسب کے متعلق ان کو وہ علم ہوتا جو آج چار سو برس کے بعد مؤلفین امروہوی و امرتسری کو حاصل ہوا ہے تو وہ کیسے اس طرح اس خاندان کے ساتھ پیش آتے مگر اُن کے علم و یقین میں اس خاندان کی نجابت و شرافت مسلّم تھی انہوں نے وہی طریقہ اس خاندان کے ساتھ برتا جو ایک صاحب علم و فضل اور دانشور بادشاہ کو کرنا چاہیئے تھا۔

رہے **میرٹھ۔ سنبھل۔ مراد آباد۔ جیور۔ دھول پور** وغیرہ وہ مقامات ہیں کہ جہاں وہ صاحب امارت اور جاگیردار بنکر گئے اور ان مقامات پر آج تک بھی کوئی ایسا خاندان سادات و شرفاء کا نہیں ہے کہ جن کے چراغ اس خاندان کی شرافت کے آگے جل سکتے **سنبھل** علم کا مرکز تھا لیکن یہ تو دیکھو کہ اس علم کی شمع کو روشنی کہاں سے پہونچی۔ **ملا عبدالقادر بدایونی** کے استاد مولانا شیخ حاتم سنبھلی نے **دہلی** جا کر اسی خاندان **زبیری کنبوی** کے بزرگوں کے سامنے زانوئے ادب طے کیا تھا اور اُن کے چچا حضرت **عجائب** المعروف بہ **شیخ ہلالی** نے دست بیعت اسی خاندان کے بزرگ سے استوار کیا تھا۔"

گفتگو عام سامعین کی موجودگی میں ادا کرلیا کرتے ہیں۔ مگر ہمارے پاس یہ ہتھیار بھی نہیں ۔"

(۵) بقول مسٹر طالب کمبوہی (باشندہ گاؤں کمبوہ از قوم کمبوہ) نہ ہمارے پاس کوئی مستند روایت ہے۔ نہ کسی خاندان کے پاس کوئی قابلِ وقعت شجرۂ نسب ہے۔ نہ کوئی قومی تاریخ اور تحریری یادداشت ہے۔ جس سے انسان صحت اور اطمینان کے ساتھ کوئی دعویٰ کر سکے۔"

(۶) ہمارے بھاٹوں اور میراثیوں کا مبلغ علم بھی نہایت قلیل ہے بلکہ قریب بہ صفر ہے۔ اور ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُن کی یادداشتوں پر یقین کریں اور میں بھی (یعنی مؤلف تاریخ کمبوہان بھی) مسٹر سراج الدین صاحب (طالب) کے ساتھ متفق ہوں کہ اُن کی یادداشت ہائے سلسلۂ نسب قابلِ اعتبار نہیں ۔"

(۷) البتہ ہمارے ہندو بھائیوں کے پاس وہ یادداشتیں موجود ہیں جو اُن کے مقدس مقامات کے پُرہت ہنتوں نے اموات وغیرہ کی نسبت تحریر کی ہوئی ہیں۔ جن سے چند سو سال تک خاندانی حالات اور شجرہ ہائے نسب کی تفصیل آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے مگر ظاہر ہے کہ قوموں کی تاریخ میں چند صدیاں دنوں اور ہفتوں کی حیثیت رکھتی ہیں ۔"

(۸) ہمارا موجودہ طرزِ معاشرت اور طریق تمدن اس درجہ گرا ہوا ہے اور ہم اس قدر ضعیف اور بادہ میں گرفتار ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم کسی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتے ہیں اپنے تئیں ہنسوانا ہے۔ دولت و ثروت۔ علم و لیاقت۔ دنیاوی وجاہت۔ دینی حالت ہر ایک معیار میں ہم ناقص ہیں اپنی ہمعصر اقوام سے اُن باتوں میں ہمیں کوئی مساوات نہیں۔

(۹) لیکن با ایں ہمہ اگر ہم جستجو سے کام لیں اور تحقیقات کی روشنی میں آگے بڑھیں۔ ذرا گہری نظر سے کام لیں اور اِدھر اُدھر ڈھونڈیں تو قومی روایتوں۔ پرانی اور مستند پستکوں اور گرنتھوں۔ نظم کی کتابوں۔ مذہبی صحیفوں اور پچھلے آثار سے بہت کچھ اصلیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ اِن کتب ہائے تاریخ سے جو غیروں نے اپنے لئے لکھی ہیں اور جن میں ہمارا بھی ضمناً ذکر آگیا ہے۔ حوالہ جات دستیاب ہو سکتے ہیں اور ایک دعویدار مؤرخانہ حیثیت کو قائم رکھکر اپنے حسب و نسب کے اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے ۔"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی مندرجۂ بالا تحریر خود اپنی حالت کے اظہار کے لئے کافی ہے۔ نمبر (۹) میں جن ذرائع کو پیش کرکے اور مؤرخانہ حیثیت کو قائم رکھکر اپنے حسب و نسب کے اعلیٰ ہونے کے دعوے کو صحیح ثابت کردینے کا یقین دلایا ہے وہ محض ایک لفاظی ہے۔ اُن کا دارومدار صرف قرائن اور من گھڑت کہانیوں پر ہے لیکن اس پر بھی مؤلف امروہوی اس کتاب کے دیکھنے کی سفارش کرتے ہیں۔ جس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ مغالطہ پیدا کرنے۔ واقعات کے اخفا کرنے سے۔ قرائن کی بھرمار لگانے اور من گھڑت کہانیوں میں بے معنی بحثیں کرنے میں دونوں "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز" کی مصداق ہیں ۔"

مؤلف امروہوی نے تاریخ کمبوہان کے مطالعہ کی سفارش فرمائی تھی ہم یہاں اِن دونوں مؤلفین اور ناظرین کتاب ہذا سے استدعا کریں گے کہ وہ ہماری اس کتاب کے بعد ہماری دوسری ضخیم جلد کو بھی جو تاریخ کمبوہان کے جواب میں تحریر کی گئی ہے بعد طبع ضرور ملاحظہ فرمائیں تاکہ قوم کمبوہ کی پوری پوری حقیقت اور زبیری (کنبوی) خاندان کی صورت حال سامنے آجائے ۔"

عربی و قریشی خاندانوں کے دوش بدوش آباد ہونے کو لکھنے سے مؤلف امروہوی کی غرض

مؤلف امروہوی نے آگے چل کر اپنی اسی تحریر مندرجہ عنوان پر اس بات کا بھی اظہار کیا ہے کہ زبیری کنبوی خاندان میں عربی و قریشی خاندانوں کے دوش بدوش آباد ہونے کی وجہ سے یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ بھی اپنے آپ کو عربی النسل مشہور کریں یہ بات صرف اس وجہ سے مؤلف صاحب نے بیان کی ہے کہ وہ اپنی تاریخ دانی کے زعمِ باطل میں پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس خاندان کو ہندی الاصل اور نسباً آرین چھتری باور کرانا چاہتے ہیں جس کے متعلق اِسی کتاب میں پوری طرح اظہار خیال کیا جا چکا ہے بیشتر اس کے کہ ہم اپنے خاندان کے متعلق کچھ تحریر کریں ان کے خاندان کی آمد امروہہ کے متعلق خود انہیں کی ایک تحریر کو پیش کردیں تاکہ حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ مؤلف امروہوی کے ایک ہمسر جدی بزرگ نے اپنے خاندان کے متعلق سب سے پہلی کتاب

مؤلف امروہوی نے اپنی پوری بحث میں لفظ کنبوی کو ظاہر ہی نہیں ہونے دیا ہے۔ لیکن مؤلف تاریخ کمبوہان نے رسیری کمبوی خاندان اور اپنی قوم کمبو کو ایک ماں دلانے کی خواہش کے مدنظر یہ جتلانا ضروری سمجھا ہے کہ اگر کسی قصبہ یا دریا کے نام سے کمبوؤں کو منسوب تصور کیا جائے جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے تو اُن کا نام کنبی (منسوب بہ کنب) یا کنبوی (منسوب بہ کنباہ) ہونا چاہئے نہ کہ کمبوہ حالانکہ اکبرنامہ۔ تاریخ فرشتہ اور آئین اکبری وغیرہ کتابوں میں کمبوہ امراء کے ناموں کے بعد صاف صاف طور پر لفظ کمبوہ لکھا ہوا ہے۔ جیسے شہباز خاں کمبوہ، شیخ گدائی کمبوہ، شیخ جمالی کمبوہ۔

آگے چل کر مؤلف تاریخ کمبوہاں نے لکھا ہے کہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ مشرق میں اشاعت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اور فتوحات اسلامیہ کی تفصیل میں تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی ریاست یا کوئی شہر وغیرہ کمبو نام کا موجود تھا۔ بجز جزیرہ نمائے کمبوج کے سوائے کوئی قطعہ ملک اس نام سے اس وقت تک موسوم ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو جزیرہ نمائے کمبوج (کمبوڈیا) سے تا حال کوئی تعلق پیدا نہیں ہوا۔ ہم صرف دعووں کو تسلیم نہیں کرتے ثبوت درکار ہے۔ مزید براں۔ مؤلف موصوف نے رسیری خاندان کے سکی لقب کنبوی کے علاوہ اُن کے صفاتی لقب کنگو پر بھی تنقید فرمائی ہے۔

مؤلف تاریخ کمبوہاں کے مندرجہ بالا بیان کے متعلق ہم یہاں صرف اسی قدر ظاہر کرنے پر اکتفا کریں گے کہ اکبرنامہ یا تاریخ فرشتہ اور آئین اکبری یا دوسری کوئی بھی تاریخ اٹھا کر دیکھ لی جائے کسی میں بھی کنبو کو کمبو کی صورت میں میم سے لکھا ہوا نہیں پایا جائے گا۔ ان کتابوں کے علاوہ جن کے نام مؤلف تاریخ کمبوہان نے پیش کئے ہیں اُن سے پہلے کی تاریخوں طبقات اکبری مؤلفہ نظام الدین احمد اور منتخب التواریخ مؤلفہ ملا عبدالقادر بدایونی وغیرہ اکبر و جہانگیر اور اُن کی بعد کی متعدد کتب تواریخ میں برابر اس رسیری خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ اُن کا سکی لقب کنبوی یا کنبو کی شکل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اب اگر امروہوی اور امرتسری مؤلفین نے تاریخوں میں اچھی طرح سے اس لفظ کنبوی یا کنبو کو دیکھ کر اور اس کے مطلب کو سمجھ کر بھی اُسے ظاہر کرنا پسند نہیں کیا ہے اور انہیں اپنے مقصد کے مدنظر کنبوی یا کنبو۔ کمبو کی شکل ہی میں لکھا ہوا نظر آیا ہے تو ہم نے اس کی بھی اصلاح کر دیا ہے کہ ہم نے چند قدیم تاریخوں سے لیکر رسیری خاندان کے جن بزرگوں کے ناموں کے سامنے کنبوی لکھا ہوا ہے اُن کی ایک فہرست پیش کر دی ہے۔ اس زمانے کے اِن نئے مؤرخین نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اُن کا فریب لوگوں کے نظروں سے پوشیدہ رہے گا مگر اُن کو جان لینا چاہیے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوا کرتے اور وہ کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا۔

ہم نے سندھ کے حدود کے اندر دریائے کنباہ۔ علاقہ کنباہ اور شہر کنباہ کی موجودگی۔ رسیری کنبوی خاندان کے صفاتی لقب کنگو کی حقیقت۔ قوم کمبوج کے متعلق تحقیقات اور قوم کمبو کے اپنے چھتری ہونے کے ادعا اور مؤلف صاحب کی دوسری تحقیقات پر سیر حاصل بحث کر کے حقیقت کو وضاحت سے پیش کیا ہے۔

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "ہماری قومی تاریخ کے ماخذ ناکافی ہیں" کے عنوان سے تحریر کیا ہے کہ۔

(۱) قطع نظر قومی روایتوں سے نہ ہی یا رزمیہ نظم کی کتابوں سے بھی مجھے کوئی عنوان ایسا نہیں مل سکا جو اس راستہ میں میرے لئے شمع راہ کا کام دے سکتا اور ہماری روایتوں کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔

(۲) ہمارے قدیمی حالات ایسی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہر خیال اس ظلمات میں جانے سے گھبراتا ہے۔

(۳) ہمیں اپنی ہمسایہ اقوام میں لحاظ نسل۔ رنگ قد و قامت۔ خد و خال کوئی ایسا امر حاصل نہیں جو اس معاملہ میں ہماری رہبری کر سکے۔ ہندوستان کے تمام باشندے راست نسلائے اصیل۔ گونڈ۔ بھیل۔ بوکری کا یا وغیرہ کے جنہیں ہند ... کا اصلی باشندہ کہا جاتا ہے آریہ نسل کے ہیں۔ اور انہیں میں ہم بھی شامل ہیں۔ اس لئے یہ طریق استدلال بھی ہمارے لئے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔

(۴) بلحاظ زبان کے بھی ہمیں کوئی ایسا امر حاصل نہیں ہے۔ سانسکرت یا دیگر وغیرہ کی اپنی اپنی علیحدہ زبان تھی جس میں وہ اپنی آزادی

اُس کے حالات سے یکسر خالی ہیں" اپنی قوم کو اُبھارنے کے لئے جس جذبہ کے زیر اثر اس کتاب کے لکھنے کی کوشش کی گئی وہ بہت احسن اور قابلِ ستائش جذبہ تھا۔ لیکن جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ کسی طرح مقصد کی تکمیل کے لئے معاون ثابت نہیں ہو سکتا" انہوں نے زبیری کنبوہی خاندان " اور قوم کمبوہ میں التباس پیدا کرنے کی سعی کی "حقیقت سے منہ موڑ کر اور واقعات کو اخفا کر کے جو چاہا اور جس طرح چاہا اپنی کتاب میں لکھ مارا" کیونکہ اس کتاب میں "قوم کمبوہ" کو اعلیٰ نسل سے ظاہر کرنے کے شوق کی وجہ سے عربوں سے تو وہ اپنا رشتہ یوں نہیں ملا سکتے تھے۔ کہ اُن کی قوم میں "مسلمان" "ہندو" اور سکھ بھی موجود تھے" لہٰذا اُن کو اپنی باگ دوسرے میدانوں کی طرف موڑنی پڑی"

قوم کمبوہ اپنے متعلق کسی ایک بات پر متفق نہیں ہے " (۱) کوئی کہتا ہے کہ ہم "راجہ کرن" کی اولاد ہیں"

(۲) کوئی کہتا ہے کہ ہم "راجہ کمبوج" کی اولاد ہیں جو ملتان کا راجہ تھا"

(۳) کوئی کہتا ہے کہ ہماری قوم کا نام پہلے "کم بدھ" تھا وہی بعد میں "کمبوہ" ہو گیا"

(۴) اور کوئی اس بات پر زور دیتا ہے کہ گجرات کی "خلیج و شہر کمبے یا کمبایت" کی وجہ سے ہماری قوم کا نام "کمبوہ" پڑا ہے" لیکن ہم سورج بنسی چھتری "راجہ رام چندر جی والئے اودھ" کی اولاد میں سے اُس راجہ کی نسل سے ہیں جس نے کاٹھیاواڑ گجرات میں جا کر اپنی حکومت و سلطنت قائم کی تھی اور جو بلبھی بنس کا بانی تھا" وغیرہ وغیرہ"

"مؤلف تاریخ کمبوہان" نے ان سب باتوں سے اختلاف کر کے اپنے رشتہ کو "کورش اعظم" المشہور بہ کیخسرو (جسے مولانا ابو الکلام آزاد نے قرآن شریف میں مذکور "ذوالقرنین بتایا ہے") کے بڑے بیٹے "شہنشاہ کامبوزیا (کیقباد)" سے جا ملایا ہے۔ جو اپنے باپ کے بعد اُس کا جانشین ہوا اور مصر کو اُس نے مغلوب کیا اور وہاں سے واپس ہوتے ہوئے یہ سُن کر کہ اس کی غیبت میں ایران پر ایک شخص نے قبضہ کر لیا ہے " اُس نے خودکشی کر لی تھی" اس پر مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے یہ ایزاد کیا ہے کہ "شاہنشاہ کامبوزیا" کی اولاد باپ کی خودکشی کے بعد سلطنت کے غاصب کے خوف سے ایران نہیں گئی " بلکہ افغانستان چلی آئی اور "کمبوج" کے نام سے مشہور ہوئی" پھر اُس نے افغانستان میں اپنی حکومت بھی قائم کر لی جس کی وجہ سے افغانستان "کمبوج" کہلانے لگا" من بعد زمانہ گذرنے کے بعد "کمبوج قوم" "قوم کمبوہ" کہلانے لگی " اس قوم کمبوہ نے بڑی ترقی کی "افغانستان" سے نکل کر "کاٹھیاواڑ گجرات" میں اُس نے "بلبھی" کی سلطنت قائم کی اور بنگال پر بھی حملہ آور ہوئی۔ یہاں تک کہ "ہند چینی" میں پہنچ کر اس نے اپنی سلطنت قائم کر لی" اس لئے کہ ایرانی "آریا تھے" اور "شہنشاہ کامبوزیا بھی ایرانی تھا" "قوم کمبوج" جو اب کمبوہ کہلاتی ہے "آرین چھتری یا راجپوت ہے"

پھر اس قوم کے کمبوج سے کمبوہ نام پڑنے کی داد تحقیق اس طرح دی ہے کہ "کمبوج" کی جیم کو "پنڈت جی" "شیخ جی" کی طرح عزت کا لفظ خیال کرتے ہوئے "سلطان شمس الدین التمش" نے بولنے کو منع کر دیا تھا۔ اس لئے اس وقت سے یہ لفظ کمبوج لنڈورا ہو کر "کمبوہ" کہلانے لگا ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اسی طرح کی من گھڑت باتیں تحریر کرتے ہوئے کتب تواریخ میں زبیری کنبوہی خاندان کے سکنی لقب کنبوہی کو دیکھتے ہوئے بھی اس کو بالکل ہی اخفا کر لینا مناسب خیال کر کے مؤلف امروہوی کی طرح کنبوہ بھی نہیں بلکہ اپنی قوم کا نام "کمبوہ" لکھا ہونا باور کرایا ہے۔ اور اپنا پورا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ زبیری کنبوہی خاندان اور اُن کی قوم "کمبوہ" (جو بقول مسٹر آرنلڈ کاٹھیاواڑ گجرات کی ایک نیچ قوم سے تعلق رکھتی ہے) کو ایک ہی سمجھا جائے۔

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اسی پر ہی بس نہیں کی ہے بلکہ چلتے چلتے زبیری کنبوہی خاندان کے نسب پر بھی بحث و تنقید کر ڈالی ہے۔ اور انہوں نے چند اِن باتوں پر بھی خامہ فرسائی کی ہے جنہیں ظاہر کرنا مؤلف امروہوی نے مناسب نہیں سمجھا ہے"

"کموج" کہا جاتا تھا "صرف صوبہ پنجاب میں" ہندو اور مسلمان "کمبوؤں کی تعداد"
اکیاسی ہزار چار سو اکیانوے ہے" "بلاد مغربی کے" کمبوہ" ابتدائی صدیوں میں
مشرف بہ اسلام ہوئے" اس کے بعد رفتہ رفتہ دوسرے خاندانوں نے بھی اسلام
قبول کیا" ان ہی مسلمان کمبوہوں میں جو بزرگ ابتدائی زمانہ میں" اسلامی عساکر"
کے ساتھ" شمالی ہند میں چلے آئے" یا جو عہد مغلیہ کے ابتدائی دور میں" ملتان و
لاہور" وغیرہ سے" دہلی" آئے وہ یہیں کے ہو رہے" ان میں سے بعض نے"
"عہد مغلیہ" میں" کافی شہرت" اور "ترقی حاصل کی" ان کی اولاد" دہلی کے قرب و
جوار" مختلف مقامات میں" جہاں سادات و شرفا کی آبادیاں تھیں" سکونت پذیر
ہوگئی" صوبجات متحدہ کے کمبوہ اُن ہی کی نسل ہیں" چونکہ یہ لوگ "پنجابی برادری
سے علیحدہ ہو گئے" دولت اور علم میں بھی اُن سے ممتاز رہے" عربی و قریشی" خاندانوں
کے دوش بدوش آباد ہوئے" اس بنا پر ان میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوا" کہ وہ اپنے
آپ کو "عربی النسل" مشہور کریں" انہوں نے سابقہ نسبت کے لحاظ سے جو "حضرت
شیخ زکریا ملتانی" کے خاندان سے" اُن کے مورثوں کو رہی ہے" "زبیری" کہنا شروع
کر دیا" حالانکہ حقیقتاً وہ "نہ عربی النسل ہیں" نہ زبیری" بلکہ ہندی الاصل
ہیں" اور نسباً آرین چھتری" (صفحہ ۳۴۷ و ۳۴۸)

اِس بیان میں جن باتوں کی طرف مؤلف امروہوی نے توجہ دلائی ہے اُن میں سب سے پہلے تاریخ کمبوہان دیکھنے کی سفارش کی ہے" ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی مؤلف جسے تحقیقات پر ذرک رکھنے کا دعویٰ ہو اس کتاب کو بہ نظر غائر دیکھ کر کبھی بھی اُس کے نوشتوں کو دیکھنے کی اپنے ناظرین سے سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا" مگر کیونکہ ہر رطب و یابس بات کو اپنا لینا اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے اُسے پیش کر دینا مؤلف موصوف کے پیش نظر رہا ہے اور اس موقع پر بھی اُن کا مطلب "نہ زبیری کمبوہی" خاندان کے حسب و نسب میں ہی نکالنا تھا" اس لئے انہوں نے اس سے کوئی غرض نہیں رکھی کہ جس کتاب کے دیکھنے کی وہ سفارش فرما رہے ہیں اُس کی حیثیت کیا ہے"

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی طرح کیونکہ ہم تاریخ کمبوہاں کے مؤلف کی تحقیقات کی حقیقت اور دلی مقصد سے بھی پہلے ہی واقف ہو چکے تھے" اس لئے ہم نے اُن کی پوری تحقیقات کی داد دینے کے لئے ایک علیحدہ جلد میں ایسا مواد جمع کر دیا ہے جس سے تاریخ کمبوہان کی حقیقی صورت حال سامنے آگئی ہے" رہی مؤلف صاحب امروہوی کی تحقیق" مؤرخانہ منزلت" سچائی" تحقیقی دلائل" حوالہ جات" منقولات" اقتباسات کی حیثیت" واقعات کی پردہ پوشی" اور دلی حالت وغیرہ وغیرہ کی کیفیت تو وہ اِس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوگئی ہے"

اب لگے ہاتھوں تاریخ کمبوہان کے بھی چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ مؤلف امروہوی کی اِس کتاب کے دیکھنے کی استدعا خالی نہ جا سکے"

تاریخ کمبوہاں کی حیثیت کی ایک جھلک

مؤلف تاریخ کمبوہان کی "قوم کمبوہ" نامعلوم زمانے سے پس ماندہ حالت میں چلی آ رہی ہے" تاریخیں اور تذکرے

انشاء ہرکرن کا دیباچہ

از مکتوبات ہرکرن ولد متھرا داس ‹‹ صفحہ ۲ بعد از حمد و سپاس
فرحضرت ایزد متعال ذو الجلال آنکہ بندہ شکستہ و دل خستہ عاصی
فقیر الحقیر ہیچدان اضعف عباد اللہ ‹‹ ہرکرن ولد متھرا داس ››
کنبوہی ملتانی ‹‹ روزے در دار الخلافہ ‹‹ بلدہ متھرا ›› بصحبت
یاران نشستہ بود۔ بعضے دوستان گفتند ‹‹ کہ تو تا مدتے در خدمت
نواب غفران پناہ - حاتم زماں - رضوان دستگاہ - نوشیروان عصر
اعتبار خاں ‹‹ منشی بود - عمرے در فن انشا صرف کردی چیزے
بطریق یادگارے بنویس ‹‹ صفحہ ۳ کہ تا مردم بخواندن آں بہرہ حاصل
نمایند - بحکم اشارت آں عزیزان خطے چند بعبارت شکستہ و بستہ
در قید قلم آمد کہ طالبان ایں فن را در نوشتن روزمرہ بکار آید ‹‹ مشتمل
بر ہفت باب است ››

نقل مکتوبات ہرکرن ولد متھرا داس صفحہ ۲ بعد از حمد و سپاس
فرحضرت ایزد متعال ذو الجلال بندہ شکستہ و دل خستہ گنہگار ‹‹
فقیر الحقیر ‹‹ ہیچدان اضعف العباد ‹‹ ہرکرن ولد متھرا داس ››
‹‹ کنبوی ملتانی ›› ایک دن دار الخلافہ بلدہ متھرا میں یاروں کی
صحبت میں بیٹھا ہوا تھا ‹‹ بعضے دوستوں نے کہا کہ ›› تو مدت تک خدمت
میں نواب غفران پناہ ‹‹ حاتم زماں ‹‹ رضوان دستگاہ ‹‹ نوشیروان عصر ››
اعتبار خاں[1] کا منشی تھا - اور تو نے اپنی عمر کو فن انشا میں صرف
کیا ہے ‹‹ کوئی چیز بطور یادگار لکھ - تاکہ لوگ اُسے پڑھکر واقفیت
حاصل کریں ‹‹ اُن عزیزوں کے کہنے کے بموجب ‹‹ چند خطوط عبارت
شکستہ و بستہ میں لکھدیئے ہیں کہ اس فن کے خواہشمندوں کے روزمرہ
لکھنے میں کام آ دیں ‹‹ سات باب پر یہ کتاب مشتمل ہے ››

مؤلف امروہوی کی بددیانتی ‹‹ اور اُن سے ہمارا خطاب ››

یہ بخوبی دکھانے کے بعد کہ ‹‹ ہرکرن ولد متھرا داس ›› نے اپنے آپ کو ‹‹ کنبوی ›› لکھا ہے اور مؤلف صاحب نے اُسے ‹‹ کنبوہ ›› لکھکر بددیانتی سے کام لیا ہے ‹‹ ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر ‹‹ شیخ ›› ‹‹ سید ›› ‹‹ مغل ›› ‹‹ پٹھان ›› وغیرہ مسلمان ‹‹ امروہہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے ‹‹ امروہوی ›› اپنے آپ کو لکھتے ہیں ‹‹ اور ہندو اقوام باشندگان امروہہ بھی امروہوی لکھے اور کہے جاتے ہیں تو اس لفظ ‹‹ امروہوی ›› کو اِن اقوام مختلفہ کے نسب سے کیا تعلق ہے ‹‹ اور اِن سب کا ایک نسب کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے ››

باب بست و چہارم (۲۴)

‹‹ قوم کنبوہ ›› کے اصل و نسب کے بارے میں ‹‹ مبسوط تصنیف ›› چودھری وہاب الدین ‹‹ کمبوہ ›› کی ‹‹ تاریخ کمبوہان ›› اِن حضرات کے مطالعہ کے قابل ہے - جو اس بحث سے دلچسپی رکھتے ہیں ‹‹ اس کتاب میں اِس امر کو ثابت کیا گیا ہے کہ ‹‹ کمبوہوں ›› کے جملہ خاندان خواہ ہندوستان کے کسی صوبہ میں آباد ہوں ‹‹ اسی ایک گروہ سے ہیں ›› جو قدیم ایرین قوم کی شاخ ہیں ‹‹ اُن کی آبادی ‹‹ پنجاب ‹‹ گجرات ‹‹ کابل ›› اور نواح غزنی تک ›› پھیلی ہوئی تھی ›› اور ایک زمانہ میں ‹‹ افغانستان کے مشرقی حصہ کو اِسی نسبت سے

(نوٹ نمبر ۱) منشی ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی ملتانی ‹‹ عہد جہانگیری میں نواب اعتبار خاں کا منشی تھا جو سنہ ۱۰۳۱ ہجری و سنہ ۱۰۳۲ ہجری میں اکبر آباد کا صوبیدار تھا - جب انگریزوں کو فارسی میں کاروبار کی ضرورت ہوئی تھی تو انھوں نے اس کی انشا کو پیش نظر رکھا تھا - اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا ‹‹ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ›› مرتبہ سید عبد اللہ ایم - اے - ڈی لٹ، شائع کردہ انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۴۲ء)

نے کمبوج کہا جاتا تھا۔ صرف صوبۂ پنجاب میں ہندو اور مسلمان کمبوؤں کی تعداد
اکیاسی ہزار چار سو اکہتر ہے۔ بلاد مغربی کے کمبوہ ابتدائی صدیوں میں
مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ دوسرے خاندانوں نے بھی اسلام
قبول کیا۔ ان ہی مسلمان کمبوہوں میں جو بزرگ ابتدائی زمانہ میں اسلامی عساکر
کے ساتھ شمالی ہند میں چلے آئے یا جو عہد مغلیہ کے ابتدائی دور میں ملتان و
لاہور وغیرہ سے دہلی آئے وہ یہیں کے ہو رہے۔ ان میں سے بعض نے
عہد مغلیہ میں کافی شہرت اور ترقی حاصل کی۔ ان کی اولاد نے دہلی کے قرب و
جوار کے مختلف مقامات میں جہاں سادات و شرفا کی آبادیاں تھیں سکونت پذیر
ہو گئی۔ صوبجات متحدہ کے کمبوہ ان ہی کی نسل ہیں۔ چونکہ یہ لوگ نے پنجابی برادری
سے علیحدہ ہو گئے۔ دولت اور علم میں بھی ان سے ممتاز رہے۔ عربی و قریشی خاندانوں
کے دوش بدوش آباد ہوئے۔ اس بنا پر ان میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ اپنے
آپ کو عربی النسل مشہور کریں۔ انہوں نے سابقہ نسبت کے لحاظ سے جو حضرت
شیخ ذکریا ملتانی کے خاندان سے ان کے مورثوں کو رہی ہے زبیری کہنا شروع
کر دیا حالانکہ حقیقتاً وہ نہ عربی النسل ہیں نہ زبیری بلکہ ہندی الاصل
ہیں اور نساً آرین چھتری۔ (ص۳۴۷ و ۳۴۸)

اس بیان میں جن باتوں کی طرف مؤلف امروہوی نے توجہ دلائی ہے ان میں سب سے پہلے تاریخ کمبوہاں دیکھنے کی سفارش کی ہے۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی مؤلف جسے تحقیقات پر ذرا بھی درک رکھنے کا دعویٰ ہو اس کتاب کو بہ نظر غائر دیکھ کر کبھی بھی اس کے نوشتوں کو دیکھنے کی اپنے ناظرین سے سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر کیونکہ ہر رطب و یابس بات کو اپنا لینا اپنے مقصد کے حصول کے لئے اسے پیش کر دینا مؤلف موصوف کے پیش نظر رہا ہے اور اس موقع پر بھی ان کا مطلب "زبیری کنبوی" خاندان کے حسب و نسب میں بھی نکالنا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس سے کوئی غرض نہیں رکھی کہ جس کتاب کے دیکھنے کی وہ سفارش فرما رہے ہیں اس کی حیثیت کیا ہے۔

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی طرح کیونکہ ہم تاریخ کمبوہان کے مؤلف کی تحقیقات کی حقیقت اور دلی مقصد سے بھی پہلے ہی واقف ہو چکے تھے۔ اس لئے ہم نے ان کی پوری تحقیقات کی داد دینے کے لئے ایک علیحدہ جلد میں ایسا مواد جمع کر دیا ہے جس سے تاریخ کمبوہان کی حقیقی صورت حال سامنے آ گئی ہے۔ رہی مؤلف صاحب امروہوی کی تحقیق، مؤرخانہ نظر، سچائی، تحقیقی دلائل، حوالہ جات، معقولات، اقتباسات کی حیثیت، واقعات کی پردہ پوشی اور دلی حالت وغیرہ وغیرہ کی کیفیت تو وہ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہو گئی ہے۔

اب لگے ہاتھوں تاریخ کمبوہان کے بھی چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ مؤلف امروہوی کی اس کتاب کے دیکھنے کی استدعا خالی نہ جا سکے۔

تاریخ کمبوہاں کی حیثیت کی ایک جھلک

مؤلف تاریخ کمبوہان کی قوم کمبوہ نامعلوم زمانے سے پس ماندہ حالت میں چلی آ رہی ہے۔ تاریکیں اور بدکرے

انشاء ہرکرن کا دیباچہ

از مکتوبات ہرکرن ولد متھرا داس ''۔ صٓ بعد از حمد و سپاس
فرحضرت ایزد متعال ذوالجلال انکہ بندہ شکستہ و دل خستہ عاصی
فقیر الحقیر ہیچدان اضعف عباد اللہ '' ہرکرن ولد متھرا داس ''
کنبوہی ملتانی '' روزے در دار الخلافہ '' بلدہ متھرا '' بصحبت
یاران نشستہ بود۔ بعضے دوستان گفتند '' کہ تو تا مدتے در خدمت
نواب غفران پناہ - حاتم زماں - رضوان دستگاہ - نوشیروان عصر ''
اعتبار خاں '' منشی بود - عمرے در فن انشا صرف کردی چیزے
بطریق یادگارے بنویس '' صٓ ۲ کہ تا مردم بہ خواندن آں بہرہ حاصل
نمایند - بحکم اشارت آں عزیزان خطی چند بعبارت شکستہ و بستہ -
در قید قلم آمد کہ طالبان ایں فن را در نوشتن روزمرہ بکار آید مشتمل
بر ہفت باب است ''

نقل مکتوبات ہرکرن ولد متھرا داس صٓ ۲۷۹ بعد از حمد و سپاس
فرحضرت ایزد متعال ذوالجلال بندہ شکستہ و دل خستہ گنہگار ''
فقیر الحقیر '' ہیچدان اضعف العباد '' ہرکرن ولد متھرا داس ''
'' کنبوہی ملتانی '' ایک دن دار الخلافہ بلدہ متھرا میں یاروں کی
صحبت میں بیٹھا ہوا تھا '' بعض دوستوں نے کہا کہ '' تو مدت تک خدمت
میں نواب غفران پناہ '' حاتم زماں '' رضوان دستگاہ '' نوشیروان عصر ''
اعتبار خاں '' کا منشی تھا - اور تو نے اپنی عمر کو فن انشا میں صرف
کیا ہے '' کوئی چیز بطور یادگار لکھ - تاکہ لوگ اسے پڑھ کر واقفیت
حاصل کریں '' ان عزیزوں کے کہنے کے بموجب '' چند خطوط عبارت
شکستہ و بستہ میں لکھ دیئے ہیں کہ اس فن کے خواہشمندوں کے روزمرہ
لکھنے میں کام آدیں '' سات باب پر یہ کتاب مشتمل ہے ''

مؤلف امروہوی کی بددیانتی '' اور ان سے ہمارا خطاب ''

یہ بخوبی دکھانے کے بعد کہ '' ہرکرن ولد متھرا داس '' نے اپنے آپ کو '' کنبوی '' لکھا ہے اور مؤلف صاحب نے اسے
'' کنبوی '' لکھکر بد دیانتی سے کام لیا ہے '' ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر شیخ '' سید '' مغل '' پٹھان '' وغیرہ مسلمان '' امروہہ کے
باشندے ہونے کی وجہ سے '' امروہوی '' اپنے آپ کو لکھتے ہیں '' اور ہندو اقوام باشندگان امروہہ بھی امروہوی لکھے اور کہے جاتے
ہیں تو اس لفظ امروہوی '' کو ان اقوام مختلفہ کے نسب سے کیا تعلق ہے '' اور ان سب کا ایک نسب کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے ''

باب بست و چہارم ۲۴

'' قوم کنبوہ '' کے اصل و نسب کے بارے میں '' مبسوط تصنیف '' چوہدری وہاب الدین ''
'' کمبوہ '' کی '' تاریخ کمبوہان '' ان حضرات کے مطالعہ کے قابل ہے - جو اس بحث سے
دلچسپی رکھتے ہیں '' اس کتاب میں اس امر کو ثابت کیا گیا ہے کہ '' کمبوہوں '' کے جملہ خاندان
خواہ ہندوستان کے کسی صوبہ میں آباد ہوں '' اسی ایک گروہ سے ہیں '' جو قدیم ایرین
قوم کی شاخ ہیں '' ان کی آبادی '' پنجاب '' گجرات '' کابل '' اور نواح غزنی تک ''
پھیلی ہوئی تھی '' اور ایک زمانہ میں '' افغانستان کے مشرقی حصہ کو اسی نسبت سے

(نوٹ ۱) منشی ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی ملتانی '' عہد جہانگیر میں نواب اعتبار خاں کا منشی تھا جو ۱۰۳۱ ہجری و ۱۰۳۲ ہجری میں اکبرآباد کا صوبیدار تھا۔ جب انگریزوں کو فارسی میں کاروبار کی ضرورت ہوئی تھی تو انہوں نے اسی کی انشا کو پیش نظر رکھا تھا۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا '' ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ '' مرتبہ سید عبداللہ ایم۔اے۔ ڈی لٹ، شائع کردہ انجمن ترقی اردو ۱۹۴۲ء)

مؤلف صاحب کی جد و جہد کو دیکھ کر جو "اظہر من الشمس ہے" یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ انہیں تلاشِ بسیار کے بعد بھی سوائے "روشن رائے" کے کوئی دوسرا "ہندو کنبوہ" ایسا نہیں مل سکا جو کسی عہدے پر مقرر ہوا ہو۔ ورنہ وہ اُس کے نام و عہدہ کو ظاہر کئے بغیر ہرگز باز نہ رہتے "۔ اور اس ایک ہی نام پر اکتفا کر کے خاموش نہ ہو جاتے "راجہ روشن رائے" کے زمانے اور اُن کے عہدے کی حیثیت جاننے کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ "سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانے میں "نواب قمر الدین خاں" "محمد شاہ رنگیلے" کے وزیر تھے "بعض اُمرا اپنی پیشی میں "ہندو متصدیوں یا منشیوں کو رکھنے لگے تھے" اور اپنے ذاتی معاملات کے لئے "بطور داروغہ بھی اُن کو رکھ لیتے تھے" اسی قبیل کے یہ "راجہ روشن رائے" تھے۔ جن کو "زبیری کنبوہی" بزرگوں کے مقابلہ میں پیش کرنا "راجہ بھوج" کے مقابلہ میں "گنگا تیلی" کو پیش کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بادشاہوں کے وزیر ہونے کا حال تو سب جانتے ہیں مگر کسی وزیر اعظم کے وزیر ہونے کا حال کسی کو بھی معلوم نہیں ہے "مؤلف امروہوی نے یہ نیا انکشاف کیا ہے کہ "وزیروں کے بھی وزیر ہوتے تھے" "سبحان اللہ"

کتاب عماد السعادت ہمارے مطالعہ میں نہیں آئی ہے "اور ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ "راجہ روشن رائے" کے نام کے سامنے "کنبوہی یا کنبوہ یا کمبوہ" میں سے کونسا لفظ لکھا ہوا ہے "اور اس کے نسلی یا قومی لقب میں مؤلف امروہوی نے کیا کتر بیونت کی ہے"

مؤلف امروہوی کی کھلی بے ایمانی "ہرکرن کمبوہی کو کنبوہ باور کرانا"

لیکن فقرہ (ح) پر ایک کتاب "انشا" کے مصنف "ہرکرن ولد متھراداس" کا جو مؤلف موصوف نے ذکر کیا ہے اور اُس کے نام کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہے "اس لفظ "کنبوہ" کے لکھنے میں بھی حسبِ معمول انہوں نے بددیانتی سے کام لیا ہے "یہ کتاب قلمی اور چھوٹے سائز کی ہے "قرول باغ دہلی" میں مؤلف صاحب کے ایک ہم وطن سید ظہیر حسن صاحب امروہوی صاحبُ العلاج کے کتب خانہ میں ہم نے دیکھی ہے "ہمیں بتایا گیا کہ مؤلف امروہوی بھی اس کتاب کو دیکھ گئے ہیں اس طرح گویا ہم نے وہی کتاب دیکھی ہے۔ جس سے مؤلف صاحب نے یہ عبارت نے کر اس بحث میں پیش کی ہے "مگر اس کتاب انشا میں اُس کے مصنف کے نام کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ "ہرکرن ولد متھراداس "کمبوہی" لکھا ہے"

ہم کہیں اوپر بتا چکے ہیں کہ "مؤلف صاحب نے جن کتابوں سے حوالے دیئے ہیں۔ اُن میں اپنے حسبِ منشا کتر بیونت کر دی ہے" خاندان پر برکت کے جن بزرگوں کے ناموں کے سامنے "کمبوہی" لکھا ہے "انہوں نے اُسے پیش نہیں کیا ہے اور اپنی ساری تحقیق میں "کمبوہ" کے سوا "کنبوہی" ایک جگہ بھی لکھا ہوا نہیں دکھایا ہے "یہاں انہیں کیونکہ ایک ہندو کے سامنے "کمبوہ" لکھا ہوا دکھانا ضروری تھا "اس لئے اُس کے نام کے سامنے کے لفظ "کمبوہی" میں تھوڑی سی تحریف کر کے "کنبوہ" بنا لیا ہے۔ تو اس سے ان کی تحقیقات کی حقیقت خود ہی عیاں ہو گئی ہے "

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہوئے "یہ بتانے کے بعد کہ زبیری کنبوہی خاندان کے مقابلہ میں مؤلف صاحب کو جو دوسرے کمبوہی خاندان کے صرف ایک ہی شخص کی تصنیف دکھا کر خاموش ہو جانا پڑا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ۔ وہ کثیر کتابوں کی ورق گردانی "اور کوشش بسیار کے بعد بھی "اس میں کوئی دوسرا مصنف نہیں پا سکے" اگر وہ انہیں کہیں مل جاتا تو اُس کے ظاہر کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے"

اب ہم متذکرہ بالا کتاب "انشا" کے صفحے ایک صفحہ کی نقل کئے دیتے ہیں "جس سے ہمارے اس بیان کی کھلی تصدیق ہو جائے گی کہ "اس میں "ہرکرن ولد متھراداس "کمبوہ" کے بجائے "ہرکرن ولد متھراداس "کمبوہی" لکھا ہے "اور "کمبوہ" لکھنے میں مؤلف صاحب نے تحریف کا عمل کیا ہے "ملاحظہ ہو"

اُن کے پاس سے واپس چلا آیا۔"
اور صفحہ ۱۶ پر ہے کہ "لاہور" کی لائبریری میں "عبد اللطیف صاحب" کی "تاریخ ملتان" ہے۔ چھوٹی سی کتاب ہے۔ اور
خوب لکھی ہے۔ مگر "کنبوہوں" کا اس میں کہیں تذکرہ نہ تھا۔"
اور صفحہ پر ہے "منشی احمدالدین صاحب" کے بیان میں جن "شیخ امیر دین صاحب کنبوہ" کا ذکر آیا ہے" اور جو پہلے
نایب تحصیلدار" اور پھر صدر قانون گو ہوئے" انٹرنس پاس ہیں اور اُن کے چچا "تاج دین صاحب" تاجر چرم ہیں۔ وہ "ملتان"
کے قریب "موضع کہرور پکا" کے رہنے والے ہیں۔ جہاں اب تک "قریشی النسل کنبوہوں" کی مختصر آبادی موجود ہے۔ جو پنجاب
کے "نومسلم کنبوہوں سے" بالکل جداگانہ ہستی رکھتے ہیں" اور اپنے آپ کو "شیخ قریشی" کہتے اور "کاغذات سرکاری" میں بھی
"شیخ قریشی" لکھے جاتے ہیں "زراعت کا پیشہ کرتے ہیں" علم اُن میں باقی نہیں رہا۔ صرف چند آدمی اُن میں تعلیم یافتہ ہیں جن میں ایک
"شیخ امیر دین صاحب" بھی ہیں۔ "خاص ملتان" میں بھی "قریشی النسل کنبوہ" موجود ہیں۔"

ہمارے پیش کردہ اقتباسات کی روشنی سے کیونکہ مؤلف صاحب کے بیان کردہ فقرہ الف کی حقیقت بخوبی معلوم ہو گئی ہے"
اس لئے اُس پر اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

"روشن رائے کی حقیقت اور اُس کے پیش کرنے سے مؤلف امروہوی کا مقصد"

مؤلف صاحب کے فقرہ "ج" کے بارے میں دھوکے سے بچانے کے لئے ہمیں یہ بتا دینا ضروری ہو گیا ہے کہ "شہر کنباہ"
سے تعلق رکھنے والے "کنبوی" (بروزن امروہوی و لکھنوی) یا "کنبوہ" خاندانوں میں سے سوائے "زبیری کنبوی" خاندان کے
کوئی بھی دوسرا خاندان "علم و فضل" "ورع و تقویٰ" "قدر و منزلت" "جاہ و ثروت" اور "مناصب حکومت وغیرہ کا حامل نہیں رہا ہے"
اگر اس خاندان کے اُمراء یا "وزیروں" "گورنروں" "سپہ سالاروں" "کمانڈروں" "بادشاہ گروں" "قائدوں"
"شیخ الاسلاموں" "قاضیوں" "مفتیوں" "میر منشیوں" اور دیگر مناصب عظمیٰ رکھنے والوں "جاگیرداروں" نیز "مشائخ طریقت"
"علماء" "فضلاء" "شعراء" "حکماء" اور "مصنفین" وغیرہ کے صرف ناموں ہی کی فہرست دی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی" جیسا کہ
ابتداء سے یہ خاندان اِن متذکرہ صفات سے متصف رہا ہے۔ آج بھی اپنی اُسی حیثیت کو قائم رکھے ہوئے ہے" مؤلف صاحب نے خود بھی
اپنی اِسی بحث میں ہمارے متذکرہ بیان کی تائید کی ہے" کیونکہ انہیں کوئی موقع اس سے انکار کا کسی صورت میں بھی نہیں مل سکا" اِس لئے
وہ اِس خاندان کے علوئے مرتبت و شان اور علم و فضل پر "کچھ نہ کچھ روشنی ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اپنے اُس مقصد کو پیش نظر رکھ کر بھی جسے
"لفظ کنبوہ" سے انہوں نے حاصل کرنا چاہا ہے" اور اس قدر جانفشانی کی ہے" انہیں اس خاندان کی یہ حیثیت بتانی پڑی ہے"
جس طرح مؤلف صاحب نے جگہ جگہ اور بار بار لفظ کنبوہ کی تکرار کی ہے" یعنی جہاں بھی یہ لفظ انہیں ملا ہے اُسے انہوں نے چھوڑا نہیں
ہے بلکہ نہایت چستی کے ساتھ پیش کر کے اُس پر رائے زنی کی ہے۔ اُسی طرح انہوں نے یہاں بھی صرف ایک ہندو کے نام کے سامنے کنبوہ
لکھا ہوا دکھلا کر اپنی اُسی جانی بوجھی غرض کو حاصل کرنا چاہا ہے کہ کیسے بھی ہو" اِس خاندان کا "ہندی النسل ہونا" اُن کے ناظرین کے ذہن نشین
ضرور ہو جائے" مزید منشا اُن کا "راجہ روشن رائے" کو دکھلانے سے یہ بھی ہے کہ "وہ اِس بات کو ذہن نشین کر دیں کہ "شاہان
پیشین نے" خاندان زیر بحث "زبیری کنبوی" کی اُس کی عالی نسبی اور علم و فضل کی وجہ سے قدر و منزلت نہیں کی تھی" اور اسے ہی
مناصب نہیں دیئے تھے۔ بلکہ "ہندو کنبوہ" بھی اِن مناصب اعلیٰ پر سرفراز تھے" تاکہ اس لفظ "کنبوہ" کے اِشتراک سے اور اِن
دونوں کے یکساں مناصب پر مقرر ہونے سے اُن کے ناظرین بیچارے بھولے ہندو" اور "زبیری کنبوہوں" میں تمیز نہ کر سکیں
اور انہیں ایک سمجھنے کے دھوکے میں آجائیں"

قریشی کنبوہ خاندانوں کے ملتان اور نواحِ ملتان میں اب تک سکونت پذیر ہونے کی شہادت ایک سیاح کی یادداشت سفرِ ملتان سے

"منشی سعید احمد صاحب مرحوم و مغفور" ہیڈ مولوی "شیعہ ہائی اسکول آگرہ" اور "مصنف" "مرقع اکبر آباد" "بوستانِ خیال" "آثار اکبری" "آثار خیر" "حیات خسرو" "حیاتِ صالح" اور "ریاضِ محمدیہ" وغیرہ نے ہمارے چھوٹے بھائی "میاں امداد احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ" بی۔ اے علیگ وڈپٹی ایڈیٹر "شمائیہ" کے پاس "اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء کے ساتھ "منشی احمد الدین صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی" پروفیسر تاریخ کی "یادداشت سفرِ ملتان" قلمی روانہ فرمائی تھی اور وہ اسے ہمارے پاس موجود ہے۔

اس کے صفحہ پر تحریر ہے کہ "ایک سوداگر صاحب سے جو چمڑے کی تجارت کرتے ہیں۔ دریافت کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ کنبوہ "تحصیل خانوال" میں آباد ہیں اور زراعت پیشہ لوگ ہیں" ایک نائب تحصیلدار "البتہ یہاں ہیں۔ مگر وہ کچہری گئے ہوں گے"

اور صفحہ پر ہے کہ "ایک کنبوہ ملے" جو کاشتکاری کرتے ہیں "نوجوان العمر آدمی تھے" مگر سوائے اس کے دادا کچھ نہ بتا سکے کہ "ہمارے باپ دادا" اپنے آپ کو "شیخ قریشی" لکھتے تھے۔ وہ ہی ہم لکھتے ہیں" اور وہ "کنبوہ کو" "نون" ہی سے لکھتے ہیں" "ہندو کنبوہ" یہاں نہیں ہیں"

اور صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ "صبح لائبریری میں جا کر "ملتان" کا "ڈسٹرکٹ گزیٹیر" دیکھا" اس میں سوائے اس کے کہ "قوم کنبوہ" کی اس قدر آبادی ہے" اور کچھ دکانوں کا تذکرہ نہیں ہے" جغرافیہ دیکھا" اس میں بھی کچھ پتہ نہ چلا" لائبریرین نے ایک پیام اور ڈسٹرکٹ کی کتاب جس کے آٹھ سو چھتیس صفحات تھے چھپی ہی" یہ کتاب "منشی حکم چند" نے ۱۸۸۱ء کے قریب لکھی تھی۔ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا۔ اس میں ان تمام قوموں کے شجرے جو یہاں آباد ہیں اپنے وقت کے دیئے ہیں۔ مگر "کنبوہ قوم" کا کہیں ذکر نہیں"

"شیخ قریشیوں" کے متعلق لکھا ہے کہ "حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ" اور "حضرت رکن الدینؒ" کی اولاد میں سے ہیں" سب جانتے ہیں کہ "حضرت رکن الدین رکنِ العالمؒ" جو "حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ" کے پوتے اور اپنے والد بزرگوار "حضرت صدر الدینؒ" کے جانشین تھے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی" اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ان کے بھتیجے ہوئے تھے۔ اس بیان سے حکم چند کی واقفیت پر کوئی روشنی پڑتی ہے"

اور صفحہ پر ہے کہ "ہیڈ ماسٹر صاحب کے ذریعہ سے" ان بچوں کے باپوں سے ملا جو "کنبوہ" تھے۔ انہوں نے یہ کہا کہ ہم "شیخ قریشی ہیں" کیونکہ ہمارے آباؤ اجداد بھی یہ ہی تھے"

پھر "امیر دین صاحب" سے ملا جو "تحصیلدار نہیں" بلکہ "قانون گوؤں" کے انچارج ہیں" انہوں نے اپنے آپ کو "شیخ قریشی" ہی بتایا" اور پردادا تک جو نام یاد تھے وہ گنائے تمام نام دین پر ہی ختم ہوتے تھے" اور لقیہ جتنے "کنبوہ" ان کی نظروں میں تھے۔ سب کے نام "دین" پر تھے"

اور صفحہ پر ہے کہ "ایک بھاٹ سے ملا ہوا جس کو تمام شجرے یاد ہیں۔ اور اس کو سرکار سے "رائے بہادر" کا خطاب ملا ہے" اس نے کہا کہ "ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ (کنبوہ) شیخ قریشی" ہیں" اب آگے آپ جیسا کہیں ہم ان کا شجرہ سا لکھ کر سنا دیں" میں نے کہا ہم اس قسم کی روایات نہیں چاہتے"

اور صفحہ ۱۲ و ۱۳ پر ہے کہ "شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ" کے سجادہ نشین "مرید حسین صاحب" سے ملا۔ مگر صرف چند منٹ کے واسطے" وہ آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ اور مقدمات کے واسطے لوگ صبح ہی سے آگئے تھے" انہوں نے "کنبوہ" کی وجہ تسمیہ سے لاعلمی ظاہر کی" میں

منسوب نہیں کیا کرتی " یہ قوم جس کا حال " سید یوسف شاہ " نے لکھا " اور مؤلف صاحب نے اُسے پیش کیا ہے " اگر عالی نسب " یعنی " زبیری کنبوی " نہ تھی " تو اِس چیستاں کے حل کرنے کے لئے " ہم مؤلف صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں " کہ آخر کیا وجہ در پیش ہو گئی تھی " جو دوسری قوموں نے " اِس خاندان کا لقب " اختیار کر لیا۔ اور اُسے اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا "

مؤلف صاحب نے جو سید یوسف شاہ کی کتاب سے اقتباس پیش کیا ہے " اُس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ لفظ کنبوہ " لکھا ہوا دکھائیں " مگر اس لفظ کو دیکھ کر وہ ایسے مبہوت ہو گئے کہ ہوش و خرد کو جواب دے بیٹھے اور اپنے جوش میں یہ نہ سمجھ سکے کہ سید یوسف شاہ کے اِس بیان سے اِس زبیری کنبوی خاندان کے علوئے نسب اور حسب کا ایک جید ثبوت اور سامنے آگیا ہے " جس کے لئے بیساختہ ہمیں کہنا پڑا کہ ع " عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد "

باب بست و سوئم ۲۳

" ملتان میں اب بھی مسلمان " کمبوؤں " کے خاندان آباد ہیں " ملک کرم ایزد " بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی " اُن میں ہیں " یہ لوگ اپنے کو " ہندی الاصل " سمجھتے ہیں۔ اور " زبیریت کی " کوئی روایت اُن میں موجود نہیں ہے " اور " ہندو کمبوہ " بھی " ملتان " اور اُس کے نواح میں موجود ہیں "

(ب) " ہندو کنبوہ " بھی " سلاطین ہند " کے عہد میں " مناصب جلیلہ پر فائز تھے " مثلاً " راجہ روشن رائے کنبوہ " جو رائے رایان کے " خطاب سے مخاطب " اور " نواب وزیر اعظم " قمر الدین خاں کے " وزیر تن تھے " (سعادت السادت ص۵۴)

(ج) ملتان کا " ایک ذی علم ہندو " جو مشہور کتاب انشا کا مصنف ہے۔ دیباچہ میں اپنی قومیت کا اظہار اِن الفاظ میں کرتا ہے "

" فقیر حقیر ہیچمدان۔ اضعف عباد " ہرکرن ولد متھرا داس " کنبوہ " ملتانی " روزے در دار النجاۃ " بلدہ متھرا " صحبت یاران نشستہ بود " (ص۳۴)

بلا کسی سند کے ایک غیر معروف شخص کا نام پیش کر کے۔ مؤلف امر وہوی کی اپنی کار برآری کی کوشش

فقرہ الف میں " مؤلف صاحب نے جن خاندانوں کا ذکر کیا ہے " اور انہیں خود ہی " کمبوہ " بتایا ہے " " کنبوی یا کنبوہ " نہیں لکھا ہے " تو ہمیں اِس بات کی کہ وہ اپنے آپ کو کس نسل سے منسوب کرتے ہیں بحث میں پڑنے کی مطلق کوئی ضرورت نہیں ہے " مگر اُن کے بیان میں یہ بات غور طلب ہے کہ " ملتان اور نواح ملتان میں " اِن کمبو خاندانوں کے آباد ہونے کی انہوں نے جو کوئی ایک سند بھی پیش نہیں کی ہے آخر اُس کی وجہ کیا ہے " محض ایک غیر معروف شخص کا نام لکھدینے سے یہ بات کس طرح پایۂ یقین کو پہنچ سکتی ہے کہ " یہ خاندان اُن مقامات پر ضرور آباد ہیں " جن کے متعلق " مؤلف صاحب نے اپنے جریدہ بیان کے سوائے " کوئی بھی حوالہ کسی قسم کا پیش نہیں کیا ہے " اور اگر کنبوی حضرات کے علاوہ کمبو بھی ملتان میں آباد ہیں تو اس میں کون سے تعجب کی بات ہے۔ عباسی تو عرب سے یو۔پی وغیرہ میں آن کر آباد ہو سکے ہیں۔ اِس لئے پنجاب کے کچھ کمبوؤں کا ملتان میں آباد ہو جانا کنبوی لوگوں پر کیونکر اثر انداز ہو سکتا ہے "

کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے قدیم و جدید کتابوں میں "کنبوی" لکھا ہے اور کہیں کسی کتاب میں کسی جگہ "کمبوی" کی "ی" کی شکل بگاڑ کر "کنبوہ" اور کہیں "ی" متروک ہو کر "کنبو" بھی لکھ گیا ہے "کمبوہ یا کمبو" یعنی کاف نون کے میم سے یہ لفظ ان بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ناموں کے آگے کسی موقع پر تحریر نہیں ملے گا۔ جیسا کہ مؤلف صاحب کے پیش کئے ہوئے تمام پچھلے اقتباسات اور سید یوسف شاہ کے اس اقتباس سے بھی ظاہر ہے۔ مؤلف صاحب نے لفظ "کنبوی" کو تو اپنے مقصد کو خاک میں ملانے والا سمجھ کر بالکل ہی چھپا ڈالا اور اپنے پیش کردہ کسی اقتباس میں اسے دکھانا گوارا نہیں کیا۔ مگر اپنی بحث کے آخری حصوں میں جو انہوں نے اپنی رائے زنی کے موقعوں پر لفظ "کنبوہ" کو "کمبوہ" کی شکل میں لکھنا شروع کیا ہے اسے املاء کی غلطی نہ سمجھنا چاہئے بلکہ اس تبدیل املا میں اُن کی جو غرض پنہاں ہے وہ وہاں ظاہر ہو گی جہاں مؤلف صاحب اپنی تنقید و تحقیق کے خاتمہ پر اسی لفظ "کمبوہ" کے تریاق سے اپنے اُس جوش کو جو اُن کے دل میں "زبیری کنبوی" خاندان کی طرف سے موجزن ہے اور جو شروع بحث سے اُبلتا آرہا ہے تسکین دیں گے۔

سید یوسف شاہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کوئی قدیم شخص نہیں ہیں۔ اُن کی کتاب مغلیہ سلطنت کے بھی بعد قریبی زمانے میں ایسے وقت لکھی گئی ہے کہ جبکہ مدتوں پہلے سوائے چند کے "کنبوی" حضرات کی اکثریت ملتان کی سکونت چھوڑ کر باہر جا چکی تھی۔ انہوں نے جو سنا اور دیکھا اُسے نیک نیتی سے لکھ دیا ہے۔ مگر تحقیقات تاریخی سے کوئی غرض نہیں رکھی ہے۔ اُن کو یہ بات بالکل معلوم نہیں ہے کہ ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے یہ خاندان سلطنت ہائے اسلامیہ کا دست و بازو رہا ہے اور "دہلی" کے خانوادہ ہائے "ترک" و "خلجی" "تغلق و سید" اور "لودیوں" نیز "سوریوں" کے زمانوں میں بھی اس خاندان کے بزرگ "وزارت و وکالت" "گورنری اور سپہ سالاری" و "شیخ الاسلامی" نیز "مفتی" و "قاضی" اور "چودہرات و قانون گوئی" وغیرہ وغیرہ عہدوں پر مقرر رہے۔ اور دہلی و "سنبھل" و "میرٹھ" "مارہرہ" و "بدایوں" نیز "جیور" و "آگرہ" وغیرہ میں آکر مقیم تھے۔ دہلی میں قدامت اقامت اس خاندان زبیری کنبوی کی مشہور ہے۔

"مخدوم شیخ اسحٰق" "مخدوم شیخ سماؤ الدین" اور "مخدوم شیخ جمالی" جن کے نام اس بحث میں مؤلف صاحب نے کئی جگہوں پر دُہرائے ہیں یہ بزرگ بھی لودیوں کے ابتدائی زمانے میں ہی "ملتان" کو چھوڑ کر "دہلی" تشریف لا چکے تھے۔ علاوہ ان بزرگوں کے حالات کے اُن سب بزرگوں نے بھی جو مذکورہ بالا عہدوں پر ممتاز رہے تھے اور اس سے بھی کہ کون بزرگ کس زمانے میں آکر کس شہر میں مقیم ہوئے مؤلف صاحب امروہوی خود بھی واقف ہیں۔ اس لئے اُن کے حالات یہاں لکھنا غیر ضروری ہیں کیونکہ ہم اس خاندان کی یہاں تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں۔ اگر "سید یوسف شاہ" کا یہ مطلب ہے کہ زمانہ سلطنت مغلیہ میں اس قوم یا خاندان کے اُن قلیل اشخاص میں سے بھی جو "ملتان" میں باقی رہ گئے تھے کچھ اور افراد باہر چلے گئے تب تو اُن کا لکھنا ٹھیک اور درست ہے۔ لیکن اگر وہ اس خاندان کے بزرگوں کے مختلف عہدوں پر مقرر ہو کر باہر چلے جانے کو صرف مغلیہ سلطنت کے زمانہ ہی سے مخصوص سمجھ رہے ہیں تو اس کی مؤلف امروہوی بھی تصدیق کریں گے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ کتابوں میں کہیں نہیں۔ لفظ "کنبوی" کو جیسا کہ ہم اُوپر بتا چکے ہیں "کنبوہ یا کنبو" بھی لکھا گیا ہے اور امتداد زمانہ سے یہ دونوں لفظ جو بغلط عام شہرت پکڑ کر خاندان حضرت زبیرؓ کے ساتھ بولے جانے لگے تھے اس لئے "سید یوسف شاہ" نے بھی اس خاندان کو اسی لقب سے روشناس کرایا ہے جو اُن کے زمانے میں بولا جانے لگا تھا۔ قوم یا خاندان میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح "قوم قریش" لکھتے ہیں "خاندان قریش" بھی لکھتے ہیں۔ ان دونوں سے ایک ہی مفہوم لیا جاتا ہے۔ "سید یوسف شاہ" نے اس خاندان کے نسب کے متعلق کھول کر کچھ نہیں لکھا لیکن اس کی تعریف جن الفاظ میں کی ہے اُس سے زیادہ مؤثر طریقہ خاندان زبیری کنبوی کے علوئے شان و مرتبت اور عالی نسبی کے اظہار کا دوسرا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "یہ قوم ایسی معتبر تھی کہ اس کے چلے جانے کے بعد دوسرے خاندانوں نے اُس کا لقب بطور فخر کے اختیار کر لیا ہے" کوئی قوم کسی دوسری قوم سے خواہ وہ کیسی ہی "صاحب علم و اتقا" اور "صاحب جاہ و منزلت" یا "صاحب سلطنت و حکومت" کیوں نہ ہو اپنے آپ کو

خاندان "ہبّاری" کے نام سے بھی نہیں مشہور ہوا" صرف " اسدی" کہلایا۔ اور کہا جاتا ہے "حضرت زبیر رضؓ" کی اولاد "اپنے آپ کو "اسدی" بھی کہہ سکتی ہے" لیکن اس پر بھی جب اُس نے "حضرت شیخ ذکریاؒ" کے خاندان کا نسبی لقب "اسدی" نہیں اختیار کیا" اور اپنے آپ کو "زبیری" بتایا" تو اب ہم مؤلف صاحب ہی سے پوچھتے ہیں" کہ انہوں نے جو "نسبت وَلا" کا ڈھکوسلا نکال کر" اپنی کتاب کے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش فرمائی ہے۔ وہ کہاں تک درست اور مناسب ہے" اور اس کی کس قدر قیمت ہے"

اب جبکہ ہم نے مؤلف صاحب کے اس "ولا" کے گورکھ دھندے کو بھی توڑ پھوڑ دیا ہے اور اُن کے سارے بیان کا بطلان کر دیا ہے۔ تو وہ عبارت جو انہوں نے بلا کسی سند کے پیش کئے ہوئے " صرف اغلباً کی پچّروں اور قیاس کے روڑوں سے تیّار کی تھی اب اُس کا کیونکہ کوئی وجود باقی نہیں رہا ہے۔

باب بست و دوم [۲۲]

"ملتان اور نواح ملتان" جہاں سے صوبۂ ہٰذا کے " (صوبۂ متحدہ کے) مسلمان کنبوہوں" کے مُورِثوں" اور خاندان کا نکاس" بیان کیا جاتا ہے" اب تک ہندو اور مسلمان "کمبوہ" آباد ہیں۔ ان میں سے بعض اشخاص "عہد سلاطین چغتائیہ" میں سرکاری عہدوں پر ممتاز تھے۔ حالات کتاب ملتان" مؤلفہ سیّد یوسف شاہ" میں تحریر ہے"

"واضح باشد۔ کہ از اقوام معتبرہ "سکنۂ قدیم" قوم کنبوہ" بود۔ کہ در عمل "سلاطین چغتائیہ" بعضے از آنہا "بعہدۂ قانون گوئی" پرگنہ بلدہ" دبرخے بدیگر عہدہ ہائے منصوب شدہ" آمدہ بودند" حالانکہ اشخاص قلیل آنہا باقی ماند۔ کہ بعضے از آنہا دریں جا" بعضے "بحسب قسمت آبخور" بیروں رفتہ" چوں آں قوم معتبر بود" ساکنانِ دیگر اقوام خود را بآنہا منسوب ساختہ "کنبوہ" می گویند" (ص ۳۴۶)

ترجمہ "جاننا چاہئے کہ" قدیم سکونت رکھنے والی" معتبر قوموں میں سے "قوم کنبوہ" تھی "شاہانِ چغتائیہ (مغلیہ) کی حکومت کے زمانہ میں" بعضے وہاں سے "عہدۂ قانونگوئی پرگنہ بلدہ" اور علاوہ اس کے دوسرے عہدوں پر مقرر ہوکر آتے رہے۔ اُن میں سے جو تھوڑے اشخاص باقی رہے۔ اُن میں سے بھی اکثر اس جگہ سے آب ودانہ کی کشش سے باہر چلے گئے" کیونکہ یہ قوم معتبر تھی۔ اِس لئے وہاں کی (ملتان کی) رہنے والی دوسری قومیں اپنے آپ کو اُن سے منسوب کر کے "کنبو" کہنے لگی ہیں"

غالباً اِس بیان کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ "امروہہ" اور دیگر مقامات کے "مسلمان کنبوہ خاندان" ان ہی اشخاص کی اولاد سے ہیں جو "ملتان" سے "بحسب قسمت آبخور" دیگر مقامات کو منتقل ہوئے" (ص ۳۴۶ و ۳۴۷)

سیّد یوسف شاہ کی کتاب حالات ملتان سے "زبیری کنبوہی خاندان کی حیثیت دکھانے سے مؤلف امروہوی کا مقصد اور اس کی حقیقت

اپنی طرف سے اِس بیان میں بھی "مؤلف صاحب نے بجائے "کنبوہ" کے "پھر ایک جگہ "کمبوہ" لکھا ہے" خاندان زیر بحث

خاندان سے بھی شرف لے گیا۔ ظاہر ہے کہ کئی پشتوں تک مسلسل یہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

اگر ہم سلطان محمود غزنوی کے الحاق صوبجات ہندوستان کو مؤلف صاحب کی خاطر سے "ابتدائے عملداری مسلمانان در ہندوستان" نہ بھی قرار دیں۔ اور "خسرو شاہ بن بہرام شاہ" اور "خسرو ملک بن خسرو شاہ" کی حکومتوں کو بھی جن کا دارالسلطنت لاہور تھا "ہندوستان" میں مسلمانوں کی عملداری نہ سمجھیں۔ اور "سلطان قطب الدین ایبک" کے دہلی کو دارالخلافہ بنانے کے زمانہ کو "ہندوستان" میں مسلمانوں کی عملداری کی ابتدا مان لیں تب بھی علامہ آزاد بلگرامی کی دکھلائی ہوئی روشنی سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ زبیری کنتوری خاندان حضرت مخدوم ذکریا سے بہت پہلے سے اپنے علم و فضل کی وجہ سے سلطنت اسلامیہ ہند کے اہالیان حل وعقد میں خاص پوزیشن کا حامل تھا۔ اور جب یہ بات بخوبی معلوم ہو چکی ہے کہ خود شیخ ذکریا ہی دہلی کے تیسرے بادشاہ کے زمانے میں ملتان تشریف لائے تھے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے یا ان کے خاندان کے کسی بزرگ کے مرید و شاگرد "ابتدائے عملداری مسلمانان میں" زبیری کنتوری خاندان کی سی نہ تو اہلیت و قابلیت حاصل کر سکتے تھے اور نہ ان کا کسی اعلیٰ خدمت پر اس وقت مامور ہو جانا ممکن تھا۔

حسب علامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں "ابتدائے عملداری مسلمانان سے" اس خاندان (زبیری کنتوری) کے حضرات "خدمات شرعیہ" پر مامور رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ اور صاحب شجرۂ سہروردیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

این خاندان عالی شان (زبیری کنتوری) از غایت کرم در همه اوان بہ وفور انواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص و ممتاز بوده است۔	یہ خاندان عالی شان (زبیری کنتوری) تمام زمانوں میں ہر طرح کی رعایت اور اصناف تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہتا چلا آیا ہے۔

تو مؤلف موصوف کا یہ لکھنا کس قدر غلط ہے کہ "حاجی کمال الدین" "مخدوم شیخ سماء الدین" اور "صوبجات متحدہ" کے دیگر کمبوہ خاندانوں کے مورث جو سب کے سب "ملتان و نواح ملتان" کے ساکن تھے "حضرت شیخ ذکریا" یا ان کے خاندان کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور "باعتبار ولا" ان کے خاندان سے منسوب ہوئے اور اپنے آپ کو زبیری کہنے لگے۔ اور یہ نام چلائے، کس قدر کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ بھلا کسی سند کے۔ املاً کی بجز اور قیاس کے روڑے لگانے سے کوئی عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی۔

اگر یہ خاندان "اعتبار ولا" حضرت شیخ ذکریا کے سبب سے منسوب ہوا ہوتا۔ یا خود کو ان سے منسوب کرتا تو اسدی کہلاتا۔ اور اپنے آپ کو "اسدی" ہی کہتا۔ کیونکہ حضرت شیخ ذکریا "اسدی" تھے "زبیری" نہیں تھے۔ ایک "اسدی" خاندان کے "بزرگ" کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو کر کسی شخص یا خاندان کا اپنے آپ کو "زبیری" "تیمی" یا "فاروقی" وغیرہ کہنے لگنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی "وہ مشرف بہ اسلام تو ہوا ہو" حضرت علی کے ہاتھ پر۔ اور "نسبت ولا" قائم کرے "حضرت عباس" سے یعنی بجائے "علوی" کے اپنے آپ کو "عباسی" کہنے لگے۔ "ہاشم" اور "اسد" سگے چچازاد بھائی تھے۔ "ہاشم" کی نسل میں بہت سے قبیلے "عباسی" "جعفری" "عقیلی" "علوی" وغیرہ وغیرہ اور "حسنی" "حسینی" "نقوی" "رضوی" "موسوی" وغیرہ وغیرہ ہیں۔ "اسد" کی نسل میں "حمیدی" "ہباری" اور "زبیری" وغیرہ قبائل اور زبیریوں کی شاخوں میں "بنی غنی" "بنو حلال" "بنو مصعب" "بنو ثابت" "بنو مصلح" "کنتوری" اور "ذوقی" وغیرہ قبائل ہیں۔ اور ان میں سے ہر قبیلہ اپنے اپنے نام سے الگ الگ موسوم ہے۔ حالانکہ یہ سارے قبائل ایک خاندان سے ہیں۔ مگر اپنے ناموں کے سوا کوئی ایک دوسرے کا نام نہیں اختیار کرتا۔ "حضرت شیخ ذکریا" "حضرت ہبار" کی نسل میں تھے۔ اور "حضرت زبیر" کی نسل میں نہیں تھے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو "ہباری" بھی کہہ سکتے تھے۔ اور "اسدی" بھی کہہ سکتے تھے۔ مگر "زبیری" کسی طرح بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ ان کا

مؤلف امروہوی کے لفظ کنبوی کو معرضِ خفا میں رکھکر اور کنبو و کمبو لکھکر التباس ڈالنے کے مقصد کا تجزیہ

اب یہ بات نظروں میں رکھنی ضروری ہے کہ "مؤلف امروہوی" نے اِن کتابوں میں سے جن میں لفظ کنبو بھی "زبیری" بزرگوں کے ناموں کے سامنے کہیں کہیں کاتبوں اور ناقلوں کی غلطیوں سے لکھ گیا ہے" اِس لفظ کو بڑے چاؤ اور شوق سے اُچک لیا ہے" لیکن اُنہیں کتابوں میں جو متعدد جگہوں پر "کنبوی" (بوزن امروہوی) لکھا پایا ہے" اِس لفظ "کنبوی" کو اپنے مطلب و مقصد کے منافی جان کر "کسی نہج بھی کسی جگہ بھی اپنی کتاب میں روشنی میں لانا پسند نہیں کیا ہے" اِس لفظ "کنبوی" کو پوشیدہ رکھنے میں اُن کی احتیاط اِس درجہ رہی ہے کہ "حالانکہ "المشاہیر" ہی کے جس کے نوشتہ پر وہ تنقید کر رہے ہیں۔ صفحہ ۱۸ پر "شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی" کی "دربار اکبری" کا یہ جملہ نقل ہے کہ "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار "شیخ جمالی" سکندر لودی" کے عہد میں "شعراء باکمال میں شمار ہوتے تھے" اور "شیخ جمالی" دہلوی "کنبوی" کہلاتے تھے"

انہوں نے "لفظ کنبوی" کو ان بزرگوں کے ناموں کے ساتھ کسی ایک موقع پر بھی لکھا ہوا نہیں دکھایا ہے" ہر جگہ صرف "کنبو" ہی لکھا ہے" اور اُسی پر اپنی بحث کی بنیاد قائم کر کے اپنی غرض کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور طرح طرح سے زور لگایا ہے" لیکن جب اِس لفظ "کنبو" سے بھی کام چلتا نہ دیکھا تو اب انہوں نے اپنی بحث کے آخری حصہ میں "کنبو کے نون کو میم سے بدل کر "کمبو" (کمبو)" لکھنا شروع کر دیا" حالانکہ کسی کتاب میں کسی "زبیری" بزرگ کے نام کے سامنے "کمبو" لکھا ہوا کسی ایک جگہ بھی موجود نہیں ہے" اور سب سے بڑا ثبوت ہمارے اِس دعوے کا یہ ہے کہ "مؤلف صاحب" جیسے نقاد" تک کسی بزرگ کے نام کے سامنے سوائے "کنبو" کے "کمبو" لکھا ہوا نہیں دکھا سکے" اُنہیں اپنے جوش میں اس سے مطلق کوئی غرض نہیں رہی کہ "کتابوں میں کیا لکھا ہے اور خود انہوں نے کیا ظاہر کیا ہے" وہ تو صرف اُسی بات کو لیتے ہیں جس سے اُن کے مقصد کے پورا ہونے میں کچھ مدد کی اُمید ہوتی ہے" اگر وہ کہیں کوئی بات اپنی ضرورت کی نہیں پاتے تو اُنہیں اُس کے ایجاد کر لینے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا" چنانچہ ان کا اس لفظ "کمبو" کو "زبیری" بزرگوں کے لئے لکھنا اِسی قبیل سے ہے" جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے" مؤلف صاحب کا "زبیری کنبوی" خاندان کو "ہندوستان" کی قدیم "قوم کمبوہ" سے بتانا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی "الہ آباد" کے مشہور برہمن خاندان نہرو" اور "راجپوت خاندان نہرا" نیز اورنگ آباد دکن کے سید خاندان نہری" اور ترکی و عربی و عجمی خاندانوں" ماوراالنہری" اور "نہروانی" سب کو ایک ہی قوم سے بتانے لگے" یا تبت کی قوم کمبوج" اور نیپال کی قوم کمبو" اور سیدوں کے مشہور خاندان کموں" اور شیخ خاندان کمبی" اور راجپوتانہ کے کمبانی" اور کوہستانی خاندانوں اور یورپ کی قوم کمبرین" اور دکن کی قوم کمبوار کو ہم نسل جتائے" یا "بہتی" "بہٹہ" بھٹائی" بھٹا چارجی" بھٹینری" بھوٹانی" اور افغانی قوم بہٹانی" اور بھائی" قوموں یا خاندانوں کو ایک نسل سے ہونا بتلانے لگے" یا محمد سوری بادشاہ غور" اور شیر شاہ سوری" نیز رام لال سوری" کو ایک قوم سے باور کرائے" یا ترکی قبیلہ شیبانی" اور "عربی قبیلہ شیبانی" کو ایک نسل بتائے"

واقعات تاریخی اور علامہ آزاد بلگرامی صاحب شجرۂ سہروردیہ کے بیانات کی روشنی میں مؤلف امروہوی کے ڈھکوسلے یا گورکھ دہندے کی شکست

"شیخ ذکریا" یا اُن کے خاندان کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر اگر کسی شخص یا خاندان نے اِسلام کا شرف حاصل کیا ہوتا تو اس نو مسلم شخص یا خاندان کو تعلیم و تربیت اور ایسی اہلیت و قابلیت پیدا کرنے میں کہ وہ "علم و فضل" اور خدمات شرعیہ کی انجام دہی میں خود "شیخ ذکریا" کے

"ملک محمد" "بہاؤالدین حسن" "کریم الدین" "ضیاءالملک" "خواجہ رشید" اور "امیر فخرالدین" وغیرہ تھے۔ "رکن الدین" کے لشکر سے جدا ہو کر "دہلی" آکر "سلطان التمش کی صاحبزادی" "رضیہ سلطانہ" کو تخت نشین کر دیا۔ ربیع الاول ۶۳۴ھ ہجری مطابق نومبر ۱۲۳۶ء میں "رکن الدین" اپنی بہن "رضیہ سلطانہ" سے لڑائی کرکے گرفتار ہو کر قید ہوا۔

کیونکہ ہم "زبیری کسوی" خاندان کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ صرف مؤلف صاحب کی تحقیقات اور قیاس آرائی کی حقیقت کو جانچ رہے ہیں۔ اس لئے یہ چند واقعات جو اس موقع پر ہم نے لکھے ہیں ان سے ہمارا مقصد محض اسی قدر ہے کہ ہندوستان میں "سلطنت اسلامیہ کے" قیام کے زمانے کو ٹھیک طور سے جان لیں تاکہ "علامہ غلام علی آزاد بلگرامی" کی دکھائی ہوئی روشنی میں مؤلف صاحب کے بیان کی اچھی طرح پڑتال کر سکیں۔ "سلطان محمود غزنوی" سے اول کی مسلمانوں کی فتوحات میں "پنجاب و سندھ" نصف "راجپوتانہ" "مالوہ" تک شامل تھا۔ ان میں سے کئی حصے اگرچہ ان کے قبضہ سے نکل گئے تھے۔ مگر وہ "پنجاب و سندھ" کے کم و بیش حصوں پر برابر حکومت کرتے رہے۔

غزنوی سلطنت جو پانچویں صدی کی ابتدا سے ۵۶۶ھ ہجری تک "سندھ و پنجاب" دونوں پر اور ۵۸۲ھ ہجری تک اکیلے پنجاب کی مالک رہی۔ اور اس کے دو آخری بادشاہ "لاہور" ہی میں آ رہے تھے جن کا کوئی تعلق افغانستان وغیرہ سے باقی نہیں رہا تھا۔ اگر ان کے زمانے کو یہ مؤلف صاحب "ہندوستان کی ابتدائی عملداری مسلمانان" اپنی مصلحت سے ماننے کو تیار نہ ہوں تو ان کی یہ حرکت اس لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ "علامہ آزاد بلگرامی" نے اپنے فقرہ میں کسی مسلم خاندان یا ہندوستان کے کسی خاص حصہ کی تخصیص نہیں کی ہے۔ جب بھی جس زمانہ میں بھی کسی مسلمان نے ہندوستان کے تھوڑے یا بہت حصہ پر پہلی دفعہ قبضہ کر کے حکومت کی "اس زمانہ کے سوا "ہندوستان" میں ابتدائے عملداری مسلمانان کا کوئی دوسرا زمانہ کسی طرح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پہلے سلطنت کی ابتدا ہوتی ہے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ وسیع ہوتی رہتی ہے "پنجاب" اور کچھ جمنا و ستلج کے درمیانی علاقوں بشمول راجپوتانے کے تھوڑے سے حصہ کا "سلطان محمود غزنوی غازی" نے الحاق اپنی سلطنت میں کر لیا۔ ان کا خاندان تادم آخر کم و بیش ان علاقوں پر حکومت کرتا رہا۔ "سلطان شہاب الدین غوری" نے ان علاقوں کو اور وسعت دی۔ "سلطان قطب الدین ایبک" نے ۵۸۹ھ ہجری میں "دہلی" کو فتح کر کے اپنا دارالخلافت بنایا۔ اور ۶۰۲ھ ہجری میں ہندوستان کے مفتوحہ ملک کے وہ خود مختار بادشاہ قرار پائے۔ آپ کے بعد بھی ملک وسیع ہوتا رہا۔ دکن کو "سلطان علاؤالدین خلجی" نے اپنی سلطنت میں داخل کیا۔

اب اگر ہم مؤلف صاحب کا دل قائم رکھنے کے لئے دہلی کے دارالخلافت بنائے جانے کے سال کو بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر "سلطان قطب الدین" کی خود مختاری کے سنہ کو "ہندوستان" کی "عملداری مسلمانان کا" ابتدائی زمانہ قرار دیدیں "اور ان کے پورے زمانہ حکومت میں بھی "شیخ بہاؤالدین ذکریا" کو "ہندوستان و سندھ و افغانستان" میں تلاش کریں۔ تو ان کو وہاں ہرگز موجود نہیں پا سکتے "یہ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ "شیخ ذکریا" "قلعہ کوٹ کروڑ" سے "بارہ برس کی عمر میں ۵۹۷ھ ہجری میں" بخارا گئے۔ اور پھر وہاں سے عرب میں چلے گئے "وہ ۶۱۴ھ ہجری میں جب واپس آکر "ملتان" میں مقیم ہوئے "اس وقت "سلطان شمس الدین التمش" دہلی کے تیسرے بادشاہ کو سلطنت کرتے ہوئے سات برس ہو چکے تھے" ان حالات کے اچھی طرح معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہندوستان میں "ابتدائے عملداری مسلمانان" کے زمانہ میں "حضرت شیخ ذکریا" کا وجود ہی نہ تھا "اور انہوں نے "ہندوستان کی اس سلطنت میں جس کا دارالخلافہ دہلی تھا" تیسرے بادشاہ کے زمانے میں "تبلیغ و اشاعت اسلام شروع کی تھی" تو اب ہم مؤلف صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں کہ جب "علامہ آزاد بلگرامی" کے بیان سے یہ بات ثابت ہے کہ "ہندوستان" میں "ابتدائے عملداری مسلمانان سے" اس خاندان کے حضرات "خدمات شرعیہ پر" مامور رہے ہیں اور اب بھی ہیں "تو اعلیٰ حضرت کے ساتھ ان کا یہ لکھنا کہ۔ خاندان زبیریت کے مورث "شیخ ذکریا" یا ان کے خاندان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے "کہاں تک پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اور ان کی تحقیقات میں حقیقت کس قدر ہے"

۵۷۵ھ ہجری میں "سلطان شہاب الدین غوری" نے "افغانستان" "پشاور" "ملتان" اور "سندھ" کو فتح کرکے **لاہور** پر چڑھائی کی۔ "**خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی**" مقابلہ کی تاب نہ لاکر قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ "**سلطان شہاب الدین غوری**" "**خسرو ملک**" کے خوردسال بیٹے اور "**لاہور**" کے ایک ہاتھی کو گرفتار کرکے "**غورستان**" واپس گئے۔ مگر پھر ۵۸۲ھ ہجری مطابق ۱۱۸۶ء میں واپس آکر "**لاہور**" پر قابض ہوگئے۔ اور "**خسرو ملک**" کے بعد "**خاندان غزنویہ**" کا خاتمہ ہوگیا۔ ۵۸۸ھ ہجری ۱۱۹۲ء میں "**سلطان شہاب الدین**" نے "**دہلی و اجمیر**" کے "**رائے پتھورا**" کو قتل کرکے **کہرام و سمانہ** کے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ اور "**قطب الدین**" کو **کہرام** کا حاکم بناکر خود **غزنی** چلے گئے۔ "**سلطان** کے تشریف لے جانے کے بعد اسی سال "**قطب الدین**" نے "**میرٹھ**" اور "**دہلی**" کا سلطنت اسلامیہ میں الحاق کرلیا۔ ۵۸۹ھ ہجری مطابق ۱۱۹۳ء میں "**قطب الدین**" نے "**کول**" کا قلعہ سر کیا اور "**دہلی**" کو دارالخلافت بنایا۔

۳ شعبان ۶۰۲ھ ہجری مطابق ۱۲۰۵ء میں "**سلطان شہاب الدین غوری**" شہید ہوگئے۔ آپ کی زندگی میں **گجرات** اور تقریباً تمام شمالی **ہندوستان** بشمول "**بنگال و آسام**" سرحد **تبت** تک فتح ہوچکے تھے۔

سلطان کی شہادت کے بعد "**غور**" کے تخت پر ان کے بھتیجے "**سلطان محمود بن سلطان غیاث الدین**" بیٹھے انہوں نے تخت پر بیٹھتے ہی "**قطب الدین**" کو "ملک" سے "**سلطان**" بنا دیا۔ اور آزادی کے فرمان کے ساتھ ہی "**چتر**" اور بادشاہی کے لوازمات بھی ان کے لئے "**ہندوستان**" روانہ کئے۔ "**قطب الدین**" نے اس خلعت و فرمان کا "**لاہور**" تک استقبال کیا۔ اور اٹھارویں ذیقعد ۶۰۲ھ ہجری مطابق جولائی ۱۲۰۵ء میں بمقام **لاہور** تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اپنی خودمختاری اور "**سلطان محمود غوری**" کے فرمان کا عام اعلان کرکے وہ "**لاہور**" سے "**دہلی**" واپس آگئے۔ اوائل ۶۰۷ھ ہجری میں "**سلطان قطب الدین ایبک**" **لاہور** میں چوگان بازی کرتے ہوئے گھوڑے سے گر کر وفات پاگئے۔ ان کے جانشین ان کے صاحبزادے "**آرام شاہ**" ہوئے۔ لیکن ان کی ناقابلیت کو دیکھ کر امراء نے "**سلطان قطب الدین**" کے داماد "**سلطان شمس الدین التمش**" حاکم "**بدایوں**" کو خطوط لکھ کر بلالیا۔ "**آرام شاہ**" نے ان سے مقابلہ کیا لیکن انہیں شکست ہوئی۔ "**آرام شاہ**" کی مدت حکومت ایک سال سے بھی کم رہی۔

"**سلطان شمس الدین التمش**" نے ۶۰۷ھ ہجری مطابق ۱۲۱۰ء میں **دہلی** میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ ۶۱۴ھ ہجری مطابق ۱۲۱۷ء میں "**سلطان التمش**" اور "**ناصر الدین قباچہ**" (حاکم **ملتان و سندھ**) میں "**منصورہ**" کے نواح میں مقابلہ ہوا۔ اور "**سلطان**" کو فتح ہوئی۔ ۶۱۸ھ ہجری مطابق ۱۲۲۱ء میں "**سلطان**" کا "**ملتان و سندھ**" پر بھی قبضہ ہوگیا۔ اور "**ناصر الدین قباچہ**" مرگیا۔ ۶۲۲ھ ہجری میں "**سلطان**" نے "**بہار و بنگالہ**" کو مطیع کیا۔ اور ۶۲۳ھ ہجری میں "**قلعہ رنتھمبور**" اور ۶۲۴ھ ہجری میں "**مالوہ کا قلعہ مندو**" فتح کیا۔ ۶۳۰ھ ہجری میں "**قلعہ گوالیار**" پر ایک سال کے محاصرہ کے بعد اپنا تسلط کرلیا تو اس قلعہ کی تسخیر کی تاریخ ایک رباعی میں "**ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری**" دبیر مملکت" نے نکالی۔ جسے **سلطان** نے پسند کرکے قلعہ کے دروازے پر کندہ کرادیا۔ "فرشتہ" نے اپنی تاریخ میں "زبیری" کو "ریزہ" لکھا ہے۔ اس کتاب میں یہ غلطی "کاتبوں یا ناقلوں کی وجہ سے" یا کیڑوں کی کثرت بیونت سے ہوئی ہے۔ (دیکھو تاریخ برگز) اور نوٹ ترجمہ انگریزی **تاریخ مبارک شاہی**" مترجمہ جادو ناتھ سرکار)

۶۳۱ھ ہجری میں سلطان نے **مالوہ** کے دیگر قلعوں کے ساتھ "**قلعہ اجین**" کو بھی فتح کرکے "**مہاکال**" کے بت خانے کو جو تین سو برس میں تیار ہوا تھا۔ مسمار کردیا۔ اور شعبان ۶۳۳ھ ہجری مطابق مئی ۱۲۳۶ء میں وفات پائی۔

"**سلطان التمش**" کے جانشین ان کے بیٹے "**سلطان رکن الدین**" ہوئے۔ اس بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت ارکان دولت نے نذریں پیش کیں۔ اور شعراء نے تہنیت میں قصائد نظم کئے۔ ان تمام قصیدوں میں "**ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری**" کا قصیدہ بہت مشہور ہے۔ لیکن جب یہ سلطان ظالم ثابت ہوا تو امرائے جن میں "**ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری**"

کیے گئے۔ اور نسب نامے سامنے نہ رہے تو قیاس اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رہبری
صرف ان ہی کنبوہ خاندانوں نے کہنا شروع کیا ہے جن کے بزرگوں کا سلسلۂ بیعت و ارشاد
بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت شیخ زکریا ملتانی تک پہنچتا ہے خاص کر جن کے مورث ملتان
سے وقتاً فوقتاً آکر اس صوبہ میں آباد ہوئے جیسے اولاد مخدوم شیخ سماء الدین کنبوہ، شیخ جمالی
، حاجی کمال الدین وغیرہ۔ ورنہ مندرجہ بالا تمام واقعات پر نظر رکھتے ہوئے کسی رہبری
کا کنبوہ مشہور ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ (ص ۳۴۵ و ۳۴۶)

مؤلف امروہوی کی متنزاد باتیں

پہلے تو مؤلف صاحب نے (ص ۳۳۳) پر ایلیٹ کی یہ تحریر پیش کی تھی کہ ان میں سے اکثر کو (سلطان) محمود غزنوی نے دین اسلام میں داخل کیا تھا (اس کا شافی جواب ہم دے چکے ہیں) لیکن برخلاف اس کے یہاں وہ اغلب ہے کی آڑ میں اپنے قوی قیاس سے کام لیکر استدلال کر رہے ہیں کہ حضرت شیخ زکریا یا ان کے خاندانوں کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ اسی کو کہتے ہیں۔ کسی ایک بات پر آدمی کو قائم ہونا چاہئے اور اچھی طرح سے تحقیق کر کے کسی امر پر قلم اٹھانا چاہئے۔ اغلب اور قیاس کے ذریعہ کے دم چھلے لگا کر حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ چنانچہ یہ بیان بھی اُن کا [illegible]

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کا ایک بیان رہبری کنبوی خاندان کے بارے میں

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے اس خاندان کے حضرات خدماتِ شرعیہ پر مامور رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔)

سلطنت اسلامیہ کے قیام ہندوستان اور مخدوم شیخ زکریا کے ملتان آنے کا زمانہ

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ جو سلطان سبکتگین نے شعبان ۳۸۷ ہجری مطابق ۹۹۷ء میں وفات پائی، اُن کے صاحبزادے اور جانشین سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۹۶ ہجری مطابق ۱۰۰۵ء میں ملتان پر دوبارہ حملہ کیا۔ ابو الفتح حاکم ملتان نے محاصرے سے تنگ آکر سلطان کی اطاعت اختیار کر لی۔ ۴۰۱ ہجری مطابق ۱۰۱۰ء میں سلطان نے ملتان پر پھر لشکر کشی کی اور وہاں کے حاکم داؤد بن نصر کو گرفتار کر کے غزنی لائے۔ پھر اسے عمر بھر کے لئے غور کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ ۴۰۹ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء میں سلطان نے قلعہ کبیر ٹھو کا محاصرہ کیا۔ اہل قلعہ نے پچاس ہزار دینار اور تیس ہاتھی پیش کر کے امان حاصل کی۔ غرضیکہ مختلف سنین میں آپ نے سارا پنجاب، کشمیر کی سرحد تک، کالنجر، قنوج، سندھ، متھرا، اجمیر و سومنات وغیرہ کو فتح کر لیا۔ اور ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ ہجری مطابق ۲۹ اپریل ۱۰۳۰ء میں انتقال فرمایا۔

ان تمام ممالک مفتوحہ میں سے پنجاب و سندھ کا آپ نے اپنی سلطنت میں الحاق فرما لیا تھا۔ اور یہ علاقے اختتام سلطنت غزنویہ تک آپ کی اولاد امجاد میں مسلسل باقی رہے۔

خسرو شاہ بن بہرام شاہ غزنوی، علاؤ الدین غوری کے خوف سے لاہور آ گیا تھا اور ۵۵۵ ہجری میں اس نے لاہور ہی میں وفات پائی۔

"قریشی" زبیری کنبوی خاندان کے "حاجی جمال قدس سرہ" کے رشتہ کو قبول کر لینے کا سبب

اَب رہی یہ بات کہ "اِس زبیری کنبوی خاندان" نے جو اپنی عصبیت کے لئے مشہور تھا اور اب تک ہے" ایک نو وارد "زبیری" کو جس سے وہ واقف نہ تھا کس طرح قبول کر لیا۔ یعنی حاجی صاحب کی "زبیریت" کو تسلیم کر کے اُن سے رشتہ قایم کرنے میں کچھ پس وپیش نہیں کیا۔ تو اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ "حضرت شیخ ذکریا" جیسے مقدس بزرگ" اور "ولی اللہ" کی شہادت سے بڑھکر اور کون سی شہادت ہو سکتی تھی" جس پر یہ خاندان اعتبار کر سکتا تھا"

"مؤلف امروہوی کے" ملتان میں شیخ ذکریا کے زمانے میں کسی زبیری اسدی خاندان کے آباد نہ ہونے کے بیان کا بطلان"

اخیر میں "مؤلف صاحب نے" جو اپنی یہ رائے قایم کی ہے کہ "حضرت شیخ ذکریا" کے خاندان کے علاوہ کسی دوسرے "زبیری" اسدی" خاندان کا اس زمانے میں "ملتان" میں آباد ہونا" پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا" اُن کی اس رائے نفی پر ہمیں اب کچھ دوبارہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے" کیونکہ اُن کے سارے بیان کا بطلان ہم نے بخوبی ثابت کر دیا ہے" اور اُن کی تحقیقات کی حقیقت اچھی طرح دکھا چکے ہیں"

"قدیم ہندی قوم کمبو کے ملتان کا باشندہ ہونے کے" مؤلف امروہوی کے بیان کی تردید ایک کمبو مصنف ہی کے قلم سے"

مؤلف امروہوی کا یہ بیان بھی پایۂ تحقیق سے قطعاً خارج ہے کہ "پنجاب" کے قدیم خاندان کمبوہ سے" حاجی صاحب کا تعلق تھا جو "ملتان" میں" آباد" اور وہیں کا باشندہ تھا"

"عبداللہ مالیری" جو اس قوم کمبوہ" کا اولین مصنف ہے اور جس نے اپنی کتاب "سفینہ مالیری" سنہ ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۱۹ ہجری میں "مطبع صدیقی لاہور میں چھپوائی ہے" اپنی قوم کا نکاس "شہر کمبایت" سے بتایا ہے" نہ کہ ملتان سے" نیز مسٹر آرنلڈ صاحب بھی اس قوم کو گجرات کا باشندہ بتاتے ہیں۔ (اِن دونوں کے بیانات ہم اِسی کتاب میں پہلے لکھ آئے ہیں") اَب ہم مؤلف موصوف کی اِس دھوکے میں ڈالنے والی بحث کا شافی جواب دینے کے بعد دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا گل افشانی کرتے ہیں"

باب بست و یکم

"غالب ہے کہ خود "حاجی کمال الدین" مخدوم شیخ سماؤالدین" اور "صوبجات متحدہ کے" دیگر "کمبوہ خاندانوں کے مُورث" جو سب کے سب "ملتان ونواح ملتان" کے ساکن تھے "حضرت شیخ ذکریا" یا اُن کے خاندانوں کے "کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے" اور چونکہ "حضرت شیخ" اور آپ کے بزرگ "قریشی اسدی" حضرت زبیرؓ" کے خاندان سے تھے" اِسلئے "صدرِ اوّل کے دستور کے مطابق" جو شخص یا جو خاندان" جس عربی قبیلہ کے بزرگ کے ہاتھ پر" مشرف بہ اسلام ہوتا" وہ باعتبارِ ولا" اُسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا تھا" اور اِن نومسلموں کو "اسدی" زبیری" وتیمی" بولا یا کہا جاتا تھا" ممکن ہے کہ اِسی اعتبار سے "ملتان کے کمبوہ" جو "حضرت شیخ ذکریا" یا اُن کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر" مشرف بہ اسلام ہوئے" اپنے کو "کمبوہ زبیری" خیال کرنے لگے ہوں" اور اب "نسبت وِلا" منقطع یا محو ہو کر حقیقتاً زبیری

کہ "شیخ ذکریاؒ" سے دو ڈھائی برس چھوٹا تسلیم کرتے اور "مؤلف موصوف" کی یہ بات مان کر کہ وہ "شیخ ذکریاؒ" کی وفات سے چالیس برس قبل "ملتان" تشریف لائے تھے، تو اُن کی آمد کا زمانہ ۶۲۵ھ ہجری یا ۶۲۶ھ ہجری قرار پاتا ہے، جبکہ "حضرت ذکریاؒ" کے بڑے صاحبزادے "حضرت صدرالدین عارفؒ" کی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ نہ تھی، اور "حاجی صاحبؒ" کی عمر ستاون اٹھاون سال کی اور مؤلف صاحب کی فرضی تحقیق کے مطابق "ساٹھ سال" کی تھی۔

اگر حاجی صاحب ساٹھ برس کی عمر میں بلکہ اور چند برس بعد بھی متاہل ہوئے، تو اُس وقت "شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ" کے کسی لڑکی کے موجود ہونے کا ہی ثبوت موجود نہیں ہے، جس سے وہ "حاجی صاحبؒ" کا عقد کرتے۔ اس بات کا بار مؤلف موصوف پر ہے کہ وہ ثابت کریں کہ جب "حاجی صاحبؒ" متاہل ہوئے ہیں "شیخ ذکریاؒ" کے قابلِ شادی کوئی لڑکی موجود تھی، اور انہوں نے اُس کے موجود ہوتے ہوئے "حاجی صاحبؒ" سے اُس کی شادی نہیں کی۔ حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ اگر مگر اور فرضی قیاس کام لیکر دنیا کو دھوکے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ جب تک کسی بات کا ثبوت پیش کیا جائے، محض تردید و بیان اور قطعاً کام نہیں چل سکتا۔

"حضرت مخدوم شیخ ذکریا قدس سرہٗ کی "حاجی جمال قدس سرہٗ" کو اپنے ہی قوم و قبیلہ میں رشتہ کرنے کی رائے دینے کی وجہ"

آگے چل کر جو مؤلف امروہوی نے اس بات کو بہت زور دے کر بیان کیا ہے کہ۔

("شیخ ذکریاؒ" نے "حاجی صاحبؒ" سے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ تم اپنے قوم و قبیلہ میں متاہل ہو، نیز "حضرت شیخ ذکریاؒ" کا اس سے پیشتر آباد شدہ خاندان سے جو "زبیری" تھا اور "کھوکھر" مشہور ہو گیا تھا۔ اپنی قرابتیں ذکر نا اور ایک نو وارد عرب "زبیری" کو (حاجی صاحب کو) اس خاندان میں متاہل ہونے کی ہدایت فرمانا کیا ثابت کرتا ہے؟)

اِس بیان میں یہ بات غلط ہے کہ یہ خاندان۔ جو "زبیری" تھا "کھوکھر" مشہور ہو گیا تھا، بلکہ "قریشی"، "زبیری"، "کھوکھر" تینوں ناموں سے پکارا جاتا تھا۔

"حضرت شیخ ذکریاؒ" کے خاندان کی حالت اور اُن کی قرابتوں کی کیفیت ہم اُوپر بتا چکے ہیں کہ "حضرت شیخ" کے دادا ایسے پردیسی شخص تھے، جنہیں اس ملک میں کوئی نہ جانتا تھا، نہ وہ کسی سے واقف تھے۔ "شیخ ذکریاؒ" بچپن ہی میں "قلعہ کوٹ کروڑ" سے "خراسان" اور وہاں سے "عرب" چلے گئے تھے۔ جب وہ اڑتالیس سال کی عمر میں واپس آکر "ملتان" میں مستقل طور سے قیام پذیر ہوئے اور آپ کا سلسلۂ ارشاد جاری ہوا، اُس وقت وہاں کے خاندانوں سے وہ واقف ہوئے۔

"شیخ ذکریاؒ" نے "مکہ معظمہ" اور "مدینہ منورہ" میں برسوں مقیم رہ کر وہاں کے محدثین کبار سے حدیث کی تعلیم پائی تھی اور "حاجی صاحبؒ" نے بھی جو قریباً اُن کے ہم عمر تھے "مکہ معظمہ" میں سند حدیث حاصل کی تھی۔ اس لئے کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ یہ دونوں حضرات مکہ معظمہ ہی میں ایک دوسرے سے واقف ہو چکے تھے اور اسی واقفیت کی بنا پر "حاجی صاحبؒ" ملتان تشریف لائے تھے۔ "ملتان" میں آکر کیونکہ "شیخ ذکریاؒ" "زبیری کھوکھری" خاندان سے بھی واقف ہو گئے تھے، اس لئے حاجی صاحب کا شادی کا ارادہ معلوم ہونے پر ٹھیک اسی خیال کے ماتحت جیسے ہندوستان کا ہر شخص جانتا ہے کہ جب کوئی شادی کرنا چاہتا ہے، تو ہر شخص اُس کو اپنوں ہی میں رشتہ کرنے کا مشورہ دیتا اور غیروں میں تعلق قائم کرنے کو منع کرتا ہے۔ اگر انہوں نے بھی "حاجی صاحبؒ" کو اُن کے قوم و قبیلہ سے واقف کرا کر اپنے ہی ہم نسب خاندان میں متاہل ہونے کا مشورہ دیا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

سبب تھا جس کی بنا پر "کمال الدین علی شاہ" "ہباری اسدی" نے اپنے خاندان میں اپنے صاحبزادے کی قرابت نہ کر کے اپنی طرح کے ایک غریب الدیار اور "قلعہ کوٹ کروڑ" میں پناہ گزیں دوسرے خاندان والے شخص سے رشتہ جوڑنا کیوں پسند کیا "زبیری کنفوی خاندان" اور قریشیوں کے دیگر خاندانوں سے اگر کسی وجہ سے اُن کو تعلق قایم کرنا منظور نہ تھا تو "ہباری اسدی" خاندان سے میل کرنے میں آخر انہیں کونسا امر مانع ہوا؟

"حاجی جمال قدس سرہ کا رشتہ "حضرت مخدوم شیخ ذکریا کے خاندان میں نہ ہونے کا سبب"

مؤلف صاحب کے اس بیان کی حقیقت ظاہر کر چکنے کے بعد کیوں "شیخ ذکریا" کے خاندان کی "ملتان" میں دیگر قریشیوں اور "زبیری کنفوی" خاندان سے قرابتیں نہیں ہو سکیں" اب ہم اُن کے اس بیان پر نظر ڈالتے ہیں کہ:

(" حاجی جمال صاحب" براہ راست عرب سے آئے تھے" اور "شیخ بہاؤ الدین ذکریا" کے ہم نسب "زبیری و اسدی" تھے۔ تو انہوں نے "حاجی صاحب" کی قرابت" اپنے خاندان میں کیوں نہ کی" انہیں اپنی قوم و قبیلہ میں متاہل ہونے کے لئے کیوں ارشاد فرمایا")

اس کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے" ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ "حاجی صاحب" "شیخ بہاؤ الدین ذکریا" کے قریباً ہم عمر تھے" اُن کی وفات ایک سو اٹھارہ برس کی عمر میں سنہ ۶۸۶ ہجری میں ہوئی" اور "شیخ ذکریا" کی وفات سنہ ۶۶۶ ہجری میں بماہ صفر کو" ننانوے برس پانچ ماہ اور چند روز کی عمر میں واقع ہوئی" جس سے معلوم ہو گیا کہ "حاجی صاحب" کی ولادت سنہ ۵۶۹ ہجری میں" اور "شیخ ذکریا" کی پیدائش رمضان سنہ ۵۶۶ ہجری کی ہے" ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ "شیخ ذکریا" قلعہ کوٹ کروڑ" میں پیدا ہوئے" وہیں پرورش پائی" اور بعد وفات پدر" بارہ سال کی عمر میں" وہاں سے روانہ ہو کر سنہ ۶۱۴ ہجری میں" جبکہ آپ کی عمر اڑتالیس برس کی تھی" ملتان میں آکر مسکن گزیں" اور متاہل ہوئے" اپنے گھر میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے "ملتان" کی سکونت مستقل طور سے اختیار کی" اور انہیں کی اولاد سے اس شہر میں اُن کا خاندان قایم ہوا" اُن کی نسل کے اکثر اشخاص مختلف زمانوں میں "دہلی" "لاہور" اور "آگرہ" وغیرہ شہروں میں چلے گئے۔ اور اکثر اب تک وہیں آباد ہیں" جن میں کچھ اُن کے" اور اُن کے صاحبزادے" اور پوتے وغیرہ کے مقبروں کے مجاور و محافظ ہیں" اسی بیان میں اوپر بتایا جا چکا ہے کہ "حضرت شیخ ذکریا" کے سات صاحبزادے اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں" اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ "اُن کی سب سے پہلی اولاد یعنی "حضرت شیخ صدر الدین عارف قدس سرہ" کس سنہ میں پیدا ہوئے" شجرۂ سہروردیہ تالیف "فضیلت شعار" بالغت دثار" نتیجۃ المشائخ العظام" سلالۃ الاولیائے کرام" میاں احمد خاں اکبر شاہی" میں ہے کہ:

" مدت العمر شصت و پنج سال" و یازدہ ماہ" وفات روز چہار شنبہ بست و سوم ذی الحجہ سنہ ۶۸۶ ہجری ست و ثمانین و ستمائیہ"

" آپ کی کل عمر پینسٹھ برس اور گیارہ مہینوں کی ہوئی اور آپ نے بدھ کے دن تیئیس ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۶۸۶ ہجری میں وفات پائی"

اس تحریر سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ "حضرت شیخ صدر الدین عارف" کی پیدائش ۲۷ محرم سنہ ۶۲۰ ہجری میں ہوئی جبکہ اُن کے والد بزرگوار کو "ملتان" میں تشریف لا کر چھ برس" اور اس وقت اُن کی عمر کا چوّن ۵۴ سال تھا" حاجی صاحب کی عمر سنہ ۶۲۰ ہجری میں اکیاون یا باون ۵۲ برس کی تھی"

مؤلف امروہوی نے تحریر کیا ہے کہ "اگر فرض کر لیا جائے کہ "حاجی صاحب" "شیخ ذکریا" کی وفات سے چالیس برس قبل تشریف لائے" تو اس لحاظ سے "حاجی مذکور کا سال ولادت سنہ ۵۶۹ ہجری ہوگا اور ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ برس کی عمر تسلیم کرتے ہوئے سنہ وفات سنہ ۶۸۶ ہجری قرار پاتا ہے" تو اُن کے اس فرضی حساب سے "حاجی صاحب" اور "شیخ ذکریا" کا سال پیدائش ایک ٹھہرتا ہے" مگر جب ہم "حاجی صاحب"

ہباریوں (قریشیوں) کے "سردار تھے "عباسیوں کے گورنر سندھ "عمران" کو قتل کر کے "دارالحکومت منصورہ" پر قبضہ کر لیا"
یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ پر ہے کہ "ہباریوں نے "خلیفہ بغداد" متوکل عباسی" کو لکھا۔ کہ میں اچھا انتظام کر رہا ہوں" سندھ کی ولایت کا پروانہ میرے نام بھیجا جائے "متوکل نے اُسے منظور کر لیا اور وہ متوکل کے پورے زمانے میں" سندھ کے حاکم رہے"

ابن حوقل نے لکھا ہے کہ "عمر بن عبد العزیز" **بانیہ**" کے باشندے تھے" اور یہ "**بانیہ**" کبیا "سے کل پانچ منزل تھا" اور "بانیہ" سے "**منصورہ**" ایک منزل ہے" پھر ۲۶۵ ہجری میں "منصورہ" کی سلطنت نے" اس تعلق کو جو "بغداد کے خلفاء سے برائے نام باقی رکھا تھا۔ بالکل ختم کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا" (آئینۂ حقیقت نما جلد اول صفحہ ۲۱۱) جس سے "عباسی سلطنت بغداد میں بڑی ہل چل مچی" طبری و دیگر مورخین نے" سندھ کے عباسی گورنروں کی حکومت اٹھ جانے کے بعد" اس ملک کے حالات کے بارے میں قطعی خاموشی اختیار کر لی ہے" مگر اسی زمانے میں "بغداد میں" جو اس خاندان کی اسدی خاندان کی پکڑ دھکڑ ہوئی" اُسے ترجمہ طبری جلد سوم حصہ سوم و چہارم کے صفحہ ۲۵۴ و ۲۵۱ پر دیکھنا چاہیئے کہ طبری میں اس پکڑ دھکڑ کا حال تو لکھا ہے" مگر اس کی وجہ کو دبا دیا ہے" ابن حوقل نے لکھا ہے کہ "بانیہ" ایک چھوٹا سا شہر ہے" عمر بن عبد العزیز" ہباری قریشی" جو "عراق میں سرگی اور بہادری کی وجہ سے مشہور ہے" بانیہ" کا رہنے والا اور "**منصورہ**" اور اس کے اطراف پر غالب آنے والوں کا جد امجد ہے" عمر بن عبد العزیز کے بعد" اُن کے صاحبزادے عبد اللہ" تھا اور ان کے بعد "**عمر بن عبد اللہ**" پھر "**منذر بن عمر**" تخت پر بیٹھے"

غرضیکہ ۳۰۳ ہجری تک یہ "**ہباری اسدی** خاندان" جاہ و جلال کے ساتھ "**سلطنت منصورہ**" پر حکمرانی کرتا رہا"

مروج الذہب و معدن الجواہر مسعودی کے صفحہ ۳۷۵ تا ۳۸ میں ہے کہ۔ منصورہ" کے ماتحت تین لاکھ گاؤں ہیں" اور ان تمام گاؤں کے دریا" شجر و کھیت ہیں"

"بادشاہ منصورہ" کے پاس اسی ہاتھی ہیں" ہر ہاتھی کے ساتھ پانچسو پیدل ہوتے ہیں" طریقہ یہ ہے کہ ہاتھی کی سونڈ میں لوہا چڑھا ہوا مثل تلوار کے" اور زرہ بکتر اس کے جسم پر ہوتا ہے" اس کا سوار مثل شہسوار کے ہوتا ہے" اس ہاتھی کے چاروں طرف پانچ سو پیدل ہوتے ہیں جو اُسے روکتے اور پیچھے سے اُکساتے ہیں" اور اس کے آگے چھ ہزار سوار لڑتے ہیں"

عمر بن عبد اللہ کا وزیر اس وقت "**ریاح**" تھا۔ اور "ریاح" کے دو بیٹے۔ **محمد** اور **علی**" تھے" **منصورہ**" کے بادشاہوں" اور "**آل ابی الشوارب القاضی**" کے مابین قرابت تھی" اور وصل تھا" اور نسب تھا"

بالآخر اس سلطنت پر "**قرامطہ**" غالب آ گئے" مگر چند ہی برسوں کے بعد۔ **سلطان محمود غزنوی غازی**" نے ان قرامطہ کا استیصال کر کے "سندھ" میں اپنی حکومت قائم کر لی" اور "**منصورہ و ملتان**" سب اُن کے قبضہ میں آ گئے" آئینۂ حقیقت نما جلد اول کے صفحہ ۲۱۲ پر ہے کہ "**منصورہ**" کو عربوں نے گلزار بنا دیا تھا" اُن کی سلطنت کے ختم ہوتے ہی وہ پھر صحرا اور غیر آباد علاقہ بن گیا تھا" اس سلطنت کی تباہی کے بعد تمام عربی قومیں **ملتان** میں جمع ہو گئیں" **ملتان** سے جن قدر قومیں تعلق رکھتی ہیں وہ سب کی سب عربی الاصل کہی جاتی ہیں" وہ ان کا مرکز و منبع ہے۔ یہ عربی قومیں پنجاب کے سلطنت **غزنی** میں شامل ہونے کے بعد "**پنجاب**" میں آئیں۔ اور **شہاب الدین غوری** کے بعد جب شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو "بہار و **بنگال**" تک پھیل گئی" **پنجاب** کے **اعوان**" کشمیر کے کھکھے" اور "بمبے" بھی یقیناً انہیں لوگوں میں سے ہیں"

مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

اقتباسات مندرجہ بالا سے "**ملتان**" اور "**سندھ**" کی "**عربی قریشی**" قوموں کا حال بخوبی معلوم ہو گیا۔ اور جب اس سے بھی واقفیت ہو گئی ہے کہ "ہباری **اسدی**" بھی وہاں مسکن گزیں تھے" تو آپ مؤلف صاحب ہی ہمیں بتائیں کہ آخر وہ کیا

ہو گیا کہ "حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ" کے دادا اپنے صاحبزادے کے ہمراہ "مکہ معظمہ" سے نکل کر مختلف ممالک میں گھومتے ہوئے "خطۂ ملتان" میں پہنچے تھے" جہاں نہ تو ان کا کوئی جاننے والا تھا۔ نہ وہ وہاں کسی سے واقف تھے" سب جانتے ہیں کہ کسی پردیسی انجان شخص کو کوئی بھی اپنی بیٹی نہیں دیتا" اپنے ملک میں اشخاص خواہ کیسا ہی شرف رکھتے ہوں" مگر پردیس میں جہاں ان سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ ان میں خود ہی نامور اور عالی جاہ "مقامی خاندانوں سے" اپنے یا اپنی اولاد کے رشتہ کی تحریک کی ہمت نہیں ہوتی" اسی لئے "شیخ ذکریاؒ" کے دادا کو اپنے صاحبزادے کی شادی ایک ایسے شخص کی لڑکی سے کرنی پڑی جو تاتاریوں کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر "قلعہ کوٹ کروڑ" میں آکر پناہ گزین ہوا تھا۔ اور ان ہی کی طرح "پردیسی تھا" کہ اس کا بھی وہاں کوئی جاننے والا نہ تھا" اس کے علاوہ جب ہمیں یہ امر بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ۔ "شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ" "قلعہ کوٹ کروڑ" میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے وقت بھی وہ وہیں تھے" تو اس سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ "ان کے والد و دادا دونوں اپنے تادم آخریں" اسی قلعہ میں سکونت پذیر تھے" ایک شخص جس طرح "دہلی" "بمبئی" "کلکتہ" "لاہور" اور "حیدرآباد" وغیرہ وغیرہ شہروں میں برسوں تک رہنے کے بعد بھی" وہاں کے بڑے اور چھوٹے تمام گھرانوں سے واقفیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا" اسی طرح "شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ" کے دادا" اور والد کے متعلق بھی یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ یہ حضرات "زبیری کنبوئی" خاندان سے واقف تھے" یا سندھ میں پہنچتے ہی یا کچھ عرصہ بعد واقف ہو گئے تھے" اس بات کا بار ثبوت "مؤلف صاحب کے ذمہ ہے کہ" وہ ہمیں کسی سند سے دکھلائیں کہ۔ اگر **کمال الدین علی شاہ** نے اس خاندان کو "زبیری" "نہ جانکر" اور محض "کنبوہ" سمجھ کر اپنے بیٹے کی شادی "اس خاندان میں نہیں کی" تو وہ وہاں کے اور کن خاندانوں سے واقف تھے" نیز یہ بھی بتلائیں کہ "جب" ملتان میں" صدیقی" "فاروقی" "ہاشمی" "انصاری" "عباسی" "فاطمی" "علوی" "اسدی" اور دیگر قریشی خاندان" خاصی تعداد میں موجود تھے" تو انہیں ان سب سے پرہیز کر کے "قلعہ کوٹ کروڑ" میں جا کر۔ ایک پناہ گزین کی لڑکی سے" کیوں اپنے بیٹے کی شادی کرنی پڑی" کیا اس کی وجہ یہی تو نہیں ہے۔ جسے ہم اوپر ظاہر کر آئے ہیں کہ "ان کو اجنبی پردیسی جانکر اور ان سے ناواقفیت کی بنا پر" ان خاندانوں متذکرہ بالا میں سے کسی خاندان نے بھی ان کے صاحبزادے کو اپنی بیٹی دینی گوارا نہیں کی۔ یا خود ان کو ہی۔ ان خاندانوں سے بیٹی مانگنے کی ہمت نہیں پڑی" کسی خاص تاریخ کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ "محمد بن قاسمؒ" کے فتح "سندھ" کے زمانہ سے ہی" اس میں یہ سب قومیں داخل ہو گئیں تھی" اور ملتان" ان عربی قوموں کا بعد میں مرکز و منبع ہو گیا تھا"

مخدوم ذکریاؒ کے قبیلہ اسدی کی سلطنت منصورہ سندھ۔ اور اسدی دیگر عربی قریشی قبائل کے ملتان میں مسکن گزیں ہونے کی شہادتیں

مؤلف امروہوی نے "تحقیق الانساب جلد چہارم" کے صفحہ ۱۲۸ پر "بشاری مقدسی" کی کتاب سے لیکر واما المنصورہ فعلیہا سلطان من قریش" یعنی "منصورہ کا بادشاہ" اصلاً قریشی ہے" تو لکھا ہے" مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ "قریش کی کس شاخ سے تھا" ہم ان کو بتاتے ہیں کہ "سلطنت منصورہ کے بانی" عمر بن عبد العزیز بن ابن بیع بن منذر بن زبیر بن عبد الرحمن بن حضرت ہبارؓ اسدی" (شہید جنگ اجنادین در ۱۵ ہجری) تھے" یہ حضرت ہبارؓ" حضرت زبیرؓ" کے چچازاد بھائی تھے" عمر بن عبد العزیز" بانی "سلطنت منصورہ" اور "شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ" کے دادا" **کمال الدین علی شاہ**" دونو حضرت ہبارؓ" کی نسل سے تھے"

فتوح البلدان بلاذری جز دوم کے صفحہ ۲۰۱ پر ہے کہ "عمر بن عبد العزیز" کے پردادا "منذر" ۱۱۱ ہجری میں بنی امیہ کے گورنر حکم بن عوانہ کے ہمراہ سندھ تشریف لائے تھے" ۲۲۱ ہجری تا ۲۴۳ ہجری کے زمانے میں جب "یمنیوں یعنی قحطانیوں" اور نزاریوں یعنی حجازیوں" کے درمیان عصبیت پھوٹ پڑی" تو "عمر بن عبد العزیز ہباری اسدی" نے جو "نزاریوں یعنی

خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۲۰ پر ہے کہ

حضرت شیخ بہاؤالدین ملتانی رح ہفت پسر بیک احتراز داشت ۔ شیخ صدرالدین عارف ۔ شیخ برہان الدین ۔ شیخ ضیاءالدین ۔ شیخ علاؤالدین ۔ شیخ شہاب الدین ۔ شیخ قدوۃ الدین ۔ شیخ شمس الدین ۔

حضرت شیخ بہاؤالدین ملتانی رح کے سات لڑکے یکے بعد دیگر ہوئے ۔ شیخ صدرالدین عارف ۔ شیخ برہان الدین ۔ شیخ ضیاءالدین ۔ شیخ علاؤالدین ۔ شیخ شہاب الدین ۔ شیخ قدوۃ الدین ۔ شیخ شمس الدین ۔

سیر العارفین کے صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰ پر ہے کہ آوردہ اند کہ ایں شیخ فخرالدین عراقی اور بھانجے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی ۔ بملازمت حضرت شیخ الاسلام بہاؤالملتہ والدین بیمود بود ، دختر حضرت ایشاں کہ در حبالہ او بود ۔ وفات فرمود ۔ بعد از چندگاہ دختر دیگر کہ خرد تر بود ، در حبالہ او در آورد ۔ حضرت شیخ صدرالدین عارف فرمود کہ بابا صدرالدین در ایں کار مصلحت چیست ۔ شیخ صدرالدین قدس سرہٗ عرض نمود کہ من روزے شیخ فخرالدین را بر سر سالہا جاہ ایستادہ دیدم کہ زیر ایں بر داشتہ کیسہ ہوا میکرد ، وابریشم صبا مخطوط گشت ۔ کسے را کہ ایں قدر حظ نفس باشد ، دختر شا در حبالہ او حیف است ۔

سیر العارفین کے صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰ پر ہے کہ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ فخرالدین عراقی بھانجے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی حضرت شیخ الاسلام بہاؤالملتہ والدین کی خدمت میں رہتے تھے ۔ ان کے حبالۂ عقد میں حضرت بہاؤالملتہ کی جو لڑکی تھی اس کا انتقال ہو گیا ۔ تھوڑے عرصہ بعد دوسری لڑکی جو اس سے چھوٹی تھی اس کا نکاح شیخ فخرالدین سے کرنے کے لئے حضرت بہاؤالملتہ والدین نے اپنے صاحبزادے کلاں شیخ صدرالدین عارف سے صلاح پوچھی ۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے فخرالدین کو ساداجاہ پر اس حالت میں کھڑا دیکھا ہے کہ وہ پاجامہ اٹھا کر کیسہ ہوا کر رہے تھے ۔ اور خوش ہو رہے تھے ۔ جس شخص کی ایسی حالت ہو اس سے آپ کی بیٹی کا نکاح ہونا افسوسناک ہے ۔

ترجمہ اردو تاریخ فرشتہ جلد دوم مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ کے صفحہ ۵۴۸ تا ۵۵۶ پر آپ کے حالات تحریر ہیں ۔ اس میں ہے کہ ۔

شیخ عین الدین بیجاپوری نے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدین ذکریا رح اولاد ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب سے ہیں ۔ (ایک لڑکی آپ کی سید جلال الدین سرخ بخاری رح سے بیاہی تھی) ۔

مولوی دہلی ماہ شوال سنہ ۱۳۱۲ ہجری کے صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۰ میں آپ کے حالات میں تحریر ہے کہ ۔ سنہ ۶۱۹ ہجری میں شیخ الشیوخ (شہاب الدین عمر سہروردی) نے آپ کو ملتان جانے اور وہاں خدمت خلق میں معروف ہونے کی ہدایت کی ۔ چنانچہ آپ بغداد سے عازم ہندوستان ہوئے ۔ اس وقت سلطان محمد غوری (معزالدین محمد سام المعروف شہاب الدین غوری) کی طرف سے ناصرالدین قباچہ "ملتان" کی گورنری پر مامور تھا ۔

شمرۂ سہروردیہ کے صفحہ ۵۴ پر ہے کہ "چوں عمر عزیز نود و دو سال پنج ماہ و یک شب رسید ۔ بعد از ظہر روز پنجشنبہ ہفتم شہر صفر سنہ ۶۶۶ ہجری ششصد و شصت و شش غوث العالم از دنیا رحلت کردہ ۔"

شمرۂ سہروردیہ کے صفحہ ۵۴ پر ہے کہ "جب آپ کی عمر بیانوے سال پانچ مہینے اور چند روز کی ہوئی تو بعد ظہر جمعرات کے دن ۷ صفر سنہ ۶۶۶ھ کو آپ دنیا سے رحلت فرما گئے ۔"

شیخ ذکریا کے ورثاء کے الد ملتان میں کسی قریشی خاندان سے رشتہ قایم نہ کرنے کی وجہ ۔ اور ان کا رشتہ کوٹ کروڑ میں ایک بیاہی ہوئی خاندان میں ہونے کا سبب

اقتباسات مندرجہ بالا سے جو ہم نے حضرت شیخ ذکریا رح کے خاندان اور ورثاء ان کے متعلق پیش کئے ہیں ۔ بخوبی معلوم

"ملکِ صفات" مولانا حسام الدین ترمذی "از فرارت" خروج ملاعین تاتار" دریں دیار رسیدہ بود" ودر" قلعہ کوٹ کرور" کہ سلطان محمود غزنوی" قبل از ضبط" دیارہندوستان" فتح نمودہ بود۔ " مولانا مذکور" در آنجا ساکن بود" دخترے داشت" در کمال عفت و طہارت" شیخ وجیہہ الدین را" بہ رپیوند شریعت۔ بوقوع پیوستہ" وحضرت شیخ بہاؤالدین قدس سرہٗ" ہمدراں قلعہ متولد شدہ" وپدر بزرگوارش" ایشاں را دوازدہ سالہ بگذاشت وبرحمت حق پیوست"

وحضرت" حفظِ قرآن" باہفت قرءت" از بر داشت" وازآنجا۔ بعد فوت پدر" بخراسان آمدہ" وبتدریس ظاہر معہ تقدس باطن۔ ہفت سال مشغول گشت" وازآنجا" بجارا" آمدہ" بتعلیم خواندن اشتغال نمود۔ چنانچہ بپایۂ اجتہاد رسیدہ"

از کمال عفت وصلاحیت کہ داشت" اہلِ بخارا" ایشاں را" بہاؤالدین فرشتہ" گفتندے۔ واُو را" در خراسان وبخارا" شہرتے عظیم بود" وازآنجا بطرف" مکہ" عزیمت نمود" از تشریف حج" بسعادت زیارت" سرور کائنات وخلاصۂ موجودات" مشرف گشت" وموازنہ" پنج سال" بہ حرم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام" مجاور گشت" وپیش" شیخ کمال الدین محمد یمنی" کہ یکے از محدثان کبار بودہ بہ تعلیم حدیث مشغول شدہ" (ص۱۰۳)

ایں حقیر (مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ) را" از زبان دربار گہر نثار" حضرت سلطان المحققین" برہان المدققین" پیر دستگیر" "سماء الحق والدین قدس سرہٗ" مسموع است کہ درانجا" حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الحق" در بغداد" بسعادت صحبت" حضرت شیخ الشیوخ عالم (شہاب الدین عمر سہروردی) مشرف گشت" (ص۱۰۵)

بعد ازاں" حضرت شیخ الاسلام غوث" را" وداع کردہ فرمود" کہ بروند" در ملتان" متوطن باشی" واہلِ آں دیار را بمقصود برساں" درانجا" حضرت شیخ الاسلام" از پیر بے نظیر رخصت یافت"
...... حضرت شیخ الاسلام غوث العالم" بملتان" آمدند وساکن شدند" وذرآنجا تاہل فرزنداں حاصل شدہ" ص۱۰۶

شجرۂ سہروردیہ کے ص۶ ؁ پر تحریر ہے کہ۔
" پس بملتان آمدند" وتاہل واقع شدہ" وہفت پسر" وچند دختر" بوجود آمدند"

مولانا حسام الدین ترمذی" ملاعین تاتار کے خروج کی وجہ سے بھاگ کر اس دیار میں پہنچے تھے" اور قلعہ کوٹ کرور" میں جسے سلطان محمود غزنوی" نے قبل از ضبط دیار ہندوستان فتح کیا تھا" مولانا مذکور وہاں ساکن تھے اُن کے لڑکی تھی باکمال عفت وطہارت" جس کی شادی شیخ وجیہہ الدین سے ہوئی" حضرت شیخ بہاؤالدین" قدس سرہٗ اسی قلعہ میں پیدا ہوئے" اور اُن کے والد اُن کو بارہ برس کا چھوڑ کر مر گئے"

مخدوم بہاؤالدین نے ساتوں قرأت کے ساتھ قرآن حفظ کیا اور وہاں سے باپ کے مرنے کے بعد خراسان آئے اور ظاہری وباطنی تعلیم میں سات برس مشغول رہے اور وہاں سے بخارا آکر علم پڑھانے کا شغل رکھا" چنانچہ پایۂ اجتہاد کو پہنچے"

اُن کے کمال عفت اور صلاحیت کی وجہ سے اہلِ بخارا انہیں فرشتہ سمجھتے تھے" اور خراسان وبخارا میں اُن کی بہت شہرت تھی" وہاں سے انہوں نے مکہ معظمہ جا کر سعادت حج حاصل کی اور زیارت سرور کائنات وخلاصۂ موجودات سے مشرف ہوئے" اور پانچ سال حرم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مجاور رہے" اور شیخ کمال الدین محمد یمنی سے جو محدثین کبار میں سے ایک تھے" حدیث کی تعلیم میں مشغول ہوئے"

اس حقیر (مخدوم شیخ جمالی) نے اپنے پیر دستگیر حضرت سلطان المحققین" برہان المدققین" سماء الحق والدین قدس سرہٗ کی زبان دربار گہر نثار سے سنا ہے کہ" حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الحق بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی صحبت سے مشرف ہوئے"

بعد ازاں حضرت نے شیخ الاسلام غوث کو وداع کیا اور فرمایا کہ جا کر ملتان میں متوطن رہو" اور وہاں کے علاقہ کے رہنے والوں کو اُن کے مقاصد پر پہنچاؤ" حضرت شیخ الاسلام اپنے پیر بے نظیر سے رخصت ہوئے" حضرت غوث الاسلام غوث العالم" ملتان میں آکر ساکن ہوئے" اور وہاں جا کر شادی کی اور اولاد پیدا ہوئی"

پس ملتان آئے اور نکاح ہوا۔ اور سات لڑکے اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں"

اور وہیں کا باشندہ تھا۔

" حاجی صاحب " وہی " حضرت شیخ زکریا کے " حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور اپنے سلسلہ " کسوہ " میں شامل ہوئے " ان کا عرب سے آنا " نسبتاً زبیری ہونا " یا حضرت ش ک کے " خاندان کے علاوہ کسی دوسرے " زبیری اسدی خاندان کا " اس زمانہ میں " ملتان میں " آباد ہونا۔ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا " (ص ۳۴۴ و ۳۴۵)

مؤلف امروہوی کی غلط بیانی

اس بیان کا پہلا فقرہ قطعاً غلط ہے " حاجی کمال الدین عرب سے ہندوستان یا ملتان کبھی نہیں آئے۔ جیسا کہ مؤلف امروہوی نے باور کرایا ہے بلکہ ان کے صاحبزادے حاجی جمال قدس سرہ تشریف لائے تھے " پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ زبیری خاندان حسب دستور اپنے سکونت کے مقام کسار کے تعلق سے کنبوی سے ملقب ہوا اور یہ لفظ کاتبوں کی غلطیوں کی وجہ سے کمبوہ اور کہیں کہیں ی چھوٹ جانے سے کنبو بھی لکھ گیا ہے " مگر ہیم کے املا سے کموہ کی شکل میں کسی کتاب میں تحریر نہیں ہوا۔ اور متذکرہ صدر دونوں بزرگ کبھی اپنی زندگی میں اور بعد وفات بھی " کسوی یا کسوہ اور کسوئی " نہیں کہلائے۔ کسی کتاب میں ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ ان لفظوں میں سے کوئی لفظ تحریر ہے " مؤلف موصوف نے جو یہاں کسوہ کے لقب سے ان بزرگوں کا ملقب ہونا ظاہر کیا ہے " یہ قطعاً غلط ہے " اور ان کا کھلا ہوا جھوٹ ہے "

حضرت زکریائے ملتانی قدس سرہ کے کسوی مشہور نہ ہونے کی وجہ

رہا یہ بات کہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رح کس وجہ سے " کنبوہ " نہیں مشہور ہوئے " اور کیوں ان کے خاندان نے جو ملتان میں آکر آباد ہوا تھا " اس عربی زبیری خاندان سے جو پہلے سے " ملتان " میں آباد تھا اپنی قرابتیں نہیں کیں " تو اس عبارت کے پہلے جملہ کا جواب خود اس کے دوسرے حصہ میں موجود ہے " مؤلف صاحب ہی کی تحریر کے مطابق جب ان کی قرابتیں " زبیری کنبوی " خاندان میں نہیں ہوئیں تو ان کو یا ان کی اولاد کو آخر کس تعلق کی بنا پر " کسوی یا کسوہ " کے لقب سے ملقب کیا جا سکتا تھا " یا وہ ان القاب سے مشہور ہو سکتے تھے "

مخدوم شیخ زکریا رح کے دادا " اور " والد کی سندھ میں آمد " اور خود ان کی پیدائش کوٹ کروڑ " اور رہائش ملتان کی کیفیت

اب رہا یہ سوال کہ ان دونوں خاندانوں میں قرابتیں کیوں نہیں ہوئیں " اس کا سبب بیان کرنے سے پہلے ہم " حضرت شیخ زکریا رح کے خاندان سے روشناس کرا دینا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے تمام ملتان کا حال بھی معلوم ہو جائے گا " اس امر پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے " " سیر العارفین میں " مخدوم شیخ جمالی رح " المتوفی سنہ ۹۴۲ھ ہجری نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

" شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریائے غوث العالم قدس سرہ " از اولیائے کبار بود " جد بزرگوار او " کمال الدین علی شاہ قریشی " از مکہ مبارکہ " در خوارزم " آمدہ بود " وازآنجا " قبۃ الاسلام کہ " خطۂ ملتان " رسید و در آں شہر تشریف ساکن شدہ " او حاجی حرمین شریفین بود۔ کمال صلاحیت منسوب " او فرزندے بود " وجیہ الدین نام " جوانے پاک ذات

" شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا غوث العالم قدس سرہ " اولیائے کبار سے تھے " ان کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی " مکہ سے خوارزم آئے تھے اور وہاں سے قبۃ الاسلام خطۂ ملتان پہنچے اور اس خطہ شریف میں ایک عرصہ ساکن رہے " وہ حاجی حرمین شریفین تھے " کمال صلاحیت سے منسوب " ان کا لڑکا تھا " وجیہ الدین " نام جوانے پاک ذات اور نیک صفات

(الف) دو عباسی خاندان "عراق و مصر سے" سندھ میں آجانے پر نہ تو اپنی نسبی نسبت عباسی سے شہرت پذیر ہوئے اور نہ اپنی مکانی نسبت یعنی اُن مقامات سے جہاں سے وہ آئے تھے موسوم ہوئے بلکہ بالکل جدا گانہ نسبتوں سے "جاموٹ" اور "کلہوڑے" کہلائے اور کہلاتے ہیں"

(ب) نیز ایک صدیقی خاندان دوسرے غیر قریشی ترکمان خاندان بڑیگہ میں قرابتیں کرنے کی وجہ سے "اپنے ننھیالی خاندان بڑیگہ کے نام سے مشہور ہو گیا ہے"

(ج) اور شیخ ابن رح اور اُن کی اولاد کی شیوخ عباسیہ اور قریشیہ اور فریدیہ اور انصاریہ میں قرابتیں ہوتے رہنے سے یہ خاندان بھی بجائے سید کے شیخ مشہور ہوا"

(د) پھر یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو چکی ہے کہ خطابی اور لقبی اور توصیفی القاب سے بھی بہت خاندان موسوم و ملقب ہیں "ہمارے پیش کردہ اِن شواہد کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی ہے کہ مؤلف امروہوی کا یہ سارا بیان جو انہوں نے نواب شہباز خاں کے جد اعلیٰ اور ان کی اولاد کے لقب کے بارے میں اور سیدوں اور قریشی خاندانوں کے ایک دوسرے میں مدغم نہ ہونے کے متعلق دیا ہے "سراسر غلط اور پایہ تحقیق سے قطعاً خارج ہے" مؤلف امروہوی کی تو وہی مثل ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"

باب ۲۰ ہشتم

"اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "وہ ملتان میں "اِس زبیری خاندان" کی قرابت کی وجہ سے۔ جو اُن کے آنے سے پیشتر وہاں آباد تھا اور "کمبوہ" کہلاتا تھا "کمبوہ مشہور ہوئے" تو کیا وجہ ہے کہ "حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رح" جن کا خاندان "ملتان میں آ کر آباد ہوا۔ اور نسباً اسی خاندان سے تھا۔ جس سے حاجی کمال الدین کو بتلایا گیا ہے "یعنی قریشی اسدی" باوجودیکہ حسب روایت مذکورہ۔ ان سے پیشتر بھی "ایک اسدی زبیری خاندان" ملتان میں آباد" اور "کمبوہ" کہلاتا تھا "کمبوہ" مشہور نہ ہوئے" اور آج تک "قریشی اسدی" کہے جاتے ہیں" اور محض "حاجی کمال الدین" جو شیخ کے خاندان کے بہت بعد "عرب" سے آئے "کمبوہ" مشہور ہو گئے"

"اور کیوں نہ "شیخ زکریا ملتانی" کے خاندان نے۔ اِس عربی زبیری خاندان سے" اپنی قرابتیں کیں" جو اُن کے ہم نسب پہلے سے وہاں موجود تھا۔

نیز جیسا کہ کہا جاتا ہے جبکہ "حاجی کمال الدین" براہِ راست عرب سے آئے تھے "زبیری اسدی تھے" حضرت شیخ کے ہم نسب" تو پھر "شیخ بہاؤالدین" نے اُن کی قرابت اپنے خاندان میں کیوں نہ کی۔ اور اُن سے یہ کیوں ارشاد فرمایا۔ کہ تم اپنے قوم و قبیلہ میں متاہل ہو" باوجودیکہ "حاجی کمال الدین" اور "حضرت شیخ ذکریا" ایک ہی قوم و قبیلہ سے تھے"

نیز "حضرت شیخ ذکریا رح کا "اِس سے پیشتر آباد شدہ خاندان سے۔ جو زبیری تھا۔ اور "کمبوہ" مشہور ہو گیا" اپنی قرابتیں نہ کرنا۔ اور ایک نو وارد عرب و زبیری کو "اِس خاندان میں متاہل ہونے کی ہدایت فرمانا۔ کیا ثابت کرتا ہے۔

اِس کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ "حقیقتاً حاجی کمال الدین" کا نسبی تعلق "عرب سے" یا قبیلۂ اسدی" سے نہ تھا" بلکہ پنجاب کے "قدیم خاندان کمبوہ" سے تھا جو "ملتان میں آباد"

بلکہ نعیہ کو کام فرماتے ہیں۔ اور اس مقدمہ میں۔ مثل چشمۂ آبِ حیات کے سکندری طالع اپنے سے
ظلماتِ عاقبت میں رہتے ہیں۔ اور بلحاظ اس بات کے کہ۔ اول سابقہ آخر کے سمت رکھتا ہے
یہاں بزرگی اور سیادت نسلی ان کی کو آخر ظاہر کیا۔ واللہ اعلم۔

کچھ ان خاندانوں پر ہی منحصر نہیں ہے۔ جن کے متعلق ابھی ہم نے مؤلف امروہہ کی کتاب سے لیکر خود اُن کے بیانات پیش کئے ہیں۔ بلکہ مؤلف موصوف ہی کے وطن امروہہ میں اور بہت خاندان ہیں جو دوسرے خاندانوں میں قرابت ہونے کی وجہ سے اپنے نسبی لقب کے ساتھ اُن کے نسب سے موسوم ہیں۔ اور دیگر القاب سے بھی ملقب ہیں۔

چنانچہ کتاب "انکشاف العروف بہ تنقید محمود" کے صفحہ ۳۴ و ۳۵ پر تحریر ہے کہ "اس شہرت عامہ پر نظر ڈالئے کہ امروہہ میں کس قدر خاندان ایسے ہیں جو نسباً کچھ اور ہیں اور عوام اُن کو کیا سمجھتے ہیں۔

جس طرح کہ شہرت عامہ میں ہمارے خاندان کو شیخ استعمال کرنے سے عوام نسباً شیخ صدیقی سمجھتے ہیں کیا اسی طرح خاندان میر رفعت اللہ محلہ سدّو کو جو نسباً شیخ صدیقی ہیں۔ لیکن عوام اُن کو مغل سمجھتے ہیں۔ کیا میرزا مقصود علی محلہ چاہ غوری جو نسباً مغل ہیں اُن سے بوجہ قرابتداری کے ہر دو خاندان ایک نہیں سمجھے جاتے۔

کیا حکیم عبدالقیوم مختار مالگذاری و محمد احمد محلہ شاہی چبوترہ جو نسباً صدیقی ہیں لیکن کلالوں میں رشتہ داریاں ہونے سے نسباً کلال نہیں سمجھے جاتے۔

کیا خاندان محمد ابراہیم محلہ ملانہ جن کو مؤلف نے شیخ صدیقی لکھا ہے وہ خود اور عوام اُن کو خاندان سادات تریکوں سے نہیں جانتے۔

کیا مولوی احمد حسین خاں کلال ہوتے ہوئے اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب نہیں استعمال کرتے۔ کیا خاندان میر رفعت اللہ محلہ سدّو صدیقی ہوتے ہوئے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث کا خطاب میر استعمال نہیں کرتے۔

جس طرح ہمارا خاندان سید ہوتے ہوئے اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب شیخ استعمال کرتا ہے۔ کیا اسی طرح گھڑیال والے "در سید احمد حسین خاں۔ سید محسن خاں دانشمند۔ و توصیف الحسن خاں" دربار کلاں کا خاندان۔ سادات ہوتے ہوئے کیا اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب خاں استعمال نہیں کرتے۔

کیا خاندان چودھری سید حسن و سید سبط علی جعفری سابق آنریری مجسٹریٹ۔ سید ہوتے ہوئے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث کا خطاب چودھری استعمال نہیں کرتے۔

کیا خاندان حاجی شوکت حسین ملانہ "فاروقی" ہوتے ہوئے اپنے مورث کا خطاب چودھری استعمال نہیں کرتے۔

غرضکہ بہت سے خاندان باعث تحرّر ان الفاظ کو خواہ بہ حیثیت بزرگانہ ہوں یا خطابی یا لقبی برابر اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں" اور بعض خاندان ایسے بھی ہیں جو نسباً کچھ نہیں اور شہرت عامہ و خطابی و لقبی الفاظ کے استعمال سے اُن کے نسب پر کوئی اثر مؤثر نہیں ہوا۔

اب جبکہ ہم نے پیغمبر آنحضرت صلعم کی حدیث مبارکہ اور حضرت علی کی حضرت زبیر سے گفتگو پیر علامہ شبلی کے بیان سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کسی قوم کا بھانجا اپنی ننھیال کے نام سے بھی موسوم ہوتا ہے۔ اور مؤلف امروہوی کی خود کی تحریروں سے بھی دکھلا دیا ہے کہ

نوٹ نمبر ۱: انکشاف العروف بہ تنقید محمود کے مؤلف نے صفحہ ۳ پر لکھا ہے کہ ہمارے بزرگ فضل علی صاحب نواب آصف الدولہ نواب وزیر اودھ کے ملازم رہے۔ شیخ ڈاڑھی رنگے کا خطاب آپ کو نواب آصف الدولہ نے دیا۔ ایک روز جبکہ میر فضل علی صاحب نے ڈاڑھی کو مہندی لگائی دربار میں حاضری کا موقع ہوا۔ نواب صاحب نے کہا آئیے شیخ ڈاڑھی رنگے۔ اسی روز سے فضل علی صاحب شیخ ڈاڑھی رنگے کے نام سے مشہور ہو گئے اور رفتہ رفتہ یہ خاندان شیخ ڈاڑھی رنگے کے نام سے مشہور ہو گیا۔

متعدد "خاندانوں اور اشخاص کے" دوسرے القاب اور ناموں سے مشہور ہو جانے کا بیان" خود مؤلف مرحوم کے قلم سے-

حاجی صاحب کی اولاد کے اپنی ننہیال کے لقب سے موسوم ہو جانے کو تصور کرنے میں اب بھی اگر ان مؤلف صاحب کو کوئی عذر ہے تو ہم انہیں کی تحریرات سے ان کو مطمئن کئے دیتے ہیں۔

(۱) تحقیق الانساب جلد چہارم کے صفحات ۳۰۹ و ۳۱۰ پر تحریر ہے کہ امروہہ میں "ترکمانوں" کا ایک قدیم خاندان ہے جو عرف عام میں "بڑپگہ" سے مشہور ہے "بڑپگیہ" حقیقتاً "دستار کلاں" کا ہندی ترجمہ ہے" اور "دستار کلاں" "قوم ترکمان" کی خصوصیت ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ہندی لقب "بڑپگہ" ہو گیا" اور صفحہ ۲۳۹ پر لکھا ہے کہ "ملا امان اللہ صدیقی" فضلائے عہد اکبری سے تھے" ان کی اولاد کی قرابتیں خاندان ترکمانان (بڑپگہ) سے زیادہ ہوئیں" سکونت بھی ایک جگہ رہی" مسلسل اور متواتر قرابتوں کی بنا پر" یہ خاندان بھی "عرف عام میں "بڑپگیہ" مشہور ہو گیا"

(۲) اور صفحہ ۱۷۶ پر ہے کہ "موضع دوبک ضلع (سندھ) میں "مخدوم زادگان عباسی" کا ایک قدیم خاندان ہے جو زمیندار پیشہ ہیں" سندھی میں "زمیندار" کو "جامعوٹ" کہتے ہیں" یہ حضرات بھی اسی لقب سے ملقب ہوئے"

(۳) اور صفحہ ۱۷۷ پر لکھا ہے کہ "خلیفہ مستعصم باللہ" (آخری خلیفہ بغداد) کے چچا "ابو القاسم احمد" کی اولاد میں "شہزادہ احمد ثانی" بن مزمل" بن عقیل" بن سہیل" ابن ابو القاسم احمد" مذکور مع چند "آل عباس رض" کے مصر سے ہجرت کر کے "ریج و مکران" ہوتے ہوئے "سندھ" پہنچے" ان کے کئی بیٹے ہوئے" ابو نصر محمد عرف امیر ابن" کی اولاد میں "امیر عبد القاہر" معروف بہ کاہر خاں" نے "شہر کاہر پیلہ" بسایا۔ ان کے پوتے "امیر جنگی خاں" کے دو فرزند "امیر مہدی" و "امیر داؤد" ہوئے" اول الذکر کی اولاد میں "میاں آدم شاہ" سندھ کے مشہور پیر طریقت تھے" مزار پر انوار ان کا "دریائے سکھر" سے متصل ہے" ان کی نسل میں ۱۱۸۳ھ میں "سندھ" کی حکومت و سلطنت رہی" جن میں "نواب ثابت جنگ شاہ یار خاں" عباسی" نواب غلام شاہ عباسی" وغیرہ مشہور حکمراں گذرے" یہ خاندان سندھ میں "کلہوڑہ" کے نام سے مشہور ہوا"

(۴) صفحہ ۱۷۸ پر ہے کہ "خاندان کلہوڑہ" کی آبادی" اضلاع (ڈیرہ) کانہ" وغیرہ میں ہے" خان بہادر محمد پریل عباسی" رئیس بالیشاہ" ان میں ممتاز ہیں" انہیں کے بنی اعمام "حاجی پور" نواح (ملتان) کے قدیمی جاگیردار" مذہباً "شیعہ" ہیں۔ "امیر داؤد" کی اولاد "داؤد پوترہ" کہلاتی ہے"

(۵) "شیخ الہداد" کے نسب پر جن طریقوں سے مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب میں طویل بحث کی ہے اور انہیں "شیخ" سے "سید" بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اس کی ایک جھلک ہم نے "ملا عبد القادر بدایونی" صاحب منتخب التواریخ کے حالات کے ضمن میں اوپر دکھا آئے ہیں" انہوں نے اپنی ساری کوشش اپنے ناظرین کو یہ بات باور کرانے میں صرف کی ہے کہ "شیخ الہداد" اور ان کی اولاد کی شادیاں "قریشی" "صدیقی" "فاروقی" اور "عباسی" خانوادوں میں ہونے کی وجہ سے یہ خاندان "شیخ" کہلایا" ورنہ اصل میں "سید رضوی" ہے" اپنے بیان میں مؤلف موصوف نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے جہاں اور توجیہیں کی ہیں وہاں سند میں "خلاصۃ الانساب قلمی" مؤلفہ سید ارشاد علی" شفاعت پوتہ مرقومہ سنہ ۱۲۸۷ ہجری کی یہ تحریر بھی پیش کی ہے کہ

"ایک گروہ خاندان حضرت شاہ ابن صاحب قدس سرہ کا ہے ...... اگرچہ سیادت اور بزرگی ان کی سلف سے سنتے آئے ہیں" مگر یہ سب صاحب بسبب قرب و قرابت اور رشتہ داری "شیوخ عباسیہ" اور "قریشیہ" اور "فریدیہ" اور انصاریہ" کے "سیادت اپنی کو کم ظاہر کرتے ہیں"

میں بھی آیا ہے "ان کے نام کے ساتھ "حاجی" اور "قاضی" کے لقب کے سوا "کسوی یا کسوہ" کہیں بھی نہیں لکھا ہے" مؤلف موصوف کا فرض تھا کہ وہ حب "حاجی صاحب" کے نام کے ساتھ ان القاب میں سے کوئی لقب دیکھ لیتے اس وقت یہ بات لکھتے "مؤلف امروہوی کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے بے اصل باتیں لکھنے میں خاص مہارت حاصل ہے" اسی لئے یہاں بھی اپنے مخصوص قاعدے کے مطابق "سچ اور جھوٹ سے بے پرواہ ہو کر انہوں نے ایسی بات لکھ دی جس کی کوئی سند وہ کسی طرح بھی پیش نہیں کر سکتے"

حاجی جمال قدس سرہٗ کی اولاد کا اپنی ننھیال کے سکی لقب سے ملقب سمجھا جانا کوئی نرالی بات نہیں ہے

اب رہا یہ سوال کہ "حاجی صاحب" کی اولاد کیوں "کسوی" اور "کسوہ" کہلائی۔ تو جب یہ بات ظاہر ہے کہ "وہ عرب سے تنہا تشریف لائے تھے۔ اور متاہل ہونے کے بعد واپس نہیں گئے" اور ان کی اولاد جو اپنے ننھیالی خاندان ہی میں "رہ" (جو ان کا ہم قومی) اور اپنے سکی لقب سے اسی طرح مشہور تھا جس طرح "مشہدی" "بخاری" "وغیرہ وغیرہ خاندان مشہور ہیں") اپنی آنکھیں کھولتے کے وقت سے اور پھر مسلسل قرابتیں ہوتے رہنے کی وجہ سے برابر شامل رہی "اگر اپنے مادری خاندان کے سکی لقب سے موسوم ہو گئی تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے" اور ان کی رسیرت میں اس سے کیا رخنہ پڑ گیا"

"ایک حدیث" "کہ کسی قوم کا بھانجا انہیں میں سے ہے"

"ترجمہ صحیح بخاری جلد سوم صفحہ ۱۵ مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی" میں ہے کہ "حضرت انس" فرماتے ہیں "حضور صلعم" نے ارشاد فرمایا "کسی قوم کا بھانجا" انہیں میں سے ہے"

جنگ جمل کے موقع پر "حضرت علی رض کی گفتگو حضرت "زبیر رض" سے

"شمس التواریخ جلد چہارم مطبوعہ مطبع الانوار" میں "جنگ جمل" کے موقع پر "حضرت زبیر رض" اور "حضرت علی رض" کی گفتگو کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "پھر حضرت علی رض" "حضرت زبیر رض" کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا "اے حضرت زبیر رض" آپ کو کس امر نے خروج پر آمادہ کیا "حضرت زبیر رض" نے فرمایا۔ آپ اس کے باعث ہوئے "حضرت علی رض" نے فرمایا "کیا آپ حضرت عثمان رض" کے بعد مجھے خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے "جبکہ میں تو آپ کو اپنا عزیز اور "عبد المطلب" کی اولاد سمجھتا ہوں"

علامہ شبلی رح کی ایک نظم کا وہ شعر جس میں حضرت عبداللہ بن زبیر رض کو ان کے والد بزرگوار کے ننھیال کے خاندان سے ظاہر کیا ہے"

علامہ شبلی مرحوم نے اپنی جس نظم میں "امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رض" کی لا مثال شجاعت "شہادت اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء رض ذات النطاقین بنت حضرت ابوبکر صدیق رض" کے استقلال کے واقعہ کو دکھایا ہے "وہ مشہور" اور معروف ہے "اس نظم کا پندرہواں شعر یہ ہے"

جون ٹپکا جو قدم پر، تو کہا از رہِ فخر ۔۔۔ یہ ادا وہ ہے، کہ ہم "ہاشمیوں" کا ہے شعار

سب جانتے ہیں کہ "ہاشمی اور مطلبی" "حضرت عبد اللہ بن زبیر رض" کے والد بزرگوار کی "ننھیال تھی۔ دادھیال نہ تھی" مگر جیسا کہ "رسول مقبول صلعم" کے ارشاد مبارک "اور "حضرت علی رض" کے بیان سے ظاہر ہو چکا ہے "وہ جس طرح" "اسدی زبیری" تھے "اسی طرح "ہاشمی و مطلبی" بھی تھے "یہاں جو علامہ مرحوم نے ان کو ہاشمی لکھا ہے "تو ننھیالی خاندان کے لقب سے موسوم کیا ہے"

کیونکہ "صاحب المشاہیر رحمتہ اللہ علیہ" کے بیان کی صداقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو چکی اور مؤلف امروہوی کی ان غلط بیانیوں کا بھی پردہ بخوبی چاک ہو چکا ہے "۔ اس لئے اب ہم آگے بڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا فرماتے ہیں:"

باب نوزدہم

"لیکن حسب روایت مذکورۂ بالا "نواب شہباز خاں" کے جدِ اعلیٰ "حاجی کمال الدین" براہِ راست "عرب سے" ہندوستان آئے "۔ اُن کا زمانہ آمد ساتویں صدی ہجری کا اوائل ہے "۔ وہ نہ "کنبہ" میں رہے "اور نہ "کنباہ" میں جب اُن کو نسباً "زبیری" سمجھا جاتا ہے۔ تو وہ عرب میں یقیناً "زبیری یا اَسَدی" کے لقب سے معروف ہوں گے "نہ کنبوہ یا کمبوہ" کے لقب سے "پھر باوجود اس کے ان کا یا ان کی اولاد کا "ہندوستان آکر "کنبو یا کمبوہ" کے لقب سے ملقب ہونا کیا معنی؟ اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ ان کی "قوم و قبیلہ عرب" کے لوگ جو ان کی آمد سے پیشتر ملتان میں آباد تھے "کمبوہ" کہلاتے تھے "۔ ان کی قرابت بھی یہاں آکر ان ہی لوگوں سے ہوئی "۔ اِس وجہ سے یہ بھی "کمبوہ" مشہور ہوئے "۔ لیکن یہ جواب قابلِ قبول۔ اور قرینِ قیاس نہیں "۔ ہم دیکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں "بنی ہاشم" اور "قریش" کے مختلف لوگ "مختلف مقامات سے "مختلف زمانوں میں آئے "اور یہاں آکر آن کے باہم قرابتیں ہوئیں۔ لیکن جو جس جگہ سے آیا۔ آج تک اُس کی اولاد اُسی نسبت سے مشہور رہے "۔ یہ نہیں ہوا کہ "خراسانی سید" بخاری سید سے "یا واسطی" مشہدی سے "قرابت کے سبب "بخاری یا مشہدی" مشہور ہو گیا ہو "۔ اِسی طرح "حاجی کمال الدین" جبکہ براہِ راست عرب سے آئے تھے "یا تو "اپنی نسبی نسبت" زبیری اَسَدی "کے ساتھ شہرت پاتے" یا مکانی نسبت کے لحاظ سے "اس مقام عرب سے" جہاں سے وہ آئے تھے "نہ کہ یہ کہ ان دونوں نسبتوں کے علاوہ۔ ایک تیسری نسبت سے "جس سے ان کا کوئی "نسبی تعلق تھا۔ اور نہ مکانی" یعنی کمبوہ کہلاتے "۔ (ص۳۲۷)

حاجی جمالؒ کے حالات میں مؤلف امروہوی کی غلط بیانی

مؤلف امروہوی کے اِس بیان میں حسب ذیل چار باتیں توجہ طلب ہیں "(۱) پہلی تو یہ ہے کہ انہوں نے یہاں بھی "نواب شہباز خاں کے جدِ اعلیٰ کو جو براہِ راست عرب سے آئے تھے "بجائے حاجی جمال کے حاجی کمال الدین" تحریر کیا ہے "۔ جو صحیح نہیں ہے "۔ مؤلف موصوف خود بھی "مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۶۹ پر "نواب شہباز خاں" کے حال میں لکھا دیکھ چکے ہیں کہ "نسبش بہ شش واسطہ" بہ حاجی جمال "میرسد"

(۲) دوسرے یہ کہ پہلے وہ "کنبو" یا "کنبوہ" لکھتے آئے ہیں۔ مگر یہاں انہوں نے "کنبو" یا "کمبوہ" لکھا ہے "کمبو" میم سے لکھنا قطعاً صحیح نہیں ہے "۔ اِس خاندان کے کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "کنبو(ہ) یا کنبو یا کنبوہ" کے سوائے "کمبو" لکھا ہوا نہیں ہے "

(۳) تیسرے اُن کا یہ فقرہ کہ "پھر باوجود اس کے اُن کا یا اُن کی اولاد کا ہندوستان میں آکر "کنبوہ یا کمبوہ" کے لقب سے ملقب ہونا کیا معنی" دھوکے میں ڈالنے والا ہے "کیونکہ "حاجی صاحب" خود تنہا تشریف لائے تھے "اُن کی ساری اولاد یہیں پیدا ہوئی" اور یہیں رہی "عرب میں اُن کے کسی بیوی یا بچے کے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے "

(۴) چوتھے مؤلف صاحب کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ "حاجی صاحب" عرب سے آکر "کمبوہ" مشہور ہوئے "اُن کا تذکرہ جن کتابوں

قوم کمبرین | سالات روماء یعنی تاریخ سیر المتقدمین "مترجمہ محمد حمید خاں کے صفحہ ۱۹۸ پر ہے کہ "یہ نسل "قوم کال کا" اٹلی میں آنا" سنہ ۳۶۰ قبل مسیح "وہ ملک جو اٹلی کے شمال میں" کوہ الپاین کے گردا واقع ہے۔ اس میں ایک قوم جو بطور قوم کلٹ "کے تھی .... ہر جگہ اس قوم کلٹ کے خط و خال "زبان و اسلحہ جنگ" لباس "وغیرہ سب ایک ہی سا تھا" اور اب بھی اُن کی نسل کے لوگ جو اُن پہاڑوں وغیرہ میں آباد ہیں جو کہ بحرِ اطلانتک (بحرِ اوقیانوس) کے واقع ہیں بہت صورتوں میں انہیں کے بچے ہیں "جہاں کہیں ہم اُن کا حال سنتے ہیں۔ خواہ "کلٹ" "بیل" "گال" "گیلٹین" "وِلش" "بلجا لی" "سمری" "سمار نیز" اور خواہ "قوم کمبرین" "یعنی برٹین" وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے نظر آتے ہیں "نیلی آنکھیں" سیاہ یا سُرخ بال "طبیعت میں جراءت اور بہیمیت اور جنگ سپاہی ہونی" اطاعت گذار رعیت "نازک" ہنرمند "یہ ساری باتیں اب تک اُن کو دیگر اقوام سے تمیز کرتی ہیں"

ذات کمتھیہ | ترجمہ آئین اکبری جلد اوّل حصہ دوم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے صفحہ ۱ پر تحریر ہے کہ "صوبہ کابل" "سرکار کشمیر" پر گنات شرقی و جنوبی "گیارہ محل" سو پرمن ذات کمتھیہ ...... اور صفحہ ۱۰۹۶ پر تحریر ہے کہ "اس زمانے میں یہ ملک شاہی قلمرو میں داخل اور بے شمار ایرانی و تورانی و کشمیری نسل کے مختلف قبایل و اقوام کا مسرت انگیز ملجا و ماویٰ ہے"

خاندان کمّوں "آلِ کمّوں" | سہ ماہی رسالہ تاریخ حیدر آباد دکن۔ بابتہ ماہ جون سنہ ۱۹۴۰ء کے صفحہ ۸۶ پر تحریر ہے کہ "راحت افزا کا مصنف" سید محمد علی بن سید محمد صادق الحسینی "آلِ کمّوں" سے ہے "آلِ کمّول" عراق عرب کے سادات عالی درجات کا مشہور خاندان ہے "اور اس میں بڑے بڑے علماء و فضلاء پیدا ہوئے ہیں" بنی عبّاس کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر عبد اللہ المنصور کے عہدِ خلافت سے "عراق عرب کی نقابت و نیابت اس خاندان میں بطور میراث چلی آ رہی ہے" سیّد محمد کمّول "اس خانوادہ کا نامور شخص گذرا ہے" شاہ اسمٰعیل صفوی "(سنہ ۹۰۶ ہجری تا سنہ ۹۳۰ ہجری) نے سنہ ۹۱۳ ہجری میں بغداد فتح کیا۔ تو سید محمد کمّول کو نجف اشرف کا متولی اور عراق عرب کے بعض شہروں کا حاکم بنا دیا" راحت افزا کا مصنف اسی سیّد محمد کمّول کی اولاد سے ہے" ......

قوم کومی | "کتاب ساویٹ رُوس" سیاحت رُوس پنڈت جواہر لال نہرو (وزیر اعظم ہند) پبلشرز لاجپت رائے اینڈ سنز "کے صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ "ساویٹ یونین میں تمام اقلیتوں کا شمار خالی از دلچسپی نہیں جن میں "پول" "یوکرینین" "استھونین" جرمن "فنس" "ہبرو" "آرمینین" "سفید رُوسی" "سمر ئیڈ" "آسٹیاکس" "اسکیمو" "قرغیز" "مرکاسین" "ادایت" "ارش" "کومی" "ماری" "انگش" "کالمک یا کلماک" "موردو انسز" "شمالی قفقاز کے" اسائرن "اور" کرائین "ہیں یہ فہرست مکمل نہیں ہے"

قوم کمّا | روزنامہ رہبر دکن حیدر آباد دکن بابت ۳ اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۳ کالم ۳ میں "کمّا فرقہ کی استدعا کی سُرخی کے تحت لکھا ہے کہ "ہمارے "کمّا فرقہ" کی جانب سے ایک درخواست معتمد صاحب مالگذاری کی خدمت میں پیش کر کے انہیں اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ "محفوظ اقوام کی فہرست میں جو بہ اغراض دستور العمل انتقال اراضی تیار ہوئی ہے "قوم کمّا" کو نظر انداز کر دیا گیا ہے "اور "ریڈی" اور "کاپو" قوموں کا ذکر کیا گیا ہے" ...... درخواست یہ ہے کہ "کاپو" کے ساتھ "ریڈی" کو بھی دکھایا گیا ہے "تو کمّا کا ذکر بھی ضروری ہے"

قوم کمّو | تاریخ کمبوہان میں مصنف نے ایک جگہ خود تحریر کیا ہے کہ "اب پنجاب میں ہماری قوم کمبوہ کے نام میں سے "ب" متروک ہو گیا ہے اور یہ "قوم کمبوہ" وہاں "کمّو" بولی جاتی ہے"

معہ خاندان کمگو "کنبوی یا کنبو"

حضرت زبیر رضؓ حواری رسول اللہ صلعم "کی اولاد سے مشہور خاندان ہے۔ جس کا اِسی کتاب میں کافی ذکر آ چکا ہے"

اِسی قبیل کی دیگر اقوام | قوم کوہادت "خاندان کہمانی" و خاندان کہومبو "قوم کنباوت" قوم کونباوت "قوم کمبوج" وخاندان کمبرانی ناموں کی مختلف النسل اقوام اور بھی ہیں ان کے متعلق ہم نے اس کتاب کی دوسری جلد میں جس میں ہم نے مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کی حقیقت دکھائی ہے اور جو اس موجودہ جلد سے بھی ضخیم ہے وضاحت سے لکھا ہے "یہاں اِسی پر اکتفا کرتے ہیں"

دیوتاؤں کی ناخوشی اور رضامندی کا نتیجہ کہتے ہیں۔

کمبا قوم کی عمارات

"ڈمیتا" شاہ بھونپڑے لکڑی اور گھاس کے بناتے ہیں۔ لیکن "ڈوروماؤں" کی طرح ان کے مکانات چھوٹے چھوٹے اور پست قد نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی کمبی چھتیں دس دس فیٹ اونچی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ زراعت بھی کرتے ہیں۔ ان کے کھیتوں میں "مکئی" "تمباکو" "شکرقندی" کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ تجارت کے فوائد سے آگاہ ہوگئے ہیں۔ ان میں سے بعض بعض لوگ "شتر مرغ" "گائے" اور "مرغیاں" پالتے ہیں۔ اور "ممباسہ" کی طرف سوداگری کے لئے لے جاتے ہیں۔ جہاں ان کو معقول منافع ملتا ہے۔ ان کے کھیت عموماً پہاڑی کے پیروں میں ہوتے ہیں۔ "پھاوڑہ" "ہل" یا "کھرپا" وغیرہ کی قسم سے ان کے پاس آلات زراعت نہیں ہوتے ہیں۔ نوکدار لکڑیوں سے زمین کو بنالیتے ہیں۔ اور باران رحمت پر ان کی پیداوار کا دارومدار ہے۔

ان کی ہمسایہ اقوام "مسائی" اور "کمبا" بہت شریر ہیں۔ جس وقت ان بے چاروں کی کھیتیاں تیار ہوتی ہیں۔ لوٹ لے جاتے ہیں۔ لیکن برٹش عملداری ہونے سے بچاؤ ہوگیا ہے۔ اور اب امید کی جاتی ہے کہ یہ لوگ زراعت کا سلسلہ میدانوں اور "دریائے دوہ" کے کنارے کنارے دور تک پھیلا دیں گے۔

قوم کمبوار

روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء مطابق ۴ خورداد ۱۳۴۵ف کے صفحہ ۶ کالم ۲ پر تحریر ہے کہ اشتہار از فکر عدالت منصفی تعلقہ کامات ضلع نارسنگی اسٹیٹ نواب کمال یار جنگ بہادر دام اقبالہ واقع ۱۴ خورداد ۱۳۴۵ف نمبر مقدمہ ۵ رجسٹر بابت ۱۳۴۴ف بہ اجلاس مولوی قمرالدین صاحب منصف تعلقہ کامات۔

ذرسریڈی چیکو ڑشیما (مدعی) بنام لوڑی پوڑی راگھویا (مدعا علیہ) دعویٰ دلاپانے زر نقد مبلغ (۲۶۵ روپیہ ۲ آنہ ۶ پائی) سکہ عثمانیہ۔

بنام لوڑی پوڑی راگھویا ولد بیوراتیا۔ قوم کمبوار۔ عمر تیس سال پیشہ زراعت سکنہ کوڑنگل تعلقہ کامات۔

ہرگاہ مقدمہ صدر میں تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن اجرا ہوئے لیکن ذات پر تعمیل نہیں ہوئی۔ اس لئے حسب خواہش مدعی اشتہار بذا اطلاع اجرا کیا جاتا ہے کہ بتاریخ بیس خورداد ۱۳۴۵ف روز سہ شنبہ بوقت آٹھ ساعت اصالتاً یا وکالتاً مقام مستقر پٹیال حاضر عدالت ہوکر جوابدہی کرو ورنہ بصورت غیر حاضری حسب ضابطہ کارروائی ہوگی۔ آج بتاریخ ۴ خورداد ۱۳۴۵ف میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ (دستخط سررشتہ دار صاحب عدالت)

قوم کمبوا

سہ روزہ اخبار الامان دہلی مورخہ ۲۸ جون ۱۹۳۵ء کے صفحہ ۳ کالم ۴ پر "کوہ ایورسٹ پر ایک اور حملہ" "اس مرتبہ تبت پر چڑھائی کی جائے گی" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "لندن - ۲۵ جون ۱۹۳۵ء بذریعہ برطانوی لاسلکی "رائل جغرافی سوسائٹی" کے جلسہ صدارت کے موقع پر "میجر جنرل سر پرسی کاکس" نے "کوہ ایورسٹ" پر ازسرنو چڑھائی کرنے کے قصد کا اظہار کیا کہ کمیٹی اس مرتبہ لائحہ عمل سے بالکل مختلف پروگرام اختیار کرنے کا فیصلہ کرچکی ہے - ایک مختصر جماعت "مسٹر ایرک شپٹن" کے زیر سرکردگی (جو پچھلی مرتبہ بھی پارٹی میں شامل تھے) "تبت" پہنچ چکی ہے اور مغربی جانب سے چڑھائی کرنے والی ہے۔ اگر ممکن ہوسکا تو جماعت اس امر کا مطالعہ کرے گی کہ پہاڑوں کی مان سون ہواؤں سے قبل کیا کیفیت رہتی ہے۔ "میجر سی جی مارسن" جو "اہل نیپال" اور ان کی زبان سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں "سولہ کمبو قوم" کے قلیوں سے تعلقات بڑھائیں گے۔ جامع تحقیقاتی جماعت اس بہار کے آغاز میں بہم پہنچ جائے گی۔ اور اس مرتبہ بھی اس پارٹی کے لیڈر "مسٹر ہگ رٹلیج" ہی رہیں گے۔

(نوٹ نمبر ۱) قوم کمبوار "خاندیش" اور مرہٹواڑی یا مہاراشٹر میں بھی کافی تعداد میں ہے۔ کاشتکاری اور کھتاب کے پیشے کرتی ہے۔ "شیواجی" کے زمانے میں اس قوم کے لوگ لڑائی کا کام بھی کرتے تھے اور جاسوسی کے کام بھی کرتے تھے۔ "تاناجی" اور "طوبارام" جاسوس تھے۔ بھیس بدل کر گھاٹ گھاٹ پھرتے اور ہر جگہ کی خبریں لاکر مرہٹہ راجاؤں کو سناتے تھے۔

بھی گیرو اور سیاہ مٹی سے چربی ملا کر رنگتے ہیں" اور اپنے اگلے دو دانتوں کو ریتی سے نوکیلا بنا لیتے ہیں۔ ان کی مستورات یا بانکے چھیلا نوجوان مرد
آئینہ کا چھوٹا سا گول ٹکڑا ماتھے پر لٹکاتے ہیں" اور سرخ و زرد چھوٹے موتیوں کی لڑیاں پنڈلیوں اور بازوؤں پر باندھتے ہیں" چونکہ ان کے
مویشیوں کو جنگل میں رہنا پڑتا ہے اس لئے ہر فرد و بشر تیر اور کمان سے لیس ہوتا ہے" اُن کے تیر عموماً چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں" لیکن جنگ
کے موقع پر جو تیر برتے جاتے ہیں وہ قدرے لمبے اور مضبوط ہوتے ہیں" اُن کے پھلوں کو زہر آلود کیا جاتا ہے" اگر ذرا سی خراش جسم پر لگ جائے
تو زخم اچھا نہیں ہوتا" اُن کی مستورات پیتل کے تاروں اور موتیوں کی بڑی دلدادہ ہوتی ہیں" ابھی چار پانچ سال گذرے ہیں کہ یہ لوگ
تاروں کے چند لچھوں اور موتیوں کے عوض گائے اور بکریاں دینے میں عذر نہیں کیا کرتے تھے" لیکن زمانہ کی رفتار دیکھ کر اب یہ لوگ بھی اپنے
مال کی خاطر خواہ قیمت وصول کر لیتے ہیں" موجودہ زمانے میں بکری اور گائے کی قیمت علی الترتیب بیس اور اسی روپیہ پڑتی ہے"
کنواری لڑکیوں کی پہچان یہ ہے کہ اُن کے سر اِرد گرد سے مُنڈے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ٹاپ پر گھنگرو ایک گاؤں میں پانچ
سے لیکر پندرہ جھونپڑے ہوتے ہیں" لکڑیوں کو سیدھا دیوار سا کھڑا کر کے مٹی اور گوبر سے لیپ لیتے ہیں۔ اور گھاس یا سرکنڈوں کی چھت
بناتے ہیں" ہر ایک گاؤں کا ایک سردار ہوتا ہے" اور وہ باہمی تنازعوں اور جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے" سرداری میراث کے طور پر اولاد کو نہیں
ملتی بلکہ جس کے پاس زیادہ گائے بیل ہوں وہ ہی سردار کہلا سکتا ہے" جملہ سرداروں کی سال بھر میں ایک کمیٹی ہوتی ہے" اُس میں سب
بوڑھے اور تجربہ کار لوگ جمع ہوتے ہیں" اور اپنی اپنی ذہانت و تجربہ سے اپنی قوم کے ناتجربہ کار آدمیوں کو مستفید کرتے ہیں"
شادی کی رسم یہ ہے کہ جب لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے کو پسند کر لیتے ہیں تو لڑکی کے والدین کو خبر کی جاتی ہے" اور اُس کی قیمت
جس قدر مویشی مقرر کئے جائیں ادا کرنے پڑتے ہیں" لڑکی خاوند کے ساتھ چلی جاتی ہے" جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک جانور ذبح کیا جاتا ہے"
اور تازہ خون سے نومولود کے چہرے پر تلک لگائے جاتے ہیں" مُردہ دفن نہیں کیا جاتا۔ بلکہ گاؤں سے کچھ فاصلہ پر جھاڑیوں میں چھوڑ آتے ہیں
جہاں وہ صحرائی درندوں کا ناشتہ بن جاتا ہے" سردار قوم البتہ دفن کئے جاتے ہیں"
ڈورو با قوم والوں کی طرح ان کے گاؤں بھی مستقل نہیں ہیں۔ آج یہاں اور دو چار سال بعد دس کوس دور کسی گاؤں میں
پے در پے دو چار اموات کا ہونا دیرینہ مقام کو تبدیل کرنے کا عذر ہوتا ہے"
ایک فوجی افسر کی رائے ہے کہ "یہ لوگ جنگ کے لئے کافی مضبوط نہیں ہیں" اور ان کی جنگ بھی ہمیشہ بے قاعدہ ہوتی ہے"
کسی جنرل یا سردار کی جنگ کے موقع پر اِن کو ضرورت نہیں ہے" جو جس کی مرضی میں آتا ہے کرتا ہے" ایک شخص کا چشم دید بیان ہے کہ ان کی جنگ
صرف اس قدر ہوتی ہے کہ کسی پنہاں مقام سے دو دو چار چار تیر چلا دیئے اور جب ترکش خالی ہو گیا تو گھر کی راہ لی"
ان کے مذہبی خیالات بھی عجیب ہیں۔ یہ لوگ فوق المخلوقات طاقت یا طاقتوں پر ایمان رکھتے ہیں ہر گاؤں کے پاس کوئی بڑا
درخت یا چٹان ہوتا ہے جس سے مشکلات کے حل کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اور وہ مقام اتنا متبرک گنا جاتا ہے کہ اُس کے قریب سوائے
سردار قوم یا پنجاری کے اور کوئی نہیں جا سکتا" خشک سالی کے ایام میں جانوروں کی قربانیاں بھی ایسے مقامات پر ہوتی ہیں" اگر قربانی
کرنے کے دو چار روز بعد یا اُسی دن بارش ہو جائے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اُس درخت یا چٹان نے ہدیہ قبول کر لیا" ورنہ دوبارہ نذر دی جاتی
ہے۔ اور جب تک بارش نہ ہو جائے یہ ہی سلسلہ برابر جاری رہتا ہے" .... یہ لوگ روح کے منکر ہیں" کہتے ہیں انسان کی زندگی مثل
تمام درختوں کے ہے پیدا ہوتا ہے بڑھتا ہے پھلتا ہے پھولتا ہے۔ اور آخر ایک دن سوکھ جاتا ہے" یہ ہی انسان کا حال ہے" یورپین لوگوں کی
نسبت اُن کا خیال قابلِ مضحکہ ہے" وہ کہتے ہیں کہ یہ آدم خور قوم ہے۔ اور سمندروں میں رہتی ہے" بعض کہتے ہیں کہ یہ خدا کے بیٹے ہیں۔ جو کسی
جرم کی پاداش میں آسمان سے نکال دیئے گئے ہیں" ایک گاؤں کے باشندوں کا خیال تھا کہ یہ لوگ کیمپ وغیرہ صرف لوگوں کے دکھانے کو لگاتے
ہیں" ورنہ شب کے وقت سونے کو آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ جب سرویروں کو پہاڑیوں پر دوربین لگا کر دیکھتے تھے تو اُن کا خیال تھا کہ آسمان پر جانے
کا راستہ تلاش کر رہے ہیں" شام کے وقت غروب ہونے کی نسبت بتلاتے ہیں کہ وہ رات کو زمین کے اندر چلا جاتا ہے" اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کو

(۸) "کمارتی" مشہور مصنف رامائن "

(۹) "رانا کوبھا" مسند نشین ۱۴۳۳ء راجپوت " (کارنامۂ راجپوتان صفحہ ۲۶۹ ")

(۱۰) "کیمونی" امریکی جرائم پیشہ گروہ کا ایک سردار " (روزنامہ پیام حیدرآباد دکن ۱۱ جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۳ ")

(۱۱) "مسٹر اے۔ ایس۔ اے کمار اڈیٹر" مدراسی برہمن " انگریزی اخبار دی ہندو مدراس ڈپٹی نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۲ ")

(۱۲) "قنبور اغلو مصطفیٰ آفندی ترک" (روزنامہ رہبر دکن بحصہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۳ ")

(۱۳) "جنرل کمبارا" اطالوی جرنیل " (رہبر دکن حیدرآباد۔ ۱۵ اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۳ کالم ۳ ")

(۱۴) "پول کامبون" سفیر فرانس " (روزنامہ پیام حیدرآباد دکن۔ ۱۶ فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۸ کالم ۵ ")

(۱۵) "مونگ کھومبو" برمی نام ہے " (کتاب حالات برہما کے صفحہ ۳۲ پر ہے کہ "مردوں کے نام اس طرح کے ہوتے ہیں " موکاتی "
" مونگ بوتانگ " مونگ کھومو "

(۱۶) "میوکو کوما موتو" جاپانی عورت کا نام " (رسالہ بیسویں صدی لاہور سالنامہ ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۱۵)

(۱۷) "کام بوریا اوّل شہنشاہ ایران " کیقباد اوّل)

(۱۸) "کام بوزا دوم شہنشاہ ایران " (کیقباد دوم) المتوفی ۵۲۹ قبل مسیح " جس کی اولاد بن جانے کے لئے مؤلف تاریخ کمبوہان نے
ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے "

(۱۹) "کماج بن بہروال بن ہند بن حام بن حضرت نوح " جس کے نام پر ایک شہر بھی آباد ہوا " اس کے نام کی تحریف کرکے
مؤلف تاریخ کمبوہان نے بجائے کماج کے کموج لکھا ہے اور اس کے نام پر بجائے شہر آباد ہونے کے ملک کموج
کا آباد کرنا اپنی جدت طبع سے ظاہر کیا ہے " اور حوالہ تاریخ فرشتہ کا بھی دیا ہے " (دیکھو دستہ و تاریخ کمبوہان)

(۲۰) "مسٹر کمکو" چیف پراونشل گورنمنٹ آف کوریا " (روزنامہ میزان حیدرآباد دکن جمعرات ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء ٹوکیو واخبار بمبئی دکن)

کمبو کے مماثل نام رکھنے والی اقوام

قوم کمبا اسفرنامہ " ادگنڈا و ممباسا " برٹش ایسٹ افریقہ کے حبشی و وحشی باشندوں کے حالات) مطبوعہ خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور دسمبر ۱۹۱۱ء کے صفحہ ۱۲ تا ۱۵ پر تحریر ہے کہ "کلامبورو" سے واپس آکر اب ہم اس مقام پر آتے ہیں " جو "برو لنے" سے شمال کی جانب " جالوس " کے نام آباد ہے " یہ مقام " ممباسہ " سے تین سو دس میل کے فاصلہ پر ہے " شیریں چشموں کے کناروں پر خودرو گلزار وادی مسرت خیز ہے " یہاں " قوم کمبا " کثرت سے آباد ہے " پہاڑ ہونے کی وجہ سے شب کے وقت سردی زیادہ ہوتی ہے " معمولی خیموں میں بلا تین چار کمبلوں کے رات کاٹنی مشکل ہے " پہاڑیوں میں ہر قسم کی گلعذار بیلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہاں ہندوستانی اور انگریزی ترکاریوں کی کاشت کا تجربہ کیا گیا ہے اور نتیجہ خاطر خواہ نکلا ہے " کتان کی " مرچ " سم " اور شکر قندی " کی کثرت سے پیداوار ہے " نشیب میں چھوٹے چھوٹے چشمے خوش منظر تالاب میں لہریں مار رہے ہیں " باشندے اپنے اپنے مویشی چرانے میں مصروف ہیں "

" کمبا قوم " کی طرز معاشرت اور رسم و رواج نہایت عجیب ہیں اور ان کا اندراج ناظرین کے لئے قابل دلچسپی ہوگا " ان کا قد متوسط ہے " نہ لمبا ہوتا ہے نہ چھوٹا لیکن ان کے جسم مضبوط اور سڈول ہوتے ہیں۔ یہ لوگ محنت کش اور بردبار ہیں " ان کی پوشاک صرف ایک بکری یا ہرن کی کھال ہے " جس کو کندھوں پر لٹکائے پھرتے ہیں " لباس سے ستر پوشی مراد نہیں ہے " بلکہ اپنی امارت دکھانا مقصود ہے " انگریزی حکومت کی بدولت اب کپڑا بھی نصیب ہو گیا ہے " مگر بہ سوا گرمے زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا " اور وہ بھی اس بری طرح کہ اس کو گیرو والا چربی میں رنگ لیا جاتا ہے " یہ لوگ دوسری افریقی قوم سے بہت جلد شناخت کئے جا سکتے ہیں " کیونکہ یہ لوگ لباس کی طرح اپنے بدن کو

"دریا" (۹) "دریائے کونبہ یا کنبہر" معاون دریائے کابل "(اقبال نامہ جہانگیری صـ۵ یعنی تاریخ ہندوستان حصہ ۶" مؤلفہ شمس العلماء "مولوی ذکاء اللہ" صاحب - دروزنامہ انقلاب لاہور ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء صـ۲ کالم ۳ و ۴)

"دریا" (۱۰) "دریائے کمبوگا" درجزیرہ نیوگنی "(دیکھو نقشہ نظام گزٹ حیدر آباد دکن - ۱۶ دسمبر ۱۹۴۲ء")

"دریا" (۱۱) "دریائے کیامبے" برہیزل جنوبی امریکہ" (درفرانسیسی اٹیلس")

"دریا" (۱۲) "دریائے کمبوکان" (درجزیرہ سیلون یا لنکا")

"علاقہ" (۱۳) "شہر علاقہ کمبانیہ" درسلطنت اسپین یا اندلس "قرطبہ سے شرقی وجنوبی سمت میں واقع ہے" (ترجمہ کتاب الاحاطہ فی اخبار غرناطہ حصہ اول)

"پہاڑیاں" (۱۴) "کمباتی یا گومباتی کی پہاڑیاں" درصوبہ سرحد ہند" (روزنامہ انقلاب لاہور یکم و ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء صـ۵ کالم ۲ و ۳)

"خلیج" (۱۵) "کھمبایت یا کمبایت یا کھمبے" گجرات کاٹھیاواڑ کی مشہور خلیج ہے" دیکھو نقشہ جات ہند درسی")

"پہاڑ" (۱۶) "کوہ کامبا" درہند" (روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن - ۱۲ جون ۱۹۳۷ء صـ۲ کالم چار")

"پہاڑ" (۱۷) "کوہ کمبالا" درشہر بمبئی" درہنمائے مسافران ہند حصہ اول صـ۵۸ ورفیق مسافران صـ۳۷")

"پہاڑ" (۱۸) "کوہ کھمبانگ" (درملک سیام")

"پہاڑ" (۱۹) "کوہ کمبالو" (درجزیرہ بورنیو") اور "کنبا چین" چوٹی ہمالیہ پہاڑ (۲۵ ہزار ۸۰ فٹ بلند) کنچنجنگا چوٹی سے تبت کی سمت میں

"جزیرہ" (۲۰) "جزیرہ کیمبوہی" درمشرق اقصیٰ" (روزنامہ رہبر دکن - ۱۹ دسمبر ۱۹۳۷ء صـ۳ کالم ۳")

"قلعہ" (۲۱) "کمبا فورٹ" درکشمیر" (روزنامہ انجام دہلی ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء صـ۴ کالم ۱")

"قلعہ" (۲۲) "کنبہ کوٹ" درگجرات" (مراۃ محمدی یعنی مکمل تاریخ اسلامی گجرات صـ۲۶")

"میدان" (۲۳) "میدان ہائے کمبانیاں" درملک اٹلی" (حالات روما یعنی تاریخ سیر المتقدمین صـ۳۴")

"گھاٹی" (۲۴) "کھمبو گھاٹی" سرحد روس وافغانستان پر" (روزنامہ اودھ اخبار لکھنؤ" ۲۷ فروری ۱۸۸۵ء نمبر ۵۰ جلد ۲۷ - صـ۵۸۷" و "اخبار خیر خواہ عالم دہلی یکم مارچ ۱۸۸۵ء نمبر ۹ جلد ۱۲ - صـ۸) بحوالہ اخبار انگریزی پائنیر الہ آباد ۲۱ فروری ۱۸۸۵ء)

"ندی" (۲۵) "کنباس ندی" معاون دریائے گوگا" (اکبرنامہ جلد سوم صـ۱۲)

"دریا" (۲۶) "دریائے کنپانگ" درجزیرہ بورنیو" (ازکتاب خوفناک دنیا" در انقلاب لاہور ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء صـ۱۵ کالم ۲")

"کمبوہ" اور اس کے مماثل نام کے اشخاص دنیا کے مختلف حصوں میں

جس طرح کمبوہ اور اس کے مماثل نام کی مختلف النسل بہت اقوام دنیا کے مختلف حصوں میں ہیں اسی طرح مختلف ممالک میں اشخاص کے نام بھی ہیں ملاحظہ ہو"

(۱) جنرل کمبو چینی" (روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن" ۶ دسمبر ۱۹۳۷ء صـ۱ کالم ۲")

(۲) ایم کیمبن سفیر فرانس" (کتاب تفصیلی کا میدان جنگ صـ۲۹")

(۳) لارڈ کمبرلی کالونیل سیکرٹری گورنمنٹ برطانیہ" (کتاب جنگ ٹرنسوال صـ۵۵ و ۴۵")

(۴) "مسٹر اے ڈی کومبی آئی سی - ایس - انگریز معتمد مال ریاست نظام دکن" (روزنامہ پیام حیدر آباد دکن ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء صـ۴ کالم ۴")

(۵) "مسٹر جان ایبرکومبی انگریز لیڈر ترقی پسند جماعت مجلس مقننہ بمبئی" (روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء صـ۲ کالم ۴)

(۶) "کمبہ کرن" راون راجہ لنکا کا بھائی" (روزنامہ انقلاب لاہور" ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء صـ۴ کالم ۱")

(۷) "این آر کمبھادی" ہندوستانی کرناٹکی" (روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن ۲۳ دسمبر ۱۹۳۷ء صـ۲ کالم ۱")

(۳) "کھمالیا" راجکوٹ سے دوارکا جانے والی ریل پر جام نگر سے آگے اسٹیشن ہے " دو نقشہ ریلوے ہندوستان مرتبہ زیر نگرانی کرنل کمانڈنٹ ای اے ٹنڈلے اسپیرسروے جنرل ہندوستان "۔)

(۴) " شہر کھماٹا " در ملک حبش افریقہ " در روزنامہ رہبر دکن ۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱ و ۳ ")

(۵) " کمبالا " در یوگنڈا علاقہ افریقہ " انقلاب لاہور ۔ ۲ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۳ ")

(۶) " کنکبالو " در رسالہ رہبر دکن یکم مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲ و ۳)

(۷) " شہر کنبالو " در افریقہ " اس شہر کا ذکر علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۵ ہجری نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے " رعلیگڈھ میگزین ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۷۵ و ۷۶)

(۸) " کمبار " سرحد سندھ و بلوچستان " لاڑکانہ و شہداد پور کے درمیان " نقشہ ریلوے ہندوستان مرتبہ سید معصوم علی سرواری ")

(۹) موضع کمبائے " در صوبہ خاندیس "

(۱۰) " قصبہ کمبھائے پال " در ریاست نظام دکن اورنگ آباد سے جالنہ جانے والی سڑک پر ہے " (ایڈوٹائم ٹیبل ان روڈ ٹرانسپورٹ اسٹیٹ ریلوے روڈ سروس صفحہ ۲۱۶ ")

(۱۱) " قصبہ کمباوی " در ضلع گلبرگہ ریاست نظام دکن " دیکھو نقشہ ریاست نظام ")

(۱۲) " شہر کمونا " در اسپینش مراکو شمالی افریقہ " در روزنامہ تیج دہلی ۲ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ کالم ۱ و ۲ ")

کمو اور اس کے مماثل ناموں کی ۔ گھاسیں " لکڑیاں " اناج " پرند " حطاب " علاقے " پہاڑیاں " جھیلیں " دریا " جزائر " گھاٹیاں " قلعے " میدان

(۱۹۹۹)

بحری گھاس " (۱) کومو " ایک قسم کی بحری گھاس کا نام ہے جس کا پتہ لمبا اور چوڑا ہوتا ہے " جسے جاپانی دلہن کو تحفہ میں دیتے اور اس سے اولاد ہونے کی امید لیتے ہیں۔

" گھاس " (۲) کمبھی " ایک قسم کی گھاس کا نام ہے " رکتاب ایلیمنٹری جنرل سائنس پارٹ دو برائے کلاس چہارم اینگلو ورنیکلر اسکول صفحہ ۲۵)

۔ درخت " (۳) کمبہ " ایک درخت کا نام ہے جو ہندوستان کے مختلف حصوں میں بکثرت ہوتا ہے " رکتاب ماضی یعنی مرمیکرس میول آف ٹریڈنگ کا ترجمہ حصہ دوم صفحہ ۵ سطر ۳ ")

" اناج " (۴) کمبو " تامل یا اروی زبان میں جو صوبہ مدراس کے ایک حصہ میں بولی جاتی ہے " باجرے " کو کہتے ہیں " رہنمائے مسافران ہند حصہ اول صفحہ ۱۸۲ و ۱۸۶ بولی جیسر لا اور بلا کا چہرہ و قصبا کی پیداوار کے حالات میں ") در روزنامہ نظام گزٹ حیدرآباد ۵ جولائی ۱۹۴۲ء)

" سینگ لکڑی " (۵) " کومبو " کنڑی زبان میں " سینگ " کو کہتے ہیں " اور اروی یا تامل زبان میں " سنگ " کو بھی کہتے ہیں اور لکڑی یا چھڑی کو بھی کہتے ہیں "

" چھڑی " (۶) " کوبلی " کومبو " اروی یا تامل زبان میں ۔ ہاتھ کی چھڑی کو کہتے ہیں "

" پرند " (۷) " کمبھا " ایک حلال پرند کا نام ہے " اس کا ذکر ملک محمد جائسی نامور ہندی شاعر نے اپنی ایک نظم میں کیا ہے جسکہ علاؤالدین خلجی کی فوج راجپوتنی والی چتوڑ کے کی تھی اس موقع پر بیان ہے اپنے میر مطبخ کو جن جن جانوروں کے فراہم کرنے اور پکانے کا حکم دیا ہے شاعر نے اس کی تفصیل بتائی ہے " کمبھا پرند کا ذکر اس شعر میں کیا ہے ۔

دھرے پریوا " پانڈک ہری " کمبھا " کدرو " اد تر گیری
ترجمہ ۔ شکار کئے کبوتر " فاختہ ڈھونڈ ۔ کمبھا " کدرو " اد گیری کو بھی لا

(اخبار سرگذشت علیگڈھ ۔ ۱۶ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱)

[illegible]

جس کے نیچے کے حصّہ کو "جہانگیر" نے "کامہ" لکھا ہے" اس کو اب "لنڈی مالن" کہتے ہیں۔ "پنجکورہ" کے ملک سے "لنڈی" نکلتی ہے" اور تقریباً جنوب میں بہہ کر "پشاور" کے سامنے "دریائے کابل" میں ملتی ہے" "جلال آباد" سے "پشاور" تک اس کو "کامہ" کہتے ہیں"

...... یہاں سے ایک منزل درمیان "سرائے بارہ" میں ہوئی" "سرائے بارہ" کے مقابل میں "اب کامہ" کے اس طرف ایک قلعہ "زین خان" کوکہ" نے اس وقت بنایا تھا کہ وہ "یوسف زئی" "افغانوں" کے استعمال کے لئے گیا تھا۔ اور اس کو "نوشہرہ" سے موسوم کیا تھا۔ اور اس میں پچاس ہزار کے قریب خرچ ہوا تھا" کہتے ہیں کہ "حضرت ہمایوں" نے اس سرزمین میں "گورخر" کا شکار کھیلا تھا"..

روزنامہ انقلاب لاہور کا بیان

دریائے کنیہ | واقع صوبہ مشرقی افغانستان" روزنامہ انقلاب لاہور" ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء کے صـ۲ کالم ۳ میں "افغانستان" کے بعض دریاؤں میں سیلاب" متعدد مویشی ہلاک ہوئے" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ" کابل" (ڈاک سے) بارش کی شدت کی وجہ سے" دریائے کنیہ" صوبہ مشرقی میں" زبردست سیلاب آیا" جس کی وجہ سے ایک آدمی ہلاک" اور اٹھارہ مویشی ہلاک ہو گئے" ایک چکی اور پچاس گھر بھی ویران ہو گئے۔ ان کا سارا مال واسباب دریا برد ہو گیا" اسی طرح دریا کے کنارے بہت سی فصلیں تباہ ہو گئی ہیں" "درو ک" وغیرہ سے بھی بارش کی شدت کی اطلاع ملی ہے" معلوم ہوا ہے کہ" سیلاب کے پانی نے دروں سے نکل کر" عجیب صورت اختیار کر لی تھی۔ جس کی وجہ سے متعدد مویشی ہلاک ہو گئے ہیں"

کمبو اور اس کے مماثل ناموں کے اور بہت شہر دنیا کے مختلف حصّوں میں

کتاب ہینڈ بک برائے سفر فرانس کے صـ۵۶۵ پر حسب ذیل شہروں کے بھی نام دیئے ہیں"

(۱) کمبو" (۲) کمپاکرس" (۳) کمبرالی" (۴) کمباٹ ڈیس ٹریٹ" (۵) کمبے ڈی میلوال"

کتاب تھسلی کا میدانِ جنگ (ملک یونان) میں" جہاں جہاں ترکی اور یونانی فوجیں مقیم تھیں اُن میں "کمبور کی نا" نامی قصبہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ایک فرانسیسی اٹلس میں یہ شہر ہیں" (۱) کمبلٹین" اسکاٹ لینڈ میں" (۲) کمبے ریس" اسپین میں" (۳) کمبو" اسپین میں" (۴) کامیل" اسپین میں" (۵) کیمبو لنگ" گلیشیا میں" (۶) کمبولی" البانیا میں" (۷) کمبوج" شہر و ضلع و راس در سلطنت انام" (۸) کمبوہی" برازیل جنوبی امریکہ" (۹) کمبلین" در بلجیم" (۱۰) کمبو" سرحد پر نیز جانب فرانس" (۱۱) کمبو فورمو" بر لب دریائے ڈینیوب"

ہندوستان کے اسکولوں میں رائج میکملین اور دوسری اٹلسوں میں بھی مندرجۂ ذیل شہر دیکھے جا سکتے ہیں"

(۱) شہر کمبوا" چینی صوبہ نانکنگ مقبوضہ فرانس میں" (۲) کمپیا" ہند چینی مقبوضہ فرانس میں" (۳) کمبے" شہر و خلیج در کاٹھیاواڑ گجرات"
(۴) کمبارلی گھاٹ" قصبہ درمیان ستارہ اور رتنا گیری کے در صوبہ بمبئی"
(۵) کمبم" ریلوے اسٹیشن ہے در ضلع کرنول صوبہ مدراس" (۶) کمباکونم" در ضلع تانجور صوبہ مدراس" (۷) کمبو یا جنداد" در صوبہ مدراس"
(۸) کوامبایا" در جزیرہ سیلون یا لنکا" (۹) کمبوڈیا یا کمبوجا" ہند چینی مقبوضہ فرانس" (۱۰) لے کمبو" در سیلون یا لنکا"

نیو پکٹوریل اٹلس آف دی ورلڈ ان اردو کے صـ۲۲ پر ہمیں ملک تبت میں دو شہر یہ اور ملے ہیں"

(۱) کمبو لاڈوار" (۲) کمپا ژونگ" (کمبوجا)"

دیگر شہر جو ہمیں مختلف کتابوں اور اخباروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ وہ یہ ہیں"

(۱) کمبالوک" ملک خطا کا پایۂ تخت" (سفرنامہ مارکوپولو مؤلفہ ۱۲۹۸ء)"
(۲) کوبنبھی" سرکار لکھنؤ" (آئین اکبری جلد دوم حصّہ اوّل صـ۵۵۴)

ترجمہ فتوح البلدان بلاذری کے صفحہ ۱۵۵ تا ۱۵۸ پر ہے کہ "محمد بن قاسم" نے "مکران" سے روانہ ہو کر "شہر قنزبور" پر حملہ کیا۔ اور پھر "ارمابیل" "قنبل و دیبل" (مرو کراچی) کو فتح کیا۔ ان شہروں کے بعد "نیرون" کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کر لی۔ پھر وہ دریائے سندھ کی ایک شاخ سے اُتر کر اور "سربیدس" والوں پر خراج مقرر کر کے "سہرج" گئے۔ اور آگے بڑھ کر "سیوستان" کا محاصرہ کر لیا۔

شہنشاہ بابر کا بیان

شہنشاہ بابر نے اپنی خود نوشت سوانح عمری موسوم "ترک بابری" میں سنہ ۹۰۰ ہجری کے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ "سنہ ۹۰۰ ہجری میں حسن یعقوب باغی ہوا لیکن میرے ایک سپاہی کے تیر سے مارا گیا۔ اسی سال میں نے مشتبہ کھانے سے پرہیز کیا یہاں تک کہ چھری، چمچ اور دسترخوان کی بھی احتیاط ہو گئی۔ نماز تہجد بھی کم قضا ہوتی تھی۔ ماہ ربیع الثانی میں "سلطان محمود میرزا" تینتالیس برس کی عمر میں مر گیا۔ سلطان محمود کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے بایسنقر میرزا کو اُمرا نے "سمرقند" کے تخت پر اٹھارہ برس کی عمر میں بٹھایا۔ اسی زمانے میں سلطان حیدر برلاس نے اور بعض اکابر "سمرقند" کی تحریک سے "محمود خان" نے فوج کشی کی اور "کنبائی" کے نواح میں آ گیا۔ بایسنقر میرزا نے اپنی فوج لے کر "کنبائی" کے مقام پر مقابلہ کیا اور فتح پائی۔"

اور سنہ ۹۰۱ ہجری کے واقعات میں ارقام فرمایا ہے کہ "بایسنقر میرزا کے بھائی "علی میرزا" نے بایسنقر میرزا کو شکست دی۔ اور "سمرقند" کی طرف چلا۔ یہ خبر عید کے چاند کے بعد پہنچی۔ میں بھی "سمرقند" کے لئے موقع سمجھ کر اسی ماہ میں روانہ ہوا۔ سلطان مسعود میرزا بھی "سمرقند" لینے کے خیال سے "شہر سبز" پر آ گیا۔ اہل "سمرقند" کیل کانٹے سے درست تھے۔ اس لئے میں "اندجان" پلٹ آیا۔ "شیرز" اور "کنبائی" کے نواح سے۔ مہدی سلطان بھاگ کر "سمرقند" چلا گیا۔ اور "حمزہ سلطان" مقام "رابین" سے اجازت لے کر "سمرقند" پہنچا۔ مہدی سلطان نے "عبدالکریم" کو شکست دی۔ ان سلاطین نے جب دیکھا کہ مرزاؤں کی سرکار میں ڈگمگا رہی ہے تو وہ سب "شیبانی خان" کے پاس چلے گئے۔"

شہنشاہ جہانگیر کا بیان

دریائے کوسہ یا کامہ معاون دریائے کابل

اقبال نامہ جہانگیری یعنی تاریخ ہندوستان حصہ چہارم تالیف شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب کے صفحہ ۵۳۵ پر تحریر ہے کہ "امیر الامرا اپنا سامیف اور سیالکتا کہیں لے۔ "شہنشاہ جہانگیر نے" "اٹک" میں اُسے چھوڑا اور کشتیوں کو حکم دیا کہ "کابل" کی ولایت لشکر عظیم کی برداشت نہیں کر سکتی۔ سوائے نزدیکوں اور مقربوں کے کوئی دریا سے عبور نہ کرے۔ میری معاودت تک "اٹک" میں رہیں۔ اور چہار شنبہ دوازدہم کو شاہزادوں اور چند خاصوں کو ساتھ لے کر جاسہ پر سوار ہو کر آب نیلاب سے سلامت گذرا۔ (نیلاب ایک ہندی لفظ ہے جس کے سبب سے اس دریا کا نام بدل گیا۔ نیلاب "اٹک" مشہور ہوا) شمال مشرق سے نیچے کی طرف اس کو "اباسین" کہتے ہیں۔ اور یہ کالا باغ سے "اٹک" تک اس کو "اٹک" کہتے ہیں۔ اور اس کے ہمسایہ کے "ہندو" "سندھ" کہتے ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے اپنے دھرم شاستر میں یہی نام پڑھا ہے۔"

اور "دریائے کامہ" کے گرد و پیش ہوا۔ یہ دریا "جلال آباد" کے نیچے بہتا ہے۔ "دریائے کامہ" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ "جلال آباد" کے مقابل ایک قصبہ کا نام ہے۔ وہاں "دریائے کابل" سے "دریائے کوسہ" ملتا ہے) کو "نیمہ" ہی کو "کامہ" کہتے ہیں۔

---

۱ نوشتہ شہنشاہ بابر نے اپنی تخت نشینی کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "میری بارہ برس کی عمر تھی، پانچویں رمضان ۸۹۹ ہجری تھی جو ملک فرغانہ میں بادشاہ ہوا۔"

آوردند۔

پس "محمد قاسم" چون "بجہرا" برفت و "سمنیان" در رابقۂ اطاعت آوردند و در حصار "سیوستان" در آمدو ایمن شدند و عمال و نواب خود را بر مہمات ولایت نصب کرد و نواحی و اہتمام و عہدۂ او کرد۔ پس ہر جا کہ زر و نقرہ بود اختیار کرد و سیم و پیرایہ و نقود ہمہ بستند الا از "سمنیان" کہ با وے عہد وثیق کردہ بودند۔ پس آنچہ حق لشکر اسلام بود بداد و خمس بیرون آورد و در بخزانہ دار "حجاج" (دیسرائے ولید بن عبدالملک و چچائے "محمد بن قاسم") تسلیم کرد۔ و آں فتحنامہ بہ "حجاج" بنشست۔ و راوتان را نامزد فرمود و غنیمت ببرده فرستاد۔ وخود آنجا مقام کرد۔ بعد از دو سہ روز کہ از مہم خمس و حصۂ حشم بپرداخت، روئے بہ حصار "سیسم" آورد و جماعت بودہیہ و ملک "سیوستان" نصب فرمود۔ با باقی حشم بمنزلے کہ آنرا "بندھان" گویند نزول کرد بر کنار "کنبہ" و سکان حوالی آں موضع جملہ کفار بودند۔ چوں لشکر اسلام را دیدند جملہ متفق شدند کہ شبخون آرند تا ایشاں متفرق گردانند۔

اور قلعہ میں لاکر اُسے ٹھیرایا۔

جب بجہرا چلا گیا اور سمنی لوگوں کو مطیع کر لیا تو محمد قاسم نے سیوستان میں آکر اطمینان سے قیام کیا اور اپنے سرداروں اور امیروں کو ولایت کی مہمات پر مقرر کیا اور اُن کے علاقوں اور عہدوں کا انتظام کیا اور جس جگہ کہ سونا چاندی تھا اور نقود و جواہر اور زیبائشی چیزوں کو قبضہ میں کر لیا۔ لیکن سمنیوں سے کہ انہوں نے عہد وثیق کر لیا تھا جو حق لشکر اسلام کا تھا دیا اور پانچواں حصہ اُس میں سے نکال کر حجاج (دیسرائے ولید بن عبدالملک اور چچا محمد بن قاسم) کے خزانہ دار کو دیا۔ اور فتحنامہ اس کا حجاج کو لکھا اور راوتوں کو نامزد فرمایا اور غنیمت لے کر بھیجی اور خود وہاں مقام کیا۔ دو تین کے بعد جب مہم خمس اور حصۂ حشم کا انتظام کر چکے تو قلعہ سیسم کی طرف تشریف لائے اور ایک جماعت کو بودھیہ اور ملک سیوستان پر مقرر فرمایا اور باقی حشم کے ساتھ دریائے کنبہ کے کنارے اُس منزل پر جسے بدھان کہتے ہیں آکر قیام کیا۔ اُس جگہ کے حوالی کے رہنے والے سب کفار تھے۔ جب انہوں نے لشکر اسلام کو دیکھا تو سب متفق ہو کر شبخون لائے۔ لیکن اُن کو متفرق کر دیا گیا۔

اِس کے آگے "چچ نامہ" کے صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۲ پر تحریر ہے کہ "تان کے سردار" "کاکہ کوتک" نے اگلے دن اپنے فرمانبرداروں اور دوستوں کے ساتھ "محمد بن قاسم" کے پاس جاکر اطاعت قبول کرلی اور ہر طرح کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ "محمد بن قاسم" نے خوش ہو کر "کاکہ کو" ریشمی لباس پہنا کر اُس کے سر پر پگڑی باندھی۔ اور اُسے ہی وہاں کے نظم ونسق پر مامور کر دیا۔

یہاں سے "محمد بن قاسم" کوچ کر کے "شہر سیسم" پر جہاں "بجہرا"[2] پناہ گزیں تھا، حملہ آور ہوئے۔ دو دن کی لڑائی کے بعد "بجہرا" اور اُس کے بہت سردار مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔ بعض نے "قلعہ بہتلو" میں جو "سالوج" اور "قندابیل" کے درمیان تھا جاکر وہاں سے امان نامہ کی درخواست کی اور سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کرکے اپنی طرف سے کفیل بھیج دیئے۔ اور "چچ نامہ" کے صفحہ ۱۲۴ تا ۱۳۰ پر ہے کہ بعد فتح "سیسم" "محمد بن قاسم" نے وہاں "حمید بن ذواع النجدی" اور "عبدالقیس آل جارود" کو حاکم کیا۔ "سیسم" ہی میں "محمد بن قاسم" کو "حجاج" کا خط ملا جس میں انہیں "نیرون" واپس جانے اور وہاں سے "راجہ داہر" پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا تھا۔ اِس لئے وہ "نیرون" واپس آگئے۔

نوٹ ۱۔ علاقہ بدھیہ اُن دنوں جس شخص "کاکا پسر کوتک" کے ہاتھوں میں تھا، وہ سمائی یعنی بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ بدھیہ کی حکومت کا مستقر "شہر سیسم" تھا جو "دریائے کنبہ" کے کنارے واقع تھا۔

نوٹ ۲۔ "بجہرا" یعنی بج رائے "چندر کا بیٹا" اور "راجہ داہر" کا بھتیجا تھا۔ اور قلعہ و شہر "سیوستان" کی حکومت اُس کے سپرد تھی۔ جب وہ "کاکا" کے پاس بھاگ گیا، تو "سیوستان" نے اطاعت قبول کرلی۔ "سیوستان" سے "محمد بن قاسم" "قلعہ سیسم" کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں "بندھان" ایک مقام تھا جو "دریائے کنبہ" کے کنارے واقع تھا۔ وہاں کے لوگ بدھ مذہب کے پیرو اور قوم کے جاٹ تھے۔ اُن کے سردار "کاکا" نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے "محمد بن قاسم" کی اطاعت اختیار کرلی۔)

کرد و صد تہاد ادشد و عزم بالا کرد بولایاتِ برہمپور و کرور و اشہار و شرطِ خدمت را قیام نمود و از آنجا تا حدِ کسمہ و کشمیر رسید

اور آگے کا ارادہ کیا برہمپور اور کرور اور اشہار کے راجے شرطِ خدمت بجا لائے اور وہ وہاں سے کسمہ اور کشمیر کی حد تک پہنچا

ہیچ شاہے با وے مقابل نشد۔ کرا ورا منع و زجر کرد کہ ملک تعالے چوں کسے را بزرگ گرداند ہمہ ہیچ یار دے آساں گشت و جملہ مراد یافت۔ در کنار آں دیار موضع کہ میر سید مسلم میشد تا حصار شاکلہا رسید و آں موضع بالا تر کسمہ است و سرحد کشمیر است

کوئی بادشاہ اس کے مقابلے میں نہیں آیا۔ کہ اس کی روک ٹوک کرتا خدائے تعالے جب کسی کو بڑا بناتا ہے تو ساری تکلیفیں اس پر آسان کر دیتا ہے اور ساری مرادیں اس کی پوری کر دیتا ہے جس جگہ گیا وہ قبضہ میں آگئی۔ وہ کسمہ سے آگے قلعہ شاکلہا تک پہنچا جو سرحد کشمیر ہے

ہم بدیں مقام کرد و مدت یک ماہ توقف کرد و ملوک آں نواحی بعضے را قہر کرد۔ و بعضے تحت فرمان و بیعت خود آورد۔ و امرا و ملوک آں نواحی عہد و ثیق بست و مملکت استقامت پذیرفت

وہ وہاں مقام کر کے ایک مہینہ ٹھیرا اس نواح کے بعضے سرداروں پر اُسے سختی کرنی پڑی اور ماسوائے اُن کے دوسروں نے خود اُسکی اطاعت کرلی اور اُس نواح کے امیروں اور سرداروں سے اُس نے عہد وثیق باندھے اور اُس کی سلطنت مستحکم ہو گئی

تاریخ سندھ جلد اوّل مؤلفہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے صفحہ ۵۹ پر اور چچ نامہ میں ہے کہ جس سال رسُول مقبول صلعم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور سنہ ہجری شروع ہوا چچ نے تخت پر بیٹھکر راجہ ساہسی کی رانی سوہن دیوی کو اپنے عقد میں لے لیا پھر دوج کہرا کا خزانہ کھولکر۔ انعام و اکرام دیکر سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض حضرت عثمان غنی رض حضرت علی رض حضرت امیر معاویہ رض اور حضرت عبداللہ بن زبیر رض کی خلافتوں کے زمانوں میں بھی سندھ پر جس کے حدود میں اُس وقت مشرقی افغانستان و سارا بلوچستان و مکران و پنجاب اور کچھ حصہ راجپوتانہ کا شامل تھا) حملے ہوئے تھے

ولید بن عبد الملک اموی کی سلطنت کے زمانہ میں محمد بن قاسم کی سپہ سالاری میں ۹۳ ہجری میں جو حملہ سندھ پر ہوا اس میں تمام سندھ فتح کر کے عربوں نے اپنے زیر نگیں کر لیا اور وہاں مستقل طور سے اُن کی حکومت قایم ہو گئی یہ حملہ جس وقت ہوا ہے اس وقت سندھ پر۔ راجہ چچ کا بیٹا راجہ داہر حکمران تھا جو اس لڑائی میں قتل ہو گیا تھا

محمد بن قاسم کے فتح سندھ کے حالات میں چچ نامہ کے صفحہ ۱۱۱ تا ۱۲۱ پر تحریر ہے کہ

لشکر اسلام بداں مقام معلوم کرد و عزم ستد و محمد قاسم ...س در جنگ متواتر فرمود مدت نزدیک یک ہفتہ حصاریان دست از جنگ بکشیدند چوں کہ ایشاں دانست کہ حصار تنگ آمد از دروازۂ شمالی بوقت آنکہ عالم در حجاب قیر گوں پنہا شد از آب عبرہ کردہ متواری شد و بگریخت تا بحد لودہیہ رسید و آں وقت ملک لودہیہ کاکا بن کوتک بن لودہ بن سمی بن ہکو بود و حصار او بیسیم بر لبِ آب کنبیہ بود و اہل لودہیہ و مقدماں آں نواحی باستقبال آمدند و پیش حصار۔ اُو را فرود

لشکر اسلام اُس مقام کو معلوم کر کے آرایش میں بٹ گیا اور محمد قاسم نے رات دن جنگ کی قریباً ایک ہفتہ میں قلعہ والوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا جب گھبرائے جان لیا کہ قلعہ پر تنگی ہے تو اس نے شمالی دروازے سے جو اندھیری رات میں نظروں سے چھپا ہوا تھا۔ دریا کو پار کیا اور چھپکر بھاگ گیا یہاں تک کہ لودہیہ کی حد میں پہنچ گیا اُس وقت لودہیہ کا سردار کاکا بن کوتک تھا سمی ہکو اور اُس کا قلعہ بیسیم دریائے کنبیہ کے کنارہ پر تھا اہل لودہیہ اور اُس پاس کے چودہری اُس کے استقبال کو آئے

نوٹ:- شاکلہا کنبیہ کا مشہور قلعہ سرحد پر واقع تھا

علامہ مسعودی کا بیان

شہر کبمایہ | علامہ مسعودی نے جنھوں نے ۳۰۳ھ ہجری میں "سندھ" وغیرہ ممالک کی سیاحت کی ہے" اپنی کتاب مروج الذہب ومعادن الجواہر کی جلد اوّل میں جو عربی اور اُس کے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ "پیرس" کی مطبوعہ ہے" اور کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے" اس کے الباب السادس العشر میں صفحہ ۲۳۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ "سندھ" پہلا سمندر جو "بصرہ" سے ملحق ہے "الابلّہ" اور "بحرین" ہے اُس کے بعد بحر لاروی تھا اور اُس پر "بلاد صیمور" تھا اور "سوبارہ" اور "تابنہ" اور "سندان" اور "کبمایہ" وغیرہ دیگر "ہند و سندھ" میں سے ہیں"

اور صفحہ ۳۰۵ و ۲۴۹ پر ہے کہ "اور میں نے دیکھے بہت سے لوگ جو "بلاد صعد" کو بوشاد کے پہاڑ پر گئے ہیں تبت تک۔ اور چین میں تھا اور بلاد خراسان و ہستک" جوملا ہوا ہے۔ بلاد خراسان" اور "سندھ" سے" جس کے بعد "منصورہ" ہے" اور "ملتان" ہے" اور ملے ہوئے چلے گئے ہیں۔ سندھ سے "خراسان" تک۔ اور اسی طرح ہندوستان تک" یہاں تک کہ مل گئے ہیں۔ یہ ممالک "الملتان" یعنی بلاد زابلستان تک"

اور یہ بلاد وسیع ہیں اور مانے جاتے ہیں "سلطنت فیروز ابن کبک" سے تھا اور اُن میں عجیب عجیب ناقابل تسخیر قلعے ہیں" بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں" اور بہت سی قومیں ہیں" لوگوں نے اُن کے حسب و نسب میں بڑا اختلاف کیا ہے" پس بعض اُن میں سے وہ ہیں جو اُن کو ملاتے ہیں ساتھ لڑکے "یافث بن نوح" کے" (یعنی مغولیس ہیں") اور بعض وہ ہیں جنھوں نے اُن کو ملایا ہے" ساتھ "فرس اوّل" کے" ایک نسب نامہ طویل سے"

اور صفحہ ۳۷۲ پر تحریر ہے کہ "قندھار کا بادشاہ "ملوک سندھ" میں سے ہے اور اس کے پہاڑ "رہج" کہلاتے ہیں" یہ نام جو ہے زیادہ مشہور ہے" اور صفحہ ۳۷۳ پر ہے کہ "کشمیر" ایک ملک ہے" سندھ کے ملکوں میں ایک" اور اس کے پہاڑ ایک بڑی سلطنت ہیں جس میں بہت سے شہر واقع ہیں"

اور صفحہ ۳۸۲ پر تحریر ہے کہ "منجملہ اور باتوں کے یہ ہے کہ "سندھ" تھا اور ہند" کے بادشاہوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کو دھمکا اور ڈرا سکے اپنے ملک میں" جیسا کہ "بلہری" ہے" پس اسلام اُس کے ملک میں بلکہ مرتبہ اور محفوظ ہے" مسلمانوں کی مسجدیں اور جامع مسجد وہاں ہیں۔ اور پانچوں وقت نمازیوں سے معمور رہتی ہیں"

چچ نامہ کا بیان

شہر کبماوہ" علاقہ کبماوہ" اور دریائے کنساوہ" کی موجودگی کے سندھ میں شواہد | فتح نامہ سندھ" المعروف بہ "چچ نامہ" تالیف علی بن حامد ابو بکر الکوفی در ۶۱۳ ہجری بہ سعی و اہتمام مجلس مخطوطات فارسیہ حیدر آباد دکن طبع در مطبع علمی دہلی ۱۳۵۸ ہجری م ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۱۲ تا ۱۹ پر راجہ سی ہرس بن ساہسی" کے حالات میں لکھا ہے کہ"

"شہر اروڑ کہ دار الملک "ہند و سند" است شہرے بود معظم" آراستہ بانواع عمارات و ایوان و باغ و حیاض و انہار و ریاض و ازبار" بر "آب سیحون" کہ آنرا "مہران" گویند۔ و این شہر را بہت بالائے بود" نام وے "سی ہرس بن ساہسی" راے" پادشاہے بود وافر و دفائن متواتر" عدلش در عالم منتشر" و سخاوت

"شہر اروڑ جو دار الملک ہند اور سندھ کا ہے" بہت بڑا شہر تھا" طرح طرح کے محلوں اور مکانوں اور باغوں اور حوضوں اور نہروں اور سبزے سے آراستہ اور دریائے سیحون پر جسے مہران کہتے ہیں آباد تھا" اس شہر کا ایک بیک بخت راجہ تھا۔ اُس کا نام "سی ہرس ابن ساہسی" مانے تھا" اُس کے پاس خزانے بے شمار تھے اُس کے

نقشہ بلاد سندھ

المشرق — بحر فارس — کیچ مکران

الطوائف من السندھ

المنصورہ
الدیبل
قندابیل
کرکانان
سوبارہ
بلری
قالری
انری
الرور
بسمد
الملتان
تیز
ارمابیل
قنبلی
قصدان
محالی
سدوسان
سوان
ارکز
قصرقند
مسلی
الشمال
حد مفازۃ کرمان و سجستان

نقشہ وادی دریائے سندھ مطابق جغرافیہ ابن حوقل

(یہ نقشہ کرنل سر تھامس ایچ ہولڈچ کے۔سی۔ایم۔جی و کے۔سی۔آئی۔ای و سی۔بی و آر۔ای۔لیٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سروے آف انڈیا کی کتاب "انڈیا" مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے صفحہ ۹ سے لیا گیا ہے۔" اور دکن ریویو کے نمبر ۸ بابت ماہ جون ۱۹۰۸ء مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد کے صفحہ ۴۲ پر بھی موجود ہے)

ہشام رح کے دادا "عبدالمطلب" تھے اور "حضرت زبیر رض کے دادا "خویلد" دونوں سگے بھائی تھے" اور اس طرح "حضرت ہشام" "حضرت زبیر" کے چچازاد بھائی تھے"

مذکورہ بالا "حکم بن عوانہ" کے دور سے اپنے زمانے میں "عمر بن محمد بن قاسم" فاتح سندھ کے بیٹے کو "سپہ سالار بنایا تو انہوں نے بالمقابل "شہر منصورہ" آباد کیا تھا" جو بعد میں سندھ کا دارالسلطنت ہو گیا تھا" (آئینہ حقیقت نما جلد اول صفحہ ۱۶۰)

"قامہل" "سنداں" "صیمور" اور "کنبایہ" میں بہت سی مسجدیں اور جامع مسجدیں موجود ہیں" اِن علاقوں کے احکام عالب ہیں" یہ بہت سرسبز اور شاداب علاقے ہیں" اور بہت کشادہ بھی ہیں" اِن علاقوں میں "نارجیل" پائے جاتے ہیں" لوگ اِس سے "سرکہ" اور "شراب" بناتے ہیں جس سے اُن کو نشہ ہوتا ہے" اور کھمبوں کے بچھڑکو اہل شہر "نبید" کہتے ہیں" مگر ہمارے میں نے اِسے دیکھا اور نہ مجھے اِس کا علم ہے" اور نہ مجھے اس کی کیفیت معلوم ہے" وہ اکثر چاول کی ہی روٹی کھاتے ہیں" اور وہاں "شہد" بہت پایا جاتا ہے" اور "کھجور" کا درخت بھی اِس علاقہ میں ہے"

"مانیہ" اور "قامہل" کے درمیان بیابان ہے" اور "قامہل" سے "کنبایہ" تک کھلی میدان ہے۔ اِس کے بعد "کنبایہ" سے لے کر "صیمور" تک متصل گاؤں ہیں" اور اہلِ ہند کی "وسیع آبادی ہے" وہاں مسلمان اور کفار کا ایک ہی لباس ہے" اور دونوں "بال" لمبے چھوڑتے ہیں" یہاں کے لوگ اِزار باندھتے ہیں" بوجہ سخت گرمی کے" ایسے ہی "ملتان" کے باشندے بھی اِزار باندھتے ہیں" کیونکہ یہاں بھی سخت گرمی پڑتی ہے"

"منصورہ" "ملتان" اور اُس کے اطراف کے لوگ "عربی" اور "سندھی" زبان بولتے ہیں" اکثر لوگ "کرتے" استعمال کرتے ہیں" مگر سوداگر لوگ "قمیص" اور "چادر" پہنتے ہیں" اہلِ عراق و فارس کی طرح"

"قامہل" سے "کنبایہ" تک چار مرحل ہے" اور "کنبایہ" دریا سے ایک فرسخ ہے" "مانیہ" "منصورہ" اور "قامہل" کے درمیان واقع ہے" اور "منصورہ" سے ایک مرحل کے فاصلہ پر" اور "قامہل" "منصورہ" سے دو مرحل پر ہے"

نوٹ:- الاصطخری جہاں حوقل سے چند برس پہلے سندھ تشریف لائے تھے۔ اُن کا بیان بھی یہی ہے جو ابن حوقل کا ہے"

اور اسی طرح "کوغہ" وغیرہ ہیں۔ اور یہاں کے اکثر باشندے کافر ہیں۔ البتہ مسلمان بھی قلیل تعداد میں ہیں۔ مگر وہاں کا بادشاہ مسلم ہے۔ لیکن اس اطراف میں بعض علاقے ایسے بھی ہیں جن کا بادشاہ کافر ہے۔ اور باشندے مسلمان ہیں۔ مثلاً "خذر" "سریہ" "لان" "غانہ" "کوغہ" مگر مسلمان کافر کا حکم نہیں مانتے تھے۔ اور اپنے حدود کے والی انہیں نہیں خیال کرتے تھے۔ . . . .

بلاد بلہرا میں | بہت سی مساجد ہیں۔ جہاں جماعت سے نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ اور ہر مسجد میں منارہ پہ اذان ہوتی ہے۔ اور تکبیر و تہلیل سے نماز کا اعلان ہوتا ہے۔ اور یہ ایک وسیع بادشاہت ہے۔

اور شہر منصورہ | طول و عرض میں تقریباً ایک میل ہے۔ "نہر تہران" (دریائے سندھ) کے ایک خلیج نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اور یہ شہر دیکھنے میں ایک جزیرہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔ اور ایک "قریشی" آدمی جو "ہبار بن اسود" (حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی) کی اولاد میں سے ہے۔ وہاں کا حکمران ہے۔ اس کے آباؤ اجداد نے اس ملک پر اپنا قبضہ جما کر اپنی بہترین سیاست کی بدولت رعیت کو اُن کا مطیع بنا رکھا تھا۔ مگر خطبہ "بنی عباس" کے نام کا پڑھا جاتا ہے۔ (سلطنت منصورہ خود مختار تھی۔ اور اُس زمانے کے دستور کے مطابق جس قدر بھی خود مختار اسلامی سلطنتیں تھیں۔ خطبہ عباسی خاندان کا ہی جو بہت کمزور و سقیم حالت میں "تیمارداروں" کی طرح "بغداد" میں تھا۔ پڑھوایا کرتی تھیں۔) "منصورہ" ایک گرم شہر ہے۔ وہاں "کھجور" کا درخت ہے۔ "انگور" "میدیبا" "اُترو ٹہ" اور "امرود" وہاں نہیں ہے۔ مگر وہاں "گنا" پایا جاتا ہے۔ اور "سیب" جیسا ایک ترش پھل وہاں پایا جاتا ہے جس کو "لیموں" کہتے ہیں۔ اور وہاں "خوخ" کی طرح ایک قسم کا پھل ہوتا ہے جسے "آم" کہتے ہیں۔ چیزوں کی قیمت بہت ارزاں ہے اور وہاں لوگ آسودہ ہیں۔ اس علاقہ میں "قندھاری سکہ" رائج ہے۔ جس کا ایک درہم پانچ درہم کے برابر ہے۔ "تیز طاطری" نام کا ایک سکہ وہاں رائج ہے جو ایک درہم اور آٹھویں حصہ کے برابر ہے۔ وہاں لوگ دینار سے بھی لین دین کرتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں کا لباس "عراقیوں" کی طرح ہے۔ لیکن بادشاہوں کا لباس "ہندوستانی" بادشاہوں کی طرح ہے۔ "کرتے" اور "بال" "ہندوستانی" بادشاہوں کی طرح ہوتے ہیں۔

شہر ملتان | "ملتان" بھی "منصورہ" کی برابر ایک شہر ہے۔ جس کو "فرج بیت الذہب" کہتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بت ہے۔ ہندو اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اطراف ملک سے اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ . . . . "ملتان" پر قلعہ بھی ہے۔ یہ آسودہ شہر ہے۔ ہر چیز ارزاں ہے۔ مگر منصورہ سے کم۔ . . . .

شہر بانیہ | "بانیہ" ایک چھوٹا شہر ہے۔ "عمر بن عبد العزیز ہباری قرشی" جو عراق میں بزرگی اور بہادری کی وجہ سے مشہور ہے۔ "بانیہ" کا رہنے والا تھا۔ اور "منصورہ" اور اس کے اطراف پر غالب آنے والوں کا جدِ امجد ہے۔

"فتوح البلدان بلاذری" جزو دوم کے صفحہ ۲۰۲ پر ہے کہ "عمران" گورنر سندھ (از ۲۲۱ ہجری تا ۲۲۳ ہجری کے زمانے میں) عربوں کی دو مشہور جماعتوں "نزاریوں" (یعنی قریش اوّل کے جدِ اعلیٰ کی اولاد یا حجازی) اور "یمنیوں" (قحطانیوں) کے درمیان عصبیت چھوٹ پڑی۔ "عمران" "یمنیوں" کا طرفدار ہو گیا۔ "نزاریوں" کے سردار "عمر بن عبد العزیز الہباری" نے موقع پا کر اس کو ("عمران" گورنر سندھ کو) قتل کر دیا۔ "عمر بن عبد العزیز ہباری" کے پردادا "منذر بن زبیر بن عبد الرحمٰن بن ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد" اُن لوگوں میں سے تھے جو "حکم بن عوانہ" گورنر سندھ (از ۱۱۰ ہجری تا ۱۲۲ ہجری) کے ساتھ اس ملک میں آئے تھے۔

یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ میں ہے کہ "عمرو" نے اس ملک پر غلبہ پا لیا۔ پھر انہوں نے "متوکل" (عباسی خلیفہ بغداد جس کا زمانہ خلافت ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ ہجری تا ۳ شوال ۲۴۷ ہجری ہے) کو لکھا۔ کہ میں بہت اچھا انتظام کر رہا ہوں۔ "سندھ" کی ولایت مجھے دی جائے۔ "متوکل" نے اسے منظور کر لیا۔ اور وہ "متوکل" کے پورے زمانے میں "سندھ" کے حاکم رہے۔ "متوکل" کے قتل ہونے کے چند برسوں کے بعد پھر اسی سلطنت "منصورہ" نے عباسی حکومت سے جو تھوڑا بہت تعلق تھا اسے بھی توڑ دیا اور بالکل خود مختار ہو گئی۔ (دیکھو آئینہ حقیقت نما جلد اوّل صفحہ ۱۴۰)

میں سب کچھ مونظر آگیا لیکن نظر نہ آیا تو صرف کنبایہ یا کنباہ۔

کچھ انہیں کتابوں پر منحصر نہیں ہے ملکہ اور بہت مستند کتابوں میں بھی کنب و شہر کنبایہ و دریائے کنباہ اور علاقہ کنباد کے حالات تحریر ہیں۔ جن میں سے چند کے اقتباسات مؤلف موصوف کی مزید تسلی کے لیے ہم اور پیش کرتے ہیں۔

فتوح البلدان بلاذری کا بیان

فتوح البلدان بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ ہجری حصہ دوم کے صفحہ ۲۳۷ پر ہے کہ کاؤس بن اشروسنہ کا بادشاہ کا ایک بھائی رسرداں تھا۔ اس کے مزاج میں بڑا دخل۔ اس نے فضل بن کاؤس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔ اس غرض سے کہ اس کے دل میں فضل کی محبت بڑھے فضل کی بہت شاد وصعت کرتا اور اس کے دوسرے بیٹے۔ حیدر المعروف بہ افشین کی مذمت کیا کرتا۔ حیدر کو ایک دن موقع ملا اشروسنہ کے دارالسلطنت کنبث کے دروازہ پر بھرمان کو قتل کر دیا۔ اور بھاگ کر ہاشم بن محور ختلی کے پاس چلا گیا جو اپنے شہر کا حاکم و مختار تھا۔ درخواست کی کہ وہ اس کے باپ کو راضی کرنے کے لئے خط لکھ دے پھر حیدر نے اسلام ظاہر کیا۔ مدینۃ الاسلام کی راہ لی۔ مامون سے ملا اس کو بتایا کہ اشروسنہ آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ لوگوں پر جس مہم کا خوف تھا اس نے سہل کر کے بیان کیا۔ اور اشروسنہ پہنچنے کا قریب ترین راستہ بتایا۔ مامون نے اپنے کاتب احمد بن ابی خالد الاحول کو جیش عظیم کے ساتھ اس مہم پر مقرر کیا۔

ابن حوقل کا بیان

علامہ مسعودی کے بعد الاصطخری نے اپنا جغرافیہ لکھا اور ان کے بعد چوتھی صدی کے ربع دوم میں ابن حوقل نے سیاحت کر کے اپنا جغرافیہ تحریر کیا۔ کیونکہ ان دونوں کی سیاحت کے زمانوں کے درمیان زیادہ مدت نہیں ہے اور دونوں کی تحقیقاتیں بھی قریب قریب یکساں ہیں اس لئے اختصار کے مد نظر یہاں ہم صرف ابن حوقل کی کتاب المسالک والممالک مطبوعہ بریل واقع لیدن سے لیکر ضروری مقامات کا حال لکھتے ہیں۔ ابن حوقل نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۵ میں باب بلاد السند و ما یضاف الیہا کے تحت لکھا ہے کہ سمندر (بحر فارس) مشرق میں تیمور سے لیکر تیز مکران تک سیدھا چلا گیا ہے اور اس کے بعد مکران کے بیابان کے پاس ٹیڑھا ہو گیا ہے اور اس نے ممالک کرمان و فارس پر جا کر کمان کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اطراف مکران میں | تیز قنزپور درک اور راسک شہر۔ اور یہ خوارج کا شہر ہے اور بہ سد قصر قند دامصقہ فہلفہرہ مشکی قنبلی اور ارمائیل ہیں۔

اطراف طوران میں | مندرجہ ذیل شہر ہیں محالی کیز کانان شورہ اور قزدار۔

اطراف بدھ میں | قندابیل شہر ہے۔ اور یہ اس اطراف کا مرکزی مقام ہے۔

سندھ کے اطراف میں | مندرجہ ذیل شہر واقع ہیں منصورہ جس کا مشہور نام برہمن آباد ہے دیبل بیرون قالری آرری بلری مسواہی فہرج بانیہ مماتری سدوستان اور جندرور۔

اور ہند کے حسب ذیل شہر ہیں | تاہل کنبایہ سوبارہ اس کے اطراف بہت خوشنما ہیں اساول ہناول سندان صیمور ملتان جندرور سندرود یہ وہ شہر ہیں جن کا مجھے علم حاصل ہوا۔

اور اطراف بلاد ہند میں | الکھانیاں اور مکانات ہیں مشہور گھاٹی فریاں اور قہرج ہے۔ اور مکانات لمطہ اور اوعست اطراف ناگشتر میں ہیں۔ اور کنبایہ اور صیمور کے درمیان ایک شہر ہے جس کا نام تلہرات ہے۔ اور تلہرات کتاب الامثال کا مصنف ہے اور وہاں کا بادشاہ بھی اسی نام سے مشہور ہے جیسا کہ عامہ ایک علاقہ کا نام ہے اور وہاں کے بادشاہ کو بھی قارہ کہتے ہیں

تاریخ فرشتہ کی تلاش کے لئے کچھ کوشش درکار نہیں ہے۔ یعنی اس کے لئے نہ تو کتب خانوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے " نہ جا بجا پھر کر لوگوں سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے " یہ کتاب عام ہے " ہر جگہ ملتی ہے " مؤلف امروہوی کے مطالعہ میں بہت رہی ہے " انہوں نے اُسے بنظر امعان دیکھا ہے اور اکثر باتوں کے متعلق اس کے حوالے پیش کئے ہیں " چنانچہ اس بحث میں بھی " میاں چمن " اور " عماد الملک " کے متعلق مؤلف صاحب نے " تاریخ فرشتہ " کا حوالہ دیا ہے " مگر کیا یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ " انہیں " فرشتہ کی جلد اول میں " سب کچھ تو نظر آگیا " لیکن وہ عبارت جس میں " شہر کنبا " کے آباد ہونے کا ذکر ہے " مطلق نظر نہیں آئی " تاریخ فرشتہ " میں صاف لکھا ہے کہ۔

" نہروال بن ہند۔ (بن حام بن حضرت نوح ؑ) کے بھی تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام " بھروج " کنباج " اور " مالراج " ہیں " نہروال " کے " ان بیٹوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے ")

شہر کنباہ کے متعلق بشاری مقدسی کا بیان

فرشتہ کے ماسوا ہے " مؤلف صاحب نے اپنی کتاب " تحقیق الانساب تاریخ امروہہ " کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۶۷ پر ایک سیاح " بشاری مقدسی " کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ " بشاری مقدسی " جو چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان آیا تھا " سندھ " کے پایۂ تخت " منصورہ " کے حال میں لکھتا ہے " واما المنصورہ فعلیہا سلطان من قریش یخطبون للعباسی " منصورہ " کا بادشاہ " نسلاً قریش ہے۔ یہاں کے مسلمان " خلیفہ عباسی " کا " خطبہ " پڑھتے ہیں " گو اس عربی عبارت کے ترجمہ میں بھی مؤلف صاحب نے اپنے قاعدہ کے مطابق تھوڑی سی تحریف کی ہے " یعنی بجائے اس کے کہ یہ ترجمہ کرتے کہ " منصورہ کا قریشی بادشاہ " " خلیفہ عباسی " کا خطبہ پڑھتا ہے۔ انہوں نے اِس طرح ترجمہ کر دیا ہے کہ " یہاں کے مسلمان " خلیفہ عباسی " کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ مگر ہمیں یہاں یہ بتانا ہے کہ " بشاری مقدسی " ۳۸۰ یا ۳۸۵ ہجری میں " سندھ و ہند " کی سیاحت کے لئے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اپنا جو سیاحت نامہ لکھا ہے " اُس کا نام " احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم " ہے۔ اور اُن کا پورا نام " شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البناء الشامی المقدسی۔ المعروف بالبشاری " ہے " اقلیم السندھ " کی سُرخی کے تحت انہوں نے " سندھ " کی اپنے زمانے کی تقسیم ملکی " پیداوار " اور " تجارت " وغیرہ وغیرہ کا حال بتانے کے ساتھ " وہاں کے شہروں کے نام بھی لکھے ہیں " چنانچہ بادشاہت " منصورہ " کے جہاں اور شہر گنائے ہیں " وہاں " بانیہ " اور " کنبایہ " دو شہروں کے نام بھی لکھے ہیں " انہوں نے " منصورہ " کے شہر کی سُرخی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ " سندھ " کے قصبات میں " منصورہ " شامل ہے " اور اُس کے حسب ذیل شہر ہیں "

دیبل " زندریج " کدار " مایل " تنبلی " فارسی کا بیان ہے کہ " البیرون " قالری " آتری " بلری " المسواہی " البھرج " بانیہ " منماتری " سدوسان " الرور " سوبارہ " کنباص " صیمور " بھی شامل ہیں "

اُس وقت کے " سندھ " کو آج کا " سندھ " جو انگریزوں کی تقسیم ملکی کے مطابق نقشوں پر چند ضلعوں پر مشتمل چھوٹا سا صوبہ نظر آتا ہے " نہ سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اُس زمانے کے " سندھ " میں " تمام مشرقی افغانستان " مکران " پورا " بلوچستان " کشمیر " کے پہاڑوں تک سارا " پنجاب " موجودہ صوبہ سندھ " اور " سوراشٹر راجپوتانہ " شامل تھا " " پنجاب " افغانستان " اور " بلوچستان " کسی ملک یا صوبہ کا نام نہ تھا۔ یہ نام بعد کی پیداوار ہیں " پنجاب " کا اطلاق صرف اُن پانچ دریاؤں پر کیا جاتا تھا۔ جو کشمیر کے ایک پہاڑ سے نکل کر اُسی ملک کے اندر بہتے تھے " " بانیہ " وہ شہر ہے جو " سلطنت منصورہ " کے بانی کا " وطن تھا۔ اور یہ بانی سلطنت " منصورہ " حضرت زبیر ؓ کے چچازاد بھائی کی نسل سے تھے " نیز " شہر بانیہ " اور " شہر کنبایہ " میں زیادہ فاصلہ نہ تھا "

اوپر ہم نے فرشتہ اور بشاری مقدسی کی کتابوں سے " کنباہ " کے وجود کو بخوبی ظاہر کر دیا ہے " یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں مؤلف امروہوی نے نہ صرف دیکھا ہے بلکہ انہوں نے اُن کے جا بجا حوالے بھی اپنی کتاب میں پیش کئے ہیں مگر حیرت بالائے حیرت ہے کہ انہیں اِن کتابوں

سادات بنی فاطمہ دہلوی یا شیوخ آلِ عرب اور جو لوگ باشندگانِ قدیم کشمیر میں سے مسلمان ہو گئے یا جو اب تک اپنے قدیم مذہب پر ہیں خود سب بہ لحاظ سکونت کشمیر (کشمیری) کہلاتے ہیں علیٰ ہذا ساکنان کرٹ

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی شارح ماثر الکرامی میں بعض حالات شیخ گدائی کے لکھتے ہیں کہ ان کے والد شیخ جمالی سکندر لودی کے عہد میں شعراء باکمال میں شمار ہوتے تھے اور شیخ جمالی کنبوہ دہلوی کہلاتے تھے۔ ایک مورخ کا قول ہے کہ کنباہ ایک دریا ہے اس کے کنارے کی آبادی کو بھی باسم محل (کنباہ) کہتے ہیں جس طرح ضلع جہلم دریائے جہلم کے نام سے مشہور ہے قدمائے عرب و بغداد سے وہاں آکر آباد ہوئے پھر ہندوستان آئے اور یہ لقب ساتھ لائے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی مناسبت سے کسی افراد انسانی کا نام رکھا جاتا ہے کبھی اس کو ایسی قبولیت عام و شہرت ہو جاتی ہے کہ تمام قبیلہ اور گروہ اسی نام سے شہرت پذیر ہو کر ایک قوم بن جاتی ہے کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے کوئی باسم محل اور کوئی باسم صنعت موسوم ہو گئی ہے لہذا اس فرقے کا بھی باسم محل موسوم ہونا تاریخی بات ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اکثر لوگ اس گروہ کے قریب زمانہ محمود غزنوی ہندوستان آئے

شہر کنبہ کے آباد ہونے کے متعلق تاریخ فرشتہ کا بیان

صاحب المشاہیر کا بیان اور اس پر ان کے نوٹ مع حوالہ ہم نے لکھ دیئے ہیں اور ان کے بیان کا جو اقتباس یا اعتماد جس طرح صاحب تحقیق الانساب نے کیا ہے وہ ناظروں کے سامنے موجود ہے اپنے اس بیان میں بھی مؤلف امروہوی نے اپنے ناظرین کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے یعنی یہ باور کرانا چاہا ہے کہ کنبہ واقع عرب یا کنباہ واقع سمرقند سے یہ خاندان محمود غزنوی کے زمانے میں بالراست ہندوستان آیا جو سراسر غلط ہے یہ خاندان سلطنت منصورہ کی تباہی کے بعد ہی کنباہ واقع سندھ کو چھوڑ کر ملتان آ گیا تھا اور ملتان بھی سندھ میں شامل تھا نہ کہ ہندوستان میں۔ صاحب المشاہیر نے جو یہ لکھا ہے کہ قریب زمانہ محمود غزنوی یعنی محمود غزنوی کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد یہ خاندان ہندوستان آیا مگر مؤلف موصوف نے ان کے بیان میں کتر بیونت کر کے لکھا ہے کہ دلیری سے محمود غزنوی کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ قریب کا لفظ انہوں نے اپنی مصلحت سے چھپا لیا ہے جو کھلی بددیانتی ہے اور مؤلف موصوف نے صاحب المشاہیر کے بیان کے ممکنات پر بحث کرنے سے احتراز کر کے اسے قطعاً مصنوعی قرار دے کر جو یہ لکھا ہے کہ ترکستان وغیرہ میں اس نام (کنب یا کنباہ کا کوئی مقام بھی اب موجود ہے نہ پہلے تھا) اور اپنے اس فقرہ میں لفظ وغیرہ شامل کر کے بلا کسی تحقیقات کے مصالح (اجارہ نہیں) کی طرح اپنا یہ باطل فیصلہ دیدیا ہے کہ سندھ تو درکنار رہے دنیا کے کسی حصہ میں بھی اس نام کا کوئی شہر کبھی کسی زمانہ میں آباد نہیں ہوا ان کا یہ بیان پایۂ تحقیق سے بالکل گرا ہوا اور کھلا ہوا جھوٹ ہے

نوٹ نمبر اصل شکوک کا بھی باعث یہ وجود کنباہ میں سرزد ہو جاتے ہیں سند تاجیر حاجی مختصر ہوا کہ ایک سیاح معقول و معتبر نے سعادۃ الاصل اور اولاد بنا حضرت جو شیخ کے ملنے کا اتفاق ہوا سلسلے ہمراہی اپنی سیاحت کے سمرقند میں بیان کیا کہ سمرقند سے شمال کی طرف چھ سات منزل کے فاصلہ پر کنباہ نام ایک دریا ہے اس کا پانی نہایت سرد و شیریں اور خوشگوار ہے اس کے کنارے پر ایک قصبہ اسی نام سے مشہور و آباد ہے پہاڑی ملک ہے آب و ہوا نہایت صحت بخش ہونے کے سبب پہلے ہوتے ہیں باشندے وہاں کے شیخ علوی استادہ عرب کے ہیں ان کو بھی ہرگز اس جا تک جہاں سے ان کا مکان خالی رہے میں چند روز مکان کا سامان اس قصبہ میں مقیم رہا ہوں نوٹ صاحب مذکرہ افغانی مہم پیر پٹھان میں لکھتے ہیں کہ عرب اول جو یہ لوگ سندھ میں آئے تو پہلے ملتان میں آباد ہوئے اس سبب اہل ہند افغانوں کو پٹھان کہنے لگے افغانوں کے ایک گروہ کو روہیلہ اس سبب سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملک روہ کے رہنے والے اس پہاڑی ملک روہ والا کثرت استعمال سے روہیلہ مشہور ہو گیا وجہ تسمیہ افغان کی یہ ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ نوح کے بعد اس کی نسل سے جو مشہور ہوئی اب ہوں کی جگہ قائم ہو کر تو جانی کہلاتے ہیں قوم قزلباش کے لوگ سرخ کلاہ رکھتے تھے ترکی میں قزل سرخ کو اور باش سر کو کہتے ہیں یعنی سرخ سر والی قوم یہ اسی نام سے مشہور ہو گئے

مطلب واثق بدرجہ خرقہ خلافت ممتاز گشت۔ حضرت میر علی الجزی لاہور متوجہ شدہ متوطن گشتہ۔ القصہ جمال الدین بحکم حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتان را وطن ساختند۔ عیال و اطفال ہم رسانیدند و اوقات شریف بدرس احادیث مصروف نمودہ اکتساب کسب و کمالات باہم مشغول بودند تا بدرجہ شیخی رسیدہ اشتہار یافت۔ دراں اثنائے چند سال از بہج عبادت براوج سعادت نقل فرمودند۔ سجادگی حضرت شیخ صدر الدین علیہ الرحمۃ قرار یافت۔ ایشاں ہر یکے خلفائے نامدار ہر جائے تعیین کردند حاجی جمال را ارجانب تتہ معین کردند۔ اکثر اعیان آں دیار ارادت آوردند۔ و سرداراں اطراف و جوانب آں ملک معتقد شدند۔ و فرزندانش تحصیل کسب جمیع علوم مقید شدند۔ و در سایہ پدر خود ترتیب یافتند۔ عمر شریف حاجی تا یکصد و سیزدہ سالہ رسیدہ بود۔ الحقیقت حال۔ یکے از آبا و اجداد خود بغرض تبلیغ ہندوستان نمودہ آید حالے در اندفتنہ۔ بادشاہ جم جاہ است۔

(رسالہ نواب شہباز خان صفحہ ۔)

کے مشرف ہوئے اور ارادت صادق و مطلب واثق سے بدرجہ خرقہ خلافت ممتاز ہوئے۔ حضرت میر علی لاہور آ کر متوطن ہو گئے۔ القصہ جمال الدین نے حضرت بہاؤ الدین زکریا الملتانی کے فرمانے سے ملتان کو وطن بنا لیا۔ وہیں شادی کر لی اور اولاد ہوئی۔ اوقات شریف درس و حدیث کے درس میں صرف کرنے لگے اور دونوں کے کسب و کمالات میں مشغول رہے یہاں تک کہ درجہ شیخی کو پہنچ کر مشہور ہو گئے۔ اسی اثنا میں چند عبادت سے اوج سعادت پر نقل فرمایا۔ شیخ زکریا کے بعد ان کے سجادہ حضرت شیخ صدر الدین ہوئے۔ انہوں نے ہر ایک خلفائے نامدار کو مختلف ملکوں میں متعین فرمایا۔ حاجی جمال الدین قدس سرہ کو ایک سمت تتہ کیا۔ اکثر وہاں امیر و وہاں کے عمائد کو ارادت اُن سے ہو گئی۔ وہاں ملک کے اطراف و جوانب کے سرداراں کے معتقد ہو گئے۔ ان کے بیٹے تحصیل و کسب تمام علوم میں مشغول ہوئے اور باپ والد بزرگوار کے سایہ میں انہوں نے ترتیب پائی۔ عمر شریف حاجی صاحب ایک سو تیرہ برس کو پہنچی تھی۔ الحقیقت حال یہ ہے۔ اوراں میں سے ہر ایک کی عرض کروں تو ختری داستان ہو جائے گی۔

کیونکہ مؤلف امروہوی کی اس تحقیقات اور لاطایل بحث کی بھی حقیقت اچھی طرح ہم نے کھول کر دکھا دی ہے اس لئے ہم آگے بڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ اب وہ اور کیا فرماتے ہیں۔

باب ہشت دہم

"صاحب[1] الشاہیر" نے اسی کتاب کی ابتدا میں "لفظ کنبوہ" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "رسیری" مقام کنب" واقع غزنین" یا "کبناہ" واقع سمرقند" میں اقوام آباد ہوئے" اور وہاں سے اکثر و بیشتر "محمود غزنوی" کے زمانہ میں ہندوستان آئے" اور "لقب کنبوہ" بھی اسی نسبت مکانی کی وجہ سے ساتھ لائے"

[1] لیکن یہ روایت بھی قطعی مصنوعی ہے "افغانستان وغیرہ" میں اس نام کا کوئی مقام" نہ اب موجود ہے" نہ پہلے تھا" (صفحہ ۳۲۲)

صاحب المشاہیر کا مکمل بیان

مؤلف صاحب کے اس بیان پر کچھ لکھنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "صاحب المشاہیر" نے جو عبارت "کنبوہ" کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھی ہے اُسے بھی پیش کر دیں تاکہ کوئی بات تشنہ نہ رہنے پائے" المشاہیر کے صفحہ ۱۷ تا ۱۹ پر تحریر ہے کہ "سوالات قدیم" و "بزرگان پیشین" و معتبر اشخاص کی کتابت "پرانی کتابوں میں یہ لفظ (کنبوہ) و (کنبوہ) و (کنبوی)، ان صورتوں میں لکھا پایا جاتا ہے" بعض کم استعداد "شاذ" "کمبوہ" لکھ دیتے ہیں۔ اور اس کے اصل میں "اقوال مختلف" "غیر مستند" بیان کئے گئے ہیں" کسی نے (کم انبوہ) کہا ہے۔ کسی نے کیانیوں میں جا ملایا ہے اور (کے انبوہ) بتایا ہے" مگر یہ سب طبعی باتیں ہیں" حقیقتاً جس پر ثقات کا اتفاق" اور مقرون بصواب ہے یہ ہے کہ "لقب مکانی ہے" "ذاتی" "صفاتی" یا "نسبی" خطاب نہیں ہے" مولانا شیخ زین العابدین عرف شیخ اڈہن" جد مادری" شیخ عبد الحق محدث دہلوی" نے اپنی کتاب "مصباح العارفین" میں لکھا ہے کہ "لفظ کنبوہ" میں واؤ نسبت کا ہے۔ جیسا کہ ہندو میں" یعنی منسوب بہ کنب" اور "کنب" ایک شہر ہے" قریب غزنین" جس طرح

اور صفحہ ۲۲۹ پر حاجی شاہ محمد ابراہیم کے حال میں لکھا ہے کہ "یہ شاہ عبدالہادی کی پانچویں پشت میں ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۲۶۱ھ ہجری میں ہوئی" یہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار میں درگاہ حضرت شاہ عبدالہادی کے سوالی برج میں مقیم تھا اور وظیفہ پڑھا کرتا تھا مصلے پر تھا۔ برج کی شمالی کھڑکی پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک شیر چوکھٹ پر کھڑا مجھے گھور رہا ہے میں خائف ہو کر صحن میں آ گیا لیکن پشت پھیر کر دیکھا تو شیر سر مصلے پر تھا اس نے مجھے اور خائف کر دیا اور میں حجرہ کی سمت میں آ گیا لیکن وہاں سے جو دیکھا تو شیر کو صحن میں کھڑا پایا اب خیال ہوا کہ وہاں سے بھاگنا پاپ ہے۔ چنانچہ برج سے کود کر گھر کی طرف روانہ ہوا احاطہ درگاہ سے باہر پہنچ کر راستہ پر آنا چاہتا تھا کہ حضرت شاہ عبدالہادی نے سامنے سے آ کر مجھے بغل میں لے لیا۔ اور تسلی و تشفی دیکر اپنے ہمراہ لے گئے اور برج میں بٹھا دیا۔ یہ مقام ابتدائے عمر کا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروع ہی سے آپ کو اپنے بزرگوں کی امداد حاصل ہوتی رہی ہے"

اور صفحہ کے اپنے نوٹ میں مؤلف امروہوی نے سید علاؤ الدین الملقب شیخ علاول بلاول بن سید سلیمان بن سید حسن الحسینی (شاہ ولایت امروہہ) کے حال میں تحریر کیا ہے کہ "دہلی پہنچ کر میاں لاڈن[1] کے گھر معتکف رہے تفسیر کا درس لیا حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ کی روحانیت سے مستفیض ہوئے"

یہ چند بیانات جو ہم نے مؤلف امروہوی کی کتاب سے لیکر پیش کئے ہیں ان سے صاف ثابت ہو گیا ہے کہ وہ بزرگان پیشین سے استفادہ و استفاضہ حاصل ہونے رہنے کے شدت سے قائل ہیں۔ جب ہی تو اپنی کتاب کے ناظرین کو ان واقعات پر یقین کر لینے کے لئے زور دے رہے ہیں مگر یہاں انہوں نے جو حاجی جمال قدس سرہ کے میر علی ہجویری سے فیض حاصل کرنے اور مستفید ہونے کو قطعی ناممکن بتایا ہے تو کیا اس سے ان کی حماقت پر خوب طرح روشنی نہیں پڑ گئی ہے جبکہ ہم اس بات کو قطعی طور سے ثابت کر چکے ہیں کہ بزرگان اسلام کے پردہ پوش ہو جانے کے بعد بھی ان سے فیض حاصل ہوتے رہنے کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا اب ہم کو یہ بتانا ہے کہ صاحب المشاہیر رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ دھوکا ہوا کہ انہوں نے میر علی بحری اور میر علی الہجویری کو لاہور کے تعلق کی وجہ سے ایک سمجھ لیا ہے اس سے مؤلف امروہوی نے فائدہ اٹھایا ہے اور رسالہ نواب شہباز خاں جو نواب شہباز خاں کے بزرگوں اور ان کے نسبی حالات کا ماخذ ہے مؤلف موصوف نے اپنے مقصد کے منافی جانکر اس کی تحریر کو چھپا لینے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ کتاب مصباح العارفین کی طرح اس رسالہ کے وجود ہی سے انکار کر دینا مناسب و ضروری خیال کیا ہے تاریخی تحقیق و تلاش میں ایسی جسارت کرنا مؤلف امروہوی جیسے شخص سے ہی ممکن ہے۔ رسالہ نواب شہباز خاں میں نواب صاحب کے جد نسبتی حاجی جمال کے لاہور جانے اور میر علی الہجویری قدس سرہ داتا گنج بخش لاہوری سے ان کے مستفید ہونے کا کوئی ذکر تحریر نہیں ہے بلکہ حاجی جمال قدس سرہ کے میر علی بحری کے ہمراہ ایران و توران کا سیر کرتے ہوئے ہندوستان آنے اور حاجی جمال کے ملتان میں ٹھہر جانے اور میر علی بحری کے لاہور جا کر توطن اختیار کر لینے کا ذکر ہے۔ رسالہ نواب شہباز خاں جو تصنیف زمانہ شہنشاہ اکبر اعظم کی ہے اس میں تحریر ہے کہ۔

شہباز خاں دیدہ ور آں امرائے نامدار گفت کہ حقیقت آباؤ اجداد بندہ در ہندوستان این ست کہ جد پدرم حاجی جمال الدین بن کمال الدین از فرض حج مشرف شدہ و سند احادیث از میر حسین محدث حاصل کردہ بعدہ بہمراہی حضرت میر علی بحری سیر ایران و توران کرد۔ چوں بقصبہ خال کہ در تحت کوہ جودی واقع است آنجا رسیدہ حسب اشتیاق با ملک تاتاراں بہ ہندوستان رسیدند۔ چوں بدار السرور ملتان رسیدند بشرف ملازمت حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا مشرف شدند بارادت صادق و

شہباز خاں دیدہ ور نے ان امرائے نامدار سے کہا کہ حقیقت میرے باپ دادا کی ہندوستان میں یہ ہے کہ میرے بزرگوں میں سے حاجی جمال الدین حج کے شرف سے مشرف ہوئے اور احادیث کی سند میر حسین محدث سے حاصل کی اور ہمراہی میں میر علی بحری کے اصل نے ایران و توران کی سیر کی۔ جب قصبہ خال میں جو کوہ جودی کے تحت میں واقع ہے وہ پہنچے تو دونوں اصحاب نے ہندوستان کا ارادہ کر دیا جب دار السرور ملتان میں پہنچے تو شرف ملازمت سے حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا

---

[1] نوٹ میاں لاڈن مخدوم شیخ نصیر الدین ابن حضرت مخدوم شیخ علاؤ الدین قدس سرہ العزیز صابری گنگوہی کے فرزند دوم تھے۔

صحابی تھے "جنہوں نے "ویار بکر" کا محاصرہ کیا۔ ایرانیوں نے کُردوں سے مدد طلب کی۔ سخت رَن پڑا۔ غنیم نے ایک پہاڑی کی آڑ پکڑ کر پُشت کی جانب سے اسلامی فوج پر حملہ آور ہونا چاہا" مسلمانوں کے لئے یہ موقع نہایت خطرہ کا تھا" جس وقت یہ واقعہ میدانِ جنگ میں رُونما ہو رہا تھا" حضرت فاروق اعظم رضؓ" مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کے ممبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ یکایک ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے میدانِ جنگ کا نقشہ آجاتا ہے" مسلمانوں کو خطرے کی حالت میں دیکھکر آپ نے اسلامی فوج کے افسر کو للکارتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں" یا ساریۃ الجبل الجبل" یعنی اے ساریہ" پہاڑ کی جانب پھر پڑو" حضرت ساریہ رضؓ نے کئی مہینہ بعد میدانِ جنگ سے واپس آکر مدینہ منورہ میں بیان کیا کہ تم لوگ تو مسجد نبوی" میں امیر المؤمنین کا یہ کلام سُن رہے تھے اور میں نے میدانِ جنگ میں سُنا کہ حضرت امیر المؤمنینؓ سامنے کھڑے ہوئے مجھے للکار کر فرما رہے ہیں" یا ساریہ الجبل الجبل" میں خلافت پناہی کی آواز پہچانکر پہاڑ کی طرف پھر پڑا" اور تھوڑی دیر میں مسلمانوں کو دشمنان دین پر فتح حاصل ہوگئی" اس بیان کو لکھنے کے بعد مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے جو نوٹ اس پر دیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

نوٹ مؤلف امروہوی بر کشف و الہام حضرت عمر فاروق رضؓ

آج کے مادہ پرست شاید معترض ہوں کہ انسان کی آواز ہزاروں کوس کے فاصلہ پر کیسے سنائی دے سکتی ہے" انہیں سوچنا چاہیئے کہ" ٹیلی فون" ٹیلی گراف" وائرلیس" کے ذریعہ گھر بیٹھے ہزاروں میل کے فاصلہ پر گفت و شنید ہوتی ہے" ریڈیو" کی ایجاد نے تو انسان کو اس پر قادر کر دیا ہے کہ" کرۂ ہوا" اور فضائے آسمانی میں آوازوں کی جو لہریں متحرک ہیں اُن کو سُن سکے" پیرس" اور لندن کی تقریریں آپ" دہلی اور بمبئی میں" بیٹھے سُن لیتے ہیں" میں اکثر جب دہلی جاتا ہوں۔ برادر عزیز مسعود احمد صاحب عباسی کے یہاں جنہوں نے" ریڈیو کی مشین" اپنی کوٹھی اور خوشنما کوٹھی میں لگا رکھی ہے" کلکتہ" بمبئی کی روزانہ خبریں" اور لیکچر و تقریریں" نغمہ و سرود کی آوازیں سنتا ہوں" ہاتھ کی ذراسی حرکت سے" آپ کے کان میں" اہلِ تاشقند وغیرہ کے نغمہ و سرود کی آوازیں آجائیں گی" جب انسان کی بنائی ہوئی ایک ادنیٰ مشین کی یہ کیفیت ہو۔ تو قادرِ مطلق اگر اپنے اس بندے کی آواز کو جو جانشین رسول صلعم۔ اور جامع کمالات ہو" ہزاروں میل کے فاصلہ پر پہنچادے" تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے"

اور اسی کتاب کے صفحہ ۶۵ و ۶۶ پر" قطب الاقطاب شیخ عبد المجید علوی قدس سرہٗ العزیز کے حال میں (جن کی ولادت ۹۰۶ھ ہجری کی ہے۔ اور وفات ۱۰۴۶ھ ہجری میں ہوئی ہے لکھا ہے کہ" بعد فراغ تحصیل علوم ظاہری" شیخ موصوف سے (حضرت شیخ نظام الدین نارنولی سے) ارادت درست کی" سالہا سال خدمت مرشد میں حاضر رہکر کمالات و فضایل کا سرمایہ فراہم کیا" شیخ قدس سرہٗ نے اپنا جانشین و خلیفہ بنا کر وطن جانے کی اجازت مرحمت کی" یہاں آکر" (امروہہ آکر) حضرت سید شرف الدین حسن شاہ ولایت رح" (جن کی ولادت ۶۶۳ھ یا ۶۶۴ھ وفات بقول مؤلف امروہوی ۷۴۳ھ ہجری اور بقول دیگر تذکرہ نویسوں کے ۷۸۳ھ ہجری میں ہوئی") کی رُوحانیت سے استفاضہ کیا"

اور صفحہ ۱۲۹ پر" شاہ عبد الہادی صدیقی قدس سرہٗ (ولادت ۱۰۴۰ھ ہجری وفات ۱۱۹۰ھ ہجری) کے حالات میں لکھا ہے کہ" مدت تک آپ نے سخت سے سخت مجاہدات کئے" کہا جاتا ہے کہ یہاں کے زمانہ قیام میں (سوت ندی کے کنارے کے غار میں) حضرت خضر علیٰ نبیّنا و علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ جن کے فیوض و برکات سے" علوم لدنّی آپ پر منکشف ہوگئے۔ یہیں حضرت غوث الأعظم (المتوفی ۵۶۱ھ ہجری) سے فیض رُوحانی حاصل ہوا" اور یہیں حضور سرورِ کائنات ؐ نے عالمِ رویا میں قیام آبادی۔ و رہنمائی خلق اللہ کی ہدایت فرمائی"

اور صفحہ ۱۶۵ پر شاہ عبد الباری چشتی (ولادت ۱۱۶۰ھ ہجری وفات ۱۲۲۶ھ ہجری) کے حال میں لکھا ہے کہ" قطب الاقطاب خواجہ قطب الملتہ والدین" و محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء (المتوفی ۷۲۵ھ ہجری) اور ارواح بزرگان سے رُوحانی استفادہ و استفاضہ کیا"

اور صفحہ ۲۲۵ پر" شاہ ممتاز الرحمٰن صدیقی معروف عبید اللہ شاہ (پیدایش ۱۲۸۴ھ ہجری) کے حالات میں لکھا ہے کہ" حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی" (زمانہ شہنشاہ جہانگیر) اور دوسرے بزرگوں" بالخصوص علی الہجویری داتا گنج بخش لاہوری" صاحب کشف المحجوب کی

رہے کہ ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ کیسی ہی مصیبت آپڑے سلسلۂ آلام و آفات کے کتنے ہی پہاڑ ٹوٹیں، دشمنوں کا ہجوم ہو، ظلم نے گھیر لیا ہو، سلسلۂ حوادث سر سے گزر رہا ہو، کبھی پریشانی اور گھبراہٹ کا اظہار کئے بغیر ہمت و حوصلہ سے اُس کا مقابلہ کیا جائے۔

اور زہد یہ ہے کہ انسان تمام مباحات شرعی سے کراہت و نفرت کرتا ہے اور اس کا دامن معاصی کے داغ دھبوں سے یکسر پاک و منزہ ہو۔ لیکن یہ زہد بھی ظاہری زہد ہے باطنی زہد اس سے بلند اور بہت ارفع چیز ہے وہ یہ ہے کہ نہ صرف مباحات شرعیہ سے اجتناب کی جائے بلکہ اس کا قلب دنیا کی تمام فانی چیزوں سے بیزار و متنفر ہو جائے۔

اسی طرح ورع عام یہ ہے کہ انسان تمام مشتبہ و حرام چیزوں سے خود کو بچائے لیکن ورع خاص بہت بڑی چیز ہے وہ یہ ہے کہ تمام خواہشات و لذائذ انسانی سے بے پروا ہو جائے اور اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ پھر ورع کا ایک خاص الخاص درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خود کو ہر اس چیز سے روکے جس کا وہ ارادہ کر سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس کا کوئی اپنا ارادہ ہی باقی نہ رہے اور اس کے تمام ارادے مرضیات الٰہیہ کے تابع ہو جائیں جو کھلانے والا کھلائے کھائیں جو پہنانے والا پہنائے پہنیں جو کرانے والا کرائے وہ کریں۔ یہ انقطاع و تجرد کا درجہ ہے۔

بزرگوں یا اولیاؤں کی روحانیت سے مستفید ہونے کے متعلق مؤلف امروہوی کے بیانات

اس قدر دکھا اور بتا چکنے کے بعد اب ہم جناب مؤلف صاحب کی تحریر کردہ ایک روایت کو جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک عباسی شہزادی نے حضرت قثم بن حضرت عباسؓ کے مزار مبارک سے استمداد کیا درج کرتے ہیں۔

انہوں نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۲۲ پر لکھا ہے کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ جب خلافت عباسیہ کا چنگیزیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا خاندان عباسیہ کے ہزاروں افراد کو تہ تیغ کیا۔ امیر المومنین مستعصم باللہ عباسی (آخری خلیفہ بغداد) کی بھتیجی تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہوئی۔ قافلہ تاتار جب سمرقند پہنچا عفیفہ نے (عباسی شہزادی نے) مزار شاہ قثم کے مزار) کو دیکھ کر فاتحہ خوانی کی اجازت مانگی۔ اور مزار پر آکر بارگاہ رب العزت میں یوں ملتجی ہوئی کہ اے قادر و توانا اگر صاحب مزار تیرے پیارے رسولؐ کے بھائی اور تیرے مقرب ہیں تو اس مزار کو شق فرما دے کہ میں اس میں سما جاؤں خدایا خاندان نبوت کی ایک لاچار لڑکی کی عفت محفوظ اور خاندان رسالت کی لاج رکھ۔ قدرت خدا سے مرقد شق ہو جاتی ہے اور اس میں وہ عفیفہ شہزادی سما جاتی ہے۔

اپنے مقصد کے تحت جیسا کہ اوپر کہیں ہم دکھا آئے ہیں اس روایت میں بھی مؤلف صاحب نے اپنی خاص تحریف کی ہے مگر اس جگہ صرف یہ دکھانا ہے کہ وہ حضرت قثمؓ کے انتقال سے تقریباً چھ سو برس بعد ایک عباسی شہزادی کا اُن کی روحانیت یا قبر سے مستفید ہونا خود تسلیم کرتے ہیں تو جب اس شہزادی نے جو کوئی زاہدہ اور عابدہ نہ تھی بلکہ محض شہزادی تھی بلا کسی مجاہدہ اور ریاضت کے آناً فاناً میں استفادہ حاصل کر لیا تو حاجی جمال قدس سرہٗ جیسے بزرگ کے حضرت میر علی الہجویری سے استفادہ کرنے یا مستفید ہونے کو مؤلف امروہوی کسی طرح بھی نادرست اور ناممکن نہیں ثابت کر سکتے۔ انہوں نے اپنی تصنیف تاریخ امروہہ کی جلد ثانی موسوم بہ تذکرۃ الکرام میں سینکڑوں برس پہلے کے بزرگوں سے لوگوں کے استفادہ حاصل کرنے اور اُن کی روحانیت سے مستفید ہونے کے واقعات خود اپنے قلم سے تحریر کئے ہیں لیکن یہاں وہ حاجی جمال قدس سرہٗ سے میر علی الہجویری سے فیض حاصل کرنے اور اُن سے مستفید ہونے پر اعتراض کر رہے ہیں۔ اس سے انہوں نے اپنی دیانت طبع میں اس کینہ کا جو اُن کے دل میں زبیری کسوی خاندان کی طرف سے ہے ایک اور ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

تذکرۃ الکرام کے صفحہ ۱۲۱ پر مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ صاحب کشف و کرامت بزرگ بڑے بڑے ولی اللہ صاحب سلسلہ متبع ہر دور اس عہد میں ہوتے رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے تصوف فاروق اعظم میں جو مبسوط رسالہ لکھا ہے جو ان کی مشہور کتاب ازالۃ الخفاء کا ایک جزو ہے مشائخ کے بہت کم سلسلے حضرت فاروق اعظمؓ سے منسوب ہیں۔ البتہ آپ کے کشف و الہام اور فراست ایمانی کے اکثر واقعات کتب سیر و حال میں مذکور ہیں۔ ۲۳ھ ہجری میں بعہد خلافت فاروقی ممالک عجم پر مسلمانوں نے فوج کشی کی۔ ایک دستہ فوج کے افسر حضرت ساریہ بن زنیمؓ

حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ جو پیر میں یہ پانچ صفات نہ ہوں تو وہ پیر نہیں دجّال ہے۔
(۱) شریعت کا عالم ہو۔ (۲) علم حقیقت جانتا ہو۔ (۳) مسکینوں اور مسافروں کو کھانا کھلاتا ہو۔ (۴) عجز و انکساری کے ساتھ پیش آتا ہو۔ تکبر، حسد، غرور، غفلت، آرام طلبی اور خود بینی سے پاک ہو۔ اور مریدوں کی باطنی تعلیم و تربیت کی پوری اہلیت رکھتا ہو۔
(۵) لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور حسنِ سلوک سے پیش آتا ہو۔ فرماتے ہیں کہ دس خصائل ایسے ہیں جو انسان کو معراجِ کمال تک پہنچا سکتے ہیں۔ جن پر اگر انسان کاربند اور پختگی کے ساتھ عمل پیرا ہو جاتا ہے تو خدائے عزّوجل اُسے بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ اور اُس کا نام بزرگوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

(۱) جب تک انسان اپنے اندر پختہ رہنے کی قوت نہ دیکھ لے۔ اُس وقت تک کسی حالت میں خدا کی سچی یا جھوٹی قسم نہ کھائے۔
(۲) دروغ گوئی اور کذب بیانی کی عادت قطعاً ترک کر دے۔ صدق گوئی کی عادت پڑ جانے۔ اور اُس کا خوگر بن جانے پر اللہ تعالیٰ انشراحِ صدر عطا کر دے گا۔ اُس کے رگ و پے میں سچائی اُتر جائے گی۔ وہ دوسروں کو جھوٹ بولتے دیکھنے کا تو روکے گا۔ اور اُس کے حق میں دعا کرے گا۔ جس کا ثواب ملے گا۔
(۳) یہ کہ جو وعدہ کرے اُسے ضرور پورا کرے۔ اِس خصلت کو محکم بنانے کی یہ صورت ہے کہ وعدہ کرنا ہی چھوڑ دے۔ وعدہ خلافی کیا ہے۔ جھوٹ ہے۔ اِس خصلت کی وجہ سے اُس کو درجہ حیا عطا ہوگا۔ سخاوت کا دروازہ اُس پر کھولا جائے گا۔ اور راست بازوں کے دلوں میں اُس کی دوستی پیدا ہوگی۔
(۴) مخلوقاتِ عالم میں۔ کسی پر بھی خواہ وہ انسان ہو یا اور کوئی لعنت نہ بھیجے۔ اور نہ ایذا پہنچائے کیونکہ لعنت نہ کرنا۔ اور ایذاؤں سے احتراز کرنا صدیقوں اور ابراروں کے اخلاق ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھتا۔ ہلاکت سے بچاتا اور اپنا قرب نصیب کرتا ہے۔
(۵) مخلوقِ خدا میں سے کسی کے لئے بددعا نہ کرے قطع صلہ رحم نہ کرے۔ اور نہ بدلہ لے۔ خواہ اُس پر ظلم ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ اللہ کے لئے اُسے برداشت کرے۔ یہ عادت انسان کو بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہے۔ دُنیا و آخرت میں عزت و قبولیت ہوتی ہے۔
(۶) یہ کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرے۔ نہ کسی پر الزام لگائے۔ اور نہ اس کی شہادت دے۔ یہ قربِ خداوندی کا بہترین راستہ ہے۔ کہ اُس سے شفقت علی المخلوق پیدا ہوتی ہے۔
(۷) یہ کہ ظاہر و باطن میں معاصی کی آلائشوں سے محفوظ رہکر۔ پاکیزگی حاصل کرے۔ اور اپنے اعضاء و جوارح کو بھی روکتا رہے۔
(۸) یہ کہ مخلوق میں سے کسی پر بھی اپنا جزوی یا کلی بار نہ ڈالے۔ بلکہ خود دوسروں کا بار اُٹھانے کی سعی کرے۔ جب وہ اس پر کاربند ہونگے تو اللہ کے نزدیک اُن کی عزت و توقیر بڑھ جائے گی۔ اور درجات ترقی کرتے چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تونگری، یقین اور اعتماد کی دولت سے مالا مال کر دے گا۔ اور اُس پر اُسے حق کہنے میں باک نہ ہوگا۔
(۹) یہ کہ لوگوں سے کوئی طمع نہ کرے۔ اور نہ اس شے کی آرزو کرے جو ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ خصلت بہت بڑی خصلت ہے۔ اس کے اختیار کرنے سے پرہیزگاری اور اتقاء حاصل ہوتا ہے۔ یہ خصلت زہد کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جن دروازوں میں سے اللہ پر اعتماد رکھنے والے گذریں گے۔ اِن میں سے یہ بھی ایک دروازہ ہے۔
(۱۰) یہ کہ تواضع اختیار کرے۔ عابد کی حیثیت اس سے مستحکم ہوتی ہے۔ متواضع شخص جس شے کا ارادہ کرے گا۔ اُس پر اُسے قوت حاصل ہو گی۔ اُس کی دنیا و آخرت کے سب کام پورے ہو جائیں گے۔ خلق اللہ میں اُسے عزت و سربلندی حاصل ہوگی۔ صالحوں کے مراتب بندے کو اِسی عادت سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ خصلت تمام طاعتوں کی اصل ہے۔ متواضع لوگ ہی سرد و گرم زمانے میں راضی خوشی رہتے ہیں۔
بزرگوں نے صبر کی تعریف یہ کی ہے کہ صبر کے معنی بزدلانہ خاموشی کے یا کسی عزیز رشتہ دار کے مرنے پر چپ ہو جانے کے نہیں۔ بلکہ اُس کے معنی نہ صرف ثبات و استقلال بلکہ زبردست ثبات و استقلال اور ہمت و استقامت اور مصائب و نوائب کا مردانہ وار مقابلہ

تحقیق در صحبت یافت در وقت روانگی رو بروئے مرقد مقدس بر ایستادہ این شعر خواند ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا

کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

ہماں روز ایشاں نامی شدہ علی مخدوم بہ گنج بخش ہجویری مشہور شدند

واصل مخدوم از شہر غزنی است و ہجویر و جلاب دو محلہ از محلہ ہائے غزنی اند

وقت روانگی روبروئے مزار مقدس کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھے ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا

کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

اُس روز سے نام نامی اُن کا علی مخدوم کی گنج بخش ہجویری مشہور ہوا

واصل مخدوم صاحب کی شہر غزنی سے ہے۔ اور ہجویر اور جلاب دو محلے غزنی کے محلوں میں سے ہیں۔

(۴۴) حدیقۃ الاولیاء کے صفحہ ۹ پر ہے کہ شیخ علی مخدوم ہجویری الملقب بہ داتا گنج بخش کی وفات کے بعد بھی اولیائے کرام فیض و اثر اُن کی خاک پاک سے حاصل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری نے بھی یہاں چلہ پاؤں کی طرف کیا اور مراد حاصل کی شہنشاہ ہند خطاب پایا۔

خواجہ فرید الدین گنج شکر چشتی نے ذوق و شوق کا صداق بھی اسی دربار سے پایا۔ علیٰ ہذا القیاس تمام بزرگان اقلیم ہند جس قدر ہوئے ہیں سب نے ان کی آستاں بوسی کی ہے۔

حضرت شاہزادہ دارا شکوہ فرماتے ہیں کہ چالیس جمعرات جو کوئی پیہم - ان کے مزار پر جائے مدعا سے جو مانگے سو پائے۔ اب بھی ہر جمعرات کو معتقدان شہر لاہور و امرتسر جمع ہو کر حضرت کے مزار پر تمام رات بیدار رہتے ہیں۔ شام سے صبح تک درود شریف کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر دن کو ہر جمعہ کے روز میلا ہوتا ہے۔ عام و خاص حضرت کے سلام سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ غرضکہ حضرت کی ولایت کا بازار باوجود یکہ نو سو پینتیس برس اُن کی وفات کو گذرے ہیں۔ آج تک گرم ہے بلکہ روز افزوں ہے۔ وفات آخر سال چار سو پینسٹھ ہجری کا ہے۔

یہ چند حالات ہم نے کچھ بزرگوں اور میر علی ہجویری صاحب کشف المحجوب کے فیضان کی دی ہیں۔ انہیں دیکھ لینے کے بعد بھی اگر جناب مؤلف صاحب کو حاجی جمال کے حضرت میر علی الہجویری سے مستفید ہونے میں تامل ہے تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اولیا را بر قیاس خود مگیر　　گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

آں یکے شیرے کہ آدم می خورد　　آں یکے شیرے کہ آدم می خورد

اولیاء اللہ مرتے نہیں۔ اُن کا انتقال محض انتقال مکانی ہوتا ہے۔ اُن کی ظاہری موت کے بعد بھی اُسی طرح اور اُسی شان سے اُن کا فیض عام جاری ہے۔ جس کے مشاہدے ہر زمانے میں برابر ہوتے چلے آئے ہیں۔

یہ قدرتیں اولیاء اللہ کو حاصل ہوتی ہیں۔ وہ بڑی ریاضتوں کے بعد حاصل ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کے عمل ان باتوں پر تھے جو اُن کے اقوال سے ظاہر ہیں کہ ضمیر مصفا تو ایک طرف مشتبہ نوالہ ایک تل بھی لذتِ عبادت کھو دیتا ہے۔ اور لقمۂ حرام تو قلب کو بالکل تاریک کر دیتا ہے۔ رشوت، خیانت، دھوکا، سود اور غیر معقول باتوں کی خوراک ذوقِ عبادت کو تباہ کر دیتی ہے۔

اگر رجحان بُرائی اور شرارت کی طرف مائل ہے۔ اور ضمیر کی مخالفت پیہم کی جاتی رہی ہے تو لازماً نفس قوی ہو گا۔ اور ضمیر کی آواز پست و کمزور ہو گی۔ اگر انسان کا رجحان نیکی کی طرف رہتا چلا آیا ہے اور وہ بُرے کاموں سے برابر بچتا آ رہا ہے تو ضمیر کے حوصلے بلند ہوں گے۔ وہ قوی ہو گا اور جلد نفس کو مغلوب کر لے گا۔ اگر ضمیر مردہ ہو گیا ہو گا تو پھر اُسے بُرائی کا کوئی احساس نہ ہو گا۔ اور انسان ایک مجسم شیطان اور پیکر شیطنت ہو گا۔ ایسی حالت کے لئے ختم اللہ علیٰ قلوبہم وعلیٰ ابصارہم غشاوۃ کہا گیا ہے۔ پھر انسان کو نہ کچھ سوجھتا ہے۔ نہ سوچ سکتا ہے۔ نہ دیکھ سکتا ہے۔ نفس قوی اور تنومند ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس سے پھر بُرائیاں ہی بُرائیاں سرزد ہوتی ہیں۔ جب نفس مُردہ ہو جاتا ہے تو انسان ایک مقدس فرشتہ خصلت ہو جاتا ہے۔ وہ بُرائیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اُس سے پھر نیکیاں ہی نیکیاں سرزد ہوتی ہیں۔

احرار نقشبندی سے بھی اُن کو بہت فیض حاصل ہوا ۔"

(۱۸) اِسی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر ہے کہ "مظہر جلالی میں لکھا ہے کہ "حضرت مخدوم جہانیان بن سید احمد کبیرؒ جب مدینہ منورہ گئے "تو شرفائے مدینہ نے ۔ اُن کی سیادت کی سند طلب کی "روضۂ حضرت رسول اللہ صلعم پر گئے اور کہا اسلام علیکم یا ولدی وجدی " اندر سے آواز بلند آواز ہوئی کہ وعلیکم السلام یا ولدی باقرۃ عینی " یہ کرامت دیکھکر حضرت کی سیادت کے سبب قایل ہوئے ۔"

(۱۹) مآثر الامراء صفحہ ۲۰۹ و ۲۰۵ میں اور خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۳۰ پر "حضرت مخدوم شیخ جمالی زبیری کنبوی ؒ کے حالات میں تحریر ہے کہ ۔

روزے در نعت "حضرت پیغمبر صلعم" قصیدہ نوشت "ہماں شب" آں حضرت صلعم را در خواب دید کہ میفر مایند کہ اے جمالی " ایں بیت از قصیدۂ تو قبول دارم ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

گویند "قصیدۂ در نعت گفتہ کہ بعضے صلحا بقبولیت ایں بیت از ال حضرت بشارت یافتہ اند ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

جس دن آں حضرت صلعم کی نعت میں قصیدہ لکھا اُسی رات کو خواب دیکھا " کہ فرماتے ہیں " اے جمالی تیرے قصیدے کی یہ بیت میں نے قبول کی "

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

کہتے ہیں کہ قصیدہ جو نعت میں کہا " بعض صلحائے آنحضرت صلعم سے اِس بیت کی قبولیت کی بشارت پائی ہے "

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

(۲۰) خزینۃ الاصفیا جلد اوّل کے صفحہ ۲۸۲ پر ہے کہ ۔

شیخ دانیال چشتیؒ مرید وخلیفہ "سید راجی حامد شاہ است " و فیض باطنی از روح خواجہ بزرگ "معین الدین حسن سنجریؒ" حاصل میکرد " وفات در ۸۹۹ ہجری ۔ عمر یکصد و یازدہ "

شیخ دانیال چشتیؒ "مرید وخلیفہ سید راجی حامد شاہ کے ہیں " فیض باطنی خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری رحؒ سے حاصل کیا " ایک سو گیارہ برس کی عمر میں ۸۹۹ ہجری میں وفات پائی "

(۲۱) حدیقۃ الاولیاء کے صفحہ ۱۴ و ۱۵ پر " شیخ حسین المشہور بہ لال حسین لاہوری المتوفی ۱۰۰۸ ہجری کے حال میں لکھا ہے کہ آپ شیخ بہلول ؒ کی نظر فیض اثر سے خو۔ دس سال میں ولی کامل ہوگئے " بن بعدہ مدت مدید عبادت اور ریاضت شاقہ میں معروف رہے تھا اور کئی چلے مزار گوہر بار " میر علی مخدوم گنج بخش ہجویری " پر کئے ۔ اور تکمیل کو پہنچے "

(۲۲) خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۴ پر حضرت میر علی ہجویری الغزنوی الاہوری قدس سرہٗ کا حال تحریر ہے کہ ۔

مخفی مباد کہ مقام پُر انوار " شیخ علی ہجویریؒ جائیست متبرک و پُر فیض و ملجائے خلق " کہ در ایام سلف وحال " خلق خدا از خاک پاک " آں مقتدائے اولیا اند فوائد دینی و دنیوی حاصل میکنند " چنانچہ " خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری (اجمیری) قطب الہند (ولادت ۵۳۰ھ ہجری) و فرید الدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم " وغیرہ " اولیائے کبار و مشائخ نامدار " از مزار گوہر بارو " فوائد عظیم یافتند " و مدتے درین جا خلوت گزیں ماندند ۔ کہ تا حال مقام خلوت " خواجہ بزرگ " اندرون حریم مزار " و مکان چلہ حضرت فرید رح " بیرون خانقاہ عالی جاہ " موجود است "

مخفی نہ رہے کہ مقام پُر انوار " شیخ علی ہجویری " متبرک اور پُر فیض اور ملجائے خلق جگہ ہے " ایام سلف اور حال کے زمانہ میں خلق خدا اس مقتدائے اولیاء کی خاک پاک سے فوائد دینی اور دنیوی حاصل کرتی ہے " چنانچہ خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری (اجمیری) قطب الہند اور فرید الدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم وغیرہ اولیائے کبار " اور مشائخ نامدار نے مزار گوہر بار سے فوائد عظیم پائے ہیں " اور مدت تک اِس جگہ خلوت گزیں رہے ہیں ۔ اور اب تک مقام خلوت خواجہ بزرگ اندرون حریم مزار " اور مکان چلہ حضرت فرید خانقاہ عالی جاہ کے باہر موجود ہے "

نقل است کہ وقتے " خواجہ بزرگ معین الدینؒ " بعد حصول مقاصد و عطائے خلعت قطبیت ہند " از مزار گوہر بارش " حضرت

نقل ہے کہ جس وقت خواجہ بزرگ معین الدینؒ نے بعد حصول مقاصد اور عطائے خلعت قطبیت ہند مزار گوہر بار حضرت شیخ سے رخصت پائی "

(۸) رسالہ مولوی بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ہجری میں تحریر ہے کہ "حضرت بو علی شاہ قلندرؒ" نے "حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ" سے ایک سال پہلے ۱۳ رمضان ۷۲۴ھ ہجری میں بمقام "بڈھا کھیڑہ" انتقال فرمایا اور "کرنال" میں مدفون ہوئے "پانی پت" والوں نے اطلاع پاکر نعش مبارک حاصل کی۔ اور پھر اسے پانی پت میں لاکر دفن کیا۔ لیکن عجیب تصرف ہے کہ "پانی پت" ہو۔ یا کرنال یا بڈھا کھیڑہ ہو یا بھاگوئی "جہاں بھی حضرت نے چند روز قیام فرمالیا ہے۔ وہ مقام سجدہ گاہ قدسیاں بن گیا ہے" مزار مبارک سے اب تک سلسلۂ فیض جاری ہے۔

(۹) مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ ؎

ہر کس کہ کمال اولیا را نہ شناخت	وین نعمتِ خاص نے بہا را نہ شناخت
پس شکر نہ گفت و حبِ ایشاں نگزید	میدان بہ یقین کہ او خدا را نہ شناخت

(۱۰) بیاض جانفزا خاتمہ بیاض دلکشا" در احوال مولانا محمد نصر اللہ خاں صاحب خویشگی الخورجوی " مطبوعہ مطبع مصطفائی اکبرآباد کے صفحہ ۱۶۱ پر تحریر ہے کہ "بحسنِ اتفاق" جامع مسجد دہلی" میں نماز عصر کی پڑھی معلوم ہوا کہ اس وقت فاتحہ خوانی عرس حضرت شیخ الشیوخ میرزا مظہر جانجاناں صاحبؒ" کی خانقاہ میں ہوتی ہے۔ پس نعمتِ غیر مترقبہ جان کر حاضر ہوا۔ اور نذر شرکت عرس گذرانی "اس وقت جو کچھ کہ میں نے پایا" اور دیکھا" کبھی ایسا نہ دیکھا تھا"

دسویں محرم کو عرس "اخوان صاحب" کا ہوا" فاتحہ یازدہم" بارگاہ سلطان المشائخ "نظام الدین اولیاؒ" میں کرکے۔ خدمت میں بندہ ادی شاہ صاحب" کے حاضر ہو کر۔ بمزارات اکابر کے۔ التماس دعائے صحت و ترقی حیات پیر دستگیر اپنے کے چاہی "عجیب جواب مجھ کو حاصل ہوا کہ بادل مجروح واپس آیا۔ و بحضور مرشدی قدمبوس ہو کر عرض حال کیا کہ "حضرت شاہ آبادانیؒ" فرماتے تھے کہ "پیر تمہارا صحت نہیں چاہتا ہے۔ اور صحت اس کی منجانب خدا خواستگاری پر موقوف ہے" اور "حضور سلطان المشائخ رح" سے خبر رحلت پائی گئی" اور صفحہ ۱۶۱ پر ہے کہ "۲۳ محرم کو "مولانا ابوالخیر صاحب ابن حضرت مولانا شاہ عمر صاحب دہلوی" "ثم مکی رح" "رامپور سے" "خورجہ پہنچے۔ اور سبب اپنے پہنچنے کا بیان فرمایا کہ "مزار سے اپنے والد مرحوم مولانا محمد عمر صاحب کے حکم سفر "خورجہ" کا بہ حاضری خدمت مولانا کے صادر ہوا" پھر صفحہ ۱۶۲ پر ہے کہ "ہر گاہ جامع اوراق اندرون مزار پُر نور کے گیا (دفن کرتے وقت) اور زیر لحد بیٹھا" قسم بخدا کہ گویا بہشت میں پہنچا۔ اور انوار برکات سے مالا مال ہو گیا۔ ہر گز اندر سے دل نکلنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اور کسی طرح خوشبوئے عجیب سے تفرقہ گوارا نہیں تھا۔ اور وہ ایسی خوشبوئے عجیب تھی کہ اب تک دماغ اس کا مشتاق ہے" اسی وقت ایک مشتِ خاک زیر قدم مرشدی سے اٹھا کر لوگوں کو دیدی۔ اور خواص حاضرین کو سنگھائی۔ سب نے شور مچایا کہ بخدا۔ کا ہے ایسی خوشبو نہیں سونگھی" اور کسی عطر و مشک میں یہ فرحت نہیں پائی" خدا جانے کیا خوشبو ہے" بیشک بہشت بریں کی مشک بو ہے" اور اندرون قبر شریف ایک دریچہ سمت قبلہ دیکھا جس کا حال خدا ہی جانتا ہے۔ اور جو عجیب حال خدا نے اپنے بندوں پر اس وقت یکبارگی ظاہر کر دیا۔ اور حجاب اٹھا دیا۔ اس کا بیان ہر یار و اغیار سے مجاز نہیں۔ اور اظہار اسرار اپنا انداز نہیں" صفحہ ۱۶۴ پر ہے کہ جب کوئی لڑکا دورۂ مدرسہ صاحب کے حضور میں نہ آتا اور سبق یاد نہ کرتا" تیسری رات کو" سیدی مرشدی" خواب میں اس کو دھمکا دیتے کہ صبح کو جا کر سبق لے لے کیا مجھ کو مُردہ جانتا ہے۔ میں تو زندہ ہوں۔ پس صبحدم دوڑا ہوا حضرت جی کی محبت سے روتا۔ دھمکی سے ڈرتا ہوا خود بخود کتاب بغل میں لئے ہوئے حاضر مدرسہ ہوتا اور قصہ خواب کو بیان کر دیتا" یہ تصرفات مرشدی کے کچھ شاگردان خاص مدرسہ اور عزیزانِ حاضر باش پر منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ اب تک مسافر جو حاضر خواجہ شریف ہو کر صدق ارادت پیش کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی "سیدی" مہمان نوازی بدستور حیات جسمانی فرماتے ہیں۔ چنانچہ اگر خوف طول کتاب کا نہ ہوتا۔ نام بنام حال تفصیلی عرض کرتا"

(۱۱) خزینۃ الاصفیا جلد اول کے صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۸ پر "شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح کے پیر" سید موسیٰ پاک شہید قدس سرہٗ" کے حال میں تحریر ہے کہ

"فرزند و جانشین" حامد گنج بخش گیلانی است" و بخطاب جمال الدین ابو الحسن" مخاطب بود" بارہا بزیارت" حضرت شاہ رسالت مآب صلعم" و شرف رویت" حضرت غوث الاعظم" بخواب و بیداری مشرف گشت۔ و نیز بہ شیخ عبد القادر ثانی

"فرزند و جانشین حامد گنج بخش گیلانی کے ہیں اور جمال الدین ابو الحسن کے خطاب سے مخاطب تھے" بارہا حضرت شاہ رسالت مآب صلعم کے شرف رویت اور حضرت غوث الاعظم سے خواب و بیداری میں مشرف ہوئے" اور شیخ

جمال بحیثیت کا تھوڑا سا حال لکھ کر اُن سے روشناس کرا دیں۔ حاجی صاحب کا اسم گرامی حسام الدین اور لقب جمال الدین تھا۔ اس لقب کو مختصر کر کے لوگ آپ کو قاضی جمال اور حاجی جمال کہتے تھے۔ آپ مرید مخدوم بہاؤالدین ذکریا سہروردی رح کے تھے۔ اور خلیفہ مخدوم صا کے پسر کلاں اور جانشین حضرت شیخ صدرالدین عارف رح کے تھے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ایک روز حضرت شیخ صدرالدین اپنے والد بزرگوار کے مزار پر تشریف لے گئے۔ اُس وقت اُن کے ہمراہ مولانا حسام الدین عرف حاجی جمال بھی تھے۔ حاجی صاحب کے دل میں خیال آیا کہ کیا اچھا ہوتا جو بقدر ایک مزار کے زمین مجھکو پائیں مزار شریف حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے حضرت شیخ صدرالدین عطا فرماتے تو برکت جوار مزار شریف کے میں عذاب دوزخ سے نجات پاتا۔ یہ خیال دل میں شیخ حسام الدین کے گذرا کہ فوراً حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہٗ العزیز کو الہام باطنی ہوا اور مولانا حسام الدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے مولانا حسام الدین تمھارے واسطے زمین دینے میں مجھ کو تامل نہیں ہے مگر حضرت رسالت پناہ صلعم نے زمین پاک تمھارے دفن کے لئے شہر بداؤں میں تعین و مقرر فرما دی ہے۔ تمھاری قبر اُسی جگہ ہوگی۔ حضرت حسن سجزی رح مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاء رح نے اپنی کتاب فوائد الفواد (ملفوظات خاندان چشت) میں ۷۱۹ ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ روز دوشنبہ ۱۸ محرم ۷۱۹ ہجری کو سعادت دست بوسی حاصل ہوئی۔ اُس دن بشارت کہ بداؤں سے آیا ہوا تھا۔ بداؤں اور اس کے آس پاس کا ذکر ہو رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اس لشکر کو جہاں تک دیکھا گیا۔ بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہے۔ جیسا کہ والد بزرگوار مولانا علاؤالدین اصولی و مولانا سراج الدین ترمذی و خواجہ شاہی کے موئے تاب۔ و خواجہ عزیز کوتوال و خواجہ شاہی لکھنوتی و قاضی جمال رح سب ہے ان بزرگوں کے نام لے۔ تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور ہر ایک کا ذکر کرنے لگے۔ جب قاضی جمال کا نام لیا تو فرمایا کہ۔ انہوں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلعم ایک جگہ بداؤں کے علاقہ میں بیٹھے ہوئے وضو فرما رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو وہ اُدھر ہی پہنچے۔ اور جا کر دیکھا تو وہ جگہ تر پائی۔ لوگوں سے کہا کہ میرے لئے قبر کھود دو۔ چنانچہ جب اُن کی وفات ہوئی تو اُن کو اُسی جگہ دفن کیا گیا۔ (فوائد الفواد جلد چہارم ص۲۹ و ۳۱ مطبوعہ) مندرجہ بالا دونوں روایتیں خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے ص۳۱ و ۳۲ پر بھی تحریر ہیں۔ کتاب روضۃ الصفا میں ایک نقل درج ہے کہ حاجی صاحب جمعہ کی نماز بوجہ کشف الارض مکہ معظمہ میں جا کر ادا فرماتے اور پھر واپس آ جاتے۔

تذکرۃ الواصلین مطبوعہ کے ص۲۳ و ۲۴ میں تحریر ہے کہ حضرت سید حسن شیخ شاہی روشن ضمیر رح شیخ عثمان و شیخ صدرالدین شاہ ولایت صاحب کے بڑے بھائی ہیں اور مرید و خلیفہ قاضی حمیدالدین ناگوری کے تھے جو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے۔ شیخ شاہی نے حضرت قاضی حسام الدین عرف حاجی جمال ملتانی سے علم ظاہری حاصل کیا تھا۔ اسی کتاب کے ص۲۶ و ۲۷ پر ہے کہ حضرت حاجی جمال رح نے بشارت دی کہ جو کوئی شخص آپ کی قبر کے پاس ہو کر گذر جائے گا بفضلہ تعالیٰ بہ برکت بردلِ اجلال حضرت رسولِ مقبول صلعم کے اُس پر آتش دوزخ حرام ہوگی۔ اور ص۳۸ پر ہے کہ آپ کے مزار کی مٹی کی یہ تاثیر ہے کہ لوگ دور دور سے آتے اور پائین قبر کی خاک پاک لے جاتے ہیں۔ برکت اُس خاک کے اور گھول پلانے جس کی زبان میں لکنت ہوتی ہے اُس خاک کے چاٹنے سے جاتی رہتی ہے۔ بداؤں قدیم و جدید مطبوعہ کے ص۳۱ پر ہے کہ آپ کا نام حسام الدین تھا اور عرف حاجی جمال ملتانی ہے۔ آپ حضرت سلطان العارفین سید حسن شیخ شاہی اور سلطان العارفین صاحب کے بھائی حضرت صدرالدین شاہ ولایت بداؤں کے اُستاد تھے۔ زبان جس بچہ کی نہیں کھلتی اُس کو آپ کے پائین قبر کی مٹی چٹوائی جاتی ہے۔ اُس کی ہکلاہٹ اور تتلاپن دور ہو جاتا ہے۔ کامیابی پر بدھنی اور تکٹکا و پر آپ کی فاتحہ ہوتی ہے۔ آپ کا مزار حضرت احمد خیاط اور حضرت سلطان العارفین کے مزارات کے درمیان واقع ہے۔ آپ کا ذکر اخبار الاخیار کے ص۴۶ پر اور سیر العارفین کے ص۱۳۶ و ۱۳۸ پر بھی ہے۔ اور دیگر کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

نواب شہار جان کے عہد تشم سے حاجی جمال رح سے تھوڑا سا روشناس کر دینے کے بعد ہم مؤلف امروہوی کے تذکرۃ الصفا پر نظر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ تھوڑا سا پڑھنا کر کے کسی بھی کتب خانے میں جانے کی تکلیف گوارا کر لیتے تو۔ حاجی جمال رح کا سنہ وفات معلوم کر لیتا

ملتانی سے بیعت تھے" قرین قیاس ہے۔ (۳۴۵،۳۴۴)

مؤلف امروہوی کی المشاہیر کے بیان میں تحریف اور اس کی وجہ

صاحب تحقیق الانساب کے بیان، صاحب المشاہیر کے حوالہ سے جو ایک بزرگ "حاجی کمال الدین" کو "نواب شہباز خاں" کے تیسری پشت میں، بتاکر ان کو "مخدوم شیخ بہاؤالدین ذکریا رح" کا مرید بتایا ہے وہ صحیح نہیں ہے "بلکہ "المشاہیر" کے مشتبہ ہے۔ عبارت یہ ہے کہ "حاجی جمال جد اعلیٰ نواب شہباز خاں (یا) عرب سے وارد ہند ہوئے۔ اور حیثیت پر لکھا ہے کہ "صاحب ماثر الامراء لکھتے ہیں کہ "حاجی جمال" شہباز خاں کے جد ستم "مخدوم بہاؤالدین ذکریا" کے مرید تھے۔ ایک درویش نے "مخدوم صاحب" سے سوال کیا کہ برائے خدا ہر پیغمبر کے نام پر مجھ کو ایک اشرفی دیجئے۔ "مخدوم صاحب" کو تامل و فکر ہوا "پیغمبروں کا شمار لاکھوں تک ہے۔ نہ اس کا سوال پورا کرسکتے تھے نہ خدا کی دوستی کے واسطے دلانے سے ایسے شیخ وقت اور صوفی واصل حق کو بے ساختہ انکار کا کل تھا۔ "حاجی صاحب نے عرض کیا "اس فقیر کو میرے ساتھ کیجئے۔ میں اس کی خواہش پوری کردوں گا۔ اور حسب اجازت فقیر کو اپنے گھر لاکر کہا "نام ایک ایک پیغمبر کا اپنی زبان سے کہتے جاؤ اور ہر اسم ایک اشرفی لیتے جاؤ" درویش دو تین پیغمبروں کے نام اور اشرفیاں لیکر ساکت رہا۔ اور معترف بعجز ہوکر بخوشی رخصت ہوا۔ "حضرت مخدوم" اس عاقلانہ تدبیر کو سنکر ان کی دانائی سے نہایت محظوظ ہوئے۔ اور دعا دی کہ تم میں کوئی خفیف العقل نہ ہو۔ چنانچہ اکثر اس فرقہ کے آدمی ہندوستان میں "عقل، ذہن، اور ہوشمندی کے ساتھ مشہور و معروف ہیں"

خود مؤلف صاحب بھی اسی حیثیت میں صفحہ ۳۴۴،۳۳ پر خود لکھ چکے ہیں کہ۔

"شہباز خاں کنبوہ "نسبش بہ ششش واسطہ بہ حاجی جمال میرسد۔ کہ مرید مخدوم بہاؤالدین ذکریا"
ملتانی بود۔ "ہر شب جمعہ صد اشرفی راہ شبریبی نذر" حضرت غوث الاعظم قدس سرہ تخش میکرد۔ و ہر دم
کنبوہ "آں قدر دعا داد "کہ ہیچ کس ازیں قوم "در ہند" پریشان و بدحال نماند"

(ماثر الامراء جلد سوم مطبوعہ صفحہ)

مگر وہاں ان کا دوسرا مطلب تھا وہ یہ ہے اس حوالہ میں "نواب شہباز خاں" کے نام کے ساتھ صرف لفظ "کنبوہ" لکھا ہوا دکھا رہے تھے "اس لئے انہیں "حاجی جمال رح" کے نام "اور جتنی نسبتوں میں وہ "نواب صاحب موصوف کے "دادا ہیں" ان باتوں پر توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی "اس موقع پر "مؤلف صاحب" نے "نواب شہباز خاں" کے جد اعلیٰ کے نام اور زمانہ کے متعلق "صاحب المشاہیر" کے بیان کی اپنے جس مقصد کے تحت تحریف کی ہے اس سے ہم واقف نہیں ہیں "مگر جب "نواب شہباز خاں" کی پیدائش اور مخدوم بہاؤالدین ذکریا رح کی وفات کا درمیانی زمانہ پونے تین سو برس کا ہے "اور ظاہر ہے کہ "نواب صاحب" سے "تیسری پشت میں ان کے پردادا" مخدوم صاحب "کا زمانہ کسی طرح نہیں پاسکتے" تو ہمارے خیال میں اس تحریف سے ان کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے پہلے صاحب المشاہیر کی واقفیت کو "اپنے ناظرین کی نظروں میں کم کرکے دکھانا چاہا تھا "اور اپنے جوش میں اس سے کوئی غرض نہیں رکھی تھی کہ جب ان کی یہ تحریف ظاہر ہوگی تو ان کو لوگ کیا کہیں گے "مگر کچھ سوچ کر جو آخیر میں انہوں نے یہ لکھنا مناسب خیال کیا کہ "ہاں البتہ کہ وہ "شیخ ذکریا ملتانی سے بیعت تھے۔ قرین قیاس ہے" اس سے ان کی ذہنی کیفیت اور ناواقفیت بخوبی معلوم ہو جاتی ہے "اور اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد"

نواب شہباز خاں کے جد ششم حاجی جمال رح کے حالات اور ان کا سنہ ولادت و وفات

صاحب المشاہیر کے بیان کی جو تحریف ان مؤلف صاحب نے کی ہے اسے ظاہر کرچکنے کے بعد اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "حاجی

اب ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام کی ازواج و اولاد کی صحیح تعداد بتانی مشکل ہے کیونکہ ابھی تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملی ہے جس سے آپ کی ازواج و اولاد کی پوری تفصیل معلوم ہو سکتی ہو۔ لیکن آپ کی جس قدر اولاد کا حال ہمیں اب تک معلوم ہوا ہے وہ بھی اِن مؤلف صاحب امروہوی کے ممدوح "اِبن قتیبہ" کے بیان کی تردید کے لئے کافی سے زیادہ ہو گیا ہے۔ ابن قتیبہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے آٹھ صاحبزادے اور چند لڑکیاں ہونا بتایا ہے۔ اُس کے مقابلے میں ہم نے آپ کے چودہ صاحبزادوں اور دو صاحبزادیوں کے نام دکھلا دیئے ہیں۔ ایسی حالت میں ابن قتیبہ کے بیان کی حقیقت جسے مؤلف امروہوی نے اپنے اِس بیان میں سند گردانا ہے جو کچھ ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ ہمیں اپنی طرف سے اُس پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابن قتیبہ کے بیان کے سامنے ہم نے امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر کی اولاد کا شجرہ پیش کیا ہے وہ ہمارے بیان پر شاہد عادل ہے۔

بابِ ہفتدہم

نواب شہباز خاں کے تذکرہ میں صاحب آثار الشاہجہانی نے حاجی کمال الدین نام ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے جو شہباز خاں سے تیسری پشت میں بیان کئے جاتے ہیں۔ حاجی مذکور کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ عرب سے وارد ہند ہوئے۔ بیت اللہ میں سند حدیث میر حسن محدث سے حاصل کی۔ اوّلاً میر سید علی الہجویری صاحب کشف المحجوب سے مستفید ہوئے۔ پھر دار الامان ملتان میں آئے۔ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی سے بیعت کی۔ انہیں سے استفادہ کیا اور ان ہی کے ایما سے اپنی قوم و قبیلۂ عرب میں جو پہلے سے ملتان میں سکونت پذیر تھا۔ شامل ہوئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کی۔ ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ صفحہ ۳۴

(الف) اس تمام روایت میں تاریخی لحاظ سے کوئی ربط نہیں۔ اور یہ واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے ممکن الوقوع ہے۔ حضرت شیخ ذکریا ملتانی کی وفات ۶۶۶ھ ہجری میں ہوئی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حاجی کمال الدین مذکور چالیس سال کی عمر میں اور شیخ موصوف کی وفات سے چالیس سال قبل حاضر خدمت ہوئے۔ تو اس لحاظ سے حاجی مذکور کا سال ولادت ۵۸۶ھ ہجری ہوگا۔ اور ایک سو اٹھارہ برس کی عمر تسلیم کرتے ہوئے سنہ وفات ۷۰۴ھ ہجری قرار پاتا ہے۔ لیکن حضرت علی ہجویری کا سنہ رحلت ۴۶۵ھ ہجری ہے۔ اور آپ مشائخ سادات کے اُن چند بزرگوں سے ہیں جو ابتدائے عہد میں ہندوستان تشریف لائے۔ پس آپ کا زمانۂ وفات حاجی کمال الدین کے سال ولادت سے بھی ایک سو برس سے کچھ قبل ہوتا ہے۔ پھر وہ کس طرح آپ سے مستفید ہو سکتے تھے۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ حاجی مذکور نوے سال کی عمر میں حضرت شیخ ذکریا کی خدمت میں اُس وقت حاضر ہوئے جو شیخ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اور اُن کی عمر بیس سال کی تھی۔ اور حاجی کمال الدین نوے سال کی عمر میں متاہل ہوئے جو بالکل خلاف قیاس ہے۔ تب بھی یہ زمانہ شیخ موصوف کی ولادت کے لحاظ سے جو ۵۶۹ھ ہجری میں ہوئی ۵۹۵ھ ہجری متعین ہوتا ہے اور حاجی مذکور کی پیدائش ۴۷۷ھ قرار پاتی ہے گویا ان کی ولادت کا زمانہ سید علی الہجویری کی وفات سے بارہ برس بعد کا متعین ہوتا ہے۔ پس جس شخص نے سید علی الہجویری کا زمانہ پایا ہو۔ وہ شیخ ذکریا کا زمانہ دیکھ سکے اور اُن سے مستفید ہو سکے۔ یا جس شخص نے شیخ ذکریا سے استفادہ کیا ہو وہ سید موصوف کے زمانۂ حیات میں عالم وجود میں آ چکا ہو قطعی ناممکن ہے۔ اس لئے حاجی کمال الدین کا سید علی الہجویری سے مستفید ہونا کسی طرح درست نہیں۔ ہاں یہ امر کہ وہ شیخ ذکریا

مطبوعہ گوتھم میں "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی اولاد کے شجرے میں درج کیا ہے۔ یہاں یہ بات بتلا دینی ضروری ہے کہ "ایف وسٹن فیلڈ" نے جس وقت اپنی کتاب لکھی ہے اُس وقت اُس کی نظر سے "طبقات ابن سعد" نہیں گذری تھی۔ کیونکہ اُس وقت تک وہ شائع نہیں ہوئی تھی۔

ریاح بن موطہ اور موطہ بن حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کے نام "رسالہ شہمار خاں" میں موجود ہیں۔ اور یہ رسالہ آج سے کچھ کم چار سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ سلسلۂ عالیہ میں بھی موجود ہیں اور المستاسر میں بھی تحریر ہیں۔

علاوہ "زبیر بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" اور "ریاح بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کے ہم کو دو نام اور "ہاشمؒ" اور "عمرؒ" حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کے صاحبزادوں کے "تاریخ الکبیر امام بخاری" اور "الجرح والتعدیل" سے معلوم ہوئے ہیں۔

تاریخ الکبیر قسم ثانی من جزء الرابع تصنیف امام بخاری کے صفحہ ٢٣٥ پر نمبر ٢٨٤ میں تحریر ہے کہ "ہاشم بن عبداللہ بن الزبیرؓ عن عمر ابن الخطاب اصابتہ مصیبتہ فاتی رسول اللہ صلعم قالہ یونس بن یزید عن ابن شہاب قال حدثنی المعلی بن دوستہ عن ہاشم" الجرح والتعدیل الجزء الثالث تصنیف امام ابی محمد عبدالرحمن المتوفی ٣٢٧ھ ہجری کے صفحہ ١١٨ پر نمبر ٦٣٦ میں تحریر ہے کہ "عمر بن عبداللہ بن الزبیرؓ روی عن ابن الزبیر روی عنہ عبداللہ بن مسلم بن ہرمز سمعت ابی یقول ذلک" یہ دونوں کتابیں مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کی ہیں اور ١٣٦١ ہجری میں بار اول طبع ہوئی ہیں۔ "کتاب المحبر" کے صفحہ ٤٣٨ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی زوجہ کا نام "ام الحسن" لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام "حسن" بھی تھا۔ علاوہ ان کے "زبیریان حامد پور" کے پاس جو شجرہ ہے اُس میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ایک صاحبزادے کا "معروف" تحریر ہے۔

عبداللہ بن حضرت عبداللہؓ کے اولاد ذکور نہ ہونے کے "مؤلف امروہوی" کے بیان کی تردیدی شہادت

کتب انساب سے مؤلف صاحب نے "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے جس قدر صاحبزادے ہونا بیان کئے ہیں اُن کی اس بارے میں تحقیقات کی غلطی ثابت کر دینے یعنی حضرت امیر المومنینؓ کے مزید صاحبزادے دکھا چکنے کے بعد ہم یہ بتانا ہے کہ جناب مؤلف صاحب کے اس بیان میں بھی ذرہ برابر صداقت نہیں ہے کہ "عبداللہ بن حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کے صرف اولاد دختری تھی۔ انہوں نے "کتاب الانساب" کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن نام کسی کتاب کا بھی ظاہر نہیں کیا۔ مگر ہم انہیں "انساب" کی کتاب سے بتاتے ہیں کہ "عبدہ بن حضرت عبداللہؓ" کے اولاد ذکور تھی اور اُس کی نسل بھی خوب چلی ہے۔

"کتاب الانساب امام سمعانی" میں ہے کہ "ابو ذر عبدالصمد بن احمد بن الحسن بن علی بن محمد بن یحییٰ بن عبدہ بن حضرت عبداللہ بن الزبیر القاری الزبیری" مدنی ہیں۔ مدینہ داخلہ کے رہنے والے تھے۔ "ابو بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ" "ابو العباس محمد بن اسحٰق الرابع" اور "ابو عبداللہ محمد بن المسیب الارغیانی" سے حدیثیں سنیں۔ اُن کے والد بھی محدث تھے۔ انہوں نے ان تمام شیوخ سے اپنی کم سنی میں حدیثیں سنی ہیں۔ ٣٥٠ ہجری میں انتقال کیا۔

نواب شہمار خاں کے شجرہ نسب کے خلاف مؤلف امروہوی کی گھڑی کی ہوئی عمارت کی مسماری

اب جبکہ ہم نے مؤلف صاحب کی غلط بیانیوں کو قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے۔ اور ان کی تعمیر کردہ عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ اس بے بنیاد بیان کی بنا پر جو انہوں نے "نواب شہمار خاں" کے سلسلہ کے منقطع اور غیر متصل ہونے اور اُن کی زبیریت کی کوئی اصلیت نہ ہونے کا نتیجہ نکالا ہے وہ بھی اُن کی عمارت کے ساتھ ہی پامال ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب بانسری ہی نہ رہی تو اُس کے سُر بھی اُسی کے ساتھ ختم ہو گئے۔ اس لئے مؤلف صاحب کی اس تحقیقات کی حیثیت کوئی دکھا چکنے کے بعد ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اور امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی مفصلہ اولاد کا شجرہ پیش کرتے ہیں۔

اپنی طرف سے مؤلف موصوف کے اِن حاشیوں میں تحریف یا تغیر و تبدل کر دینے کی وجہ پر بحث اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

مؤلف امروہوی کی "ابن قتیبہ" کے بجائے کتب انساب لکھنے میں دھوکا دہی

اب ہم امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رضؓ کے بیٹوں کی اولاد کو جو مؤلف امروہوی کو کتب انساب میں ملی ہے، جانچتے ہیں کہ اُن کا بیان کہاں تک صحیح و درست ہے۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ مؤلف صاحب نے جو "کتب انساب" کا لفظ لکھا ہے۔ یہ بھی مغالطہ میں ڈالنے والا ہے "تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ انہوں نے بہت سی کتابیں دیکھی ہیں" حالانکہ ان کا دارومدار یہاں بھی صرف ایک ہی کتاب "المعارف ابن قتیبہ" کے سوا کسی دوسری کتاب پر ہرگز نہیں ہے "انساب کے متعلق" یا تو وہ اِس کتاب کے سوا کسی دوسری کتاب کو دیکھنا گناہ سمجھتے ہیں۔ یا اگر انہیں کسی کتاب میں ابن قتیبہ کے بیان سے کچھ زائد نظر آتا ہے تو اُسے اپنے مقصد کے منافی سمجھ کر ظاہر کرنا ضروری نہیں سمجھتے "جس طرح چوہے کے ہاتھ ایک ہلدی کی گرہ آگئی تھی اور وہ اُس کو دیکھا کرتا پھرتا تھا کہ دکھو میں پنساری ہو گیا ہوں" اسی طرح اِن مؤلف صاحب کا حال ہے کہ اُنہیں معارف ابن قتیبہ کیا مل گئی ہے کہ وہ اپنے آپے میں نہیں رہے ہیں "اور اِس ایک کتاب کی بنا پر ہر جگہ یہ غلط اِدّعا کر دیتے ہیں کہ "ہر کتاب کو ہم نے دیکھ لیا ہے"۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ "اُن کی اولاد "حمزہ" "خبیب" "ثابت" "موسیٰ" "عباد" "قیس" "عامر" "عبد اللہ" اور چند لڑکیاں تھیں "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ نے اپنی لڑکیاں اپنے بھتیجوں سے بیاہ دی تھیں" (ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اول صفحہ ۱۳۵ و ۱۴۰)

اب آپ خود "ابن قتیبہ" اور "مؤلف امروہوی" صاحب کے دیئے ہوئے ناموں کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دونوں کے بیانات میں یکسانی ہے یا نہیں "اور یہ بجائے ابن قتیبہ کے "کتب انساب" کا جو لفظ "مؤلف صاحب" نے لکھا ہے کہ اُس کے کیا معنی ہیں"

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی اولاد کی تعداد کے متعلق مؤلف امروہوی کی غلط بیانی کی چالاکی اور امانی

ہم باب یازدہم میں ابن قتیبہ کے بیانات کی پوری پوری حقیقت دکھا آئے ہیں "اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اب تک "طبقات ابن سعد کی مکمل نو جلدیں" ہمارے مطالعہ میں آئی ہیں اُن میں پہلی آٹھ میں تو مردوں کے اور نویں میں عورتوں کے حالات ہیں لیکن اِن جلدوں میں سے کسی میں "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کے حالات نہیں ہیں۔ وہ طبقات کی باقی ماندہ اُن تین جلدوں میں سے کسی ایک میں ہوں گے جو "کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن" میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے مطالعہ میں نہیں آسکیں "اور علامہ مسعودی کی "کتاب اوسط" بھی ہماری نظر سے نہیں گذری" مگر اس پر بھی ہم "حضرت امیر المؤمنین رضؓ" کی ساری اولاد سے "ابن قتیبہ" کی ناواقفیت دکھانے میں قاصر نہیں ہیں۔

شاہ معین الدین احمد ندوی نے "اپنی کتاب "سیر الصحابہ" میں "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ کے حالات میں" لکھا ہے کہ "ابن زبیر رضؓ کی ازواج اور اولاد کی "صحیح تعداد بتانا مشکل ہے" (سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۱۰ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ سنہ ۱۹۳۲ء)

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ "جو لوگ اُن کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اُن کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی "اِن ہی لوگوں میں اُن کے بیٹے "حمزہ" اور "خبیب" بھی شامل تھے "اِن دونوں نے اپنی جانوں کے لئے امان طلب کر لی تھی" "سات مہینہ محصور رہنے اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے سے مجبور ہو کر ان کو امان لیکر "مکہ معظمہ سے" باہر آ جانا پڑا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اپنے صاحبزادے "زبیر" سے بھی کہا کہ تم اپنے بھائیوں کی طرح کرو۔ بخدا میں تمہارے زندہ رہنے کو پسند کرتا ہوں"

اِس کے جواب میں اُس نے (زبیر بن حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضؓ نے) کہا کہ "میں وہ نہیں ہوں جس کو اپنی جان مرغوب ہو۔ چنانچہ اُس نے "اپنے والد بزرگوار کا ساتھ دیا۔ اور جنگ میں کام آیا" (ترجمہ تاریخ کامل ابن الاثیر جلد چہارم صفحہ ۵۰۶)

"زبیر بن حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رضؓ" کا نام جرمن مستشرق "ایف وسٹن فیلڈ" نے بھی اپنی کتاب "ڈائی فیملی الزبیر"

"(۱) شیخ احمد کہ بہ شیخ زادہ سہروردی مشہور است۔ (۲) ازغون کابلی" (۳) مولانا یوسف شاہ مشہدی" (۴) مبارک شاہ زریں رقم" (۵) سید حیدر (۶) میر یحییٰ" و از متاخرین" خواجہ عبداللہ صرفی" ملا یحییٰ شیرازی" عبداللہ آتش پتر ہروی" و حافظ قوطہ ہروی" و مولانا ابابکر" و شیخ محمود" و خواجہ عبداللہ مروارید" بر رفعت قلم را بپایہ اعلیٰ رسانیدند"

(۱) شیخ احمد جو شیخ زادہ سہروردی مشہور است۔ (۲) ازغون کابلی (۳) مولانا یوسف شاہ مشہدی" (۴) مبارک شاہ زریں رقم" (۵) سید حیدر (۶) میر یحییٰ" و از متاخرین" خواجہ عبداللہ صرفی ملا یحییٰ شیرازی" عبداللہ آتش پتر ہروی" و حافظ قوطہ ہروی" و مولانا ابابکر" و شیخ محمود" و خواجہ عبداللہ مروارید" اِن ساتوں نے قلم کو پایۂ عالی پر پہنچایا"

(نوٹ) (نوٹ: مُسَّقش چادر یا خط دار چادریں) ——— (از مجموعہ لغات عربی منشی سدا سکھ لال مطبوعہ نور الابصار پریس الہ آباد طبع ۱۸۷۶ء)

طبری میں ہے کہ "موسیٰ بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ "ابو جعفر (منصور عباسی) نے جب یمنی عربوں کے سردار "ابن القسری" کو علیحدہ کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے "**ریاح بن عثمان بن حیان المری**" کو بلا کر "عبداللہ محمد نفس ذکیہ کے والد" **بن حسن مثنیٰ ابن حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ**) کے بیٹوں کے معاملہ میں "زیادؓ اور "ابن القسری" کی سہل انگاری۔ اور بد دیانتی کی شکایت کرکے اُس کو "مدینہ کا والی" مقرر کرکے حکم دیا کہ اسی وقت گھر جانے سے پہلے اپنے مستقر حکومت کو چلے جاؤ" اور مدینہ پہنچکر اُن دونوں کی تلاش میں پوری جد و جہد کو کام میں لاؤ" (۲۳ رمضان ۱۴۴ہجری) کو جمعہ کے دن "ریاح" منزلیں طے کرتا ہوا جمعہ کے دن "مدینہ" پہنچ گیا" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول ص ۱۴۸ و ۱۴۹)

اس "ریاح" نے مدینہ منورہ پہنچ کر "بنی حسن رضؓ کو گرفتار کرکے" پا بہ زنجیر" منصور کے پاس عراق بھیجدیا۔ جہاں اُن پر ایسے ظلم و ستم کئے گئے کہ "چنگیز خاں" کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آئے ہوں گے" ریاح نے "محمد نفس ذکیہ" کی تلاش میں بھی ایسی کوشش کی کہ آخر جان سے تنگ ہو کر ۱۴۵ہجری میں "زبیری اسدیوں کی امداد سے انہوں نے خروج کرکے" ریاح" کو گرفتار کرکے قید کر دیا اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا" ان سب واقعات کی تفصیل طبری اور دوسری تاریخوں میں موجود ہے" آخر کار "**عیسیٰ بن مصعب بن حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ** (**الملقب بہ ابن خضیر**") نے اِس منصور عباسی کے گورنر کو جان سے مار ڈالا" طبری میں ہے کہ "محمد بن عمر" نے روایت کی ہے کہ "**محمد نفس ذکیہ بن عبداللہؓ**" کے ساتھ "**مصعب بن حضرت زبیرؓ**" کے ایک پوتے" ابن خضیر" (**عیسیٰ بن مصعب الملقب بہ خضیر بن حضرت مصعبؓ**") تاریخ کامل میں بجائے ابن خضیر کے عیسیٰ نام لکھا ہے") بھی تھے۔ جس دن کہ محمدؒ مارے گئے" انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اُن کے ساتھیوں میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اور تلوار نے اُن کا صفایا کر دیا ہے۔ انہوں نے "محمدؒ" سے "مدینہ" جانے کی اجازت لی" محمدؒ نے انہیں اجازت دیدی۔ مگر انہیں یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کیوں "مدینہ" جا رہے ہیں"۔ انہوں نے "**ریاح بن عثمان بن حیان المری**" اور اُس کے بھائی کو زبردستی جیل میں گُھس کر۔ ذبح کر دیا" اور واپس آکر محمدؒ کو اطلاع دی۔ پھر آگے بڑھکر حریف سے لڑتے اور مارے گئے"

حارث بن اسحٰق کہتا ہے کہ "ابن خضیر" (**عیسیٰ بن مصعب**) نے "ریاح" کو ذبح کر ڈالا مگر سر اُس کا تن سے جُدا نہیں کیا" بلکہ دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر اُسے مار ڈالا" (تاریخ طبری جلد سوم حصہ اول ص ۲۲۸)

اِس بیان سے یہ بخوبی معلوم ہو گیا" کہ ۱۴۵ہجری میں "منصور" کا گورنر جو قریشی تھا اُس کا نام "ریاح" تھا"

اِسلام کے ہیروڈوٹس علامہ مسعودی نے ۳۰۳ہجری میں سندھ کا سفر کیا تھا" انہوں نے اپنی کتاب مروج الذہب و معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ "عمر بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز" ہباری" "اسدی" "قریشی" بادشاہ سلطنت منصورہ سندھ کے وزیر کا نام "ریاح" تھا اور "ریاح کے دو بیٹے "محمدؒ اور "علیؒ" تھے"

ہم نے جو یہ مثالیں اوپر دیدی ہیں" ان کی بھی ضرورت نہ تھی" کیونکہ مؤلف صاحب" کے بیان کی تکذیب" خود "**رسول مقبول صلعم**" کی حدیث سے ہو جاتی ہے" حضور صلعم نے غلاموں کے چار نام رکھنے کی ممانعت فرمائی تھی" عربوں اور قریشیوں کے لئے ان ناموں کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا تھا"

ہیں " تاریخ واسطیہ نے " اِس خاندان کا سلسلۂ نسب " عبد اللہ بن مُسلم بن عقیل رحؒ " سے متصل کیا ہے " حالانکہ " مُسلم مذکور (المتوفی سنہ ۶۰ ہجری) سے کوئی نسل باقی نہیں رہی " حضرت عقیل رضؓ " کا عقب اُن کے صرف ایک بیٹے " محمدؒ " سے باقی رہا " جو حضرت علی رضؓ " کے داماد تھے " اُن کے تین بیٹے " ابو محمد عبد اللہ " قاسم " اور " عبد الرحمٰن ہوئے " آخر الذکر دو بھائی منقرض ہیں " ابو محمد عبد اللہ " کا عقب " محمدؒ " اور " مُسلم " سے باقی رہا " " محمدؒ " مذکور کے پانچ بیٹے " قاسم " عقیل " علی " طاہر " اور " ابراہیم " ہوئے " اور " مُسلم مذکور کے تین بیٹے " عبد الرحمٰن " محمد " اور عبد اللہ " تھے۔ شاید " امروہہ کے " خاندان عقیلی " کا سلسلۂ نسب " مُسلم بن عبد اللہ بن محمدؒ بن عقیل رضؓ " سے متصل ہوتا ہو " جیسا کہ " واسطیہ نے لکھا ہے " مُسلم بن عقیل " سے۔

اِس مثال سے معلوم ہوگیا ہے کہ " مؤلف تحقیقات الانساب تاریخ امروہہ " کا دل جن سے راضی نہیں ہے " انہیں اپنے قلم کی گردش سے " لاعقب " بنادیتے ہیں " اور جن سے وہ راضی ہیں " اُن کے شجرے جو کسی لاعقب شخص سے متصل ہیں اُن کو " شاید " کا سہارا لیکر اس طرح درست کردیتے ہیں۔ جیسا " سادات عقیلی کے اِس خاندان کے شجرے کو انہوں نے یہ لکھکر کہ " شاید امروہہ کے خاندان عقیلی کا سلسلۂ نسب " مُسلم بن عبد اللہ بن محمدؐ بن عقیل سے متصل ہوتا ہو " جیسا کہ " واسطہ نے کیا ہے۔ مُسلم بن عقیل " سے درست کردیا ہے "

عیسٰی بن حضرت مُصعب رضؓ کی اولاد کی بحث کا خاتمہ اور مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

یہاں ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ جب " حضرت مُصعب بن زبیر رضؓ " کے دو بیٹوں کا نام " عیسٰی " انہوں نے " طبقات ابن سعد میں دیکھا تھا " اور مُصعب بن مُصعب بن حضرت زبیر رضؓ کے ایک صاحبزادے کا نام انہوں نے " طبری " اور " ابن اثیر " وغیرہ کتابوں میں بار بار " عیسٰی " پڑھا تھا " تو کس خیال سے انہوں نے " اِن ناموں کو اخفا کرکے " حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ " کے اِس شجرے پر جو " عیسٰی بن مُصعب بن حضرت زبیر رضؓ " پر منتہی ہوتا ہے " اعتراض کرکے اپنے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے " اور وہ کیا تیخ اُن کے دل میں ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ایسی غلط بیانی کرکے اپنے دل کی سوزش پر مرہم رکھنا ضروری سمجھا ہے "

مؤلف امروہوی کے اُس اعتراض کا جواب جو انہوں نے " حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ العزیز " کے شجرے پر کیا ہے " ہم نے پورے طور سے دیدیا ہے " اور بخوبی ثابت کردیا ہے کہ " مؤلف امروہوی کے اِس اعتراض کی وقعت پرکاہ کی برابر بھی نہیں ہے " کیونکہ یہاں ہم اچھے طور سے ثابت کرچکے ہیں کہ " عیسٰی الاکبر بن حضرت مُصعب بن الزبیر رضؓ " لاولد نہیں شہید ہوئے تھے " اور حضرت مُصعب بن زبیر رضؓ " کے دوسرے صاحبزادے " عیسٰی الاصغر " بھی تھے " نیز " مُصعب بن حضرت مُصعب بن الزبیر رضؓ " کے ایک صاحبزادے کا نام بھی " عیسٰیؒ " تھا۔ اِس لئے اِس بحث کو ختم کرکے اب ہم " اِن مؤلف موصوف کے اُس اعتراض کی حقیقت کو دکھاتے ہیں جو انہوں نے " نواب شہباز خاں رحمۃ اللہ علیہ کے شجرے پر کیا ہے "

باب ششم

" اِسی طرح " نواب شہباز خاں " کا سلسلۂ نسب جو " نوط بن رواح بن عبد اللہ " کے واسطہ سے " حضرت زبیر رضؓ بن العوام " تک پہنچایا گیا ہے " وہ بھی غیر متصل اور منقطع ہے " عبد اللہ بن زبیر رضؓ کے کسی بیٹے کا نام " رواح " یا اُن کے کسی پوتے کا نام " نوط " کہیں نہیں ملتا۔ اور نہ یہ نام اُن کی اولاد میں پائے جاتے ہیں " اور نہ اِسلام کے بعد " عرب کے مقتدر خاندانوں " اور خصوصاً قریش کی معزز شاخوں میں اِس قسم کے ناموں کا وجود باقی رہا ہے "

" عبد اللہ بن زبیر رضؓ " کے بیٹوں کے جو نام " کتب انساب " میں ملتے ہیں یہ ہیں " (۱) حمزہ " (۲) حبیب " (۳) ثابت " (۴) موسیٰ " (۵) عباد " (۶) قیس " (۷) عامر " (۸) اور عبد اللہ " ان میں سے " حبیب " اور " قیس " کے

عبیداللہ فرحتی اور مؤلف امروہوی کی ایک ہی صدا

یہاں اس قدر اور بتا دینا ضروری ہے کہ "مؤلف امروہوی صاحب نے بھی اپنے مقصد کے مدنظر حضرت حمزہ رضؓ کی اولاد ذکور سے انکار کر دینا مناسب خیال کیا ہے۔" تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صہ ۱۳۵ پر یہ فقرہ لکھا ہے کہ "سید الشہداء حضرت حمزہ رضؓ" غزوۂ احد سنہ ہجری میں شہید ہوئے۔ "آپ کے اولاد ذکور نہ تھی۔" "آنحضرتؐ کے اعمام میں حضرت عباس رضؓ" اور "ابو طالب کی نسل دنیا میں باقی رہی۔" "انہیں کی اولاد یعنی "عباسی" اور "آلِ ابو طالب" "علوی" "جعفری" "عقیلی" "آنحضرتؐ کے اہلبیت و آلِ محمدؐ ہیں۔"

مؤلف امروہوی اور عبیداللہ فرحتی امروہوی حجاج بن یوسف ثقفی کے نقشِ قدم پر

اِس بحث کو ختم کرتے ہوئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دو لطیفے بھی بیان کر دیں۔ اِن میں سے پہلا تو یہ ہے کہ "ہمارے زمانہ میں "عبید اللہ صاحب فرحتی" اور "مؤلف" صاحب ہی ایسے حقیقت داں نہیں پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے "حضرت زبیر رضؓ" کی اولاد کے نسب پر حملے کئے ہیں" بلکہ اگلے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی بھی تھا" اور جس سے "حضرت اسماء ذات النطاقین رضؓ" بنت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ" اور زوجہ حضرت زبیر رضؓ نے یہ حدیث نبوی۔ بیان کی تھی کہ "میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ "بنی ثقیف" میں "کذاب" اور "مبیر" (ظالم) ہوں گے" "کذاب (مختار ثقفی) کو تو لوگوں نے دیکھ لیا تھا "مبیر" باقی رہ گیا تھا۔ وہ تو ہے" اس حجاج نے خود حضرت زبیر" کے نسب پر حملہ کیا تھا" واقعہ یہ ہوا کہ "حضرت زبیر رضؓ" کی صاحبزادی رملہ "بیوہ عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام بن خویلد سے "امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رضؓ" کی شہادت کے بعد "خالد بن یزید بن حضرت امیر معاویہ رضؓ" نے شادی کرنی چاہی تو "حجاج" نے عبیداللہ بن موہب کو خالد" کے پاس بھیجکر یہ کہلوا دیا کہ "میں نے سُنا ہے کہ تو" خاندانِ زبیر کی ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے" بغیر اس کے کہ مجھ سے مشورہ لے تو ان لوگوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا خیال بھی کس طرح کر سکتا ہے" جو ٹھیک نسب کے بھی نہیں ہیں" یہ ہی کام تیرے دادا نے بھی کیا تھا" (عائشہ بنت ام الحسن بنت حضرت زبیر رضؓ" حضرت امیر معاویہ رضؓ" کی بیوی تھیں" حجاج نے اسطرف اشارہ کیا ہے") یہ وہ ہی لوگ ہیں جو تیرے باپ کے ساتھ خلافت کے لئے جھگڑ چکے ہیں۔ اور اس کے خلاف ہر قسم کے توہین آمیز الزام لگا چکے ہیں۔ نیز تیرے باپ اور دادا کے ایمان میں کیڑے نکال چکے ہیں" خالد بن یزید" نے دیر تک اِس پیام رساں کو دیکھا۔ پھر کہا "اگر تو پیام رساں نہ ہوتا۔ اور اس بنا پر نقصان سے امن میں نہ ہوتا" تو میں تیرا ایک ایک عضو کٹوا دیتا" اور تجھے تیرے آقا کے دروازے کے سامنے ڈلوا دیتا" اُس سے کہہ "کہ میں نہیں مانتا کہ وہ (حجاج) اس رتبہ کو پہنچ چکا ہو کہ میں اُس کا مشورہ لینے کا پابند ہو جاؤں۔ کہ میں کس عورت سے شادی کروں"

اور جب وہ مجھ سے کہلوانا چاہتا ہے کہ ان لوگوں نے میرے باپ سے جھگڑا کیا تھا اور اس کی ہر طرح توہین کی تھی تو یہ قریشی لوگ ہیں۔ جو آپس میں جھگڑتے رہے ہیں" اور جب وہ یہ کہنے کی جُرات کرتا ہے کہ یہ لوگ ٹھیک نسل کے نہیں ہیں" تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ "حجاج" کو انساب قریش کا کس قدر کم علم ہے" کیا "العوام" "عبد المطلب بن ہاشم" کے برابر کے نہ تھے" جب انہوں نے "صفیہ" بنت عبد المطلب" "والدہ ماجدہ حضرت زبیر رضؓ") سے اور "رسولِ خدا صلعم" نے "اُم المؤمنین بی بی خدیجہ رضؓ" (حضرت زبیر رضؓ کی پھوپھی) سے نکاح کیا" (آغانی جلد ۱۶ صہ ۸۶)

ترجمہ جامع ترمذی صہ ۱۱۲ مطبوعہ نو لکشور پریس لکھنؤ" میں ہے کہ "علی بن حجر" نے کہا" حدیث کی ہم سے "عقیل بن موسیٰ" نے "شریک" سے" اور انہوں نے "عبداللہ بن اہم" سے" انہوں نے "حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ" سے" کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے "قبیلۂ ثقیف" میں "ایک کذاب" اور "ایک خونریز ہوگا" کہا گیا ہے کہ وہ کذاب "مختار بن ابو عبیدہ" ہے۔ اور خونریز

(۲) ما مُریدون یا علی اسے دین ایمان پٹھبیتن
ہم بلوچ لوگ مرید حضرت علی کے ہیں۔ دین ایمان ہمارا ثابت ہے

(۳) اژ حلبا پہاذر کھایوں گو یزیدا جھیڑ بین
حلب سے ہم لوگ بدر ہوئے جبکہ اماموں سے یزید نے جنگ کیا

(۴) مسترین میرین جلالان چل پچھار ین بولخین
جب حلب سے روانہ ہوئے بڑا سردار بلوچوں کا میر جلال ہان تھا اور چوالیس فرقے بلوچی کے تھے

(۵) سیم جوہان بہر کھنانان کل سردار شہکین
ملک اور حوالے آپ جو بلوچوں کے ہاتھ میں آگئے آپس میں تقسیم کرتے آئے اُس وقت سردار کل قوم کا میر شہک تھا

(۶) حبّا چانڈ ھیگا کہلتی نوغ پھہ گور ین
ملک میں چاندیہ اور کہلتی اُس کے شمال کی طرف

(۷) مسترین لوغ ڈومبکئے کاج سیاہاف سرین
بڑا خاندان ڈومبکی کا کاج اور سیاہ آف کے اوپر

(۸) گولہ و گوپانگ دشتی رند تھا لیا دَرین
گولہ و گوپانگ دشتی رند کے خاندان سے باہر ہیں

(۹) نوحَ دُو دائیَ آوارین ای مہ لشاریک برین
نوحانی دودائی لاشاری کے ساتھ شامل ہوتے ہیں

(۱۰) رند مہ سوران نندی لاشارمہ گند و غئین
رند سوران میں بیٹھا اور لاشاری گنداوہ میں

(۱۱) شہکی و شہدادوا ئے لس سردار چاکرین
شہک اور شہداد بھی تھے مگر قوم کا سردار میر چاکر تھا

(۱۲) ہول پوش وستکلا و نرکمان جا ہہین
بعض ہول پوش اور بعضے ہاتھ میں ستائے ہوئے اور کمان عجب سجی ہوئی

(۱۳) نُزان جاڑو چوڑ جوانین دَڈھ وین جرا ورین
جاڑوار قوم پُر مشہور رہا درحقا ہدے نام اُس کا دین کا بھائی تھا

(۱۴) ہیبتان ببرک مہ رند ان میر حسن براہمین
ہیبتان ببرگ میرحسن براہم بھی رند تھے

حمزہ اولاد بلوچی صوب درگاہ گرین
بلوچ حضرت حمزہ رضی کی اولاد ہیں اور فتح درگاہ الٰہی سے اُنکو نصیب ہے

کل بلا بھنپور نیا ما شہر سیستان مڑلین
پہلے کربلا علاقہ بھنپور میں اور پھر شہر سیستان میں مقام کیا

اختون ھارین ہند اتیچ راستین پھلوین
وہاں سے آئے ہارین ہند میں بجانب راست ملک تیچ کے

مُحرانان ہوت رندی کھو سغ مہ تیچ دِہین
ملک مکران میں ہوت بلوچ بیٹھا اور کھوسہ علاقہ کیچ میں

آوُنلیا نوح نندی جستکانی پھہ گرین
آدنلی میں نوحانی بلوچ اور جستکانی اُس کے قریب میں

فتح میر عالی جتوئی کل مہ سیوی ڈھاڈرین
پھر میر عالی جتوئی تمام علاقہ سیوی اور ڈھاڈر میں

تھی بلوچ بازبشارین درست مہ رند منّا ہین
اور بلوچ بہت ہیں جو تمام رند کے ساتھ شامل ہیں

رند لاشاری مہ ملکا سیم جوان نیمفین
رند اور لاشاری کا ملک ایک دوسرے سے متصل ہے

تیل ہین سی سال جنگین ائی بلوچی شدتین
پورے تیس سال آپس میں جنگ کیا یہ بلوچوں کے ضد یت ہے

چل ہزار میر گوانکھین تیو غا ڈاڈوے پوترین
چہل ہزار لشکر میر چاکر کے بلانے پر تمام ایک خاندان سے حاضر ہوتے تھے

پٹو پچے گو کوا ہان پھاذ لعلین موڑ غین
ابریشم سے کمان لپیٹے ہوئے اور پاؤں میں سُرخ موزے

بیبرو زن شاہ بجار ریحان رند میران نرہم جنی
بیبرو زن شاہ بجار ریحان امیران از قوم رند مشہور شمشیرزن سے

صوبہ و عالی و یمہان جام سحاق علٹرین
صوبہ عالی یمہان جام سحاق علن بھی تھے

(۱۵) شاعرکہ شعران جو نہتہ میسر جلالان مصنّفین
شاعر لوگ جو شعر بناتے ہیں گویا کہ باغ جہان میں لگاتے ہیں

اے منی بیبرا و رندین اے بلوچی وپترین
یہ بلوچوں کا نسب نامہ اور تواریخ ہے

اِس نظم کی کوئی تاریخ نہیں پائی جاتی ہے یہ رند اور لاشاری ؔ اور ان کی تمام شاخیں حضرت حمزہ رضی کی اولاد ہیں۔ اور صفحہ ۲۲ تا ۲۴

عبید اللہ فرحتی کی حضرت حمزہ رضؓ کے معرکہ احد میں لاولد شہید ہو جانے کی دوہری غلط بیانی حضرت حمزہؓ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں

البتہ اُن کے دوسرے اِس بیان پر کہ "حضرت حمزہؓ" لاولد معارکہ احد میں شہید ہوئے " ہمیں یہ کہنا ہے کہ "اُن کی یہ تحقیقات بھی" بالکل غلط اور حقیقت سے کوسوں دور ہے " میز اُن کی پیشانی پر جہالت و ناواقفیت کا ایسا ٹیکہ لگانے والی ہے جسے وہ کسی طرح نہیں مٹا سکتے " کون پڑھا لکھا مسلمان ہے جو "حضرت حمزہ رضؓ" کی صاحبزادی "حضرت امامہؓ" سے واقف نہیں ہے " محمد ابن عمر (واقدی) نے کہا ہے کہ "حضرت حمزہؓ کا انتقال ہجرت نبوی کے بتیسویں مہینہ پر ہوا - اور اُس وقت آپ کی عمر اٹھاون سال کی تھی " (طبقات ابن سعد جز ثالث صفحہ ۵)

صحیح مسلم میں ہے کہ "اکیدر دومہ" نے بطور ہدیہ کے ایک ریشمی کپڑا آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا " آنحضرت صلعم نے وہ کپڑا " حضرت علی رضؓ " کو دیدیا کہ اُس کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنا کر " فاطمہ " نامی عورتوں کو تقسیم کر دو " فاطمہ نام کی عورتوں سے مراد " غالباً چار عورتیں ہیں "

(۱) جناب سیدہ فاطمہ زہرہ رضؓ بنت آنحضرت صلعم "

(۲) حضرت علی رضؓ " کی والدہ " فاطمہ بنت اسد "

(۳) فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب "

(۴) "عقیل رضؓ" کی بیوی " فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ " (ترجمہ صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۰۱ و ۲)

حضرت حمزہ رضؓ کے دو صاحبزادے " ابو سفیان " اور " ربیعہ " تھے " (کتاب شہادت ضمیمہ دوم صفحہ ۲ مؤلفہ میرزا حیرت دہلوی)

طبقات میں ہے کہ " عامر " قبل از اسلام فوت ہو گئے " ان کی ماں کا نام " بنت الملة بن مالک بن عبادہ بن حجر بن فائد بن الحارث بن زید بن عبید بن زید بن مالک عوف بن عمرو بن عوف " تھا " یہ انصار کے قبیلہ " اوس " سے تھیں "

(۲) عمارہ بن الحمزہ رضؓ " ان کی ماں کا نام " خولہ بنت قیس بن فہد الانصاریہ " تھا اور یہ قبیلہ بنی ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار " سے تھیں "

(۳) یعلیٰ بن حمزہ " کی اولاد میں " عمارہ " الفضل " زبیر " عقیل " اور " محمد " تھے - یہ سب فوت ہو گئے - اور اُن سے " حضرت حمزہ رضؓ بن عبد المطلب " کے کوئی اولاد باقی نہیں رہی "

(۴) امامہ بنت حمزہ رضؓ " کی ماں کا نام " سلمیٰ بنت عمیس خثعمیہ " تھا جو " اسماء بنت عمیس " کی بہن تھیں - یہ وہ " امامہؓ " ہیں جن کی پرورش کے لئے " حضرت علیؓ " حضرت جعفر رضؓ " اور " حضرت زید بن حارثہ رضؓ " میں بحث ہوئی تھی - اُن میں سے ہر ایک کی یہ تمنا تھی کہ وہ اکیلے ان کی پرورش کریں (کیونکہ " حضرت حمزہ رضؓ " کی شہادت کے وقت وہ خورد سال تھیں) رسول مقبول صلعم نے حضرت جعفر طیار رضؓ " کے حق میں فیصلہ فرما دیا - اِس لئے کہ " حضرت امامہؓ " کی خالہ " اسماء بنت عمیسؓ " اُن کی بیوی تھیں " (طبقات ابن سعد جز ثالث صفحہ ۳)

طبقات میں ہے کہ " سلمیٰ بنت عمیسؓ " اسماء بنت عمیسؓ " کی حقیقی بہن تھیں " یہ اپنی بہن کے ساتھ ابتدائے اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئیں - اُن کا نکاح " حضرت حمزہ بن عبد المطلب " سے ہوا - اور یہاں " عمارہ بن حمزہ رضؓ " پیدا ہوئے " حضرت حمزہ " کی شہادت کے بعد ان کی شادی " شداد بن ہاد لیثی " سے ہوئی " اور یہاں " عبد اللہ بن شداد " پیدا ہوئے " (طبقات ابن سعد جلد آٹھ صفحہ ۲۰۹)

طبقات میں ہے کہ " خولہ بنت قیس " زوجہ حضرت حمزہ رضؓ " کا پورا نام " خولہ بنت قیس بن فہد بن قیس بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار " ہے " ان کی کنیت " ام محمدؓ " تھی - بعض روایتوں میں ان کا نام " خویلہ " بجائے " خولہ " کے آیا ہے - ان کی شادی حضرت حمزہ رضؓ " سے ہوئی - اور یہاں دو لڑکے " یعلیٰ " اور " عمارہ " اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں "

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۲۵)

وغیرہ جن کی شجاعت و بہادری مشہور ہے" انہیں ممالک میں تھے۔ اور "حضرت مصعبؓ" عبدالملک کی لڑائی کو کوئی وقعت نہ دے کر "صرف اپنی رکاب کی فوج سے مقابلہ پر آئے تھے" اس پر بھی اگر "عبدالملک" رشوت دیکر اُن کی فوج کو نہ توڑ لیتا تو کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا" حضرت مصعب رضؓ کو اچھا موقع تھا کہ وہ "میدان سے واپس جا کر اپنے سپہ سالاروں کو طلب فرما لیتے اور آسانی کے ساتھ "عبدالملک" کو حکومت سے برطرف کر دیتے" مگر "میدان چھوڑنا انہوں نے اپنی غیرت و شان کے منافی سمجھا" اور شہادت کو پسند فرما لیا" آپ کی شجاعت کا ہر شخص معترف تھا" اُس زمانے کے مشہور سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ" کا قول تھا کہ "دنیا میں تین ہی شخص شجاع ہیں" "ابن کلبیہ (حضرت مصعبؓ کیونکہ آپ کی والدہ ماجدہ "قبیلہ بنی کلب" سے تھیں) "احمد قرشی" "عبداللہ بن معمر" اور "راکب الغلبہ" "عباد بن حصین" پوچھنے والے نے کہا کہ "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کا تو تم نے نام ہی نہیں لیا۔ اس پر "مہلب" نے کہا کہ "ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں" جنوں کا ذکر نہیں کرتے" (مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابن زبیر رضؓ)

حضرت مصعبؓ کے کچھ مزید حالات

حضرت مصعبؓ نہایت متقی اور "صائم الدہر تھے" رات دن میں ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے" رسول مقبول صلعم کے احکامات کی تعمیل میں آپ کی مستعدی اِس نہج پر تھی کہ "ایک انصاری کا حال سُنکر" جب "حضرت انس بن مالکؓ" نے اُن کے پاس جا کر کہا کہ "رسول اللہؐ فرما گئے ہیں کہ "انصار کے اچھوں سے سلوک اور بُروں سے درگذر کا برتاؤ کیا جائے۔ تو وہ فوراً تخت سے اُترے اور فرش زمین پر اپنا رخسار رکھکر کہا کہ۔ "آنحضرت صلعم کا فرمان سر آنکھوں پر۔ میں انھیں رہا کرتا ہوں" (تذکرۃ الصحابہ از رسالہ مولوی دہلی بابتہ ماہ جمادی الاوّل ۱۳۵۶ھ ہجری و ڈائی فیلی الزبیر مطبوعہ لیدن) میں ہے کہ "آپ بہت فیاض ہونے کے علاوہ "رحمدل" درگذر کرنے والے اور بیحد نفاست پسند" نیز اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے" طبری" ڈائی فیلی الزبیر اور آداب اللغتہ العربیہ جزء اوّل ص۹۲ پر اور دیگر تاریخوں میں آپ کے یہ اوصاف شرح و بسط سے تحریر ہیں" آپ اپنے زمانے کے بیحد حسین و جمیل شخص تھے" طبقات ابن سعد جزء خامس کے ص۱۳۵ و ۱۳۶ پر تحریر ہے کہ "فضل بن دکین" نے "یحییٰ بن زکریا ابن ابی زائدہ" کے حوالہ سے "اسمٰعیل بن خالد" سے روایت کی ہے کہ "مصعب بن حضرت زبیرؓ" سے زیادہ کوئی خوبصورت امیر" ممبر پر کبھی نہیں دیکھا گیا" ترجمہ مروج الذہب مسعودی کے ص۱۳۴ و ۱۳۵ پر ہے کہ "حضرت مصعبؓ" بہت ہی خوبصورت" اور بارعب شخص تھے" آپ کے متعلق "ابن الرقیات" نے یہ جملہ کہا ہے کہ "حضرت مصعبؓ" اللہ کے شہاب ہیں جن کے چہرے سے تاریکی زایل ہو گئی ہے" آپ کے اور آپ کے صاحبزادے "علیسیٰ" کا تمام عرب نے ماتم کیا"

امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور علی بن عبداللہ و عبداللہ بن حضرت عباسؓ

اُوپر "علی بن عبداللہ بن حضرت عباسؓ" کی "حضرت مصعبؓ" سے مخالفت کا کچھ حال لکھا گیا ہے۔ وہ کیوں تھی اس کے جاننے کے لئے سطور ذیل ملاحظہ ہوں"

حضرت عبداللہ بن حضرت عباسؓ" اُن کے والد "درپردہ" امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی مخالفت کیا کرتے تھے" جب انہوں نے اِس مخالفت میں "مختار ثقفی" جیسے زندیق کی طرفداری کے لئے لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا" اور "حضرت زین العابدین بن حضرت حسین رحؓ" کے منع کرنے اور "مختار ثقفی" کی زندیقیت ظاہر کرنے پر بھی نہ مانے تو "حضرت امیر المومنین رضؓ" نے انہیں معہ اُن کے بیٹے "علی" کے نظر بند کر دیا تھا"

حضرت مصعبؓ" نے جب "مختار ثقفی" کو جس نے "کوفہ و الجزیرہ" پر قبضہ کر کے بڑی جمعیت پیدا کر لی تھی شکستیں دیکر بالآخر قتل کر دیا۔ تو "عبداللہ بن حضرت عباسؓ" نے اپنے اِن صاحبزادے "علی" کو "عبدالملک" کے پاس یہ پیغام دیکر روانہ کیا کہ "وہ اُن کی پرورش کریں" مگر اُس وقت "عبدالملک" نے "علی" کو اپنے لشکر سے فوراً نکل جانے اور واپس چلے جانے کا حکم دیا اور کوئی بات نہ کی" حضرت عبداللہ بن حضرت

(۱) وہاں حضرت حسین رضہ اپنے دشمنوں سے چاہتے تھے کہ وہ آن کو میدان جنگ سے مکہ یا دمشق یا اور کسی طرف نکل جانے دیں
(۲) یہاں حضرت مصعب کے دشمن خود چاہتے تھے کہ حضرت مصعب میدان سے نکل جائیں
(۳) وہاں حضرت حسین کے دشمنوں نے ان کی بات قبول نہ کی
(۴) اور یہاں حضرت مصعب نے اپنے دشمنوں کی بات نہیں مانی دونوں کا ایک بیٹا ہوا

مصعب بن حضرت زبیر رضہ اپنے بیٹے عیسیٰ کی شہادت کے بعد اپنے خیمہ میں گئے سر میں تیل ڈالا خوشبو لگائی اور باہر تشریف لاکر شمشیر بدست دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ میں آپ کا ساتھ دینے والے صرف سات آدمی باقی تھے جو آپ کے ساتھ ہی شہید ہو گئے۔ حضرت مصعب نے ایسا سخت حملہ کیا کہ شامیوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا آخر تیروں اور نیزوں کے زخموں سے چور چور ہو کر بیہوش ہو گئے آپ کے گرتے ہی شامیوں نے آپ کا سر کاٹ لیا اور ۷۱ھ ہجری میں دس برس کے بعد کربلا کا تماشا پھر دیر جاثلیق میں دہرایا گیا (تاریخ اسلام جلد دوم ص ۔۔ مؤلفہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی و طبری و ابن اثیر و کتاب الانساب سمعانی) و مروج الذہب مسعودی وغیرہ دیکھو۔

خالد بن یزید اور علی بن عبداللہ عباسی

مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ عبدالملک کے بھائی محمد بن مروان نے مصعب بن حضرت زبیر کو امان دینے کے لئے کہا تو عبدالملک نے اپنے درباریوں سے بھی مشورہ چاہا علی بن عبداللہ بن حضرت عباس رضہ نے کہا کہ آپ ہرگز امان نہ دیں خالد بن یزید بن حضرت معاویہ رضہ نے رائے دی کہ آپ ضرور امان دیجئے اس معاملہ پر خالد اور علی بن عبداللہ دونوں میں اسی سرکلامی ہو گئی کہ انھوں نے سپاہیوں کے سامنے ایک دوسرے کو گالیاں دیں عبدالملک نے خالد کا مشورہ قبول کیا۔ (خالد عہد اسلام کے پہلے کیمیا دان تھے اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ تاریخی حیثیت سے عہد اسلام میں تراجم کا کام جب بھی شروع ہوا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کو عمدہ کارآمد بنانے والے خالد تھے۔ خورد سالی کی وجہ سے خلافت سے محروم رہے مشہور محدث حافظ ابن حجر نے تہذیب میں اور یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ خالد نے حدیثیں بھی روایت کی ہیں امام زہری بیہقی خطیب بغدادی عسکری حافظ ابن عساکر وغیرہ نے خالد کی سند پر حدیثیں روایت کی ہیں خالد شاعر بھی اعلیٰ پایہ کے تھے ۔۔ ہجری پیدا اور ۔۔ ہجری میں فوت ہوئے۔

حضرت مصعب کی شہادت پر عبدالملک کا رنج اور افسوس

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ خالد قریش میں مختلف شاخوں (فنون) کے سب سے بڑے عالم تھے) عبدالملک کا مشورہ لینا رائے ست تھا۔ وہ خود کسی طرح نہیں چاہتا تھا کہ حضرت مصعب شہید ہوں حضرت مصعب اور عبدالملک میں بہت دوستی تھی جب یہ دونوں مدینہ منورہ میں رہتے تھے تو ایک عورت سلمیٰ حبی کے گھر آکر آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اور کھانے کھایا کرتے تھے عبدالملک کو حضرت مصعب کی شہادت سے بہت رنج ہوا اس نے افسوس سے کہا کہ انہیں معلوم تھا کہ میں اپنی پرانی محبت و دوستی کی بنا پر اپنے وعدے کو ضرور پورا کروں گا مگر انھوں نے غیرت کی وجہ سے اس سے انکار کر دیا اور لڑائی کر کے شہید ہو گئے۔
(در محمد طبری حصہ دوم جلد سوم ص ۔۔ و تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم ص ۔۔)

امیر المؤمنین حضرت عبداللہ اور حضرت مصعب کی شجاعت و بہادری کے متعلق مہلب بن ابی صفرہ کا بیان

حضرت مصعب اپنے برادر بزرگوار امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ کی طرف سے الجزیرہ آرمینیہ عراقین ایران و خراسان و ترکستان وغیرہ تمام ممالک کے وائسرائے تھے اور ان کے بڑے بڑے سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ

حضرت مصعب بن زبیرؓ اور اُن کے صاحبزادے جناب عیسیٰ کی شہادت کا مختصر حال

یہاں یہ دکھانے کا تو موقع نہیں ہے کہ "یہ حضرات" "صحابۂ کرام" اور "تابعینؒ" کے نام کس عزت و احترام کے ساتھ تحریر کیا کرتے ہیں" اور اُن کے دل میں اُن کی کس قدر عظمت ہے" لیکن اُن کے "جناب عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ" کو نوجوان لکھنے کی وجہ سے" اِس لئے کہ کوئی دہوکا نہ ہو جائے" اُن کی عمر اور جذبات وغیرہ کا صحیح اندازہ دکھانے کے لئے" ہم اِس جنگ اور حضرت مصعبؓ و عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ" کی شہادت کے واقعات کو بہت اختصار کے ساتھ لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں"

میدان "دیر جاثلیق" میں جب "حضرت مصعبؓ" اور "عبد الملک" کے مقابلہ کے وقت "حضرت مصعبؓ" کے اُن افسروں نے جو دشمنوں سے ملے ہوئے تھے" غداری کی" اور بھاگ کھڑے ہوئے" اُس وقت مٹھی بھر "وفاداروں کے ساتھ" "عیسیٰ" بھی ثابت قدم رہے" آپ کے والد بزرگوار" اور "آپ" باقی ماندہ ہمراہیوں کے ساتھ تین دن تک۔ اِس شجاعت و بہادری سے لڑتے کہ "بنو امیہ" کو کثیر فوج کے ہوتے ہوئے بھی۔ اپنی فتح سے مایوسی ہونے لگی" مگر یہ تھوڑے آدمی کب تک لڑتے۔ رفتہ رفتہ سب کام آگئے" صرف چند افراد۔ اور آپ "(یعنی عیسیٰ) کے سوائے "حضرت مصعبؓ" کے پاس کوئی نہ رہا تو "عبد الملک" نے اپنے بھائی محمدؐ کو حکم دیا کہ وہ "حضرت مصعبؓ" کے پاس جاکر جو کچھ وہ طلب کریں "قبول کرلے" نیز "حضرت مصعبؓ" کو یہ بھی اختیار دے کہ وہ چاہیں تو میری امان میں تشریف لے آئیں" یا میدانِ جنگ سے واپس چلے جائیں "حضرت مصعبؓ" نے اس کا انکاری جواب دیا۔ اور فرمایا کہ مجھ کو صرف خدا کی امان کافی ہے" اس کے بعد "حضرت مصعبؓ" کے صاحبزادے "عیسیٰ" سے "محمد بن مروان" نے کہا کہ تم کو اور تمھارے والد کو "امیر المومنین عبد الملک" نے امان دی ہے" عیسیٰ" نے یہ سُنکر اپنے والد بزرگوار سے آکر عرض کیا" حضرت مصعبؓ" نے فرمایا کہ "ہاں یہ تو مجھ کو بھی یقین ہے کہ اہلِ شام تمھارے ساتھ اپنے وعدے کو پورا کریں گے" اگر تمھارا جی چاہے تو تم اُن کی امان میں چلے جاؤ"

"عیسیٰ" نے کہا" میں قریش کی عورتوں کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دوں گا کہ "عیسیٰ" اپنی جان بچانے کے لئے۔ اپنے باپ سے جدا ہو گیا"

"حضرت مصعبؓ" نے فرمایا کہ" اچھا۔ تم اپنے چچا (امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ) کے پاس "مکہ" کی جانب چلے جاؤ۔ اور اُن کو "اہلِ عراق کی غداری" کا حال سناؤ" مجھ کو یہیں چھوڑ جاؤ۔ میں نے اپنے آپ کو مقتول سمجھ لیا ہے"

"عیسیٰ" نے کہا" میں یہ خبر جاکر نہیں سُناؤں گا" مناسب یہ ہے کہ آپ اِس میدانِ جنگ سے واپس چلیں۔ اور سیدھے "بصرے" پہنچیں" وہاں کے لوگ آپ سے بہت خوش ہیں۔ اور آپ کے ہر طرح مطیع ہیں" بصرے" پہنچکر کچھ تدارک کیا جاسکے گا۔ یا پھر "مکہ" کی طرف چلیے۔

"حضرت مصعبؓ" نے فرمایا" صاحبزادے یہ ممکن نہیں ہے" کیونکہ تمام قریش میں میرے میدان سے بھاگ جانے کا چرچا ہو جائے گا" بہتر یہ ہے کہ تم ہر خیال کو چھوڑ دو۔ اور دشمن پر حملہ کرو"

"عیسیٰ" یہ سُنتے ہی اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے" اور سینکڑوں کو خاک و خون میں ملاکر "حضرت مصعبؓ" کی آنکھوں کے سامنے خود بھی ہمیشہ کے لئے جاں بحق تسلیم ہو گئے"

اِس کے بعد "عبد الملک" خود آگے بڑھکر آیا اور "حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ" سے بڑی منت اور اصرار کے ساتھ کہا کہ "آپ اب میدان سے واپس چلے جائیں یا امان قبول کرلیں" یہاں تک کہ اُس نے اِس اصرار میں "الحاح اور عاجزی" سے بھی کام لیا" مگر حضرت مصعبؓ نے اُس کی طرف مطلق التفات نہیں کیا"

کوفیوں نے "مصعب بن حضرت زبیرؓ" اور "حسین بن حضرت علیؓ" دونوں کے قتل کرانے میں ایک درجہ کا جرم کیا لیکن یہ دونوں جرم دو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے"

لعین کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ "طبقات" سے اپنی کتاب لکھنے کے وقت ضرور واقف تھے" کیونکہ اُن کے دینی محسن "جناب عبیداللہ صاحب فرحتی امروہوی نے بھی" جو ایسے حملوں کے مؤلف موصوف کے خاندان میں اس رسالہ میں جہاں تک ہماری واقفیت ہے اولین علمبردار ہیں۔ اور جن کے ہمارے مؤلف صاحب شاگرد رشید ثابت ہوئے ہیں۔ اپنے مضمون "مذاکرہ و مناظرہ" "خراب و صداقت پر ایک نظر" "سید القریش" امرتسر جلد ۱۱ نمبر ۱۱ بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۴ء میں صفحہ ۲۱ پر اپنے بیان کے ثبوت میں انہوں نے "طبقات ابن سعد" کے حوالے سے ایک حدیث لکھی ہے" جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب اُن کے دسترس میں تھی۔ اور مؤلف صاحب یقیناً اُس سے بخوبی آگاہ تھے" پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ خود مؤلف صاحب نے بھی اپنی کتاب "تحقیق الانساب" تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۱۱ پر "حضرت عمر فاروق رض" کی نسل کے ذکر میں "طبقات ابن سعد" سے یہ حال لینے کا حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "آپ کے جن صاحبزادوں سے نسل باقی رہی اُن کا "شجرہ اولاد" بحکم کتب انساب و رجال "طبقات ابن سعد" وغیرہ کے مطابق حسب ذیل ہے"

مؤلف امروہوی اور عبیداللہ فرحتی کی دوسرے خاندانوں کو مقطوع النسل ثابت کرنے کی کوشش کی طرح مولوی عبیداللہ فرحتی کے حضرت مصعب رض حضرت حمزہ رض اور عبداللہ عون کے متعلق بیانات کی چاک دامانی

کیونکہ مؤلف امروہوی کا سلسلہ نسب "موسیٰ ثانی" ایسے شخص تک پہنچتا ہے جو قریباً چودہ سال کی عمر میں بے اولاد مر جانے کی وجہ سے صحیح اور مستقل بیان میں ہے اس لئے اُن کا خاندان "صحیح النسب" نہیں مانا گیا ہے" اس لئے اُن کی اور اُن کے عبیداللہ صاحب کی یہ کوشش رہی ہے کہ دوسرے خاندانوں کے بزرگوں کو بھی جس طرح سے بن پڑے "غیر معقب" ثابت کریں" چنانچہ مؤلف صاحب کی کتاب اور "عبیداللہ صاحب کے مضامین ہمارے اس بیان پر گواہ ہیں" مؤلف موصوف کی کتاب کی "اس کوشش کو تو ہم دکھلاتے ہی رہے ہیں" اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں کہ عبیداللہ صاحب کی کوشش کا بھی کم از کم ایک نظارہ ضرور دکھا دیں" انہوں نے اپنے مضمون "ایک غلط فہمی" "آوان اور کو کہر کے قریشی نہیں" "سید القریش" امرتسر جلد ۹ نمبر ۹ بابت ماہ جون ۱۹۲۳ء کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے کہ

(الف) ۔ مگر بڑا امر یہ ہے کہ "تحقیقات" علوی پر کامل وثوق نہ ہونے سے ایسے بزرگان دین تک "نسب نامے" پہنچائے جاتے ہیں جو ابتر تھے "لاعقب" اور "مقطوع النسل" ہیں" چنانچہ ہمارے صوبے میں "ایک گروہ" "مدعی" "عیسیٰ بن مصعب بن الزبیر" تک اپنا نسب" جو نوجوان "بلا اولاد" جنگ میں قتل ہوا" پہنچاتے ہیں"

(ب) ملک پنجاب کی "ایک حکمران ریاست والے" "حضرت حمزہ" عم رسول مقبول" سے اپنی اصلیت کا پتہ بتلاتے ہیں" حالانکہ حضرت حمزہ "لاولد" معارکہ "احد" میں شہید ہوئے"

(ج) "علی بن العباس" "قروہ آوان" بھی اپنی نسل ایک شخص "عبداللہ عون" سے بتلاتے ہیں جو جنگ میں صغیر لاولد قتل ہوئے"

یہ حالات "لاطائل" ہیں" خداوند تعالیٰ فرماتا ہے" ولا تزکوا انفسکم ان اللہ یزکی من یشاء" تم اپنی ذاتی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو" خدا جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بناتا ہے" یعنی مطابق انسان کے اعمال حسنہ کے" [illegible] اور اسی مضمون کے صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے کہ "حضرت علی رض کے متعدد فرزندوں میں سے کسی کا نام عون نہ تھا البتہ حضرت جعفر کے بیٹے کا نام عون تھا اس کی نسبت کتاب "المعارف" ابن قتیبہ میں درج ہے" قتل بتستر ولا عقب لہ" مقام تستر میں مارا گیا اس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ پس عبداللہ عون کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہو گئی اور اس کی بے اولادی کا حال بھی واضح ہو گیا"

مولوی عبیداللہ صاحب کا یہ بیان بھی سرتاپا غلط ہے "حضرت مصعب بن زبیر رض کی اولاد کے بیان میں تو اُن کا جھوٹ ظاہر ہو چکا" باقی رہا حضرت حمزہ رض کا لاولد ہونا اور حضرت علی رض کے کسی صاحبزادے کا نام عون نہ ہونے کا اُن کا بیان تو ہم نے اُن کے اس جھوٹ کی بھی اچھی طرح قلعی کھول دی ہے"

(محمد عبیداللہ صاحب، فرحتی امروہوی" ۹ جون ۱۹۲۳ء)

"الاسود" نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور "حبشہ" کی ہجرت ثانیہ کی تھی" ابو الاسود محمد" عالم اور راوی تھے" ان کا کوئی پسماندہ نہ رہا" (طبقات ابن سعد جلد سوم ص۸۹)

نوفل بن خویلد" کی بیٹی" ام نوفل" کے" حبیب بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ" سے دو لڑکے" عبد اللہ" اور "عبد الرحمن" تھے" (طبقات ابن سعد جزو رابع ص۱۸۱)

ان دونوں بیانات میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے" اور ابن سعد کا بیان " ابن قتیبہ" کے صریح جھوٹ پر شاہد عادل ہے " نوفل بن خویلد" کی پانچویں پشت میں ایک صاحب کی نسل منقطع ہوئی ہے"۔ مگر " ابن قتیبہ" نے خود " نوفل" ہی کو" بے اولاد بتا کر ان کی نسل کو منقطع کر دیا ہے" نوفل بن خویلد کے بیٹے" الاسود" کے کئی بیٹے ہوں گے " پھر ان کے پوتوں" پر پوتوں" پڑپوتوں کی بھی کئی اولادیں ہوں گی" کیا یہ بات قابل تسلیم ہے کہ " پانچ پشتوں تک نوفل کی اولادیں سب کے ایک ہی ایک بیٹا ہوتا رہا" اور پانچویں نسل والے کے بے اولاد رہ جانے کی وجہ سے ان کی نسل باقی نہیں رہی" کیونکہ علاوہ نوفل کی اولاد ذکور کے ان کی بیٹی کی نسل کا داخلہ بھی " ابن سعد" نے دیدیا ہے" اس لئے ابن قتیبہ کے اس بیان پر ہمیں قطعاً کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے"

ابن سعد کا مرتبہ اور اُن کے لکھنے کا طریقہ

" ابن سعد" کیونکہ اعلیٰ پایہ کے محدث بھی ہیں۔ اس لئے وہ ہر بات کو سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اُن کا طریقہ یہ ہے کہ" کسی کی اولاد گناتے ہوئے اگر اُن میں کوئی بے اولاد ہوتا ہے تو وہ اُسی جگہ اُسے ظاہر کر دیتے ہیں" اور جو بیٹے اُس کے صاحب اولاد ہوتے ہیں" وہ اُن کے صرف نام لکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں" اُن کی تمام کتاب کو پڑھ جائیے۔ اس قاعدے میں اُن کے کہیں سر مو فرق نہیں ملے گا۔

مثلاً" علی بن عبد اللہ بن حضرت عباس" " جو کثیر الاولاد شخص تھے" " ابن سعد" نے طبقات جز خامس کے ص۲۲۹ پر اُن کی اولاد کے نام گناتے ہوئے" اُن کے جن بیٹوں کی اولاد باقی نہیں رہی" اُسی سلسلہ میں اُس کو اس طرح ظاہر کر دیا ہے کہ" ...... احمد" بشرہ" " مبشرہ" کہ ان میں سے کسی کا پسماندہ نہ رہا" ..... " اسمٰعیل" اور " عبد الصمد" یہ سب بھی ایک اُم ولد لونڈی کے بطن سے تھے" اور عبد اللہ الاکبر کہ ان کا بھی کوئی پسماندہ نہ رہا۔ ان کی ماں" اُم ابیہا بنت عبد اللہ بن حضرت جعفرؓ بن ابو طالب " تھیں" یحییٰ" " اسحٰق" " یعقوب" " عبد العزیز" اسمٰعیل الاصغر" اور " عبد الاوسط" کہ اُن کا بھی کوئی پسماندہ نہ رہا" یہ سب اُم ولد لونڈیوں کے بطن سے تھے"

مؤلف امروہوی کا اخفا طبقات ابن سعد کے نوشتوں سے" اور ہمارا اُن سے خطاب

ان حقایق کی روشنی میں" اب ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی ہے کہ" علیٰ الاکبر بن حضرت مصعبؓ" جو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے تھے" ضرور صاحب اولاد تھے اور اُن کی نسل ہرگز منقطع نہیں ہوئی" اور اُن کے بے اولاد ہونے کے متعلق " ابن قتیبہ" کا نوشتہ قطعاً کسی توجہ کے قابل نہیں ہے" اور مؤلف صاحب امروہوی کا یہ لکھنا بھی کہ" ہر کتاب میں" اور " ہر مورخ" نے " عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ" کو جو اپنے باپ کے ساتھ مقتول ہوئے " غیر معقب بتایا ہے" دروغ بے فروغ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا" وہ بتائیں کہ" طبقات ابن سعد" میں کہاں اور کس جگہ اُن کو غیر معقب لکھا ہے۔ اور دوسری وہ کونسی کتابیں ہیں جن سے ابن قتیبہ نے یہ بیان لیا ہے۔ یا اُن سے ابن قتیبہ کے بیان کی تائید ہوتی ہے" اور اس بات کا بھی جواب دیں کہ" یہ جانتے ہوئے کہ " حضرت مصعب رضؓ" کبار تابعین میں سے ہیں۔ سیرۃ النبی جلد اول کے اس بیان کو دیکھکر بھی کہ طبقات ابن سعد" میں کم از کم ایک لاکھ صحابہؓ اور تابعین کے حالات مذکور ہیں۔ اور اُس کا پایہ ایسا بلند ہے کہ آج تک اُس کا جواب نہ ہو سکا۔ اس کتاب سے حضرت مصعبؓ کی اولاد کا حال دینا انھوں نے کیوں ضروری خیال نہیں کیا"

اگر وہ " مصباح العارفین" کی طرح " سیرۃ النبی" سے بھی اپنی ناواقفیت یا اُس کے مطالعہ نہ کر سکنے کا بہانہ پیش کریں تب بھی

سیدنا مصعب بن حضرت زبیرؓ کی ازواج و اولاد کے متعلق ابن قتیبہ اور ابن سعد کے بیانات کا فرق

"سیدنا مصعب بن حضرت زبیرؓ" کی ازواج و اولاد کے متعلق "ابن قتیبہ" اور "ابن سعد" کے بیانات جو ہم نے پیش کئے ہیں۔ ان میں جو کمی بیشی اور اختلاف ہے۔ آسے اب بیان بالمقابل لکھ کر دکھاتے ہیں"

ابن قتیبہ کا بیان	ابن سعد کا بیان
(۱) ابن قتیبہؒ نے حضرت مصعبؓ کی اولاد میں صرف آٹھ صاحبزادوں کا ہونا بیان کیا ہے۔	(۱) ابن سعدؒ نے "بارہ صاحبزادوں" اور "تین صاحبزادیوں" کے نام لکھے ہیں۔
(۲) ابن قتیبہؒ نے حضرت مصعبؓ کی کسی بیوی کا نام نہیں بتایا۔	(۲) ابن سعدؒ نے ہر بیوی کا نام اور نسب بتانے کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ کون اولاد کس بیوی کے بطن سے تھی۔
(۳) ابن قتیبہؒ نے حضرت مصعبؓ کے صاحبزادے "عیسیٰ" کا لقب "الکسیر" لکھا ہے۔	(۳) ابن سعدؒ نے "مصعب بن حضرت مصعبؓ" کا لقب "حُضیر" بتایا ہے" الطبری و کامل ابن الاثیرؒ وغیرہ وغیرہ تاریخوں میں بھی جہاں جہاں "مصعب بن حضرت مصعبؓ" کے صاحبزادے "عیسیٰ" کا ذکر آیا ہے" وہاں اُن کو "ابن حُضیرؒ" یا "عیسیٰ بن حُضیر" ہی لکھا ہے۔
(۴) ابن قتیبہؒ نے "عیسیٰ" نام کا صرف ایک بیٹا بتایا ہے"	(۴) ابن سعدؒ نے دو بیٹوں کے نام "عیسیٰ الاکبر" اور "عیسیٰ الاصغر" لکھے ہیں۔
(۵) ابن قتیبہؒ نے لکھا ہے کہ "عیسیٰ" اپنے باپ کے ساتھ قتل ہوئے" اور انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی	(۵) ابن سعدؒ نے "عیسیٰ الاکبرؒ" کا اپنے والد کے ساتھ مقتول ہو جانے کو بتایا ہے" لیکن یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہے کہ "انہوں نے اولاد نہیں چھوڑی"

نسل رکھنے والے کو مقطوع النسل بتانے کی "ابن قتیبہ کی غلط بیانی کی ایک اور مثال

"ابن قتیبہ کی روایت کو کہ نہایت مختصر ہے۔ اور وہ مؤلف العروبون کی طرح اندھیرے میں ٹاپک ٹوئیے مارنے کا عادی ہے" اس لئے جب اُسے کچھ نہیں سوجھتا تو وہ کسی بھی صاحب اولاد کو بے اولاد بتا کر پیش ہو جاتا ہے" اس کی نادانیت کی کئی مثالیں تو ہم اوپر لکھ چکے ہیں" یہاں ایک اور مثال پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"اُس نے لکھا ہے کہ "نوفل بن خویلد بن اسد" (بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ) عرب کے شیر کہلاتے تھے" جنگ بدر میں "نوفل بن خویلد" بھی اور اُمرائے قریش کے ساتھ مکہ سے جنگ کرنے کے واسطے گئے تھے" اور وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مقتول ہوئے" اُن کی نسل باقی نہیں رہی"

(ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اول ص۱۳۵)

"نوفل بن خویلد بن اسد"

- ام نوفل
  - عبداللہ
  - عبدالرحمن
- الاسود
  - نوفل
    - عبدالرحمن
      - محمد
        - ابوالاسود

"ابن قتیبہ کے اس بیان کو دیکھ لینے کے بعد "ابن سعدؒ کا بیان" نوفل بن خویلدؓ کی اولاد کے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیے" نوفل" کے "ام نوفل" ایک بیٹی" اور ایک بیٹے "الاسود" تھے۔ الاسود کی نسل میں "ابوالاسود محمد" بن عبدالرحمٰن" بن نوفل" بن اسود" بن نوفل بن خویلد بن اسد" تھے۔

نقشہ اولاد "سیدنا مصعب بن حضرت زبیرؓ" مطابق بیان "ابن سعد"
عکاشہ
عیسیٰ الاکبر
عبداللہ
محمد
حمزہ
ہاشم
عمر
جعفر
مصعب الملقب بہ خفیر
سعد
منذر
عیسیٰ الاصغر
طلحہ
سکینہ
رباب (فاطمہ)
سکینہ
زوجہ عثمان بن عروہ بن حضرت زبیرؓ
مصعب
(ابن قتیبہ)
ہادی
ایوب
یعقوب
داؤد
سلیمان
محمد
نوح
عیسیٰ
شیخ حسن
شیخ کمال الدین
شیخ حسین
ابراہیم
اسمٰعیل
جمال الدین
خواجہ فتح اللہ رئیس ملتان
(شجرہ سہروردی)
خواجہ فخر الدین عرف بڈھ (رئیس ملتان)
فضل اللہ رئیس ملتان
(سیرۃ العارفین)
شیخ اسحٰق قدس سرہٗ العزیز
حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ العزیز زبیری کنگوکیوی ملتانی دہلوی (المتولد ... ہجری المتوفی ... ہجری)
عمارہ
(ابن قتیبہ)
حمزہ
ابو اسحٰق ابراہیم محدث
(طبقات ابن سعد و کتاب الانساب امام سمعانی)
ابراہیم
امۃ الجبار دختر
(زوجہ ابن عیسیٰ الزبیریؓ)
اسمٰعیل
(تاریخ طبری)
عیسیٰ
عثمان
کثیر
امینہ
(تاریخ طبری و تاریخ کامل ابن الاثیر)
(مصباح العاشقین، خزینۃ الاصفیاء، اخبار الاخیار)

سیدنا حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ کی ازواج و اولاد کے متعلق ابن سعد کا بیان

طبقات ابن سعد میں تحریر ہے کہ۔

(۱) عکاشہ، عیسیٰ الاکبر جو اپنے والد کے ساتھ مقتول ہوئے اور سکینہ، ان بیٹوں کی ماں فاطمہ بنت عبداللہ بن السائب بن ابی حبیش بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی تھیں۔

(۲) عبداللہ بن مصعب اور محمد، ان دونوں کی والدہ حضرت عائشہ بنت طلحہ بن عبیداللہ تھیں اور عائشہؓ کی ماں ام کلثوم بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ تھیں۔

(۳) حمزہ، عاصم اور عمر، یہ تینوں ام ولد کے بطن سے تھے۔

(۴) جعفر یہ بھی ایک لونڈی کے بطن سے تھے۔

(۵) مصعب بن مصعب یہ بھی ایک ام ولد کے بطن سے تھے اور ان کا لقب حصیبہ تھا۔

(۶) سعد ایک ام ولد کے بطن سے تھے۔

(۷) منذر ایک ام ولد کے بطن سے تھے۔

(۸) عیسیٰ الاصغر ایک ام ولد کے بطن سے تھے۔

(۹) رباب بنت مصعبؓ ان صاحبزادی کی والدہ سکینہ بنت حسینؓ تھیں۔

(۱۰) سکینہ بنت مصعبؓ ان کی ماں ایک ام ولد لونڈی تھیں۔

کہا راوی نے بیان کیا مجھ سے مصعب بن عبداللہ الزبیری (بن ثابت بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ بن العوام) نے کہا کہ مصعب بن حضرت زبیرؓ کی کنیت ابو عبداللہ تھی مگر ان کا کوئی لڑکا عبداللہ نام کا نہ تھا۔ (طبقات ابن سعد جز خامس ص ۱۳۵)

تاریخ طبری میں ۶۸ھ ہجری کے حالات میں لکھا ہے کہ اصفہان اس زمانہ میں اسمٰعیل بن طلحہ بن مصعب بن حضرت زبیرؓ کی جاگیر میں تھا اور عتاب (عتاب بن ورقا) اس کے حاکم تھے۔

(ترجمہ تاریخ طبری جلد دوم حصہ دوم ص [illegible]) مترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی ایم اے

(مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

نقشہ اولاد
سیدنا حضرت مصعبؓ
صفحہ ۲۸۴ پر ملاحظہ فرمایئے

"ابو بکر بکار زبیری" جن کا ذکر ابھی آ چکا ہے۔ اُن کے فرزند "زبیر بن ابو بکر بکارؒ" قاضی مکہ معظمہ" جن کی ولادت ۱۷۲ سنہ ہجری میں اور وفات ۲۵۶ سنہ ہجری میں ہوئی" وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ایسی مشہور اور معتبر کتاب "انساب القریش" لکھی" جو آپ کے زمانہ والوں کیلئے خضرِ راہ اور بعد والوں کے لئے شمعِ ہدایت بنی۔ علم الانساب کی اکثر کتابوں میں اُس کا حوالہ موجود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب وہ نہیں ملتی "علامہ محمود الحسن صاحب ٹونکی" مصنف "معجم المصنفین" نے ہم سے فرمایا کہ "مصر و شام" جا کر میں نے "انساب القریش" کی تلاش کی تھی۔ میں تلاش کر کے ہار گیا کہیں اُس کا پتہ نہیں چلا" جس وقت "جناب واقدی" کا انتقال ہوا ہے "زبیر بن ابو بکارؒ" کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی اور "محمد ابن سعد" صاحب طبقات بیالیس ۴۲ برس کے تھے" تعلقات مندرجۂ بالا کی وجہ سے "واقدی رحؒ" نے "ابو بکر بکارؒ" سے اور "محمد ابن سعدؒ" نے اپنے اُستاد کے علاوہ "زبیر بن ابو بکر بکارؒ" اور اُن کی کتاب "انساب القریش" سے بھی استفادہ کیا تھا"

علامہ شبلی نے اپنی کتاب "سیرۃ النبیؐ" جلد اوّل کے صفحہ ۲۴ پر تحریر فرمایا ہے کہ "ابن سعدؒ" نے "آنحضرت صلعم" اور صحابۂ و تابعین" کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی ہے کہ آج تک اُس کا جواب نہ ہو سکا"

"ابن سعد" مشہور محدث بھی ہیں" بلاذری" جو مشہور مؤرخ ہیں۔ وہ انہیں کے شاگرد ہیں" ابن سعد کی کتاب کا نام طبقات ہے جو بارہ جلدوں میں ہے" یہ کتاب تقریباً نایاب ہو چکی تھی" یہ کتاب جس طرح ملی اُس کا حال ہم اُوپر لکھ چکے ہیں" اس لئے یہاں پر اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

صاحب المعارف "مسلم ابن قتیبہ" کی حالت اور "محمد ابن سعد صاحب طبقات" کی حیثیت بتا دینے کے بعد" اب ہمیں یہ دکھانا ہے کہ "سیدنا حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ" کی ازواج و اولاد کے متعلق اِن دونوں کی واقفیت میں کیا فرق ہے" نیز یہ کہ "عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ" کے بے اولاد شہید ہو جانے اور اُن کی نسل نہ چلنے کی "ابن قتیبہ" کے بیان کی کیا حقیقت ہے" اور اُس میں سچائی یا جھوٹ کا کس قدر دخل ہے"

"سیدنا مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ کی ازواج و اولاد کے متعلق" ابن قتیبہ" کا بیان"

"المعارف ابن قتیبہ" میں لکھا ہے کہ "حضرت مصعبؓ" اپنی کنیت "ابو عبداللہ" کیا کرتے تھے" حضرت مصعبؓ" کی اولاد "عیسیٰؒ" عکاشہ" عمروؒ" جعفر۔ حمزہؒ" سعدؒ" مصعبؒ الملقب بہ جبین" اور "محمدؒ" تھے۔

(الف) "عیسیٰؒ" اپنے باپ کے ساتھ قتل ہوئے۔ اور اُنھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی"

(ب) "عکاشہ" کی نسل "مدینہ" میں ہے" اُن کے صاحبزادے "مصعب بن عکاشہ" قدید کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ قدید اُس واقعہ کا نام ہے جس میں "ابو حمزہ خارجی" مقتول ہوا۔ اُس نے "یمن" سے خروج کیا تھا۔ اور "مکہ و مدینہ" پر قابض ہو گیا تھا۔ پھر وہ "شام" کی طرف متوجہ ہوا اور مارا گیا" (۱۳۰ سنہ ہجری میں اُس نے مدینہ پر قبضہ کیا تھا")

(ج) "جعفر" نے "ملیکہ بنت حسن بن حسین بن حضرت علیؓ بن ابی طالب" سے عقد کیا تھا اور اُن سے چند لڑکیاں ہوئیں اُن کی اولاد دوسری بی بی سے بھی ہے"

(د) "حمزہ" معہ اپنے صاحبزادے "عمارہ" کے "قدید" کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ اُن کی نسل "مدینہ" میں ہے۔

(ترجمہ کتاب المعارف ابن قتیبہ" جلد اوّل صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹)

نقشہ اولاد "سیدنا مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ" مطابق بیان "ابن قتیبہ"

- عیسیٰ
- عکاشہ
  - مصعب
- عمرو
- جعفر
- حمزہ
  - عمارہ
- سعد
- مصعب الملقب بہ جبین
- محمد

کا تسلط ان سبھی پر ہو گیا تھا۔ اور ہمارا یہ بیان بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ علامہ ابن قتیبہ دینوری ہی معتبر لیکن حالات سے واقف مورخ و نسابہ ہرگز نہیں ہیں
بلکہ اُسے جھوٹ و سچ میں امتیاز کرنے کی بھی مطلق اہلیت نہیں ہے۔

لہٰذا اُس کی حالت دکھا کر اب ہم علامہ ابن سعد کی حیثیت کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ کے معاملہ میں جو بیانات
ابن سعد کے ہم نے اوپر دئیے ہیں۔ اُن کو دیکھنے سے ہی اُن کی علوئے مرتبت و شان میں کسی چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مگر ہم مزید
معلومات کے لئے لکھتے ہیں کہ آپ کا زمانہ۔ ابن قتیبہ سے نصف صدی قبل کا ہے۔ ابن قتیبہ ۲۱۳ہجری میں پیدا ہوا اور اُس کی وفات
۲۷۶ہجری میں ہوئی ہے۔ محمد ابن سعد ۱۶۵ہجری میں عالم وجود میں آئے اور آپ کا انتقال ۲۳۰ہجری میں ہوا۔ آپ محمد بن
عمر الواقدی کے شاگرد ہیں جن کی ولادت کا زمانہ ۱۳۰ہجری۔ اور زمانہ وفات ۲۰۷ہجری ہے۔ الواقدی مدینہ منورہ کے
رہنے والے تھے۔ انہوں نے وہ لڑائی دیکھی بھی جو ۱۴۵ہجری میں منصور عباسی کی چالیس ہزار فوج سے محمد نفس زکیہ کی حمایت
میں بنو زبیری اسدی قبیلے نے لڑی تھی۔ حالانکہ کل تعداد تین سو ہونے پر بھی ایسی شجاعت کا اظہار کیا تھا۔ جس کی وجہ سے
منصور کی اس کثیر فوج کے چھکے چھوٹ گئے تھے اور خود اُس پر خواب و خور حرام ہو گیا تھا۔ اس لڑائی میں سیدنا مصعب بن جعفر
زبیر رض کے پوتوں نے بہادری کے جو کام کئے چشم فلک نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ عیسیٰ بن مصعب بن
حضرت مصعب بن حضرت زبیر اور ابراہیم بن جعفر بن حضرت مصعب بن حضرت زبیر رض شہید ہوئے۔
اور بھی اکثر شہید و زخمی ہوئے۔ محمد نفس زکیہ بھی جب شہید ہو گئے تو باقی ماندہ میں سے کچھ وہیں روپوش ہو گئے اور کچھ نے سرحدی علاقوں
پر جا کر پناہ لی۔ ابو جعفر منصور عباسی پر ان کی شجاعت اور بہادری کا ایسا اثر پڑا تھا۔ اُس کے متعلق طبری نے لکھا ہے کہ ابو جعفر
(منصور) کہا کرتے تھے کہ اگر آل زبیر کے ہزار آدمی مجھے ایسے ملیں جو سب کے سب نیک اور متقی ہوں۔ اور ان میں صرف
ایک بد ہو تو میں سب کو قتل کر دوں۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل ص۲۲۴ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن) و
(طبری نسخہ عربی مطبوعہ یورپ ص۲۶)

مگر ہم یہاں نہ تو اس جنگ کی تفصیل میں جا سکتے ہیں نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ بنو زبیری و اسدی جو باہر چلے گئے وہ کہاں کہاں ممالک میں
جا کر مقیم ہوئے۔ اور وہیں روپوش ہو جانے والوں نے پھر کس طرح اقتدار حاصل کیا۔ مگر ہم یہاں واقدی کا ذکر کر رہے ہیں۔

غرضیکہ جناب واقدی۔ اس خاندان کا آشنا ہی نہیں دیکھا بھالا ——— اس خاندان والوں سے بوجہ ہم وطنی ان کے
تعلقات بھی تھے۔ طبقات ابن سعد جز خامس کے ص۳۱۷ تا ۳۱۹ پر واقدی رح کا خود بیان تحریر ہے کہ بیت یا ابو بکر بکار
بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رض گورنر و قاضی مدینہ
المتوفی ۱۹۵ہجری نے ہارون رشید کے وزیر یحییٰ کے پاس اُن کی سفارش کی تھی جس پر اُس نے انہیں اور رقموں کے
علاوہ ایک دفعہ تیس ہزار درہم دلوائے اور بغداد کے ایک حصہ کا قاضی بنا دیا۔"

یہاں ہمیں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جناب واقدی رح بہت بڑے مورخ اور نسّاب ہونے کے علاوہ محدث بھی اعلیٰ پایہ
کے ہیں لیکن چند لوگوں نے اُن پر اعتراض وارد کئے ہیں۔ شاید وہ آپ کی کتاب فتوح الشام و مصر و ایران میں ہر ہر معرکے میں سرداروں
اور افسروں کے ماسوائے اکثر سپاہیوں تک کے طولانی ذکر اُن کی مافوق بہادریوں اور غیر معمولی جوش کی اس قدر تفصیلی حالات دیکھ کر
گھبرا گئے ہیں۔ اور اپنے اس زمانہ کے ماحول میں آنکھ کھولنے پرورش پانے کی وجہ سے باتیں اُن کی سمجھ میں نہیں آسکیں۔ مگر سب علماء
اُن کی واقفیت اور علوئے شان علم کے دل سے معترف اور قائل ہیں۔ لیکن یہاں اُن کی احادیث اور فتوح الشام و مصر و ایران پر بحث ہمارے
مقصد سے مطلق خارج ہے۔ ہم کو صرف اُن کا زمانہ۔ وطن۔ اور خاندان حضرت زبیر رض سے اُن کی واقفیت و تعلقات کو دکھانا
مقصود تھا جسے ہم نے مکمل طور سے دکھا دیا ہے۔

(۱۳) ابن قتیبہ نے "المعارف" جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸ پر "حضرت عروہ بن حضرت زبیر رضؓ" کی اولاد کے متعلق صرف یہ لکھا ہے کہ "اُن کی اولاد۔ محمدؒ" "یحییٰ" "عثمان" "عمرو" "عبداللہ" "مصعب" "عبیداللہ" اور "ہشام" "تھے" یعنی دس بیٹوں میں سے کُل آٹھ بتلائے ہیں۔ اور اُن کی اُولاد میں کسی ایک بھی لڑکی کا ہونا بیان نہیں کیا ہے۔ حالانکہ حضرت عروہؓ کے چھ صاحبزادیاں تھیں"

اَب ہم ابن قتیبہ کے بیان کے مقابلہ میں "طبقات ابنِ سعد جزو خامس کے صفحہ ۱۳۵ سے لیکر" حضرت عروہ رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

عروہ بن حضرت زبیرؓ

عبداللہ، عمر، اسود، یحییٰ، محمدؒ، عثمان، ابوبکر، ہشام، عبیداللہ، مصعب، اُم کلثوم، عائشہ، اُم عمر، عائشہ، حدیجہ، صفیہ

عبداللہ ← صالح ← عامر (طبقات ابن سعد جزو ۵ صفحہ ۳۲۲، آغانی جلد ا صفحہ ۱۴) ← حارث (طبقات ابن سعد جزو ۵ صفحہ ۳۲۲)

عثمان ← عبدیحییٰ، مصعب (ابن قتیبہ صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۵) (دو اُنی فیلی الزبیرؒ)

ہشام ← عروہ، محمدؒ، منذر (بکر) (کتاب الانساب) امام سمعانی) (طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۳۵)

مصعب ← عمار ← مصعب (آغانی جلد ا صفحہ ۶۷)

ابن قتیبہ کی تنگ نظری اور اُس کی ناواقفیت کا مقابلہ "محمدؒ ابنِ سعد کی حیثیت واقفیت اور شان و مرتبہ سے"

علّامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ "ہم نے "اپنی کتاب اوسط" میں "حضرت مصعبؓ" کے حالات اور اُن کی بیویوں میں سے "سکینہ بنت حسینؓ" "عائشہ بنت طلحہؓ" اور "لیلےٰ" وغیرہ کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں" (مروج الذہب و معدن الجواہر مسعودی جلد دوم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر) و مترجم مروج الذہب صفحہ ۳۵) مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)

"کتاب اوسط" کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہم اُس سے استفادہ نہیں کرسکے "تاریخ طبری" کی طرح شاید اُس میں بھی کوئی بات نکل آتی "مگر جو کچھ اب تک معلوم ہوچکا ہے اُس سے زایدہ کی ہمیں کیونکہ کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے" اس لئے "یہ دکھا چکنے کے بعد کہ "ابنِ قتیبہ کی بعض روائتوں سے ہمارے مؤلف صاحب بھی مطمئن نہیں ہیں"

(۱) انہوں نے "محسنؒ" کے متعلق اُس کی روایت کو موضوعات سے بتاکر اُس کے تسلیم کرنے سے قطعاً انکار کردیا ہے"

(۲) اور اُسے اپنی کتاب المعارف میں "غرانیق" جیسی بے بنیاد حدیث کو "جس میں "عزیٰ" لات و منات بتوں کی عزت کو۔ دافع شرک رسولِ مقبول صلعم کی زبان توحید سے جائز قرار دیا ہے۔ بلا صحت داخل کرلینے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں ہوا"

(۳) نیز اُس نے جو بھی غلط سلط اور آدھی تہائی باتیں کسی کی زبان سے سُنی ہیں اُنہیں کو من و عن اپنی کتاب میں لکھدیا ہے "تحقیق و تلاش واقعات میں کوئی کوشش نہیں کی" اُس کی معلومات کا یہ حال ہے کہ "کسی کی بیویوں اور اولاد کے نام تو درکنار رہے۔ وہ اُن کی تعداد تک سے ناواقف ہے" ایک ہی خاندان کے صرف چند بزرگوں کی ازدواج و اولاد کو اُس کی کتاب سے لیکر بطور مثال ہم اُوپر لکھ آئے ہیں" اُس کے مقابلہ میں "ابنِ سعد" کا بیان "ابن قتیبہ" کی عدم واقفیت پر خود شاہد عادل ہے"

(۴) پھر اُس نے اسی قدر اکتفا نہیں کیا ہے "بلکہ جو لوگ صاحب اولاد تھے اور اُن کی نسلیں آج تک موجود ہیں اپنی حماقت سے بلا تحقیق کئے ہوئے اُن کو مقطوع النسل بتاکر لکھدیا ہے کہ اُن سے نسل نہیں چلی" بہت سی مثالوں میں سے دو کافی سمجھکر "عبد قصیؒ" اور حضرت زبیر رضؓ کے بھائی "عبدالرحمٰن" نیز اُن کی بہنوں کی نسلیں ہم نے اُوپر دکھا دی ہیں۔ جن سے "ابنِ قتیبہ" کے ان بیانات

(۹) ابن قتیبہ نے "خالد بن حضرت زبیرؓ" کی اولاد کا مذکرہ ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "خالد بن حضرت زبیرؓ کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یمن کا حاکم بنایا تھا۔ ان کی نسل باقی ہے۔ محمد ان کے "خالد بن عثمان بن خالد بن حضرت زبیرؓ" تھے انہوں نے محمد حسنی (نفس زکیہ) کے ساتھ خروج کیا تھا۔ (ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اول ص۱۳۰)

ابن قتیبہ نے خالد بن حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے کا نام "عثمان" اور پوتے کا نام "خالد" جو لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ محمد الحسنی یا محمد نفس ذکیہ کے ساتھ ۱۴۵ہجری میں ابو جعفر منصور عباسی پر خروج کرنے والے عثمان بن محمد الاصغر بن خالد بن حضرت زبیرؓ تھے اور عثمان کے صاحبزادے محمد تھے۔ عثمان بن خالد بن حضرت زبیرؓ کے کسی بیٹے کا نام نہیں تھا۔ ابن قتیبہ نے خالد بن حضرت زبیرؓ کی بارہ اولادوں میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں بتا سکا ہے۔

اب ہم طبقات ابن سعد جزء خامس کے ص۱۳۰ سے لے کر آپ کی اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔

(۱۰) ابن قتیبہ نے جعفر بن حضرت زبیرؓ کی ازواج و اولاد کا کچھ حال بیان نہیں کیا ہے۔ اور ترجمہ المعارف جلد اول کے ص۱۳۰ پر صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرلیا ہے کہ ان کی نسل مدینہ میں ہے۔ اس لئے ہم طبقات ابن سعد جزء خامس کے ص۱۳۶ و ۱۳۷ سے لے کر ان کی پوری اولاد کا نقشہ دیتے ہیں۔

(۱۱) ابن قتیبہ نے المعارف کے جلد اول کے ص۱۳۰ پر لکھا ہے کہ "عاصم بن حضرت زبیرؓ لڑکپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ ان کی نسل باقی نہیں۔"

(۱۲) ابن قتیبہ نے اپنی کتاب کے ص۱۳۰ پر حمزہ بن حضرت زبیرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ حمزہ بن الزبیرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ مکہ میں مقتول ہوئے۔ ان کے کوئی اولاد نہیں۔

طبقات ابن سعد جزء خامس کے ص۱۳۸ و ۱۳۹ پر تحریر ہے کہ حمزہ کے صرف ایک لڑکا عمارہ پیدا ہوا تھا جس نے ان کے بعد حیات ہی میں وفات پائی۔

دوم یہ کہ "ابنِ قتیبہ" نے "حضرت زبیر رضؓ" کے جو دس صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں بتائی ہیں" اس تعداد میں دو کی کمی ہے حضرت زبیر رضؓ کے بارہ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تھیں "ابنِ سعد نے سب کے نام بالتفصیل اس طرح لکھے ہیں کہ جن بی بی سے جو اولاد ہوئی ہے" اُس کے نسب کو اور اُس کی اولاد کو الگ الگ بتا دیا ہے" (دیکھو طبقات ابنِ سعد جلد دوم ص۷۷ مطبوعہ لیدن")

اب ہم "ابنِ قتیبہ" کی تحریر کے مقابلہ میں "حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

حضرت زبیرؓ

- ۱ عبداللہ
- ۲ عروہ
- ۳ منذر
- ۴ عاصم
- ۵ مہاجر
- ۶ رجاء
- ۷ خالد
- ۸ عمرو
- ۹ مصعب
- ۱۰ حمزہ
- ۱۱ عبیدہ
- ۱۲ جعفر
- ۱ خدیجۃ الکبریٰ
- ۲ اُم الحسن
- ۳ عائشہ
- ۴ حبیبہ
- ۵ سودہ
- ۶ ہند
- ۷ رملہ
- ۸ زینب
- ۹ خدیجۃ الصغریٰ

(۶) ابنِ قتیبہ نے عمر بن حضرت زبیر رضؓ کی اولاد کے متعلق "المعارف کے ص۱۳۷ پر صرف یہ عبارت لکھی ہے کہ "عمرو بن حضرت زبیرؓ" کا بیٹا "عمرو بن عمرو" ہے" اُن کی اور اولاد کے متعلق اسے کچھ معلوم نہیں ہے"

اب ہم ابنِ قتیبہ کی تحریر کے مقابلہ میں "عمرو بن حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

عمرو بن حضرت زبیرؓ

- محمد
- عمرو
- اُم عمرو
- حبیبہ
- اُم عمرو

(دیکھو طبقات ابن سعد جزء خامس ص۱۳۷)

(۷) ابنِ قتیبہ نے "عبیدہ بن حضرت زبیر رضؓ" کی کسی اولاد ذکور و اناث کا نام نہیں بتایا" صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "عبیدہ" کی نسل باقی ہے" طبقات ابنِ سعد جزء خامس کے ص۱۳۵ پر لکھا ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے "منذر" اور ایک صاحبزادی "زینب" تھیں"

عبیدہ بن حضرت زبیرؓ

- المنذر
- زینب

(۸) ابنِ قتیبہ نے "ترجمہ المعارف جلد اول کے ص۱۳۷ پر "منذر بن حضرت زبیر رضؓ" اور آپ کی اولاد کے متعلق صرف یہ لکھا ہے کہ "منذر رضؓ" اپنی کنیت "ابو عثمان" کیا کرتے تھے" ان کا ایک لڑکا "محمد بن منذر" ہے" جو "ابو زید" اپنی کنیت کیا کرتے تھے"

اب ہم ابنِ قتیبہ کے بیان کے مقابلہ میں "منذر بن حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو طبقات ابن سعد جزء خامس کے ص۱۳۵ پر درج ہے۔

منذر بن حضرت زبیرؓ

- عثمان
- محمد
  - بکیر
  - ..... (بحر الرابع من التاریخ الکبیر للامام بخاری ص۱۳۳ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد)
- عبدالرحمٰن
- ابراہیم
- عبداللہ
  - منذر (راجع الرابع تاریخ الکبیر ص۳۵۸ امام بخاری رحمہ)
- عمرو
- ابو عبیدہ
- معاویہ
- عاصم
  - عبداللہ
    - بکار۔ وسلیمان (ذاتی نیلی الزبیر رضؓ)
      - احمد ابو عبداللہ زبیری محدث (کتاب الانساب امام سمعانی وذاتی فیلی الزبیر رضؓ)
- عمر
- عبداللہ
- عون
- قریبہ
- فاطمہ (زوجہ ہشام بن عروہ بن زبیر) (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص۳۵۰)
  - عروہ
  - محمد

واولادیں تھیں۔ ترجمہ معارف ابن مسلم جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ پر تحریر ہے کہ آپ کی (العوام کی) والدہ حارث بن منصور کے قبیلے سے تھیں۔ آپ جنگ فجار میں کام آئے۔ آپ کی اولاد زبیر رضؓ اور سائب رضؓ، ام سائب صفیہ رضؓ بنت عبدالمطلب کے بطن سے اور دیگر عبدالرحمٰن، اسود، اصرم۔ ابن تیعلی بھی، ان میں زبیر رضؓ کے سوا کسی سے نسل نہیں چلی۔ ابن قتیبہ کے بیان میں العوام کا ایک بیٹا کم ہے اور بیٹیوں کا ذکر مطلق نہیں ہے۔

ابنِ قتیبہ نے اپنے بیان میں العوام کی اولادیں تین نام کم بتائے علاوہ یہ بھی غلط لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضؓ کے بطن سے ان کے صرف دو صاحبزادے حضرت زبیر رضؓ اور حضرت سائب رضؓ تھے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت صفیہ رضؓ کے بطن سے العوام کے تین صاحبزادے تھے۔

طبقات میں ہے کہ جاہلیت میں حضرت صفیہ رضؓ کی شادی الحارث بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی سے ہوئی تھی جن سے حضرت صفیہ رضؓ کے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ پہلے شوہر کے انتقال کے بعد آپ کی شادی العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی سے ہوئی۔ جن سے الزبیر رضؓ، السائب رضؓ اور عبدالکعبہ آپ کے تین فرزند پیدا ہوئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۷)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن کا اصلی نام عبدالکعبہ تھا۔ اسلام لانے پر رسول اللہ صلعم نے نام بدل دیا۔
(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۱۳) (ڈائی نیلی الزبیر رضؓ صفحہ ۲۷)

اب ہم ابنِ قتیبہ کے مقابلہ میں حضرت العوام کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے اس کی غلط بیانی پورے طور سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

العوام بن خویلد بن اسد

بُحیر یا بُکیر — اسود — اُصرم — تیعلی — سائب رضؓ — عبدالکعبہ (عبدالرحمٰن رضؓ) — زبیر رضؓ — ریطہ (زوجہ حکیم بن حزام) — ام حبیبہ (زوجہ خالد بن حزام)

عبدالکعبہ (عبدالرحمٰن رضؓ) ← عبداللہ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۱۳)

ریطہ ← عبداللہ — خالد — ہشام — یحییٰ

ام حبیبہ ← ام الحسن (ابن حجر جلد ۴ صفحہ ۵۵ و ۵۹ ھ)

ڈائی نیلی الزبیر رضؓ کے صفحہ ۲۶ پر تحریر ہے کہ ان کی (العوام کی) دو بیٹیاں ریطہ اور ام حبیبہ تھیں اور سات بیٹے بحیر یا بُغیر (BUGAIR) عبدالرحمٰن، اسود، اُصرم، تیعلی، السائب اور الزبیر رضؓ تھے۔

(۵) ابن قتیبہ نے حضرت زبیر رضؓ کی بیٹیوں کی کوئی تفصیل نہیں دی۔ صرف ان کی ایک بی بی کا نام بتا کر ان کی اولاد کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ عبداللہ، عاصم، عروہ، منذر، ام الحسن (حضرت) اسماء رضؓ بنت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بطن سے، مصعب، حمزہ، رملہ، خالد، عمرو، علیدہ، جعفر، حدیجہ، اور عائشہ وغیرہ صاحبزادیاں تھیں۔
(ترجمہ المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ مترجمہ محمد عبدالاول آسی پریس لکھنؤ)

ابنِ قتیبہ کے بیان میں دو غلطیاں ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت اسماء رضؓ کے بطن سے صرف پانچ اولادیں اس نے بتائی ہیں۔ یہ تعداد صحیح نہیں ہے۔ حضرت اسماء رضؓ سے آپ کے آٹھ اولادیں بہ تفصیل ذیل تھیں۔

عبداللہ، عروہ، منذر، عاصم، مہاجر، رجاء، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسن۔

وہ متعدد بزرگ اصحابِ رسول صلعم جن کی اولاد ابن قتیبہ نے آدھی تہائی بتائی ہے

(۲) ابنِ قتیبہ نے "حضرت زبیر رضؓ" کے دادا "جناب خویلد" کے کل ایک صاحبزادی" اور تین صاحبزادے بتلائے ہیں" حالانکہ اُن کے "چار صاحبزادیاں" اور "چار صاحبزادے تھے" اُس کی عبارت یہ ہے کہ "فاطمہ بنت زائدہ بن اصم" آپ کی بیوی "مازن بن منصور" کے قبیلہ سے تھیں" "ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ" اور "عوام بن خویلد" کے علاوہ "نوفل بن خویلد" اور "حزام بن خویلد" آپ کی اولاد تھے" (ترجمہ معارف ابن قتیبہ ص ۱۳۵)

اب ہم ابنِ قتیبہ کے مقابلے میں "جناب خویلد" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ

ام المومنین حضرت خدیجہؓ | ہالہ آنحضرت صلعم کی سمدھن حضرت زینبؓ کی ساس | رقیقہ ← امیمہ | خالدہ | نوفل | اسد | حزام حضرت حکیم کے والد (حضرت حکیم ؓ آنحضرت صلعم کے لڑکپن کے تین دوستوں میں سے ایک تھے) | العوام (حضرت زبیرؓ کے والد)

ڈائی فیملی الزبیر رضؓ کے شجرے میں سوائے "رقیقہ" کے یہ سب نام موجود ہیں" اور "طبقات ابن سعد جز ۸ کے ص ۱۸ پر "امیمہ بنت رقیقہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ" کا حال تحریر ہے" نیز اکمال فی اسماء الرجال" کے ص ۱۲ مطبوعہ کرزن پریس دہلی میں "حضرت امیمہ بنت رقیقہ بنت خویلد" کا حال اس طرح تحریر ہے کہ "آپ "بی بی خدیجہ رضؓ" کی بہن ہیں اور "اہلِ مدینہ میں آپ کا شمار ہے" اور کتاب المحبر کے ص ۱۰ پر ہے کہ "خالدہ بنت خویلد" کے واسطے سے جو "بی بی خدیجہ رضؓ" کی بہن ہیں "علاج بن ابی سلمہ بن عبد العزیٰ بن عنیزہ" کے "آنحضرت صلعم" سالے ہوتے"

(۳) ابنِ قتیبہ نے "حضرت حکیم بن حزام بن خویلد" کے صرف تین بیٹے بتائے ہیں" حالانکہ آپ کے چھ صاحبزادوں کا حال ہمیں معلوم ہوا ہے" ترجمہ معارف ابن قتیبہ کے ص ۱۰۹ پر تو آپ کے ایک صاحبزادے کا نام "عمر" لکھا ہے" اور ص ۱۳۵ پر یہ عبارت لکھی ہے کہ "آپ کے صرف دو صاحبزادے "عبد اللہ" اور "ہشام" تھے"

اب ہم "حضرت حکیم بن حزام رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

حضرت حکیم رضؓ

ڈائی فیملی الزبیر رضؓ کے ص ۲۳ پر تحریر ہے کہ "آپ کی بیوی "زینب" العوام بن خویلد" کی صاحبزادی (حضرت زبیر رضؓ کی بہن تھیں" اور ان بیوی سے آپ کے چار لڑکے "خالد" "ہشام" "یحییٰ" اور "عبد اللہ" ہوئے" جو اپنے والد بزرگوار ہی کی طرح "فتح مکہ" پر مسلمان ہوئے" اور اسی کتاب کے دیئے ہوئے شجرہ میں آپ کے "دو صاحبزادوں "عمر" اور "حزام" کے نام بھی لکھے ہیں" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھائی کسی دوسری بیوی کے بطن سے تھے" "حزام بن حضرت حکیم" کا حال "نووی" کے ص ۲۱۶ اور "ابن حجر" جلد ا کے ص ۱۷۱ پر بھی موجود ہے"

(۴) ابنِ قتیبہ نے "حضرت زبیر رضؓ" کے والد العوام بن خویلد" کی صرف چھ اولادیں لکھی ہیں" حالانکہ اُن کے

عَبدِ قصیؓ کی نسل چلنے کی شہادتیں جسے ابنِ قتیبہ نے منقطع بتایا ہے

اب ہم چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت ظاہر ہوگی کہ وہ اشخاص صاحبِ اولاد تھے اور اُن سے نسل چلی ہے مگر مسلم ابن قُتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں انہیں غیر معقب یعنی لاولد لکھا ہے۔

(۱) تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۲۲۹ پر مؤلف صاحب نے لکھا ہے کہ اس مشہور سردار قریش یعنی عبد مناف بن زید الملقب بہ قصیؓ کے چار یا باروایت دیگر پانچ فرزند ہوئے یعنی عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد الدار اور عبد قصیؓ۔ یہ چاروں اپنے زمانہ کے نامور رجالِ قریش سے ہوئے۔ ان میں ایک کی نسل منقطع ہے یعنی آخر الذکر (عبد قصیؓ) کے دو بیٹے مہب اور وہب ہوئے لیکن ان سے نسل نہیں چلی۔ ابنِ قتیبہ کی سند سے مؤلف صاحب کا بیان ختم ہوا۔ اب ہم عبد قصیؓ کی پوری اولاد اور اُن سے جو نسل چلی اُسے بتاتے ہیں ملاحظہ ہو۔

"ابن قتیبہ" نے "معارف" میں "آپ کے (حضرت بی بی فاطمہؓ کے) ایک صاحبزادے "محسنؓ" کا بہ ایں الفاظ ذکر کیا ہے کہ "هلك وهو صغیرا" بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ "سقط جنینا" لیکن یہ سب "موضوعات ہیں" ولادت محسن سے قطع نظر "کسی روایت سے "محسن" کا "حمل میں ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا"

"ابن قتیبہ کی زندیقیت اور غلط بیانیوں" اور مؤلف امروہوی کے خاندان کے شجرہ خواں میراثیوں کی حیثیت پر "شیخ علی احمد صاحب صدیقی" کا تبصرہ

دوسرا بیان "شیخ علی احمد صاحب صدیقی" کا ہے "صاحب موصوف کا" عرض حال کی سرخی کے تحت ایک مضمون ہمارے مؤلف صاحب کے عزیز قریبی "علیم اللہ صاحب فرحتی امروہوی" کی کسی تحقیق کے جواب میں "رسالہ القریش امرتسر" جلد ۳ نمبر ۶ بابتہ ماہ جون ۱۹۷۱ء میں صفحہ ۵ و ۶ پر درج ہے "اپنے مضمون میں صفحہ ۵ پر "مسلم ابن قتیبہ" اور اس کی کتاب معارف کے متعلق "صدیقی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے"

"سیدہ المورخین "جناب مسلم بن قتیبہ" جن کو "فرحتی" "طبری" وغیرہم سے قدیم شخص تسلیم فرماتے ہیں۔ بلکہ "طبری" وغیرہم کیلئے انہیں تاریخ کا ماخذ جانتے ہیں۔ اگر یہی درست ہے تو بہ ادب مولانا ممدوح کی خدمت میں عرض کرنا خلاف تہذیب نہ ہوگا۔ کہ ان کی (ابن قتیبہ کی) تاریخ یا تحقیق "ایسی مکمل نہیں کہ اس پر کسی کو حرف گیری کا حق نہ ہو" نہ ان کی (ابن قتیبہ کی) صداقت ایسی ہے کہ اس کو نعوذ باللہ "آیہ کریمہ" کے مساوی سمجھا جائے۔ ان کی (ابن قتیبہ کی) صداقت و تحقیق سے انحراف "ایمان بالغیب" سے انحراف سمجھا جا سکتا ہے" جب ان کی (ابن قتیبہ کی) تحقیق و تدقیق کا یہ عالم ہے۔ کہ وہ دونوں کے مقلدین "حضرت رسول خدا صلعم" کی ذات بابرکات سے "غرانیق" ایسی بے بنیاد حدیث منسوب کرتے ہیں۔ ذرا تامل نہیں فرماتے" اور اس دافع شرک (رسول مقبول صلعم) کی زبان توحید سے "عزیٰ" "لات" اور "منات" کی عزت کو جائز قرار دیتے ہیں "فاعتبروا یا اولی الابصار" ایک فرضی قصہ کو بلا صحت اپنی تصنیف میں داخل کر لینا کچھ گناہ نہیں سمجھتے۔ اور "رسول پاک صلعم" کی بے توث ذات پر۔ ناپاک حملے کرنے سے نہیں ہچکچاتے" تو مولانا فرحتی" جن کی مسلمہ قابلیت کا ہمیں اعتراف ہے۔ اور وسیع واقفیت کا احترام ہے "غور فرمائیں۔ کہ ان کا یہ لکھنا کہ "قاسم" "محمد" کا بیٹا تھا" اور وہ عرب میں عالم و فاضل تھا" کیونکر بلا چون و چرا ثابت کر سکتا ہے کہ "حضرت محمد شہید علیہ الرحمتہ" بجز قاسم" کوئی اولاد نرینہ نہ رکھتے تھے" ..... "ہمیں اپنے محفوظ شجرے کی صحت پر" مؤرخوں کی ایسی فاش غلطیوں کو دیکھتے ہوئے" جو ایک زمانے کو زندیق بنانے کا کافی سامان ہے۔ ہرگز کلام نہیں" ..... صفحہ ۱۶ "کس طرح ایک مؤرخ کے مجمل فقرے پر اس کی صحت کو قربان کر دیا جائے" ..... اگر "مولانا فرحتی" مؤلف امروہوی کے ایک بزرگ) کے خاندان کی طرح۔ ہمارے ہاں بھی "میراثیوں کا" کچھ عمل دخل ہوتا تو ہم بھی خم ٹھونک کر "مولانا کے پاس۔ اس کا پیکٹ ارسال کر دیتے۔ تاکہ وہ "مولانا" یا ان کے میراثی کی "تشفی کر دیتا" لیکن کیا کریں" ع "این زمین را آسمانے دیگر است" ..... "صدیقی" "فاروقی" اور "ہاشمی" "قریشیوں" اور "سیدوں کا آج تک شجرہ خواں کوئی میراثی نہیں ہے! اور نہ ان کے بیاہ شادی کے موقعوں پر "کوئی میراثی" شجرے کشی کی خدمت انجام دیتا ہے" بلکہ اسے چلم بھری کے انہماک ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ جس کو وہ بصد ناز غنیمت جانتا ہے" لہٰذا یہ عرض کر دینا داخل گستاخی نہ ہوگا کہ مولانا فرحتی کے شجرہ مصدقہ میراثی سے "آل عدنان" کا مستفید ہونا ناممکن ہے"

صدیقی صاحب کے مضمون میں سے ہم صرف اسی ٹکڑے کو لینا چاہتے تھے" جس سے "مسلم ابن قتیبہ" کی حقیقت معلوم ہوتی ہے" لیکن اس میں دو باتیں اور نکل آئیں "پہلی تو یہ کہ "ہمارے مؤلف صاحب کے علاوہ ان کے دیگر اعزا نے بھی "معارف" کو سند بنا کر اکثر "قریشی خاندانوں کے نسب پر خوب خوب خامہ فرسائی کی ہے" دوسری یہ کہ ان کے خاندان یا گھرانے کے شجروں کی "خواندگی" "درستی" اور حفاظت میراثی کیا کرتے ہیں" لہٰذا ضیافت طبع کے لئے ہم نے ان باتوں پر روشنی ڈالنے والے فقروں کو بھی اس مضمون سے لیکر لکھ دیا ہے"

حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کے خاندان عالی شان کے ہر زمانہ میں ممتاز رہتے چلے آنے کے متعلق ایک بیان

انہوں نے اپنے اس جوش میں جو اس خاندان کی طرف سے اُن کے دل میں موجزن ہے یہ نہیں سوچا کہ تقدس، علم و فضل، حسن خاندان کا اور شہابانہ وجاہت جس کی گھٹی میں پڑی ہو جس کے ان اوصاف کے تذکروں اور صفتوں سے قدیم و جدید تاریخیں بھری پڑی ہوں، اس پر یہ تیر کارگر نہیں ہو سکے گا۔ احمد جمال اکبر شاہی صاحب ثمرۂ سہروردیہ نے لکھا ہے کہ۔

"این خاندان عالی شان در ہمہ ادوار و ہمہ انواع رعایت و اصطناع تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند"

"یہ خاندان عالی شان ہر زمانے میں ہر طرح کی رعایت و اصطناع تربیت سے ممتاز رہا ہے۔"

صاحبزادہ کسامرہ اور صاحب مآثر الامراء کے بیانات حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے خاندان کی علمی فضیلت اور جدت ذہن کے بارے میں

اور مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے تذکرۂ خزانۂ عامرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے اس خاندان کے حضرات خدمات شرعیہ پر مامور رہے اور اب بھی ہیں۔ سر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان کی جلد ہفتم میں اس خاندان کے ایک بزرگ کی ذہانت کا وہ قصہ بیان کر کے جو مآثر الامراء میں بھی ہے ان الفاظ میں رائے ظاہر کی ہے کہ "درحقیقت اکثر اس فرقہ کے آدمی ہر عہد میں جدت ذہن میں مشہور رہے ہیں۔"

حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے افراد خاندان کی طرف سے کسی غلط اور قابل گرفت بات کے پیش کئے جانے کا ناممکن ہونا

ماسوائے ان مورخین کے جن کو مؤلف صاحب نے بھی اُسے نامور تو [illegible] اور خود خاندان عالی شان نے لکھا ہو، تو ایک ایسا علم و فضل اور وجاہت رکھنے والا خاندان ہم کوئی ایسی بات کیسے بیان کر سکتا ہے جو ان مؤلف صاحب جیسے حضرات کی گرفت میں آسانی کے ساتھ آسکتی ہو اور ان کے تقدس و بندگی نیز علم و فضل پر بھی حرف لاتی ہو۔ یہ ثمرہ جو انہوں نے شیخ ادہم کو بلایا اور پانچ کتابوں میں لکھا ہے اپنی صداقت کا خود ایک بیّن ثبوت ہے۔ اگر یہ فرنگ ربیری نہ ہوتے تو ایک ایسے بزرگ سے جسے مؤلف صاحب لاعقب بتا رہے ہیں اپنا سلسلہ برگزیدہ ملاتے۔ ہمدی النسل ہوتے اور عرب سے رشتہ ملانا ہی ان کا مقصد ہوتا تو ان کے لئے سید بن جانے میں کون امر مانع تھا۔ مسئلہ یقیناً اُن کے لئے ربیری سے زیادہ آسان تھا۔

ابن قتیبہ کی غلط بیانی کی عریانی اور تردید خود مؤلف امروہوی کے قلم سے

مؤلف صاحب نے صرف ایک کتاب معارف ابن قتیبہ کا اساس دیکھ کر ہر کتاب میں اور تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہہ کر جو الفاظ لکھے ہیں ان میں ذرہ برابر اصلیت نہیں ہے وہ سراسر دھوکا ہیں جسے ہم ثابت کریں گے۔

اب رہا مسئلہ ابن قتیبہ کا بیان تو اس کے متعلق یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ کوئی مؤرخ یا نسّابہ نہیں ہے۔ اس کے ذرائع معلومات محدود ہیں۔ اور اسکے واقعات و حالات پر پورا عبور ہرگز حاصل نہیں ہے۔ اس کی شان بس اسی قدر ہے کہ آدمی تمام بات کہتا ہے اور جس کی اولاد کا حال اُسے نہیں معلوم ہوتا ہے تامل اُسے غیر معقب لکھ دیتا ہے۔ ہم چاہیں تو اسی بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ جن کو اس نے غیر معقب بتایا ہے وہ صاحب اولاد تھے اور ان سے نسلیں چلی ہیں۔ اس کی واقفیت کی حقیقت دکھانے کے لئے پہلے ہم ان مؤلف صاحب ہی کا وہ بیان جو معارف میں مندرج ایک واقعہ کی تردید میں ہے پیش کرتے ہیں۔ صاحب موصوف نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم کے صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۰ کے حاشیہ پر جو نوٹ ابن قتیبہ کی کتاب معارف پر اپنی طرف سے دیا ہے وہ یہ ہے کہ

تو اُسی کتاب میں کنبو یا کنبوہ " کے نسب کے متعلق جو عبارت تحریر ہوتی ہے " وہ اُن کی نظروں سے قطعاً اوجھل رہ جاتی ہے۔ اور لفظ کنبوہ بھی کسی کتاب بلکہ منتخب التواریخ تک میں انہیں نظر نہیں آیا ہے " ان کی ساری کتاب دیکھ ڈالئے لفظ کنبوہی کہیں نہ ملے گا بلکہ وہ یہ ہی یقین دلاتے ہوئے پائے جائیں گے " کہ جہاں لکھا ہے " اِس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے کنبو یا کمبو کے سوا اور کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہے "

باب پانزدہم

" قطع نظر اِس کے " اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے " کہ مخدوم شیخ سماء الدین رح " اور " نواب شہباز خاں " اِن دونوں بزرگوں کے نسب نامے " کسی کتاب میں منقول ہیں " تو دیکھنا یہ ہے کہ " آیا یہ سلسلے جس طرح بیان کئے گئے ہیں " حضرت زبیر رض " تک پہنچتے بھی ہیں یا نہیں " مخدوم صاحب کا سلسلہ " بذریعہ ہادی بن عیسےٰ ابن مصعب بن حضرت زبیر رض " تک پہنچایا گیا ہے " مصعب بن زبیر رض " کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہ تھی۔ کہ اُن کی اور اُن کی اَولاد کا تذکرہ " کتب تواریخ و سیر " میں نہ ملتا " اُن کے فرزند عیسٰی " کو جن سے یہ سلسلہ مِلایا جاتا ہے۔ ہر کتاب میں " غیر معقب " بتایا گیا ہے " اور " تمام مؤرخین " کا اِس پر اتفاق ہے کہ۔ اُن سے نسل نہیں چلی "

" ابنِ قتیبہ نے " معارف میں " اِس کی تصریح کر دی ہے۔ اور صاف لکھا ہے کہ۔ " فاما عیسیٰ ابن مصعب، فقتل مع ابیہ ولا عقب لہٗ " (عیسیٰ " اپنے باپ کے ساتھ قتل ہو گئے۔ اور اُن کے کوئی عقب نہ تھا ") نہ " مصعب بن زبیر رض " کے کسی پوتے کا نام یا لقب " ہادی " بیان کیا گیا ہے " جس کے ذریعہ یہ سلسلہ متصل ہوتا ہو " (صـ۳۴۲)

اِس بیان کا فقرہ اوّل " ہمارے اُس جملہ کی بخوبی تصدیق کر رہا ہے۔ جسے لکھکر ہم نے پچھلی بحث کو ابھی ختم کیا ہے " ورنہ وہ یہاں " اگر کے ساتھ بھی " مخدوم صاحب اور نواب شہباز خاں " کے نسب ناموں کے کسی کتاب میں منقول ہونے کو ہرگز تسلیم نہ کرتے " جو مؤلف اِس سے پہلے کسی دو کنبو بزرگ کے " نسباً زبیری ہونے سے " انکار مطلق کر چکا ہو " اور اُن کے شجرہ کو جو " حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیر رض پر منتہی ہوتا ہے مابعد کی موضوعات بتا چکا ہو " اور جسے اپنی تحقیقات کی سچائی پر پُورا پُورا وثوق ہو۔ تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اُسے اپنے رَدکردہ شجرہ پر بحث کرنے کی ضرورت کیوں پیش آسکتی ہے " مگر جب انہوں نے اِس شجرے پر بحث کرنے کو ضروری خیال کیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ " مصباح العارفین " کے وجود کے بارے میں وہ اُوپر لکھ چکے ہیں " اُس سے خود بھی کسی نہج مطمئن نہیں ہیں " اور اُن کے دل میں اُس کی طرف سے ڈر موجود ہے "

فقرہ دوم " میں مؤلف صاحب نے " اپنے ترکش کا سب سے زہریلا یعنی سمّ قاتل میں بجھا ہوا تیر چلایا ہے۔ اور یہ سمجھکر کہ " نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری " اپنے زعم ناقص میں گویا اِس خاندان کی جڑ ہی کاٹ دی ہے "

ہم انہیں بتاتے ہیں کہ یہ تیر بھی نشانہ پر نہیں بیٹھا " اُن کا یہ بیان کہ " اُن کے فرزند " عیسیٰ " (بن مصعبؓ) کو جن سے یہ سلسلہ مِلایا جاتا ہے " ہر کتاب میں " غیر معقب " بتایا گیا ہے " اور " تمام مؤرخین کا " اِس پر اتفاق ہے کہ وہ اُن سے نسل نہیں چلی " قطعاً غلط اور حقیقت سے کوسوں دُور ہے "

کہ تمام دنیا کے اشخاص اُسی کی طرح گرے ہوئے ہوں۔ یا کسی انتقام کے درپے ہو۔ یا اُس کے سینہ میں خواہ مخواہ حسد کی آگ سُلگ رہی ہو تو ایسا شخص جس قدر بھی دھوکے دے اور بناوٹی باتیں بنا کر کہے وہ اُس سے بعید نہیں ہیں۔ نہ ایسے شخص سے صداقت و انصاف کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

ہمارے مؤلف صاحب چونکہ "مصباح العارفین" کا نام کسی طرح بھی چھپا نہیں سکتے تھے اس لئے اُن کے لئے مشکل یہ آن پڑی کہ اگر وہ اُس کے وجود کو مان لیتے تو پھر اُس عمارت کو جو وہ بنا رہے تھے کسی صورت سے قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے پہلے تو اس کتاب کو مشتبہ قرار دیا مگر بعد میں جب غور کیا کہ لفظ مشتبہ سے کام نہیں چلے گا تب اُس کے تصنیف کئے جانے ہی سے انکار کر دینا مناسب حال کیا۔ اور اب جو اس کتاب کے وجود کو اپنے مقصد کے منافی قرار دے لیا تو اُن کے لئے دھوکے سے جھوٹ سے غرضیکہ اس سے کام لیکر اور مقدس بزرگوں کی دیانت پر حملہ کرنے سے غرضیکہ جس طرح بھی بن پڑے اپنی غرض کو حاصل کرنا ضروری ہو گیا۔ اگر وہ ان چالوں اور حربوں کو کام میں نہ لاتے تو اُس قلعہ کو جسے ہم زمین کے برابر کر گئے ہیں کیسے تعمیر کر سکتے تھے۔ ماشاء اللہ کس سادگی سے لکھا ہے کہ ہم نے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں تلاش و جستجو کی۔ جن حضرات کو مشائخ و اولیاء کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے اور اُن کے یہاں اُس کا کوئی ذخیرہ موجود ہے معلوم کیا۔ خود مصنفین کے اہل خاندان سے دریافت کیا لیکن اس کتاب کا وجود نہ ملا۔ کیا ان کے اس جھوٹے بیان کو صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔ کم از کم "مصباح العارفین" کے لئے وہ کسی اخبار میں اشتہار دے سکتے تھے۔ اور اس اشتہار کے کسی ایک جواب ہی کو اپنی کتاب میں اپنے اس بیان کی شہادت میں پیش کر سکتے تھے یا کسی ایسے شخص کو جسے مشائخ و اولیاء کے حالات سے دلچسپی رکھنے والا کہتے تھے یا مؤلف صاحب "شمس التواریخ" اور صاحب "المشاہیر" کے بھائی اور صاحبزادے سے دریافت کر کے اُن کے جواب درج کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے اپنے اس بیان کی ایک شہادت بھی پیش نہیں کی۔ اس کے جو معنی ہو سکتے ہیں ظاہر ہیں۔ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ انہوں نے متذکرہ بالا اصحاب سے ہرگز دریافت نہیں کیا اور جب اُن سے نہیں دریافت کیا تو دوسروں سے معلومات بہم پہنچانے کی حقیقت اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے۔ صاحب "المشاہیر" کا کتب خانہ دیکھنے کی بھی انہوں نے کبھی کوئی خواہش نہیں کی۔ حالانکہ وہ قطعی طور سے اُن کے دسترس میں تھا۔ نہ انہوں نے ریاست رامپور کا کتب خانہ دیکھا جو اُن کی بغل ہی میں موجود ہے۔

لیکن اس پر بھی ہم مانے لیتے ہیں کہ مؤلف صاحب نے مختلف کتب خانے دیکھے ہوں گے اور کچھ لوگوں سے دریافت بھی کیا ہو گا اور انہیں "مصباح العارفین" دستیاب نہیں ہوئی ہو گی۔ تاہم ہمیں اس موقع پر بتانا یہ ہے کہ اس کتاب کے ماسوائے جو کمیاب ہے اور جس میں خاندان زبیر کا شجرۂ نسب حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ تک درج ہے۔ اور بھی جو اچھی قدامت رکھنے والی ایسی کتابیں موجود ہیں جن کے مطالعہ سے اس خاندان کی نسبی کیفیت شرح و بسط کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ آسانی کے ساتھ دستیاب ہو جاتی ہیں۔ ان مؤلف صاحب نے اپنی بحث میں اُن کا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اُن میں "سلسلۂ عالیہ" تو مرشد آباد، امروہہ، سنبھل، مراد آباد، علیگڑھ و بریلی شہر ہی میں نہیں بلکہ مؤلف صاحب کے وطن امروہہ کے اکثر گھروں میں موجود ہے۔ مگر اُن کی ساری بحث کو دیکھ جائیے اس میں کہیں "سلسلۂ عالیہ" کی کوئی عبارت تو درکنار رہی۔ اُس کا نام تک نہیں نظر آئے گا۔ اسی طرح "شجرۂ مہر ورد" جو رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور "گل صد برگ" کے نام بھی اُن کی کتاب میں نہیں ملیں گے۔ اس کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جن کو ہم طوالت کے خیال سے چھوڑتے ہیں۔ اور مؤلف صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا "مصباح العارفین" کی طرح یہ کتابیں بھی انہیں کسی کتب خانے میں نہیں دکھائی دیں۔ اور انہیں کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو ان کتابوں کا انہیں پتہ بتا سکتا تھا۔ "سر المشاہیر" میں جس کے انہوں نے حوالے دیئے ہیں اور جس کے نشتروں پر خوب خوب مشقیں کی ہیں "سلسلۂ عالیہ" کو دکھا سکتا تھا۔

مؤلف صاحب کے "مصباح العارفین" کی تلاش و جستجو کرنے کی حقیقت کو اچھی طرح سے دکھا چکنے کے بعد اب ہمیں صرف اتنا اور بتانا ہے کہ جو کتابیں اُن کی خواہش اور مقصد میں حائل ہیں خواہ وہ اُن کے گھر ہی میں کیوں نہ ہوں انہیں مطلق نظر نہیں آتیں۔ اور تلاش و جستجو سے بھی کسی طرح دستیاب نہیں ہوئیں۔ پھر اس پر ستم یہ ہے کہ اگر کسی کتاب میں لفظ "کسو" یا "کسوہ" لکھا ہے اور دیکھ لیے ہیں

نواب حاجی خادم حسین صاحب کا خط

(۲) نواب حاجی محمدؐ خادم حسن صاحب زبیری" عثمانی" معینی" گدڑی شاہی" اجمیری" نہایت ذی علم - اور مرادآباد کے رئیس ہیں" مگر آپ نے فقیری اختیار کرلی ہے" اِس وجہ سے زیادہ تر اپنا قیام" اجمیر شریف میں رکھتے ہیں" وہیں سے ایک خط آپ نے ہمارے نام بھیجا تھا۔ جس میں تحریر فرمایا ہے کہ" مصباح العارفین" میرے بھائی" شوکت حسین صاحب" (رئیس اعظم مرادآباد) نے" دہلی میں" بچشم خود دیکھی تھی"

(۳) مولوی غلام یزدانی صاحب نے" مشہور کتاب عمل صالح کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

مولانا شیخ زین العابدین" جدِّ مادری مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ کہ باز جدِّ مادری راقم الحروف می باشد" درکتاب خود" مصباح العارفین" مے نویسد کہ در لفظ کنبو۔ واؤ نسبت است منسوب بہ کنبا۔ چوں واؤ ہندو" وکنبب شہریست قریب غزنین" باشندگان ایں شہر اعم ازینکہ مسلمان باشند یا بُت پرست" باں لقب ملقب شدند" در بعض کتب تواریخ نوشتہ شدہ کہ" کنباہ" بالضم نام دریائے ست در شمال سمرقند۔ وآبادی ہاکہ بر کنارۂ آں دریا واقع شدہ" بہمیں اسم موسوم شد" چنانکہ جہلم نام دریائے است" ہمنام شہرے کہ برلب آں دریا واقع است" در زمانے" سادات و شیوخ از عرب و بغداد آمدہ آنجا سکونت اختیار نمودند۔ وبعد مرور قرون و دہور۔ چوں بہ ہندوستان رُو نہادند" ایں لقب را ہمراہ خود شان آوردند" علاوہ ازیں اقوال از قرینہ ایں شعر۔۔ بیت

اگر قحط الرجال اُفتد ازیں سہ اُنس کم گیری
یکے افغان" دوم کنبوہ" سوم بدذات کشمیری

ایں امر واضح میگردد کہ" کنبو" مثل کشمیری و افغان" لقب مقامی است" نہ کہ ذاتی و صفاتی"

مولانا شیخ زین العابدین نانا مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو پھر جدِّ مادری راقم الحروف کے ہوئے" اپنی کتاب مصباح العارفین میں لکھا ہے کہ" لفظ کنبو" میں واؤ نسبت ہے" منسوب کُنبَ سے" مثل واؤ ہندو" کے اور کُنبَ" شہر ہے قریب غزنیں" اِس شہر کے رہنے والے خواہ مسلمان ہوں" یا" بُت پرست" اِس لقب سے ملقب ہوئے" اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ" شمال میں سمرقند کے ایک دریا کنباہ نام کا ہے" اور آبادی جو اُس کے کنارے پر واقعہ ہے" ایک زمانے میں" سادات و شیوخ نے" عرب اور بغداد سے آکر وہاں سکونت اختیار کی" اور عرصہ گذرنے کے بعد جب وہاں سے ہندوستان آئے تو اِس لقب کو اپنے ساتھ لائے" اِس کے علاوہ اِس بیت کے اقوال سے بھی کہ۔ بیت

بیت
اگر قحط الرجال آفتد ازیں سہ اُنس کم گیری
یکے افغان" دوم کنبوہ" سوم بدذات کشمیری

ثابت ہے کہ یہ لقب مقامی ہے نہ کہ ذاتی اور صفاتی"

مؤلف ہوہی کے مصباح العارفین کے وجود سے انکار کرنے" اور قدسی نفس حضرات کی دیانت پر حملہ کرنے کے معمّہ کا حل اور اُن کے دھوکوں نیز اخفا کا حال

مؤلف صاحب کے اِس بیان میں جس قدر شعبے تھے ان سب کا بطلان ثابت کردینے اور اُن کی تحقیقات کی حقیقت کو بخوبی عُریاں کرچکنے کے بعد" اب ہمیں مختصراً اِس معمّہ کو حل کرنا ہے کہ" اُنھیں اِس کتاب کے وجود سے اِنکار کرنا اپنے کس مقصد کے مدِّ نظر کیوں ضروری تھا" اور اُنہوں نے" مصباح العارفین" کے حوالہ سے دیئے ہوئے شجرہ کو مابعد کی موضوعات بتاکر" قدسی نفس حضرات کی دیانت پر جو حملہ کیا ہے اُس کی وجہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ" کوئی شخص جس کی نیت نیک نہ ہو۔ اُسے صرف اپنے مطلب سے غرض ہو۔ یا اُس کُبڑی بڑھیا کی طرح ہو جس کی خواہش تھی

مبحث کے مصنف کے گھر میں جو مواد ان کے متعلق مل سکتا ہے ظاہر ہے کہ دوسری جگہ اُس کا بہم دست ہونا کس قدر وقت طلب ہے۔

مؤلف صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ "صاحب المشاہیر" کا کتب خانہ "میرٹھ" میں محفوظ ہے۔ اگر وہ وہاں جا کر اُسے دیکھنا چاہتے تو شرفائے تعلقات نہایت خاطر و مدارات کے ساتھ ٹھہرائے جاتے اور اس کتب خانہ کا ایک ایک ورق نہایت اطمینان اور آسانی کے ساتھ دیکھ سکتے تھے۔ انہیں اُس میں چند ایسی کتابوں کے علاوہ جو نادر الوجود ہیں۔ اور جن کی کوئی ایک نقل بھی دُنیا کے کسی دوسرے کتب خانہ میں مُوجود نہیں ہے۔ اور حکیم نواب علی خاں صاحب مؤلف "شمس التواریخ" کا اصلی خط۔ اور "صاحب المشاہیر" کی مسودۂ مالاثر بھی مل جاتی جس کو دیکھ کر اُن کا راستہ کھل جاتا۔ وہ اندھیرے میں سے روشنی میں آجاتے اور پھر "میرٹھ" ہی میں رہ کر "مصباح العارفین" کا تلاش کر لینا اُن کے لئے آسان ہو جاتا۔ ہمیں نہایت افسوس کرنا پڑتا ہے اُن کے حال پر کہ اُنھوں نے اپنے مقصد کے مد نظر کبھی "میرٹھ" جا کر اِس کتب خانے کے دیکھنے کا خیال بھی نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم اُوپر کہیں لکھ آئے ہیں۔ اُنھوں نے "ریاست رامپور" کا کتب خانہ بھی جو اُن کی بغل ہی میں ہے وہ نہیں دیکھا۔ اگر وہ اُسے دیکھتے تو "شمرۂ سہرِ ہند" اور "سیر محمدی" وہ ضرور اُس میں پا لیتے۔ جس سے خاندانِ زیرِ بحث کے متعلق اُن کی معلومات میں کافی اِضافہ ہو جاتا۔ اور کئی جگہوں پر بھٹکنے سے بچ جاتے۔

مصباح العارفین کے وجود کی چند مزید شہادتیں

"مصباح العارفین" کی تلاش و جستجو میں "مؤلف صاحب" کی کوششوں یا خبر گداموں کی اچھی طرح پول کھولنے کے بعد اب ہم اِس کتاب کے وجود کی سند میں "مولوی غلام یزدانی صاحب" ناظم آثار قدیمہ مملکت اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کے اُس خط کی نقل پیش کرتے ہیں جو صاحب موصوف نے "میاں اِمداد احمد سلمہٗ اللہ تعالیٰ" کو تحریر فرمایا تھا۔

اُنھوں نے مولوی غلام یزدانی صاحب کو اپنے خط لکھنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ "صاحب موصوف نے "عمل صالح" مصنفہ "محمد صالح کنبوہ" کی تصحیح "ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" کی جانب سے کی ہے اور اُس پر ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ جس میں لفظ کنبو پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے "مصباح العارفین" کا حوالہ دیا ہے۔ علاوہ اس کے وہ "حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی" کی اولاد بھی ہیں جو تمام ہندوستان میں اپنے تبحر علمی کی وجہ سے خاص شہرت کے حامل ہیں۔

مولوی غلام یزدانی صاحب کا خط

(مونوگرام) OFFICE OF THE DIRECTER OF ARCHAEOLOGY (1)

HYDERABAD DECCON

D O NO ۱۳۶۶ DATED ۱۳ آبان ۱۳۴۰ف

کرم فرمائے سدا

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جواب میں اِس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ "مصباح العارفین" کا حوالہ۔ مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم پروفیسر اورینٹل کالج لاہور نے لکھ کر بھیجا تھا۔ اُن کا مطالعہ وسیع تھا۔ اور کتاب ضرور اُن کی نظر سے گذری ہوگی۔ بہر حال میں خود کتب خانوں کی فہرست میں پھر اِس کتاب کی تلاش کروں گا۔ اور پتہ لگنے کے بعد آپ کو اطلاع دوں گا۔

غلام یزدانی۔ ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی

خدمت مولوی امداد احمد زبیری

عثمانیہ کالج گلبرگہ شریف

کے خاندان سے تھے "آج کل دہلی میں" اُن کے نواسے "شیخ قمرالدین حیدر ساکن کوچہ تارا چند دہلی" حضرت مخدوم شیخ حیدرؒ "کے مزار کے سجّادہ نشین ہیں"
اُن کے بزرگ اور وہ خود "جامع مسجد میرٹھ" کی منتظمہ کمیٹی کے رکن "نیز" بالے میاں (سید سالار مسعود غازی) کے مزار اور عید گاہ "کے متولی بھی تھے"
اُن کے لڑکے کاروباری سلسلہ کی وجہ سے زیادہ تر "بمبئی" میں رہتے تھے" اب معلوم ہوا ہے کہ اُن کا انتقال ہو گیا ہے) میرٹھ میں اُن کا ایک پوتا دندان
سازی کرتا ہے" شیخ نبی بخش صاحب" کے پاس پُرانی اور بزرگوں کے حالات کی کتابوں کا "نادر اور کثیر ذخیرہ تھا" اور وہ اُس کو بڑی حفاظت کے
ساتھ رکھتے تھے" لیکن اُن کے انتقال کے بعد اُن کی اولاد کی نااہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے یہ کتب خانہ برباد ہو گیا۔ کچھ کتابیں تو "شیخ نبی بخش کا داماد"
جو "رڑکی میں چونہ کا کاروبار کرتا ہے" لے گیا" تھوڑی ڈپٹی محمد حسین صاحب شوق مرحوم" جو وقف منصبیہ میرٹھ کے متولی تھے لے گئے" اسی طرح
اور لوگ بھی کتابیں لے گئے" غرضکہ یہ کتب خانہ بھی مثل اور بہت سے کتب خانوں کے تلف ہو گیا" شیخ نبی بخش صاحب نے اپنے خاندان کے حالات
میں خود بھی ایک کتاب تصنیف کی تھی" جو صاحب المشاہیر کے کتب خانے میں موجود ہے"

ہمارے چچا میاں حکیم ابو سعید صاحب عارف چشتی صابری" صوفی محمد حسین صاحب مرادآبادی" کے مُرید و خلیفہ تھے" انہوں نے
ثروت پہ لات مار کر" اچھی ملازمت سے بخوشی خود استعفٰے دے دیا اور دنیا کے دھندوں سے منہ موڑ کر" عبادت" ریاضت" اور توکّل کی زندگی اختیار کر لی
تھی۔ وہ جیسے مقدّس بزرگ تھے۔ اُس سے مؤلف صاحب امروہوی بھی خوب واقف ہیں" اور اُن سے متعدد بار مل چکے ہیں"

مؤلف امروہوی سے چند سوالات

اِن شواہد کے پیش کرنے کے بعد اب ہم مؤلف صاحب ہی سے پوچھتے ہیں کہ "انہوں نے جو تحریر کیا ہے کہ" ہم نے مصباح العارفین کو
مختلف کتب خانوں میں بھی دریافت کیا اور جن کو مشائخ و اولیاء کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے اور اُن کے پاس ایسی کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود ہے"
اور خود مصنّفین کے اہلِ خاندان سے دریافت کیا" لیکن اس کتاب کا وجود نہ ملا" اُن کا یہ بیان کس طرح مبنی بَر صداقت قرار دیا جا سکتا ہے" صاحب
المشاہیرؒ" اگر اُن کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے شائع ہونے سے بہت عرصہ پہلے انتقال فرما چکے تھے" اور اُن سے دریافت
کرنے کا کوئی موقع نہ رہا تھا۔ تو اُن کو "کونسا اَمر مانع ہوا جو انہوں نے "صاحب المشاہیرؒ کے برادر خورد" سے "مصباح العارفین" کے بارے
میں کوئی واقفیت حاصل نہیں کی" جبکہ وہ "علیگڈھ ہی میں تشریف رکھتے تھے" جہاں مؤلف صاحب کا بھی قیام تھا" اور اُن سے انہیں اِس
دریافت کے لئے دُور و نزدیک سفر کرنے کی تکلیف بھی نہیں اُٹھانا پڑتی تھی" علاوہ بریں انہوں نے "میاں امداد احمد سلمہ اللہ تعالےٰ سے بھی کیوں
دریافت نہیں کیا" حالانکہ وہ بھی وہیں اُن کے سامنے ہی موجود تھے" اور اکثر مؤلف صاحب سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے رہتے تھے"
اب رہے "حکیم نواب علی خاں صاحب رئیس امروہہ" مؤلف شمس التواریخ" کہ انہوں نے بھی "مصباح العارفین" کے حوالہ سے اپنے دادا "حکیم
ابو علی خاں" کے ذریعہ سے پہنچا ہوا "حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ" تک شجرہ اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے" اور جو "مؤلف صاحب"
کے ہموطن" اور ان کی کتاب "تحقیق الانساب" کے شائع ہونے کے بعد بفضلہٖ اب تک زندہ و سلامت موجود ہیں" اگر وہ اُن ہی سے دریافت کر لیتے
تو انہیں بلا کسی دِقت کے "شہر میرٹھ" میں "مصباح العارفین" کا پتہ مل جاتا" آخر کیا وجہ تھی جو انہوں نے "مؤلف صاحب شمس التواریخ" سے
"مصباح العارفین" کو دریافت نہیں کیا" وہ اگر اُن سے دریافت کرتے تو یہ وار کرنے سے کبھی نہ چوکتے کہ ہم نے "صاحب شمس التواریخ" سے بھی دریافت
کیا۔ مگر وہ ہمارے سوال کا کوئی مناسب جواب نہ دے سکے" جب خود مؤلف زندہ و سلامت موجود ہو تو کیا معترض کا یہ فرض نہیں ہے کہ "اُس سے دریافت
کرے کہ "آپ نے جو یہ بات لکھی ہے کس سند پر لکھی ہے۔ اور وہ سند کہاں ہے" پھر جو جواب اُس سے ملے اُسے لکھ دے" مؤلف صاحب نے "صاحب
شمس التواریخ سے" اور صاحب المشاہیرؒ کے بھائی" اور بیٹوں سے دریافت کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا" اور ان مصنّفین کے اہلِ خاندان میں سے بھی
کسی کے نام لکھنے کی انہیں ہمت نہیں پڑی ہے" اور جن سے پوچھنا تھا جب انہیں سے کچھ نہ پوچھا تو مختلف کتب خانوں کی خاک چھاننے" اور بزرگوں
کے حالات سے شغف رکھنے والوں سے دریافت کرنے کو جا بجا پھرنے کی اُن کے بیان کی حقیقت بخوبی عیاں ہو جاتی ہے" کسی خاص تحقیقات یا

شیخ سماءالدین رحؒ کا تحریر فرمایا ہے اس کی نسبت آپ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ "مصباح العارفین" سے نقل کیا گیا ہے "اس وقت یہ دریافت طلب ہے کہ "کتاب مصباح العارفین" صاحب کی نظر سے گذری ہے کہ نہیں" یا صاحب نے کسی ایسی کتاب سے نقل کیا ہے کہ جس میں "مصباح العارفین" کا یہ حوالہ تھا" یہ بھی قابل عرض ہے کہ "میں نے یہ نسب نامہ "اپنی کتاب" علامہ شمس التواریخ" میں درج کیا ہے" اور میرا ماخذ حکیم ابو علی خاں صاحب" کی ایک تحریر ہے" جس میں انہوں نے۔ اِس نامہ کو "مصباح العارفین" سے نقل کیا تھا" انہوں نے یہ کتاب "میرٹھ" کے کسی کتب خانہ میں دیکھی تھی لیکن مجھ کو یاد والد صاحب مرحوم و مغفور کو اُس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا"

ہمیں نہیں معلوم کہ "صاحب المشاہیر" نے "حکیم نواب علی خاں صاحب" کے خط کا کیا جواب دیا لیکن "صاحب المشاہیر" کی ایک قلمی تحریر ہمارے پاس موجود ہے جو چہارم جمادی الاول ۱۳۱۷ھ ہجری مطابق ۸ ستمبر ۱۸۹۹ء کی مرقومہ ہے" وہ یہ ہے" سلسلۂ نسب شیخ (مخدوم صاحب المشاہیر) باسیدۂ اکابر آفاق" مخدوم شیخ الحق" یا مراد اکبر اعیانی" مخدوم سماءالدین سماء الحق دہلوی" ابن شیخ فخر الدین ملتانی ابن اقتدا اسرار ہم" بلا فصل می پیوندد" و از آبا مسلسل بر (مصعب) ابن حضرت رحیم "منتہی میشود" صاحب المشاہیر" کے اِس دستخط میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں ہے۔ لیکن "المشاہیر" میں "مصباح العارفین" کا نام لکھا ہے"

اِن دونوں بزرگوں کی مندرجہ بالا تحریروں سے صاف ظاہر ہے کہ "حکیم نواب علی خاں صاحب" کی "شمس التواریخ" کے شائع ہونے سے دس سال قبل اور اُن کے اِس خط لکھنے سے کم از کم تیرہ برس پہلے "صاحب المشاہیر" مصباح العارفین" کو دیکھ چکے ہیں" اور اِن دونوں حضرات کو ایک دوسرے کی واقفیت کا قطعی کوئی علم نہ تھا" نیز "حکیم نواب علی خاں صاحب کے والد" حکیم ابو علی خاں صاحب" کا اور "صاحب المشاہیر" کا زمانہ بھی ایک نہ تھا" صاحب المشاہیر" ربیع الآخر ۱۲۹۲ھ ہجری میں "شاہ بڑہ" میں پیدا ہوئے" اور حکیم ابو علی خاں صاحب کی وفات ماہ صفر ۱۳۰۲ھ ہجری میں اپنے وطن امروہہ" میں واقع ہوئی" اِس طرح دونوں کی ولادت اور وفات کا درمیانی زمانہ کل دس برس کا ہے" یعنی جبکہ "صاحب المشاہیر" نے ابھی ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا" حکیم ابو علی خاں صاحب" کی وفات ہو گئی تھی" اس لئے اِن دونوں بزرگوں میں بھی ایک دوسرے سے واقفیت کا رابطہ پیدا ہونے کی کوئی صورت قدرتاً باقی نہ رہی تھی" اور انہوں نے مندرجۂ بالا وجہ کی بنا پر یقیناً "مصباح العارفین" کو الگ الگ" اور مختلف زمانوں میں دیکھا تھا"

(۲) علاوہ اِن بزرگوں کے ہمارے چچا حکیم ابو سعید احمد عارف صابری چشتی رحؒ مرحوم و مغفور المتوفی ۱۳۴۳ھ نے بھی جو صاحب المشاہیر کے چھوٹے بھائی تھے۔ اپنے برادر بزرگ کے انتقال کے کئی برس بعد "مصباح العارفین" کو دیکھا تھا" اور اپنے انتقال کے تین چار سال قبل ایک روز دوران گفتگو میں ہمارے چھوٹے بھائی "میاں امداد احمد دبیری سلمہ بی۔ اے علیگ ڈپٹی ایڈیٹر "حمایت" کی طالب علمی کے زمانہ میں "علیگڑھ" میں فرمایا تھا کہ "ہم نے خود اِس کتاب کو عرصہ ہوا میرٹھ میں دیکھا ہے" لوگروہ پیر" نبی بخش صاحب" صاحبزادہ ہیں" ان کے پاس یہ کتاب دیکھی تھی"

۔ چچا میاں مرحوم و مغفور سے "مصباح العارفین" کے بارے میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں "عزیزم میاں امداد احمد سلمہٗ" نے سنی تھی وہ آئی گئی ہو گئی تھی" مگر جب برسوں کے بعد اِن مؤلف صاحب کی "یہ تحقیقات سامنے آئی" تب انہوں نے "چچا میاں مرحوم و مغفور کے فرمودہ کا ہم سے ذکر کیا" ہم ملازمت کے تعلق سے دکن کے جنگلوں اور پہاڑوں میں دَورے کرتے رہنے کی زندگی بسر کر رہے تھے" تاہم ہم نے یہ معلوم کر لیا کہ "شیخ نبی بخش صاحب" فوت ہو چکے ہیں" وہ "حضرت مخدوم شیخ حیدر" معروف بہ "ڈھولا پیر" علیہ الرحمۃ" جانشین حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رحؒ

(نوٹ ۱) حکیم ابو علی خاں صاحب مؤلف صاحب شمس التواریخ کے والد تھے جن کی پیدائش ۱۲۳۰ھ ہجری میں اور وفات ۱۳۰۲ھ ہجری میں ہوئی ہے انہوں نے علوم درسیہ عربی و فارسی وغیرہ اور حکمت طب [illegible] حاصل کئے تھے [illegible] کو والد [illegible] برس [illegible] صاحب شیخ میرٹھ پہنچے [illegible] علم [illegible] علم کلام و طب [illegible] تصنیف و تالیف کئے [illegible] کتاب طب اکبر [illegible] حاشیہ [illegible] تعلیقات اکثر لکھا۔ آپ کا مزار آپ کے وطن امروہہ میں ہے" (المشاہیر صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۳)

عمدہ بیان احوال و اوصاف "سکندر سلطان" است" کہ نشو و نمائے مرحومی جناب موی الیہ دراں عہد بود"

میں سلطان سکندر لودی کے احوال و اوصاف کا عمدہ بیان ہے" کیونکہ نشو و نما مرحومی جناب موی الیہ کا اُس عہد میں تھا"

"صبح گلشن" مؤلفہ "سید علی حسن خاں" فرزند دوم "نواب صدیق حسن خاں" مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال" کے صفحہ ۴۱۲ پر لکھا ہے کہ:-

مشتاقی" شیخ رزق اللہ دہلوی" عم شیخ المحدثین شیخ عبد الحق دہلویست" واقعات مشتاقی" و تاریخ سکندر لودی" از وے یادگار است"

مشتاقی" شیخ رزق اللہ دہلوی" چچا شیخ المحدثین شیخ عبد الحق دہلوی کے ہیں" واقعاتِ مشتاقی" اور تاریخ سکندر لودی" اُن سے یادگار ہیں"

"محدث صاحب" نے اخبار الاخیار کے صفحہ ۲۳۵ تا ۲۴۱ پر اپنے والد بزرگوار "شیخ سیف الدین المتوفی سنہ ۹۹۰ ہجری کا تفصیل سے حال لکھا ہے" لیکن اس میں اُن کی کتاب "روح الساوی" کا کہیں کوئی ذکر یا نام نہیں ہے" اُن کا بیان ہے کہ۔

والدم را اشعار بسیار بود" و از غزل و قصیدہ و رباعی" ولیکن اکثر آنہا بہ بیاض نارسیدہ فوت شدہ" یکے از اوباشان" تمام کتب و رسایل تصوف وغیرہ" کہ در مدتِ عمر بدست آمدہ بودند۔ بہ دزدید۔ خیال کرد کہ آں اسباب دیگر است" اگرچہ از آں مطلع شد۔ کہ ایں نہ آں اسباب است کہ بکار وے آید" توہم آنکہ مبادا اظہار شود۔ ہمہ را بسوخت"

غزل و قصیدہ و رباعی سے میرے والد کے اشعار بہت تھے" لیکن اُن میں سے اکثر بیاض میں میں داخل کئے تھے کہ اُن کی وفات ہو گئی" اوباشوں میں سے ایک نے تمام کتب و رسائل تصوف وغیرہ جو انہوں نے مدت عمر میں جمع کئے تھے دوسرا سامان سمجھ کر چرا لئے" اگرچہ اُسے یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ وہ اسباب نہیں ہے جو کام آئے۔ لیکن چوری کے ظاہر ہو جانے کے ڈر سے سب کو جلا دیا"

محدث صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ "روح الساوی" سے ناواقف رہ گئے اور یہ کتاب انہیں نہیں مل سکی" حالانکہ وہ اب تک موجود ہے اور دیکھی جا سکتی ہے"

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی "سبحان اللہ خاں لائبریری میں "حالات خلفائے اربعہ" کے ضمن میں ہے۔ اس کا نمبر چالیس ہے "روح الساوی" نام ہے" جس کے مصنف "سیف الدین بخاری" پدر شاہ عبد الحق محدث دہلوی" المتوفی سنہ ۹۹۰ ہجری ہیں کاتب کتاب مولانا غلام علی" آزاد بلگرامی ہیں" اس کتاب میں "واقعاتِ شہادت امام حسین رضؓ" اور دست برداری امام حسن رضؓ" و ذکر مرض اور وفات حضرت رسالتمآب صلعم" درج ہے"

اس بات کو بخوبی ثابت کر چکنے کے بعد کہ "محدث صاحبؒ" کو "اخبار الاخیار" میں بزرگوں کے مختصر حالات میں اُن کے نسب اور تصنیفات کے بتلانے کا کوئی خاص خیال نہ تھا" اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنے نانا "شیخ ادہنؒ" کے حالات میں جس طرح اُن کی کتاب مصباح العارفین کا اظہار نہیں کیا" اسی طرح اپنے چچا "شیخ رزق اللہ" کے حال میں اُن کی مشہور و معروف کتابوں "واقعات مشتاقی" اور "تاریخ سکندر لودی کا" اور اپنے والد بزرگوار کی کتاب "روح الساوی" کا بھی مطلق ذکر نہیں کیا ہے"

مصباح العارفین کے وجود کی شہادتیں

اب ہم "مصباح العارفین کے" "شیخ ادہن رحؒ" کی تصنیف ہونے" اور "دہلی" کے متعدد انقلابات گذرنے" یعنی "بابر" "شیر شاہ" "ہمایوں" اور "ہیموں" کے حملوں "نادر شاہ کے قتل عام" "مرہٹوں" اور "جاٹوں کی لوٹ مار" اور "سنہ ۱۸۵۷ء کی بربادی کے بعد بھی۔ اُس کے باقی رہنے کے ثبوت پیش کرتے ہیں"

(۱) حکیم نواب علی خاں صاحب رئیس امروہہ" مؤلف کتاب "شمس التواریخ" مطبوعہ سنہ ۱۸۹۵ء" کا ایک خط جو انہوں نے سنہ ۱۹۰۱ء میں "صاحب المشاہیر رحؒ" کو لکھا تھا" وہ ہمارے پاس موجود ہے" اور اُس کی عبارت یہ ہے" "جناب نے "المشاہیر" کے صفحہ ۲۸ پر جو نسب نامہ" حضر

سگفت کہ ہفتاد سال گذشت کہ دریں سرائے دنیا ام اگر کسے دریں سرائے دو روز بماند دیگر شود ما خود ہفتاد سال زیادہ دریں مانده ایم سرا بودیم چرا ملول نشویم چند بار بلند ... بلند تر ذکر لا الہ الا اللہ فرمودند و ساکت شدند و بپاس انفاس مشغول شدند بعد از چند ساعت برحمت حق پیوستند و کان ذلک فی السابع والعشرین من شہر شعبان سنہ تسعین و تسعمائۃ (۹۹۰ ہجری)

فرمایا کہ ستر سال گذرے کہ اس سرائے دنیا میں ہوں اگر کوئی دو دن سرائے میں رہتا ہے دوسرا ہو جاتا ہے میں جو ستر سال سے یہاں سرا میں رہا ہوں کیوں غمگین نہ ہوں۔ چند بار زور کیا اور خدا کا عطیہ ذکر لا الہ الا اللہ فرمایا اور خاموش ہوگئے اور پاس انفاس میں مشغول ہوگئے تھوڑے عرصے کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

(۹۹۰ ہجری) رحلت کا سال ہے۔

اب ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ محدث صاحب کے والد بزرگوار نے ستر برس کی عمر میں، ۲۷ شعبان ۹۹۰ ہجری کو انتقال فرمایا۔ شیخ اوہن کے انتقال کے وقت ان کی عمر چودہ پندرہ سال سے زیادہ تھی۔ اس کم عمری میں ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ مصباح العارفین کی تالیف کے وقت محدث صاحب جن کی پیدائش ۹۵۸ ہجری میں اور وفات ۱۰۵۲ ہجری میں ہوئی ہے پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کیونکہ مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز کی وفات ۹۰۱ ہجری میں ہوئی ہے۔ اس لئے اگر مصباح العارفین مخدوم صاحب کی زندگی میں نہیں لکھی گئی جیسا کہ قاعدہ رہا ہے کہ مریدین و خلفا میں سے کچھ اصحاب اپنے پیران طریقت کے حالات ان کی وفات ہونے پر جمع کر گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی مخدوم صاحب کے وصال کے فوراً بعد تصنیف ہوئی ہے۔ مخدوم صاحب کے وصال اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد بزرگوار کی پیدائش کے زمانے میں اکیس بائیس سال کا فرق ہے۔

ہم نے یہ حالات صرف اس لئے لکھ دیئے ہیں کہ سب لوگ مصباح العارفین کی قدامت، زمانہ تالیف اور وجہ تالیف کو بخوبی جان لیں۔ اور اس بات پر بحث کرنے کی کہ کس طرح اکثر اشخاص اپنے بزرگوں کی بیاضوں اور کتابوں سے ناواقف رہ جاتے ہیں۔ حضرت محدث صاحب بھی اپنے نانا کی اس کتاب سے جو ان کے والد بزرگوار کی پیدائش سے کم از کم اٹھارہ یا بیس برس قبل تصنیف ہوئی ہے، نا آشنا رہتے تھے۔ ہمیں مطلق ضرورت نہیں ہے یہ ممکن ہے کہ وہ اس سے باخبر ہوں۔ اپنی واقفیت کے بعد بھی اگر انہوں نے اپنے نانا کے حال میں اس کا نام نہیں لیا تب بھی یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو پکڑ کر مصباح العارفین کے شیخ اوہن کی تصنیف ہونے سے انکار کی دلیل قرار دیا جا سکے۔

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ محدث صاحب نے اخبار الاخیار میں بزرگوں کے بہت ہی مختصر حالات لکھے ہیں۔ انہوں نے ان کی تصنیفات کے ذکر کرنے کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا۔ محدث صاحب نے جس طرح اپنے نانا کی کتاب کا ان کے حال میں ذکر نہیں کیا ہے اسی طرح انہوں نے اپنی کتاب میں اپنے حقیقی چچا اور والد بزرگوار کی بھی مندرجہ ذیل کتابوں کا متعلق کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اپنے والد اور چچا کے حالات میں انکی کتابوں سے روشناس کرنے کی شہادتیں

اخبار الاخیار کے صفحہ ۱۹۹ پر ان کے چچا شیخ رزق اللہ (المتوفی ۹۸۹ ہجری) کا حال درج ہے۔ اس میں ان کی گراں مایہ اور مشہور کتاب واقعات مشتاقی یعنی تاریخ سکندر لودی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ صاحب طبقات اکبری نظام الدین احمد بخشی نے واقعات مشتاقی سے استفادہ و کم نام وہی خیال کیا ہے جن کتابوں سے طبقات اکبری ماخوذ ہے ان کی فہرست میں واقعات مشتاقی کا نام دیکھا جا سکتا ہے۔ زبدۃ التواریخ قلمی مصنفہ شیخ نور الحق (المتوفی ۱۰۷۳ ہجری) فرزند شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کے ورق ۱۰۶ پر سلطان سکندر لودی کے حالات میں تحریر ہے کہ۔

حد محرر شیخ رزق اللہ المتخلص بمشتاقی در تاریخ نامہ از ابتدائے عہد سلطنت سلطان بہلول لودی تا تاریخ جلوس سلطان عہد خود نوشتہ است واقعات مشتاقی نام کردہ دراں کتاب

راقم کے دادا شیخ رزق اللہ تخلص مشتاقی نے تاریخ نامہ شروع عہد سلطنت سلطان بہلول لودی سے اپنے عہد کے سلطان کی تاریخ جلوس تک لکھا اور اس کا نام واقعات مشتاقی رکھا۔ اس کتاب

اُن کے تھوڑے تھوڑے حالات لکھکر صرف رُوشناس کرادیا ہے۔ بعضوں کے حالات تو چار پانچ سطروں ہی میں ختم کردیئے ہیں۔ اگر اُن میں سے کسی کے نسب پر بھی کچھ روشنی پڑ گئی ہے تو وہ اِس طرح پڑ گئی ہے۔ جیسے "شیخ عبدالوہاب بخاری" کی تشریح کے تحت اُن کے حال میں لکھا ہے کہ "وہ اولاد سید جلال الدین بخاری کی بزرگ است"۔ کوئی خاص اہتمام "محدث صاحب" نے اپنی کتاب میں "ہر ایک کے نسب پر روشنی ڈالنے کا ہرگز نہیں کیا"۔ دوسری بات یہ کہ بزرگ کی تصنیفات کے تذکرے کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا ہے۔ دوسری بات ہے کہ کسی بزرگ کے مختصر حالات میں اُن کی کسی تصنیف کا بھی نام آگیا ہے۔ "شیخ اُدھن رح" جو اُن کے حقیقی نانا ہیں "اُن کی تصنیف مصباح العارفین" کا ذکر تو درکنار رہا۔ "محدث صاحب نے" اُن کے نسب تک پر روشنی نہیں ڈالی" اور اولاد کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا" صرف چند سطروں میں اُن کے حال کو ختم کر دیا ہے" وہ لکھتے ہیں کہ۔

"شیخ اُدھن" جد مادری کاتب حروف است نام اصل ایشاں "زین العابدین" است۔ حرف "شیخ اُدھن" دانشمند کامل بودے متورع و متعبد و در غایت خشوع و انکسار و تادب و قار و الوہ فرمود کہ ہیچ کس را ندیدیم کہ در بیرون و درون یکساں باشد۔ اِلّا ایشاں ہماں آداب و اوضاع کہ درمیان مردم می بود در اندرون خانہ نیز بودند۔ و زبان ایشاں دائم بذکر اللہ می گشت۔ و حلیہ در نہایت جمال و نورانیت داشتند۔ چنانکہ انوار علم و تقویٰ از جبین ایشاں لائح بود۔ و اکثر احوال صائم بودے۔ و در لقمہ احتیاط تمام داشتے۔ "سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی" ایشاں را بجابت خویش خواند قبول نکردند۔ مرید "مولانا سماء الدین" و دست اگر دے "میاں عبداللہ طلنبی" است۔ وفات او در سنہ اربع و ثلاثین و تسعمائۃ (۹۳۴ ہجری) مقبرہ او جانب غربی حوض شمسی است" (اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ص ۲۱۸ و ۲۱۹) مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ ہجری)

"کاتب حروف کے نانا کا اصلی نام "زین العابدین" ہے" اور عرف "شیخ اُدھن" "دانشمند اور کامل تھے" متورع اور متعبد تھے اور بہت خشوع و انکسار، تادب اور وقار والے تھے" والد فرماتے تھے کہ کسی آدمی کو ایسا نہیں دیکھا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو" لیکن اُن کے تمام اوضاع و آداب جو آدمیوں کے درمیان رہتے ویسے ہی مکان کے اندر رہتے تھے" اور اُن کی زبان پر ہمیشہ اللہ کا ذکر رہتا تھا" اور صورت بہت با جمال اور نورانی تھی" انوار علم و تقویٰ اُن کی پیشانی سے ظاہر تھے" اکثر روزے سے رہتے اور کھانے میں نہایت احتیاط رکھتے" "سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی" نے انہیں اپنی مصاحبت کا عہدہ دینا چاہا قبول نہیں کیا" "مولانا سماء الدین رح" کے مرید اور "میاں عبداللہ طلنبی" کے شاگرد تھے" اُن کی وفات ۹۳۴ھ ہجری میں ہوئی" حوض شمسی کے مغربی جانب اُن کا مقبرہ ہے" (اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ص ۲۱۸ و ۲۱۹) مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ ہجری)

"شیخ اُدھن رح" کے اِن حالات کی روشنی میں "مؤلف صاحب" کا یہ بیان بھی کہ "باوجودیکہ "مصباح العارفین" محدث دہلوی کے حقیقی نانا کی تالیف بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اُس میں "مخدوم شیخ سماء الدین رح" کا پورا سلسلۂ نسب "حضرت زبیر بن العوام" تک منقول ہے لیکن حضرت محدث دہلوی" کا اپنی تصنیف "اخبار الاخیار" میں "مخدوم صاحب" کے تفصیلی حالات لکھنے کے باوجود اُن کے نسب کے بارے میں ایک حرف بھی نہ لکھنا کیا معنی رکھتا ہے" شمہ برابر بھی حقیقت نہیں رکھتا" "اخبار الاخیار" میں "مخدوم شیخ سماء الدین" کے حالات تفصیل سے ہرگز نہیں لکھے جیسا کہ مؤلف موصوف نے بیان کیا ہے" بلکہ اُن کے حالات کو بھی مختصر طور سے ہی تحریر کیا گیا ہے۔ "محدث صاحب نے" "شیخ اُدھن" جیسے بزرگ کا حال جو اُن کے حقیقی نانا بھی تھے جب اِس قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے جس سے اُن کے نسب" اولاد" اور دیگر بہت سے حالات پر قطعی کوئی روشنی نہیں پڑ سکی ہے۔ تو دوسروں کے حالات انہوں نے جس تفصیل سے لکھے ہوں گے" ظاہر ہے"

"محدث صاحب نے" "شیخ اُدھن رح" کے نسب اور اولاد وغیرہ کی طرح اُن کے مختصر حال میں اگر اُن کی مؤلفہ کتاب "مصباح العارفین" کا بھی تذکرہ نہیں کیا" تو اِس بات کو اِس کتاب کے "شیخ اُدھن رح" کی تصنیف سے نہ ہونے کی شہادت نہیں قرار دیا جاسکتا"

اُوپر لکھا جاچکا ہے کہ "شیخ اُدھن رح" کی وفات ۹۳۴ھ ہجری" میں "مخدوم شیخ جمالی رح" کی وفات سے بھی آٹھ سال قبل ہوئی ہے" اور "محدث صاحب" کے والد بزرگوار کی عمر و تاریخ وفات" "اخبار الاخیار" کے اُس بیان سے جو ص ۲۹۹ و ۳۰۰ پر درج ہے" معلوم ہوتی ہے"

لاکھوں لاکھ شکر و احسان ہے کہ اُس نوکر نے بجائے ٹوکریاں بنانے کے اس ذخیرے کو ایک دوکاندار کے ہاتھ ردّی کے بھاؤ فروخت کر دیا۔ ورنہ اُس میں کے ایک کاغذ کا بھی نام و نشان باقی نہ رہتا۔ دوکاندار نے بھی اپنی دوکان کی کوٹھڑی میں اس ذخیرہ کو ڈال دیا اور ورق پھاڑ پھاڑ کر اُن میں سودا رکھکر فروخت کرنے لگا۔ ایک روز جو ایک غریب نے اُسی دوکان پر سودا خریدا۔ تو جس کاغذ میں انہیں سودا ملا تھا اُس کے مضمون پر اُن کی نظر پڑ گئی۔ انہوں نے آگے بڑھکر دوکاندار سے دریافت کیا کہ تیرے پاس اور بھی ایسے کاغذ ہیں یا نہیں۔ دوکاندار مسلمان اور مذہبی خیال کا آدمی تھا۔ اُس نے کہا کہ میاں میرے پاس ایسے بہت ہیں۔ ان اوراق میں خدا و رسولؐ کا نام لکھا ہے۔ یا اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔ تو آپ انہیں لے جائیے۔ میں گنہگار نہیں رہنا چاہتا۔ پیسے میں تُل کے لئے ہیں اتنے ہی میں آپ کو دیدوں گا۔ غرض کہ اُن غریب نے اُس ذخیرہ کے باقی ماندہ حصّہ کو دوکاندار سے خرید لیا۔ اور اس طرح یہ معدودے چند کتابیں بچ گئیں۔ لیکن نواب مبارک علی خاں کے گھر میں اب اُن کے کتب خانے کا ذرا سا حصّہ بھی موجود نہیں ہے بلکہ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اُن کے پوتے نگروتے جو بی۔ اے، ایم۔ اے، ڈپٹی کلکٹر، کلکٹر، سپرنٹنڈنٹ پولیس، تحصیلدار۔ اور کونسلوں کے رکن وغیرہ وغیرہ ہیں سب اپنے اجداد کی مصنفہ کتابوں کے ناموں تک سے ناواقف ہیں۔ شاید ہی کسی کو ایک آدھ کتاب کا نام معلوم ہو تو ہو۔

کتاب دوم تاریخ ہند مؤلفہ مسٹر ہاشمی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن کے صفحہ ۱۶ پر تحریر ہے کہ۔ واضح رہے کہ سات سو برس پہلے جبکہ چھاپے کا رواج نہیں تھا۔ کسی کتاب کے نسخہ کا محفوظ رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ چنانچہ صدہا کتابیں ہیں۔ جن کے نام اور حوالے موجود ہیں مگر اب بے نشان ہو گئیں۔ اور اسے بھی محض اپنے اسلاف کے علمی شوق کی دلیل سمجھنا چاہئے کہ ہزاروں آج تک محفوظ ہیں۔ اور صفحہ ۱۹۶ پر ہے کہ۔ ان مشہور تاریخوں کے علاوہ اس موضوع پر اور کتابیں بھی اُس زمانے میں لکھی گئی ہوں گی۔ جو مفقود و بے نشان ہو گئیں۔ اور بعض کے صرف نام دوسری کتابوں کے ذریعہ ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۹ پر ایک نوٹ میں مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ۔ اس جگہ یہ تصریح کر دینی مناسب ہوگی کہ ابن بطوطہ کے سفرنامے اور برنی کی تاریخ کے سوا اِس عہد کے سلطان محمد تغلق کے عہد کے حالات کو۔ فرشتہ۔ طبقات اکبری۔ اور منتخب التواریخ نے بھی اسی کی قدیم تواریخ کو سامنے رکھکر جمع کیا ہے۔ جو اب ناپید ہیں۔ رسالہ معارف علیگڈھ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ ماہ [illegible] ۱۹۲۵ء کے ص ۲۹ پر تاریخ سلاطین گجرات کے علمی ماخذ کی تشریح کے تحت۔ قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی نے لکھا ہے کہ۔ تاریخ بہادر شاہی۔ اس کا کوئی نسخہ محفوظ نہیں ملا۔ مابعد کی تاریخوں میں اس کے حوالے ملتے ہیں۔ (۲) عمدۃ الشاداب۔ از امام کشمیری۔ کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔

ہم نے چند مثالیں صرف اس خیال سے لکھدی ہیں کہ ناواقف بھی اچھی طرح معلوم کر لیں کہ کتب خانوں اور کتابوں کی بربادی کے کیا اسباب ہوئے اور ہوتے رہے ہیں۔ اور یہ بھی جان لیں کہ بہت سی قدیم کتابیں جو الگ رہیں۔ اکثر قریبی زمانے تک کی کتابیں اب کیسی نایاب اور کمیاب ہیں۔ مگر عجب ہے مؤلف صاحب پر کہ انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی مصباح العاشقین کے بارے میں [illegible] حالات پر مطلق دھیان نہیں دیا۔ اور ناظرین کو یہ دھوکا دیکر کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب۔ اخبار الاخیار میں جن بزرگوں کے حالات لکھے ہیں اُن کی سب تصنیفات بھی ان کے حالات میں لکھی ہیں لیکن وہ اپنے نانا کے حالات میں مصباح العاشقین کا نام کیا اُن کی کسی تالیف کا ذکر نہیں کرتے۔ اس کتاب کے کبھی تصنیف ہونے سے ہی قطعی انکار کر دیا ہے۔ ان کا یہ بیان بھی اُن کے دوسرے بیانات کی طرح صداقت سے بہت دور ہے۔ اور حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے قلم سے آپکے نانا کے حالات۔ مگر اُن میں اپنے نانا کی تصنیف اور ان کے [illegible] کے ذکر سے [illegible]

<u>شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں جن بزرگوں کے حالات تحریر کئے ہیں۔ بعض حالات کسی کے بھی نہیں لکھے۔</u>

(نوٹ صفحہ ۲۶۱) ہمارے ہاں ٹوکریاں اس طرح بنائی جاتی ہیں کہ کاغذ کو ایک ماہ تک مٹکے یا گھڑے میں پانی ڈالکر بھگو کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کاغذ ریزہ ریزہ ہو کر گل جاتا ہے تو اُس کو ہاتھ کی اوکھلی میں کوٹ لیا جاتا ہے اور پھر اُس گودے سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں۔

افغانستان"، "خراسان"، "توران" و "بغداد"، وغیرہ کی اسلامی آبادیوں اور کتب خانوں کی تباہی اور بربادی کے حالات کو چھوڑکر اب ہم ہندوستان ہی کے حالات کو لئے لیتے ہیں۔ اور اس میں صرف "دہلی" اور اس کے قرب دجوار کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔

"مصباح العارفین" تقریباً پانچسو برس کی تصنیف ہے۔ اس زمانے سے "دہلی" پر جو انقلاب آئے یعنی "نادرشاہ"، "مرہٹوں"، "جاٹوں" اور "۱۸۵۷ء" کے قتل عام اور خونریزیوں کے ساتھ وہاں جو لوٹ مار اور غارت گری ہوئی، اُس سے سب واقف ہیں۔ ہم دور نہیں جانا چاہتے۔ اس موقع پر صرف ایک "۱۸۵۷ء" کی خونریزی اور افراتفری میں "دہلی" کے کتب خانوں کی جیسی بربادی ہوئی اس کی ایک جھلک دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

تاریخ عروج سلطنت عہد انگلشیہ ہند مولفہ شمس العلماء مولوی ذکا اللہ صاحب دہلوی، جس میں غدر ۱۸۵۷ء کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں، اس کے ص۲۲۶ پر تحریر ہے کہ۔۔۔ "بارہ بجے کالج کے کتب خانے لٹنے شروع ہوئے۔ لٹیرے عربی، فارسی، اردو وغیرہ کتابوں کے گٹھڑ باندھ کر کتب فروشوں، مولویوں اور طالب علموں کو بیچنے کے لئے لے گئے۔ بعض طلباء بھی کتابوں کے شوقین خود شریک ہو کر اچھی اچھی کتابیں لے گئے۔ لوگوں نے انگریزی کتابوں کے اچھے اچھے پٹھے اتار لئے کہ جلد سازوں کے ہاتھ بیچیں گے۔ باقی کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور احاطہ میں کئی انچ موٹا فرش ردی کا بچھا دیا۔ پرنسپل اور ہیڈ ماسٹر کے گھر کا سب سامان لوٹ لیا۔ غرض کالج میں سوائے ردی اور بیہودہ پندرہ برس کی لڑکوں کی دو نیم برہنہ لاشوں کے کچھ نہ تھا۔"

روزنامہ انقلاب لاہور ۲۸ر فروری ۱۹۳۶ء کے ص۲ کالم ایک تا تین پر تحریر ہے کہ "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس رامپور" اعلیٰ حضرت تاجدار رامپور کا خطبۂ صدارت" ۲۱ر فروری کو رامپور میں "آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا سینتالیسواں سالانہ اجلاس اعلیٰ حضرت نواب سر سید رضا علی خاں بہادر" والیٔ ریاست رامپور" کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں ہز ہائی نس سر آغا خاں" بھی شامل ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کانفرنس میں حسب ذیل خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔

۔۔۔۔۔۔ آپ میں سے بہت سے اکابر قوم کے دلوں میں اس اجلاس کی یاد تازہ ہوگی۔ جو میرے والد مرحوم نواب جنت مکان کی دعوت پر

(بقیہ نوٹ ۲ ص۲۵۹) خزانہ باقی رہا۔ جو متاخرین تک وراثتاً پہنچ سکتا۔۔۔ اسی زمانے میں اتفاقاً اسپینی جنگی جہازوں کو جو بحر روم میں برسر پیکار تھے "مراکش" کے دو جہاز مل گئے۔ جو مولائے مراکش کے لئے "عربی کتب" کا ذخیرہ ممالک مصر و فلسطین سے لئے جا رہے تھے۔ ان کو گرفتار کر کے اسپین لایا گیا۔۔ حوادث روزگار نے اس کو بھی محفوظ نہ رہنے دیا۔ یعنی کچھ عرصہ کے بعد اس ذخیرہ میں آگ لگ گئی۔ "تہذیب نو کا ایک خونیں ورق" کی سرخی کے تحت "ہمدرد دکن" یکم جولائی ۱۹۴۳ء کے ص۲ کالم ۳ پر لکھا ہے کہ "جرمنوں نے ہسپانوی جرنلوں کے تحت "جنگ عظیم کا انتقام" اہل باسک" سے جنہوں نے برطانیہ اور فرانس کی مدد کی تھی لیا۔ بڑی مشہور و قدیم عمارتیں "کتب خانے" اور "آرٹ کے نایاب نمونے جلا کر خاکستر کر دیئے۔ گورنیکا کی تباہی اور قتل عام میں دشمنوں کی قابلیت جنگ اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔"

انقلاب لاہور ۱۸ر اگست ۱۹۳۷ء کے ص۳ کالم ایک پر ہے کہ "اخبار ٹائمز" نے "جیگرٹ سرے" کا ایک مکتوب شائع کیا ہے۔۔۔ جاپانی فوج نے ہزاروں چینیوں کا قتل عام کیا اور دانستہ طور پر "نانکن یونیورسٹی" کی عمارتوں پر آتش خیز بم گرا کر "لائبریری" اور "لیبارٹری" کو تباہ و برباد کر دیا۔" اور انقلاب ۹ر نومبر ۱۹۳۷ء کے ص۱ کالم ۴ پر ہے کہ "جاپانی طیاروں نے ۲۳ یونیورسٹیاں اور کالج اور بے شمار اسکول تباہ کر دیئے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ "چینی تعلیم کا خاتمہ کر دیا جائے۔" اور ۱۷ر نومبر ۱۹۳۷ء کے انقلاب کے ص۱ کالم چار پر "پشاور کتب خانہ میں آگ لگ گئی" احمد آباد ۱۵ر نومبر کل رات گاندھی روڈ پر ایک ایسی عمارت میں آگ لگ گئی جس کے ایک حصہ میں "نو جیون اخبار" کا دفتر ہے۔۔۔ آتشزدگی کی وجہ سے کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ خاکستر ہو گیا۔"

(نوٹ ۳ ص۲۵۹) ہلاکو نے جب ۶۵۶ ہجری میں بغداد کو فتح کیا تو وہاں کے کتب خانوں کی کتابوں کو دریائے دجلہ میں ڈلوا دیا تھا۔ وہ اس قدر کثیر تعداد میں تھیں کہ ان کی وجہ سے دریا میں ایسا بند لگ گیا تھا کہ دریا کے پانی نے رک کر اور دونوں کناروں سے ابل کر اطراف میں بربادی پھیلا دی تھی۔ اور ان کی وجہ سے دریا کا پانی سیاہ ہو گیا تھا۔"

بابا شیخ ادہن کے حالات میں "مصباح العارفین" نام کی۔ اُن کی کسی تالیف کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔
کیا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ "حضرت محدث دہلوی" مشائخ کا تذکرہ لکھتے ہوئے۔ جب ان بابا کے
حالات تحریر فرماتے ہیں۔ تو اس میں ان کی اس تالیف کا ذکر نہ کرتے۔ جو مشائخ کے حالات پر مشتمل ہے
حالانکہ دیگر مشائخ کے تذکرہ میں وہ برابر ان کی تصنیف کا ذکر تصریح کے ساتھ کرتے ہیں۔ پس ان
حالات کو دیکھتے ہوئے یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ "صاحب شمس التواریخ" و "التنا تیسمہ"
و "سیرت" کے نمونے میں۔ جس کتاب "مصباح العارفین" کا حوالہ دیا ہے۔ جو صاحب رسالہ مبارک"
کے حوالے "اکبر نامہ" سے "جو انہوں نے "نواب شہباز خاں" کے ثبوت نسب کے متعلق تحریر کی ہے"
زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ "مصباح العارفین" نام کوئی کتاب "شیخ ادہن دہلوی" کی تصنیف سے
تھی۔ اور نہ اس میں کسی "مذکورہ بزرگ کا "نسباً زبیری" ہونا ظاہر کیا گیا تھا۔ یہ سب زمانہ مابعد
کی موضوعات ہیں" ۔ ص ۳۴۲ تا ۳۴۳

مؤلف امروہوی کی غلط بیانیاں

مؤلف صاحب کا اس بیان میں "بسم اللہ ہی غلط" کی ہے" یعنی ان کا یہ کہنا کہ "بابا شیخ بہاؤ الدین" اور "نواب شہباز خاں" کا سلسلۂ نسب جو صاحب المشاہیر نے "مصعب بن زبیر بن العوام" تک درج کیا ہے" صحیح نہیں ہے" "المشاہیر" کے نوشتہ کے بموجب یہ دونوں بزرگ "حضرت زبیرؓ" کے دو صاحبزادوں "حضرت مصعبؓ" اور "حضرت عبداللہؓ" کی اولاد ہیں" نہ صرف "حضرت مصعبؓ" کی" مگر ہم سمجھتے ہیں کہ "نواب شہباز خاں" کا نام اس موقع پر غلطی سے لکھا گیا ہے کیونکہ وہ یہاں محض "مخدوم صاحب" کے نسب کے حوالہ پر بحث کر رہے ہیں"

مؤلف صاحب کا یہ لکھنا بھی کہ "مخدوم صاحب" کے سلسلۂ النسب کے متعلق کوئی تاریخی حوالہ نہیں پیش کیا گیا۔ صداقت سے خالی ہے" جب آگے وہ خود ہی "مصباح العارفین" کے حوالہ کا ذکر کر رہے ہیں تو ہمیں ان کی اس غلط بیانی پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

اب رہی یہ بات کہ پہلے تو انہوں نے اس کتاب کو بلا کسی دلیل کے صرف اپنی رائے ہی سے مشتبہ قرار دیدیا تھا" مگر یہاں جن دلیلوں سے اس کے وجود سے انکار کیا ہے" ان کو بھی جانچ لیا جاتا ہے تاکہ ان کی اس تحقیقات کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے" کسی شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس نے "برِّ اعظم ہند کے کل "سرکاری" "پبلک" اور "خانگی" کتب خانے دیکھ لئے ہیں یا صرف "صوبجات متحدہ" اور "پنجاب" یا کسی ایک ہی شہر کے" تمام لوگوں سے جو "مشائخ کرام" اور "اولیائے عظام" کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں" کتاب "مصباح العارفین" کو دریافت کر لیا ہے" ہرگز مبنی بر صحت نہیں ہو سکتا"

اگر چند کتب خانوں اور چند اشخاص کے پاس یہ کتاب نہیں ملی" تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ "وہ وہاں ہو جہاں آپ نہیں جا سکے" اور تلاش کرنے کی نوبت نہ آسکی ہو" سب جانتے ہیں کہ قریباً سو برس پہلے تک "ہندوستان" میں چھاپے کا رواج نہ تھا" کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اس لئے ان کی تعداد بہت ہی محدود ہوتی تھی"

لاتعداد کتابیں جس طرح معدوم ہوئیں

ہم کہیں اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ "کتابوں کی کثیر تعداد اب دنیا میں باقی نہیں رہی۔ مگر ان میں سے بعض کتابوں کے حوالے اور بعض کے صرف نام دوسری کتابوں میں لکھے ہیں۔ اگر ان کے حوالے اور نام ان کتابوں میں نہ آجاتے تو کون جان سکتا تھا کہ کبھی یہ کتابیں عالم وجود میں آئی ہوں گی"

بہت سی تو لڑائیوں کے ہنگاموں میں تلف ہو گئیں" بہت آگ اور زلزلوں کے نذر ہوئیں" بہت سی بارش و سیلاب سے خراب و برباد ہوئیں" بہت سی دیمک کے بھینٹ چڑھیں" اور بہت دوکانداروں کی پڑیاں بنکر غائب ہو گئیں" "علامہ شبلی" نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ "عروہ بن حضرت زبیرؓ"

بن شیخ راجع الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری" قطع تدبا قلم برمیدارد که چوں اکثر یاران فقیر را اعتماد خود که ظن المومنین خیرا دانع است" بحن سنج و نکته فہم تصور نمودہ بمقابلہ دیگر از کتب متداولہ عربی و فارسی تشریف مے آوردند۔ و سرفراز میفرمودند" چنانچہ قصاید چہرہ آرائے عروس تازہ طرازی شیرازی طاب اللہ ثراہ۔ درمیان نیز مے آمد۔ اگرچہ خیرلا ہوری" و قطب الدین بنی اسرائیل دہلوی غفر اللہ لہ در شرح خود ہا" و تحقیقات و امضات آں قصاید سر موفرو گذاشت نکردہ اند" بلکہ بناخن اعتراض سد نظارہ شاہدان را خراشیدہ۔ و در مرہم اصلاح کوشیدہ" لیکن بحکم آنکہ "المعنی فی بطن الشاعر" در اکثر مواقع انگشت ادراک ایشاں بہ گرہ کشائی" عقدۂ عرفی بست" کہ عقدہ کشایان طرازی" و گرہ بازان شیرازی بر سرش چرخ میزنند نرسیدہ بود" و یاران اہل طبع بو ضوح آں ایستادگی میکردند" ضرورت وقت دانستہ آنچہ کہ ایں واقفیت از محاورۂ ایں فن۔ و پایۂ ناشناس سخن از خدمت شیخ خود رستم سلمہ اللہ تعالےٰ" کہ رستم معرکہ نکتہ سنجی است" و ایشاں از خدمت مرزا محمد بقا" و ایشاں از خدمت شیخ دوست محمد و ایشاں از خدمت مصنف والے عرفی شیرازی) اُو رحم اللہ تعالیٰ ایانا کاملاً و خفیۃ و فرداً و ساً" سابقاً سبقاً خواندہ۔ و طلقاً طلقاً بوادی معنی رسیدہ سینہ بسینہ گوش بگوش حاصل کردہ بود۔ تقریر میکرد" یکمرتبہ آوازہ تحسین و آفرین بلند ساختہ تکلیف و تحریر شرح میکردند" و حسب حکم محکم و ارامسایل و بہ تسوید آں۔ در زمان عدالت بنیان" حامی دین شاہ عالمگیر

نیست جز داعِ نیکش برتر   حامی دین شاہ عالمگیر
آنکہ از نام اوست رونق ملک   وآنکہ در کام اوست تاج و سریر
ہست سلطان و لے فقیر مزاج   ہست درویش لیک سلطان گیر
ہادی دین و مہدی کامل   در طریقہ محمدؐ لیست بشیر
راست گویم در اعتقاد درست   نہ پیرست شاہ عالمگیر

پادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ"۔۔۔ پرداخت و آنرا وسیلہ جزیلہ

بن شیخ راجع الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری" لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ کیونکہ نقیر کو اکثر دوست اپنے اعتقاد سے بموجب ظن المومنین خیرا سخن سنج اور نکتہ فہم تصور کر کے دوسروں کے مقابلہ میں کتب متداولہ عربی و فارسی لیکر تشریف لاتے اور سرفراز فرماتے ہیں" چنانچہ قصاید چہرہ آرائے عروس تازہ طرازی شیرازی طاب اللہ ثراہ بھی درمیان میں آئے" اگرچہ خیر لاہوری اور قطب الدین بنی اسرائیل دہلوی غفر اللہ لہ نے اپنی شرحوں میں اور تحقیقات و باریکیوں میں قصاید کی بال برابر بھی فرو گذاشت نہیں کی ہے" بلکہ ناخن اعتراض سے دیکھنے والوں کے گال کھرچے اور مرہم اصلاح میں کوشش کی ہے" لیکن المعنی فی بطن الشاعر کے حکم کے بموجب اکثر موقعوں میں اپنی سمجھ کی انگلی سے عقدۂ عرفی کی گرہ کھولی ہے" جس سے عقدہ کشایان طرازی اور گرہ بازان شیرازی اُن کے سروں پر منڈلاتے ہوئے نہیں پہنچے تھے" اور یاران اہل طبع ان کی وضاحت میں اعتراض کرتے ہیں" ضرورت وقت جان کر جو کچھ بھی اس فن کے محاوروں کی واقفیت اور پایۂ ناشناس سخن شیخ خود رستم سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت سے جو رستم معرکہ نکتہ سنجی ہے اور انہوں نے خدمت سے مرزا محمد بقا کی" اور انہوں نے خدمت سے شیخ دوست محمد کی" اور انہوں نے خدمت سے مصنف والے عرفی شیرازی کی رحمہم اللہ تعالیٰ ایانا کاملاً و خفیۃ و فرداً و ساً سبقاً سبقاً پڑھا اور جو باریکیاں اُن سے معلوم ہوئیں۔ اور جنہیں سینہ بسینہ اور گوش بگوش حاصل کیا تھا میں نے سنایا" تو ایک مرتبہ ہی تحسین و آفرین کی آوازیں بلند کر کے اس کی شرح لکھنے پر مجھ سے اصرار کیا" لیکن بموجب حکم محکم اِن مسائل کا لکھنا عدالت بنیان حامی دین شاہ عالمگیر

نیست جز داعِ نیکش برتر   حامی دین شاہ عالمگیر
آنکہ از نام اوست رونق ملک   وآنکہ در کام اوست تاج و سریر
ہست سلطان و لے فقیر مزاج   ہست درویش لیک سلطان گیر
ہادی دین و مہدی کامل   در طریقہ محمدؐ لیست بشیر
راست گویم در اعتقاد درست   نہ پیرست شاہ عالمگیر

پادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ" کے زمانہ میں ہوئی" اور اس کو وسیلہ

(بقیہ نوٹ ۱ صفحہ ۲۵۵) ابن محمد" ابن سلیمان" ابن داؤد" ابن یعقوب" ابن ایوب" ابن ہادی" ابن مصعب" ابن حضرت زبیر رض" ابن العوام" ابن خویلد" ابن اسد ابن عبد العزیٰ ابن قصی" واللہ اعلم (شجرہ سہروردی) ہمارے ان شواہد کی موجودگی میں کیونکہ مؤلف امروہوی کے اس بیان کی بھی کہ اس دُودمان عالی شان کے بزرگ اپنے آپ کو شیخ ہی لکھا کرتے تھے اور زبیری تحریر نہیں لکھتے تھے" بخوبی تردید ہو گئی ہے" اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا گل فشانی کرتے ہیں"

اشتہار عدالت مسٹر ایم بیچ صاحب بہادر سب جج درجہ چہارم ایبٹ آباد" ہزارہ "غلام احمد نابالغ ولد نا معلوم "قوم سَوَاتی"
ساکن ہردو تر لنگڑی صابر شاہ تحصیل مانسہرہ" برفاقت یعقوب ولد عباس خاں" قوم سَواتی" ساکن مذکور مدعی" بنام عبد الرحمن خاں
ولد امیر خاں ..... میر باز گل" قوم سَوَاتی"

اور ۲۴ جولائی ۱۹۳۹ء کے ص۶ کالم ۳ پر درج ہے کہ"

بعدالت جناب مکھن لال صاحب بی۔ اے" ایل۔ ایل۔ بی" پی۔ سی۔ ایس" مینیجر سب جج بہادر گوجرانوالہ" باختیارات مطالبہ خفیفہ
(نمبر مقدمہ ۲۱۵ بابت ۱۹۳۹ء) ..... ایشر داس ولد لالہ سوہن لال" قوم اروڑہ" ساکن گوجرانوالہ مدعی" بنام محمد امیر ولد مولوی دِل محمد"
قوم زمیندار" ساکن گوجرانوالہ" حال اسسٹنٹ بلاک انسپکٹر سانگلہ ہل تحصیل شیخوپورہ"

اِس قسم کی مثالوں کے لئے کتب خانوں کے چکر لگانے اور کتابوں کی ورق گردانی کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے" وہ روزمرہ ہماری نگاہوں سے
خود بخود گذرتی رہتی ہیں" ایسی بہت مثالیں ہم پیش کر سکتے ہیں۔ مگر طوالت کے خیال سے اِن تین ہی پر اکتفا کر کے۔ کیا مؤلف صاحب سے دریافت کر سکتے
ہیں کہ" جن لوگوں نے اپنے آپ کو عدالت کے کاغذات میں" قوم چشتی" (چشت" ایک قصبہ کا نام ہے" اور بزرگانِ طریقت کے سلسلوں میں سے ایک سلسلہ
کا نام بھی" چشتی" ہے)" قوم سَوَاتی" (سوات۔ یاغستان" میں ایک خان یا رئیس کا گدی نشین شہر ہے") اور قوم زمیندار" (زمیندار" اس کو
کہتے ہیں جسے زمین پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں) لکھوایا ہے" اُن کا نسب بھی" چشتی" سَوَاتی" اور" زمیندار" ہے" یا کسی طرح بھی کھینچ تان کر ثابت
کیا جا سکتا ہے" اگر اِس خاندان کے اِن افراد نے اپنے ناموں کے ساتھ اپنی دستاویزات و تحریریات میں" لاپرواہی سے" قوم کنبو قریشی" یا"
قوم کنبوہ" یا" قوم کنبوہ زبیری" یا صرف" کنبو" اور" قوم کنبوہ" لکھدیا ہے" تب بھی ایک مؤلف کے لئے اُن کی اصلیت یا نسب کا
معلوم کر لینا کچھ زیادہ دشوار نہیں تھا" مگر جب اُس کی نیت ہی نیک نہ ہو۔ اور اُس نے اِس خاندان کی اظہر من الشمس باتوں کے اخفاء ہی کو مدنظر رکھکر
قلم اُٹھایا ہو تو اُس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حقیقت کو ظاہر کرے گا" تحصیل حاصل ہے"

آئین اکبری جلد اوّل حصہ دوم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے ص۱۰۳ پر لکھا ہے کہ" ۲۳ حری" چینیا" وجوری چمپا"
ذات گوالیری" اور ص۱۰۳ میں نمبر ۳۵ پر لکھا ہے کہ" نو کو میراں کھڑ" ذات اکبر آباد" گوالیار" اور" اکبر آباد" اب ہم مؤلف امروہوی
سے ہی دریافت کرتے ہیں کہ" ذات گوالیری" اور" ذات اکبر آباد" سے مطلب کیا ہے" کیا یہ خاندان جن کی ذاتیں" گوالیری" اور
" اکبر آباد" لکھی گئی ہے" دو شخصوں کی اولاد یا نسل سے ہیں" یا یہ دونوں اپنے اُن مقامات کے ناموں سے مشہور ہوئی ہیں" جہاں سے اُن کے بزرگوں
نے نقل مقام کیا تھا" عام طور سے" قوم راجپوت" لکھی جاتی ہے" مگر طالبِ علم تک جانتے ہیں کہ راجپوت کوئی نسل یا لقب نہیں ہے" اور راجپوتوں
میں اعلیٰ و ادنیٰ بہت نسلیں داخل ہیں۔ مؤلف امروہوی ذرا یہ بھی بتا دیں کہ عبّاسی خاندان سندھ میں عبّاسی کے بجائے جاموٹ کیوں کہلاتے ہیں"

زبیری خاندان کے بزرگوں کا چار پانچ سو برس سے" حالیہ زمانے تک کی کتابوں میں مسلسل اپنے قریشی زبیری نسب کا اظہار کرتے آنے کی شہادتیں

یہاں ہم پھر بتاتے ہیں کہ" اِس دودمان عالی شان کا حال" مؤلف موصوف کے غیر معروف خاندان کا سا نہیں ہے" جس کے نسب اور
بزرگوں کا ذکر انہیں کی تحریر کے مطابق ستر اسّی برس سے پہلے کی کسی بھی کتاب میں نہیں لکھا گیا" بخلاف اُن کے خاندان کے زبیری کنبوی خاندان
کے بزرگوں کے حالات اتنے عرصہ سے کتابوں میں مسلسل درج ہوتے چلے آئے ہیں کہ ۸۱۱ھ ہجری کو اُن کے حالات میں پیش کرنا کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا"
صرف اسی قدر نہیں ہے کہ اِن بزرگوں کے صرف حالات ہی لکھے ہیں بلکہ اُن میں اُن کے نسب پر بھی کہیں وضاحت سے اور کہیں سرسری طور سے روشنی
ڈالی گئی ہے" مگر مؤلف صاحب نے اُن کتابوں کے بیانات کی طرف اشارہ تک کرنا گوارا نہیں کیا" اور نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ لکھدیا ہے کہ
" ہمیشہ قوم کنبوہ کے الفاظ تحریر کرتے تھے" ذرا لفظ ہمیشہ کی وسعت پر خیال کیجئے کہ اس کا سلسلہ کہاں جا کر ختم ہو سکتا ہے" اور پھر اُن کا اپنے
بیان کے ثبوت میں ۱۱۰۶ھ ہجری کو پیش کرنا ملاحظہ فرما لیجئے" جہاں اُن کے ہمیشہ کی حد ختم ہوتی ہے" ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ" عنا ہمیشہ" سے ہے اور

چنانچہ تا الیوم در مسائل مرقومہ مرکز دحولی وغیرہ "قائم" دسترس است " وظاہراً اینجا چند کلمہ بطریق صورت حال بعلم آمدہ " ہر کسے بر وقوع این حال و صدق این مقال اطلاع داشتہ باشد گواہی خود بریں کاغذ ثبت نماید و یا موشتن آن اعانت فرماید کہ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور گردد۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شہر رجب ۱۲۸۵ ہجری "

مارہرہ کے علاوہ " امروہہ و سنبھل " اور دوسرے مقامات کے " کنبوہ حضرات " اپنے نسب و قومیت کے اظہار میں ہمیشہ " قوم کنبوہ " کے الفاظ تحریر کرتے تھے " مثلاً " دستاویز بیعنامہ اقرار نامہ " شیخ محمد نعمت ساکن قصبہ سنبھل " مرقومہ ۲۲ شعبان ۱۲۸۵ ہجری (از مؤلف) میں تحریر ہے کہ

اقرار صحیح شرعی نمود۔ مقر یا سم وسب خود " مسمیٰ شیخ محمد نعمت ولد شیخ محمد جہانگیر " ابن دیوان عبد المومن " قوم کنبوہ " ساکن اندرون قلعہ ملوہ سنبھل " ازلی آمدہ "

اسی طرح " امروہہ کے " حضرات کنبوہ " کی بہت سی دستاویزات و تحریرات موجود ہیں " جن کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا " یہ حضرات کچھ عرصہ پیشتر تک بلا کسی استثناء کے اپنی قومیت کا اظہار " قوم کنبوہ " یا صرف " کنبوہ " کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے۔ اور بعض اب تک بھی کرتے ہیں " اور " سیرت کی روایت کے قابل علم " ہیں " ص ۲۲۹، ۲۳۰)

مؤلف صاحب نے اپنے بیان میں اس خاندان کے دو بزرگوں کی تحریریں پیش کرکے جن بہت سی دستاویزات و تحریرات کی خود کے پاس موجودگی ظاہر کی ہے ہم مانے لیتے ہیں کہ وہ اُن کے پاس ضرور ہوں گی مگر اسی کے ساتھ ہمیں یقین ہے کہ اُن کے پاس کوئی تحریر ۱۲۵۹ ہجری سے پہلے کی ہرگز موجود نہیں ہے " ورنہ وہ اُسے ضرور درج کتاب کرتے "

لیکن اُن کا یہ بیان کہ " یہ حضرات " اپنے نسب و قومیت کے اظہار میں ہمیشہ " قوم کنبوہ " کے الفاظ تحریر کرتے تھے " اور کچھ عرصہ پیشتر تک " بلا کسی استثناء کے " اپنی قومیت کا اظہار " قوم کنبوہ " یا صرف کنبوہ " کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے " قطعاً غلط ہے " اور پایۂ ثبوت کو کسی طرح نہیں پہنچتا "

قوموں کے کسی مناسبت یا محلِ وقوع۔ اور صنعت سے مشہور ہو جانے کی چند مثالیں

اہلِ علم خوب واقف ہیں کہ کسی مناسبت سے کسی افراد انسانی کا نام رکھ دیا جاتا ہے " کبھی اُس کو مقبولیت عام ہو جاتی ہے کہ تمام جید اور گروہ اُسی نام سے شہرت پذیر ہو کر ایک قوم بن جاتی ہے " کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے " کوئی باسم محل " اور کوئی بنام صنعت موسوم ہو گئی ہے "

اگر یہ خاندان بہ اسم محل مشہور ہوا اور ایک زمانہ گذرنے کے بعد اُس کی مسخ شدہ صورت سے دیکھیے کہ اکثر ناموں اور مقامات کی صورتیں مرورِ ایام سے بدل جایا کرتی ہیں " مثلاً " خاندیس کا " قلعہ آسا اہیر " اب۔ قلعہ آسیر " کہلاتا ہے " اور " دہلی " کی " سلطان فیروز شاہ " کی بنائی ہوئی ایک عالی شان عمارت " مدرسۂ فیروزی " کو اب اہلِ ہند کے کثرت تلفظ سے " کے مینڈل " جس میں اسلامی نام کا شائبہ بھی نہیں رہا بولے ہیں " موسوم ہو گیا " اور اُس کے افراد نے بھی اس خطاب کو اپنے ناموں کے ساتھ بولا اور لکھا اور کوئی نئی یا اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ ہندستان میں ایسا ہونا عام بات ہے " اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں "

روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۲۲ کالم ۲ و ۳ پر تحریر ہے کہ " ماسٹر جناب شیخ محمد یوسف صاحب نائب تحصیلدار دسولست و نشست ملکرہ حدوم پکو ال " بنام نتھ خاں ولد جہاں خاں " قوم کھوکھرا جپوت۔ غلام حسین پسر امام دین " قوم چشتی "

اور ۱۹ جنوری ۱۹۳۶ء کے صفحہ کالم ۳ پر لکھا ہے کہ۔

جو بہت حسین تھی کہا کہ "میں چاہتی ہوں" تیرا حال معلوم کروں" اُس نے بیان کیا کہ میں ایک ہاشمی عورت ہوں "اُس زمانے میں عباسی اپنے آپ کو تو ہاشمی اور حضرت علی رضہ کی اَوْلاد کو "طالبی" کہا کرتے تھے" (ع الف") یہ قوم ہمارے پاس آئی "اس نے میرے ماں باپ بھائی اور شوہر کو قتل کر دیا" اُن کے رئیس نے مجھے گرفتار کر لیا" میں پانچ روز اُس کے پاس رہی پھر اُس نے مجھے نکالکر اپنے ساتھیوں کے حوالے کر کے کہا "کہ اِسے پاک کر دو" انہوں نے میرے قتل کا اِرادہ کیا" میں رونے لگی" اُس کے سرداروں میں سے ایک شخص نے مجھے مانگا اُس نے اِجازت دیدی" اُس پر اُس کے تین ساتھیوں نے اپنی تلواریں میان سے نکال کر کہا کہ ہم اسے تیرے سپرد نہیں کریں گے" یا تو اسے ہمیں دیدے" ورنہ ہم اِسے قتل کر دیں گے" اُن کے شور کو سنکر" رئیس قرامطہ نے اُنہیں بلاکر واقعہ دریافت کیا۔ اور جھگڑے کی وجہ معلوم کر کے کہا کہ یہ تم چاروں کے لئے ہے" اِن چاروں نے مجھے لے لیا" اور اب میں اُن کے ساتھ مقیم ہوں" بخدا میں نہیں جانتی "کہ یہ لڑکا ان میں سے کس کا ہے" شام کے بعد ایک شخص آیا" تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے مبارکباد دے" میں نے مبارکباد دیدی" اس نے مجھے چاندی کا ایک سکہ دیا" دوسرا اور تیسرا آیا" میں اُن میں سے ہر ایک کو مبارکباد دیتی رہی" اور ہر ایک اُن میں کا مجھے چاندی کا سکہ دیتا رہا"

"باغیوں کے ہاتھوں "متقی باللہ خلیفہ عباسی کے محل میں "حرم شاہی کی ناموس ریزی"

ترجمہ تنبیہ و اشراف تالیف علامہ مسعودی میں ہے کہ "ابو الحسین بریدی" افواج لیکر براہ خشکی و دریا" ۱۲ رجمادی الآخر روز سہ شنبہ ۳۳۰ھ میں مدینتہ السلام" (بغداد) میں داخل ہوا" متقی "(عباسی خلیفہ") اور اُس کے ہمراہ "محمد بن رابق" نے پایۂ تخت سے بھاگ کر "موصل" کی راہ لی" خاص دارالخلافہ "بغداد" اور امراء کے مکانات تاخت و تاراج کئے گئے" اور "حرم شاہی کی ناموس ریزی کی گئی"

اہلِ مارہرہ کے ناموس پہ آنچ نہ آنا

مارہرہ کو جو حادثہ پیش آیا" اور اُس پہ ایک ناگہانی بلا نازل ہوئی" خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ "اُس میں کسی کی بھی ناموس ریزی نہیں ہونے پائی" اور یہ بلا جیسی ناگہاں طور سے آئی تھی" اُس سے بھی زیادہ تیزی سے رفع ہو گئی" جیسا کہ مندرجہ بالا واقعہ سے جس کی تفصیل ہم اوپر ابھی دے آئے ہیں" بخوبی ظاہر اور ہویدا ہے"

باب سیزدہم

"غیروں کے اقوال سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو خود اس قوم کے افراد عام طور سے اپنی تحریرات و دستاویزات میں اظہار نسب کے لئے ہمیشہ "قوم کنبوہ" لکھتے رہے ہیں۔ اُن میں سے کسی نے کبھی "رہبری" نہیں لکھا" یہاں بطور نمونہ چند دستاویزات کی نقول درج کرنا بے محل نہ ہوگا"

"نقل دستاویز صورت حال مرقومہ ۱۲۷۹ھ ہجری نوشتہ "محمد اشرف ولد محمد عادل کنبو ساکن مارہرہ

لا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فانه اثم قلبه ....."

اظہار شہادت موجب سعادت و کتمان آں باعث شقاوت است۔ بنا بر اں سوال میکند۔ و استشہادمی طلبد اضعف العباد .... (کاغذ دریدہ) محمد اشرف ولد محمد عادل "قوم کنبوہ" از سادات عظام" و مشائخ کرام" و از جمہور انام" و کافۂ اہلِ اسلام" سکنہ قصبہ مارہرہ" سرکار کول" مضاف صوبہ مستقر الخلافت "اکبرآباد" بدیں معنی۔ کہ ایں سائل را عموی مرحوم" مسمی فتح محمد ولد رحمت خاں کنبوہ" از عمر ۳ سالگی" بطوع رغبت خود۔ در فرزندی خود گرفتہ" ازیں ممر کہ فرزندے صلبی نداشت۔ متبنائے خود ساختہ۔ و ذر حویلی حصۂ خود سکونت بندہ کنانیدہ۔ و بر ترکہ و ورثہ خود" اہلیہ فتح محمد مرحوم مرقوم۔ قابض و متصرف ساختہ

عتاب بسیار فرمودند کہ آنچہ تو با شہر ما کردی جزائے ایں ظلم و ستم کہ بر شہریاں رفت، زود از خدا خواہی یافت۔ و اُو ایشاں را رخصت نمود، پس نواب وزیر برائے تدارک غارت شدن شرفائے شہر، سہ ہزار روپیہ نقد، بدست نواب نصیر الدین حیدر، بحضور اقدس فرستاد، و آں جناب بدست سید نور الحسن خاں، بر کاغذ نام شہریاں نوشتہ، موافق حال ہر یک تقسیم کرانده داد۔

و بعد ازیں نواب وزیر، از مصاحبان خود، میر داراب را، کہ عزیز کسے بود، بحضور معلیٰ فرستاد، و عرض داشت کہ صلح مابین مسلمین، کار طاہر و سادات است، میخواہم کہ بذریعہ آں جناب با ما و احمد خاں، کہ از ارادتمندان شما است، صلح بمیان آید، چنانچہ ایں قصہ دور و دراز است، آخر کار آں جناب، بعد مبالغہ عرض نواب وزیر، کہ فی الواقع اُو امیرے والاشان و مردے مہذب۔ آداب دان، و از وزرائے سحر المکان بود، و خلوص محبت و بندگی اُو بہ آں جناب صادق بود،
محمد اصغر کنبوہ، یکے از مریدان خود را، کہ سلیقہ سفارت و عقل درست و چستی داشت، با خریطہ ہای مہری وزیر، بنام احمد خاں، و رستم خاں، روانہ لشکر افغاناں فرمودند، او بہ آنجا رفتہ ملاقی شدہ خریطہ ہا مذکور رسانید، و استدعا نواب وزیر ظاہر ساخت، کہ بالفعل از قصبہ پٹیالی (مقام پیدائش حضرت امیر خسرو رح) آں طرف ملک خود بگیرند و محالات ایں طرف با تعلق داشتہ، بعد شش ماہ، باز پٹیالی وغیرہ ہم، معہ اتاوہ، بشما خواہم داد، و دریں مقدمہ، وزیر قرآن و شمشیر مرتضیٰ علی، درمیان داد۔
رستم خاں کہ سر دفتر لشکر بود، و آنچہ بود اُو بود، ایجاب ہیچ مقدمہ نکرد، لیکن جواب خریطہ ہا بہ لیت و لعل نوشتہ داد، و نواب احمد خاں، عذر معذوری خود۔ و مختاری رستم خاں، نوشت۔
اما فوج افغاناں، کہ دوازدہ ہزار بودند، در ہراس بودند، و ایں طرف فوج وزیر، ہشتاد ہزار سوار بود۔
محمد اصغر مذکور، بعد طے سوال جواب خریطہ ہا، وقت شب، نزد احمد خاں رفتہ، عنایت نامہ حضور معلیٰ، بہ وے داد، و بزبانی ظاہر ساخت کہ حالا بتوکل بخدا کردہ، نے ہیچ اندیشہ از مقابلہ بمقاتلہ بیدار بحکم قادر مطلق فتحیاب خواہی شد، کہ وقت اجابت دعا رسیدہ۔

کچھ میرے شہر کے ساتھ کیا ہے اس ظلم و ستم کی سزا جو شہریوں پر ہوا ہے، جلد تر خدا سے پائے گا۔ اور اُن کو رخصت کر دیا۔ پس نواب وزیر نے شرفائے شہر کے لٹ جانے کے معاوضہ کے لئے نواب نصیر الدین حیدر کے ہاتھ تین ہزار روپیہ نقد، حضور اقدس کے پاس بھیجا۔ اور ان جناب نے سید نور الحسن خاں کے ہاتھ سے شہر والوں کے نام کاغذ پر لکھوا کر موافق حال ہر ایک کے تقسیم کرا دیا۔
اس کے بعد نواب وزیر نے مصاحبوں میں سے میر داراب کو جو ان کا عزیز تھا حضور معلیٰ کے پاس بھیجا۔ اور عرض کرایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا طاہر اور سادات کا کام ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اور احمد خاں جو آپ کے ارادتمند ہیں آپ کے ذریعہ سے دونوں میں صلح ہو جائے۔ چنانچہ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ آخر کار آں جناب نے بعد مبالغہ عرض نواب وزیر کہ فی الواقع وہ امیرے والاشان اور مرد مہذب آداب دان اور وزرائے سلطنت سے تھا اور خلوص و بندگی اُس کی آں جناب سے سچی تھی۔
اپنے مریدوں میں سے ایک، محمد اصغر کنبوہ کو جو سلیقہ سفارت کا اور عقل درست و چستی رکھتے تھے، خریطہ مہری وزیر بنام احمد خاں اور رستم خاں بحیرہ افغانوں کے لشکر میں روانہ فرمایا۔ انہوں نے وہاں جا کر ملاقات کی اور خریطوں مذکور کو پہنچا دیا اور نواب وزیر کی استدعا ظاہر کی کہ بالفعل، قصبہ پٹیالی (مولد حضرت امیر خسرو رح) سے اُس طرف کا ملک خود لے لیں۔ اور اس طرف کے محال ہمارے لئے چھوڑ دیں۔ چھ مہینوں کے بعد پھر پٹیالی وغیرہ بھی معہ اتاوہ کے تم کو دے دیئے جائیں گے۔ اور اس مقدمہ میں وزیر نے قرآن و شمشیر مرتضیٰ علی درمیان میں دی۔
رستم خاں جو سر دفتر لشکر تھا اور جو کچھ تھا وہ تھا، اُس نے کوئی بات قبول نہیں کی۔ لیکن جواب خریطہ کا ٹال مٹول کا لکھ کر دیا۔ اور نواب احمد خاں نے اپنی معذوری اور رستم خاں کی مختاری کا عذر لکھ دیا۔
لیکن افغانوں کی فوج جو دس بارہ ہزار تھی۔ خوفزدہ تھی۔ اور اس طرف وزیر کی فوج اسی ہزار سوار تھی۔
محمد اصغر مذکور نے خریطوں کے سوال جواب طے ہونے کے بعد رات کے وقت احمد خاں کے پاس جا کر عنایت نامہ حضور معلیٰ (شاہ محمد حمزہ رح) اُس کو دیا۔ اور زبانی اُسے بتایا کہ اب توکل بخدا کر کے اور کوئی اندیشہ دل میں نہ لا کر مقابلہ اور مقاتلہ کرو خدا کے حکم سے فتحیاب ہو گے۔ کیونکہ وقت دعا کے قبول کا پہنچ گیا ہے۔

دپسر نوزدہ سالہ اش را" بجان کشتند"

وزیر (ابو المنصور صفدر جنگ) بمجرد استماع" نصیر الدین حیدر" ہم زلف وسپہ سالار افواج وزیر" را فرمود" تا زود خبر گیرد" ونقیبان را متعین نمود" کہ غارت گران را باز دارند" اما تا رسند" از کار گذشتہ" عالمی برباد رفتہ" ناموس اکثرے از سادات وشیوخ وکنبوہ" وغیرہ شرفا۔ ببلائے اسیری مبتلا گردید" واسباب خانہا بتاراج رفت"

نصیر الدین حیدر خاں" تمام شب محنت کشیدہ جمیع نوابئین شرفا دغربا را برآورد" در خیمہ علیحدہ کہ وزیر برائے آنہا برپا کردہ بود۔ فراہم نمود" وتمام شب وزیر بریں ما جرا" ملول واکثر زار زار گریاں بود" و طعام نخورد"

از اول طلوع صبح" تا اشراق" مستورات بخانہائے خود رسیدند واطفال کہ مغلیہ با در بار دنبہ خود" وگودہا" کنند دراں افگندہ۔ از بالا بہ خار وخس پوشیدہ" پنہاں کردہ بودند" ہم رسانیدہ" بر پدر ومادر آنہا باز گردانیدند"

دراں روز در قصبہ مذکور" ہنگامہ عاشورہ" برپا بود" وزیر مبلغ کثیرہ بمردم شہر فرستاد" اما اموال لا یحصی غارت رفت" وگذشت آنچہ گذشت" مردم از ہماں زبان میگفتند۔ کہ فتح وزیر نخواہد شد" وہم چنیں شد"

وزیر بعد اطمینان۔ از جمعیت فوج واسباب" از مارہرہ" کوچیدہ پیشتر رفت" وشب دوم شوال بعد نماز۔ با مداد ہر دو لشکر ہم آویختند" وزیر" با وجود وفور فوج وسامان ہزیمت خورد" نجم الدولہ" ونصیر الدین حیدر" ہم زلف وخالہ زاد وزیر" مقتول شدند"

وزیر را" زخم تفنگ بر گلو آمد۔ وغشے عارض گشت" شام با دل شکستہ از میدان برگشتہ" بمارہرہ" رسید" بہ سید نور الحسن خاں" جمعدار بلگرامی فرمود تا اسباب تکمید زخم آوردند۔ دانش کارے بعمل آمد۔

اکثر اردوئے وزیر را" مغلیہ تاراج نمودند۔ وآنچہ باقی ماند" از دست دہاتیاں راہ بغارت رفت" واز مارہرہ" کوچ بکوچ ۲۹ شوال بدہلی رسید"

انیس[19] سالہ لڑکے کو جان سے مار دیا"

وزیر (ابو المنصور صفدر جنگ) نے سنتے کے ساتھ ہی فوراً نصیر الدین حیدر (اپنے ہم زلف وسپہ سالار فوج وزیر) سے فرمایا کہ جلد خبر لے اور نقیبوں کو متعین کیا کہ غارت گروں کو غارت گری سے باز رکھیں" لیکن جب تک پہنچیں اور روکیں عالم برباد ہوگیا۔ ناموس اکثر سادات اور شیوخ اور کنبو کے گرفتاری مصیبت میں مبتلا ہوگئے" اور گھروں کا اسباب لُٹ گیا"

نصیر الدین حیدر خاں نے تمام رات محنت اٹھا کر تمام مصیبت زدوں شرفا وغربا کو تلاش کر کے علیحدہ ڈیرے میں جسے وزیر نے اُن کیلئے کھڑا کیا تھا جمع کیا" اور ساری رات اِس واقعہ سے غمگین اور اکثر زار زار روتا رہا اور اُس نے کھانا بھی نہیں کھایا"

صبح ہونے سے پہلے سے اشراق تک عورتیں اپنے گھروں میں پہنچ گئیں" اور لڑکوں کو جنہیں مغلوں نے اپنے جلانے کی لکڑیوں کے بوجھ میں اور کمبل میں باندھ کر ڈال دیا تھا اور اُوپر سے گھاس و کوڑے سے چھپا دیا تھا" حاصل کر کے اُن کے ماں باپ کے پاس واپس بھیج دیا"

اُس روز قصبہ مذکور میں ہنگامہ محرم کا برپا تھا" وزیر نے بہت روپیہ شہر کے لوگوں کے پاس بھیجا" لیکن مال بےشمار غارت گیا اور گذر گیا جو گذر گیا" وہاں کے لوگوں نے بددعا دی کہ وزیر کی فتح نہ ہو اور ایسا ہی ہوا"

وزیر اطمینان کے بعد مارہرہ سے اپنی فوج اور سامان کے ساتھ کوچ کر کے آگے روانہ ہوا۔ اور دو شوال کی رات کو بعد نماز دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی" وزیر نے باوجود زیادتی فوج وسامان کے شکست کھائی نجم الدولہ اور نصیر الدین حیدر ہم زلف اور خالہ زاد وزیر مقتول ہوئے"

وزیر کے گلے میں بندوق سے زخم آیا جس سے وہ بیہوش ہوگیا" اور شام کو دل شکستہ میدان سے واپس ہو کر مارہرہ پہنچا" اور نور الحسن خاں جمعدار بلگرامی سے زخم کے علاج کے سامان کے لئے فرمایا" اچھی طرح علاج عمل میں آیا"

وزیر کے لشکر کے اکثر محل تاراج ہوگئے اور اُن میں سے جو باقی رہے دیہاتیوں کے ہاتھوں راستہ میں غارت ہوگئے" اور وہ مارہرہ سے منزل بمنزل ۲۹ شوال کو دہلی پہنچ گیا"

اس سے آگے لکھا ہے کہ "وزیر ابو المنصور صفدر جنگ" جب دہلی پہنچا" تو وہاں کے علماء نے اُس کے خلاف فتویٰ دیا" چنانچہ شہر دہلی کے دروازے بند کر کے اُسے شہر میں نہیں گھسنے دیا" اور دہلی والوں کے وزیر سے لڑنے کا حال لکھا ہے" جسے ہم چھوڑتے ہیں"

(نوٹ) ع۱۔ اصلی نام مرزا مقیم۔ ابو المنصور خاں کنیت ولقب" وزیر الممالک نواب منصور علی خاں صفدر جنگ خطاب تھا" سعادت خاں کا بیٹا برہان الملک سعادت خاں کا بھانجا اور داماد تھا" ماموں کے مرنے کے بعد شروع سال ۱۱۵۲ ہجری مطابق اپریل ۱۷۳۹ء میں دو کروڑ روپیہ بطریق پیش کش نادر شاہی خزانہ میں داخل کر کے محمد شاہ کے حضور سے صوبۂ اودھ کا خلعت حاصل کیا" ۱۱۶۱ ہجری مطابق ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ بادشاہ کے تخت نشین ہونے پر عہدۂ وزارت اعلیٰ پر سرفراز ہوا" سات سال تک تمام انتظام سلطنت اور اختیارات

(۴) خاندان جرڑ ودبہ (۵) خاندان حضرات دستارکلاں (ڈبر بگہ) (۶) خاندان سنگڑہ
(۷) خاندان چودہری صاحب ملقب بہ سکیٹی۔ (۸) خاندان متولیان

اور شیخوں کے جو خاندان دوسرے القاب سے ملقب ہیں وہ یہ ہیں:
(۱) خاندان بخشی (۲) خاندان ڈبکوری (۳) خاندان ڈاڑھی رنگے (۴) خاندان مناف پوتہ
(۵) خاندان شیخ برہان الدین "جو "مرزا" کہلاتا ہے" (۶) خاندان حفاظ (۷) خاندان ترہ (۸) خاندان وکیلان

(۱) خاندان قزلباش "جو نسلاً ترک ہے" "شاہ اسمٰعیل صفوی نے جن ترکوں کو سرخ ٹوپی پہنائی تھی" وہ قزلباش کے نام سے موسوم ہو گئے"

(۲) خاندان "ڈبر بگہ" "جو ترکمان ہے" "بڑی بڑی پگڑیاں پہننے کی وجہ سے یہ خاندان اس نام سے موسوم ہوا" ان کے علاوہ اور بہت مثالیں موجود ہیں "خاندان قانون گویاں" "خاندان مفتیان" "خاندان مولویان" "بنگالی" "مدراسی" "پنجابی" "گجراتی" "ہندوستانی" "مصری" "ایرانی" "کرمانی" "مشہدی" "بلخی" "نسائی" "بخاری" "ترمذی" "وغیرہ وغیرہ" ان مؤخرالذکر تین ناموں سے "صحاح ستہ" کی تین کتابیں بھی موسوم ہیں" اور یہ نام اُن بزرگوں کے سکنی لقب ہیں "جنہوں نے "حدیثوں کی کتابیں" "صحیح بخاری" "ترمذی" اور "نسائی" "مرتب فرمائی ہیں"

منگاؤلی تعلقہ سدی پیٹھ ضلع میدک مملکت نظام دکن میں "شیخوں کا ایک خاندان "باگ مارو" کہلاتا ہے" ان کے بزرگوں میں سے ایک صاحب کو جنگل میں جبکہ وہ بے خبر تھے شیر نے حملہ کر کے گرا دیا تھا" لیکن آخر کار شیر کو انہوں نے ہلاک کر دیا" اس وجہ سے اس خاندان کا نام ہی "باگ مارو" پڑ گیا" (شیر کو باگھ بھی کہتے ہیں")

صاحب تذکرۂ افغانی نے "لفظ پٹھان" کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ "اوّل مرتبہ یہ لوگ جب ہندوستان میں آئے تو "شہر پٹنہ" میں آباد ہوئے۔ اس سبب سے انہیں "پٹھان" کہنے لگے" ملک "روہ" کے رہنے والے جب ہندوستان میں آئے تو "روہ والے" کہلائے" اور کثرت استعمال کی وجہ سے اب "روہیلے" کہے جاتے ہیں"

فرقہ لوحانی کے مورث کا نام "نوح" تھا۔ اس لئے وہ "نوحانی" کہلایا" مگر اب "نون" کی جگہ "لام" استعمال ہو کر "لوحانی" کہلاتا ہے" "غرضکہ اس قسم کی مثالیں بہت ہیں۔ مگر ہم یہاں اس چند ہی پر اکتفا کر کے اب یہ دکھلاتے ہیں کہ "جس خاندان سے ہونے کا خود "مؤلف امروہوی کو ادّعا ہے" (یعنی عباسی خاندان کا) اُس کا کیا حال ہے۔ اور وہ کن کن القابوں سے ملقب یا ناموں سے موسوم ہے"

(۱) عباسیوں کا ایک خاندان پنجاب میں "ہونڈ" کہلاتا ہے" (۲) دوسرا "جاموٹ" کہا جاتا ہے" مؤلف موصوف نے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۷۶ پر خود تحریر کیا ہے کہ "موضع بوبک ضلع (سندھ) میں "مخدوم زادگان عباسی کا ایک قدیم خاندان ہے۔ جو زمیندار بھی ہیں" سندھی میں زمیندار کو "جاموٹ" کہتے ہیں" یہ حضرات بھی اسی لقب سے ملقب ہیں" (۳) تیسرا کلہوڑا کے نام سے موسوم ہے" جس کے متعلق اسی کتاب کے صفحہ ۷۷ پر لکھا ہے کہ "احمد ثانی عباسی" "معہ چند آل عباس کے "مصر سے ہجرت کر کے "کیچ و مکران" ہوتے ہوئے "سندھ" پہنچے"... یہ خاندان "کلہوڑا" کے نام سے مشہور ہوا" اور صفحہ ۷۸ پر ترقیم ہے کہ "خاندان کلہوڑہ" کی آبادی "ضلع لاڑکانہ" وغیرہ میں ہے۔ (۴) چوتھا داؤد پوترہ سے ملقب ہے۔ جس کے متعلق مؤلف صاحب کا بیان ہے کہ "انہیں کے کلہوڑوں کے) بنی اعمام "حاجی پور" (نواح ملتان) کے قدیمی جاگیردار "مذہباً شیعہ ہیں" امیر داؤد مذکور کی اولاد۔ داؤد پوترہ" کہلاتی ہے")

جب ان تمثیلوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ "کسی مناسبت سے کسی افراد انسانی کا نام رکھ دیا جاتا ہے" تو اس کو ایسی قبولیت عام شہرت ہو جاتی ہے کہ "تمام قبیلہ اور گروہ" اسی نام سے شہرت پذیر ہو جاتا ہے" کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے" کوئی بہ اسم محل" اور کوئی بہ اسم صفت موصوف ہو گئی ہے" تو اس فرقہ کا" اپنے سکونت کے مقام کنبناہ" کی وجہ سے (جس کا حال وہ المشاہیر میں پڑھ بھی چکے ہیں) کنبوہی" اور بعد میں کنبوہ" کے نام سے موسوم ہو جانا" مؤلف امروہوی کو کیوں تعجب میں ڈال رہا" اور ایسا حیران و پریشان کر رہا ہے" جس کی وجہ سے انہیں اپنی کتاب کی مندرجہ بالا

جو پوچھتا وہ کیسے کر جاتا گورنر نے کنگو۔ یہ یعنی تھا سا تھا ہے جیسے انگلی پیچھے سے بولتا نہیں آتا ہو

حضرت مصعب بن زبیر رض کی اولاد ایران میں | صاحب تاریخ گزیدہ نے خاندان کے ملک شہر اپنے وطن قزوین کے مشہور معروف علماء اور علماء کے خاندانوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ زبیریاں کی نسل مصعب بن زبیر بن العوام سے اور مشہور اشخاص علماء و صلحاء تو وہ اور ہے)

زبیری خاندان کے صفاتی لقب "کنگو" ہونے کی ایک اور شہادت

اس خاندان کے لقب "کنگو" کے متعلق رسالہ شمس العارفاں کے بیان کی تصدیق صاحب شجرہ سہروردیہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو مصنف شجرۃ الاصفیاء آثارہ، ثمرۃ المشائخ و سلاسل اولیائے کرام۔ میاں احمد خان اکبرشاہی صاحب تاریخ معدن اخبار احمدی۔ المتوفی اوائل زمانہ سلطنت شاہنشاہ جہانگیر کی دوسری تصنیف ہے اور کتب خانہ ریاست رامپور میں موجود ہے اس کے صفحہ ۱۳ پر تحریر ہے کہ

چونکہ بے شائبہ ریا شیوہ ایشاں صوفی اعتقاد و نو عزم اتحاد حضرت شیخ مرکز گویان جو کرعلم اعظم کنگو سیرت نامہ دہر بہمہ خاندان عالیشان تمام تر احکام بودیاست و دفرقات کرم خدا در مسلماناں و انواع رعایت و اعانت رعیت مخصوص و مسلم تو دہ اند علی الخصوص آباؤ اجداد سید و کرو بر ملیان من شناس لانو خلفاء انبیاء اعتبار ریا موں علم و فضل و رشد و اعتقاد و آداب صوفیانہ ہستند و مظہر آیات اس خاندان بہر در در بعد متاز صوابط عنکداری شجرہ شریف و نسب مرحوم مے گردد

اس میں کسی ریاکاری یا دم کا شائبہ نہیں ہے کیونکہ وہ کنگو یاں کے ساتھ جو عوام میں غلطی سے کنگو کے نام سے شہرت پکڑ گئے ہیں۔ عقیدت سے اعتقاد رکھے اور لزوم کی فرید کا مصر اس خاندان عالیشان سے احکام پہ رہے اور خدا کا احسان کرم ہے کہ ہر زمانہ میں اسلام کی اور رعایت اور ہر قسم کی ترتیب سے مخصوص اور ممتاز ہے ہیں جس کے پیر کا نام خاص حق شناس بڑھ وہاں اور اعتقاد مطلقاً ہر قسم کے علم و فضل اور کچھ اعتقاد اور بے نظیر صوفیوں کے آداب مظہر آیات اس خاندان بہر دور کے ہیں اور اس گوئی کی خاطر چند حرف شجرہ سے لکھے جاتے ہیں۔

تاریخی شواہد کے خلاف مسٹر ٹیکس کے غلط اور پوچ بیان و قیاس کو پیش کرنے پر مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

ان بیانات سے صاف طور پر معلوم ہوگیا ہے کہ اس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ کنگو شاہ یا کنگو کے لقب جو ان کے خاندان کے ملتوں سے درست ہو اور اوصاف کی وجہ سے ان کے لئے مخصوص ہو گئے تھے لکھے اور بولے جاتے تھے پھر کثرت استعمال کی وجہ سے "مشہدی" "بخاری" "ترمذی" "نسائی" "شامی" "ہروی" اور "لکھنوی" "دہلوی" وغیرہ وغیرہ کی طرح۔ جو نسبتی لقب کنگوہی شان کا تھا وہ بھی لکھا اور بولا جاتا تھا اور جو بیان مسٹر ٹیکس کو اپنے خاندانی خطاب کنگو کے متعلق زبیری کنگوہی بزرگوں نے دیا تھا وہ بالکل صحیح ہے۔

مسٹر ایلیٹ اور مسٹر ٹیکس کی اس رائے کا کشف اور ایسی تحریریں کہ اگر اس کو ہم اوپر وضاحت سے آئے ہیں اس کے ان کی محض قیاس پر مبنی ہونے کی کوئی ایسی صورت نہیں ہے جس کو ہم نے تاریخی شواہد پیش کر کے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے"

اب ہمیں مؤلف امروہوی سے عرض کرنا ہے کہ ایسے پوچ بیانات کے پیش کرنے سے اگر آپ کوئی بات کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کے فہم کی غلطی ہے جس طرح ایک صاحب نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا تھا۔ اور وہ اس نام کی وجہ سے شاہجہان یا جہانگیر نہیں ہو گیا تھا۔ اسی طرح واقف اور غرض مند لوگوں کی باتوں اور قیاسات کو پیش کرنے سے جن میں حقیقت کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے اس کو کوئی بھی صحیح نہیں مان سکتا۔ اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے۔ بڑے بڑے عالموں نے بھی راتوں کی نیندوں کو اپنی آنکھوں سے غائب کر دیا ہے اور صرف کرتے ہیں اس تحقیق کیلئے ما نگنے کے بعد کی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں اور اس صداقت کو خندہ پیشانی سے ماننا پڑتا ہے۔

رہے اگرچہ پرستاری کے وسیر براہی سپاہ بکم تھا۔ بودنا اگر تقلید پرستی وا بشتنے — ہر طرح خدمت اور سربراہی سپاہ میں اپنی آپ نظیر تھے۔ اگر تقلید پرستی یعنی تمام
وزباں را بتب ہتجاد یہ نہ کشودے یہ طراز فرد بید کی بر کرفتے۔ — چھوڑ دیتے اور زبان کو قابو میں رکھتے تو اُن کا مرتبہ اور بھی بلند ہوتا۔

ابوالفضل کے اِن فقرات سے "نواب شہباز خاں" کے دین الٰہی اکبر شاہی کی تذلیل کرنے اور شاہنشاہ سے تیز و تند کلام کرنے پر بخوبی روشنی پڑ گئی ہے" اور نواب صاحب سے ابوالفضل کے کینہ کا حال بھی خوب طرح ظاہر ہو گیا ہے۔ نیز یہ بات بھی اچھے طور سے ثابت ہو گئی ہے کہ اگر نواب شہباز خاں کے تعصب میں ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو ابوالفضل جیسا اُن کا مخالف اپنی تحریر میں اُسے ضرور اُجاگر کر کے دکھاتا۔ لیکن اس بارے میں وہ بالکل خاموش ہے۔ جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ "امیں نے جو التباس اُن کی قومیت میں ڈالنا چاہا تھا۔ اُس میں اُسے شکست فاش نصیب ہو چکی تھی" اور اُس کی اِس جعل سازی کا حال الم نشرح ہو چکا تھا۔

اب رہی یہ بات کہ "نواب شہباز خاں کی" اِس جسارت پر جو انہوں نے شاہنشاہ سے تیز و تند کلام کر کے دکھائی "شاہنشاہ نے انہیں کوئی سزا کیوں نہیں دی" یا کم از کم خدمت سے ہی علیحدہ کیوں نہ کر دیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے "یہ مذہب کا معاملہ تھا" پہلے ہی مُلّا یزدی کے فتنے کے سبب سے اپنے صوبوں "اودھ" "جونپور" اور "بنگالہ" وغیرہ میں "فرخودی" "عرب بہادر" اور "معصوم خاں کابلی" مع دوسرے چند خانین اور اکبر کے بھائی میرزا عبدالحکیم حاکم کابل "برگشتہ ہو کر ملک میں کافی ابتری پیدا کر چکے تھے" اگر نواب شہباز خاں "جیسے جری" اور نامور بہادر وہ دولت مند سر و اپر دست درازی کی جاتی" تو یقیناً معاملہ اس نزاکت کو پہنچ جاتا "کہ پھر کچھ بھی بنائے نہ بنتی اور سلطنت کی چولیں بالکل ہل جاتیں"

تاریخ دان حضرات واقف ہیں اور ابوالفضل کا مندرجہ بیان بھی اس پر گواہ ہے کہ "نواب شہباز خاں" جیسا منتظم "اور کارگزار افسر کوئی دوسرا نہیں تھا" تخت سے وفاداری بھی اُن کی مسلّمہ تھی "وہ فطرتاً کوئی دباؤ برداشت نہیں کرتے تھے اور کسی اِبتلا سے کبھی پریشان نہیں ہوتے تھے" وہ اپنی اِن خوبیوں اور ہمت و استقلال کی وجہ سے ہمیشہ اُن میدان ہائے جنگ میں جا کر جہاں بڑے بڑے نامدار عاجز ہو جاتے تھے "فتوحات حاصل کر لیا کرتے تھے" اگر شاہنشاہ اُنہیں اپنے ہاتھوں سے کھو دیتا "تو اُن کے مثل اُسے کوئی دوسرا سردار ان صفات کا ملنا ممکن نہیں تھا" اور نہ یہ بغاوتیں جن کا اُوپر ذکر ہوا ہے "فرو کی جا سکتی تھیں"

غرضکہ یہ ثابت ہے کہ "شاہنشاہ نے اُن کے تیز و تند کلام برداشت کئے۔ اور وہ اپنے تا دمِ آخر نہایت شان و شوکت سے فتوحات میں مصروف رہے" جب شاہنشاہ نے "رانا پر آخری مہم بھیجی" اُس وقت آپ کو "شہزادے ولیعہد سلطان سلیم" (یعنی شہنشاہ جہانگیر) کا اتالیق اور اس فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا تھا۔ اجمیر "جب آپ پہنچے تو ستّر برس کی عمر میں ۱۰۰۸ ہجری میں آپ کا انتقال ہو گیا"

امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے کا تقرر گورنری عراق و فارس وغیرہ پر

اِتنا دکھا چکنے کے بعد اب ہم "ترجمہ طبری جلد سوم حصہ دوم کے صفحہ ۳۶ سے لیکر حضرت حمزہ بن امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کے گورنر عراقین و فارس و خراسان ہونے کا حال لکھتے ہیں کہ "۶۸ ہجری میں ان کے والد بزرگوار امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ نے اپنے بھائی "حضرت مصعبؓ" گورنر عراقین و فارس و خراسان وغیرہ کی حکومت سے جبکہ وہ "مختار کے استیصال کے بعد ایک سال "کوفہ میں" مقیم رہے تھے "بصرہ" کال کر اُنہیں (یعنی حمزہ کو) اُس کا حاکم بنا یا تھا"

ترجمہ فتوح البلدان بلاذری جزو دوم کے صفحہ ۲۹ پر ہے کہ "مجھ سے ابو مسعود نے کہا اور اُس سے "عوانہ" نے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے "حمزہ بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کو "بصرہ کا والی بنایا" وہ الاہواز "(علاقہ فارس) کی طرف گئے" اور اُس کے پہاڑ کو دیکھ کر کہا۔ یہ تو "قُعَیقعان" کا سا ہے "الثوری کہتا ہے کہ "فارسی میں" الاہواز کا نام "ہوز مہر" تھا "عربوں نے "الاخواز" کہا اور مرور ایّام سے "الاہواز" ہو گیا"

حضرت مصعب بن زبیرؓ کا شیر خوار بچہ "کمکو" یا "گورنر اصفہان"

ترجمہ طبری جلد دوم حصہ دوم کے صفحہ ۱۱۱ پر ۶۸ ہجری کے حالات میں لکھا ہے کہ "اسمٰعیل بن طلحہ بن مصعب بن حضرت زبیرؓ" "اصفہان" آپ کی جاگیر میں تھا "اور عتاب بن ورقاء" اُس کے حاکم تھے "دیوانِ اسمٰعیل چھوٹے بچے تھے "آپ کی خورد سالی کی وجہ سے "عتاب بحیثیت اُن کے نائب کے "اصفہان پر حکومت کرتے تھے")

طبری کا یہ بیان اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ "ایرانی" اپنے اِس ننھے سے گورنر کو "کمکو" کہتے تھے "جب وہ آپس میں باتیں کرتے یا کوئی اُن سے

جمہوریہ کے ہیں" مخفف یا محرف بہ کثرت کرتے "لکھا اور بولا جاتا ہے" (دیکھو مدینہ بجنور ۲ مارچ ۱۹۲۹ء کیا کم یا کمگو" کے معنی "مدبر" "متصرف" یا وزیر و حاکم صوبہ کے ہیں" دیکھو کتاب تفصیلی کا میدان جنگ" معنفہ سر اشیٹ اڈلیٹ ممبر پارلیمنٹ انگلستان مترجمہ مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور صفحہ ۲۴۲

مؤلف امروہوی کی بہم پہنچائی ہوئی مندرجہ ذیل مثالوں کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو "اس تعبیری کیتھوی خاندان کا" جس میں ہر زمانے میں "اور "ترکی سلطنت غزنویہ" نیز ترکوں کی سلطنت اسلامیہ دہلی کے قیام سے مغلیہ سلطنت کی ابتری کے وقت تک مسلسل "وزراء" امراء" سپہ سالار و گورنر، دبیر و مشرف" شیخ الاسلام" قاضی و مفتی" وغیرہ وغیرہ ہوتے رہے ہیں" کسی ترکی خانوادے کی سلطنت میں "کمگو" (یعنی خاندان وزراء) کے لقب سے ملقب ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے"

خاندان و اقوام" جو اپنے "صفاتی اور سکنی" یا پیشوں کے ناموں سے شہرت پذیر ہیں"

ہندوستان میں بہت سے سادات و شیوخ "مغل و ترک" اور "پٹھانوں کے خاندان اپنے بزرگوں کے سکنی مقامات" شاہی خطابات" عہدوں اور پیشوں وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہیں" مؤلف امروہوی کی "تاریخ امروہہ جلد اول کے صفحہ ۱۹۲ پر ہے کہ "صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ۔

(۱) ایک گروہ ملقب "بہ قاضی زادہ" اس کے بزرگ "حضرت شاہ ولایت کے ہمراہ یہاں آئے"

(۲) خاندان ملقب بہ نوگیان "حضرت شاہ نصیر الدین چشتی قدس سرہ کی نسل سے ہے" جس کا سلسلہ نسب سید محمد اشرف ابن امام زین العابدین تک منتہی ہوتا ہے" امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے" اور زیادہ تر "محلہ نوگیان" میں ساکن ہیں" شاہ صاحب کے عم محترم سید عزیز الدین کی نسل سے ایک بڑا خاندان "موضع نوگانوہ" میں ساکن ہے"

(۳) حضرات نخشبی کا خاندان "بھی امروہہ میں قدیم اور معزز خاندان ہے۔ نخشب کو عرب کے جغرافیہ نویس "نسف" بھی لکھتے ہیں" یہ مقام "بخارا" اور "سمرقند کے درمیان واقع ہے" موجودہ زمانہ میں اسی مقام پر "شہر قرشی" بسا ہوا ہے" اور صفحہ ۱۸۲ و ۱۸۳ پر ہے کہ "

(۴) خاندان دانشمندان" اس خاندان کے جد القبیلہ" مولانا سید اشرف صاحب دانشمند" عہد جہانگیری میں" امروہہ آئے" ابتدائے عہد مغلیہ میں نیز اس سے پیشتر سے ان علماء و فضلاء کو جنہیں کوئی تبحر علمی حاصل ہو" دانشمند" سے ملقب کرتے تھے" اسے زمانہ حال کے "ایم اے" کی ڈگری کے مساوی سمجھئے۔ مولانائے موصوف کی اولاد اسی لقب کی بنا پر "خاندان دانشمندان" سے مشہور ہوئی" اور ان کا اقامت گاہ بھی اسی نام سے موسوم ہوا"

(۵) سادات بارہہ ملقب بہ جردیہ" ان کے مورث مقام جرودہ (ضلع میرٹھ) سے آئے اس لئے "جردیہ" مشہور ہوئے" اور صفحہ ۱۸۵ پر ہے کہ

(۶) خاندان حضرات دستار کلاں (ترکیہ) اپنا سلسلہ حضرت سید جلال اعظم گل سرخ بخاری تک پہنچاتے ہیں" اور صفحہ ۱۸۶ و ۱۸۷ پر ہے کہ۔

(۷) ایک گروہ ملقب بہ سنگرہ" ہاؤ قصبی ہے" صاحب آئینہ عباسی نے لکھا ہے کہ "عرف عام میں" سنگڑے" مشہور ہے" صاحب تاریخ اصغری" سنگڑے کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں "مورث اعلیٰ ان کے "شاہ حاد ند غازی" مقام سنگڑ" علاقہ پنجاب سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے" لہذا "سنگڑے کہلائے" اور صفحہ ۱۸۸ پر ہے کہ۔

(۸) خاندان چودھری صاحبان "آخر عہد اکبری میں" قصبہ سکیٹ سے آکر" امروہہ میں آباد ہوئے" اس لئے سکیٹی مشہور ہیں" مگر جعفری ہیں"

(۹) صفحہ ۱۹۱ پر ہے کہ "ایک گروہ ملقب چڑیا" عباسی کہتے ہیں" (بعض حضرات چڑیا کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان کے مورث چڑیا کوٹ ضلع اعظم گڑھ سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے" امروہہ آئے" اس لئے "چڑیا کوٹی عباسی کہلائے" کثرت استعمال سے "چڑیا کوٹی کا" صرف چڑیا رہ گیا" واللہ اعلم" لیکن چڑیا کوٹ کے خاندان عباسیہ کے شجرہ میں اس شاخ کا کوئی ذکر نہیں ہے"

(۱۰) صفحہ ۱۹۳ پر ہے کہ "کچھ شیوخ محلہ لانہ میں" ملقب بہ ڈیکوری" شیخ صدیقی ہیں"

(نوٹ ۱) مؤلف امروہوی نے "چڑیا کوٹ کو "ڈاٹ" لکھا ہے" جو غلط ہے" (ح الف)

"خاندان" "بھٹہ" "بھٹی" "بھٹہ" "بھٹی" "بھٹانی" "بھاٹی" "بھٹنا جارجی" "بھوٹالی" "بھوٹی" "بھٹنبری" اور "بھٹانی" اور "ہزدہ" "ہروانی" بھی ہیں مگر ناموں کی یکسانی کی وجہ سے یہ ایک نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف النسل ہیں اور نہ دنیا کا کوئی محقق ان کو ایک خاندان کی مختلف شاخیں ثابت کرسکتا ہے۔

اسی طرح لفظ "کنبوہ" جو "کنبوی" کی "ی" کے کتابت یا چھوٹ جانے سے بنا ہے۔ لفظ "کمبو" سے "جو" "کم" اور "بو" سے مرکب ہے "کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ان میں سے "لفظ کنبوی" اور "کمبو" "زبیری قریشی" خاندان کے لئے "ان کے قدیم سکونت کے مقام "کنباہ" کے تعلق کی وجہ سے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ جلد اول کے صفحہ ۳۱۲ پر ۹۵۹ ہجری کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ "شیخ عبدالحی ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی" اور "مخزن افغانی" نے "ورق ۸۹" پر لکھا ہے کہ "شیخ سماؤ الدین کم کوئی المشتہر کنبوی دہلوی" اور شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے "دربار اکبری" میں بضمن حالات "شیخ گدائی" لکھا ہے کہ "ان کے والد "شیخ جمالی" سکندر لودی کے عہد میں شعراء باکمال میں شمار ہوتے تھے" اور "شیخ جمالی" "کنبوی" "دہلوی" کہلاتے تھے"۔

اور "قوم کمبو" ہندوستان کی ایک قدیم قوم ہے جو "دریائے جمنا سے دریائے سندھ" تک مختلف اضلاع میں کم و بیش بسی ہوئی ہے" جس میں "ہندو" "مسلمان" اور "سکھ" تینوں مذاہب کے لوگ شامل ہیں" اور جس کے متعلق مسٹر ازبلڈ اور عبداللہ بالبرقی کے بیانات ہم باب پنجم میں لکھ آئے ہیں۔ اگر "مسٹر ایٹکسن کو" "زبیری کنبوی خاندان" اور "قوم کمبو" دونوں کے ناموں میں التباس پیدا ہوگیا تھا تو مؤلف امروہوی کا فرض تھا کہ وہ اس التباس کو اپنی تحقیقات سے رفع کرتے لیکن وہ ایسا کرتے تو ان کا مقصد فوت ہوجاتا۔ انہوں نے تواریخ سے منہ پھیر کر اور اس سے بالکل قطع نظر کرکے حسب معمول مسٹر ایٹکسن کی ناواقفیت سے بھی فائدہ اٹھانا اور ان کی اس غلط قیاسی رائے کو پیش کرنا ضروری جانا ہے۔ وہ اپنے ناظرین کو اسی دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں جس میں "مسٹر ایٹکسن" نے اپنے بیان سے اپنی قومی غرض کے ماتحت اپنے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے" ان کی ایسے بیانات سے جو غرض ہے اسے ہم دیگر یوروپین لوگوں اور سر ہنری ایلیٹ کے ان مقاصد و اغراض کو جن کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے ایسی کتابیں لکھیں ہیں۔ پچھلے باب میں صراحت سے ظاہر کرآئے ہیں۔

مسٹر ایٹکسن اور ایلیٹ وغیرہ کی تحریرات پر مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا تبصرہ

اس موقع پر مولانا حسین احمد صاحب مدنی پرنسپل مدرسۃ العلوم دیوبند کے خطبۂ صدارت کا جو جمعیۃ العلماء لکھنؤ میں دیا گیا وہ حصہ جو سر ایلیٹ اور مسٹر ایٹکسن دونوں کے متعلق ہے لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں" مولانا نے فرمایا کہ "سابق مصنفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جس زبان میں وہ کتاب لکھتے ہیں اس کا آغاز اسی انداز سے کرتے تھے جو اس زبان کی کتابوں کا عام طریقہ ہوتا تھا۔ مسلمان اگر ہندی میں کتاب لکھتے تھے تو اس کے مناسب الفاظ شروع میں لاتے تھے" ہندو مصنفین اگر فارسی زبان میں کتاب لکھتے تھے تو اس کو بسم اللہ سے شروع کرتے اور فارسی زبان کے محاورات کے مطابق تعظیمی الفاظ لاتے تھے" مثلاً وہ قرآن کو قرآن شریف لکھتے تھے" لیکن یہی سر ایلیٹ جس کی تاریخ کی پہلی جلد آج سے پورے سو سال پہلے یعنی ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی۔ اس پر ناراض ہیں کہ ایسا کیوں کیا جاتا ہے" چنانچہ آپ اسی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بڑا افسوس ہندو مصنفین پر آتا ہے جن سے ہمیں توقع ہوسکتی تھی کہ اس قوم کے محسوسات توقعات "اور معتقدات" ہمیں معلوم ہوتے مگر وہ تو احکام اور ہدایات کے مطابق لکھتے ہیں" "ماہ محرم کو محرم شریف" اور قرآن کو کلام پاک لکھتے ہیں۔ اپنی تحریرات کو بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں یہ ہی مصنف دوسری جگہ اس بات پر ناراضی کا اظہار کرتے ہیں" کہ ہندو مؤرخین پہلے بادشاہوں کی تعریف اور انگریزی حکومت پر تنقید کیوں کرتے ہیں" آگے چل کر مولانا نے اس اپنے خطبۂ صدارت میں "مسٹر ایٹکسن وغیرہ" کے متعلق جو بیان فرمایا ہے کہ وہ یہ ہے کہ "برطانیہ کی باقیات خبیثہ میں سے ایک وہ طومار ہے جس کو ہندوستان کی تاریخ جدید کہا جاتا ہے اور عرصہ سے اسکولوں کے کورس میں داخل ہے" یہ تاریخ ہندوستان کی تاریخ نہیں بلکہ سر ہنری ایلیٹ یا سر ایٹکسن ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم جیسے مخصوص برطانوی دماغوں کا اختراع ہے" تاریخ میں گذشتہ واقعات نقل کئے جاتے ہیں" بنائے نہیں جاتے"

لیکن اس تاریخ میں "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کو کامیاب کرنے کے لئے" واقعات بنائے گئے ہیں نقل نہیں کئے گئے" اسی دور میں جس کا ذکر اوپر ہوا" لارڈ مکالے نے" انگریزی زبان میں تعلیم کی وکالت کرتے ہوئے یہ وجہ بیان کی کہ "ہمیں ایسے ہندوستانی چاہئیں جو رائے اور فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں" اس لئے رائے اور فکر کو انگریزی سانچے میں ڈھالنے کے لئے" پہلا کام یہ کیا گیا کہ ہندوستان کی تاریخ کو اس قدر مسخ کیا گیا جس سے نوجوانوں

کے صاحب گزیٹر بریلی مطبوعہ ۱۸۷۹ء لکھتے ہیں کہ "جوہر کے ہمدو کسوؤں کے متعلق میں تفصیل میرٹھ میں دو موضع ہیں اور مسلمان کلسوہیوں کی ملکیت میں گیارہ ہیں (ص ۲۳۰ و ۲۴۸)۔

صاحب تحقیق الانساب کی پیش کردہ۔ مسٹر اٹیکنس بی اے کی اس قیاس آرائی کے متعلق یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہم نے باب ہم میں جہاں۔ سر ہیری ایلیٹ کی غلط بیانیوں کا انکشاف کیا ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ سلطان محمود غزنوی غازی رحمتہ اللہ علیہ پر ہمدوؤں کو مسلمان بنانے کا الزام قطعاً بے بنیاد ہے افسوس کی وہ برا راست تعلق ہیں ہے وہاں مؤلف امروہوی کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم سے کر اُن کے وہ بیانات بھی پیش کئے ہیں جن میں انہوں نے صاحب گزیٹر مراد آباد کے نوشتوں کا غلط ہونا ظاہر کیا ہے اور جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی ہے کہ خود مؤلف موصوف انگریزوں صاحبان گزیٹرس کی تحقیقاتوں کو خود بھی قابل اعتبار و استفادہ نہیں مانتے ہیں لیکن اس جگہ جو انہوں نے اسی طرح کے ایک ایسے شخص کا بیان پیش کیا ہے جس کی تحقیقات کا مدار محض اس کے قیاس پر ٹکا ہے تو کیا اس سے یہ بات صاف طور سے ظاہر نہیں ہو گئی ہے کہ۔ انہیں اپنے حصول مقصد کے لئے ایسے بیان پیش کرنے میں کوئی باک نہیں ہے جن کی قیمت اُن کے نزدیک بھی کچھ نہیں ہے۔

انہوں نے اپنے خاندان کے متعلق کسی تاریخ و تذکرہ میں حالات نہ ملنے سے مجبور اور لاچار ہو کر سب اور شجرے کے صحیح ہونے کا مدار صرف اپنے خاندانی یا گھریلو روایات پر رکھ کر اصرار کیا ہے کہ ان کی اُن روایتوں کو آیت و حدیث سمجھ کر سب لوگ قبول کر لیں مگر جب وہ اپنی کتاب تحقیق الانساب جلد چہارم کے صفحہ ۳۲۳ میں دوسروں سے اس بارے میں تاریخی و جغرافیائی شہادتیں طلب کرتے ہیں اور اُن میں سے کسی کی روایتوں کو ہرگز یقین نہیں کرنا چاہتے تو ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ اُن کے پیش کردہ مسٹر اٹیکنس کے اِن بیانات میں کون سی تاریخی شہادت موجود ہے اور کیسی تحقیق ہے کہ انہوں نے ایک ناواقف شخص کے قیاس ہی پر یہاں اپنی تحقیقات کا مدار رکھ کر اور ہی خیال کر لیا ہے۔

اقوامِ ہند کے حالات سے مسٹر اٹیکنس کی ناواقفیت اور اُن کے قیاس آرائی کی حقیقت

مسٹر اٹیکنس نے تحقیق و تلاش۔ یا تاریخوں کی بہم رسانی اور ورق گردانی کی زراسی محنت بھی گوارا نہیں کی ہے اور نہ "زبیری" "کلسوی" حضرات کے اپنے خاندان کے متعلق بیانات کو بھی نظر انداز کر کے صرف اپنے قیاس کا اظہار کیا ہے کہ ایک غیر ملک کا باشندہ ہونے کی وجہ سے۔ اجنبی زبان کے قریب المخرج یا ایک تلفظ رکھنے والے مختلف المعنی الفاظ میں وہ کوئی تمیز نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے "زبیری" خاندان کے نسبتی لقب "کلسوی" کو جو کہیں کہیں کتابت کی غلطی سے "کسوہ" لکھ گیا اور بعد میں لوگ بھی جانے لگا اور قوم کسوہ کو ایک سمجھ لیا اور وہ یہ بات بالکل نہیں جان سکے کہ اردو زبان میں بہت الفاظ ایسے ہیں جن کا تلفظ ایک ہی ہے مگر ان کے معانی و مطالب میں بعد المشرقین ہے۔ مثلاً دو لفظ "صبح" اور "سبح" ہیں جن کا تلفظ ایک ہے مگر اُن کے مطالب و معنی الگ الگ ہیں جن میں کوئی تعلق کسی طرح کا نہیں ہے البتہ اُن کے املے میں فرق ہے اور یہ فرق اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اگر اُن کو ایک ہی طرح سے لکھا جائے تو اُن عبارتوں کے پڑھنے میں جن میں اپنے اپنے مواقع پر یہ الفاظ لکھے جاتے ہیں اُن کے سمجھنے میں بڑی الجھن پیدا ہو جائے گی۔ بعد زبان ہی میں مختلف مسائل

(نوٹ ۱)

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی	ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی	(غالب)
رہن رکھ اکر میرا عمامہ دلوا دوں شراب	زاہدا تجھ کو کروں مست اسان وہی	(ناسخ)
چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد	گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی	(غالب)
کرتا نہیں کسے کا گلہ ماتے ہیں آپ	سر کا طرہ کو دیکھئے میں تار میں سہی	(رشک)
تم کو کہی سہی ادا ہی تیا جیسا سہی	سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی	(رشک)

ہاتھ فروخت کیا تھا۔" یہ عورت اپنے اس بچہ کو قریباً روزانہ دیکھنے کو آیا کرتی اور روروا کر یہ کہا کرتی تھی کہ اے (دا تا میرے) کونسا دن ہو گا جب میرا بچہ اس قابل ہو گا کہ کڑھے میں بیٹھکر تیلے پر ہاتھ مارے گا"

خاندان برکاتیہ مارہرہ کے "سید آل نبی" کو بھی اسی کیفیت سے جس کا نام "محمدی" تھا خریدا تھا جس نے "محمد میر" عرف فرحت میاں کو خرید لیا تھا"

رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب "جلدہ ۴ نمبر ۲۱ بابت ماہ جولائی و اگست ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۱۵ پر منشی پریم چند صاحب بی-اے کے قصے "ماں کا دل" میں تحریر ہے کہ"

بیوی - مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ خدا اسے ہمارے ہاتھ سے چھین نہ لے" سچ کہتی ہوں مجھے اسے گود میں لیتے ڈر لگتا ہے" اسے تم آج سے اپنا ہی سمجھو" تمہارا ہو کر شاید بچ جائے" ہم تو بد قسمت ہیں" ہمارا ہو کر اس پر ہمیشہ مصیبت آتی رہے گی" آج تم اس کی ماں ہو جاؤ" تم اسے اپنے گھر لے جاؤ" جہاں جی چاہے لے جاؤ" تمہاری گود میں دیکر مجھے کوئی فکر نہ رہے گی" اصلیت میں تم ہی اس کی ماں ہو" میں تو راکھشی ہوں"

ماد معوی - بہو جی" خدا سب اچھا کرے گا" کیوں جی اتنا چھوٹا کرتی ہو"

مسٹر باگچی - نہیں نہیں بوڑھی ماں" اس میں کوئی حرج نہیں" میں اپنے خیال سے تو ان باتوں کو ڈھکوسلا ہی سمجھتا ہوں" مگر دل سے دور نہیں کر سکتا" مجھے خود میری والدہ نے" ایک دھوبی کے ہاتھ بیچ دیا تھا" میرے تین بھائی مر چکے تھے" میں جو بچ گیا تو ماں باپ نے سمجھا کہ بیچنے ہی سے اس کی جان بچ گئی" تم اس بچے کی پرورش کرو" اسے اپنا لڑکا سمجھو" خرچ ہم برابر دیتے رہیں گے" اس کی کوئی فکر مت کرو" جب ہمارا جی چاہے گا آکر دیکھ لیا کریں گے"

غرضکہ اسی طرح کنیز فاطمہ" بھی اپنے گھر کی مہترانی کے ہاتھ فروخت کردی گئی تھی" اور اس خیال سے انہیں اس مہترانی کی بیٹی بنا دیا گیا تھا کہ" شاید وہ اسی کے نام سے جی جائیں"

باب دہم

"کمبوہ حضرات کے "ہندی الاصل" ہونے کے متعلق "مسٹر ایٹکنسن بی-اے- (بنگال سول سروس) گزیٹیئر صوبجات متحدہ "جلد سوم (حصہ دوم مطبوعہ ۱۸۷۶ء) میں صفحہ ۲۹۲ پر لکھتے ہیں کہ "کمبوہ" اب تک اس ضلع" (یعنی میرٹھ) میں "ہندو کمبوہ" موجود ہیں- اور عام روایت یہ ہے کہ "مسلمان کمبوہ" اصلاً ان ہی میں سے ہیں" "خود کمبوہ" یہ بیان کرتے ہیں کہ "قدیم الایام میں ہمارا خاندان "شہر غزنین کا ایک ممتاز خاندان تھا جو "کم" گو" سے جو فارسی کے "مصدر "گفتن سے مشتق ہے" موسوم تھا" اس خیالی اشتقاق کے متعلق ان کا یہ ادعا ہے کہ" اس زمانہ میں یہ خاندان "گفتار کا کم" اور "کردار کا زیادہ تھا" جب محمود غزنوی "ہندوستان پر فوج کشی کی غرض سے روانہ ہوا تو اس خاندان کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہولئے "میرٹھ کے" راجہ مائی کا قلعہ فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی - اور یہ لوگ یہیں متوطن ہو گئے - ان کا یہ دعویٰ ہے کہ "حسن محمودی (مہندی) نام "ایک کنبوہ" غزنوی کا وزیر تھا" شہر کی جامع مسجد" اسی کی معمرہ ہے" یہ مسجد اس وقت تک موجود ہے" ان کا بیان ہے کہ اس مسجد کے اطراف میں "وہ غازیان قوم کنبوہ" مدفون ہیں جو "میرٹھ" کے معرکہ جدال و قتال میں مقتول ہوئے" اس کے بعد سوائے "خواجہ صدرالدین" اور خواجہ مہتا" کے اور سب "کمبوہ" میرٹھ" سے چلے گئے "موجودہ کنبوہ" ان ہی دو شخصوں کی اولاد سے اپنے آپ کو بیان کرتے ہیں"

لیکن زیادہ قرین قیاس یہ روایت ہے کہ "کنبوہ قوم کے لوگ "ابتدائے (عہد اسلامی) میں ہندو قوم سے مسلمان ہوئے "ضلع میرٹھ میں "مسلمان کنبوہوں کے علاوہ "ہندو کنبوہ" بھی موجود ہیں"

خوش تدبیر تھے" "معتمد الدولہ (آغا میر وزیر اعظم) ان کے بغیر مشورہ کوئی کام نہیں کرتے تھے"۔

اور "**تاج الدین حسین خاں**" "ذی عقل" "ارسطوئے عہد" تھے "کنبوہوں میں ایسا آدمی کم گذرا ہے" "سوانح سلاطین اودھ" جلد اوّل صفحہ ۲۱۳ پر **کمال الدین حیدر حسنی الحسینی** "نے لکھا ہے کہ "نوابانِ اودھ" کی جانشینی کے مسئلہ پر ان دونوں کی رائے کو بڑا دخل تھا۔ اور اِسی وجہ سے یہ لوگ "**بادشاہ گر**" کے لقب سے آج تک لکھنؤ میں یاد کئے جاتے ہیں"۔

علاوہ اِن بزرگوں کے اِن کے سب صاحبزادے بھی بہت نامور اور صاحب اثر تھے" بادشاہ **نصیر الدین حیدر** کے انتقال کے بعد "**فریدوں بخت**" "تخت پر بیٹھ گئے تھے" "مگر دفعتاً "**احسان حسین خاں اِبن سبحان علی خاں کنبوہی**" "کی آمد سنکر کمرے میں چھپ گئے اور اُن کے خوف سے "اُن کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی" "**احسان حسین خاں**" "**محمد علی شاہ** کو سلطنت کی مبارک باد اور نذر دیکر رخصت ہو گئے"۔ (سوانح سلاطین اودھ)

احسان حسین خاں اپنے جلسہ میں علانیہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ "بڑے مشکل کاموں کو ہم ہی حل کرتے ہیں" "**روشن الدولہ**" (وزیر اعظم) میں اس قدر قابلیت کہاں تھی کہ وہ سلطنت کے کاموں کا بوجھ سنبھال سکتے" "اس لئے کل بڑے کاموں میں "**سبحان علی خاں** کا مشورہ کام کرتا تھا۔ اور چھوٹے کاموں میں "**احسان حسین خاں**" کو مداخلت تھی"۔ (تاریخ اودھ صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶)

امجد علی شاہ کے انتقال کے بعد "**واجد علی شاہ** بادشاہ تخت نشین ہوئے تو اُن کے اِکتالیس[۴۱] درباریوں میں "**نواب مظفر حسین خاں اِبن نواب سبحان علی خاں**" بھی تھے"۔ (فہرست درباریان جلد دوم صفحہ ۳۱)

غرضکہ "**خوانین کنبوہی**" ہی کی رائے پر کاروبارِ حکومت چل رہے تھے۔ اور اُن ہی کے اِشاروں پر وزراء کا عزل ونصب ہوتا تھا" اِنہیں کا گھر معین خاص وعام تھا" جب اِن خوانین سے "منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں" "وزیر اعظم کی اَن بَن ہو گئی تو اُس کے نتیجہ میں "منتظم الدولہ" معزول کئے گئے"۔

اِن کنبوی خوانین کے علاوہ "اِس سلطنت میں" "**افغان**[۱]" اور "**کشمیری**" "خوانین بھی اچھے نامور اور اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے" اور یہ تینوں گروہ گویا اپنی اپنی برتری کے لئے رسّہ کشی کیا کرتے تھے" "مگر دوسرے فریق اُن کے اثر اور اقتدار کو دیکھکر دم بخود تھے اور حسد کی آگ میں جلتے رہتے تھے" "چنانچہ اِنہیں حاسدوں میں سے کسی "مجہول النسب شخص نے (کہ جس کو اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہوئی") یہ قطعہ جس کا ایک شعر "مؤلف امروہوی نے نسب کی بحث میں پیش کیا ہے" لکھکر اپنے حسد کے پھپھولوں کو پھوڑنے کی کوشش کی ہے" اُس زمانے میں جس جس طرح سے دلوں کے بخار نکالے جا رہے تھے" ان کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں"۔

اعتماد الدولہ سیّد فضل علی خاں دہلوی کی وزارت اودھ کی ہجویہ تاریخ" کتاب مضامین فرحت حصّہ ششم کے صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ پر تحریر ہے کہ "جب اعتماد الدولہ" وزیر لکھنؤ کر دیئے گئے۔ تو حضرت ناسخ (المتوفی ۱۲۵۴ ہجری مطابق ۱۸۳۸ء) نے "اُن کی وزارت کی تاریخ" دہَت دہَت بَری بَری نکالی۔ دہاتھی کو چلانے کے لئے مہاوت" دہت دہت" اور "روکنے کو" بَری بَری" کہتے ہیں" اِس میں یہ چیز مضمر ہے کہ "اعتماد الدولہ کے بزرگ "شاہی مہاوت" ہوا کرتے تھے" اسی جانب "ناسخ" نے اِشارہ کیا ہے" "معتمد الدولہ کی جگہ نصیر الدین حیدر نے انہیں وزیر مقرر کیا تھا یہ شیعہ تھے۔

سات اُمرائے سلطنت کی ہجویہ مشترکہ تاریخ اور اُس کی توجیہ تاریخ اودھ جلد دوم مؤلفہ مولوی حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری کے صفحہ ۲۸۶ پر تحریر ہے کہ "یہ تحقیق ہو گیا ہے کہ "وزیر علی" کی ماں" ایک امیر کے گھر میں ماما تھی" تین لڑکے اُس کے تھے" اُس کے بڑے بیٹے کو "آصف الدولہ"

نوٹ[۱] ادبی خطوط غالب مرتبہ مرزا محمد عسکری بی۔اے لکھنوی مطبوعہ اودھ المطابع لکھنؤ ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۶۸ پر ہے کہ "قتیل کے علم فارسی کا ماخذ ان لوگوں کی تقریر ہے جو "نواب سعادت علی خاں کے وقت میں "ممالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے" اور ہنگامہ آرا ہوئے بیشتر سادات وکشمیری" یا "کابلی" "و قندھاری" و "مکرانی" اگیا ما کوئی عامہ اہلِ ایراں میں سے بھی کوئی ہو" مانا کہ علمائے ایران سے بھی کوئی ہو گا"۔

٥

کو جانچ لیا جائے۔ استاذاللہ اُن میں شانِ اسلام دوستی، غیرت و شان، حمیت و آن، صاف گوئی، دنیا کی بے ثباتی، دنیا کی کسی بڑی سے بڑی ہستی
سے بھی مرعوب نہ ہونے کی صفات ضرور پائی جائیں گی۔ اور انہیں صفات کی وجہ سے یہ خاندان ہمیشہ محسودِ خلائق رہا۔ اور اب بھی ہے۔ اور اپنے
حسد کا ایک نمونہ تو خود مؤلف امروہوی نے ہی ان کی بحث میں اس شعر کو پیش کر کے دکھایا ہے۔

جو خاندان صفات مندرجہ بالا سے متصف ہو اور جس کے افراد کی وجاہت ہو جو ابھی ابھی مخدوم شیخ جمالی، مدرسہ ہرائے نواب
تہور خان، اور نواب وقار الملک کے حالات میں بتائی ہے۔ اس کے متعلق اور ان کے اقرباؤں (کشمیریوں) کے بارے میں بقول شمس العلماء
مولوی ذکاء اللہ صاحب کے کسی بدتمیز شاعر کا شعر پیش کرنا مؤلف امروہوی کی دلی خباثت کی دلیل نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

ہمیں مؤلف موصوف کے پیش کردہ شعر اور پورے قطعہ کی حیثیت دکھلا چکنے کے بعد یہ بات اور بتانی ہے کہ مملکت آصفیہ میں جن علاقوں
کے لوگوں کے لئے یہ شعر رائج ہے وہ بیدر، میدک اور کوہیر ہیں۔ اوّل الذکر دو مقام دو ضلعوں کے صدر مقام ہیں، جن میں سے پہلا
علاقہ مرہٹواڑی کا ضلع ہے۔ اور دوسرا ضلع علاقہ تلنگانہ کا ہے۔ کوہیر ضلع بیدر کی ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ اور وہاں یہ شعر اس طرح پڑھا جاتا ہے

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری — یکے میدکی، دوم بیدری، سوم بد ذات کوہیری

کیونکہ تینوں مقامات سادات، مشائخ و علما کے مسکن اور اہل علم و صاحب ثروت و با اثر لوگوں کے وطن تھے۔ اس لئے ان کے
کسی حاسد نے اس شعر کو اس طرح ترتیب دیا جس طرح ہم نے اوپر لکھا ہے۔

بیت: اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری۔ الخ جس زمانے میں جس شخص سے تصنیف کی گئی۔

قطعہ جس پر ابھی ہم نے بحث کی ہے وہ کس زمانے میں عالم وجود میں آیا۔ اس پر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب نے یہ لکھ کر کہ ماضی میں
سے کسی بدتمیز شاعر نے یہ شعر کہا ہے، روشنی ضرور ڈال دی ہے لیکن ان کے بیان سے ٹھیک زمانے کا یقین نہیں ہوا۔ اور نہ یہ بات معلوم ہو سکی ہے کہ وہ کیا
حالات تھے جن سے متاثر ہو کر یہ قطعہ کہا گیا تھا۔ اس جگہ ہم ان باتوں پر بھی روشنی ڈال دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ان کی عدم توجہی اور عیش پرستی کی وجہ سے سلطنت کی چولیں ڈھیلی ہو گئی تھیں۔ نادر شاہ کے حملے، غارت گری
اور قتل عام نے اس دولت قاہرہ پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی۔ تو خواجہ ابن کسوہ (جو ہندوستان میں ابتدائے عملداری
مسلمانان سے سلطنت کے کاروبار میں دخیل اور مہمات میں کفیل تھے) حکومت کی اس بدتر حالت کو دیکھ کر اور اپنی حالت کو مجبور پا کر دہلی
سے نقل سکونت کر کے جو مرادآباد و شاہجہان آباد کے پاس بریلی جا بسے۔ اور ہمت خان (اتالیق شہنشاہ فرخ سیر و امرائے کسوی، محمد شاہ بادشاہ) و
عبدالوہاب خان (از امرائے محمد شاہ بادشاہ) بنگال چلے گئے۔ اور وہاں بڑی عزت و حرمت سے رہے۔ عبدالوہاب خان کسوی، شاہ عالم
کی حکومت بنگال میں پھر قائم کرنے کی کوشش کی وجہ سے، وہیں میرن پسر و ولیعہد نواب سالار میر جعفر کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ جس وقت میرن
پر بجلی گری ہے، ہمت خان کسوی اس واقعہ سے تھوڑی دیر قبل میرن کے پاس سے اٹھ کر اپنے مقام پر چلے گئے تھے۔

غلام حسین خان (ابن ہمت خان) راجہ چیت سنگھ والئی بنارس کے مدار المہام ہو گئے تھے۔ راجہ کو آپ سے بڑی خصوصیت بھی۔
جب راجہ کو حکومت سے علیحدہ ہونا پڑا اس وقت غلام حسین خان نے لکھنؤ میں لارڈ کارنوالس سے راجہ کی معافی کی کوشش کی لیکن جب انہیں اس میں
ناکامی ہوئی تو وہ دہلی چلے آئے۔ سبحان علی خان ابن غلام حسین خان اور ان کے عزیز تاج الدین حسین خان کسوی جو مرزا پور میں
تحصیلداری کے عہدہ پر فائز تھے، وہاں سے قطع تعلق کر کے نواب سعادت علی خان کے زمانے میں لکھنؤ چلے آئے جہاں ان کی بڑی قدر ہوئی۔
تھوڑی ہی مدت میں ان دونوں نے اپنے زور قلم، حسن تدبیر اور کشور کشائی کی وجہ سے وہ ناموری حاصل کی کہ نواب غازی الدین حیدر کے
امرائے کبار میں شامل ہو گئے۔ اور یہ دونوں فارسی کے بڑے ادیب اور منشی مانے جاتے تھے۔ صاحب تاریخ اودھ جلد سوم کے صفحہ ۹۱ پر
مولوی حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری نے لکھا ہے کہ سبحان علی خان کسوہ علامۂ عصر، ہمہ صفت موصوف، ستارے بے نظیر، عالی فکر اور

زبیری "کنبوی" خاندان کے خصائص کی مزید جھلک

ہم اُوپر بحث ۹ میں بتا چکے ہیں کہ "اپنی سیاحت کے زمانے میں "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ زبیری کنبوی ـــــ "مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ" کے شہر ہرات میں جا کر "گرد میں اٹے ہوئے اور صرف ایک لنگی پہنے ہوئے - بلا واقفیت سابقہ کے بے تکلف اُن کے پاس بیٹھ گئے تھے "جس پر مولانا موصوف نے جبیں بجبیں ہو کر کہا تھا "کہ خرو تو چند فرق است" (گدھے میں اور تجھ میں کیا فرق ہے ، تو مخدوم صاحب قدس سرہٗ" نے اپنے اور اُن کے درمیان بالشت رکھدی تھی "دونوں میں فاصلہ بھی اسی قدر تھا"

اسی بحث میں ہم یہ بھی بتا آئے ہیں "کہ جب شاہنشاہ اکبر نے - نواب "نہال کنبوی" کو دین الٰہی کی ترغیب دی تھی تو انہوں نے شاہنشاہ سے تیز و تند کلام کئے تھے "اسی دوران میں راجہ بیربر "کچھ بولی اُٹھا تو آپ نے اُسے ایسی ڈانٹ بتائی تھی کہ صحبت بدمزہ ہوگئی تھی"

نواب وقار الملک وقار الدولہ مولوی مشتاق حسینؒ صاحب انتصار جنگ زبیری کنبوی رحمۃ کے متعلق خود مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۲۲۲ پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے کہ "زمانہ حال میں "نواب وقار الملک مرحوم" اور... جیسی بلند پایہ ہستیوں سے اِس دودمان عالی شان کا نام روشن ہے") جب سررشتہ دار "کلکٹری تھے" تو ایک کلکٹر نے "ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے" احاطہ کچہری کی مسجد میں چلے جانے سے کام میں حرج ہونے کا آپ سے اظہار کر کے اصرار کیا تھا کہ "آپ قضا نماز پڑھ لیا کریں" تو آپ نے رخصت کی درخواست پیش کر کے اُس میں یہ بھی لکھدیا تھا کہ "درخواست کی نامنظوری کی صورت میں اِسی کو میرا ملازمت سے استعفا سمجھ لیا جائے"

آپ جب مملکت آصفیہ دکن میں اعلیٰ عہدہ پر متمکن تھے تو آپ نے نہایت آزادی سے "وزیر اعظم سر آسمان جاہ کو اُن کی اِس کمزوری پر متوجہ کیا تھا کہ "جن کو چور اور دشمن سمجھتے ہیں ان کو بھی خدمتوں پر رکھا جاتا ہے" یہ اعلیٰ درجہ کی کریم النفسی ہے "یا یہ کہ خوشامد پر خیال کیا جاتا ہے" یا یہ کہ طبیعت کی کمزوری ہے "لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "قوت اور انتظام میں ضعف پیدا ہوتا ہے "سازشیں بڑھتی ہیں" دوسرے عہدہ داروں پر بُرا اثر پڑتا ہے "یہ ایک غلط طرز حکومت ہے اور انصاف کے خلاف ہے")

سر سید احمد خاں "جن سے آپ کے ایسے تعلقات تھے "جیسے پیر و مُریدیں ہوتے ہیں" مگر سرسید کی خواہش اور کوشش پر بھی آپ نے سید محمود کی حالت کے مدنظر انہیں علی گڈھ کالج کے سیکرٹری کے عہدہ کے ناقابل سمجھکر "اُن سے اختلاف کرنے میں ذرا سا بھی پس و پیش نہیں کیا" اور نہایت جرأت و آزادی سے اپنی رائے لکھکر اور طبع کرا کر ممبروں کے پاس بھیجدی "اُس میں اختلاف کی وجہ کو بھی خُوب طرح کھول کر بیان کر دیا تھا"

سرسید کی مرضی کے خلاف ۱۸۹۰ء میں جب نواب صاحب نے "مملکت آصفیہ کے عہدے سے علیحدہ ہونے کے لئے پنشن کی درخواست دی اور وہ نامنظور ہوئی مگر آپ کا اصرار قایم رہا "تو سرسید نے لکھا تھا کہ - "نواب انتصار جنگ کو اپنی رائے پر "سر تریا ہٹ" سے بھی زیادہ ہٹ ہوتی ہے" (ص ـــــ تذکرہ وقار)

برٹش گورنمنٹ اور اُس کے حکام یعنی "وائسرائے" اور گورنروں "کی طرف سے بھی جب کوئی اختلاف کی صورت پیش آئی "آپ نے اُن پر تنقید کرنے میں کبھی کوئی پس و پیش نہیں کیا" اور کسی اثر سے متاثر ہو کر کسی وقت کوئی رائے نہیں دی "جس بات کو حق جانتے بلا کسی تامل کے اُس کا اظہار کر دیتے تھے" آپ کی دینداری "قومی خدمات" اور حق گوئی کا قوم پر اتنا اثر تھا کہ آپ اُس کے ملجا و ماویٰ اور بے تاج کے بادشاہ تھے "جب آپ کا "علیگڈھ کالج کے سیکرٹری کے عہدے پر قوم کی طرف سے انتخاب ہوا ہے" تو اُس وقت کے اخباروں نے لکھا تھا کہ "حضرت عمر فاروق رضؓ کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی طرف سے آپ کا انتخاب بالاتفاق ہوا ہے") اُس زمانہ میں "علیگڈھ کالج کا سیکرٹری ہی ہندوستان کے مسلمانوں کا واحد امیر یا لیڈر ہوتا تھا"

ان تین بزرگوں کے کیریکٹر دکھا چکنے کے بعد "اب ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ اِس دُودمان عالی شان زبیری کنبوی کا مزاج ہر ایکساں رہا ہے "اِس کا حال جاننے کے لئے اگر تاریخوں کی ورق گردانی کرنے میں زحمت سمجھی جائے تو اس خاندان کے کسی فرد کو یا متعدد افراد

حصول کے لئے مسلمانوں نے اکثر اوقات اپنی سلطنت قوم یا بادشاہ کو قربان کر دیا ہے۔ کیونکہ جو لوگ بالطبع پرہیزگار نہیں ہوتے ان کے واسطے یہ آسان بات ہے کہ اپنے نفع کے مقابلہ میں قوم کے نفع کو بھول بیٹھیں۔

یہ رواج ہو گیا ہے کہ اسلام کی تباہی چنگیز اور حملہ تاتاریوں سے منسوب کیا جائے۔ مگر میری ناچیز رائے میں پہلا سبب عباسیوں کی بے مثال خود غرضی کی ہے۔ — خطبات عالیہ مرتبہ مولوی انوار احمد صاحب زبیری مارہروی (طبع ۱۳۴۶ ہجری مطابق ۱۹۲۷ء۔ صفحہ ۲۱۵ ۲۱۴-۲۱۱) مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ

(۲) تاریخ اسلام مؤلفہ ملا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی میں ہے کہ "ان مذکورہ خلفائے عباسیہ عبداللہ السفاح، ابوجعفر منصور، المہدی، ہادی، ہارون الرشید، الامین، مامون، معتصم باللہ، اور واثق کے زمانے کو عباسی حکومت کے انتہائی عروج اور دبدبہ و شوکت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس تمام زمانے میں بغاوتوں سے ایک دن بھی فرصت نہیں ملی اور کسی تدبیر کا اظہار نہیں ہوا جو امن قائم ہو جاتا۔ عرب زمانہ جاہلیت تک میں وفائے عہد کے لئے ممتاز تھے۔ اور اسلام نے تو خاص طور پر اس کی تاکید کی ہے لیکن بنی عباس نے اپنی سیاست میں اس صفت کو بھی نظر انداز کر دیا۔ جو لوگ ان کا ساتھ دیتے اور ان پر بھروسہ کرتے تھے بنی عباس اپنی ضروریات کے موقع پر بھی غداری کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بدعہدی اور بے وفائی خلفائے عباسیہ میں سلسلہ بسلسلہ چلی آتی ہے۔ اسی لئے محمد بن علی طباطبائی نے اپنی کتاب الفخری میں لکھا ہے کہ دولت عباسیہ کا شیوہ چالاکی اور غداری تھا۔ اور قوت و طاقت کی نسبت ان کی سیاسیات میں بدعہدی و فریب کا جزو غالب رہا۔

انہوں نے شجاعت و بہادری کا کبھی کوئی عمدہ نمونہ نہیں پیش کیا۔ ۱۳۲ ہجری میں عبداللہ بن علی (بن عبداللہ بن حضرت عباسؓ) ابو مسلم خراسانی کے سامنے سے بھاگا۔ اس کے ہمراہی نے اس کو ہر چند روکا کہ سپاہی کا کام بھاگنا نہیں ہے۔ اس سے پہلے تم مروان کو گالیاں دیتے تھے کہ وہ موت سے ڈر کر بھاگ گیا۔ آج اس ننگ کو کیوں گوارا کرتے ہو۔ لیکن وہ نہیں رکا اور بصرے پہنچ کر اپنے بھائی کے یہاں چھپ رہا۔ (تاریخ الامت جلد چہارم)

ابراہیم بن مہدی بن ابوجعفر منصور کا حال خلیفہ المامون کے تذکرہ میں ہے کہ وہ روپوشی کے بعد عورتوں کے لباس میں پکڑا گیا۔ اور اسی حالت میں مامون اپنے بھتیجے کے دربار میں پیش کیا گیا۔

امین الرشید اس حالت میں گرفتار ہوا کہ ننگا تھا صرف ایک پائجامہ پہنے تھا سر پر ایک عمامہ اور کاندھوں پر چادر تھی۔ اس کو قید خانے میں قاتل نظر آئے تو بجائے اس کے کہ استقلال دکھاتا۔ انا للہ پڑھتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ ہائے میری جان مفت جاتی ہے۔ کیا کوئی شخص یاور نہیں۔ کیا کوئی فریاد رس نہیں۔"

اس خاندان کی بزدلی کی وجہ سے ابوجعفر کے زمانے میں اسپین۔ ہارون رشید کے زمانے میں مراکش و تونس و الجیریا کے علاقے۔ مامون کے زمانے میں خراسان و فارس و یمن کے علاقے صرف پچیس برس میں نکل کر پانچ حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ پھر یہ خلفاء دیلمیوں کے اثر میں آ گئے۔ انہوں نے جسے چاہا تخت پر قائم رکھا اور جسے چاہا اندھا کر دیا۔ قید کر دیا۔ قتل کر دیا۔ بزدلی کی وجہ سے خواری اور ذلت سے ان کے دن گذرتے رہے۔ سرحدیں سمٹ کر دجلہ و فرات کے کناروں سے آ لگیں۔ اور بالآخر ہلاکو خاں نے اس حکومت کا نام ہی مٹا دیا۔

ایسے خاندان سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والا کوئی شخص اگر اپنے موضوع سے ہٹ کر یعنی نسلی کشش میں افغان، کموی یا کسو اور کشمیری خانوادوں کی تحقیق کے لئے کسی جاہل اور حاسد و کینہ توز شیر بزدل شخص کے جسے اپنا نام ظاہر کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی ایسے لچر اور حماقت سے بھرے ہوئے قطعہ کو پیش کرتا ہے تو یہ بھی دنیا کے عجائبات سے ایک بات سمجھی جانی چاہئے۔

یہ چند نام جو ہم نے "مشتے نمونہ از خروارے" ان تینوں طبقات کے لوگوں کے لکھے ہیں" یہ وہ ہیں جن کے کاموں "عادات" "اطوار" اور طینت و خصلت سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے" اور اُن لوگوں کے نام نظر انداز کر دیئے ہیں" جن کو کسی محدود علاقہ ہی کے لوگ جانتے ہیں"

اب ہم "مؤلف امروہوی سے دریافت کرتے ہیں" کہ جن حضرات کے نام ہم نے یہاں لکھے ہیں" کیا کسی طریقہ سے بھی وہ اپنے پیشکردہ شعر کے مضمون کو ان حضرات میں سے کسی پر منطبق کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں" جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے دلوں میں ان حضرات کی ایسی عظمت اور قدر ہے کہ ان کی محبت میں وہ ہر وقت قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے اور اپنی جانیں فدا کرنے کو تیار رہیں" تو اس شعر کے موجد کی ہرزہ سرائی کی کُنہ کو معلوم کر لینے اور اس کے پیش کرنے والوں کے خبث کو پہچاننے کے لئے" کسی اور ثبوت کے تلاش کرنے کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

"افغانی" "کنبوی" اور "کشمیری" خاندانوں کے متعلق" اس بیت میں لکھے خصائص کا "عباسیوں کی طینت و خصلت سے مقابلہ

اس قطعہ میں جس کا صرف ایک ہی شعر مؤلف امروہوی نے پیش کرنا ضروری خیال کیا ہے" افغانیوں کو "کینہ ور" بتلایا گیا ہے" مگر کیا کوئی مثال اس کینہ کی پیش کی جا سکتی ہے جس کا مظاہرہ "عباسی خلیفہ" "عبد اللہ السفاح" اور اس کے اعزا نے "بنی امیہ کے ساتھ" اور "ابو جعفر منصور عباسی نے" "بنی فاطمہ کے ساتھ" کر کے دُنیا کو دکھایا ہے" "کشمیریوں کو بزدل" اور "کنبوہوں کو بھی محض حسد و کینہ کی وجہ سے" "حیلہ باز" بتایا گیا ہے" جس کا بطلان ہم بخوبی کر چکے ہیں" لیکن تاریخ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ "عباسی خلفاء" "بزدل" "حیلہ یا فریب کرنے" "چالاکی برتنے اور غداری و بدعہدی کرنے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے"

(۱) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" اجلاس شانزدہم
(منعقدہ دہلی ۱۹۰۲ء)

"کے خطبۂ صدارت میں ہز ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خاں[۱] "نے فرمایا تھا کہ"

"میرا یہ خیال ہے کہ جو بیماری مسلمانوں کو لاحق ہے وہ کسی ایک سبب سے نہیں ہے بلکہ میں آپ کی اجازت سے چار مختلف اسباب ایسے بیان کروں گا کہ جن کی وجہ سے یہ اخلاقی تغافل مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ جملہ اسباب جن کا میں ذکر کروں گا زمانہ دراز سے اپنا فعل کر رہے ہیں"

مگر مزید براں خاندانِ عباسیہ نے نفسانیت کی ایک ایسی مثال قائم کی جس کا تواریخ اسلام پر بہت بُرا اثر پڑا ہے" پیغمبر خدا کے یہ ناقابل رشتہ دار۔ خاندان بنی امیہ سے جن کی اطاعت وہ قبول کر چکے تھے۔ اور جن سے بارہا انہوں نے لڑائی میں زک اٹھائی تھی بوجہ بنی امیہ کے اعلیٰ قابلیتوں کے حسد رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے خراسانیوں سے جو اسلام کی فتوحات کے دائرہ میں تازہ داخل ہوئے تھے میل کر لیا۔ اور اپنے خاندان کی تعریف میں ہزار ہا روایات اور احادیث اختراع کر کے اُن لوگوں کو جو اسلام کی آزاد ڈیماکریٹک اسپرٹ سے ناواقف تھے بہکا دیا ہے۔ اور ان ساتھیوں کی مدد سے خاندان بنی امیہ کو زیر کیا" یہ دغابازی ذاتی افزائش کی غرض سے کی گئی۔ اور چونکہ اس کا اظہار ایک ایسے خاندان سے ہوا جس کو پیغمبر خدا سے قرابت تھی" لہذا اس سے پایا جاتا ہے کہ اپنے ذاتی یا خاندانی مقاصد کے

(نوٹ ۱) یہ وہ ہز ہائی نس آغا خاں ہیں کہ جن کی تعریف و توصیف اور منقبت میں محمود احمد صاحب مؤلف امروہوی کی زبان خشک" ہو گئی ہے۔ لہذا اب ایسے ممدوح الشان نے جو رائے درباره عباسیاں کھلے سدول مسلمانوں کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اجتماع کے سامنے آج پاکل نہیں بلکہ پورے (۸۴) برس قبل ظاہر کی تھی اُس کے متعلق محمود احمد صاحب مؤلف امروہوی کیا فرماتے ہیں" جو کہ ہز ہائی نس نے ایک امر واقعہ کا اظہار کیا تھا۔ لہذا اس طویل عرصہ میں ایک آواز بھی اس کے خلاف نہ اُٹھ سکی" "خاندان عباسیہ نے دغابازی نفسانیت اور خود غرضی کا جو بیج مسلمانوں میں بویا تھا۔ اس کے خراب اور مذموم اثر سے اس وقت تک مسلمانوں کو مفر حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ اور یہ بنیادی اثرات مسلمانوں کی تباہی کا سبب بنے ہوئے ہیں"

(۵) "ملا عبد الستار" اور

(۶) "ملا محسن فانی" (جو اپنے وقت کے ایک نہایت زبردست شاعر اور فاضل فلسفی تھے) اپنے تلامذہ کو اسی جگہ درس دیا کرتے تھے"

(۷) "شیخ رحمت اللہ طرابلی" (۸) "ملا طاہر غنی کاشمیری"

(۹) "محمد زماں نافع کشمیری" (جو ملا غنی کے بھائی اور اپنے وقت کے ایک مشہور مؤرخ تھے) اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبا ہیں۔

(۱۰) "سلطان زین العابدین" کہ انہوں نے اپنے وقت میں "نوشہرہ" میں دار العلوم قایم کیا تھا"

(۱۱) "سلطان سکندر (سنہ ۱۳۹۳-۱۴۱۷ء) جن کی فیاضی اور جوہر شناسی کی اس قدر دھوم مچی ہوئی تھی کہ "عراق و خراسان اور ماوراء النہر کے بہت سے باکمال فضلا آپ کے دربار میں کھنچ آئے تھے" ان کے قائم کردہ مدرستہ العلوم کے صدر مدرس۔

(۱۲) "قاضی میر محمد علی تھے" جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے اس وقت وحید العصر کا حکم رکھتے تھے "چنگیز خاں" کی اولاد سے تھے" اس مدرسہ کے اور اساتذہ۔

(۱۳) "ملا محمد افضل بخاری (حدیث) (۱۴) "ملا محمد یوسف (فلسفہ)

(۱۵) ملا صدر الدین کاشی (ریاضیات) (۱۶) "سید حسین منطقی (علم الموجودات اور علم منطق) وغیرہ تھے"

(۱۷) سلطان "زین العابدین (سنہ ۱۴۲۰-۱۴۷۰ء) کے متذکرہ صدر دار العلوم کے صدر مدرس اپنے وقت کے جید عالم "شیخ الاسلام" "ملا کبیر نحوی" تھے۔ شیخ موصوف اپنے تقدس۔ اور مشہور تفسیر "شرح ملا" کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں"

(۱۸) "ملا احمد کاشمیری" جو افضل کے شاگرد تھے۔ اور اپنی مشہور کتاب "وقائع کشمیر" اور "ترجمہ مہابھارت" کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں "ملا کبیر" کے ماتحت مدرسہ کے اساتذہ میں سے ایک تھے" علاوہ ان کے اس مدرسہ کے اور اساتذہ یہ تھے"

(۱۹) "ملا حافظ بغدادی" (۲۰) "ملا پارسا بخاری"

(۲۱) "ملا قاضی جمال الدین خوارزمی (جو بعد میں قاضی القضاۃ کے جلیل القدر منصب پر سرفراز ہوئے)"

(۲۲) "مولانا قاضی میر علی بخاری" (۲۳) "سید حسین قمی رضوی" (۲۴) اور "ملا یوسف رشیدی"

اس دار العلوم کے زیر اہتمام ایک شعبہ ترجمہ بھی تھا" جس میں "عربی" اور "سنسکرت" کی کتابوں کا "فارسی" اور "کشمیری" زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ اور سلطان کے حکم سے "مہابھارت" کا فارسی ترجمہ کیا گیا" "جو تراج" کے ذریعہ "راج ترنگنی" مکمل کرائی گئی" اور کشمیر کی ایک مستند تاریخ فارسی زبان میں مرتب کرائی گئی"

(۲۵) "سلطان حسین شاہ" نے بھی اپنے عہد میں اپنے مرشد" (۲۶) "بابا اسمٰعیل شاہ کی خواہش پر جو ابو المشایخ (۲۷) "شیخ سلیمان کشمیری" کے پوتے تھے" ایک درس گاہ جاری کی تھی" یہ مدرسہ "شیخ فتح اللہ حقانی" کی سرکردگی میں اور" (۲۹) "اخوند ملا درویش" کی معاونت میں چلتا تھا"

(۳۰) "کشمیر کے مشہور پیر طریقت" "شیخ حمزہ مخدومی" اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے"

(۳۱) درس گاہ "ملا حیدر" "عہد جہانگیر" کی یادگار رہے" اس مدرسہ سے بھی فضلا کی ایک کثیر جماعت پیدا ہوئی"

(۳۲) "سنہ ۱۱۲۵ ہجری مطابق سنہ ۱۷۱۳ء میں "نواب عنایت خاں" ناظم کشمیر نے "مدرسہ مشہور" بہ جاری کیا" (۳۳) "احمد ملا سلیمان کلو" اس مدرسہ کے سردار تھے" (۳۴) "مدرسہ ملا کمال" اور (۳۵) "ملا جمال" نے (۳۶) "شیخ اسمٰعیل چشتی" (۳۷) "بابا نصیب الدین غازی" اور (۳۸) "قاضی ابو القاسم" جیسے فاضل پیدا کئے"

کشمیریوں کے علمی ذوق کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ۔ باوجود اس کے کہ "کشمیر" کی بہت سی عجیب غریب کتابیں "یورپ اور امریکہ" کی لائبریریوں کی زینت بڑھا رہی ہیں" مگر آج بھی بہت سے خاندان ایسے ہیں" جن کے کتب خانے علم کے نادرۂ روزگار جواہر پاروں اور نایاب قلمی کتابوں سے مالا مال ہیں" یہ کشمیر ہی تھا جس میں" (۳۹) "مرزا حیدر دوغلات" نے "اپنی مشہور عالم کتاب "تاریخ رشیدی" تصنیف کی" اور یہ "دوسری نگر" ہی تھا۔ جس میں

حال کشمیر وغیرہ دوسرے علاقوں کے سب باشندوں کا ہے۔ جو اُن سے منسوب ہیں"

اَب یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ "مابہ البحث قطعہ" اگر "حط الرجال اَفغنہ"..... الخ ہیں" کسی خاص شخص یا قوم و قبیلہ کو مخصوص نہ کر کے ان ملکوں یا علاقوں سے منسوب سبھی قوموں پر چوٹ کی گئی ہے" اور اُن پر فحش مارا گیا ہے" اِس لئے اِس قطعہ کے مضمون کی زد میں خود اس کے مُوجد اور پیش کرنے والے حضرات بھی یقینی طور سے آگئے ہیں" یہ حضرات کسی طرح بھی اِنکار نہیں کر سکتے کہ وہاں ان کے کفو اور نسب والے موجود نہیں رہے یا موجود نہیں ہیں" بلکہ اِن علاقوں میں ایشیا کی تقریباً تمام قومیں موجود ہیں" اور سینکڑوں ہزاروں برس سے بسی ہوئی ہیں" اگر اس قطعہ کے پیش کنندہ اپنے آپ کو اِن اوصاف سے متصف ہونا قبول کرتے ہیں اور انہیں اس کے مضمون سے خوشی محسوس ہوتی ہے" تو ہمیں اُن سے اِختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے" وہ جو چاہیں اپنے آپ کو سمجھ لیں" چشمِ ما روشن دلِ ما شاد"

ایک یورپین لیڈی اپنے سفرنامہ میں لکھتی ہے کہ "وسطِ ایشیا میں بہت سے ایسے قبائل پائے جاتے ہیں" جن کے لب ولہجہ اور معاشرتی خصوصیات وغیرہ کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ" وہ خالص عربی قبائل ہیں" اِن قبائل کے افراد کی تعداد ستائیس[۲] ہزار ہے" یہ لوگ اِن عرب فاتحین کی نسل ہیں" جنہوں نے وسطِ ایشیا پر حملے کئے تھے" اور پھر وہیں بود و باش اختیار کر لی تھی"

عربوں کی آبادی زیادہ تر "بخارا" اور "قشقا داریہ" کے نخلستانوں میں ہے" یہ لوگ مختلف زمانوں میں "تھوڑی تھوڑی تعداد میں یہاں آکر آباد ہو گئے ہیں" اُن کا سلسلۂ نسب "قریش" سے ملتا ہے" لیکن اُن کے لہجوں کے تفاوت سے پتہ چلتا ہے کہ" وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں" "اُزبکی" اور "ترکمانی" عورتوں کے ساتھ شادیاں کرنے کی وجہ سے اُن کے اصلی چہرے بشرے میں فرق آگیا ہے" لیکن وہ اب تک اپنی لڑکیوں کی شادی کسی غیر عرب کے ساتھ نہیں کرتے" اپنی اصلی زبان بھول گئے ہیں"..... قبائل یہاں جیسا میں کہہ چکی ہوں۔ مختلف اَوقات میں آئے ہیں" یہ لوگ اب عام طور سے "اُزبکی اور تاجیک زبانیں بولتے ہیں"

"شقا داریہ کے عرب" امیر تیمور کے زمانے میں "اُس کے ظلم وستم سے گھبرا کر اپنے گلّوں کے ساتھ حدود افغانستان سے گذرتے ہوئے "ازبکستان" چلے آئے ہیں"

"نخلستان بخارا کے عرب" جیسا خود اُن کا بیان ہے" دو سَو[۲] سال پہلے "اندخوئی" سے یہاں پہنچے ہیں" اُن کا سلسلۂ نسب چار شخصوں تک پہنچتا ہے۔ جو افغانستان چھوڑ کر قشقا داریہ میں آباد ہو گئے تھے" اور یہیں شادیاں کر لی تھیں"

یہ لوگ ہجری مہینوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور اُن کے بجائے اپنے حساب وکتاب میں "کلدانی" یا "سامی" مہینے استعمال کرتے ہیں" اِن کے مہینوں کے نام یہ ہیں" حوت" حمل" ثور" جوزا" سرطان" اسد" سنبلہ" میزان" عقرب" قوس" دلو".... "زحل" معلوم نہیں یہ لوگ مہینوں کے نام "افغانستان" سے لیکر آئے ہیں" یا عرب میں کچھ قبائل ایسے بھی ہیں" جن میں یہ مہینے رائج ہیں"

(سفرنامہ ایک یورپین لیڈی۔ از رسالہ فاران بجنور۔ فروری ۱۹۳۷ء ص ۵۷ تا ۵۹)

ترکی ٹوپی پہننے والوں کی تضحیک کیلئے ایک شعر جو عرصہ تک رائج رہا"

ہمارے بچپن میں جبکہ "سلطان رُوم عبدالحمید خاں مرحوم ومغفور" سریر آرائے تختِ خلافت تھے" اکثر مولوی اپنے زیر اثر طلبا اور عوام کے یہ بات ذہن نشین کیا کرتے تھے کہ جب بھی "سلطان المعظم جہاد کا اعلان کریں" اور کسی مُسلمان کو اِس اعلان کی خبر اُس وقت پہنچے جس وقت وہ کھانا کھا رہا ہو اور اُس کے مُنہ میں قریب بہ حلق نوالہ پہنچ چکا ہو" تو اُس نوالہ کو بجائے نگلنے کے فوراً تھوک کر اور تلوار ہاتھ میں لیکر جہاد کے لئے نکل کھڑا ہونا چاہئے۔ ورنہ تھوڑے تامّل سے بھی وہ کافر ہو جائے گا"

اِن مولویوں کی طرف سے دوسری بات یہ بھی کہی جاتی تھی کہ "انگریزی علوم وزبان کا پڑھنا کفر ہے۔ اور اس کی ترویج میں کوشش کرنے والا قطعی کافر ہے" علیگڈھ کالج قائم کرنے کی وجہ سے اِس فرقہ نے سرسیّد علیہ الرحمتہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا تھا" اور اُس وقت تک اُن

(۳۰) ہندو۔ این باشندگان قدیم ہستند۔ لکن در عہد شاہان دہلی چون افغانستان بہندوستان ملحق بود۔ درین جا آمدہ اند۔
(۳۱) قوم سکھ نیز در بعض دہات سکونت دارند۔
(۳۲) تیراہی (۳۳) کشمیری در سوات و باجوڑ و پٹھان و شمالی افغانستان تا کابل و قندہار یافتہ میشوند۔
(۳۴) کرد۔ اکثر در کابل و نواح آن و غزنی سکونت دارند۔ و بعض شان زبان کردی میدانند۔
(۳۵) لیبرکی۔ شاہ عباس از قفقاز آوردہ درآن آباد کردہ بود۔
(۳۶) قلماق۔ از نسل تاتار اند۔
(۳۷) حبشی۔ اول بطور غلامان آوردہ شدند۔
(۳۸) یہودی۔ در ہرات و بلخ ساکن۔ شاکست و بلوچ۔

(۳۰) ہندو یہاں کے قدیم باشندے نہیں ہیں۔ بلکہ دہلی کے بادشاہوں کے عہد میں کیونکہ افغانستان ہندوستان سے ملحق تھا۔ اس جگہ آگئے ہیں۔
(۳۱) سکھ بھی بعض گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں۔
(۳۲) تیراہی۔ (۳۳) کشمیری۔ سوات میں۔ اور باجوڑ و پٹھان میں شمالی افغانستان سے کابل و قندھار تک پائے جاتے ہیں۔
(۳۴) کرد۔ اکثر کابل اور اس کے نواح میں۔ اور غزنی میں سکونت رکھتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے کردی زبان جانتے ہیں۔
(۳۵) لیبرکی۔ کو نادرشاہ نے کوہ قاف سے لا کر اس جگہ آباد کیا تھا۔
(۳۶) قلماق۔ از نسل تاتار ہیں۔
(۳۷) حبشی۔ پہلے بطور غلاموں کے لائے گئے تھے۔
(۳۸) یہودی۔ ہرات و بلخ میں رہتے ہیں۔ شاکست اور بلوچ بھی ہیں۔

اِن قبائل میں سے بہت سوں کی شاخوں کے ناموں کو ہم نے اختصار کے مد نظر چھوڑ دیا ہے۔

طوائف متفرقہ | علاوہ بر قبائل مذکورۃ الصدر۔ دیگر طوائف در ملک متوطن اند۔ و ہمہ تبعات ملت افغان نامیدہ میشوند۔ اکثر شان بنام اوطان سابقہ و حاضرہ یاد میشوند۔ مثلاً (۱) سیستانی۔ (۲) کرمانی۔ (۳) سرحدی۔ (۴) قائنی۔ (۵) مشہدی (۶) سلغری۔ (۷) کاشغری۔ (۸) اندرابی۔ (۹) بدخشی (۱۰) شغنی وغیرہ کہ در بیرون افغانستان بجمع فارسی دانان شمار میشوند۔

طوائف متفرقہ | مذکورۃ الصدر قبائل کے علاوہ اور دوسرے گروہ ہمارے ملک میں متوطن ہیں۔ اور یہ سب ملت افغان کہلاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنے پہلے اور موجودہ وطنوں کے ناموں سے موسوم ہو گئے ہیں مثلاً (۱) سیستانی۔ (۲) کرمانی۔ (۳) سرحدی۔ (۴) قائنی۔ (۵) مشہدی (۶) سلغری۔ (۷) کاشغری۔ (۸) اندرابی۔ (۹) بدخشی۔ (۱۰) شغنی۔ وغیرہ۔ افغانستان کے بیرون علاقہ میں سارے فارسی بولنے والے شمار ہوتے ہیں۔

ادیان | از تقسیم مافوق قبائل معلوم شد۔ کہ بجز بعض ہنود و یہود ہمہ نفوس مسلمان اند۔ و آنہا از شیعہ باقی ماندہ سنی حنفی المذہب اند۔ در ہنود قوم سکھ ہم شمردہ میشوند۔ این پیروان مذاہب مختلفہ بجمعیت وابستہ ملت افغان ہمگنان متحد و بعقدہ وطن ہم عنان اند۔

ادیان | معلوم ہو کہ سوائے بالا تمام قبائل والے بعض ہنود اور یہود کے سب لوگ مسلمان ہیں۔ کچھ ان میں سے شیعہ باقی ماندہ سنی حنفی المذہب ہیں۔ ہنود میں سکھ قوم بھی شمار ہوتی ہے۔ یہ مختلف مذہبوں کے پیرو۔ دل سے ملت افغان سے وابستہ اور اس قدر متحد ہیں کہ بتقدم وطن میں ہم عنان ہیں۔

قومیں | ترک باری نامہ دو مترجمہ شاہزادہ میر ناصر الدین حیدر گورگانی المتخلص واثق۔ مطبوعہ مطبع محبوب پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۲۴ء کے صفحہ ۱۳۳ پر لکھا ہے کہ کابل کے علاقہ میں مختلف قومیں بہت ہیں۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں۔ اتراک۔ اعراب۔ وغیرہ قومیں بستی ہیں۔ شہر میں اور بعض دیہات میں۔ تاجیک ہیں۔ بعض دیہات اور مقامات میں۔ پشتوی۔ پراچہ۔ تاجیک۔ ترک۔ اور افغان ہیں۔ غزنی کے پہاڑوں میں ہزارہ اور نوکدائی ہیں۔ ہزارہ میں بعض قومیں مغلی بولتی ہیں۔ کوہستان شرقی و شمالی جو ملک کافرستان ہے جیسے کتور اور گیبرک۔ جنوب میں افغانستان ہے۔

زبانیں | اس ملک میں۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ مغلی۔ ہندی۔ افغانی۔ پشتوی۔ پراچی۔ گیری۔ کتوری۔ اور لمغانی۔ گیارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اور شاید ہی کسی ملک میں اس قدر مختلف قومیں آباد ہوں۔ اور اتنی مختلف زبانیں بولی جاتی ہوں۔

جس طرح افغانستان میں۔ عرب۔ قریشی۔ سید۔ ترک۔ مغل۔ اسرائیلی۔ مصری۔ ایرانی۔ اور دیگر مسلمان اقوام کے علاوہ۔ یہود و ہنود اور سکھ وغیرہ سبھی قومیں بستی اور رہتی ہیں۔ اور وہ سب اپنے ملک کے تعلق سے۔ افغان کہلاتی اور گنی جاتی ہیں۔ اسی

اگرچہ ما علاوہ بر باشندگانے کہ دریں ملک مقدس از ابتدا سکونت داشتہ اند″ مجموعہ مختلفہ ایم کہ از″ مصر و شام و عرب″ و ایران و تاتار″ و یونان و ہندوستان″ در ازمنہ متفرقہ آمدہ دریں جا ساکن شدہ اند″

اما باوجود اختلاف انساب″ ہمہ ما یک ملت واحد افغان″ شمردہ مے شویم″ و آں قبائل جدا گانہ منقسم است″

درانی | ایں قبیلۂ جلیلہ تا عہد″ احمد شاہ″ بنام ابدالی″ مشہور بود″ زیرا منسوب بہ ابدال شدہ″

قوم شیخ بیٹنی | در ہندوستان ہم بسیار آباد شدہ است″

غلزئی | قبیلۂ عظیم غلزئی″ از دختر″ بیٹنی″ گفتہ میشود″ کہ در طوائف زیاد منقسم است″

قریشی | در تعداد از سیدان″ کمتر اند″ و مثل شان در ہر علاقہ″ چند خانہ دارند″

دولت شاہی | بقریش منسوب مے شوند″ و قاضی″ و مفتی″ ازیں ہا مقرر مے شوند

عرب | در جلال آباد″ و کابل″ و ترکستان″ وغیرہ سکونت دارند″ زراعت″ تجارت″ دوکانداری وغیرہ میکنند″

اولاد سید محمد گیسو دراز | اگرچہ″ استرانی″ و مشوانی″ و وردک″ و ہنی″ را بسیادت منسوب میکنند″ اما باوصف آں″ ایں ہمہ طوائف افغان خالص میباشند″ و حصۂ ملت افغان″ گفتہ میشوند″

سادات | بعض سادات″ در کابل″ و کنڑ″ و کوہستان″ و پشین″ و ہر قریہ افغانستان″ سکونت دارند″ بدیگر طوائف افاغنہ″ مترادف نگشتہ اند″ باوجود آں″ جزو ملت افغان″ مے باشند″

اکثر شان ملکداری″ میکنند″ و تجارت نیز مے پردازند″ چنانچہ سیدان پشین″ خیلے تجار متمول اند″

اگرچہ ہم علاوہ اُن باشندوں کے جو اس ملک مقدس میں شروع سے سکونت رکھتے ہیں۔ مختلف مجموعہ ہیں جو″ مصر و شام و عرب″ اور ایران و تاتار″ اور یونان و ہندوستان سے مختلف زمانوں میں آکر اس جگہ ساکن ہوئے ہیں″

لیکن باوجود نسبوں میں مختلف ہونے کے ہم سب ایک قوم واحد افغان″ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں″ اور وہ الگ الگ قبائل میں منقسم ہیں″

درانی | یہ قبیلہ جلیلہ احمد شاہ کے عہد تک ابدالی کے نام سے مشہور تھا″ اس لئے منسوب بہ ابدال ہوا″

قوم شیخ بیٹنی | ہندوستان میں بھی بہت آباد ہوگئی ہے″

غلزئی | قبیلۂ عظیم غلزئی کے متعلق کہتے ہیں کہ بیٹنی کی بیٹی کی اولاد ہے″ جو بہت سے قبائل میں منقسم ہے″

قریشی | تعداد میں سیدوں سے تھوڑے ہیں″ اور اُن کی طرح ہر علاقہ میں چند گھر رکھتے ہیں″

دولت شاہی | قریش سے منسوب ہوتے ہیں۔ اور قاضی و مفتی ان ہی میں سے مقرر ہوتے ہیں″

عرب | جلال آباد اور کابل اور ترکستان وغیرہ میں سکونت رکھتے ہیں″ اور زراعت۔ تجارت″ دوکانداری وغیرہ کرتے ہیں″

اولاد سید محمد گیسو دراز | اگرچہ″ استرانی اور مشوانی اور وردک″ اور ہنی کو سیادت سے منسوب کرتے ہیں″ لیکن باوصف اس کے یہ سب قبائل خالص افغان ہو کر حصۂ ملت افغان کہے جاتے ہیں″

سادات | بعض سادات″ کابل اور کنڑ اور کوہستان اور پشین اور افغانستان کے ہر گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں″ اور دوسرے طوائف افاغنہ کے شریک نہیں ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے جزو ملت افغان کا ہیں″

اکثر اُن میں سے ملکداری کرتے ہیں اور تجارت بھی کرتے ہیں″ چنانچہ پشین کے سید بہت متمول تاجر ہیں″

اِس کے بعد جو اور قومیں یا قبایل″ جغرافیہ میں بتائے ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے اب ہم صرف اُن کے نام لکھتے ہیں″

(۱) خرغشت (۲) خوندی (۳) افاغنہ اودی (۴) لوحانی حصۂ طائفہ شوری (۵) شوری از طائفہ لوحانی (۶) اولاد کرڑان مثلاً (۷) ولازاک (۸) اورک زئی (۹) منگل مقبل (۱۰) خوگیانی (۱۱) آفریدی (۱۲) خٹک (۱۳) وزیری (۱۴) شنتبک (۱۵) جدران (۱۶) اتمان خیل وغیرہ″ (۱۷) آڑمڑ (۱۸) کاسی (۱۹) سیند زئی (۲۰) تاجیک (۲۱) ہزارہ از نسل مغل (۲۲) ایماق (۲۳) کیانی از اولاد کیقباد و رستم″ (۲۴) مغل (۲۵) قزلباش ترکی النسل (۲۶) ازبک (۲۷) [illegible] کیان۔ (۲۸) ہندکی″

(۲۹) [illegible] مشتمل است بر چند قبائلیکہ از ہندوستان آمدہ۔ در [illegible]

(۲۹) یہ طائفہ چند قبائل پر مشتمل ہے″ ہندوستان سے آکر افغانستان میں آباد ہوئے ہیں″

بحث بلوچستان اور افغانستان زمانۂ قریب کے نام ہیں

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب کا بیان دیکھ چکنے کے بعد یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ زمانۂ ماقبل میں "پنجاب" "بلوچستان" اور "افغانستان" کسی ملک یا حصۂ ملک کے نام نہ تھے بلکہ ان حصص کے یہ نام بہت بعد میں اختیار کئے گئے ہیں:

(۱) تاریخ سندھ حصہ اول مولانا مولوی عبد الحلیم صاحب شرر کے ص۲۶۱ پر ہے کہ "رنجیت نے اپنی سلطنت مضبوط کی اور ایک چشمے کے کنارے جو "پنجاب" کہلاتا تھا اپنی قلمرو اور مملکت کشمیر کے درمیان میں سرحد قائم کرنے کے لئے دو بڑے درخت نصب کرائے" ۔۔ "پنجاب" سے مراد دریائے جہلم کا سرچشمہ ہے جہاں پانچ سوتے جدا جدا نکل کر ایک میں مل گئے ہیں۔

(۲) قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی نے "القریش" امرتسر بابت ماہ اپریل ۱۹۳۰ء کے ص۱۶ تا ۱۸ پر اپنے مضمون "میری سرگذشت تاریخی رنگ میں" کے ذیل میں لکھا ہے کہ "ان دنوں سارا "بلوچستان" "سندھ" میں شمار کیا جاتا تھا اور بلوچان سندھ کے قبضہ میں تھا۔ اس وقت جغرافیہ میں "کوئی ملک" "بلوچستان" کے نام سے مشہور نہ تھا" پھر رسالہ القریش امرتسر بابت ماہ اگست کے ص۲۸ و ۲۹ میں اسی مضمون کے ذیل میں لکھا ہے کہ "اب "مکران" "سراوان" "جھالاوان" (قدیم طوران) "سلسلہ کیچی" اور کچھ حصہ افغانستان (قدیم خراسان) کا حصہ کے مجموعہ کو "بلوچستان" کہتے ہیں۔ یہ جو مل اذیں "ملک سندھ" کے حدود میں شامل تھے۔ اور "بلوچستان" کے نام سے اس سے قبل کوئی ملک نہ تھا۔ سولہویں صدی عیسوی میں "شہک بلوچ" جیسے مجتہد نے پہنچ کر جہاں سے "قلات" کو "اقوام بروہی" سے فتح کیا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں "گنداوا" "مستی" اور علاقہ "کچھی" کو اپنا مطیع کر لیا۔ یعنی بلوچ قوم کی حکومت کے بعد سے اس کا نام "بلوچستان" پڑ گیا۔"

(۳) اپنے مضمون "میری سرگذشت تاریخی رنگ میں" کے ذیل میں قاضی صاحب موصوف نے "القریش" امرتسر جلد ۳ نمبر ۲ کے ص۱۱ و ۱۲ میں لکھا ہے کہ "انقلابات زمانہ سے "توران" "طوران" ہی کا نام تبدیل نہیں ہوا۔ بلکہ دوسرے حصہ سو ملک بھی "خراسان" "افغانستان" کے نام سے موسوم ہے" اسی طرح اوپر پڑھ چکے ہیں:

(۱) ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں اس کا نام "ماہیک" مسطور ہے۔

(۲) جب اس پر ایرانی قابض ہوئے تو دو حصوں میں منقسم کر کے اس کا نام "زابلستان" اور "کابلستان" رکھا گیا۔

(۳) جب سکندر اعظم اس پر متصرف ہوا تو یونانی زبان میں اس کا نام "کیکیریا" پڑا۔

(۴) جب مسلمانوں نے اسے فتح کیا تو کابل و قندھار سے لیکر ایران تک کا ملک "خراسان" کے نام سے مشہور ہوا۔

(۵) پھر نادر شاہ کی وفات کے بعد جب اکتوبر ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی تخت قندھار پر متمکن ہوا تو اس وقت سے اس ملک کا نام "افغانستان" ہوا لیکن مغربی حصہ کو اب بھی لوگ "خراسان" ہی کہتے ہیں۔

فتوح البلدان حصہ دوم میں "زابلستان" اور "غزنی" کے درمیان دریائے ہلمند کے نیچے کے علاقہ کو "سجستان" اور اوپر کے علاقہ کو بلخ تک "طخارستان" لکھا ہے۔ غرضکہ یہ امر ثابت ہے کہ "افغانستان" بالکل جدید نام ہے۔

افغانستان میں جو قومیں بستی ہیں اور جو زبانیں وہاں بولی جاتی ہیں

افغانستان میں جو قومیں آباد ہیں ان کی تفصیل "جغرافیۂ افغانستان" مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور ۱۳۰۳ھ میں جو بتحریر محمد حسین خاں رئیس تحصیل ساجات و تصحیح جناب فیض محمد خاں وزیر معارف (تعلیمات) افغانی علما کو افغانستان میں پڑھایا جاتا ہے کے ص۲۲۶ پر لکھی ہے کہ۔

مولانا احمد حسن صاحب شوکت ایڈیٹر و منیجر اخبار شحنہ ہند و طوطیٔ ہند شہر میرٹھ کا بیان "اِس بیت پر"

آج سے زائد از چالیس سال پیشتر "اپنے اخبار شحنہ ہند و طوطیٔ ہند شہر میرٹھ" میں مولانا شوکت مرحوم نے لکھا تھا کہ "ع
اگر قحط الرجال آفتد ازیں سہ اُنس کم گیری "..... الخ

اِن اشعار کی تصنیف سے "حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ" کو متہم کیا گیا ہے "کوئی ان سے پوچھے کہ شہرۂ کلیات سعدی سے انتخاب فرمائے گئے ہیں" یا کسی تاریخ و تذکرہ میں دیکھے "یا حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی رُوح سے "عالم رؤیا میں سُنے ہیں "کلیات سعدی" اور اکثر تاریخ و تذکرہ کی کتابیں تو ہماری نظر سے بھی گذری ہیں "ہم نے کہیں یہ شیخ علیہ الرحمۃ" کے مقولہ یا اس غیر موزوں نظم کو نہ دیکھا "نہ سنا "اِس قسم کے ہزلیہ اشعار" یا خوش طبعی و ظرافت میں تصنیف ہوتے ہیں "یا محض حسد و عناد کے "تعلق رکھتی ہیں "اِس واسطے شاعرانہ قدح و مدح کی نظموں کا اثر" کسی کے حسب و نسب و قوم پر" اعتباری نہیں ہوتا "چنانچہ اِسی طرح اکثر "نظم" مشہور ہیں "جن میں سے دو تین اشعار مجھے بھی یاد ہیں" مثلاً عرض کرتا ہوں "کسی نے "نفسانیت کے رنج میں تصنیف کر دیا ہے" ے

بہر جا جمع می آیند سادات فسادات ٌ فسادات ٌ فسادات

یا کسی نے خوش طبعی و ظرافت میں لکھ دیا "ے اگر بینک بودے فضالات میر + تبرزی نام گفتی نہ گفتی کہ میر
اِن تصنیفات کے اعتبار سے معاذ اللہ "سادات کی شان میں کچھ فرق سمجھا جائے گا" یا کسی حاسد نے تصنیف کر دیا کہ ے

ز سگ اُفتہ اُفت پُر زاناں خاں گو گفتند حریفان نام از و "افغان گرفتند

تو کیا "افغانیوں کی" یہ ہی کیفیت قرار پائے گی"

تاریخی علم جاننے والے ہر شخص کو علم ہے کہ تخمیناً بارہ سو برس سے "جو قبایل مسلمانوں کے "ولایت سے آن کر یہ ہندوستان میں آباد ہیں" اُن ہی میں "کنبوہ" بھی شامل ہیں "اور آج بھی زمانہ سے اِس وقت تک "ہر عہد سلطنت میں" علمی فضل و کمال "اور دیگر صفات انسانی سے "خدمات مناصب علیا شاہی پر معزز و موقر" اور یہ حاسدانِ زمانہ کے محسود "رہے اور ہیں"

سلاطین ماضیہ کے عہد سلطنت و حکومت میں "خدمات جلیلہ سے "خطابات نوابی" وغیرہ پاتے رہے "اور اب بھی" حکومت انگلشیہ میں "بقیام اُن اپنے خطابات آبائی کے" دیگر معزز خطابات انگلش زبان سے "ممتاز" اور خدمات مناصب رفیعہ پر سرفراز ہیں"

علامہ گرامی "میر غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری) جو علم تاریخ میں محقق مسلم الثبوت ہیں" انہوں نے اپنے تذکرہ خزانۂ عامرہ" میں لکھا ہے کہ "ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے "حضرات کنبوہ" ہی خاص خدمات احکام شرعیہ پر مامور رہے" اور اب بھی ہیں"

شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب مؤلف تاریخ ہندوستان کا بیان اِس بیت کے زمانے اور لکھنے والے کی حیثیت پر

اپنی تاریخ ہندوستان جلد ششم "اقبال نامہ اکبری" مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علیگڈھ مورخہ ۱۸۹۸ء میں "خان بہادر" شمس العلماء" مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے "نواب شہباز خاں کنبوہی" کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ "قوم کنبوہ" کی شان میں یہ ایک شعر زبان زد خاص و عام ہے "ے

اگر قحط الرجال آفتد ازیں سہ اُنس کم گیری
یکے افغان" دوم کنبوہ" سوم بدذات کشمیری

(معلوم ہوتا ہے کہ "متاخرین میں سے" کسی بے تمیز شاعر نے یہ شعر کہا ہے")

وتحمل وتجمّل" درخواص وعماید۔ مردم کابل وقندھار وہرات وبلخ وبخارا"
ودیگر بلاد خراسان وترکستان "بنوعے کہ بود" موجود است"

ہنوز آں ابر رحمت دُرفشان است　　خم وخمخانہ با مہر ونشان ست
حریفان بادہا خوردند ورفتند　　تہی خم خانہ ہا کردند ورفتند

اگرچہ مردم خونریز وسفاک وشریران وفتان وفاد تگران
نیز دریں جا موجود اند" چہ ہر جائکہ است خار است" وبا خم
خار است" وبرسر گنج مار است" آنجا کہ دُرشاہوار است۔ نہنگ
مردم خوار است"

اگرچہ بر تقدیر تسلیم در ہند مطابق دعوی مردم ہند" علم وفضل
وہنر وآدمیت وحسن خلق" شائع است" وعلماء وفضلاء موجود اند"
امّا بدمعاشی وکج طبعی" ودرشت خلقی" وشرارت ودروغ" و
افتراء" نیز جاری است" وشریران وسفاک افساق" وفجّار" و
مردم بدسفار" نیز در ہند موجود اند" چہ در ہر ملک وہر بلاد" مردم
نیک وبد" وخواص وعوام" وادنی واعالی" مے باشند" ایں چند
کلمہ برائے تفہیم وتعلیم" مردم ہموطن خود نبشتہ اَم" کہ تا ازیں حال
متنبّہ بودہ" چوں وُرود ہندوستان" بجواب شافی پردازند" تا
از طعنۂ ہندیان" نجات" واز مزاح شان فلاح یابند"

اور وفا اور حیا" اور تحمل وتجمل کے صفات" کابل وقندھار اور ہرات وبلخ وبخارا
اور دوسرے خراسان وترکستان کے علاقوں کے خواص وعماید لوگوں میں عمدہ
طرح تھے موجود ہیں ؎

ہنوز آں ابر رحمت دُرفشان است　　خم وخمخانہ با مہر ونشان ست
حریفان بادہا خوردند ورفتند　　تہی خم خانہ ہا کردند ورفتند

اگرچہ خونریز وسفاک اور شریر وفتنہ انگیز اور غارتگر لوگ اس
جگہ بھی موجود ہیں" جہاں پھول ہے وہاں کانٹا بھی ہے" اور خم سے
خمار ہے" اور خزانہ کے اُوپر سانپ ہے" جہاں کہ موتی آبدار ہے۔
نہنگ مردم خوار بھی ہے"

بہر تقدیر اگر یہ مان لیا جائے کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے
دعوے کے مطابق" علم وفضل اور ہنر وآدمیت" اور حسن خلق شائع ہے
اور علماء وفضلاء موجود ہیں لیکن بدمعاشی اور کج طبعی اور درشت خلقی اور
شرارت اور جھوٹ اور افترا بھی جاری ہے" اور شریر اور سفاک اور فاسق
اور بدکار اور بدافعال لوگ ہندوستان میں موجود ہیں" اس لئے کہ ہر ملک
اور ہر علاقہ میں اچھے اور بُرے لوگ اور خواص اور عوام اور شریف وذلیل
لوگ ہوتے ہیں" یہ چند باتیں میں نے اپنے ہموطنوں کی تفہیم اور تعلیم کے واسطے
لکھدی ہیں کہ وہ اِن حالات سے واقف رہکر ہندوستان میں داخل ہونے کے
وقت جواب شافی دیں" تاکہ ہندوستانیوں کے طعنہ سے نجات اور اُن کی
بیہودہ گوئی سے فلاح پادیں"

صاحب المشاہیر زبیری کنبوی کا بیان" اس بیعت کے بارے میں

" سیّد خواجہ لطف علی مودودی افغانی" کے بیان یا جواب کے بعد" اَب ہم جناب منشی فیض احمد صاحب زبیری کنبوی
مرحوم ومغفور کی اُس تحریر کو پیش کرتے ہیں جو آں جناب نے سلسلۂ عالیہ مؤلفہ حکیم عنایت حسین صاحب زبیری کنبوی مارہروی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ١٢٦٥ ہجری) مطبوعہ فیض منبع ہاشمی واقع شہر میرٹھ ١٣٠٦ ہجری کے صفحہ ١٨٩ پر" اِس قطعہ کے بارے میں اِرقام فرمائی ہے"

مخفی نماندہ کہ پیش گاہ اِیں بادشاہ خجستہ نہاد سلطان سکندر)
ودیگر سلاطین ماضیہ نیاکان ایں طائفہ کرام۔ چقدر تقرب ومنزلت
داشتہ اند۔ امّا بقول آنکہ ؎

نوائم آنکہ نیاز ادم اندرون کے　　حسود راچہ کنم کوز خود برنج دراست

بعض کم نگہان۔ بہ طبیعتے وطینتے کہ دارند" از شرف وامتیاز ایں
گروہ" کہ منجانب اللہ بود" ملول آمدہ زبان بہ نکتہ ہش کشادہ اند" و
کہ از نام ناظمش نشانے پدید نیست" برزبان دادند ومیگویند" ؎

یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ بادشاہ خجستہ نہاد سلطان سکندر
لودی) اور دوسرے پہلے بادشاہوں کے پاس اس قبیلہ کے بزرگوں کو کس قدر
تقرب اور منزلت حاصل تھی" لیکن بقول آنکہ ؎

نوائم آنکہ نیاز ادم اندرون کے　　حسود راچہ کنم کوز خود برنج دراست

بعض کوتاہ نظروں نے اپنی طبیعت اور خصلت کی وجہ سے اس جماعت کے
شرف اور امتیاز سے جو خداداد تھا غمگین ہوکر اُس کی برائی میں زبان کھولی
اور ایک قطعہ جس کے لکھنے والے کا نام معلوم نہیں ہے زبان پر لاتے اور کہتے ہیں

ہندوستان نشستہ "بنائے سلطنت اسلامیہ" درکفرستانِ ہند" انداختہ"
سپس غلامش قطب الدین ایبک" و بختیار خلجی" و شمس الدین
التمش" و رضیہ بیگم دخترش" و نصیر الدین محمود پسرش" و غیاث الدین
بلبن داماد ش" و جلال خلجی" و علاؤ الدین خلجی" و پسرش قطب الدین
مبارک" و غلامش دولت خاں افغان" و سید خضر خاں" و پسرش
سید مبارک شاہ" و بہلول خاں لودی" و پسرش سکندر خاں لودی"
و ابراہیم خاں لودی" تا کہ امیر ظہیر الدین بابر کابلی" کہ از اولاد امیر تیمور
چغتائی تاتاری بود" بر ہند مسلّط شدہ سلطنت ہند" بر اولادت مقرر
گشت" مثل ہمایوں بادشاہ" و اکبر بادشاہ" و جہانگیر" و شاہجہاں"
و اورنگ زیب معروف بہ عالمگیر" تا ابو المظفر بہادر شاہ غازی"

چوں مرزبانان و فرمانروایان جمیع اکناف و قطعات ہند"
چہ لکھنؤ" و چہ بہار" و چہ بنگالہ" و چہ دکن" و چہ گجرات" و چہ میسور"
و چہ مدراس" و چہ ملیبار" تابع الامر و منقاد بادشاہانِ دہلی بودند
و در بارگاہ سلاطین دہلی آمد و رفت داشتند"
آئینِ اختلاط" و حُسنِ اخلاق" و حُسنِ کلام" طرزِ معاشرت" و
آئینِ معاش" ملوکِ اسلام" و امرایانِ سلطنت" و حاشیہ نشینانِ
بساطِ شاہی" دیدہ" و طریقہ صحبت شان پسندیدہ" قول و فعل"
مشرف اندوز آں بساطِ سلطنت را دستور العمل گردانیدہ" و از
ذکاوت و جودتِ طبع" قوانین نو" و آئین جدید ایجاد کردہ۔ در
ہر زمان۔ و احیان در آں اختراع" و ابداع تازہ۔ بکار بردند"
تا کہ مردم ہمہ اکناف ہند" از مرزبانان" و فرمانروایان ملک خویش"
ہمہ طریق اختلاط" و تہذیب" و ضوابط خصائل و فضائل" و
قواعد نشستن و برخاستن" را کہ آنہا۔ از شاہانِ دہلی" استنباط
کردہ بودند اختیار کردند"
تا کہ تمام عادات و اوضاع و شمایل و خصایل و فضایل" و طریق
حُسنِ معاش" مردم خراسان و ترکستان" در ہمہ آفاق و اکناف" و
اطرافِ ہند" شائع و منتشر گشت" چنانچہ ایں دوں عادات و شمایل"
و طریق اختلاط" و وضع سلام و کلام" و لباس" و تقریر و تحریر انگریزی"
و آئینِ معاشرت انگریزان" در مردم ہند" و رؤسائے ہند۔ و از آنہا۔
در مردم ریاستہائے ہند" منتشر گشتہ" و ہنوز رو بہ افزونی۔ در ترقی

پھیکر بنا دسلطنت اسلامیہ کی کفرستانِ ہند میں ڈالی"
بعد ازاں اُن کے غلام "قطب الدین ایبک" اور بختیار خلجی" اور
شمس الدین التمش" اور اُن کی بیٹی رضیہ بیگم" اور اُن کا لڑکا نصیر الدین
محمود" اور غیاث الدین بلبن اُن کا داماد" اور جلال خلجی اور علاؤ الدین
خلجی اور اُس کا لڑکا قطب الدین مبارک" اور غلام اُس کا دولت خاں
افغان" اور سید خضر خاں" اور اُس کا لڑکا سید مبارک شاہ" اور
بہلول خاں لودی اور اُس کا لڑکا سکندر خاں لودی" اور ابراہیم خاں
لودی امیر ظہیر الدین بابر کابلی تک جو امیر تیمور چغتائی تاتاری کی اولاد
سے تھا" ہندوستان پر مسلّط ہوا سلطنت ہند اُس کی اولاد پر مقرر ہوئی" مثل
ہمایوں بادشاہ اور اکبر بادشاہ اور جہانگیر اور شاہجہاں اور اورنگ زیب
المعروف بہ عالمگیر" ابو المظفر بہادر شاہ غازی تک"
کیونکہ حاکم و فرمانروا تمام اکناف و قطعات ہندوستان کے کیا
لکھنؤ" کیا بہار" کیا بنگالہ" کیا دکن" کیا گجرات" کیا میسور" کیا مدراس"
اور کیا ملیبار" بادشاہانِ دہلی کے حکموں کے تابع ہوئے ہیں اور وہ آمد و رفت
شہنشاہانِ دہلی کے درباروں میں رکھتے تھے"
اُنہوں نے ملنے جلنے کے طریقوں" اور حُسنِ اخلاق" اور حُسنِ کلام"
اور طرزِ معاشرت" اور آئینِ معاش" ملوک اسلام اور اُمرائے سلطنت"
اور حاشیہ نشینانِ بساطِ شاہی" کو دیکھ کر اور اُن کے طریقہ صحبت کو پسند
کرکے" قول و فعل اُن بساطِ سلطنت سے شرف اندوز ہو کر اپنا دستور العمل
بنایا" اور اپنی ذکاوت اور جودت طبع سے نئے نئے قوانین و آئین اُن میں
بڑھا کر اور ہر زمانہ میں نئی نئی ایجادیں کرکے کام میں لاتے رہے" یہاں
تک کہ سارے ہندوستان کے لوگوں نے اپنے ملک کے حکمرانوں اور فرمانرواؤں
کے سارے طریقے اختلاط و تہذیب کے اور قاعدے تعظیم و
تکریم کے اور ضابطے خصائل و فضائل کے جو انہوں نے شاہانِ دہلی
سے سیکھے تھے اختیار کر لئے"
یہاں تک کہ تمام عادات و اوضاع و شمایل و خصایل و فضایل اور
طریقے حُسنِ معاش خراسان و ترکستان کے لوگوں کے تمام اکناف و اطراف
ہندوستان میں شائع ہو گئے اور پھیل گئے" جس طرح اِس زمانہ میں"
عادات و شمایل اور طریقے اختلاط اور وضع سلام و کلام اور لباس و تقریر
و تحریر انگریزی اور آئینِ معاشرت انگریزی" ہندوستان کے لوگوں میں
اور ہندوستان کے رئیسوں میں اور ہندوستان کی ریاستوں کے لوگوں

سے اس قطعہ کی حیثیت اور اُس کے لکھنے والے کی ذہانت و جَودتِ طبع کی خوب طرح حقیقت کھل گئی ہے۔

سید خواجہ لطف علی صاحب شوروی افغانی نے ارمغان ہند کے صفحہ ۱۹۲ تا ۱۹۶ میں ہندوستانیوں کے خصائل پر استہزا کا جو اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ

ہر چیز کہ مردم ہندوستان است کہ بر سادہ لوحی مردم ملک ما خندیدہ و تمام مردم این ملک را مانند سواتی و توپیری و آفریدی و مردم باجوڑ و مردم تلمی و مردم دیگر اکناف کوہستان کہ در ہندوستان بعضے برائے میوہ فروشی و برخے برائے انگورہ فروشی و ہینگ فروشی، و بعضی برائے فروختن عرق چین و طاقی (کلاہ از سفات ترکی)، و برخی دیگر ہم کہ افراد کامل سازند) و کورک و سترہ و دیگر اقسام پشم اند) مے روند پندارند و چنین دانند کہ در ہر ملک تمام مردم یکسان می باشند و در ہر ملک مردم وضیع و شریف، و ادنیٰ و اعلیٰ و غنی و فقیر و شہری و روستائی و عاقل و جاہل نمے باشند لہٰذا برای خود قضیہ کلیہ مرتب کردہ کل ولائتی را کہ در ہندوستان عام مردم ایران و کابل و قندھار و ہرات باشد ولائتی مے گویند و وحشی گفتہ و مردم اعالی را چوں مردم ادنیٰ و مردم شہری را ہمچوں مردم کوہی و روستائی و خواص را ہمچوں مردم عوام و در روش و خورش و عقل و فہم دانستہ از کم عقلی و کند ذہنی است۔

بار بخدا ماشاء اللہ بر عقل روستائی و مردم الہیات و مردم کوہی و ہر ملک سادہ لوح مے باشند و خورش غیر متکلفانہ خورند ملکہ مردم دیہات ہندوستان از مردم دہقان کابل و قندھار در عقل و فراست و خورش و پوشش ہیچ فرق ندارند۔ و مانند مردم شہری از کابل و غزنی و قندھار و ہرات و غور و بدخشاں و مردم ترکستان از تاتار و تاجر و بخارا و سمرقند و تاشقند و مردم ایران مثل طوس و ہمدان و کرمان و شیراز و اصفہان و نیشاپور و دیگر بلاد خراسان و ایران کہ در علم و فضل و ہنر و کیاست استاد ادب آموز مردم ہند اند کہ حصول جمیع فضائل و تہذیب و خصائل و آئین نشست و برخاستن و طرز اختلاط و طرق پختن اطعمہ و صفائی لباس و حسن معاش از مردم این جا در علم ہند منتشر گشتہ زیراکہ پادشاہان ہندوستان از اہل اسلام بغیر از خاندان تغلق ہمہ از ملک افغانستان و خراسان و ترکستان بودند مثل شہاب الدین غوری کہ در سنہ ۵۶۲ ہجری در ہند آمدہ بنا سلطنت

ہندوستان کے لوگوں کی عادت ہے کہ میرے ملک کے لوگوں کی سادہ مزاجی کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس ملک کے تمام لوگوں کو جیسے سواتی توپیری اور آفریدی اور باجوڑ اور تلمی اور دوسرے پہاڑی لوگوں کی طرح۔ جو ہندوستان میں بعضے میوہ بیچنے کے واسطے اور بعضے ہینگ بیچنے کے واسطے اور عرق چین بیچنے کے واسطے اور ٹوپیوں اور پشم کے چوغے اور دیگر اقسام پشم بیچنے کو جاتے ہیں جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ہر ملک میں تمام لوگ یکساں نہیں ہوتے ہیں ہر ملک میں وضیع و شریف، ادنیٰ اور اعلیٰ اور امیر و غریب اور شہری و کوہی اور عاقل و جاہل ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں انھوں نے قاعدہ کلیہ قرار دے لیا ہے کہ سارے ولائتیوں کو جو ہندوستان میں ایران اور کابل اور قندھار اور ہرات سے آتے ہیں ولائتی کہتے، وحشی سمجھتے ہیں اور عالی مرتبہ لوگوں کو مثل ادنیٰ لوگوں کے اور شہریوں کو پہاڑی اور دہقانی لوگوں کی طرح اور خواص کو مثل عوام کے اور ان کی عقل و فہم کو برابر جاننا کم عقلی اور ناسمجھی کی دلیل ہے۔

اے خدا معبود ماشاء اللہ اس گنواری عقل پر پہاڑی اور دیہات کے لوگ ہر ملک کے سادہ لوح ہوتے اور غیر متکلف کھانے کھاتے ہیں دیکھو لوگو ہندوستان کے گاؤں کے لوگ کابل اور قندھار کے لوگوں پر عقل فراست اور کھانے پینے میں کوئی برتری نہیں رکھتے اور کابل و غزنی اور قندھار و ہرات اور غور و بدخشاں اور ترکستان کے شہری لوگ تاتار و باختر میں بخارا و سمرقند و تاشقند کے اور ایران میں طوس و ہمدان و کرمان و شیراز و اصفہان و نیشاپور اور دیگر بلاد خراسان و ایران کے شہری علم و ہنر اور فضل و کیاست میں اُستاد ادب سکھانے والے ہندوستان کے لوگوں کے ہیں سارے فضائل تہذیب اور خصائل اور قواعد تعظیم و تکریم اور ملنے جلنے کے اور طریقہ کھانے پکانے کا اور صفائی لباس اور حسن معاش یہاں کے لوگوں نے انہیں سے حاصل کیا ہے اور ان کا علم ہند میں پھیلا ہے اس لئے کہ بادشاہان ہندوستان از اہل اسلام بغیر خاندان تغلق کے سب ملک افغانستان و خراسان اور ترکستان سے ہوتے تھے۔ مثل شہاب الدین غوری جو سنہ ۵۶۲ ہجری میں سلطنت ہند کی

وتا سہ روز بر قبرش مجتمع گشتہ۔ مولود خوانی نمودند۔ "سبحان اللہ مردم دریں مقدمہ حیدری ونعمت الٰہی شدہ اند۔" یکے میگوید۔

(رباعی)

دیدی کہ چہ بادشاہ گرامی کردند صد جور و جفا از راہِ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بہ جستم فرمود سادات وے نمک حرامی کردند
[۱۱۳۱ھ]
(ص ۳۴۲ تا ۳۴۴)

جمع ہو کر روتے پیٹتے ہمراہ گئے" اور سادات پر پتھروں کی بارش کرتے۔ اور اُن پر نفریں کرتے تھے اور تین دن تک اُس کی قبر پر جمع ہو کر مولود پڑھتے رہے۔ "سبحان اللہ لوگ اِس مقدمہ میں حیدری اور نعمت اللٰہی ہو گئے۔"

ایک نے رباعی کہی ہے

دیدی کہ چہ بادشاہ گرامی کردند صد جور و جفا از راہِ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بہ جستم فرمود سادات وے نمک حرامی کردند

سادات کے جور و ظلم اور نمک حرامی کا حال معلوم ہو چکا۔ اب ہم اس کے مقابلہ میں "مآثر الامراء جلد اوّل کے ص ۳۳۵ و ۳۳۶ پر" امیر الامراء سید حسین علی خاں برادر قطب الملک سید عبد اللہ خاں کا جو حال درج ہے اُس کا ایک ٹکڑا پیش کرتے ہیں، جس میں بجائے ظالم کے "ان سیدوں کو مظلوم ظاہر کر کے" "سید حسین علی خاں کے قاتل کو کہ وہ بھی ایک "دسیل ہی تھے" "ثیرِ دِل" بنا دیا گیا ہے۔"

میر حیدر" کہ رُو شناس وراہِ حُرمت داشت۔ احوال خود نوشتہ بدست "امیر الامراء" (سید حسین علی خاں) داد۔

چوں دید کہ او مشغول خواندن است" آں چناں بہ چُستی وچالاکی خنجر آبدار بہ پہلوئے آں بہادر نامدار رسانید" کارش بآخر انجامید میر عبد الجلیل حسینی واسطی بلگرامی مرثیہ نوشتہ است" ے

آثار کربلاست عیاں از جبینِ ہند
شُد ماتم حسین علی تازہ در جہاں

اے دوستان آل و محبّان اہلِ بیت غمگین شوید بہر حسین حزین ہند۔ تا حق اہلِ بیت رسالت ادا شود" بزعم ایں جماعت منصوبہ بین ہند" سال شہادتش قلم واسطی نوشت ع

میر حیدر نے جو رُو شناس اور گفتگو کرنے والوں میں تھا۔ اپنا احوال لکھکر "امیر الامراء (سید حسین علی خاں) کو دیا۔۔۔

جب دیکھا کہ وہ پڑھنے میں مشغول ہے تو اِس قدر چُستی اور چالاکی سے خنجر آبدار اُس بہادر نامدار کے پہلو میں مارا کہ وہ فوراً مر گیا" میر عبد الجلیل حسینی واسطی بلگرامی نے مرثیہ لکھا ہے ے

زد جوش خونِ آلِ نبی از زمینِ ہند
سادات گشتہ اند مصیبت نشینِ ہند

اے دوستان آل اور محبّانِ اہل بیت غمگین ہو جاؤ حسین حزین ہند کے واسطے" تا کہ حق اہل بیت رسالت کا ادا ہو" اِس گروہ منصوبہ بین ہند کے زعم پر اُس کی شہادت کا سال واسطی کے قلم نے لکھا ہے ع

"قتل حسین کرد" یزید لعین ہند"
[۱۱۳۲ھ]

سید خواجہ لطف علی مودودی افغانی کا بیان "بیت متذکرہ کے متعلق

حاسدین و مخالفین کے اِس قسم کے تبرّوں یا ہزلیات کی جنہیں ہم نے ابھی دکھایا ہے تعداد بیشمار ہے" مگر یہاں اِن چند کو بطور مثال دکھانے پر اکتفا کر کے۔ اب ہم اس قطعہ پر جس کا ایک شعر "نسبی بحث میں "مؤلف امروہوی نے پیش کرنا ضروری خیال کیا ہے" سید خواجہ لطف علی صاحب مودودی افغانی" کا بیان" اُن کی مؤلفہ کتاب" ارمغان ہند" مطبوعہ ناسک احاطہ بمبئی ۱۳۱۱ ہجری سے لیکر نذر ناظرین کرتے ہیں کہ اس سے

(نوٹ ۱) سادات بارہہ کے متعلق جو وصیت شہنشاہ عالمگیر نے شاہزادہ عالی جاہ محمد معظم بہادر شاہ کو تحریر کی تھی وہ یہ ہے کہ۔

لیکن با سادات بارہہ کمال احتیاط باید نمود" در محبت ظاہر و باطنی قصور نباید کرد۔ و بحسب ظاہر مرتبہ ایشاں را بناید افزود کہ شریک غالب بلکہ شریک ظالم" بلکہ اندک استرخائے عناں شود ندامت فائدہ ندارد دست دریغ سود ندارد دیدہ رفت کار از دست"

لیکن سادات بارہہ کے ساتھ نہایت احتیاط رکھنی چاہئے اور ظاہری و باطنی محبت میں کمی کرنی چاہئے" البتہ ان کا ظاہری مرتبہ نہ بڑھانا چاہئے کیونکہ یہ لوگ شریک غالب بلکہ شریک ظالم بنتے ہیں" اور اگر ان کی باگ ذرا بھی ڈھیلی کر دی تو پھر پشیمانی سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔"

(نوٹ) سادات بارہہ کا نسب اُوپر جا کر ابو الفرح واسطی زیدی سے ملتا ہے جو سید محمد صغریٰ بلگرامی کے بھی مورث تھے" ضلع ہردوئی کے گزیٹیر میں ہے کہ" بلگرام اور شاہ آباد میں زیدی زیادہ ہیں" زیدی سادات اضلاع مظفر نگر و میرٹھ و بجنور میں زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں" ضلع ہردوئی میں سونا اور برگنہ جات پنڈرو و بلگرام میں ان کے پاس زمینداری بھی بہت ہے" (حیات میر جلیل حصہ دوم ص ۱۱۱ تا ۱۱۹ مؤلفہ مقبول احمد صمدانی۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۹ء)

زبس کوفہ سے یہ شہر ہم عدد ہے ۔۔۔ اگر شیعہ کہے بینک اِس کو بَد ہے

اِس مثنوی کا نام "گلزارِ ارم" تھا"

تاریخ ہندوستان جلد ہشتم مؤلفہ شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب" کے صفحہ ۱۲۵ پر ہے کہ "ایک شخص نے کشمیر کی تعریف میں ہجو ملیح کی ہے ؎

کسانیکہ آفاق گردیدہ اند ۔۔۔ بسے سال و مہ در سفر بُردہ اند
بہ تعریف کشمیر و کشمیریان ۔۔۔ بہشتے پُر از دوزخی دیدہ اند

کوئی ایک صاحب یہ قطعہ لکھکر اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں کہ ؎

مرزا صاحب کی میرزائی غایب ۔۔۔ سیّد صاحب کی پارسائی غایب
شیخوں نے جو جھک کے دیکھا افسر ۔۔۔ سُنّت جو تھی بچی بچائی غایب

"تاریخ الامّت" جلد چہارم میں "محمد اسلم" صاحب جیراج پوری نے لکھا ہے کہ "طاہر (دوالمنن) کو شکست دینے کے بعد "نصر" کی جوٹ حلب" کے شمال میں "مقام کیسوم" کا حاکم تھا بہت شوکت بڑھ گئی" اس نے جزیرے میں "حرّان" کا محاصرہ کیا" یہاں "علویہ" (حضرت علی رضی اللہ عنہا کی غیر فاطمی اولاد) کی ایک جماعت اُس کے شامل ہو گئی" اور اُس سے کہا کہ "کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُس کو خلیفہ بنالیں تو ہماری جماعت و طاقت بہت بڑھ جائے گی۔ نصر نے پوچھا کس کے ہاتھ پر" ان لوگوں نے کہا کہ کسی "علوی کے" نصر بولا" سبحان اللہ" اگر آج علویوں میں سے کسی کا ہاتھ تھام لوں" تو کل ہی وہ کہنے لگے گا۔ کہ میں تیرا خالق" اور رزّاق ہوں" سب علویوں کے متعلق جو نصر نے اپنی رائے کا اظہار کیا" اُس کی غلطی ظاہر ہے"

مزید براں "ابوجعفر منصور عباسی خلیفہ دوم" اور "محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ" کی وہ خط و کتابت ہے "جسے" مؤلف امروہوی نے "اپنی کتاب تحقیق الانساب جلد چہارم کے صفحہ ۱۵۵ تا ۱۹۰ پر تحریر کیا ہے" جس میں اپنے حقوق کے اثبات کے لئے ایک نے دوسرے پر اپنا تفاخر جتایا ہے" اُدھر منصور کو تو" لونڈی بچہ لکھا گیا ہے" کیونکہ وہ ایک بربری لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ اِدھر منصور نے اور باتوں کے علاوہ یہ احسان جتایا ہے کہ "اگر حضرت عبّاسؓ" اپنے بھائی "حضرت ابوطالب" اور اُن کے اہل و عیال کی دستگیری نہ کرتے اور کھانے کپڑے سے اُن کی مدد نہ کرتے تو وہ "عتبہ و شیبہ" کی بکّن چاٹتے" غرضکہ جب مخالفت ہو کر حسد اور بغض اُس کی جگہ لے لیتا ہے تو اسی طرح کی حرکتیں اکثر اشخاص کرنے لگتے ہیں" جن کے زبان سے نکالنے کی "تہذیب و شرافت ہرگز اجازت نہیں دیتی"

اسی موجودہ زمانے میں کئی سال قبل "رنجش اور مخالفت کی وجہ سے" ایک سیّد صاحب نے یہ قطعہ لکھکر مشہور کیا تھا کہ ؎

ضیاءالدین و عبداللہ یا ہوں آفتاب احمدؔ ۔۔۔ نہ ہوگا قوم کو حاصل۔ جز ان سے بیخ و دلگیری
کسی نے سچ کہا ہے یہ۔ کہ بدذاتی میں کامل ہیں ۔۔۔ یکم افغاں" دوم کنبوہ" سوم بدذات کشمیری

(۱) لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاءالدین احمد زبیری کنبوی" پی۔ ایچ۔ ڈی" ڈی۔ ایس سی" سی۔ آئی۔ ای" وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ" و ممبر کونسل و اسٹرائے ہند" و سابق سیکرٹری مسلم لیگ پارٹی در مجلس مقننہ ہندوستان" جن کی قومی و ملی خدمات ایسی اظہر من الشمس ہیں" جن کا اعتراف" مؤلف امروہوی کو بھی ہے" چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب تحقیق الانساب امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۳۳ پر لکھا ہے کہ "ہندوستان کے بعض نامور" علماء" و مشائخ" و امراء" و اطبّاء" و شعراء" اِس نامور قوم میں پیدا ہوئے" زمانہ حال میں" نواب وقار الملک مرحوم" اور ڈاکٹر ضیاءالدین احمد" جیسی بلند پایہ ہستیوں سے" اِس دُودمان عالی شان" کا نام روشن ہے"

(۲) شیخ عبداللہ کشمیری" بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی" وکیل ہائیکورٹ" اور بانی و منتظم مسلم گرلز کالج علیگڈھ"

(۳) صاحبزادے آفتاب احمد خاں پٹھان یا افغانی" بیرسٹر ایٹ لا" سابق سیکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس"

ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ "اِس عبارت" اور "شعر سے" "نسبی بحث کو کیا تعلق ہے" اور اگر بقول ایلیٹ اور مؤلف امروہوی "یہ مسلمان کنبوہ" جن کے متعلق اِس عبارت" اور "شعر کا ذکر ہے" ہندو سے مسلمان ہوگئے تھے" تو ہندوؤں کا اُن سے خفا اور ناراض ہونا تو سمجھ میں آسکتا ہے" لیکن دوسری مسلمان اقوام کا بجائے خوش ہونے کے ہندو کنبوہوں کو نہیں بلکہ مسلمان کنبوہوں کو اچھی .. نظروں سے نہ دیکھنا" یعنی اُن سے اظہارِ بیزاری کرنا" کیا معنی رکھتا ہے" یہ چیستاں بھی ہم حل نہیں کرسکے"

اگرچہ اِس عبارت اور شعر کے پیش کرنے سے "مؤلف موصوف" نے اِس دُودمانِ عالی شان یعنی زبیری کنبوی خاندان کی تحقیر کی کوشش کی ہے" لیکن یہ ایسی مضحکہ خیز غلطی اُن سے ہوئی ہے جس نے اُن کی تحقیق اور دلی کاوش کی قلعی بخوبی کھول دی ہے"

ہمیں یہ پتہ چلا ہے کہ "حسد اور کینہ کا بانی "معلّم الملکوت شیطان الرجیم ہے" بارگاہِ خداوندی سے تمام فرشتوں کو حکم ہوا تھا کہ وہ "حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں" یعنی اُن کی برتری اور اقتدار کا اقرار کریں" سب نے تو حکم کی تعمیل کی" مگر شیطان کو حسد ہوا اور اُس نے حکم کی تعمیل نہیں کی" نافرمانی کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ کر دیا گیا" تو اُس نے "حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی طرف سے اپنے دل میں قیامت تک کے لئے کینہ رکھ لیا ہے" اور اُسی دن سے برابر وہ "حضرت آدم علیہ السلام" کی اولاد میں سے جن جن پر قابو پاتا رہا۔ اُن سے "فریب" دھوکے" حسد" اور "کینہ توزی کے" مظاہرے کراتا رہا ہے" اور قیامت تک کراتا رہے گا" حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام کو دھوکا اور فریب دیکر اُس نے جنّت سے نکلوایا اور پھر "قابیل کو حسد دلا کر ہابیل کو قتل کرایا" غرضکہ ایسے لوگ جو شیطان کے اثر میں آئے ہیں اور بجا طور پر شیطان کی ذرّیات کہلائے جانے کے مستحق ہیں" ہر زمانے میں "طرح طرح سے حسد اور کینے کے" مظاہرے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور آج بھی ہر جگہ اور ہر مقام پر اُن کے مظاہرے دیکھے جاتے ہیں"

یہ رُباعی بھی" جس کے صرف ایک ہی شعر کو" مؤلف امروہوی نے یہاں "نسب کی بحث میں پیش کرنا مناسب اور ضروری خیال کیا ہے۔ اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہے" اِسی قبیل کے لوگوں کی طرف سے ہے" اور اُن کے حسد نیز کینہ کے مظاہرے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی"

مُلّا عبدالقادر بدایونی نے "حسد اور جلن کی وجہ سے" بزرگانِ دین" اُمراء" اور عہدہ دارانِ شاہی پر" جن زہریلے تیروں کی بارش کی ہے" یعنی گندے اور رکیک فقرے اُن کے حق میں استعمال کئے ہیں" نیز اُن کی ہجو اور تاریخ ہائے وفات لکھکر اپنی خباثت و دناءتِ طبع کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اُن کو ہم نے "مُلّا صاحب کی کتاب منتخب التواریخ سے لیکر "شیخ گدائی سے متعلق "باب ہشتم" میں لکھا ہے" یہاں اِسی قبیل کے چند نمونے اور پیش کرتے ہیں"

بعض اشعار و فقرات" جو حسد" بغض" خبث" یا تضحیک سے" اشخاص حسد پیشہ و اہلِ ظرافت نے" اکثر اقوام کی نسبت کہے ہیں۔ اور خاص خاص اصحاب کی نسبت" جو" ہجو" عداوتاً" یا "ظرافتاً" لکھی گئی ہیں" وہ بیشمار ہیں" جن میں سے چند یہ ہیں"

(۱) ہر جا جمع می آیند سادات — فسادات فسادات فسادات
(۲) شیطان بہ سرِ کوہ ۔ ترسید را گائید — زن را گلے بماند ۔ و ڈھو مُکر نزائید
(۳) ز سگ اف اف ۔ ز زاغاں غاں گرفتند — حریفاں نامِ شاں افغاں گرفتند
(۴) مُغل را چُغل دان اگر عاقلی — بجو ایمن نشینی ازو غافلی
(۵) ہمہ نیک بودے گر افغال میسر — جُزی نام گفتی نگفتی کہ میسر
(۶) چار قاف بیمروّت باشد اے والا تمیز — قاضیؔ و قصبائیؔ و قصّاب و قانونگوئی نیز
(۷) برہم سوزاک پدر سے وہ شریر — رحم مادر سے پلٹ نکلا ہے میسر
(۸) مُغل چُغل" (۹) کشمیری بے پیرجی" (۱۰) شلیتہ میں تیغ۔ اور بھیڑے میں شیخ۔ مکھڑے کے ہی کھڑکے"

مؤلف امروہوی "اگر سید ہیں تو" اور "شیخ ہیں تو" "سادات کے متعلق شعر" اور "شیخ کے متعلق جو فقرہ ہے" اُس کے

لالہ لاجپت رائے کی تحریر کا ایک تصدیقی بیان

کمبوجا راجا پال خاندان ۷۳۰ء سے ۱۱۳۰ء تک کے درمیان بنگالہ میں گوپال نامی ایک دیکانتدار شخص کو اپنا سردار مانا گوپال بودھ دھرم کے ساتھ ملوث رکھتا تھا کچھ مدت بعد اُس نے مگدھ پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا اس کے خاندان نے ۱۱۹۹ء تک حکومت کی حتکہ محمد بختیار خلجی نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی حکومت کے زمانے میں پہاڑی علاقوں کے باشندوں نے خودسر ہو کر اپنی قوم کے ایک سردار کو راجہ بنایا جو کمبوجہ راجہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی حکومت کا پتہ دیناج پور میں پتھر کے پایہ پر ایک کتبے سے دریافت ہوا ہے جس میں ۸۸۸ء درج ہے جیسا کہ سنہ ہونے کی صورت میں ۹۶۶ء کے برابر ہوتا ہے پال خاندان کے نویں راجہ مہی پال نے کمبوجہ کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ مہی پال اول جو پال خاندان کا نواں حکمران تھا بڑا مشہور راجہ تھا ۹۷۸ء تا ۱۰۳۰ء تخمیناً اس کا زمانہ حکمرانی ہے۔

(تاریخ مگدھ یعنی صوبہ بہار کی مکمل تاریخ شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء)

ملک کمبوج یا کمبوجا کے جائے وقوع کے بارے میں سر ہربرٹ ایلیٹ کے اس بیان کی کہ کمبوج کابل کا سنسکرت نام تھا ہمارے پیش کردہ بے شمار شواہد سے ہی بخوبی تردید ہو گئی ہے مگر ہم نے اس موضوع پر تفصیلی بحث اس کتاب کی جلد دوم تاریخ کمبوہان کے حواشی میں اس موضوع پر کی ہے جہاں مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی من گھڑت کہانیوں سے شہنشاہ کام بوریا کی اولاد کا نام کام بوج ہونے اور اُس کے افغانستان میں آنے اور اس کی وجہ سے افغانستان کا نام کمبوج پڑ جانے کو ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ یہ کمبوجوں کا ایک قبیلہ دریائے سندھ کے کنارے کے کچھ حصہ پر صوبہ سرحد میں کمبوجا یعنی تبت سے آ کر آباد ہو گیا تھا وہ اب کسی نام سے پکارا جاتا ہے اور ہندوستان کے باہر کہاں سکونت پذیر ہے۔ مگر یہاں ملک کمبوج یا کمبوجا کے جائے وقوع کے بارے میں سر ہربرٹ ایلیٹ کے اس بیان کی کہ کمبوج کابل کا سنسکرت نام تھا تردید کے لئے اسی قدر شواہد پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کمبوہوں کے قدیم مسکن امر کہ ہندوستان میں قدم رکھنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایلیٹ کی مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کی حماقت اور اس کا جواب

ایلیٹ کا یہ لکھنا کہ مسلمان کمبوہوں کو دوسری اقوام کے مسلمان یعنی کشمیریوں اور افغانیوں کی مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ کس قدر حماقت سے بھرا ہوا ہے اُس کے متعلق تو یہ ہے کہ سر ایلیٹ نے اگر ایسا لکھا تو اپنی قوم کی بھلائی کے لئے سیاسی حکومت کے استحکام کے لئے مصلحت کے تحت لکھا ہے یہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے ماتحت لکھا ہے لیکن مؤلف امروہوی کے متعلق کیا کہا جائے جس نے ایسی نامعقول بات کو پیش کرنے میں حالانکہ اُسے مسلمانی کا دعویٰ ہے۔ بے شک اس میں کوئی شک نہیں محسوس کی کہ اس کی تردید کرنی ہو در کنار یہی سرے چاؤ سے آپ نے اس دلچسپ بحث میں لانا ضروری سمجھا ہے۔ ہم ان مؤلف صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ (۱) جب بقول اُن کے کمبوہ آرین چھتری ہیں تو ایسی شریف قوم کے مسلمان ہو جانے سے یہ مسلمانوں کو ان سے نفرت ہونے کے بجائے فخر کیوں ہے اور دوسری راجپوت یا آرین چھتری یا کھتری اقوام کے مسلمان ہو جانے سے اُنہیں نفرت کیوں نہیں ہے۔ یہ افغانی و کشمیری مسلمانوں سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچا جس کی وجہ سے انہیں بھی وہ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے ہیں۔ اور اس حرکت سے مسلمانوں نے اپنی اجتماعی طاقت کو منقسم کرنے میں کیا فائدہ سوچا ہے۔ (۲) کیا مسلمان تبلیغ و اشاعت دین کو بُرا سمجھتے تھے جس کی وجہ سے کمبوہ قوم کے مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں رنج ہوا۔ غرض یہ کہ ایلیٹ کی اس من گھڑت کہانی کے پیش کرنے سے اور بھی آپ کی حماقت طبع کی قلعی بھی کھل گئی ہے۔

مؤلف امروہوی کی پیش کردہ افغانی، کمبوہ اور کشمیری خاندانوں کے متعلق نیت یا باہمی کی حیثیت

اس بیان کے آخر میں مؤلف امروہوی نے ایلیٹ کی تاریخ سے لیکر لکھا ہے کہ مسلمان کمبوہوں کو دوسری اقوام کے مسلمان یعنی کشمیریوں اور افغانیوں کی مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور فارسی میں ضرب المثل ہے کہ

اگر قحط الرجال آمد ازیں سہ اُنس کم گیری
یکے افغان دوم کمبوہ سوم بدذات کشمیری

علامہ مسعودی (المتوفی ۳۴۵ھ ہجری) کا بیان

اس واقعہ کی تائید علامہ مسعودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ تبت کے بیان میں باشندگان تبت کے متعلق وہ لکھتے ہیں

وقد کانوا فی قدیم الزمان یسمون ملوکھم تبعاً لا تباع اسم تبع ملک الیمن ثم ان الدھر ضرب ضرباتہ فتغیرت لغاتھم عن الحمیریۃ و حالت الی لغۃ تلک البلاد ممن جاورھم من الامم فسموا ملوکھم بخاقان۔

وقد تنازع الناس فی انسابھم فمنھم من الحقھم بولد یافث بن نوح ومنھم من الحقھم بالفرس الاولی فی نسل طویل وبلاد التبت مملکۃ متمیزۃ من بلاد الصین والغالب علیھم حمیر وفیھم بعض التبابعۃ علی حسب ما ذکرنا من اخبار ملوک الیمن فیما یرد من ھذا الکتاب فی ذلک موجود فی اخبار التبابعۃ۔

قدیم زمانہ میں اہل تبت اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے اور اس باب میں شاہانِ یمن کی جن کا لقب تبع تھا پیروی کرتے تھے۔ انقلاب زمانہ سے حالت متغیر ہوگئی اور رفتہ رفتہ قوم حمیر کی وہ عربی زبان جو اُن میں رائج تھی ہمسایہ اقوام کی زبان سے بدل گئی۔ اور بجائے تبع کے ترکوں کی تقلید میں وہ بھی اپنے بادشاہ کو خاقان کہنے لگے۔

اہلِ تبت کے سلسلۂ نسب میں اختلاف ہے۔ بعض یافث بن نوح کی اولاد میں بتاتے ہیں اور بعض قدیم ایرانیوں کی نسل میں شامل کرتے ہیں تبت کا ملک چین سے بالکل جدا اور ممتاز ہے باشندوں میں عربی قوم حمیر کے اوضاع غالب ہیں۔ اور جیسا کہ اس کتاب میں بضمن تذکرہ سلاطین یمن ہم لکھیں گے بعض اُمراء و رؤسا کا لقب اب بھی تبع ہے۔ سلاطین تبع کے واقعات میں تبت کی تصریح موجود ہے"

(مروج الذہب مسعودی جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ حاشیہ نفح الطیب مطبوعہ مصر")

محمد عثمان عمادی بی۔ایس۔سی ~~پروفیسر ٹریننگ کالج~~ جامعہ عثمانیہ کا بیان

تاریخ عرب قدیم میں ہے کہ "عربوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک سے بہت پہلے دُنیا کے بیشتر ممالک پر حکومت کی اور تہذیب و تمدن سے رُوشناس کیا) ملک "تبت" کا نام اُنہیں کے ایک بادشاہ "تبع" سے موسوم ہوا"

(مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۱۱ شمارہ ۱ و ۲ صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲)

لالہ لاجپت رائے کا بیان

لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تحریر فرمایا ہے کہ "تبت کا نام کامبوجا" ہے اور لکھا ہے کہ "کمبوج راجے" نے اپنی قوم کی قیادت میں پہاڑوں سے اُتر کر اس حکومت پر (بنگال کے پال خاندان کی حکومت پر) حملہ کر دیا اور کچھ حصہ ملک پر قبضہ کر لیا" مگر پال خاندان کے نویں بادشاہ "مہی پال اوّل" نے ۹۷۸ء یا ۹۸۰ء میں اپنی قوت کو مجتمع کر کے مقابلہ کیا اور ان کو (کمبوجوں کو) مغلوب کر کے اپنے تخت و تاج پر قبضہ حاصل کر لیا" — (تاریخ کمبوہان صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳)

(بقیہ نوٹ عہ صفحہ ۱۹۹) کے کسی خاص حصہ کی آبادی کو عربی النسل کہا کرتے تھے۔ ایک شعوبی شاعر کہتا ہے"

تقولون ان الھند اولاد خندف — وبینکم قربیٰ وبین البرابر

تم کہتے ہو کہ ہندوستانی خندف کی (ایک عرب کا نام تھا) اولاد میں تھا — اور تم میں اور قوم بربر میں قرابت ہے

ودیلم من نسل ابن ضبّۃ باسل — وبرجان من اولاد عمرو بن عامر

اور قوم دیلم بہادر ابن ضبّہ کی نسل میں ہے — اور قوم برجان عمرو بن عامر کی اولاد میں ہے

ہم یہ جانتے ہیں کہ غیر تاریخی زمانہ میں سندھ و گجرات میں عربی حکومتیں موجود تھیں مسٹر الیٹ کی انگریزی تاریخ سندھ میں بھی اہل عرب کی سلطنت سندھ کا تذکرہ موجود ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی قدیم علمی زبان میں جو ٹھیٹ آرین زبان تھی عربی کے آثار موجود ہیں۔ جب تک انتہا درجہ کا اختلاط ہو یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ عرب میں ہندوؤں کی سلطنت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ ہندوستان کی قدیم سلطنت کے اہلِ عرب مدعی تھے"

"کیمی" "کامی" کو جہاوت" "قمبرانی" "کھمیانی" "کھومبو" "کمبا" "کمبو" "کمبرین" "کموّن" اور "کمگو" "کنبوی" یا "کنبوہ" بھی ہیں" مگر ایسے ناموں کی مماثلت کی وجہ سے یہ ایک قوم کی شاخیں نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف النسل ہیں اور کوئی طاقت دنیا کی ان کا ایک نسل سے ہونا ہرگز ثابت نہیں کرسکتی۔" مسٹر ایلیٹ اور اُن جیسے لوگوں نے اگر تحقیق و تلاش اور کوشش و کاوش سے صَرف نظر کرکے "جو کمبوج قوم اور قوم کمبو کے ناموں میں مماثلت پاکر ان کو ایک بتا دیا ہے تو یہ اُن کی کوتاہ نظری ہے" اور اُن کے اِس بیان کی "تاریخی شواہد و اسناد کی موجودگی میں ذرّہ برابر بھی وقعت نیز کوئی حقیقت نہیں ہے" کسی بات کی حقیقت جاننے میں بڑی تلاش اور محنت کرنی پڑتی ہے" یہ نہیں ہوتا کہ" ایک جگہ کمبوج اور دوسری جگہ کمبو قوم کو دیکھ کر رائے زنی کردی کہ یہ دونوں نام ایک قوم کے ہیں۔ اور پھر ایک بات سُنکر لکھدیا کہ "کنبوہ" "کنے انبوہ" کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے" اِس طرح کسی بات کی تحقیقات نہیں کی جایا کرتی"

ہم نے اِس کتاب کی دوسری جلد میں جو تاریخ کمبوہان کے جواب میں ہے" مؤلف تاریخ کمبوہان اور مصنف سفینۂ بابری کی تحقیقاتوں کا بھی اسی طرح سے تجزیہ کیا ہے جس طرح مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات" کا کیا ہے" جیسا کہ ابھی ہم دکھلا آئے ہیں بہت اقوام ہیں" جو "کمبوہ" کے مماثل نام رکھتی ہیں اور وہ سب مختلف النسل ہیں اگر مصنفہ تاریخ کمبوہان کو یہ معلوم ہوجاتا کہ ایک بڑی قوم "کمبا" افریقہ میں ہے تو وہ اسے بھی اپنی قوم سے ظاہر کرکے اپنی قوم کمبو کا سارے افریقہ کے فتح کرنے کا دعویٰ کر بیٹھتے" اور اگر وہ جان جاتے کہ "کوہ پرنیز کے نیچے اسپین میں ایک شہر کمبو" نام کا موجود ہے تو سارے یورپ کے ہی اپنی قوم کمبو کے ہاتھوں زیر و زبر کرڈالنے کا یقین دلانے میں ضرور کوشش فرماتے اور اِس شہر کے نام کا اپنی قوم کے وہاں سکونت اختیار کرلینے سے پڑجانے کو باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے" اور پھر جب انھیں یہ معلوم ہوجاتا کہ "کمبو" جیسے نام رکھنے والے بڑے بڑے تاریخی لوگ ہوئے ہیں جیسے کہ چین کے ایک بڑے جنرل کا نام "کنبو" تھا اور "راماین کے لکھنے والے "کمبارشی" تھے تو وہ ان کو بھی اپنی قوم سے بتانے میں اپنا پورا زور صرف فرما دیتے" ان کی تحقیقات کی حقیقت تو دوسری جلد سے ظاہر ہوگی۔ مگر یہاں تو ہمیں صرف یہ دکھانا تھا کہ قوم کمبو کیا کہہ رہی ہے اور مسٹر ایلیٹ کیا فرما رہے ہیں جن کی مصلحت آمیز قیاس آرائی کو مؤلف صاحب امروہوی نے بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے"

اَب چونکہ ایلیٹ کے اِس بیان کی بخوبی تردید ہوگئی ہے کہ "کمبو" قوم کا کابل اور کمبوج قوم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی بات اور باقی نہیں رہی ہے" مگر مؤلف صاحب امروہوی کی تسلی کے لئے ہم انہیں یہ بتائے دیتے ہیں کہ "کمبوج" کسی ملک کا نام تھا۔ اور جہاں کے لوگ "کمبوج" کہلاتے تھے"

"تبّت کا قدیم نام کمبوجا" ہونے کی شہادتیں

سر ہنری ایلیٹ کا یہ بیان بھی کہ "کمبوج" "کابل" کا سنسکرت نام ہے اور یہ نام "کمبو" سے اِس قدر مشابہ ہے کہ" اس قوم کو "کابل" کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہوگا" قطعاً غلط اور پایۂ تحقیق سے خارج ہے" "کمبوج" "کابل" کا نام کبھی نہ تھا" اور مؤلف تاریخ کمبوہان کے اِس بیان میں بھی کہ "شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد کمبوجی کہلاتی تھی اُس کے افغانستان میں آجانے کی وجہ سے اس ملک کا نام "کمبوج" پڑگیا تھا" ذرّہ برابر بھی صداقت نہیں ہے"

"کمبوجا" اصل میں "ملک تبّت" کا قدیم نام ہے" جب یمن کے بادشاہ تبع[عـ۱] نے جس نے سب سے پہلے لڑائی میں آگ کا استعمال کیا اور جس کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے" "ملک تبّت" کو فتح کرکے اپنی حکومت وہاں قایم کی تو اس ملک کا نام "تبع" کے نام پر "کمبوجا" سے "تبّت" ہوگیا"

(فٹ نوٹ عـ۱) اپریل ۱۹۱۶ء کے رسالہ حسرت میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے صفحہ ۲۹ و ۳۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ "عرب لوگ جن کے یہاں حرب کا دوسرا نام "نار" تھا۔ آگ کو لڑائی میں بطور آلہ حرب استعمال کرنے کے موجد ہیں۔ دشمن پر حملہ آوری کے وقت اپنے دوستوں کو جو دوسرے مقاموں پر ہوں اطلاع دینے کے لئے بلند مقام پر آگ روشن کرنا عرب کا خاص دستور تھا۔ اور یہ دستور ما قبل ایسی قدامت کے مورخانہ تحقیقات سے بہت پرے تاریکی میں نظر آتا ہے۔ عرب نے آگ کو لڑائی میں بطور سامان جنگ سب سے اول استعمال کیا۔ اِس کے ثبوت میں عربی زبان کے وہ قدیمی محاورات جن میں نار اور حرب ایک دوسرے کے ساتھ بطور جزو لازمی استعمال ہوئے ہیں پیش کئے جاسکتے ہیں" یمن کے "اصحاب الایکہ" اور قوم تبع" کی تاریخ بھی شہادت دے سکتی ہے" خلاصہ کلام یہ ہے کہ "عرب سے تمام مصر و ایران و ہندوستان نے آگ کو لڑائیوں میں استعمال کرنا رفتہ رفتہ سیکھا"

ایلیٹ کے بیان کی تردید، مسٹر آرنلڈ کے بیان سے

سرہنری ایلیٹ کے اِس بیان کے بطلان کے لئے کہ یہ نام (کمبوج نام) کمبو سے اِس درجہ مشابہ ہے کہ "(اس قوم کو کابل کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار ہوگا) اب ہم مسٹر آرنلڈ مشہور مستشرق سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج علیگڈھ و مشیر تعلیم وزیر ہند المتولد ۱۸۶۴ء المتوفی ۱۹۳۰ء کا وہ بیان پیش کرتے ہیں جسے انہوں نے اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں بدیں الفاظ تحریر فرمایا ہے کہ۔

داعیان و مبلغانِ ملّتِ اسلامیہ میں سے ایک واعظ کا نام "نور ستاگر" تھا۔ قلعہ الموت سے جہاں اسمٰعیلیوں کا سردار رہا کرتا تھا ہندوستان کو روانہ کیا گیا۔ یہ واعظ اوّل گجرات میں راجہ سدھاراج کے زمانے ۱۰۹۴ء تا ۱۱۴۳ء میں پہنچا۔ اس نے اپنا نام ہندوؤں کا سا رکھا لیکن مسلمانوں کو اپنا نام "سید سعادت" بتایا۔ (۱) "کمبی" (۲) "کھاروا" (۳) اور "کوری" قوم کے لوگوں کو جو "گجرات" کی نیچی ذاتیں تھیں۔ اسمٰعیلیہ مذہب میں شامل کیا۔"

مؤلف تاریخ کمبوہان بھی جو قوم کمبو کے ایک فرد ہیں "مسٹر آرنلڈ" کے بیان کو نہیں جھٹلا سکے مگر انہوں نے اسے اپنے مقصد کے خلاف پا کر اس طرح رائے زنی کرنی مناسب خیال فرمائی ہے کہ "ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس حد تک ہم راستی کے قریب ہیں۔ لیکن کمبئی نام کے تلفظ سے ہم کو گمان ہوتا ہے کہ شاید اس کا تعلق "کمبوؤں" سے ہو۔ جیسا کہ فاضل مصنّف نے تحریر فرمایا ہے "کمبئی قوم" اس وقت گجرات میں ایک نیچی ذات تصور کی جاتی ہے لیکن کسی ذات کا اونچا یا نیچا ہونا اس کی اصالت و نسل پر زیادہ تر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا حصر اس قوم کی پولیٹیکل پوزیشن طرز تمدن، قومی تموّل اور خوش لباسی پر موقوف ہے۔ ممکن ہے یہ کمبئی قوم دراصل کمبوؤں کی نسل کی باقی ماندہ یادگار ہو جو دشمن کے ملک میں مغلوب ہونے کے بعد مقیم رہی ہو۔ اور فاتح قوم نے اسے مغلوب کر کے اس کی حالت غلاموں کے درجہ تک اسی طرح پہنچا دی ہو جس طرح آریہ ہندوؤں نے اِس ملک کے اصلی باشندوں کی ان کو شودر بنا کر پہنچا دی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو اس سے آسانی کے ساتھ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ "کمبوؤں" کا "کاٹھیاواڑ گجرات" میں پولیٹیکل فوقیت حاصل کرنے کا دعویٰ صرف خیالی نہیں بلکہ واقعات سے ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ دیگر آثار و شواہد سے اور قرائن سے اس ادّعا کی تائید ہوتی ہو۔"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے گجرات میں ایک قوم "کمبئی" کا نام معلوم کر کے مسٹر آرنلڈ کے بیان پر جو رائے زنی کی ہے۔ وہ سامنے ہے مگر انہوں نے اِسی پر قناعت نہیں کی ہے۔ بلکہ اِس قوم کمبئی کی آڑ لیکر "سوراشٹر" (کاٹھیاواڑ گجرات) میں کمبوؤں کی حکومت کا ایک اور ثبوت کی حسرتی کو بھی اپنی کتاب میں دیدینا مناسب خیال کیا ہے۔"

کسی تاریخ میں کہیں قوم کمبو کا کوئی کارنامہ تحریر نہیں ہے نہ اس کے متعلق شواہد و آثار ہیں۔ اِسی لئے اِس رائے زنی میں انہوں نے آثار و شواہد سے خالی خولی ذکر کے ساتھ قرائن کی پخ بھی لگادینی ضروری خیال فرمائی ہے۔ مگر خود قوم کمبو اپنی قوم کے نام کی وجہ تسمیہ میں متفق نہیں ہے۔"

لفظ کمبو کے بارے میں قوم کمبو کے مختلف بیانات

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت اپنی قوم کمبو کے مختلف خیالات و آراء کو تحریر کیا ہے جس میں کہیں وہ "کے انبوہ" کہیں "کم بدھ" سے "کمبو" کے لفظ کو نکلا ہوا بتاتے ہیں۔ اور کہیں راجہ کمبوج کی اولاد اور کہیں سورج بنسی چھتری ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ مگر ان مؤلف صاحب نے اپنی قوم کمبو کی اِن سب باتوں کو رد کر کے اپنی رائے زنی اور من گھڑت کہانیوں کو پیش کر کے اصرار کیا ہے کہ اُن کی پیدا کردہ اِس جدید بات کو ہی صحیح سمجھا جائے کہ قوم کمبو "شہنشاہ ایران کمبوجیا" کی اولاد ہے۔ یعنی اُن کی اس ایجاد کے سوا سب باتیں غلط ہیں۔"

ہم اُوپر بتلا آئے ہیں کہ ایران کے خاندان "کے" کی نسل ہمیشہ سے کیانی کہلاتی رہی ہے اور اب بھی اِس خاندان کے افراد خواہ کسی مذہب

۔مہاراج بینی مادھو قنوجیہ" متوطن برج راجپور" اور کتاب "معرکۂ عظیم" "احسن التواریخ سنبھل" جلد اول مطبوعہ برقی پریس شیش محل بازار مرادآباد
کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ "اور" "آلا اودل" "یہ دونوں پہلوان جنگی جوان "قلعہ کے مشرقی دروازہ" "عرف نمر پھٹل دروازہ" کے مشرق میں نہر کے مشرقی
پہلو پر آباد ہوئے" اور ایک محلہ "ہلوسرائے" "اودل" کے نام پر آباد ہوا" جو آج تک کہ ۱۳۵۲ ہجری مطابق ۱۹۳۲ء ہے" کچھ کم ایک ہزار برس کی آبادی
موجود ہے" اس بستی میں "اودل" کی اولاد کے لوگ اب تک "قنوجیئے" ہی مشہور ہیں" "قنوجیوں" سے لڑنے کے بعد "راجہ پرتھی راج" کی
جنگی طاقت بہت کمزور اور سست ہو گئی تھی" اور اس لڑائی میں اس کے بڑے بڑے سورما اور سامنت کام آئے تھے" چنانچہ مورخ کے زمانہ موجودہ
میں "شہر سنبھل" اور اس کے گرد و نواح میں "آلا اودل" کی بڑی لمبی چوڑی داستانیں نہایت پُرجوش الفاظ میں مع ذکر شجاعت "سید
طالب علی" "ہنود کے جہاں" اور دیہاتی لوگ "جلسوں" اور ہنگاموں میں ڈھول بجا کر "برسات کے اختتام" اور موسم سرما کے آغاز پر بھادوں سے
کنوار تک "بڑی دھوم دھام سے اچھل اچھل کر گاتے ہیں" جس میں ذکر "قنوج" کے راجہ" اور پرتھی راج" اور اس کی بیٹی "بیلہ" اور جنگ
فیمابین کا ہوتا ہے") اسی طرح "کمبوج" کے ساکن "کمبوجی" اور "کمبوجیہ" کے نام سے موسوم ہوتے اور پکارے جاتے "آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ
"کمبوج" کے رہنے والے تو "کمبوہ" کہلانے لگے" اور "قنوج" کے رہنے والے "قنوجی" اور "قنوجیہ" سے "قنوہ" نہ کبھی کہے گئے نہ اب
کہے جاتے ہیں"

غرضکہ "ایلیٹ" کا یہ بیان بھی حقیقت پر مبنی ہرگز نہیں ہے" اور اسے تحقیق و تلاش واقعات سے کچھ نسبت یا دُور کا کوئی واسطہ نہیں ہے
محض قیاس ہے"اسی بحث میں آگے چل کر ہم تواریخی شواہد سے ثابت کریں گے کہ "کمبوج" کس ملک کا نام تھا" جہاں کے لوگ کمبوج کے سوا اور کسی نام
سے موسوم نہیں ہوئے"

کئے انبوہ سے کنبوہ بن جانے اور ان کے کھتری ہونے نیز ضلع حصار کی تاریخ کی حقیقت

اسی بیان کے سلسلہ میں "ایلیٹ" نے جو دو اور رائیں "کئے انبوہ" سے کنبوہ" بن جانے اور اس قوم کے "کھتری" نسل سے ہونے
کی" کسی سے سنکر لکھدی ہیں اور اپنی طرف سے ان پر کسی قیاس یا رائے کے ظاہر کرنے کو ضروری نہیں خیال کیا ہے" یہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں"
سبب، جانتے ہیں کہ "خاندان کیئے" کی نسل کے لوگ خواہ وہ کسی مسلک و مذہب کے پیرو رہے ہوں ہمیشہ کیانی کہے جاتے اور اپنے ناموں کے سامنے
کیانی ہی لکھتے رہے ہیں۔ اور اب بھی "کیانی" ہی لکھتے ہیں اور لکھے جاتے ہیں" شہنشاہ ایران "کام بوزیا" کی اولاد کے افغانستان میں کبھی آنے
اور "کام بوزی" یا "کمبوزی" اور "کمبوجی" کہے جانے کی بھی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے" جب تک تواریخی شواہد پیش نہ کئے جائیں کسی
کی من گھڑت کہانی اور قیاس کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی اور نہ ایسے بیانات کی کچھ قدر و قیمت ہے" مگر مؤلف امروہوی کو ان باتوں سے کچھ غرض نہیں
ہے" نہیں کیسی ہی تجربات کیوں نہ مل جائے اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے اُن کے ناظرین کو دھوکا دیا جا سکتا ہے تو وہ اُسے بلا تامل پیش کر دیتے اور اپنی
طرف سے صداقت کی مہر اس پر ثبت کر دیتے ہیں" جنانچہ مؤلف امروہوی نے ایلیٹ کے اس بیان پر یہ نوٹ دینا ضروری خیال کیا ہے کہ "ضلع حصار"
کی مطبوعہ تاریخ سے بھی اس روایت کی تائید ہوتی ہے" "اس ضلع کے "کنبوہ" اپنا سلسلۂ نسب "کھتریوں" سے ملاتے ہیں"
یہاں یہ بات بتا دینی ضروری ہے کہ "مؤلف موصوف کی مراد "ضلع حصار" کی مطبوعہ تاریخ سے "ضلع حصار کا گزیٹیر ہے" اور ان انگریز نوشتگان
گزیٹیرس کی تحریروں یا تحقیقاتوں کو خود مؤلف موصوف نے جہاں جہاں اپنے مطلب کے منافی پایا" یا ضرورت سمجھی ہے" اُن کو غلط بتایا ہے" چنانچہ تاریخ امروہہ
جلد اول کے صفحہ ۱۹۱ پر انہوں نے "مسٹر آر ایچ نیول" آئی سی ایس۔ مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی تحقیقات کو ان الفاظ میں غلط ظاہر کیا ہے کہ"
مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے اس بیان میں غلطی کی ہے کہ "مخدوم زادہ شمس الدین عباسی" بذات خود امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے"
اور صفحہ ۲۵۹ پر لکھا ہے کہ "مندرجہ بالا اقتباس میں مسٹر نیول" نے جس کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "امروہہ کے شیعہ سادات کے واجب الاحترام
مورث و اجداد بھی۔ اپنے موجودہ اخلاف کی طرح" مذہباً اور عقیدتاً شیعہ تھے" وہ تاریخی واقعات و حالات اور شواہد و قرائن کے سراسر خلاف ہے"

تعلق نہیں رکھا ہے۔ بلکہ یہ امر اُن کے مدنظر رہا ہے کہ جو ہندوستان کی مسلمان اقوام کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہندو نسل سے ثابت کر کے اُن کے ذہنوں میں یہ بات داخل کر دی جائے کہ اُن کے اجداد اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ مسلمان بادشاہوں نے اپنے جبر و تشدد سے انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا تاکہ ایک طرف تو ہندو مسلمانوں سے متنفر ہو جائیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اسلام میں سوائے ظلم و زیادتی کے اور کوئی خوبی موجود نہیں ہے۔

ان لوگوں میں مسٹر آرنلڈ جیسے لوگوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے انہوں نے اکثر اقوام کے مسلمان ہونے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ یہ اقوام اونچی ذات کے ہندوؤں برہمنوں وغیرہ کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر مسلمان ہوئی ہیں مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی دینِ اسلام کی خوبیوں کی تضحیک اور مختلف اقوام ہند میں نفاق پیدا کرنے کے لئے تحریریں ہیں۔

مؤلف امروہوی بھی اپنے مقصد کے مدنظر ان مؤرخین کی ان کوششوں میں اُن کے ہمنوا اور ساتھی بن گئے ہیں انہوں نے اپنی مؤلفہ تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۲۳۷-۲۳۸ پر ان حضرات کی تائید کی ہے۔ اور بیان ایلیٹ کی تاریخ سے لے کر پیش کرنا مناسب خیال کیا ہے کہ "سلطان محمود غزنوی غازی رحمتہ اللہ علیہ نے ہندوؤں کو دینِ اسلام میں داخل کیا تھا"

بقول علامہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی "ان شواہد کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس شرارت سے ہموطنوں کو آگاہ کر دیا جائے جو بلاوجہ سلطان محمود غزنوی غازی رح کو ملعون کرنے کا باعث ہوئی ہے" اور جسے اپنے منشاء کے موافق پا کر مؤلف صاحب امروہوی نے اپنے اس بیان میں پیش کرنا ضروری اور مناسب خیال فرمایا ہے۔

مؤلف موصوف کے پیش کردہ ایلیٹ کے اس بیان کی کہ سلطان محمود غزنوی غازی رح نے ہندوؤں کو دینِ اسلام میں داخل کیا تھا۔ صاحب تاریخ آئینہ حقیقت نما اور پنڈت جواہر لال نہرو، سر الفنسٹن وغیرہ کے بیانات سے یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ غازی رحمتہ اللہ علیہ نے کسی ایک ہندو کو بھی مسلمان نہیں بنایا تھا انہوں نے سوائے لڑائی کے کسی ہندو کو قتل کیا تھا بلکہ انہیں اپنی سلطنت میں اس اقتدار و اختصاص سے وہ عہدے عطا فرمائے اور صاحب اثر ہو گئے تھے یہاں تک کہ سلطان مسعود کو گرفتار و معزول کر کے ان ہندوؤں ہی نے سلطان محمد کو قید سے آزاد کر کے تخت نشین کیا تھا۔

اب ہمیں مسٹر ایلیٹ کے اس بیان کو دیکھنا ہے کہ "کمبوج" کابل کا سنسکرت نام ہے اور نام "کمبوہ" اس سے بنا ہے کہ اس قوم کو کابل کا قدیم ساکن بتانا دشوار ہے گو کہ اس بیان میں بھی کوئی صداقت موجود نہیں ہے۔ قوم کمبوہ کو محض نام کی مماثلت اور تشابہ کی وجہ سے کمبوج کا باشندہ قرار دینا اس لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ بہت اقوام ہیں جن کے ناموں میں مماثلت و مشابہت موجود ہے لیکن اُن میں ایک کو دوسرے سے ذرا سا بھی نسلی تعلق نہیں ہے جس طرح۔ ماورالنہری، ہروالی، ہرن، ہروہ، ہرات، ہراتہ ماروہ، ماروی، جاسلاوں کو جو شیخ۔ سید، برہمن اور اچھوت، یا عربی و عجمی، ہندی، تُرکی "دَ، وِ" مماثل ناموں کے خاندان میں۔ اور بعض اقوام و قبائل مثل اعوانی قبیلہ، قحطانی اور منگولی نسل کی منگال و تبت کے درمیان سے والی قوم تعوطانی اور ترکی قبیلہ شیبانی اور عربی قبیلہ شیبانی کے ایک ہی نام رکھتی ہیں مگر مختلف النسل ہیں۔ اسی طرح قوم کمبوہ کا کمبوج یا کابل کا باشندہ ہونا بلا کسی ثبوت و سند قطعی کے محض ایلیٹ کے قیاس کی بنا پر صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر فی الواقعی قوم کمبوہ کو علاقہ کمبوج سے کوئی تعلق ہوتا تو جس طرح قدیم شہر قنوج کے باشندے کسی مقام پر جانے پر بھی قنوجی اور قنوجیہ کے ناموں سے موسوم ہوئے اور پکارے گئے اور قدیم الایام سے آج تک انہیں دو ناموں سے موسوم کیے اور پکارے جاتے ہیں جیسا کہ ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد دوم کے صفحہ ۱۲۰ پر سلطان سکندر لودی المتوفی ہر بعد ۹۲۳ ہجری کے حالات میں تحریر ہے کہ "بادشاہ کو علم کے سننے کا بیحد شوق تھا اس نے نامی علماء کو چاروں طرف سے بلوایا اور بحث کی مجلس منعقد کی۔ ان علماء کے نام یہ ہیں۔ سید الحسن قنوجی" اور گلزار جاوید جلد سوم مؤلفہ لالہ سری رام ایم اے منصف دہلوی مطبوعہ ترقی پریس دہلی کے صفحہ ۳۸۲ پر ہے کہ۔

سرداروں" خودکشی پر آمادہ ہوگئے" اور اپنے پیٹ میں کٹار مارنے لگے" سلطان" نے یہ سنکر کہا کہ یہ کٹار "ہندوستان" میں چلانی چاہیے تھی"
بہرحال یہ واقعہ دلیل اس بات کی ہے کہ "ہندو لوگ "غزنوی سلطنت" کے لشکر میں بڑی اور زیادہ خواہش کے ساتھ بھرتی ہوتے تھے" اور
جب اُن کو موقوف کیا جاتا تھا تو وہ غم کے مارے خودکشی پر آمادہ ہو جاتے تھے"
مندرجہ بالا واقعہ کو "ابوالفضل بیہقی" نے اپنا چشم دید ان الفاظ میں لکھا ہے" اما ہندوان "سستی کردند و پشت بہ ہزیمت بدادند"
دیگران را بشکست" (آئینہ حقیقت نما باب دوم صفحہ ۱۹۶)

"محمود غزنوی" ہندوؤں پر کس قدر مہربان تھا اُس نے کس قدر ہندوؤں سے کام لیا اس کی اولاد نے ہندوؤں کی کیسی قدر دانی کی
اور کیسے اعلیٰ مراتب انہیں دیئے اُس کا ذکر بطور نمونہ اوپر کر دیا گیا ہے۔ یہ لکھ کر مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نے اپنی کتاب "آئینہ حقیقت نما" کے باب
دوم میں صفحات ۱۹۸ تا ۲۰۴ تک سلطان محمود" کی وفات سے "غزنوی خاندان" کے خاتم فرمانروا "خسرو ملک" کے اخیر زمانے ۵۸۳ ہجری تک
تک "ہندوستان" میں "ہندوؤں" کی جو حالت رہی اور اُن میں جو جو تغیرات ہوئے" اُن کو دکھایا ہے"

مسٹر ہاشمی کا بیان | "انگریز مصنفوں نے "اشاعت اسلام کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں پھیلا دی ہیں اور یہ الزام لگایا ہے کہ "مسلمان
فاتحین جبراً ہندوؤں کو مسلمان کر لیا کرتے تھے" حالانکہ اس قسم کا جبر نہ صرف اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے" بلکہ مذہب کے معاملے میں کہیں بھی کامیاب
نہیں ہوا" "ہندوستان" کے اس تاریخی مسئلہ کے متعلق اگر ہم انگریزی کی سب سے مستند کتاب "امپیریل گزیٹر" کی ورق گردانی کریں تو معلوم
ہو جائے گا کہ اسے مرتب کرنے والے بھی" غالباً اپنی دلی خواہش کے باوجود" وہ قرائن و شواہد نہ پا سکے جن سے مذکورہ بالا الزام کو خاص تقویت پہنچتی"
(کتاب دوم تاریخ ہند۔ مؤلفہ مسٹر ہاشمی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن صفحہ ۲۵۶)

سلطان محمود غزنوی کے متعلق "مشہور کانگریسی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو (حال وزیر اعظم ہندوستان) کا بیان

کتاب "جگ بیتی" حصہ اول" مصنفہ مشہور کانگریسی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو" (حال وزیر اعظم ہندوستان) مترجمہ محمود علیخاں
(جامعی) مطبوعہ جید برقی پریس دہلی سنہ ۱۹۴۲ء کے صفحہ ۳۴۹ و ۳۵۰ پر تحریر ہے کہ "سنہ ۱۰۳۰ء میں "محمود" (غزنوی غازی رح) کا انتقال ہوگیا" اُس وقت تمام
پنجاب اور سندھ" اس کے زیر نگیں تھا" لوگ اسے اسلام کا بڑا حامی سمجھتے ہیں۔ جو ہندوستان میں اسلام پھیلانے آیا تھا" مسلمان عموماً اس کی قدر کرتے
اور ہندو اُس سے نفرت کرتے ہیں" لیکن حقیقت یہ ہے کہ "وہ مذہبی آدمی نہ تھا" مسلمان تو ضرور تھا۔ لیکن یہ اس کی شخصیت کا ایک ضمنی پہلو تھا" دراصل وہ
ایک سپاہی اور بڑا لاجواب سپاہی تھا" عام سپاہیوں کی طرح وہ ہندوستان کو فتح کرنے اور لوٹنے آیا تھا" اور چاہے اُس کا کسی مذہب سے تعلق ہوتا۔ وہ یہ
ہی کرتا" اسی سلسلہ میں یہ چیز بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ "اس نے سندھ کے مسلمان فرمانروا کو حملہ کی دھمکی دی تھی۔ چنانچہ اُس نے خراج دینا منظور کیا۔ اور
اطاعت قبول کی" اس وقت اُس کی جان چھوٹی" اُس نے خلیفہ بغداد کو بھی قتل کی دھمکی دی تھی" اور اس سے سمرقند کا مطالبہ کیا تھا" اس لئے ہمیں اس
عام غلط فہمی کا شکار نہ ہونا چاہیئے کہ "محمود" ایک کامیاب سپاہی کے سوا کچھ اور بھی تھا"
اور صفحہ ۴۶۹ و ۴۷۰ پر لکھا ہے کہ "یہ بات تم بڑی دلچسپی سے سنوگی" (پنڈت جواہر لال نہرو حال وزیر اعظم ہندوستان) اپنی صاحبزادی کو لکھ رہے
ہیں) کہ محمود غزنوی کے پاس جس نے شمالی ہند میں سب سے زیادہ غارتگری کی اور جو بت پرستوں کے مقابلہ میں اسلام کا بڑا سورما کہا جاتا ہے "تلک نامی"
ایک ہندو سردار کی ماتحتی میں "ہندوؤں کی ایک پلٹن بھی تھی" وہ "تلک" اور اس کی پلٹن کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا تھا" اور وہاں باغی مسلمانوں کو کچلنے کیلئے
استعمال کرتا تھا" گویا یہ بات ظاہر ہے کہ "محمود کا مقصد" محض ملک گیری تھا" اگر ایک طرف ہندوستان میں اُس نے مسلمان سپاہیوں کے ذریعہ سے بت پرستوں کو
قتل کیا۔ تو دوسری طرف وسط ایشیا میں ہندو سپاہیوں کی مدد سے "مسلمانوں کو بھی قتل کیا"

"ایلیٹ صاحب" اور اسی قبیل کے دوسرے حضرات کی جو غرض اپنی تاریخوں کے لکھنے میں وابستہ رہی ہے" اُس کو ہم اس بحث کے شروع میں
ظاہر کر چکے ہیں" اور اُس سے یہ بات صاف طور سے معلوم ہو چکی ہے کہ "انہوں نے تحقیق و تلاش کرکے اصلیت و حقیقت کو پیش کرنے سے مطلق کوئی واسطہ اور

سلطان نے اُس کو ہندوستان روانہ کیا۔ ۴۲۶ھ ہجری میں تلک نے ہندوستان آکر احمد ینالتگین کو قتل کیا اور سلطان کی خدمت میں واپس پہنچ کر خوب تحسین و آفریں ہوا۔

ذی الحجہ ۴۲۶ھ ہجری میں تلک ہندوستان سے مقام مرو میں سلطان کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ ہندوستان میں ایک قلعہ ہانسی کا ایسا رہ گیا ہے جہاں مسلمانوں کا قدم ابھی تک نہیں پہنچا ہے اور ہندوستان میں مشہور ہے کہ مسلمان اس پر قابو نہیں پا سکیں گے۔"

سلطان مسعود جانتا تھا کہ اس قسم کی شہرتوں کا کیسا برا اثر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اسی برے اثر سے محفوظ رہنے کے لئے سلطان محمود کو سومنات پر حملہ کرنا پڑا تھا۔

۱۲ ذی الحجہ ۴۲۷ھ ہجری کو سلطان نے دربار منعقد کر کے اُمراء سے ہانسی کے قلعہ پر حملہ کرنے کی رائے لی۔ اس وقت خراسان، ماوراء النہر اور خوارزم کا علاقہ سلطنت غزنی کے قبضے سے نکلنے والا تھا۔ امرائے موجودہ نے عرض کیا کہ ہانسی کے قلعہ کو کوئی بھی سردار جا کر فتح کر سکتا ہے لیکن سلطان کو مرو کی جانب جانے کی اس وقت سخت ضرورت ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ ترکمانان سلجوقی تمام ملک پر چھا جائیں گے اور پھر تدارک محال ہو گا۔ مگر سلطان نے کسی کی رائے نہ مانی اور ہندوستان آکر ۱۰ ربیع الاول ۴۲۹ھ ہجری کو ہانسی کا قلعہ بزور شمشیر فتح کر لیا اور شروع جمادی الاول میں غزنی پہنچ گیا۔

سلطان کی اس غیر حاضری میں ترکمان بہت زور پکڑ گئے۔ اور ۴۳۱ھ ہجری میں انہوں نے سلطان کو بیابان سرخس میں ایسی شکست دی کہ پھر اُس نے ہمت ہار دی۔ ترکمانوں کی لڑائی میں سلطان کے ساتھ پانچ سو ہندو بھی تھے۔ سلطان نے اس شکست کے بعد اپنے تمام اموال و خزائن غزنی سے جمع کئے اور اُن سب کو اُونٹوں پر لدوا کر ہندوستان کی جانب روانہ کیا۔

سرداروں اور امیروں نے ہر چند منع کیا مگر سلطان مسعود تین ہزار اونٹ صرف سونے چاندی اور جواہرات کے ظروف سے لدے ہوئے لیکر ہندوستان کی جانب اس ارادے سے چلا کہ لاہور کو دارالسلطنت قرار دیکر اور ہندوستان میں فوج مرتب کر کے سلجوقیوں سے مقابلہ کروں گا۔

دریائے جہلم کے کنارے پہنچ کر ہندو لشکر نے بغاوت کر کے تمام خزانہ لوٹ لیا اور سلطان کو گرفتار کر کے اس کے بھائی محمد کو جو قید میں تھا آزاد کر دیا اور اس کو زبردستی تخت نشین کر کے مسعود کو بطور مجرم اس کے سامنے پیش کیا۔ محمد نے مسعود کو قید کر دیا۔ مگر اس کے بیٹے احمد نے باپ کی بلا اجازت اپنے چچا سلطان مسعود کو قید خانے میں قتل کر دیا۔

جو لوگ سلطان محمود غزنوی سے اس لئے ناراض ہیں کہ وہ ہندوستان سے سونا اور چاندی وغیرہ لوٹ کر غزنی لے گیا تھا اُن کو خوش ہونا چاہئے کہ سلطان محمود کا بیٹا سلطان مسعود سلطنت غزنی کا تمام خزانہ جس میں ہندوستان کی لوٹ کے علاوہ خراسان، ماوراء النہر وغیرہ کے صوبوں کا خراج بھی شامل تھا سب کا سب ہندوستان واپس لے آیا اور دریائے جہلم کے کنارے ہندو لشکر نے وہ سب کا سب دھڑی دھڑی کر کے لوٹ لیا یعنی جو سونا چاندی ہندوستان سے گیا تھا وہ معہ سود ہندوستان میں واپس آگیا۔ غزنی میں کچھ نہیں رہا۔ سلطان مسعود نے یہاں تک مبالغہ کیا تھا کہ سرکاری عمارتوں کے قیمتی پردے تک اُتروا کر اپنے ہمراہ لے لئے تھے۔ غزنی میں کوئی قیمتی چیز نہیں چھوڑی تھی۔ (آئینہ حقیقت نما باب دوم صفحہ ۱۸۶ تا ۱۹۲)

سلطان محمود کی ہندو فوج کا کارنامہ کرمان میں

ایک مرتبہ سلطان مسعود نے احمد علی نوشتگین کو سپہ سالار بنا کر بغاوت فرو کرنے کے لئے کرمان کی جانب روانہ کیا۔ اور دو ہزار لشکری پیادوں کے ساتھ چار ہزار ہندو سپاہی بھی اس کے ہمراہ کئے۔ برماشیر کے مقام پر جنگ برپا ہوئی تو اس ہندو فوج کی بزدلی کی وجہ سے سلطانی لشکر کو شکست ہوئی اور احمد علی نوشتگین کی جان گئی۔ سلطان کے پاس جب اس ہندو فوج کی بزدلی ثابت ہو گئی تو اس نے فوج سے اُن کا نام کاٹ دینے کا حکم دیا۔ اپنی موقوفی اور برطرفی کا حال سنکر چھ ہندو

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ "ہندوستانیوں" کی نفسیات سے واقف ہو چکے ہیں۔ اُن کو موقع حاصل ہے کہ وہ بلا تکلف اُن کو احمق اور اُلو بنا کر اپنا اُلو سیدھا کریں اور اُن کی جہالت مآبیوں اور حماقت پناہیوں کا تماشہ دیکھ دیکھ کر لطف اُٹھائیں اور قہقہے لگائیں۔

آمدم بر سر مطلب "محمود غزنوی" اگر واقعی لوگوں کو مسلمان بنانے اور جو انکار کرے اُس کو فوراً قتل کر ڈالنے کا شوقین تھا تو تعجب ہے کہ جیپال "آٹھ مہینہ تک اُس کے پاس رہا۔ اور مسلمان نہ ہوا بلکہ ہندو کا ہندو ہی بنا ہوا صحیح سلامت واپس آیا"۔ محمود" نے اُس سے خراج گذاری اور فرمانبرداری کا اقرار تو لیا مگر مُسلمان ہونے کی فرمائش نہ کی" اگر فرمائش کی تھی تو اُس کے اِنکار پر اُسے قتل کیوں نہیں کیا"

جیپال تو اُس کے باپ سے بھی دو مرتبہ لڑ چکا تھا اُس نے پہلی مرتبہ اقرار اطاعت۔ اور خراج گذاری کے وعدے پر رہائی پا کر دوبارہ حملہ کیا۔ اور اب سہ بارہ حملہ آور ہو کر "محمود" کے پنجہ میں گرفتار ہوا تھا"

ایسے بدعہد" دروغ گو" اور "فتنہ برپا کرنے والے کو سوائے "محمود" کے اور کون ہے۔ جس نے اِس طرح رہائی دی ہو اور عزت کے ساتھ اُس کے ملک کی طرف رخصت کیا ہو" کیا دُنیا میں اِس سے بڑھ کر سفید جھوٹ ہو سکتا ہے کہ "محمود" کو ظالم" اور "جیپال" کو مظلوم بتایا جاتا ہے" اور "جیپال" کی یورش" کو محمود کا حملہ قرار دیا گیا ہے"

"جیپال" کو "قول و قرار لیکر ہندوستان" کی طرف رخصت کرنے کے بعد کئی سال تک "محمود" کو ہندوستان" پر حملہ کرنے کا خیال بھی نہیں آیا" وہ حدود ہند" کی طرف سے بالکل مطمئن اور بیفکر تھا کیونکہ وہ سلطنت پنجاب" سے اُس کی صلح تھی اور برائے نام خراج جس کا وعدہ جیپال سے اُس نے لیا تھا" سالانہ "غزنی" پہنچ رہا تھا" (آئینۂ حقیقت نما باب دوم ص ۱۴۴ تا ۱۴۹)

اِسی طرح مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی" نے آئینۂ حقیقت نما" کے صفحات ص ۱۵۳ تا ۱۸۶ پر ریاست ملتان" ریاست بھاطنہ" انندپال پسر راجہ جیپال" تھانیسر" کشمیر" قنوج و متھرا" کالنجر" سومنات" وغیرہ میں سلطان کے خلاف سازشوں اور تیاریوں کا حال شرح و بسط سے لکھ کر" اُن کے حملوں اور برتاؤ پر تفصیل سے بحث کی ہے" جسے ہم طوالت کے مدِنظر یہاں نظرانداز کرتے ہیں" اِس بحث کے سلسلہ کے ختم پر "علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ" اب ہر شخص خود ہی غور کر کے سلطان محمود کے متعلق رائے قائم کر سکتا ہے کہ" اُس کی لوٹ مار اور ظلم و ستم کے افسانے کیا حقیقت رکھتے ہیں" میں اس وقت سُلطان محمود غزنوی کی علم دوستی" علم پروری" منصف مزاجی" رعیت نوازی" کی شاندار روایتیں بھی نقل نہیں کرتا ہوں۔ جو تاریخوں کے صفحات کی زینت" اور مسلم فرمانرواؤں کے لئے موجب افتخار ہیں" میں اِس وقت صرف "الفنسٹن صاحب" کا یہ قول اور سُنانا چاہتا ہوں کہ" یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس نے ایک "ھندو" کو بھی مسلمان بنایا ہو" پھر یہی مؤرخ آگے لکھتا ہے کہ" سوائے لڑائی کے اُس نے کسی "ھندو" کو قتل نہیں کیا" (آئینۂ حقیقت نما باب دوم ص ۱۸۶ و ۱۸۷)

ہندوؤں کو جو طاقت اور اثر "سلطان محمود" کی حکومت کے زمانے میں حاصل ہوا" اُس کا حال آگے آتا ہے"

"سلطنت غزنی کا ہندو لشکر" اور سلطان محمود کی اولاد"

سوندیرائے "سلطان محمود غزنوی" کے زمانے سے "ہندو لشکر" کا سپہ سالار تھا" امیر مسعود ابن سلطان محمود" نے تخت سلطنت پر جلوس کر کے "ہندوؤں" کی "سپہ سالاری" سوندیرائے کی جگہ "تاتھ" نامی ہندو کو عطا کی"

۴۲۱ھ ہجری میں "سلطان مسعود" کو "ہندوستان" آنا پڑا تو اُس نے احمد نیالتگین کو سپہ سالار بنایا جس نے صوبہ پنجاب کی سلطنت غزنی کی باقاعدہ شہنشاہی اور سیادت قائم کر دی" قاضی شیراز" کو "احمد نیالتگین" سے دشمنی ہو گئی اُس نے بار بار یہ لکھ کر کہ "احمد نیالتگین" بغاوت پر آمادہ ہے "سلطان" کو اُس سے بدظن کر دیا" سُلطان" نے مجلس مشاورت منعقد کی اور "وزیروں" امیروں" سپہ سالاروں" سے دریافت کیا کہ "احمد نیالتگین کے فتنہ سے کس طرح نجات حاصل کی جائے" سب سردار ابھی خاموش تھے کہ یکایک "تلک" نامی ہندو نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ میں "لاہور" جانے اور اِس خدمت کو انجام دینے کے لئے موجود ہوں" مجھے یہ مہم سپرد کی جائے"

(۱) اے مارسڈن صاحب اپنی طرف سے محمود کے اس قرمی حملہ کا ایک سبب یہ بھی تصنیف فرماتے ہیں کہ محمود ابھی بچہ ہی تھا کہ اُس نے اکثر اوقات گراں بہا مال و متاع سے لدی ہوئی اونٹوں کی لمبی لمبی قطاریں اپنے باپ کے مُلک سے باہر ہوتی دیکھی تھیں۔ وہ سوداگروں سے بات چیت کیا کرتا تھا جو بڑے بڑے شہروں اور بے شمار دولت ہندوؤں کا کل حال سناتے تھے۔ اِس پر وہ کہتا کہ جب میں بڑا ہو کر بادشاہ ہوں گا تو ہندوستان کے راجاؤں کے ساتھ لڑوں گا۔ اور اُن سے سارا سونا چاندی اور بیش قیمت مال و اسباب چھین کر غزنی لے آؤں گا۔

(۲) دوسرے صاحب یعنی لیتھبرج صاحب فرماتے ہیں کہ محمود کا مقصد کی دولت پر عداوت تھا ہی مگر ساتھ ہی یہ بھی ارادہ تھی کہ بڑے بڑے بانکے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے مسلمان کرے۔

(۳) تیسرے صاحب سی ایلیٹ صاحب لکھتے ہیں کہ محمود لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے شہروں کو برباد کر دیتا تھا جو مسلمان ہونے سے انکار کرتا اُس کو قتل کروا ڈالتا تھا۔ اُس نے شہروں کو برباد کیا۔ ہندوؤں کو گویا اس لئے کہ مشرک رہیں کو حق کی ہمدردی عزت کرتے تھے قتل کروا ڈالا۔ گاؤں اور قصبوں کو جلا دیا۔ پکے غلّے کے کھیتوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ اور خوش و خرم گھروں کو ماتم کدہ بنا دیا۔

راجہ جیپال والیٔ لاہور نے اپنے ملک کو بچانے کے لئے سخت کوشش کی۔ سلطان محمود ایک جرار فوج لیکر کوہستانی علاقوں سے گذرتا ہوا ہندوستان کے میدانوں پر حملہ آور ہوا اور شہر پشاور کے نزدیک اپنے ڈیرے ڈال دیئے۔

راجہ جیپال راجپوت سوار، پیدل اور بہت سے ہاتھی ساتھ لیکر ملا اور فوج کو پسپا کرنے کے لئے آگے بڑھا گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ مسلمان سواروں نے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ ڈالیں اور تیروں سے اُن کی ٹانگیں زخمی کر دیں۔ مسلمانوں نے مذہب کے جوش میں ہندوؤں پر اس زور سے حملہ کیا کہ اُن کی فوج تتر بتر ہو کر بھاگ گئی۔

محمود کے سپاہی راجہ جیپال کو رسیوں سے باندھ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور انہوں نے بہت سے ہندوؤں کو قید کر لیا۔ کچھ قیدیوں کے ہاتھ اُن کی کمر سے باندھ دیئے۔ بعضوں کو اُن کے کان پکڑ کر اور بعضوں کی گردن پر تھپیڑ مارتے ہوئے لے چلے۔

(۴) اب بڑے سنجیدہ مزاج مورخ ملکم صاحب کی مضمون آفرینی بھی ملاحظہ ہو۔ اُن کو اپنے مقصد کے پورا کرنے میں اس قدر عجلت تھی کہ جو کچھ اوروں نے محمود کے سر تھوپا تھا انہوں نے اُس کو سبکتگین کا حال لکھتے ہوئے اُس کے یعنی محمود کے باپ کے سر پر لاد دیا۔ چنانچہ وہ سبکتگین کی نسبت لکھتے ہیں کہ اُس نے ہندوستان پر اس لئے حملہ کیا تھا کہ ہندوستان کی دولت کا وہ طالب ہو چکا تھا اور لوٹ کی چاٹ اُس کو پڑ چکی تھی۔ اور علاوہ اس کے بڑی غرض یہ بھی کہ بت پرستوں کے دین کو خاک میں ملا دے اور اپنے مذہب کی قوت آجائے۔ چنانچہ اُس نے پہلے پہل راجہ جیپال کو شکست فاش دی۔ جو اُن دنوں شمالی ہندوستان کا راجہ تھا اور کابل پر قبضہ کیا۔ اور پنجاب کو لوٹا کھسوٹا یعنی ہندوستان کے راجہ پر بڑے معرکہ میں غالب آیا۔

جیپال اور سبکتگین کی دو لڑائیوں اور جیپال و محمود کی لڑائی کا حال جو اوپر بیان ہو چکا ہے اُس کو پڑھو اور ان یورپی مؤرخوں کے بیانات کو پڑھو اور تحقیق کرو کہ آج تک کسی نے ان عالی جاہ مورخوں سے یہ دریافت کرنے کی بھی جرأت کی کہ جناب آپ نے محمود کو اپنے باپ کی سلطنت میں سوداگروں سے باتیں کرتے اور ہندوستان کے راجاؤں سے لڑنے اور ہندوستان کی دولت غزنی لے جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے خود سنا تھا اور جیپال کو رسیوں سے باندھتے اور اُس کے ہمراہیوں کو کان پکڑ کر لے جاتے اور دھولیں مارتے ہوئے دیکھا تھا۔ یا محض زیبِ کلام کے طور پر آپ کے دماغ کا اختراع ہے۔ اور یہ حالات و اسباب جو آپ نے بیان کئے ہیں کس تاریخ یا کس ماخذ سے آپ کو معلوم ہوئے ہیں۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایسے یورپین مورخین کی لکھی ہوئی کتابوں کے حوالوں کو اثبات مدعا کے لئے تمام ہندو مسلمان مصنفین اس طرح پیش کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ گویا انہوں نے اپنی تحقیق حد کمال تک پہنچا دی۔ اور اب اُن کے مطالب کو علم الیقین اور عین الیقین کے مراحل سے گذر کر حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ جانا چاہئے۔

سُلطان محمود غزنوی پر ہندوؤں کو مُسلمان بنانے کی سرہنری ایلیٹ کے بیان کی تردید

تاریخ آئینۂ حقیقت نما میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ "

جیپال کا تیسرا حملہ | سلطان محمود ۳۸۷ھ ہجری میں تخت نشین ہوئے" وہ ابھی اپنے ملک کے محفوظ رکھنے کی تدبیروں سے فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ انہیں "محرم ۳۹۱ھ ہجری میں عامل پشاور" کی عرضداشت سے اطلاع ملی کہ پنجاب کا راجہ جیپال ایک عظیم الشان لشکر فراہم کرکے سلطنت غزنی" پر حملہ آور ہونے والا ہے"

"محمود غزنوی" کی تمام تر توجہ اُس وقت "بخارا" "آذربائی جان" اور "فارس" کی طرف منعطف تھی" وہ جانتا تھا کہ "صفاریوں" اور "ویلمیون" نے کس طرح "خلافت بغداد" پر اپنا تسلّط قایم کرکے رعب داب قایم کیا۔ اُس کو "ترکستان" کی طرف سے بھی خطرہ تھا" وہ اپنی تمام اولوالعزمی اور ہمت اس بات میں صرف کرنی چاہتا تھا کہ "ویلمیون" کو جن کا آفتاب اقبال زوال پذیر ہو چکا تھا۔ اور جو" مذہب عقیدے" کے اعتبار سے "محمود" کے مخالف تھے" ہٹا کر خلیفہ بغداد" کو جو "محمود" کا ہم عقیدہ تھا آزادی دلائے۔ اور وہاں اپنا رسُوخ قایم کرکے تمام عالم اسلامی میں شہرت و عظمت حاصل کرے"

یہ کام "محمود" کے لئے کچھ بھی دشوار نہ تھا" لیکن "راجہ جیپال" نے اِن کاموں کی طرف سے اُس کی توجہ زبردستی اپنی جانب منعطف کی۔ مگر جب تک کہ ماہ شوال ۳۹۱ھ ہجری میں سلطان کے پاس یہ خبر نہ پہنچ گئی کہ "جیپال" اپنی فوجوں کو "دریائے سندھ" کے کنارے لے آیا ہے۔ وہ اُس کی تیاری کی خبر کو غلط ہی سمجھتا رہا" جیپال" "محمود" کو "غزنی" سے باہر "بلخ" "ہرات" اور "سیستان" کے مخمصوں میں مُبتلا دیکھ کر اُس کے زوال و اضمحلال کا متوقع رہا اور خوب تیاریاں کرتا رہا۔ اب جو اُس نے ڈیڑھ لاکھ سوار و پیادہ اور تین سو جنگی ہاتھیوں سے دریائے سندھ" کو عبور کیا تو "پشاور" کے قریب "سلطان" بھی اُس کے مقابل آکر خیمہ زن ہوا۔ اُس کے لشکر کی تعداد مورخین نے دس ہزار لکھی ہے" لڑائی میں جیپال کی فوج اپنے پانچ ہزار آدمی قتل اور راجہ کو معہ پندرہ سرداروں کے "سلطان" کے ہاتھ میں قید کرا کر لاہور کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی"

سُلطان نے لڑائی سے فارغ ہو کر سرحدی چوکیوں کا انتظام کیا۔ اور "غزنی" واپس آکر "جیپال" سے پوچھا کہ "تم نے ہم کو بار بار دِق کرنے کا کیوں ارادہ کیا"

جیپال" نے کہا کہ اِس مرتبہ میرا قصور اور معاف کرکے مجھے چھوڑ دیا جائے اب میں تا زیست فرمانبرداری سے انحراف نہ کروں گا اور پنجاب" کو سلطنت غزنی" کا ایک صوبہ سمجھ کر آپ کی طرف سے حکومت کروں گا۔ سالانہ خراج بلا عذر و حیلہ بھیجا کروں گا"

سلطان" نے اُس کی استدعا کو قبول کیا اور اُسے غزنی سے لاہور کی جانب رخصت کر دیا" پشاور کے میدان میں ۸ر محرم ۳۹۲ھ ہجری مطابق ۵ر اگست ۱۰۰۱ء کو محمود نے فتح پائی تھی اور شعبان ۳۹۲ھ ہجری مطابق مارچ ۱۰۰۲ء میں جیپال کو غزنی" رخصت کیا" اس طرح "راجہ جیپال" آٹھ مہینہ "سلطان" کے پاس رہا" لاہور" میں "جیپال" کا بیٹا "انند پال" جو معرکۂ جنگ سے اپنی جان لیکر فرار ہو گیا تھا۔ ملک کا انتظام کرتا رہا"

اب سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ "راجہ جیپال" تیسری مرتبہ "سلطنت غزنی" پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اُس کی رعایا کو سازش کے ذریعہ باغی بنا کر اپنے ساتھ شامل کرتا ہے۔ اور سلطان کی مُٹھی بھر فوج سے شکست پا کر دوبارہ گرفتار ہوتا ہے" سلطان محمود نے ابھی تک "دریائے سندھ" کے اس طرف قدم نہیں رکھا ہے" لیکن اس لڑائی کو محمود کا تیسرا حملہ قرار دیا جاتا ہے"

اور "ای مارسڈن صاحب" "سی ایلن صاحب" "ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صاحب" "لیتھبرج صاحب" اور سب سے بڑھکر یہ کہ "سر جان ملکم صاحب" بھی یک زباں ہو کر فرماتے اور ہمارے بچّوں کو مدرسوں اور کالجوں میں یقین دلاتے ہیں کہ محمود غزنوی نے ہندوؤں" کو زبردستی مسلمان بنایا" اور ہندوستان کی دولت سمیٹ کر غزنی لے جانے کے لئے بلا وجہ بے چارے "ہندوؤں" پر حملے کئے۔ اور وہ "ہندوؤں" کا بلا سبب قتل کرنا ثواب کا کام سمجھتا تھا"

جو ہماری نرم اور منصفانہ حکومت سے حاصل ہوئے ہیں" ایک عجیب بات یہ ہے کہ " ایلیٹ " صاحب کو صرف پرانے زمانے کے " ہندو مسلمان مورخوں پر ہی غصہ نہیں " بلکہ جدید تعلیم یافتہ ہندوستانیوں پر بھی غصہ ہے" جن کے لئے وہ تحقیر کے طور پر " بابو کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ " اب ہم اِن شاندار بابوؤں کی کچھ نہ سنیں گے " جنہیں ہماری گورنمنٹ کے عہد میں " حد درجہ کی آزادی " اور بہت سے سیاسی حقوق " حاصل ہیں" جو کبھی کسی مفتوح قوم کو نہیں دیئے گئے " جو ملکی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں " اور اپنی موجودہ حالت کا رونا روتے ہیں "

اگر وہ تواریخ میں غوطہ لگائیں گے " تو انہیں معلوم ہو جائے گا " کہ جس زمانہ کے واپس آنے کی وہ تمنا کرتے ہیں " اس میں وہ اگر محض زبان سے اِن لغویات کو ظاہر کرتے " تو انہیں سیسہ پلا دیا جاتا " دیوار میں چنوا دیا جاتا "

اب ہم " بلا لگان اراضی کے متعلق شور و غوغا سننے پر مجبور نہ ہوں گے " درآں حالیکہ ہر صفحہ سے ظاہر ہے کہ پہلے زمانے میں کوئی ملکیت ایسی نہ تھی " جو قانوناً ضبط نہ ہو سکتی " اور نہ ہوتی "

مورخ کی بڑی تعریف سمجھی جاتی ہے کہ " وہ نفسانیت " ذاتیات " اور خود غرضانہ جذبات سے " بالاتر ہو کر لکھے " برخلاف اس کے جو کتاب " محض دو قوموں میں منافرت " پھیلانے کی غرض سے لکھی جائے " اور لکھتے وقت صاف الفاظ میں کہا جائے " کہ قدیم تاریخوں میں کچھ نہیں ملتا " بلکہ واقعات سے حسب منشاء نتائج نکالے جاتے ہیں " جو مؤرخ اپنوں اور غیروں پر اس بات سے ناراض ہو " کہ فلانے زمانے یا فلاں قوم کی تعریف کیوں کی جاتی ہے " ہندوؤں پر اس لئے ناراض ہو کہ مسلمانوں کی سلطنت چلے جانے پر " مسلمان بادشاہوں کی برائی نہیں کرتے " اور ہمارے زمانہ کی خوبیوں کی تعریف کرنے کی جگہ " اس کی عیب جوئی کرتے ہیں " اور اپنے مقصد کو صریح الفاظ میں لکھ دیا جائے کہ اس کی غرض " بابوؤں کی تردید " اور " انگریزوں کی سلطنت کے فوائد " ذہن نشین کرنا ہے " تو سمجھ میں نہیں آتا " کہ اس کا شمار " تواریخ میں کس طرح ہو سکتا ہے " مگر ہندوستانیوں کی قسمت اس روز پھوٹ گئی ہے " جب اس قسم کی کتابوں پر دیسی زبانوں میں " تاریخیں لکھی گئیں " اسکولوں میں جاری کی گئیں " اور رفتہ رفتہ وہ ہی اختراع پردازیاں " اور جھوٹ " موجودہ تاریخ کا جزو بنا دی گئیں " چنانچہ یہی وہ تعلیم ہے " جس کا پھل چکھنے سے " ہندوستان میں " مذہبی افتراق " پیدا ہوا " اس کی تصدیق سر جان مینارڈ ممبر ایگزیکٹو کونسل پنجاب کے حسب ذیل قول سے ہوتی ہے " ہندوستان میں خانہ جنگی کی طرف رجحان موجود ہے " اور یہ واقعہ ہے کہ " اگر یہ رجحان نہ ہوتا تو ہماری حکومت قائم نہ ہو سکتی " نہ برقرار رہ سکتی " یہ بھی صحیح ہے کہ " ہندو مسلمانوں میں عام مخالفت " برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی بادشاہ گذر چکے ہیں " جنہوں نے غیر مسلموں پر " کبھی جزیہ لگایا " اور کبھی ذبیحہ گاؤ پر " مجنونانہ جوش میں آکر سزائیں دیں " لیکن یہ واقعات گاہے ماہے پیش آئے ہیں " شجر علم کا پھل چکھنے سے پہلے " عوام میں " مذہبی افتراق کا احساس نہ تھا " خواہ ہندو ہوں یا مسلمان " دونوں ایک ہی معبد میں مصروف پرستش ہوتے تھے " (ماخوذ از ان ہیپی انڈیا مصنفہ لالہ لاجپت رائے صفحہ ۲۸۲)

اب سوال یہ ہے کہ " وہ کونسا پھل ہے " جس کے چکھنے سے " مذہبی افتراق پیدا ہوا " اس کا جواب صاف یہ ہے " کہ نہ علوم جدیدہ میں کوئی ایسا مضمون تھا جس سے " ہندو مسلم فساد ہوتے " اور نہ عام تاریخوں میں اِس قسم کی میّت تھی " بلکہ سمیّت جو کچھ ہے وہ اس قسم کی تاریخوں میں ہے " جس کی ابتداء " ایلیٹ صاحب نے کی " اور دوسرے اصحاب[1] نے اُن کی پیروی کر کے " ملک کے امن کو باہمی خلفشار سے بدل دیا " اور جو فرقہ وارانہ سیاسی جماعتوں کے قیام ہونے کا باعث ہوا " (ماخوذ از کتاب مسلمانوں کا روشن مستقبل ")

(نوٹ ۱) اخبار البشیر اٹاوہ مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۳۳ء مطابق ۱۲ محرم ۱۳۵۱ ہجری کے صفحہ ۲ کالم ۳ پر اپنے مضمون کے سلسلہ میں ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے کہ " چونکہ غدر ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں نے حصّہ لیا تھا۔ اور ہندو بھائی " بہادر شاہ کی جے " کے نعرے بلند کر رہے تھے " اس وجہ سے گورنمنٹ کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ " تعلیم کے ذریعہ سے ہندو مسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا کرائی جائے۔ اس مقصد کے لئے راجہ شیو پرشاد سے " آئینہ تاریخ نما " تصنیف کرائی گئی " چنانچہ ہمارے صوبہ (متحدہ) کے " پرائمری " مڈل " اور ہائی اسکولوں میں " نیچی جماعت سے لیکر اونچی جماعت تک یہی تاریخ پڑھائی جاتی تھی اور اوپر کی جماعتوں میں اِسی کتاب کا ترجمہ " آئینہ تاریخ نما " کا لب لباب یہ تھا کہ " مسلمان بادشاہ نہایت ظالم تھے " انہوں نے ہندوؤں پر بہت ظلم و ستم کئے۔ مندروں کو مسمار کیا " ہندوؤں کے مذہب کو مٹانے کے لئے مسلمان بادشاہوں نے مختلف قسم کی تدابیر اختیار کیں " کالج کلاسوں میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی گئیں وہ بھی تقریباً اسی مضمون کی تھیں " اِن

سر جان مینارڈ سابق ممبر اسطالی کونسل پنجاب کا قول نقل کرنا کافی ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت سرکار برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ اس کے بعد جو طریقہ اختیار کیا گیا اس کا حال سر جان میلکم کے قول سے معلوم ہوگا جو یہ ہے:

"اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ہر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں اور فرقوں اور قوموں میں ہوں۔ جب تک یہ لوگ اس طریقہ سے جدا رہیں گے اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوت کے استحکام کو متزلزل نہ کرے گی۔" اس اصول کے تحت بہت سی تدابیر اختیار کی گئیں۔ جن میں سے بعض عارضی ہوتی تھیں۔ اور بعض مستقل۔ ان میں سے مستقل وہ تاریخیں ہیں جو کمپنی کے دورِ حکومت میں لکھی گئیں۔ ان میں سے مشہور تاریخ سر ہنری ایلیٹ کی تھی۔

ہمیں یہ بات سخت ناگوار تھی کہ لکھے پڑھے ہندو، مسلمانوں کے گذشتہ عہدِ حکومت کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اور عہدِ جدید کی عیب جوئی کرتے تھے۔ اس زمانے میں جس قدر کتابیں اور تاریخیں خود ہندو مصنفوں کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان سب سے مسلمانوں کی عظمت اور دولت کا اظہار ہوتا تھا۔ اور اس کو بعض انگریز برداشت نہ کرسکتے تھے۔ اس لئے سب سے اول سر ہنری ایلیٹ نے جو ہندوستان میں بڑی بڑی عہدوں پر رہے تھے اور آخر میں گورنمنٹ ہند کے فارن ڈیپارٹمنٹ میں سیکرٹری ہو گئے تھے ہندوستان کی ایک تاریخ لکھی۔ اس کی پہلی جلد ۱۸۴۹ء میں شائع کی۔ شاید یہی وہ سب سے پہلی تاریخ ہے جس نے زمانہ قدیم اور بالخصوص مسلمانوں کے عہد کے خلاف خوب خوب زہر اگلا ہے۔ اور تاریخی میدان میں یہی وہ پہلی کتاب آئی جس کے ترجمے دیسی زبانوں میں کیا کے ان کے ذریعہ اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے عناد اور دشمنی کا بیج بویا گیا۔ اگر کسی شخص کو اس تاریخ لکھے جانے کا مقصد معلوم کرنا ہو تو اس کے لئے صرف اس کا دیباچہ پڑھ لینا بالکل کافی ہوگا۔ جس میں مورخ نے اپنے منشاء کو واضح اور صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ مثلاً صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ "افسوس ہندو مصنفین پر آتا ہے جن سے ہمیں توقع ہوسکتی تھی کہ اس قوم کے محسوسات، توقعات اور معتقدات ہمیں معلوم ہوتے مگر وہ بھی احکام اور ہدایات کے مطابق لکھے ہیں۔ ماہِ محرم کو محرم شریف اور قرآن کو کلام پاک کہتے ہیں۔ اپنی تحریرات کو بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں۔"

ایلیٹ صاحب کو ہندو مصنفین کی اس بات پر سخت غصہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مداح ہیں۔ اور یہ بھی کہ اس قدر عظمت کیوں کرتے ہیں۔ ایک مؤرخ ہندو نے کہیں لکھ دیا ہوگا کہ وہ اپنی ارتھی کے قریب اور اپنی قبر کے کنارے کھڑا ہے۔ تو ایلیٹ صاحب ناراض ہوکر فرماتے ہیں کہ اسے علم ہوگا کہ میری لاش جلا کر اس کی راکھ گنگا میں بہا دی جائے گی۔ پھر اس نے قبر کے کنارے کھڑا ہونا کیوں لکھا۔ حالانکہ مصنف مذکور نے جو کچھ لکھا وہ محض اس لئے لکھا تھا کہ ایک بات کو مختلف پیرایوں میں لکھنا لٹریچر کی ایک خوبی سمجھا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ ایلیٹ صاحب کو غصہ اس بات پر تھا کہ

"اب جبکہ ہندو اپنے ظالم یعنی مسلمان آقاؤں کے چنگل سے نکل کر آزاد ہوگئے اور بغیر روک ٹوک کے اپنے دل کی باتیں ظاہر کرسکتے ہیں۔ تب بھی ان علمائے وہبیت کے لوگوں میں سے ایک بھی اپنے ملک کے محسوسات کے مطابق نہیں لکھتا۔ یا طویل زمانہ کی مظلومیت کے خیالات اور جذبات کا اظہار نہیں کرتا۔" مگر حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کو اگر مسلمانوں کے زمانہ میں تکلیف پہنچی ہوتی تو وہ آزادی کے زمانہ میں ضرور اس کا اظہار کرتے۔ البتہ ایلیٹ صاحب کو اس سے سخت تکلیف پہنچی تھی کہ ہندو، مسلمانوں کے عہدِ حکومت کی کیوں تعریفیں کرتے ہیں اور انگریزوں کے عہد کی کیوں عیب جوئی کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ تاریخوں کے پرانے اخباروں میں سے ایسے واقعات نکالے جائیں جن سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ مسلمانوں کا عہد ظالمانہ تھا اور انگریزوں کا عہد خدا کی رحمت ہے۔

چنانچہ اس مقصد کو انہوں نے حسب ذیل الفاظ میں واضح کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اگرچہ پرانی تاریخوں کی وسعت کم ہے۔ تاہم [illegible] کرنے سے ان میں بہت سا مواد مل سکتا ہے۔ ان کے ذریعے جہالت کا ڈھیر دور کیا جاسکتا ہے۔ جس نے ہندوستان کی معلومات کو تاریک کر رکھا ہے۔ اور یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد کی تاریخ ابھی لکھنے کو باقی ہے۔ ان سے رعایا کو ان بے شمار فوائد کا احساس کرایا جائے گا

ایلیٹ کی تاریخ کی حقیقت

ہم نے نہایت مختصر طور سے یوروپین سیاحوں اور مورخوں کی تحریروں کے چند نمونے پیش کئے ہیں۔ اب ہم "ایلیٹ" کی تاریخ اور تحقیقات کی حقیقت دکھاتے ہیں۔

ہم نے دوسری جگہ بتایا ہے کہ "ایلیٹ" نے کوئی خاص تحقیقات نہیں کی ہے۔ اُس نے صرف قدیم تاریخوں کے انگریزی ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ مگر یہ کھلا ہوا واقعہ ہے کہ اُس نے بڑی حد تک اِن تراجم کے اکثر حصّوں کو غلط پیش کیا ہے۔ اور اُن میں جہاں جہاں اپنی آراء پیش کی ہیں۔ اُن میں اُس نے اپنی مصلحتوں اور سیاستِ ملکی کو پیشِ نظر رکھا ہے کیونکہ عبارتوں میں اِسی مقصد سے تحریفیں کی ہیں۔ اور غلط رائیں پیش کی ہیں۔ اِس لئے مؤرخین نے اُسے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔

آج کل کے اکثر انگریزی داں حضرات کیونکہ عربی و فارسی زبانوں پر عبور بالکل نہیں رکھتے یا بہت ہی کم رکھتے ہیں۔ اور پرانی عربی فارسی تاریخوں کی جستجو بھی کچھ کرنی پڑتی ہے۔ اِس لئے پرانے واقعات کے لئے وہ "ایلیٹ" وغیرہ کی تاریخ پر اکتفا کر لیتے۔ اور اُسی کے بیان کو آیت و حدیث سمجھکر بلا دوسری تاریخوں سے مقابلہ کئے، جہاں ضرورت سمجھتے ہیں پیش کر دیتے ہیں۔

(۱) اورینٹیل کالج میگزین لاہور حصہ اوّل بابت ماہ مئی ۳۷ء کے صفحہ ۱۰۸ پر تحریر ہے کہ "تاہم با ادب گذارش کی جا سکتی ہے کہ "جناب عزیز احمد صاحب ایم۔ اے" کے مضمون میں "زبان کی خامیوں کے علاوہ اسلوب بیان میں بھی بہت سی اُلجھنیں ہیں"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "فاضل مقالہ نگار نے" اصل کتابوں کے دیکھنے کے بجائے غالباً "ایلیٹ" وغیرہ کے ترجموں کے مطالعہ تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے"۔ چنانچہ بعض جگہ عجیب و غریب سہو ہوا ہے۔ مثلاً ابن بطوطہ کو "ابن بطوطہ" لکھا ہے۔ صفحہ ۲ پر "سلطان قطب الدین ایبک" کو سخت دل، بے رحم، اور ظالم قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام تاریخی واقعات کے خلاف ہے۔

(۲) سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ نے تاریخ ہند کتاب دوم برائے انٹرمیڈیٹ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی ۱۹۲۱ء کے صفحہ ۱۰ کے نوٹ میں لکھا ہے کہ "ایلیٹ" کے انگریزی ترجمہ میں کئی نقص اور غلطیاں ہیں "ملتان و منصورہ" کے متعلق اُس کا یہ لکھنا کہ وہاں "فارسی" اور "سندھی" زبان رائج تھی۔ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ اور

صفحہ ۲۴ پر نوٹ دیا ہے کہ "یہ تسلیم کرتے کے باوجود کہ عربی حکومت نے "یہ ہندو پنچایتیں" خود مختار اور نہایت منظم حالت میں رہنے دی تھیں" سر ہنری ایلیٹ" لکھتے ہیں "کہ ہندوؤں کے ساتھ نفرت اس کی وجہ تھی"۔ مگر اِس عجیب بدظنی کا کوئی معقول سبب انہوں نے پیش نہیں کیا۔ اِسی طرح اُن کے بعض اور اعتراضات بھی جن کی تاریخ سے مطلق تصدیق نہیں ہوتی۔ اُن کے ذاتی تعصب پر دلالت کرتے ہیں۔ اور

صفحہ ۳۳ پر لکھا ہے کہ "مختلف تاریخوں کو غور اور احتیاط سے پڑھنے کے بعد راقم الحروف اِس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ موجودہ ریاست قلات و [illegible] کا مشرقی ثلث۔ اُن دنوں "ریاست سندھ" میں داخل تھا۔ اور ابتدائی فتح کے بیس برس بعد یہی مشرقی ٹکڑا مسلمانوں نے تسخیر [illegible] جو پہلے فتح ہو چکا تھا شامل کر لیا۔ اور اس وقت سے یہ نیا شامل کیا ہوا حصّہ بھی جو پہلے "سندھ" کہلاتا تھا۔ "مکران" [illegible] جس کی قدیم اسلامی مورخوں نے صراحت نہیں کی۔ اور جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے "ایلیٹ" کو بہت پریشانی پیش [illegible] آئی۔

[illegible] صاحب علیگ کا "ہندوستان کے ہندو مسلمانوں میں پھوٹ کیسے ڈالی گئی" کی سرخی سے ایک مضمون [illegible] شائع ہوا تھا۔ اس میں "سر ایلیٹ" اور اُن کی تاریخ کی حقیقت پر اِس طرح روشنی ڈالی گئی ہے [illegible] متحد ہونے پائیں۔ اور اس لئے انہوں نے ہندوستان میں فرقہ وارانہ جذبات پیدا کئے [illegible] یہاں مذہبی اختلافات نہ تھے۔ بے تہا راقالی سے ہوتی ہے۔ ان میں سے تحریف

صحیح ہے، ان کو اب تک نہیں لگا۔ اسی طرح اس بارے میں بوجہ اپنے معاصرانہ سنگ دلانہ طلبیانیوں سے لبریز ہونے کے، پایۂ رفعت سے ساقط ہوگئی ہیں۔ مگر ان کے سبب سے اہلِ یورپ کے دل ودماغ میں جو غلط خیالات، نقش کالحجر ہوگئے ہیں، وہ کسی طرح مٹائے نہیں مٹ سکتے۔ اگر اب کوئی محقق خواہ کیسا ہی اس ملک کی تاریخ کا عالم وفاضل ہو، اُس پر کوئی حکم لگائے، تو اہلِ فرنگ درکنار، خود اپنے ملک کے نزدیک جاہل بے ڈھنگ کہا جائے۔ مصنفین نے بھی باوجود متعدد علوم میں دستگاہ کامل بہم پہنچانے کے۔ شعبۂ تاریخ نگاری پر کچھ توجہ کی۔ یہ کام بھاٹوں کے قابل خیال کیا۔ ان کی بدولت پڑھے لکھے جس سے اُن کی مشہور وقدیم کتب مثل، وید، پُران، قوانین منو، مہا بھارت، اور رامائن وغیرہ کے سوائے، جو ان کے مذہبی اعتقادات، قومی رسمیات، اور داتی خیالات کا ذخیرہ ہیں، ملکی واقعات کی یادگار مفقود ہوگئی۔

(الف) ٹاڈ نے، سلطان خرم، (شاہجہاں کا شہزادگی کا نام) کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ اُس کی ماں اصل میں کورم تھی۔ جس کے معنی یہ سمجھا ہے کہ یہ وہ اس کی ماں چونکہ تھی ماں کی قوم کا نام ہے، یہ قیاس صحیح نہیں ہے، مسلمانوں میں بیٹے کے نام میں ماں کی قوم کو کچھ دخل نہیں ہوتا، باپ دادا کا نام رکھا کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ، خرم فارسی کا لفظ ہے، تر وتازہ کے معنی میں، مجازاً، شاد وخوش کے معنی میں استعمال پاتا ہے۔

(ب) افغان، بنو اسرائیل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جن کو فلسطین سے، بخت نصر اور بخت نصر تا کی بعد کرکے، میڈیا، وبابل بھیجے گیا تھا، لیکن اُن کو اپنے اوپر، یہود، کے لفظ کا اطلاق ناگوار گذرتا ہے، کیونکہ یہ فرقہ کفار ہی اسرائیل کہا جاتا ہے، ٹاڈ نے غلطی یہ کی ہے کہ، پٹھانوں، کو، جادو راجپوتوں، میں سے ملا ہوا بتایا ہے، اور یہ قیاس کیا ہے کہ، جادو، اور، یہودی، ایک لفظ ہوسکتا ہے جس کو بولنے میں، یا گڈری کے سبب سے فرق آگیا ہے، اور یہ نہایت بعید ولغو خیال ہے۔

(۱۴) رسالہ معارف اعظم گڈھ نمبرہ جلد ۳۴ ماہ رجب ۱۳۵۳ ہجری مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۳۶۶ پر خان بہادر مولوی محمد حبیب خاں صاحب، سابق ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل گورنمنٹ آف انڈیا، اور سابق وزیر مال وخزانہ ریاست رامپور نے، اپنے مضمون، اسلامی ہند کی تاریخ، میں تحریر کیا ہے کہ، جو فسانے، مسلمانوں کے گذشتہ معروضہ مظالم، اور برائیوں کے، قریب طور پر نہایت بیباکی کے ساتھ، یورپین اہل علم، بادار نہایل، دنیا کو سنانے کے عادی تھے، ان پر یورپ کی گذشتہ جنگ عظیم نے پانی پھیر دیا۔ الفاظ سب کم ذکر۔ کتب خانۂ اسکندریہ کے ضائع ہونے، اور کلکتہ کے بلیک ہول کا شنے میں آتا ہے، مگر جو گہرا اثر اس قسم کی رہزنی اتصالی، اس ملک کے بہت بڑے حصۂ آبادی پر کر چکی ہے، اُس کے زائل ہونے میں مشکلات حائل ہیں اور مدت مدید درکار ہے۔

مجھ پر جو اثر نصابِ تعلیم کا ہوا وہ یہ ہے کہ، بارہ تیرہ سال کی عمر میں جب، راجہ شیو پرشاد کی تاریخ ہندوستان، اسکول میں پڑھتا تھا تو مجھے ہندو ہم جماعت طالب علموں کے سامنے مسلمان بادشاہوں کے حالات پڑھکر نہایت شرم آتی اور آنکھ نیچی کرنی پڑتی تھی، وہ کیفیت میں اب تک نہیں بھولا ہوں، اس کے بعد جب انٹرنس میں، سر ولیم ہنٹر، کی مختصر تاریخ ہند، پڑھنے کی نوبت آئی تو اُس کے بعض حصے، اسٹنڈل پر نقش فی الحجر ہیں، مثال کے طور پر ان چند فقروں کا بیان کافی ہوگا، جو اب تک مجھے زبانی یاد ہیں، اور آیندہ اُن کے دل سے محو ہونے کی بھی امید نہیں، جو حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں لکھے گئے تھے۔ اور ان کا مفہوم حسب ذیل ہے،

، اورنگ زیب ایک اچھا مارنا ہوتا، اگر قید کرنے کے لئے اُس کا باپ ہوتا، قتل کرنے کو بھائی نہ ہوتے، اور ظلم کرنے کے واسطے۔ ہندو رعایا نہ ہوتی،

(۱۵) کتاب دوم تاریخ ہند مصنفہ مسٹر ہاشمی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱۲ پر تحریر ہے کہ، انگریز مؤلفوں نے تو یہ غضب کیا ہے کہ جن مآخذوں پر اپنی کتابیں لکھی ہیں ان کو پڑھے بھی تو محدود فکر یا محنت وتحقیقات سے کام نہیں لیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ صرف واقعات وسنین میں جا کا بے شمار غلطیاں رہ گئی ہیں بلکہ یہ انگریزی تاریخیں ازسرتاپا کسی اجنبی سیاح کی تحریریں معلوم ہوتی ہیں جو نہ ملک سے واقف ہیں اور نہ اہلِ ملک سے۔

نے قیاس دوڑا کر" اس طریق سے نزول وحی کو دھو کا ثابت کرنے کی مکروہ تدبیر کی ہے "۔

(۱۰) انقلاب لاہور۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۳۷ء کے ص۵ کالم ۲ پر "پنجاب اسمبلی میں نظام تعلیم اور نصاب تعلیم پر بحث غیر صحیح تاریخی واقعات کتب سے حذف کر دینے کا مطالبہ" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "سردار ہری سنگھ نے تحریک پیش کی کہ "یونیورسٹی گرانٹ میں ایک سو روپیہ کی تخفیف کی جائے"۔ اس تحریک کے پیش کرنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ "تعلیمات کے سسٹم پر بحث کی جائے" "نواب احمد یار خان دولتانہ" چیف سیکرٹری یونینسٹ (اتحادی) پارٹی نے اپنی تقریر کے دوران میں بیان کیا کہ میں تاریخ کے مطالعہ کا عادی ہوں۔ اور مجھے سیاسی زندگی کا بھی سترہ سالہ تجربہ ہے"۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب کی غیر صحیح تاریخ ہی فرقہ وارانہ ذہنیت کے پیدا کرنے کی موجب ہے"۔ اس پر فرقہ وار تعلیمی ادارے جلتی پر تیل کا کام دیتے ہیں۔ "مذہبی مبلغین" "خود غرض اور متعصب لیڈر۔ اس سے اور بھی اشتعال کا کام لیتے ہیں (نعرۂ تحسین) میں نے ۱۹۲۷ء اور ۱۹۳۱ء میں حکومت کو تاکید کی تھی کہ تاریخ کے غیر صحیح واقعات کو "نصاب تعلیم سے نکال دیں" "مجھے یہ دیکھکر حیرانی ہوئی کہ خاص افسر نے جسے حکومت نے اسی مقصد کے لئے مقرر کیا تھا" مجھ سے مشورہ کئے بغیر (میرا خیال ہے کہ اس نے اور کسی سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا) رپورٹ کر دی کہ کسی قسم کے تغیرات کی ضرورت نہیں"۔ مسٹر نسیم حسین نے بیان کیا کہ موجودہ سسٹم ذہن اور جسم پر بہت برا اثر ڈالتا ہے" "میاں عبدالحئی وزیر تعلیم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ میں اس امر کے اعتراف کے لئے آمادہ ہوں کہ سرکاری اداروں میں بھی وہ فضا طاری ہے" "بیگم شاہنواز نے اس امر کے خلاف شدید احتجاج کیا کہ تعلیم اور اسپورٹ (کھیل) ہی فرقہ وارانہ ذہنیت میں رنگے جا رہے ہیں۔ اور اپیل کی کہ اس ذہنیت کا فوری استیصال ہونا چاہئے"۔

(۱۱) ماہنامہ دلگداز لاہور۔ ۱۵ر جون ۱۹۳۷ء کے ص۶۴ و ۶۵ پر "درسی کتب تواریخ و تعلیم کی سرخی کے تحت چودھری عبداللطیف صاحب سلیم۔ اسلامیہ کالج لاہور نے لکھا ہے کہ "تواریخ اٹھائیے آج سے سال ہا سال کے واقعات کو کٹ کیجئے" مثلاً حادثہ بلیک ہول (حادثہ بلیک ہول کی طرح سومنات کے اصل پھاٹک کا ہندوستان میں لانا بھی تحقیقات سے غلط ثابت ہو چکا ہے۔ دیکھو انقلاب ۵ر فروری ۱۹۳۵ء) علی ہذا القیاس پھر الف لے پڑھیے" انگریز یہاں کیسے آیا" ایسٹ انڈیا نے یہاں کیا کیا کارنمایاں کئے" بھلا غور کیجئے۔ ان اسباب کا درس تو انگریز بچوں کے لئے مفید اور تازگی حیات کا موجب ہو سکتا ہے نہ کہ ہندوستانیوں کے لئے" اور لیجئے "مسلمان بادشاہ ایسے تھے۔ ویسے تھے" "ہندو مسلم کش تھے" "متعصب تھے" "ہندوستانی جاہل تھے" "غیر مہذب اور جنگلی تھے" "رہنے سہنے کے آداب سے ناواقف تھے" کیا یہ سب ہزلیات اور دور از کار حکایات بے معنی نہیں"۔ "اس غلط سلط تاریخ دانی کا آخر منشا یہی تھا ہے کہ "ہندوستانی آپس میں وطنی محبت کے جذبہ کو استوار نہ کر سکیں"۔

(۱۲) کتاب پرشیا کے دیباچہ میں ص۱ پر مصنف نے "انگریزی میں" "بوشہر کو بوشایر" اور "مشہد کو مشید" لکھا ہے" "حسن بن صباح کا عربی خطاب "شیخ الجبل" تھا" جو عیسائی محاربات صلیبی میں شریک تھے" انہوں نے اس لفظ کا ترجمہ "یورپ میں جاکر "پہاڑی بڈھا" کیا۔ چنانچہ یورپ میں "حسن بن صباح" "پہاڑی بڈھے" کے نام سے مشہور ہے"۔

ہربرٹ نے ناموں کے ہجے کرنے میں صحت کا خیال نہیں رکھا" بلکہ جو آواز اس کے کانوں کو بھلی معلوم ہوئی اس کے لحاظ سے اس نے اس کا تلفظ لکھنے میں ادا کیا" جلفہ کو اس نے جیلفیا" بنا دیا" طہران کو "تائی ران" "سری جان کا" "سیری جان" "پادشاہ" کا "پاٹ شا" گذشتہ صدی میں انگریزی کارخانے کے اہلکار" شاہ طہماسپ" کو "شاہ ٹامس" لکھتے تھے" (نوٹ کتاب پرشیا ص۷۵ و ۷۷)

(۱۳) کارنامہ راجپوتان کے ص۲ تا ۵ پر ہے کہ "کرنل جیمس ٹاڈ" نے جو "راجستان" کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں دیسی روائتوں کے بھروسہ پر بہت باتیں خلاف واقعہ درج ہوئی ہیں" اسی طرح اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھی ہیں" انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ لگنے سے غلط واقعات کو صحیح واقعات کے ساتھ گڈمڈ کر کے تحریر کیں" اس لئے اب کوئی محقق" اور واقعات نگار" جس کا مذاق تاریخ

(نوٹ نمبر۱) نواب احمد یار خاں دولتانہ کی یہ پوری تقریر روزنامہ انقلاب لاہور ۲۰ر جولائی ۱۹۳۷ء کے ص۴ اور ص۸ تا ۱۰ اور ص۱۵ تا ۱۸ اور ص۲۱ پر ہے" اپنی اس طویل تقریر میں نواب دولتانہ نے تاریخی درسی کتابوں کے درج شدہ اکثر واقعات پر جو ان میں غلط تحریر ہیں شرح و بست سے روشنی ڈالی ہے" اور اس مضمون سے ان تاریخوں کی اصلی حقیقت خوب طرح عیاں ہو گئی ہے"۔

کردم کہ مرا ازیں معانقہ منع فرمود۔ و ایشاں ہر دو پدر و پسر بمرتبہ ولایت رسیدہ بودند۔ و خوارق بسیار از ایشاں منقول است"

معانقہ سے منع فرماتے ہیں" اور یہ دونوں باپ بیٹے ولایت کے مرتبہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اور خوارق بسیار اُن سے بیان کئے گئے ہیں"

(تاریخ خان جہانی مخزنِ افغانی قلمی موجود در کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن ورق ۲۱۳،۲۱۲)

"شیخ گدائی کے ایک دوست" شیخ ابوالفتح" داماد حضرت میر سید محمد جونپوری قدس سرہٗ"

"شیخ ابوالفتح گجراتی" داماد "میر سید محمد جونپوری علیہ السلام" ست قدس اللہ سرہ العزیز" اما میرزا را ندیدہ و ایں نسبت بعد از رحلت "میرؒ" واقع شدہ بسیار صاحب جاہ و جلال و کمال بود۔ و بروش "سلسلۂ مہدویہ" راسخ و ثابت قدم بہ استقلال چوں در "مکہ معظمہ" و "گجرات" با "شیخ گدائی" نسبت آشنائی تمام داشت"

شیخ ابوالفتح گجراتی" "میر سید محمد جونپوری کا داماد ہے" قدس اللہ سرہ العزیز" لیکن میر صاحب کو نہیں دیکھا یہ رشتہ میر صاحب کی وفات کے بعد واقع ہوا" بہت صاحبِ جاہ و جلال اور کمال تھے" اور استقلال سے سلسلۂ مہدویہ کی روش پر راسخ اور ثابت قدم تھے" مکہ معظمہ اور گجرات میں شیخ گدائی کے ساتھ اُن کی بہت دوستی ہو گئی تھی"

درزمانِ "بیرم خاں خان خاناں" بہ تقریب مہمے ضروری" بہ آگرہ" آمدہ و اندک فرصت آں معرکہ برہم خورد۔ و شیخ "بہ گجرات" رفت۔ درزمان طالب علمی نیم شبے بوسیلہ مولانا عبداللہ قندہاری" خویش "حاجی مہدی لاہوری" آں طرف آب آگرہ در محلہ "شیخ بہاؤالدین مفتی رح" بملازمت شیخ رسیدم۔ در حجرۂ خالی تنہا نشستہ مشغول بود۔ ایں حدیث نبوی صلعم خواند" لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ" و ترجمہ آں بیان کردند۔ و تلقین ذکرے گرفتم۔ و چندگاہے بآں مشغولی داشتم و خود فیضے عجیب و غریب مشاہدہ میکردم۔ و معنیٔ قرآنی بر من مکشوف شد۔ چندگاہ چنیں بود۔ کہ ہر صدائے و ندائے کہ بسمع مرا قرع میکرد۔ ذکرے بود آنتم" و بعضے طالبانِ ایشاں را دیدم کہ از جہت تحرز از مالایعنی سریس بر لب چسپانیدہ و بعضے سنگریزہ بہ دہان گرفتہ بودند" سال وفاتش معلوم نشد کہ کے و کجا بود۔ ذکرا للہ بالخیر"

بیرم خاں خان خاناں کے زمانہ میں کسی ضروری کام کی تقریب سے آگرہ آئے تھوڑے دنوں میں وہ معرکہ برہم ہو گیا اور شیخ گجرات چلے گئے" اپنی طالب علمی کے زمانہ میں آدھی رات کو" مولانا عبداللہ قندھاری" اما حاجی مہدی لاہوری کے وسیلہ سے شیخ بہاؤالدین مفتی کے محلہ میں آب آگرہ کے اُس طرف شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا" خالی حجرے میں اکیلے بیٹھے ہوئے مشغول تھے" یہ حدیث نبوی صلعم پڑھتی" لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ" اور اُس کے معانی بیان کئے" اور تلقین ذکر کی حاصل کی اور تھوڑی دیر اُس میں مشغول رہا اور اپنے آپ میں فیض عجیب و غریب مشاہدہ کیا اور معنیٔ قرآنی مجھ پر کھل گئے" تھوڑی دیر ایسا تھا کہ ہر بات و آواز جو سنی اُس نے مجھے کو وقت میں ڈال دیا" ذکر کرتا ہوں اُن کے بعض طالبوں کو دیکھا کہ سریس ہونٹوں پر مل رکھا تھا" اور بعضوں نے سنگریزے مونہوں میں پکڑے ہوئے تھے" سال وفات اُن کا معلوم نہیں ہوا کہ کب اور کہاں ہوا"

(منتخب التواریخ جلد سوم ص ۴۸) مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۲۶۵ھ)

مؤلف امروہوی اور ملائے بدایونی کے کھوکھلے اور بے سر و پا الزام کا پردہ بخوبی چاک کرچکنے کے بعد شیخ گدائی کے نسب کی بحث کا خاتمہ

مؤلف امروہوی نے شہنشاہ اکبر کے فرمان موسومہ خان خاناں بیرام خاں کے صرف ایک ٹکڑے کو پیش کر کے اور اُس کے غلط معنی نکالکر

(نوٹ ۱) سید محمد جونپوری "سید عبداللہ" کے فرزند ہیں" اویسی ہیں" آپ نے اکثر بزرگان دین کی روحانیت" سے فیض حاصل کیا۔ اور صوری و معنوی علوم پر آپ کو غلبہ حاصل ہو گیا" آپ نے اپنی شوریدہ حالی کی وجہ سے "مہدویت کا دعویٰ کیا۔ اور اکثر اشخاص) آپ کی جانب مائل ہو گئے۔ اور بے انتہا کرامات آپ کی میاں کی جاتی ہیں۔ آپ گروہ "مہدویہ" کے پیشوا اور رہنما ہیں" سید صاحب "جونپور" سے گجرات" تشریف لے گئے سلطان محمود کلاں" نے آپ کی بیحد عزت و توقیر کی۔ آپ زمانے کے حسد کی وجہ سے ہندوستان میں قیام نہ کر سکے۔ اور ایران کا سفر اختیار فرمایا لیکن "فرہ" میں آپ نے رحلت فرمائی۔ اور اسی مقام پر آپ کا مزار ہے" (ترجمہ آئین اکبری جلد دوم ص ۳۴۳) مطبوعہ مطبع جامعہ عثمانیہ)

سنہ پیدائش آپ کا کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوسکا۔ آپ نے خداداد ذہانت کی وجہ سے تمام علوم رسمی اور معنوی حاصل کر لئے تھے۔ اور ہندوستانی زبان پر بھی قدرت حاصل کر لی تھی۔ طبع موزوں تھی ہندی اور فارسی میں اچھے شعر کہتے تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے آپ نے علم معرفت حاصل کیا تھا۔ کیونکہ آپ کئی بادشاہوں کے زمانوں میں صدر الصدور یا صدارتِ کل کے عہدے پر فائز رہے۔ اس لئے آپ کے کمالات باطنی کا ذکر کم کیا گیا ہے اور اُمرا کے واقعات میں زیادہ حال آپ کا ملتا ہے

ابراہیم لودی، بابر اور ہمایوں کے عہد حکومت میں آپ کے عہدے خان آرزو " آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ " گدائی " ابراہیم لودھی " کے صدر الصدور " تھے " بابر " اور ہمایوں کے عہد حکومت میں بھی اسی قسم کے عہدوں پر متعین رہے "

(مجمع النفائس قلمی ص ۱۲۱ از اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت ۱۹۳۴ء ص ۹۱)

گجرات میں قیام ہمایوں کے ساتھ خاص لگاؤ اور وابستگی رکھنے کے باعث شیر شاہ " کے سلطنت پر قابض ہونے کے زمانے میں آپ " صوبہ گجرات " جا کر مقیم ہو گئے تھے "

بیرام خاں خان خاناں کو آپ کی امداد ۹۴۷ھ ہجری میں جب " بیرام خاں " " شیر شاہ " کی فوج کی تاب نہ لا کر " قنوج " سے جان بچا کر " راجہ متر سین کے پاس پناہ لینے پر " شیر شاہ " کے سپرد کئے جانے اور اس کے پاس سے بھاگنے کے بعد جب " گجرات " پہنچا تو " شیخ گدائی " اس کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آئے۔ انہوں نے مہمانداری اور مروت کے تمام لوازمات سرانجام دیئے اور بیرام خاں کو ہمایوں کے پاس پہنچا دیا۔

حج کچھ عرصہ " گجرات " میں رہ کر آپ مع اہل و عیال کے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے حرمین شریفین چلے گئے۔

دہلی کو واپسی ہمایوں نے جب دوبارہ " ہندوستان " کو تسخیر کیا۔ اور پھر " بیرام خاں " نے " ہمایوں " کی وفات کے بعد " اکبر " کو تخت نشین کر کے ۹۶۳ھ ہجری میں سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تو " شیخ گدائی " نے " گجرات " کو خیرباد کہا اور " دہلی " تشریف لے آئے۔

صدارت کے عالی شان عہدے پر تقرر دہلی پہنچتے ہی آپ کا تقرر صدارت کے عالی شان عہدے پر کر دیا گیا "

بیرام خاں سے تعلقات بیرام خاں کے مزاج میں آپ کو کافی دخل تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ " بیرام خاں " بہت بڑی حد تک " شیخ گدائی " کے زیر اثر تھا

اقتدار چنانچہ آپ سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ کوئی ملکی یا مالی معاملہ آپ کے مشورے کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا تھا " اگرچہ آپ " صدر الصدور " کے عہدے پر فائز تھے " لیکن جب تک شاہی احکام و فرمان پر آپ کی مہر ثبت نہیں ہوتی تھی وہ نافذ نہیں ہوسکتے تھے۔ آپ کو " رسم تسلیم " سے بھی معافی تھی " آپ کی شان و شوکت کا یہ حال تھا کہ آپ " بادشاہ وقت کے ساتھ بحالت سواری مصافحہ کرتے تھے "

آپ کے اقتدار سے لوگوں کا حسد آپ کے ایسے اقتدار سے لوگوں میں آپ کی طرف سے بے حد حسد پیدا ہو گیا تھا اور وہ انگاروں پر لوٹنے لگے تھے "

بیرام خاں کی رفاقت میں ثابت قدمی اربابِ نفاق نے بیرام خاں کی تباہی میں اپنی ترقی جان کر پہلے تو اس کے خیمہ پر مست ہاتھی دوڑا دیا۔ اور دوبارہ جب وہ دریا میں کشتی پر سوار تھا اس وقت بھی اس کی کشتی کو ایک ہاتھی سے الٹ وا دینے کی کوشش کی۔ جب دونوں دفعہ کے یہ کاری وار خالی گئے تو شاہنشاہ کے مزاج کو اس سے متغیر کرا دیا۔ شیخ گدائی کے پایۂ ثبات کو تذلزل نہیں ہوا وہ بیرام خاں کے رفیق رہے "

بیرام خاں اگر چاہتے تو حاسدوں کا یہ جم غفیر اور بادشاہی اثر مل کر بھی اُن کا اقتدار نہیں چھین سکتا تھا " لیکن اُن کی وفاداری نے اس باغ کی ویرانی کو جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا۔ اور اُن لوگوں کو جن کی انہوں نے خود پرورش کی تھی " لڑ کر برباد کر دینے کو پسند نہیں کیا۔ اور اپنے حشم و خدم کے تمام لوازم نیز ہمراہی افسروں کو " بادشاہ کے پاس بھیج کر جب حرمین شریفین کے ارادے سے وہ گجرات " روانہ ہوئے۔ تو ایسی حالت میں بھی جبکہ بیرام خاں نے اپنے لوازم حشمت و شوکت کو بادشاہ کے پاس بھیج کر اپنی طاقت کو کمزور کر لیا تھا اور اُن کا ہر رفیق " سلطنت کی نگاہوں میں قابل گردن زدنی ہو چکا تھا " شیخ گدائی " " بیرام خاں " کی رفاقت میں ثابت قدم رہے۔ اور انہیں رخصت کرنے کے لئے " بیکانیر " تک اُن کے ساتھ آئے۔

راجپوتانہ میں قیام اور انہیں رخصت کر کے " آپ نے " جیسلمیر " کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی "

دہلی کو واپسی اور قیام اخبار الاخیار میں " شیخ عبد الحق محدث دہلوی " نے لکھا ہے کہ " ۹۶۸ھ ہجری میں " بیرام خاں " کی شہادت کے بعد شیخ گدائی " نے " جیسلمیر " کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کی اور مدت تک وہیں رہے۔

آخر بتقریب بعضے حسّاد و اعادی از این جا برآمده بجانب کوہ جیسلمیر افتاده و مدتها در آن دیار گذرانیده باز آمده و بوجه مدد معاش قناعت فرمود۔

در حساب سلطنت سکونت شهر نمود۔ چند گاه در گوشه فراغت و آسایش باوجود کبرسن در ساعین عشرت آیش با ماہرویان تارخین گذرانید۔ و چون نوبت مرگ رسید همه را گذاشته بعالم دیگر رسید۔ وکان ذلک فی سنه ست وسبعین وتسعمائه (اخبار الاخیار صفحه ۲۲۲ و ۲۲۳)

وہ شیخ گدائی بعض حاسدوں اور دشمنوں کی وجہ سے اس جگہ سے روانہ ہو کر جیسلمیر کے پہاڑوں میں چلے گئے اور عرصہ تک اس ملک میں رہ کر پھر واپس آ گئے اور سلطنت کی طرف سے جو مدد معاش مقرر کی گئی اس پر قناعت کر کے شہر میں رہ کر

تھوڑے عرصہ گوشہ فراغت و آسائش میں باوجود بڑھاپے کے باعون عشرت آئین میں ماہرویان تارخین کے ساتھ بسر کی۔ جب موت کا وقت آیا تو سب کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں پہنچ گئے۔ سال وفات آپ کا ۹۷۶ھ ہجری ہے۔

صاحب حیات لودی اور صاحب صبح گلشن کے بیانات شیخ گدائی کے حالات میں

حیات لودی مرتبہ شوکت انعامی مؤلفہ محمد عبدالحکیم خان لودھی مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ کے صفحہ ۲۶۵ و ۲۶۶ پر ہے کہ۔
اس کے بعد شیر شاہ نے ۹۴۷ھ میں سفر کیا تو بیرام خان اور محمد قاسم گجرات کو بھاگے۔ محمد قاسم تو راستہ میں مارا گیا۔ اور بیرم خان بہ امداد شیخ گدائی فرزند شیخ جمالی کنبوہ شاعر باکمال و مصاحب سلطان سکندر، بادشاہ ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔

صبح گلشن مؤلفہ سید علی حسن خان فرزند دوم نواب صدیق حسن خان کے صفحہ ۳۲۶ مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ ہجری پر ہے کہ۔

شیخ گدائی فرزند شیخ جمالی کنبوہ دہلویست۔ در کمال صباحت و ملاحت۔ و در افکارش تازگی دلی بتکمیل فضائل و کمالات صوری و معنوی از والد ماجد خود و دیگر افاضل عهد خود کرده۔ در حمایت دولت بیرم خان خانخاناں بسعادت همه سر آمده مرجع خواص و عوام ہندوستان و خراسان و ماوراء النہر و عراق بوده۔ بر طریقه مشائخ کرام صوفیه عظام بپاے بے اثر بود با کمال استغنا۔ گدائی را دماغے و اصلاح حق و ستائش و مباہات مشہور بود۔ و با عراس پیران طریقت خود شیوه ترتیب مجالس حال اہتمام بلیغ مے نمود۔ در موسیقی و نغمه پیرائی و مقام شناسی کم کسی ماہر بود۔

در ہنگامه شورش و بغی خان خاناں از رسیکا سیر و ترک وطن گفته در دہلی بکاشانه خود دا سرا گرفته و پاے قناعت شکسته بقیه عمر کامل بعزت و وقر گذرانید۔ در سنه ۹۷۶ هجری ست و سبعین و تسعمائه۔ در عهد اکبر بادشاه بعالم ارتحال شتافت۔

شیخ گدائی بیٹے شیخ جمالی کنبوہ دہلوی کے ہیں۔ حسن کے کمال میں ملاحت و صباحت اور افکار میں تازگی تھی۔ فضائل و کمالات صوری و معنوی اپنے والد ماجد اور دوسرے فاضلان عہد سے حاصل کیے۔ بیرام خان خانخاناں کی حمایت و رفاقت سے سعادت سرپر فائز ہوئے اور مرجع خواص و عوام ہندوستان و خراسان و ماوراء النہر و عراق کے ہوئے۔ مشائخ کرام اور صوفیائے عظام کے طریقہ کے دم بدم تھے اور کمال استغنا سے اصلاح حق کے دعاؤں کی کرامت اپنے باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ اپنے پیران طریقت کے عرسوں میں ترتیب مجالس سماع حال میں اہتمام بلیغ کرتے اور موسیقی اور نغمہ پیرائی اور مقام شناسی میں کوئی ماہر تھے۔

خان خاناں کی شورش اور بغاوت کے زمانہ میں سیکا سیر سے عباس سے علیحدہ ہو کر دہلی میں اپنے گھر آ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ اور اپنا بقیہ عمر کو کمال عزت و وقر سے بسر کیا۔ ۹۷۶ھ ہجری میں اکبر بادشاہ کے زمانہ میں آپ کی وفات ہو گئی۔

شیخ گدائی کے حالات مسٹر الیس خان یساری ایم اے کے قلم سے

آپ کے تفصیلی حالات کسی ایک کتاب میں نہیں ملتے۔ کتب سیرۃ میں۔ اور شاہان مغلیہ کے امراء و وزراء نیز صوفیائے کرام کے جو تذکرے ہیں ان میں جستہ جستہ آپ کے حالات ملتے ہیں۔

مکرم بود"

در مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم در ایام عرس حاضر میشد" و مجالس عالی را" بہ حشمت و کروفر تمام ترتیب میداد" در سنہ نہصد و ہفتاد و شش (۹۷۶ ہجری) بانہ بعالم آخرت شتافت"

کی صحبت سے جدا ہو کر دہلی آئے تو وہاں بھی معزز اور مکرم رہے۔

مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم پر عرس کے دنوں میں حاضر ہوتے اور مجلسوں عالی کو بہت حشمت اور کروفر سے ترتیب دیتے تھے" ۹۷۶ھ ہجری میں انہوں نے سفر عالم آخرت کا اختیار کیا"

اِس بیان سے آپ کی فضیلت علمی اور صداقت و رُوحانیت کا حال معلوم ہونے کے سوائے یہ بات بھی صاف طور سے ظاہر ہو گئی ہے کہ آپ کے متعلق جو کچھ بھی سب وشتم کیا گیا" ہائے واویلا مچایا گیا" اور ماتم برپا کیا گیا" وہ آپ کے "اقتدار" اور "خان خانان بیرام خاں" کی دوستی کی وجہ سے" حاسدوں کی طرف سے کیا گیا تھا" ورنہ "بیرام خان خاناں" کی شہادت کے بعد "راجپوتانہ" سے دہلی کی واپسی پر۔ آپ کسی طرح ایسے معزز اور مکرم نہیں رہ سکتے تھے" نہ یہ حشمت وکروفر اختیار کرسکتے تھے" جس کا بیان مُلّا صاحب نے کیا ہے" مُلّا عبدالقادر کے اِس بیان کو بھی دکھا دینے کے بعد اب ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے مورخین کے بیانات کو شیخ گدائی کے متعلق دکھاتے ہیں" شیخ عبدالحق صاحب نے بھی" اپنی کتاب "اخبار الاخیار میں" شیخ گدائی" کے متعلق۔ یہی تحریر فرمایا ہے کہ" (بہ تقریب" بعضے حساد و اعادی" ازیں جا بر آمدہ" بجانب کوہ "جیسلمیر" افتاد") (بعضے حاسدوں اور دشمنوں کی وجہ سے یہاں سے روانہ ہو کر وہ جیسلمیر میں جا کر مقیم ہوگئے تھے")۔ باقی دوسرے مورخ بھی محدث صاحب موصوف ہی کے ہم زبان ہیں اُن کے بیان ملاحظہ ہوں"

شیخ گدائی پسر کلاں مخدوم شیخ جمالی کا حال شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی "شیخ عبدالصمد" اور لقب یا عرف "شیخ گدائی" تھا شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اپنی کتاب اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ"

شیخ گدائی" پسر کلاں "شیخ جمالی" ست۔ وے در بزرگی و جاہ پہلو بہ پدر میزد۔ و در اوّل و آخر ہمت بر کسب معانی و مفاخر داشت۔ و در رعایت اطوار بزرگی و عزت و ملاحظہ او ضاع جاہ و دولت مے بود۔

"شیخ گدائی" بڑے صاحبزادے شیخ جمالی کے ہیں" وہ بزرگی اور جاہ میں اپنے والد بزرگوار کی برابری کرتے تھے" اول اور آخر انہوں نے معانی اور ہنر حاصل کرنے پر اپنی ہمت مبذول رکھی" اُن کے اطوار بزرگی و عزت اور ملاحظہ اوضاع سے اُن کو جاہ و دولت حاصل ہوئی"

در ابتدائے حال۔ در سلک مقربان و خواص ملازمان" نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ منتظم بود۔ و بعد ازانکہ "شیر شاہ" غلبہ کرد۔ و بر سریر سلطنت پائے نہاد بجہت اختصاصے کہ بسلسلہ ہمایونیہ داشت۔ سلوک طریقہ سفر برائے اقامت اختیار نمودہ۔ بہ دیار گجرات بدر رفت و از انجا عزیمت زیارت حرمین شریفین کرد۔ و بہ ایں سعادت عظمے با اہل و عیال مشرف شدہ۔ در عہد دولت شاہنشاہ وقت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ" بدیار مالوف عود نمود۔ و بواسطہ ارتباط و اتحاد کہ بجناب خان خاناں محمد بیرم خاں" داشت بنہایت درجات اعتبار رسید" و بعد ازاں بسبب وقوع بعضے اُمور کہ از لطائف خفایائے جذبات الٰہی بود۔ و باعث بر ترک دنیا و توجہ "خان خاناں" بہ حرمین شریفین شد و در راہ حج در سنہ ثمان و ستین و تسعمایتہ" شہادت رسید"

شروع میں سلک مقربان اور خواص ملازمان نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ میں منتظم تھے" اور اس کے بعد جب شیر شاہ نے غلبہ حاصل کیا اور وہ تخت سلطنت پر بیٹھا" تو اِس خصوصیت کی وجہ سے جو انہیں سلسلۂ ھمایونیہ سے تھی تو انہوں نے شیر شاہ کی حکومت میں رہنا گوارا نہ کرکے سفر اختیار کیا اور گجرات چلے گئے اور وہاں سے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ کیا اور اس سعادت عظمٰی سے معہ اپنے اہل و عیال سے مشرف ہوئے" شاہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے زمانہ میں اپنے وطن کو واپس تشریف لائے" اور خان خاں بیرام خاں کے ارتباط و اتحاد کے واسطہ سے نہایت درجہ مرتبہ کو پہنچے اور اس کے بعد بعض واقعات کے سبب سے جو لطایف خفایائے جذبات الٰہی سے تھے اور جو خان خاناں کے ترک دُنیا اور حرمین شریفین کی طرف توجہ کا باعث ہوئے اور حج کے راستہ میں ۹۶۸ھ ہجری میں خان خاناں شہادت کے درجہ کو پہنچے۔

لودھی عہدہ دینا چاہتے تھے۔ پہلے اُس کا نسب دریافت کر لیتے تھے۔ اور اُس کے مطابق اُسے عہدہ دیا کرتے تھے"۔

سلطان سکندر و ابراہیم لودھی، شہنشاہ بابر اور ہمایوں، ان چار بادشاہوں کے زمانوں میں شیخ گدائی رح کے ہم جد اور ماموں، میر جو شیخ گدائی کے عہدہ صدارت پر مسلسل مقرر رہتے چلے آئے کے اور سلطان سکندر کے شیخ گدائی کے مجھلے ماموں زاد بھائی کو تمام قریشیوں، ہاشمیوں اور سادات بنی فاطمہ پر ترجیح دینے کے جو ثبوت اور تاریخی ہم نے پیش کئے ہیں۔ ان سے مؤلف امروہوی اور اُن کے خاص الخاص رفقا کو مورخ ملائے بدایونی کی اس صریح غلط بیانی کا جو انہوں نے اکبر کے ایک فقرہ کو لے کر شیخ گدائی کو ہندی الاصل ثابت کرنے اور اکبر کے زمانے میں صدر الصدوری کے عہدے پر مقرر کئے جانے پر اکبر کے داویلا مچا کے متعلق اپنی کتاب میں کی ہے خوب طرح پول کھل گئی ہے۔ لیکن یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا ہے بلکہ شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر رح کی سلطنت کے صدر الصدور یا شیخ الاسلام، شیخ گدائی رح کے خاندان کے ایک اور رکن خواجہ شاہ مخاطب بہ محمد شریف خاں بھی تھے جن کا ذکر اسی کتاب میں مآثر الحکام کے ص۱۵۰ سے لے کر پہلے لکھ آئے ہیں جن کا ذکر مآثر عالمگیری مصنفہ محمد ساقی مستعد خاں کے ص۱۵۱ پر بھی تحریر ہے"۔

ان شواہد کی روشنی میں اور مؤلف امروہوی کی تحقیقات اور ایقان کے مطابق بھی اب اِس امر میں ذرا سا بھی شک و شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے کہ شیخ گدائی رح عربی النسل اور صیری قریشی تھے، چاہے کوئی اور ہو یا نہ ہو وہ بالضرور تھے۔ اور اکبر کے زمانے میں جو ملا حال خانان بیرام خاں کے نام شہنشاہ اکبر کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اور جس میں خان خانان بیرام خاں اور شیخ گدائی رح کے اقتدار کا رونا رویا گیا ہے۔ اُس کی حیثیت اِن دونوں بزرگوں کے حاسدوں کے حسد اور کینہ توزیوں کے مظاہرے سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے"۔

شیخ گدائی کے متعلق مُلّائے بدایونی کا اپنے پہلے بیان سے بالکل مختلف دُوسرا بیان

منتخب التواریخ کی جلد دوم میں ملّا عبدالقادر بدایونی نے شیخ گدائی رح کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُسے ہم اُوپر ساکر اُس کی حقیقت بھی دکھا چکے ہیں۔

اب ہم ان ہی ملّا صاحب کی اِسی کتاب منتخب التواریخ کی تیسری جلد سے جس میں انہوں نے عہد اکبری کے منتخب اُمرا، علماء، شعرا وغیرہ کے حالات لکھے ہیں، شیخ گدائی کے حالات لکھ اس لئے لکھتے ہیں کہ۔ شیخ گدائی کے متعلق جو بہرہ مراثیاں اُن کے حاسدوں نے یہ فرمان "مندرجہ اکبر نامہ ابوالفضل میں شامل کیں، اِس مقدس ملّا نے اپنی کتاب کی جلد دوم میں کی ہیں، اُن کی تردید خود ملّا صاحب کے بیان سے ہی کو بی ہو رہی ہے"۔

منتخب التواریخ جلد سوم کے ص۸۵ و ص۸۶ پر ہے کہ۔

شیخ گدائی دہلوی کنبوہ خلف شیخ جمالی شاعر مشہور است، کسب کمالات صوری نمودہ و صحبت اکامل روزگار دریافتہ بود و برکات آں بزرگواراں بامداد بندہ، و بوسیلۂ حق محبت و صداقت کہ با بیرام خاں داشتہ، منصب صدارت سند و از معزوں شدہ، چند سال مرجع اکابر و اکامل ہندوستان و خراسان و ماوراء النہر و عراق بود۔

شیخ گدائی دہلوی کنبوہ صاحبزادے شیخ جمالی مشہور شاعر کے ہیں، انہوں نے کمالات صوری حاصل کئے اور کاملان روزگار کی صحبت پائی، اور اُن کی برکتوں سے اپنے زمانے کے نامور لوگوں میں سے ہوئے، اور حق محبت و صداقت کے وسیلہ سے جو انہیں بیرم خاں اور اُن میں تھا منصب صدارت ہند انہیں سپرد ہوا، اور چند برس مرجع اکابر اور کاملانِ ہندوستان، خراسان اور ماوراء النہر اور عراق کے تھے۔

و طبع نظم داشتہ۔ و نقش و صوت ہندی مے بست و مے گفت۔ و دراں وادی مشعوف و مالوف بود، چوں از صحبت خان خانان بیرام خاں، ارباب فتنہ بیکا سیر جدا شدہ، شد ملی آمد، اسباب معزول

شعر گوئی سے انہیں مناسبت تھی، ہندی زبان میں خوب لکھتے اور پڑھتے بھی اچھا تھے، اور اس وادی میں بھی مشغول و مالوف رہتے تھے، اور جب بوامی سیکا سیر میں خان خانان بیرام خاں

تھی اور جسے ہم نے اسی کتاب کے ص۱۶۷ پر تحریر کیا ہے "ظاہر ہے" کہ اس زبیری خاندان میں "غیر خاندانوں کے رشتے ناطے نہ کرنے اور پردہ نسواں کی سختی سے پابندی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اب بھی ہے"

مؤلف امروہوی اور اُن کے راست گو مؤرخ ملّائے بدایونی کی غلط بیانی کا انکشاف

شیخ گدائی کے خاندان کے "علوئے مرتبت" "شان و شوکت" اور نسب کا حال بخوبی معلوم ہو چکا ہے۔ اب ہمیں یہ بھی دکھا دینا ہے کہ آپ کا تقرر جو "بیرام خاں" کے زمانے میں صدارت کل کے عہدے پر کیا گیا تھا "اُس سے آپ کی قدر و منزلت کچھ بڑھ نہیں گئی تھی بلکہ آپ کی وجہ سے اس عہدہ کو عزت حاصل ہوئی تھی" آپ اس سے پہلے بھی اسی عہدہ پر متعدد بادشاہوں کے زمانوں میں ان کی خواہش کی بنا پر متمکن رہ چکے تھے" اور آپ سے پہلے آپ کے چھوٹے ماموں حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہ "سلطان سکندر لودہی" اور "سلطان ابراہیم لودھی کے زمانوں میں" شیخ الاسلامی یا صدر الصدور کے عہدے کو اعزاز بخش چکے تھے" جب شیخ گدائی رح کے بزرگوار ماموں صاحب نے اپنے مشاغل روحانی کی وجہ سے "سلطان ابراہیم لودہی" کے زمانے میں اس عہدے سے دست کشی اختیار کر لی۔ تو ان کی جگہ پر کرنے کے لئے "شیخ گدائی" سے خواہش کی گئی"

شیخ گدائی رح کے ماموں سلطان سکندر و ابراہیم لودھی کے شیخ الاسلام

کلمات الصادقین میں ہے کہ "شیخ نصیر الدین دہلوی (شیخ گدائی کے چھوٹے ماموں) سکندر اور ابراہیم لودہی کے عہد میں شیخ الاسلامی کے عہدے پر سرفراز تھے" اور آپ شریعت و طریقت کے دونوں میدانوں کے شہسوار اور سنت نبوی صلعم کے پورے طور سے حامل تھے"

شیخ گدائی صدر الصدور بزمانہ سلطان ابراہیم لودھی و بابر و ہمایوں

خان آرزو نے اپنی کتاب "مجمع النفائس" میں لکھا ہے کہ "شیخ گدائی" ابراہیم لودہی کے صدر الصدور تھے" بابر" اور ہمایوں" کے عہد حکومت میں بھی آپ اسی عہدہ پر متعین رہے" (مجمع النفائس قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص۱۳۱)

شیخ گدائی کے ماموں زاد بھائی کو تمام "بنی ہاشم" اور سادات بنی فاطمہ پر برتری

پٹھانوں کے بادشاہوں کے حال میں مشہور و معتبر تاریخ داؤدی کے اوراق ص۵۱ و ۵۲ پر تحریر ہے کہ "شیخ عبد الغفور المعروف بہ میاں لادن (شیخ گدائی کے منجھلے ماموں) جب کبھی سلطان سکندر لودہی کے پاس آگرہ تشریف لے جاتے تھے تو باوجود بڑے بڑے دوسرے بزرگوں کی موجودگی کے وہ آپ ہی کو امامت نماز کی تکلیف دیتا تھا" یعنی جب تک آپ کا قیام سلطان کے پاس رہتا۔ وہ آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھنے کو اپنی سعادت سمجھتا تھا"

یہ ہم پہلے دکھا آئے ہیں کہ "میاں لادن" "سلطان سکندر کے مشیر مذہبی بھی تھے" یعنی جب اُسے کسی مذہبی معاملہ میں مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ کسی سید اور بنی ہاشم سے نہیں بلکہ میاں لادن سے جو حضرت زبیر رض حواری رسول اللہ صلعم کی اولاد تھے مشورہ لیکر تسکین حاصل کیا کرتا تھا" اور یہ سلطان وہ تھا جو نسب کے معاملہ میں بہت غلو رکھتا تھا"

سلطان سکندر کا نسب کے بارے میں غلو

سکندر لودھی کی اسلام دوستی کا خود مؤلف صاحب امروہوی نے بھی اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ میں خاص طور سے ذکر کیا ہے" علاوہ بریں "تاریخ فرشتہ" جلد دوم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے صفحہ ۱۶۰ پر تحریر ہے کہ "جس شخص کو سکندر

زمانۂ حال میں اہلِ مغرب کی تقلید میں جو پردہ شکن ہوا ہندوستان میں چلی ہے ہندوستان کے بڑے بڑے نجیب شریف خاندان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ بے پردہ دری کے ساتھ عصمت شکن طریقوں کی ترقی ہوتی جاتی ہے ہم نے بچشم خود دیکھ لیا کہ بڑے بڑے ہندوستان کے خاندانی لوگوں نے پردہ نسواں کے قیود بند سے جو قدیم سے نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا اغیار کی تقلید میں آزادی حاصل کر لی اور وہ بہت خوش ہیں کہ گویا ان کے آباؤ اجداد جو خدا اور رسول صلعم کے احکام کی پابندی کرتے تھے وحشی تھے اور اس وحشت سے انہیں پردہ نسواں شکست کر کے آزادی ملی ہے سارے ملک میں ترقی و تہذیب نسواں کے دعاوی کے ساتھ مدارس کھولے جا رہے ہیں وہ مردہ پردہ کی ہڈیاں کھوجتی جاتی ہے اہلِ مغرب نے اس تمام آزادیِ نسواں کا جو نتیجہ تجربہ کیا ہے اس کے تفصیلی اظہار کا یہ محل نہیں ہے تعریفِ عصمت و پارسائی کا اکثر ممالک مغرب میں دیوالہ نکل چکا ہے میرے ہی ملک ہمیت کے ساتھ جا بجا موجود ہیں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سادات امروہہ نے اب تک اس مسموم ہوا اور تمام آزادی و ترقی تعلیم نسواں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا ہے بفضلہ تعالیٰ یہاں ابھی تک قرنِ فی البیوت کے حکم کی تعمیل نہایت سختی سے مستورات پابند ہیں اور ان مستورات پر کشوفات کا اطلاق کسی ایک مقام پر بھی نہیں ہوا ہے عصمت عفت کی ضرب المثل جیتی جاگتی تصویریں سادات کی حویلیوں میں موجود ہیں اور اگرچہ قدیم طریقے اور رسمیں بہت کچھ مٹ چکی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک مستورات کی پارسائی و پاکدامنی ضرب المثل چلی آتی ہے

ہندوستان کے بعض مستند خاندانوں پر حیرت ہے کہ انہوں نے باوجودیکہ بے پردگی کے ثمر مسموم کے ثمرات حسیت کا بچشم خود اثر بد دیکھا اور دیکھتے جاتے ہیں لیکن تقلید اور نفس کو زار تعلیم نے ان نتائج کی طرف سے بے پروا اور ان کی حسِ شرافت کو باطل کر دیا ہے ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ان خدماتِ عصمت کی پارسائی کو تا القیام قیامت باقی رکھے اور ذکر عافرو کی وحشت اور بربریت سے انہیں محفوظ رکھے اور یہ الرجال قوامون علی النساء حال کے سوا کے قائم سے مارے کر حدود فطرۃ کو پامال نہ کریں

امروہہ میں علاوہ خاندان سادات کے دیگر شرفائے کرام کے خاندانوں میں بھی یہی آئین دوامی پردہ نسواں کے متعلق ہمیشہ سے چلا آتے ہیں اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ زمانے کی اس مسموم ہوا کا اثر ابھی تک ان میں بھی نہیں ہوا ہے امروہہ میں کثیر التعداد شرفاء کے خاندان اب تک بھی اپنے قدیم طریقوں کی پابندی اور وضعداری میں خاص طور سے یک نام ہیں اور ہمیشہ سے ذی منصب اور عالی مرتبت اشخاص ان میں ہوتے آئے ہیں بعض خاندانوں میں ارشاد و ہدایت و مشیخت کا سلسلہ بھی مدتوں جاری رہا ہے

غرض ہر قسم کی شرافتوں سے یہ خاندان مشرف رہے ہیں مثلاً خاندان شاہ عبد الہادی صاحب قریشیوں میں خاندان نواب وقار الملک بہادر بادشاہی چبوترہ میں خاندان حکیم احمد علی خاں صاحب محلہ ستو میں وغیرہ وغیرہ۔

دورِ آخر میں نواب وقار الملک وقار الدولہ انتصار جنگ نواب مشتاق حسین صاحب المتوفی جنوری ۱۹۱۷ء کی ہستی امروہہ میں رہتی اہل امروہہ کے لئے باعث فخر تھی۔ بلکہ تمام اہلِ ہند کو ان کی ذات گرامی پر ناز ہے آپ کی ایک مستقل مفصل سوانح عمری وقار حیات نامی طبع ہو چکی ہے "تذکرہ وقار" کے نام سے ایک اور مختصر سوانح عمری آپ کی طبع ہوئی ہے)

(الف) علاوہ ملکی اور سیاسی خدمات کے جو ملکت آصفیہ میں آپ نے انجام دیں آپ کی ملکی اور قومی خدمات نے مسلمانانِ ہند کی سیاسی رہنمائی و قیادت کے منصب رفیع و جلیل پر آپ کو پہنچایا۔ اور اقصائے ہند بلکہ بیرون ہند میں بھی آپ کا اور آپ کے تمام خاندان کا نام روشن ہوا اس کے ساتھ ہی ساتھ امروہہ کا نام بھی روشن ہوا

اس بیان میں نواب وقار الملک بہادر اور حکیم احمد علی خاں صاحب جن دو بزرگوں کے نام لکھے ہیں شیخ گدائی رہبری کنگوہی کسوی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ صاحب تاریخ سادات امروہہ نے بتایا ہے اور ہمارے پیش کردہ نوشتہ سے ماسبق میں مشروح بیان ہو چکا ہے اور مولوی سید طفیل احمد آنریری سیکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ کی ہدایت بالا اس تقریر سے بھی جو مولوی صاحب موصوف نے دسمبر ۱۹۳۳ء کے شہر میرٹھ کے ایک اجتماع میں۔ شیخ گدائی رہبری کسوی خاندان کی خصوصیات پر فرمائی

ہوا ہے۔ خوشحال اُس شخص کا جس کے لڑکی نہ ہو۔" ابن معتز[1] بولا کہ اس نادان نے اِس بارے میں کچھ عرض کیا ہے۔" پھر لوگوں کے اصرار سے یہ دو شعر پڑھے۔" ہر طرف سے تحسین و آفرین ہونے لگی۔" (حیات علامہ میر عبدالجلیل حصہ اول صفحہ ۹۷ و ۹۸ ، تالیف مقبول احمد صمدنی مطبوعہ الٰہ آباد سنہ ۱۹۲۹ء)

اب ہم تاریخ سادات امروہہ کا وہ بیان پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے خاندان کے متعلق دیا ہے اور جس میں شیخ گدائی زبیری کنبوہ کے اہلِ خاندان میں پردے کی پابندی اور دوسرے خاندانوں میں رشتے ناطے نہ کرنے پر بھی خوب طرح روشنی ڈالی ہے۔

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے غیر کفو میں رشتے نہ کرنے اور پردۂ نسواں پر عامل رہنے کا بیان صاحب تاریخ سادات امروہہ کے قلم سے

تاریخ سادات امروہہ جلد اول مؤلفہ و مرتبہ جمال احمد نقوی عرف خصال احمد ایم۔اے مطبوعہ اعظم سٹیم پریس ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد دکن کے صفحہ ۴۶ تا ۴۹ پر تحریر ہے کہ:

"یہ بستی (امروہہ ضلع مرادآباد صوبۂ متحدہ) سادات عظام کی نہایت قدیم و مشہور ہے۔" ہر مذہب اور ہر قبیلہ کے اہلِ اسلام یہاں کم و بیش موجود ہیں۔" لڑکی کا لین دین۔" باہم حسب رسم و رواج برادری۔" ہر ایک گروہ میں اپنے طریقہ سے ہوتا آیا ہے۔" سادات میں لڑکی کا لین دین باہم ہوتا ہے۔" غیر گروہ میں تعلقات مصاہرت کا قائم کرنا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔" عام طور پر اس رواج کی پابندی۔" ہر فرد خاندان پر لازم سمجھی جاتی ہے۔" اور بفضلہ تعالیٰ اب تک لطف و کرم سے سلسلہ مناکحت کے اصول پر نہایت سختی سے پابندی جاری ہے۔" اِس میں شک نہیں کہ بعض اصحاب نے سادات میں بھی مختلف وجوہ کی بنا پر۔" اِس عام طریقہ و آئین کی خلاف ورزی کا ارتکاب کہیں کہیں خال خال ضرور کیا ہے۔ اور غیر مقامات پر مناکحت کا رشتہ قائم کیا ہے۔ مگر ان کی تعداد نہایت قلیل ہے۔" اور اُن کی اولاد بھی اپنے خاندان میں ہمیشہ ایک خاص نظر سے دیکھی گئی ہے۔" عام قاعدہ اور طریقہ ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے۔ کہ غیر خاندان میں نکاح نہیں کیا جاتا ہے۔ اور دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ۔" اِس اصول کی پابندی جس سختی سے سادات امروہہ میں کی گئی ہے۔" شاید ہی کسی دوسرے مقام پر اس کی نظیر مل سکے۔" ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دیگر بلادِ اسلامیہ میں بھی شاید کوئی خاندان اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے۔" کہ سلف سے آج تک کسی جگہ اور کبھی کسی غیر خاندان میں اہلِ خاندان کے رشتے قائم نہیں ہوئے۔" ہندوستان میں جن جن مقامات پر۔" سادات صحیح النسب آباد ہیں۔ اور بیرونِ ہند میں بھی سادات میں جا بجا غیر خاندانوں کی رشتہ داریاں قائم ہونے کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔" جہاں تک اصالت و نجابت کا تعلق ہے۔" دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ "سادات امروہہ کا نسب بفضلہ تعالےٰ سراسر مقبول عام اور دنیا کے صحیح ترین انساب سادات میں سے ہے۔"

(نوٹ ۱) ابن المعتز: ابوالعباس عبداللہ بن المعتز بن المتوکل بن المعتصم عباسی۔" جس کو کسب کمالات ظاہری اور حصول فوائد معنوی نے ادبی زیب و زینت دی تھی۔" فن لغت۔" صرف۔" اشتقاق۔" نحو و معانی۔" بیان، عروض و قافیہ۔" و ترسیل خطوط و رسائل اور تقریظ اشعار۔" نظم تاریخ۔" اور علم موسیقی میں یکتائے روزگار تھا۔" ابوالفرج اصفہانی لکھتا ہے کہ اُس کے زمانے میں۔" فضل و ادب و شعر۔" اور حسب و شرافت و دیگر ادبیات کے لحاظ سے اہلِ عرب میں کوئی اُس سے تفوق و تقدم نہیں رکھتا تھا۔" سید صدرالدین شیرازی المعروف بہ سید علی خاں۔" عنوان کتاب انوار الربیع میں لکھتے ہیں کہ۔" علم بدیع کو۔ اسی عبداللہ بن معتز۔" نے اختراع کیا تھا۔ اور اس علم کا نام۔" بدیع۔" بھی اسی نے رکھا تھا۔" ابن معتز۔" شعبان ۲۴۹ ہجری میں پیدا ہوا۔ (صفحہ ۹۶) سنی اور امام ابو حنیفہ۔" کا پیرو تھا۔" ۔" مکتفی باللہ۔" کے بعد ربیع الاول ۲۹۶ ہجری میں مقتدر کو جدا کر کے خلیفہ بنایا گیا۔" پھر مقتدر کی جماعت نے قوت پا کر اُسے قتل کر دیا۔" اُس کا دیوان چھپ گیا ہے۔" اُس کی بہت سی تالیف و تصنیفات شہرت رکھتی ہیں۔" کتاب الزہرہ الریاض۔" کتاب البدیع۔" کتاب مکاتبات الاخوان بالشعر۔" کتاب الجوارح والصید۔" کتاب السرقات۔" کتاب اشعار الملوک۔" کتاب الآداب۔" کتاب علی الاخبار۔" کتاب طبقات الشعراء۔" کتاب الجامع فی الغناء۔" کتاب فیہ ارجوزۃ فی ذم الصبوح وغیرہ۔" صفحہ ۹۹ و ۱۰۰)

مروان بن محمد پر سلسلۂ خلافت بنی اُمیہ ختم ہوا۔

ایک دیہاتی قاضی سوار کے پاس آیا اور کہا کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور ہم دو بھائی ہیں۔ پھر اُس نے ایک طرف دو لکیریں کھینچ دیں۔ پھر کہا اور ایک ہماری بہن بھی ہے۔ اور بہت دُور دوسرے کنارے پر ایک اور لکیر کھینچ دی۔ پھر کہنے لگا۔ مال کی کس طرح تقسیم ہوگی۔

قاضی صاحب نے کہا اگر تمہارے علاوہ کوئی اور وارث نہیں ہے تو ایک تہائی مال تمہارے حصّہ میں آئے گا۔ اعرابی نے کہا میرا خیال ہے آپ مجھے نہیں سمجھے۔ ہم لوگوں میں ہم دو بھائی اور ایک بہن ہے۔ قاضی صاحب نے کہا میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ مال تم تینوں میں برابر تقسیم ہوگا۔ اعرابی کہنے لگا۔ تو کیا بہن بھی اتنا ہی پائے گی جتنا میرا بھائی اور میں لوں گا۔ قاضی صاحب نے کہا۔ ہاں یہ سُن کر اعرابی کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہو گیا اور کہنے لگا۔ مالك قلّ الحالات بالك صنا۔ یعنی دنیا میں تمہاری کوئی حالت نہیں ہے۔ (عیون الاخبار۔ ۲ ۱۱)

کہا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی باندی نہیں تھی۔ اس مثال سے یہ مراد ہے کہ تمہاری ماں شاید باندی ہے۔

جاحظ کہتے ہیں کہ میں نے اثنائے گفتگو میں عبید کلابی سے جو ایک بہت فصیح و بلیغ لیکن غریب شخص تھا کہا۔ کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم دوغلے ہو اور تمہارے پاس ہزار جریب زمین ہو۔ وہ کہنے لگا ہرگز نہیں۔ میں اس عار کو کسی چیز کے مقابلہ میں پسند نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا۔ امیر المومنین (خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی) بھی تو باندی کے پیٹ سے ہیں۔ اُس نے کہا خدا اُس کی اطاعت کرنے والے کو ذلیل کرے۔

ریاشی کہتے ہیں کہ

ان اولاد السراری کثروا یارب فینا   رب ادخلنی بلادا لا اری فیہا ھجینا

یارب باندیوں کی اولاد ہم میں بہت ہو گئی ہے۔   اے اللہ مجھے ایسے ملک میں پہنچا دے جہاں مجھے کوئی دوغلا نظر نہ آئے۔

ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی کو اُن کے بربری لونڈی کے بطن سے ہونے کی وجہ سے محمد نفس ذکیہ بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن حضرت علی رضہ نے ان الفاظ میں اپنے ایک خط میں ۱۴۵ھ ہجری میں طعنہ دیا اور شرم دلائی تھی۔ تم معلوم ہونا چاہئے کہ میں نہ مطلقہ عورت کی اولاد ہوں۔ نہ لعان کردہ عورت کی۔ میری رگوں میں نہ باندی کا خون ہے۔ اور نہ اُم ولد نے مجھے دودھ پلایا ہے۔

تاریخ طبری میں ہے محمد نفس ذکیہ کا یہ خط جس میں ابو جعفر منصور کو انہوں نے لونڈی زادہ ہونے کا طعنہ دیا ہے تحریر ہے۔ اور اس خط کا جو طویل جواب ابو جعفر نے محمد نفس ذکیہ کو دیا ہے وہ بھی لکھا ہے۔ ان دونوں خطوں کو مؤلف ابن جوزی نے بھی اپنی کتاب میں ابو جعفر کے حال میں لکھا ہے۔

خلفائے عباسیہ کی اکثریت لونڈیوں کے بطن سے تھی لیکن سب کی حالت کے متعلق عربی قومی خیال کو اُن کے ایک فرد ابن معتز نے جو ہستی اور ہر قسم کا شخص ان میں تھا۔ اپنے اشعار میں اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

وَلَکِنْ بَلَتْ مَوتِیْ مِنْ دُنْیَا   وَاِنْ اَثْرَیْ وَمُتُّ مِنَ الْھَمِیْم

اَاُمِّیْ مَا الْتَّمَامِ دَمِی وَلَحْمِی   فَمَا عُذْرِیْ اِلَی النَّسَبِ الْکَرِیْم

ترجمہ۔ میں نے اپنی دختر دو شیرہ سے کہا کہ اپنے شوہر کے وصال تک پہنچنے سے پہلے جو بڑا ثروت و اقتدار ہی کیوں نہ ہو مگر کم ظرف و کم نسب ہو تم اس جہان سے رخصت ہو جانا۔ کیا میں اپنا خون اور گوشت ناکسوں سے مخلوط کروں گا۔ تو میرا عذر نسب کریم کے جاتے رہنے کی نسبت کیا ہوگا۔

ابن معتز نے جب اپنے یہ اشعار پڑھے تو مجمع پر جیسا اُن کا اثر ہوا وہ روایت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

ابن معتز کی عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ ایک دفعہ ابو عیسیٰ بن متوکل کے یہاں۔ قاضی علی بن محمد بن ابی الشوارب آئے۔ اور اپنے تعلقات اور خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ اُس کے شوہر کی بے وفائی اور بے مہری لکہ سید بدی کا دعا کاری کا شکوہ کرکے دستگیری کے خواہاں ہوئے۔ اور اعانت کا وعدہ اور ہمدردی کا جواب پا کر رخصت ہو گئے۔

ابو عیسیٰ نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ کتنے بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسا بزرگ شخص ایسے فضل و شرافت والا کس درجہ میں پہنچا

مولوی سعید احمد صاحب "دبانی و مہتمم شعیبیہ ہائی اسکول آگرہ" اور متعدد اسکول ذکور و اناث نیز انجمنوں برائے ترقی مسلمانان ہند"
کے بانی و منتظم اور مصنف کتب متعددہ نے جس بے نفسی کے ساتھ کام کیا ہے" اُس کی نظیر مشکل سے ملے گی" اُن کی گوشہ نشینی کی تو یہ حالت ہے کہ"
وہ پبلک جلسوں میں بھی شریک نہیں ہوتے" اور نہایت خاموشی کے ساتھ قوم کی تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں"
آپ کی برادری میں "ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب" "ڈاکٹر لفٹنٹ کرنل سر ضیاء الدین احمد سی۔آئی۔ای۔ڈی۔ایس۔سی
لندن" پی۔ایچ۔ڈی جرمن" وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی واقع علیگڑھ" اور ممبر اسمبلی وغیرہ) وسیع پیمانہ پر ملک کی "سیاسی و تعلیمی" خدمات
انجام دے رہے ہیں" جن سے تمام ملک واقف ہے" (رسالہ زبیری دہلی بابت ماہ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۰ تا ۲۳)

عربی قومی خیال مناکحت کے بارے میں

کیونکہ دوسرے خاندانوں کا صحیح حال معلوم ہونا مشکل ہوتا ہے" اس لئے زبیری کنبوہی خاندانوں نے اپنے عربی قومی خصائص
کے مطابق شروع سے اب تک یہ التزام رکھا ہے کہ "دوسرے خاندانوں میں سلسلہ مناکحت قائم کرنے سے پرہیز کیا ہے" جیسا کہ قدیم کتاب بحر الابرار
کے نوشتہ سے باب سوم میں صفحہ ۹ پر اُوپر ظاہر ہو چکا ہے" اور شجرۂ سہروردو سلسلۂ عالیہ وغیرہ کتابوں سے بھی ظاہر ہے" عربوں خصوصاً
قریشیوں کو اپنے پاکیزگی نسل کا جیسا خیال تھا" اور حالتِ اسلام میں بھی رہا ہے۔ اُس کا حال بیاناتِ ذیل سے ظاہر ہے"
ترجمہ صحیح مسلم جلد اول کتاب المساجد کے صفحہ ۱۶۴ پر حدیثیں صفحہ ۱۱۰۸ و ۱۱۰۹ تحریر ہیں کہ" ابن ابی عتیق بن محمد بن عبد الرحمن
بن حضرت صدیق اکبر رض کہتے ہیں کہ میں اور قاسم (بن محمد بن حضرت صدیق اکبر رض) حضرت عائشہ رض کے پاس کچھ باتیں کر رہے تھے۔ قاسم بڑا
بدگو اور باندی زادہ تھا۔ اُم المومنین رض نے اُس سے فرمایا۔ تو ایسی باتیں کیوں نہیں کرتا۔ جیسی میرا یہ بھتیجا کرتا ہے۔ میں سمجھ گئی (تجھ میں اور
اس میں) یہ بات کہاں سے آئی۔ اس کو اس کی ماں نے آداب و اخلاق سکھائے اور تجھے تیری ماں نے" قاسم یہ سُنکر غصہ ہو گیا اور بہت تلملایا
تھوڑی دیر میں اُم المومنین رض کا دسترخوان لایا گیا۔ قاسم دسترخوان دیکھکر اُٹھنے لگا" اُم المومنین رض نے پوچھا کہاں کو۔ کہنے لگا نماز پڑھوں گا"
فرمایا بیٹھ جا" اُس نے دوبارہ کہا" میں نماز پڑھوں گا" فرمایا دھوکے باز بیٹھ جا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کھانے کی موجودگی
میں نماز نہ ہوگی" حدیث صفحہ ۱۱۰۹ میں بھی یہی منقول ہے مگر قاسم کا نام نہیں ہے مگر مضمون یہی ہے"
الفاروق جلد دوم کے صفحہ ۱۶۵ پر علامہ شبلی نے تحریر فرمایا ہے کہ "مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب
"قاسم" حضرت ابوبکر رض کے پوتے اور "سالم" حضرت عمر رض کے پوتے اور "زین العابدین" سن رُشد کو پہنچے اور علم و فضل میں مدینہ والوں سے
بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے"
عیون الاخبار ۲: ۱۱ میں ہے کہ "عرب مولدین یعنی غیر عرب عورت کی اولاد کو بھی حقیر سمجھتے تھے" اور اُس اولاد کو جو باندی سے
پیدا ہوئی تھی "ہجین" کہتے تھے"
لسان العرب میں ہے کہ "ہجین" معیوب کلام کو کہتے ہیں اور اُس اولاد کو بھی جو باندی سے ہوئی ہو" کیونکہ وہ بھی معیوب ہے"
ابن عبد ربہ کہتے ہیں کہ "خلفائے بنی اُمیہ" باندی کی اولاد کو اپنا ولیعہد نہیں بناتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ عربوں پر اُن کی حکومت مناسب نہیں ہے"
اصمعی اس کی توضیح میں یہ کہتے ہیں کہ لوگ اِس امتناع سے سمجھتے ہیں کہ باندیوں سے جو شہزادے پیدا ہوتے تھے وہ حقیر سمجھے جاتے تھے "بنی اُمیہ"
جب کسی والی کا تقرر کرتے تھے تو اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ وہ عرب ہو" یہاں تک کہ قاضی اور مسجد میں نماز پڑھانے والے امام کے انتخاب میں
بھی اس بات کا لحاظ رکھتے تھے" خالد بن عبد اللہ قسری" کو عراق کا والی بنا کر "بنو اُمیہ" بڑی مصیبت میں پڑ گئے تھے۔ خود بیچارے
"خالد" کو بہت سے شعراء کی ہجو سننی پڑی اور یہ محض اس لئے کہ اُس کی ماں ایک رُومی باندی تھی" البتہ دولتِ اُمویہ کے اخیر عہد میں۔
"یزید و ابراہیم" ابنائے ولید" اور "مروان بن محمد" جن کی مائیں باندیاں تھیں۔ مختلف مقامات کے گورنر بنائے گئے تھے۔ ان میں

(۷) میرٹھ میں چند اور چھوٹے چھوٹے وقف ہیں جن کی آمدنیوں کو اُن کے منتظم حسب منشاء کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

(۸) قصبہ ماہرو ضلع بلند شہر ڈسٹرکٹ آگرہ میں صاحب المشاہیر کے والد بزرگوار حکیم ولایت احمد صاحب نے ایک پختہ کنواں اپنے حظیرے میں مع ایک پلے ماں باپ و بیوی کے نام پر وقف کر دیا ہے۔ وہاں اور بھی وقف ہیں۔ اس خاندان کے بزرگوں نے وہاں ایک لڑکوں اور لڑکیوں کا اسکول عرصہ سے قائم کر رکھا ہے۔ جس سے قوم کے بچوں کی تعلیم میں خوب مدد ملی ہے۔ آج کل ان دونوں مدرسوں کے منتظم چودھری محمد ثناء صاحب ہیں۔ انتظام معقول ہے۔ لڑکیوں کا اسکول ادریس احمد صاحب مرحوم نے قائم کیا تھا۔

(۹) امروہہ میں بھی چند وقف ہیں جن کی آمدنیوں کو واقفوں کی منشاء کے مطابق خرچ کیا جاتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی وقف ہیں۔ طوالت کے خوف سے انہیں نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ اس کتاب میں تو ہم صرف ایک جھلک ہی دکھا سکے ہیں۔

سید طفیل احمد صاحب کا وہ بیان جو انہوں نے میرٹھ میں دسمبر ۱۹۳۳ء کے ایک اجتماع میں تیج گڈائی کے اہل خاندان کے موجودہ دور پر دیا

مولوی سید طفیل احمد صاحب آنریری اسسٹنٹ سیکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس جن سے ملک کے تمام تعلیم یافتہ اشخاص بخوبی واقف ہیں۔ اس خاندان کے ایک اجتماع میں جو شہر میرٹھ میں ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء میں ہوا تھا۔ اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ میرے لئے یہ بات فخر کا مقام ہے کہ مجھے اس صوبہ میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ برادری کو خطاب کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔

سر سید احمد خاں مرحوم کی تعلیمی اسکیم کو اگر کسی جماعت نے کامیاب کر کے دکھایا ہے تو وہ آپ کی جماعت ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے آپ کی برادری میں سب سے زیادہ گریجویٹ اور ہر ہنر کا اصحاب ہیں۔ آپ میں بڑی خوبی یہ ہے کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے آپ نے اپنی برادری کو نہیں چھوڑا۔ اس وقت جو اصحاب اعلیٰ مراتب پر پہنچے ہیں وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے ہاں مناکحت کرتے ہیں۔ اس طریقے سے تعلیم یافتہ اصحاب کی ایک برادری علیحدہ ہوتی جاتی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے طریقہ پر قائم ہیں۔

موجودہ زمانے میں اعلیٰ مرتبہ کے اصحاب کی نئی برادریاں اس وجہ سے بن رہی ہیں کہ اعلیٰ عہدوں کی تعداد میں غیر معمولی طور پر زیادتی ہوئی ہے مگر جس نسبت سے ہندوستانیوں کے امتیازات میں توسیع ہو رہی ہے یہ ہوائیں گھٹ رہی ہیں۔ اور خیال یہ ہے کہ آئندہ زمانہ میں یہ ملک کی عام سطح کے قریب آ جائیں گے۔ غالباً اُس وقت ان نئی برادریوں کے ٹوٹنے اور پرانے پھر کے آباد ہونے اور قدیم خاندانی روایات کے مٹ جانے کا اثر مسلمانوں کو محسوس ہوگا۔ غنیمت ہے کہ آپ نے اس بارے میں ایک نمونہ قائم کیا ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی برادری مسلمانوں کی پرانی روایات کی محافظ ہے۔

اس کے علاوہ آپ صاحبوں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے کارکنوں کے بڑے قدردان ہیں۔ آپ کے جلسہ میں میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے محسن مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اور مہتمم اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ جو اب انٹر میڈیٹ کالج ہے کی اپنی تقریروں اور نظموں میں مدح و توصیف کی ہے۔

مولوی بشیر الدین صاحب کی قومی خدمات کی تفصیل کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔ اس وقت دیسی کپڑا پہنے کا چرچا ملک میں ہے مگر صاحب موصوف اس پر پچاس سال سے عامل ہیں۔ ان کی تعلیمی خدمات کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اس قصبے کے ساتھ میں جو اور ان بورڈنگ ہاؤس اپنے قائم کر کے خاص طریقہ سے طلباء کی تربیت کا انتظام کیا ہے۔ اس کی نظیر ہماری قوم میں نہیں تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ایسے دو آدمی ہیں اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری قوم میں ان کی کافی قدر نہیں یہ آپ کی بڑی خوبی ہے کہ خاص قومی خدمات کی بنا پر آپ نے انہیں اپنا سرتاج بنا رکھا ہے۔

حضرات! آپ کے لئے یہ قابل فخر امر ہے کہ آپ کے ہاں بڑے ریاستوں اور خاموش کام کرنے والوں کے قدردان ہوتے ہیں۔

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے چند اوقاف

(۱) شہر میرٹھ کے نہایت آباد و مشہور بازار خیر نگر کی چھ دکانیں اور ایک بالاخانہ" معظمہ شمشاد النساء صاحبہ دختر نواب مبارک علی خاں، زوجہ نواب برکت اللہ صاحب نے اپنی حیات میں وقف فرمائیں۔ جن کی آمدنی کارِ خیر یعنی امدادِ غرباء و طلباء وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے۔" آج کل اس کے متولی عزیزی محمد احمد صاحب ابن رشید احمد خاں صاحب ابن حاجی انعام اللہ خاں صاحب (جن کی خوش خوئی و خندہ روئی و خلق و مدارات اور امورِ خیر و صلاح میں امداد دینا اور ہر شخص کے رنج و راحت میں شریک و معین ہو جانا زبان زد خواص و عوام ہے) اس کے متولی ہیں۔" وقف کا انتظام حسب منشاء وقف کنندہ صاحبہ کے ٹھیک طور سے ہوتا ہے۔"

(۲) شہر میرٹھ کی خیر المساجد جو بنوائی ہوئی نواب خیر اندیش آدلی کی ہے اُس کے متعلق بھی قریب کی چند دکانیں اخراجات مسجد کے لئے وقف ہیں جن کی آمدنی منشاء واقف کے مطابق خرچ ہوتی ہے۔" وقف اور مسجد کا انتظام نواب صاحب موصوف کی اولاد کے پاس ہے۔"

(۳) لالا کے بازار کے سرے پر جو اُونچی مسجد شیخ لالہ کی بنوائی ہوئی ہے اُس کے نیچے کی دو دکانیں مسجد کے اخراجات کے لئے وقف ہیں۔" آمدنی واقف کے منشاء کے مطابق خرچ ہوتی ہے۔ انتظام اچھا ہے۔ اس کے متولی عزیزی مصطفٰے احمد صاحب ابن محمد علی صاحب مرحوم ہیں۔"

(۴) شہر میرٹھ کے گذری بازار کے سرے پر ایک مسجد اسی خاندان کے کسی بزرگ کی بنوائی ہوئی ہے۔" اُس کے اطراف کی دو دکانیں مسجد کے اخراجات کے لئے وقف ہیں۔" صادق حسین صاحب عرف چاند میاں ابن حافظ حامد حسین صاحب اُس کے متولی ہیں۔ انتظام وقف کا قابلِ اطمینان ہے۔"

(۵) حاجی محمد ممتاز علی خاں صاحب (جن کی جود و سخا" مہر و وفا" اور مہمان نوازی" و فراخ حوصلگی زبان زد خلائق ہے) کے فرزند دوم خان بہادر حاجی حافظ محمد روح اللہ خاں نے ۱۲۹۴ھ ہجری مطابق ۱۸۷۷ء میں واسطے تعلیم و تربیت اطفالِ قوم" درس قرآن مجید" علوم مذہبی و دیگر فنون فارسی و ریاضی و انگریزی" میرٹھ میں چندہ سے مدرسہ قائم کیا۔" جب چندہ سے کام چلتا نہ دیکھا تو اُن کے والد بزرگوار نے ایک معقول شہری سکنی جائداد مصارف مدرسہ کے واسطے وقف کر کے ۱۲ رمضان ۱۳۰۲ھ ہجری مطابق ۴ جون ۱۸۸۵ء کو وقف نامہ لکھ کر رجسٹری کرادی اور اپنے فرزند حافظ صاحب موصوف کو اُس کا متولی و منتظم قرار دیا۔ ازاں بعد اپنے انتقال سے کچھ پہلے حافظ صاحب نے اُن سولہ سہام کے علاوہ جنہیں اُن کے والد بزرگوار نے وقف کیا تھا" باقی ماندہ" چار سہام کو بھی اتا نس کے جس میں پورہ آباد ہے" اور جو اُن کے حصہ میں آگئے تھے" اُن کے متعلق وصیت فرمائی کہ وہ بھی اس وقف میں شامل کر دیئے جائیں۔"

حافظ صاحب مرحوم و مغفور کی زندگی میں اور اُن کے بعد نواب اسد اللہ خاں مرحوم پسر کلاں نواب احمد اللہ خاں کے زمانوں میں یہ مدرسہ قومی بڑے عروج پر رہا۔" مقامی طلباء کے علاوہ" بنگال و سندھ تک کے طلباء نے مدرسہ سے اسناد حاصل کیں۔" اور قوم کے نامور اشخاص مثلاً لفٹنٹ کرنل سر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے بھی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی تھی۔" لیکن نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد سے اس مدرسہ کو زوال شروع ہوا اور اب تو یہ حالت ہے کہ اُس کے خیال سے بھی دکھ ہوتا ہے۔" بس پوری خیر صلا ہے۔" کبھی کبھی نوجوانوں نے اس کی اصلاح و انتظام کے لئے شور مچایا مگر اُس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔" حافظ صاحب مرحوم و مغفور کے کوئی اولاد نہ تھی یہ ہی مدرسہ انہوں نے یادگار چھوڑا اُن کے بھائی اور بہن کی اولاد اچھی خوش حال اور تعلیم جدید سے بہرہ ور ہے۔" لیکن کسی کو حافظ صاحب کی اِس معنوی اولاد کی طرف توجہ مطلق نہیں ہے۔" اور اس وقف و ادارہ کی بربادی کا کچھ بھی خیال نہیں ہے۔" قوم نے بر سہارے اپنے بچوں کو قومی مدرسہ میں تعلیم دلانا موقوف کر دیا ہے اتو صرف نام ہی نام ہے۔

(۶) وقف منصبیہ" جسے منصب علی صاحب وقف فرما گئے ہیں اور جس میں کئی گاؤں اور مکانات و دوکانیں وقف ہیں۔" جن کی آمدنی معقول ہے۔" اس وقف کے ماتحت امام باڑہ کا" مسجدوں کا اور شیعہ کالج کا جزو اسی وقف کی آمدنی سے بنایا گیا ہے اور محرم الحرام کے رسومات وغیرہ کا انتظام ہے جو قابلِ قدر ہے۔"

ہے یا مگر ہے یہ بزرگ غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں لکھنؤ کے قریبی علاقہ میں پولس افسر تھے اور شہید ہو گئے تھے۔

(۳۷) شیر نگر بازار شہر میرٹھ کے ایک سرے پر لب سڑک ایک چھوٹی مسجد ہے۔ صادق حسین صاحب عرف چاند میاں اس کے متولی ہیں۔

(۳۸) شاہ ولایت صاحب میرٹھ کے احاطہ میں نواب میر اللہ بخش آفریدی کے والد بزرگوار نواب محمد خاں کا مقبرہ ہے۔ جس میں اور بھی کئی قبریں خاندان اور عام کی ہیں ان میں مولوی محمد احمد صاحب پوسٹ ماسٹر جنرل مملکت نظام دکن وظیفہ یاب اور اتالیق شہزادہ نصالت جاہ بہادر عہد اعلیٰ حضرت نظام دکن کے والد بزرگوار اور والدہ ماجدہ اور مسماۃ چھوٹی بیگم (والدہ ماجدہ اسلام مصطفیٰ خاں) ممبر میونسپل بورڈ وغیرہ نواب محمد احمد خاں کی بھی قبریں ہیں۔ افسوس تھوڑی مرمت کی ضرورت ہو گئی ہے۔

(۳۹) نواب محمد خاں کے مقبرہ کے مشرق سمت ایک سنگ سرخ کا پرانا مقبرہ بھی اسی رہبری لکھنوی خاندان کے کسی بزرگ کا ہے۔ اس میں مؤلف کتاب ہذا کی والدہ ماجدہ حبیب فاطمہ (بہت مولوی) اور حسین صاحب مارہروی بھی مدفون ہیں اور اس مقبرے کے سامنے چبوترہ پر مؤلف کتاب ہذا کی نانی صاحبہ معظم خورشید فاطمہ زوجہ صاحب میلکان کی نواسی اور نواب محمد اللہ خاں کی بھانجی کی قبر ہے۔ یہ مقبرہ بہت کمزور ہو گیا تھا مؤلف کتاب نے

(۴۰) نواب محمد خاں کے مقبرہ کے مغرب رویہ بھی سنگ سرخ کا مقبرہ اسی خاندان کے ایک بزرگ کا ہے۔

(۴۱) میرٹھ میں اس خاندان کی بنوائی ہوئی اور بھی متعدد چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں بیرآباد کردہ پورے ہیں۔ جنہیں طوالت کے خیال سے چھوڑ دیئے ہیں۔

(۴۲) شیخ حسب الدین (نواب ابو محمد خاں کے چچا) کا مقبرہ سنگ سرخ کا بنا ہوا۔ احاطہ عرف شیخ مداد الدین مشہور بہ مقبرہ ابو محمد خاں کے احاطہ میں ہے۔ محراب بالین پر نقشہ روضہ حقیقت ۱۲۰۲ھ ہے جس سے تاریخ وفات نکلتی ہے اور لوح تربت پر کلمہ طیبہ تحریر کندہ ہے۔

(۴۳) بانس بریلی میں محمد مسیح الحاف نواب ظہیر اللہ بخش خاں ثانی کا بنوایا ہوا ایک قلعہ تھا اس کا نام نو محلہ مشہور ہے۔ نواب رحمت خاں جب بریلی پر مسلط ہوئے تو انہوں نے وہ قلعہ اپنے پیر میر معصوم کو دیدیا تھا۔

(۴۴) بریلی کی عیدگاہ۔ اور

(۴۵) قلعہ قدم میں مبارک محل بھی نواب صاحب موصوف کے بنوائے ہوئے ہیں۔

(۴۶) اٹاوہ میں ایک کٹرہ یا محلہ نواب خیر اللہ بخش خاں آفریدی کی کنیز سیلوا کلی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے وہاں ایک دارالشفا بھی بنوایا تھا اور اس میں نامی طبیب مقرر کر کے مفت دوا اور کھانا دینے کا غریب مریضوں کے لئے انتظام کر دیا تھا۔ اور موضع خیر نگر آپ کا آباد کردہ ضلع اٹاوہ میں موجود ہے۔

(۴۷) لکس پور میں حضرت شاہ مدیع الدین مدد شاہ مدار کا عرس اور دیگر مکانات بھی نواب صاحب کی ہمت کے تعمیر کردہ ہیں۔

(۴۸) جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میں۔ بازار وچوک بازار ومساجد و سرائے وتالاب پختہ اور باغ وسلسلہ ویرہ نواب ابو محمد خاں میرٹھی کے بنوائے ہوئے ہیں۔

(۴۹) قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں۔ مساجد وجہان سرائے وچاہ و باؤلی بھی نواب ابو محمد خاں کی بنوائی ہوئی ہیں۔

(۵۰) پانی پت ضلع کرنال میں عبدالرحیم صاحب نے مسجد بنوائی جو اچھی حالت میں موجود ہے۔

(۵۱) لاہور میں شیخ عنایت اللہ مرشد شاہجہاں اور مصنف بہار دانش وغیرہ کے چھوٹے بھائی شیخ محمد صالح " مشہور مصنف بادشاہ نامہ شاہجہاں المعروف بہ عمل صالح " کا مقبرہ اور آپ کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت کافی شہر تھے اور بہت سے آباد کئے ہوئے اور مسجدیں وعمارتیں و سرائیں اور حمامات وغیرہ وغیرہ اس خاندان کے بنوائے ہوئے مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ مگر اختصار کے مدنظر صرف اس کو دکھانا کافی — خیال کر کے باقی کو چھوڑتے ہیں۔

(۲۵) معہ مسجد عمدہ" اور نہایت وسیع و شاندار" اور

(۲۶) بازار تعمیر کرایا" قلعہ کی فصیل ٹوٹ گئی ہے" مگر قلعہ کا عالی شان دروازہ اپنے نیک نہاد بانی کی عظمت و شان کی نشانی ہے اور بازار و مسجد خوب آباد ہے۔ اور اب یہ محلہ خیر نگر کہلاتا ہے"

(۲۷) اس میں ایک وسیع اور عالی شان دو منزلہ پختہ سرائے بھی ہے" مرکز البخیر قلعہ کی اور خیر المساجد المعابد مسجد کی تعمیر کی تاریخ ہے"

(۲۸) قلعہ خیر نگر شہر میرٹھ میں محمد مسیح المخاطب بہ نواب خیر اندیش خاں ثانی (نبیرہ نواب خیر اندیش خاں اوّل) نے شیش محل معہ صحن باغ و پائیں باغ و حوض و فوارہ تیار کیا تھا۔ کئی حصہ دار ہو جانے کی وجہ سے" نواب احمد اللہ خاں (مؤلف کتب حکایات اُمراء وغیرہ) ابن نواب مبارک علی خاں (مؤلف رسالہ مبارک وغیرہ) از نسل نواب خیر اندیش خاں ثانی نے شیش محل کو چھوڑ کر قریب ہی ایک کوٹھی موسوم بہ جنت نشان بنوا کر سکونت اختیار کر لی۔ پھر رفتہ رفتہ اور حصہ داروں کے بھی حصے انہوں نے خرید لیے۔ اور شیش محل کے صحن کے کمروں میں رعایا آباد کر دی" نواب صاحب اور اہل خاندان میں سے کسی نے پھر اس میں سکونت نہ رکھی اور عدم توجہی کی وجہ سے یہ عالی شان محل اب بہت خراب حالت میں ہے"

(۲۹) نواب احمد اللہ خاں کی کوٹھی کے وسیع احاطہ میں ایک بہت اونچی کرسی کے چبوترے پر بسمت مغرب نواب خیر اندیش اوّل کا مقبرہ ہے۔ جو اچھی حالت میں ہے مگر تھوڑی مرمت کی ضرورت ہے"

(۳۰) اسی کوٹھی کے احاطہ میں بسمت مشرق دوسری طرف" محمد محی (بھانجے نواب اعتماد الملک سنبھلی وزیر اعظم شیر شاہ سوری) کا عالی شان مقبرہ اینٹوں اور گچ سے بنا ہوا مضبوط ہے مگر اب اس میں کچھ مرمت کی ضرورت ہو گئی ہے" اس مقبرہ پر کلس نہیں ہے اس لئے منڈا مقبرہ کہلاتا ہے" کلس نہ لگانے کی یہ وجہ ہوئی کہ" محمد محی مرحوم کی برات سنبھل سے میرٹھ ہاتھیوں پر آ رہی تھی۔ میرٹھ کے قریب ہیکلہ محمد محی صاحب کا درد قولنج سے آناً فاناً میں انتقال ہو گیا" کیونکہ اُن کی شادی نہیں ہو پائی تھی اس لئے مقبرہ کو منڈا رکھا گیا" زبیری کنبوی قبیلہ برادری قومی کی وجہ سے اس حادثہ کا ایسا اثر ہوا کہ پھر کوئی دولہا ہاتھی پر نہیں سوار کیا گیا۔ یہ مقبرہ اندر سے اتنا وسیع ہے کہ قوم کے ایک صاحب نے قبر کے تین طرف قد آدم سے اونچی دیواریں بنا کر باقی ماندہ جگہ میں تین کمرے نکال لئے ہیں۔ اور دروازے کے سامنے دالانچہ بنوا کر تنہا سکونت اس میں اختیار کر لی ہے" مٹی کا اونچا چبوترہ جس پر مقبرہ ہے وہ دالانچے اور اطراف کا صحن ہے" اسی چبوترے پر انہوں نے ایک اچھا فراخ چبوترہ بھی نماز کے لئے بنا لیا ہے"

(۳۱) اسی احاطہ کے ختم پر بسمت شمال کو ایک نواب خیر اندیش خاں کا جیسا گنبد دار مقبرہ اور ہے جو نواب صاحب موصوف کے بھتیجے اور داماد شمس الدین محمد خاں عرف بینڈھو کا ہے" یہ مقبرہ بھی اچھی حالت میں ہے۔ مگر عیسائیوں کے گرجا کے احاطہ میں ہے جنہیں کسی وقت اس خاندان والوں نے زمین دی تھی یہ کچھ توجہ نہ کرنے کی وجہ سے یہ مقبرہ عیسائیوں کے قبضہ میں رہ گیا" گرجا والوں نے اپنی وسیع زمین کے بڑے حصہ کو پنجاب کے ایک ہندو سیٹھ کے پاس فروخت کر دیا ہے۔ جس نے اپنے نام پر اس میں ایک محلہ تھا پر نگر آباد کر دیا ہے" اسی کی طرف یہ مقبرہ بھی چلا گیا ہے"

(۳۲) شہر میرٹھ کے سب سے زیادہ آباد بازار میں" منصب علی خاں صاحب از اولاد نواب ابو محمد خاں کا بنوایا ہوا ایک عظیم الشان امام باڑہ ہے [illegible] اس کی متعلقہ وسیع دوکانیں ہیں۔ اور بہت اچھی حالت میں ہیں"

(۳۳) [illegible] امام باڑہ کے بالمقابل سڑک کے دوسری سمت ایک وسیع مسجد بھی منصب علی خاں صاحب کی بنوائی ہوئی ہے۔ جس کے نیچے متعدد دوکانیں ہیں۔

(۳۴) منصب علی صاحب کی تیس چالیس ہزار سالانہ وقف شدہ سکنی اور دیہاتی جائداد سے اسٹیشن روڈ پر ایک شیعہ کالج اور بورڈنگ [illegible] ہے۔

(۳۵) اس کالج کے [illegible] ایک پرانا اور بڑا گنبد دار مقبرہ اسی خاندان کے کسی بزرگ کا بنا ہوا موجود ہے۔

[illegible] سڑک ایک مسجد بھی منصب علی خاں صاحب کی بنوائی ہوئی ہے" سوائے مقبرے کے کہ اب اس [illegible] بورڈنگ [illegible] مسجدوں کا انتظام اچھا ہے" منصب علی صاحب سے اُن کا سفر نامہ حجاز جو چھپا ہو چکا

مراد جنتی حضرت مخدوم شیخ سعد الدین جس سوکھر ہو گئے تھے یہاں کی حکومت انکی تین پشتوں تک متوارث رہی اور محمد سعید خاں شہید ابن محمود خان ابن شیخ سعید الدین تو سعید خاں
کے معاصر ہیں پسر کلاں محمد علی شہید کے شہنشاہ شاہجہاں کی ہمراہی میں لکھی جنگل مرکز دریا پور متعلق صوبہ ملتان میں درجہ شہادت پر فائز ہو جانے اور پسر خورد
محمد خاں کے صغیر سال ہونے کی وجہ سے یہ حکومت اس گھرانے سے جاتی رہی سلسلۂ عالیہ میں لکھا ہے کہ اب تک ان کے آثار ریاست وہاں موجود ہیں۔ مگر
ایک مدت آباد محلہ کلش پورہ محمد سعید خاں علیگڈھ میں ان کا بسایا ہوا اب بھی موجود ہے۔

(۱۲) قصبۂ مارہرہ ضلع ایٹہ کشمیری اگروہ میں سے عمر خاں شہید پسر سوم محمد حسن ملتانی نے شہنشاہ اکبر کی عطا کردہ ریت پر ایک محلہ آباد
کیا جو محلہ کشمیریان کے نام سے موسوم ہے۔ اسی محلہ کے قریب مانڈو بنایا اور سرائے بنائی اور محلہ میں مسجد تعمیر کرائی یہ سب آثار اب تک
اچھی حالت میں ہیں۔

(۱۳) قصبۂ مارہرہ میں محمد افضل پسر محمد شریف خاں اور نواسہ محمد سعید خاں شہید کوئلی (علی گڈھ) نے وسیع جامع مسجد تعمیر کرائی
جو ان کے آثار خیر و صلاح کی نشانی ہے۔ ۱۱۲۵ ہجری اس کی بنا کی تاریخ ہے۔

(۱۴) اگرہ میں شیخ کاہد خاں شہید امرائے اکبری کا مقبرہ ہے جس پر بڑا پتھر دو رکتبہ نظم میں کندہ ہے اور یہ سنگ سرخ کا عالی شان مقبرہ ہے
آپ کو ملیر کی لڑائی میں وجوان شہید ہو گئے تھے۔ آپ کے والد صاحب خان محمد دادا محب علی خاں امرائے اکبری میں سے تھے (الشا میر ص ۱۰۵ و
طبقات اکبری)

(۱۵) شہر میرٹھ میں جناب ابو محمد خاں امرائے شہنشاہ عالمگیر شاہجہاں کے چچا شیخ سعد الدین صاحب کا بنایا ہوا کٹرا تھا اب اس کی عمارت عالیشان ڈہہ گئے
(۱۶) نواب ابو محمد خاں کالی ندی سے ایک چشمہ کاٹ کر لائے جو اب ابو محمد کا نالہ کہلاتا ہے۔

(۱۷) میرٹھ کی عیدگاہ پختہ بھی آپ کے نشانات خیر کی آج تک خبر دے رہی ہے۔

(۱۸) ایک قلعہ تعمیر کردہ ان کا میرٹھ میں تھا اس کی دیواریں اور برج سب مسمار ہو گئے ہیں۔ لیکن اس کی جگہ ایک بڑا محلہ ہے کوٹلہ ابو محمد خاں
کے نام سے مشہور ہے اس میں بہت آبادی ہے اور عالی شان سرائے بھی ہے۔

(۱۹) ایک نہایت ہی عالی شان معروف سنگ سرخ سے بنایا ہوا ان کا یادگار ہے مقبرہ کی محراب شمالی پر متعدد اشعار تواریخ کندہ ہیں۔ یہ
مقبرہ آپ نے اپنے والد بزرگوار شیخ علاء الدین کا بنوایا تھا بعد میں خود بھی اسی میں مدفون ہوئے۔ مقبرہ کے اندر چند قبروں کے تعویذ و حوض سنگ مرمر
کے ہیں ان پر خط نسخ میں کلمۂ توحید ابھرے ہوئے حرفوں میں کندہ ہے مقبرہ ابو محمد خاں کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ بنا ۱۰۳۹ ہجری ہے۔ مقبرہ کے
متعلق صدہا بیگہ زمین تھی جس کا زیادہ حصہ اب آباد ہو گیا ہے۔ سلار پورہ ابو محمد خاں کہلاتا ہے۔ باقی زمین میں کاشت ہوتی ہے۔ یہ کل زمین اسی خاندان
کے مالکانہ قبضہ میں تھی اب کچھ حصہ اس خاندان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ نواب اسعد اللہ خاں سیرہ نواب مبارک علی خاں صاحب مصنف کتاب سالار سارکہ
وکالات عریری و تحفۃ السلیمین نے محکمۂ آثار قدیمہ کے انتظام میں اس مقبرہ کو دیدیا تھا مگر نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد کچھ حصہ داروں نے
اپنے موہوم فائدہ کے مد نظر اسے آثار قدیمہ کے محکمہ سے واگذاشت کرالیا جو اچھا نہیں ہوا۔

(۲۰) ضلع میرٹھ میں متصل قصبۂ مراد نگر موضع ابو محمد پور بھی نواب ابو محمد خاں کا آباد کیا ہوا ہے۔

(۲۱) شہر میرٹھ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجد وقتی مسجدیں نواب بہادر خاں امرائے شہنشاہ عالمگیر و شاہجہاں رو منارا میر وتاج
مدرسۂ گلی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

(۲۲) شہر میرٹھ میں شیخ لالہ جیو ابن شیخ رکن الدین ابن شیخ یحییٰ عبد السلام الملقب بہ شیخ اچھن دواس حضرت مخدوم شیخ اکمل قدس سرہ
کا ایک باغ بنایا ہوا ہے جو بہت آباد ہے اور لالہ کا باغ کہلاتا ہے۔

(۲۳) شیخ وجیہ الدین نے اپنے بنگلہ لالہ کے باغ کے بہت پاس ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی وہ بھی اچھی حالت میں ہے۔

(۲۴) شہر میرٹھ میں محمد خاں الملقب نواب حیدر جنگ ... امرائے شہنشاہ ... وہ مزار ...

مؤلف امروہوی کی طرح اس خاندان کے نسب کی تحقیق کے لئے خاندانی روایتوں اور شیخ زادیاں من گھڑت کہانیوں پر انحصار نہیں ہے" جب تک ابوالفضل و فیضی دینِ الٰہی اکبر شاہی کے وحی پہنچانے والے ان فرشتوں نے اس خاندان کے سکنی لقب کنبوہی کو کنبو ظاہر کرکے اور قوم کمبوکے کمبو نام میں التباس ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے بزرگوں کو کبھی اس طرف خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اپنے نسب کو اپنی کتابوں میں فخر و مباحات کے لئے ظاہر کردیں" جاننے والے جانتے تھے اور یہ کافی تھا۔ مگر جب سے ابوالفضل و فیضی نے یہ شاخسانہ کھڑا کیا تو کسی کسی کتاب میں اس خاندان کے بزرگوں نے اپنے نسب کا بھی اظہار کردیا ہے۔"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے آثار

(۱) حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کی نہایت وسیع اور سنگ و گچ سے بنی ہوئی خانقاہ موسوم بہ "سوہن برس" اس سڑک پر جو مہرولی کے بازار میں سے ہوتی ہوئی جنوب کی طرف چلی گئی ہے۔ مہرولی سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر سڑک کے قریب بائیں طرف موجود ہے۔"

(۲) اسی سڑک کے داہنی طرف "سوہن برس" کے مقابل جہاں "حوض شمسی" ختم ہوا ہے" حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کے خاندان و اولاد کا وسیع قبرستان ہے۔ جس میں ایک سنگ بستہ مسجد اور حضرت مخدوم صاحب کا مقبرہ ہے" اس قبرستان کے قریب اور بھی مقبرے اسی خاندان کے بزرگوں کے ہیں۔"

(۳) پرانی دہلی یا مہرولی میں قریب "لاڈو سرائے" حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ العزیز کے روضہ کے متصل جہاں پہلے دہلی کی گھمسان آبادی تھی اور آج میدان ہے لیکن عجیب دلچسپ جگہ ہے" حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کا مقبرہ ہے" یہ مقبرہ دہلی کی قدیم و نفیس عمارتوں میں شمار اور ہنوز اپنے زمانے کی عمدہ بیش بہا یادگار ہے" پتھر اور چونے کی عمارت ہے۔ اس پر کاشانی چینی اور بینت کاری کا بہت خوبصورت اور خوشنما کام کیا گیا ہے" بیل بوٹے ایسے نظر فریب و دلنشین بنائے ہیں کہ نگاہ اس سے جدا ہونا نہیں چاہتی" سینکڑوں برس گذر گئے مگر یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کاریگر اٹھ کر گئے ہیں" اس مقبرے میں حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے فرزند کلاں "شیخ گدائی" بھی مدفون ہیں" اس مقبرے کے اطراف وسیع احاطہ ہے جس کا فرش بھی چونہ اور پتھر کا مضبوط اور اچھی حالت میں ہے" اس احاطہ میں حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے خاندان اور اہل و عیال کی قبریں ہیں۔"

(۴) حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے مقبرے کے متذکرہ بیرونی احاطہ کے باہر مگر اس سے ملی ہوئی ایک عالی شان سنگین مسجد ہے" جس کی محرابوں پر ابھرے ہوئے حرفوں میں آیاتِ قرآنی کندہ ہیں۔ یہ مسجد حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے فرزند رشید "شیخ گدائی کی بنائی ہوئی ہے۔"

(۵) قصبہ سوہنہ نزد دہلی میں زبیری کنبوہی خاندان کا بنوایا ہوا ایک قلعہ اور وسیع و عریض سنگین باؤلی ہے۔ مگر اب یہ دونوں شکستہ حالت میں ہیں" عرصہ سے اس خاندان کو سوہنہ سے تعلق باقی نہیں رہا ہے۔"

(۶) سنبھل میں "میاں چمن" کا آباد کردہ ایک محلہ موسوم بہ "چمن سرائے" موجود ہے۔"

(۷) سنبھل میں "نواب اعتماد الملک وزیر اعظم شیر شاہ بادشاہ سوری کا عالی شان مقبرہ اینٹ اور چونے سے بنا ہوا ہے۔"

(۸) محلہ ڈونگر سرائے بانیچی میں مقبرہ "شاہ شہباز رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔"

(۹) قاضی عجائب سنبھلی اور دیوان عبدالمومن خاں سنبھلی دیوان "شہنشاہ شاہجہاں کے قلعہ سنبھل اور بیرون میں آثار ہیں۔ مگر اب شکستہ اور برباد حالت میں ہیں۔"

(۱۰) قصبہ جیور ضلع بلند شہر میں نزد علیگڑھ ایک مسجد "نواب ابو محمد خاں میر بخشی از امرائے شہنشاہ جہانگیر کی بنوائی ہوئی اچھی حالت میں ہے" اور اس خاندان کے محلات شکستہ حالت میں موجود ہیں۔ اب وہاں سے بھی اس خاندان کا کوئی تعلق باقی نہیں ہے۔"

(۱۱) علی گڈھ میں شیخ رکن الدین عرف شیخ بوڈھے ابن شیخ یحیٰی عبدالسلام المعروف بہ شیخ اچھن رح پسر کلاں حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ

(ج) ایک رسالہ منظومہ "توضیح القرآن" جس میں آیات، رکوع، حروف، زیر و زبر و پیش وغیرہ اعراب قرآنی کی شمار بتائی گئی ہے۔

(د) اور ایک رسالہ "ورود وظائف" جس میں اعمال و اشغال خاندانی جمع ہیں لکھا۔

(ہ) اور فن طب میں کتاب "ریاض احمدی" تالیف پدری سے بوجہ مرگ ناگہانی آن کے ناتمام رہ گئی تھی اُس کو پورا کیا۔

(۳) حکیم ولدار احمد صاحب خلف دوم حکیم امداد حسین صاحب نے فن طب میں (الف) "گلزار احمدی" اور (ب) "گلشن احمدی" لکھیں۔ اور ضخیم کتاب (ج) "ریاض احمدی" کا خلاصہ اپنے چھوٹے بھائی کے لئے کیا۔

(۴) حکیم منشی فیض احمد صاحب پسر کلاں حکیم ولدار احمد صاحب نے (الف) "سلسلۂ عالیہ" میں تین پشتوں تک کے سلسلے پورے کئے مزید چند بزرگوں کے حالات کا اُس میں اور اضافہ کیا۔ اور (ب) "المشاہیر" لکھی جس میں زبیری کنبوی خاندان کے مشاہیر یعنی مشائخ طریقت، اولیائے شریعت، امراء، شعراء اور حکماء کے حالات تحریر ہیں۔

(۵) حاجی منشی انوار احمد صاحب خلف اکبر منشی فیض احمد صاحب "المشاہیر" نے (الف) "تجلیات عالیہ" اور (ب) "مرقع کمالات" دو ضخیم کتابیں لکھیں جن کا تذکرہ آن کے حال میں آچکا ہے۔

(۶) مؤلف کتاب ہذا حسین احمد پسر دوم صاحب المشاہیر کی لکھی ہوئی کتابیں:

(الف) "خاندان حضرت زبیرؓ" اس میں حضرت زبیرؓ کی دادھیال اور ننھیال کے تمام بزرگوں کے حالات نہایت تفصیل سے اور قریش کے تمام خاندانوں کے سلسلے اور شجرے اور افراد صحابۂ کرام رضؓ کے حالات کے علاوہ لقب قریش کی وجہ تسمیہ لکھکر عدنان تک تمام مورثوں کے سلسلہ بہ سلسلہ مجمل حالات اور پھر حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت ابراہیمؑ کے حالات ذرا تفصیل سے اور حضرت نوحؑ تک سلسلہ بتایا ہے۔ یہ کتاب قریباً سات سو صفحات پر فلسکیپ کے پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخ اسلام میں قریش کے جس قدر افراد و اصحاب رسول اللہ صلعم کے نام آتے ہیں اس کتاب سے آن کے حالات اور رشتے وغیرہ خوب طرح معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور قریش کے اجداد کے حالات پر عبور حاصل ہو جاتا ہے۔

(ب) "حیات مبارکہ سیدنا حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم" جو قریباً پانچسو صفحات پر فلسکیپ کے پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کتاب آپ کی سیرت اور کارناموں نیز ۳۶ھ ہجری کے تمام اسلامی واقعات پر محیط ہے۔

(ج) "حیات مبارکہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ" یہ بھی قریباً پانچسو صفحات پر فلسکیپ کے ہے۔ آپ کی سیرت اور کارناموں کے علاوہ ۷۳ھ ہجری تک کے تمام اسلامی واقعات پر اس سے تفصیلی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

(د) "حیات مبارکہ سیدنا حضرت مصعب بن زبیرؓ" اس سے آپ کی سیرت و کارنامے اور اسلامی واقعات مفصل طور سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کتاب قریباً تین سو صفحات پر فلسکیپ کے تحریر ہے۔

(س) "حیات مبارکہ سیدنا حضرت عروہ بن الزبیرؓ" آپ نے سیاسی معاملات سے الگ رہکر تصنیفات اور ترویج و اشاعت حدیث نبوی صلعم میں اپنی زندگی بسر فرمائی آپ کی سیرت و کارنامے اسلامی تاریخ میں خاص درجہ رکھتے ہیں۔ یہ کتاب قریباً دو سو صفحات پر فلسکیپ کاغذ کے لکھی ہے۔

(ط) "اسدی و زبیری سندھ میں" اس کتاب سے سال ہجرت رسول مقبول صلعم سے دو پشت پہلے سے چوتھی صدی ہجری تک کے مختلف زمانوں کے سندھ کے حدود، شہر و قصبے اور آن کے فاصلے اور واقعات جو اس دوران میں وہاں گذرے اور سلطنتیں جو قایم ہوئیں آن کے حالات کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو شہر و قصبات پہلے تھے اور اب نہیں ہیں وہ کہاں کہاں تھے۔ پھر جن شہروں اور قصبوں کے نام بدل گئے ہیں تو وہ اب کن ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ کتاب فلسکیپ کے چھ سو صفحات پر ہے۔

(الف) طبع مدلے یہ زبیری کنبوی خاندان کا ایسا سلسلہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ کی فلاں کی صاحبزادی سے شادی ہوئی اور اس سے اتنی اولاد اناث ہوئی اور فلاں فلاں ناموں کی اولاد ذکور اتنی ہوئی۔ اور اس ساری اولاد کی شادیاں کہاں کہاں ہوئیں اور آن سے کس قدر اولادیں ہوئیں اور آن کی کیا پوزیشن یا حیثیت تھی۔ غرضکہ قریباً چھ سو برس سے ہمارے زمانہ تک کا حال اسی طرح تحریر ہے۔

(۶) سلسلۂ عالیہ۔ تصنیف حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی مرید شاہ عالم (۷) احسان المآثر، تصنیف چودھری سبط الدین در ۱۳۲۳ھ ہجری (۸) رسالہ مبارک تصنیف نواب مبارک علی خاں صاحب مرحوم در ۱۲۶۶ ہجری مطابق ۱۸۴۹ء (۹) سلسلۂ تکاملیہ تصنیف نظام الدین حسین صاحب مارہروی ملقب بہ ہنگامہ ۱۳۰۸ھ (۱۰) شمس التواریخ تصنیف خاں صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی در ۱۹۲۶ء (۱۱) المشاہیر تصنیف حکیم منشی محمد احمد صاحب مارہروی در ۱۹۱۹ء (۱۲) تلخیص التواریخ۔ تصنیف مولوی سبط نبی صاحب امروہوی۔

علاوہ ان کتابوں کے اور بہت سی کتابیں بھی اس خاندان کے بزرگوں کی مختلف زمانوں کی لکھی ہوئی مشہور ہیں مثلاً بہار دانش ہے اور ہے اشرف الصحائف ہے مصنفہ شیخ عنایت اللہ میر منشی شہنشاہ شاہجہاں ہے اور ہے خیر التجارت ہے مصنفہ نواب محمد لطیف خاں اولیٰ فوجدار شہنشاہ عالمگیر اور مولوی امیر رنگ علی صاحب کی مشہور و معروف کتابیں جو اردو میں بہت مشہور ہیں۔ مگر جن کے متعلق علماء کا یہ خیال ہے کہ سوائے بہار دانش کے اب وہ مفقود ہو چکی ہیں مگر سوائے خیر التجارت کے یہ سب کتابیں ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں جن میں بہار دانش تو مطبوعہ ہے اور باقی غیر مطبوعہ ہیں اب سنا گیا ہے کہ خیر التجارت لاہور کے کسی مطبع والے نے چھاپ دی ہے ہم اس وقت ان تمام کتابوں کو چھوڑ کر جن کے نام معلوم ہیں صرف ان کتابوں کو لکھتے ہیں کے نام معلوم ہیں اگر اس خاندان کے افراد نے شروع سے اب تک اس ملک میں لکھی ہیں تو اچھی ضخامت کی کتاب ہو جائے گی مگر یہاں گنجائش کم ہے اس لئے ہم صرف حافظ محمد نصر اللہ صاحب اور ان کی اولاد کی چند مختصر کتابوں کو اور لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی اور ایک اندازہ مل جائے گا کہ جب چند افراد کی تصنیفات کی یہ تعداد ہے تو صدیوں سے کثیر افراد قوم کی لکھی ہوئی تصنیفیں کس قدر ہوں گی۔

(۱) حافظ محمد نصر اللہ صاحب ابن شیخ ہدایت اللہ ابن محمد خان ابن محمد سعید خان شہید از اولاد شیخ اسحٰق قدس سرہٗ کے چچا شیخ محمد سعدی نے ایک کتاب ہے مبدا و معاد ہے لکھی تھی مگر یہ کتاب اب موجود نہیں ہے شاید خود حافظ محمد نصر اللہ صاحب نے جس کو سوکھیں میں لکھ کر مارہرہ کی خانقاہ میں لوگوں کے استفادہ کے لئے رکھدی تھیں وہ کتب خانہ میں آگ لگنے سے تباہ ہو گئیں ہم ان کتابوں کے ناموں سے بھی ناواقف ہیں۔ (المشاہیر)

(۱) حافظ صاحب موصوف کے پوتے حکیم عنایت حسین صاحب نے (الف) فن طب اطباء دہلی پر ایک کتاب ہے ریاض احمدیہ ہے بہت جامع اور مبسوط لکھی ہے ہے امراض ہے اسباب و علامات ہے تدبیر و علاج ہے قرابادین کے معمولات کے اعمال و خواص ادویہ۔ اوزان و اعمال و صناعات و لغات طبیہ ہے غرض کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔ اس کے ہوتے ہوئے طبیب کو دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس کتاب کی ضخامت دو ہزار سات سو صفحے ہے ہر صفحہ میں اکیس سطریں اور ہر سطر طول میں پانچ انچ ہے۔

(ب) دوسری کتاب فن تاریخ میں ہے کاشف الاخبار ہے لکھی ہے جس میں ابتدائے آفرینش عالم و آدم سے بحث کی ہے نیز تمام انبیاء و احوال اصحاب و خلفاء اذکار و احوال اولیاء۔ اصول اقسام علوم و فنون و حالات طبقات سلاطین اسلامیہ تک درج ہیں۔ بہت خوش اسلوب طریقہ سے لکھے گئے یہ کتاب کم و بیش چار سو اسّی ۴۸۰ صفحات پر ہے ہر صفحہ میں اکیس سطریں اور ہر سطر طول میں سات انچ ہے۔

(ج) تیسری کتاب فن تاریخ میں ہے تاج احمدی ہے لکھی ہے یہ کتاب خاندان برکاتیہ مارہرہ کے بزرگوں کی تاریخ ہے جن کے انوار و برکات کا فلک ملک سے مشرق تک پہنچا ہوا ہے اس کتاب میں خاندان مذکور کے بزرگوں کے حالات اُن کے مریدوں کے حالات افادۂ عام کے لئے مدلل اور دلپذیر تحریر کئے گئے ہیں۔

(د) چوتھی جلد سلسلۂ عالیہ لکھی ہے یہ بھی فن تاریخ میں ہے اس کتاب میں ان شیوخ قریشی رحمہم اللہ کا سلسلۂ نسب مذکور کیا گیا ہے جو ملقب کسوی یا کسوی سے شہرت پذیر ہیں اور جو چار سو برس سے قصبہ مارہرہ میں سکونت پذیر ہیں۔ شاید یہی وہ سلسلۂ عالیہ ہے جس کو مولانا صاحب مارہروی نے المشاہیر میں دیکھا ہے اور ہمارے برادر بزرگ مرحوم و مغفور حاجی ابو الاحمد صاحب سے لے کر پڑھا ہے۔ مگر التزام رکھا ہے کہ اپنی کتاب میں اس خاندان پر بحث میں کہیں بھی سلسلۂ عالیہ کے نوشتوں کا حوالہ نہ دے کر بیان۔ اس کا نام تک نہیں آنے دیا ہے۔

(۲) حکیم امداد حسین صاحب فرزند حکیم عنایت حسین صاحب نے (الف) ایک مسدس شریف رسول کریم صلعم موسوم بہ تلخیص الکلام اور

اہلِ فراست کہ عقل ایشاں را لباس ادراک پوشانیدہ اند ایں قدر بس بود"

کے لئے جن کی عقل کو سمجھ کا لباس پہنایا گیا ہے اسی قدر کافی ہے"

شیخ حامد اللہ المشتہر بہ شیخ جمالی المتوفی ۹۴۲ھ ہجری | (۱) سیر العارفین مطبوعہ (۲) مثنوی مہر و ماہ (۳) دیوان (۴) مثنوی مراۃ المعانی (۵) ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں فارسی زبان کی جس قدر کتابیں ہیں اُن کی ایک توضیحی فہرست ایک رُوسی مستشرق ولادیمیر ایوانوف نے مرتب کی ہے" چنانچہ اس فہرست میں صوفیانہ نظموں کے تحت مذکور ہے کہ "مثنویات مولانا جمالی رح (N-75/43 ک 48 ک) اس مجموعہ میں ستائیس مثنویات ہیں منجملہ ان کے (۶) مفتاح الارواح "(۷) کنز الدقایق (۸) تنبیہ العارفین (۹) روح القدس (۱۰) مفتاح الفقر (۱۱) فاتح الابواب وغیرہ۔

میاں احمد خاں اکبر شاہی المتوفی اوائل زمانہ شہنشاہ جہانگیر نبیرہ مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ | (۱) معدن اخبار احمدی "(لغت اللہ ہروی مولف تاریخ خانجہانی مخزن افغانی) جنہوں نے اپنی کتاب ۱۰۲۰ہجری میں تکمیل کو پہنچائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ "فضیلت شعار سلالہ الابرار میاں احمد خاں کہ تاریخ معدن احمدی نیز بیان احوال خیر مآل خلایق پناہی تحریر و تسطیر در آوردہ کمترین مبتری ایں تالیف ہمیں قدر اکتفا نمود" اور تاریخ شاہی معروف بہ سلاطین افاغنہ تالیف احمد یادگار در ۱۳۵۸ھ ہجری مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۹ء از طرف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں صفحہ ۱۳۱ پر محمد ہمایوں بادشاہ کے حال میں اس طرح لکھا ہے کہ "راویان اخبار و مبرہان آثار از گلستان "معدن الاخبار" چنیں گل چیدہ اند" اسی کتاب میں نوٹ ہے کہ "معدن الاخبار یا معدن اخبار احمدی۔ از تصنیف احمد بن نام پڑھا نہیں گیا بن جمالی کمبوہ" المشتہر بکنبوہ است" مشتمل بر تاریخ عالم از حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام تا جہانگیر است۔ ببینید فہرست کتب خطی برٹش میوزیم از ڈاکٹر ریو جلد دوم صفحہ ۸۸۵" (یہ کتاب برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے۔ ہندوستان میں نہیں ہے) (۲) شجرۂ سہروردیہ ریاست رامپور کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ ہے" جس کی باضابطہ نقل وہاں سے ہم نے منگائی ہے جو مؤلف کتاب ہذا کے کتب خانہ میں موجود ہے)

میاں عبد الحیٔ المتخلص بہ حیاتی برادر خورد شیخ گدائی رح | (۱) شیخ عبد الحق محدث دہلوی تذکرۃ المصنفین دہلی کے صفحہ ۱۹۹۱ پر شیخ عبد الحیٔ کے حال میں لکھتے ہیں کہ۔ "میگویند کہ تاریخ نوشتہ بود بنام سلیم شاہ مصنوع و مطبوع کہ باقی نماند"

کہتے ہیں کہ مصنوع و مرغوب طبع بنام سلیم شاہ تاریخ لکھی تھی جو باقی نہیں رہی"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کی وہ کتابیں جس پر انہوں نے اپنے نسب کا اظہار کیا ہے

سلطان بہلول و سکندر و ابراہیم لودھی اور بابر و ہمایوں و شیر شاہ و سلیم شاہ و شہنشاہ اکبر کے زمانے کی یہ کتابیں جو ہمارے علم میں آئی ہیں دکھانے کے بعد اب ہم زبیری کنبوہی بزرگوں کی اُن کتابوں کو دکھلاتے ہیں جو ہماری نظر سے گذری ہیں اور جن میں شیخ گدائی کے خاندان کے نسب پر روشنی ڈالی گئی ہے بزمانہ شہنشاہ اکبر۔

(۱) شجرۂ سہروردیہ تصنیف میاں احمد خاں اکبر شاہی۔ (۲) رسالہ نواب شہباز خاں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے" (۳) عملِ صالح (شاہجہاں نامہ مطبوعہ کلکتہ از طرف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال تصنیف محمد صالح شاہجہانی، (۴) بہار سخن بزمانہ شاہجہاں تصنیف شیخ محمد صالح (۵) شرح قصاید عرفی" تصنیف محمد شفیع بن شیخ شاہ محمد بن شیخ تاج الدین عرف شیخ راجو زبیری سنبھلی" بزمانہ شہنشاہ عالمگیر در ۱۱۰۰ھ ہجری)

(نوٹ طے (۱) مثنوی مہر و ماہ کا نسخہ بھی کتب خانہ آصفیہ میں ہے" نوٹ ۲) دیوان کے نسخے حبیب گنج اور رامپور کے کتب خانوں میں موجود ہیں" حبیب گنج میں جو دیوان نسخہ ہے ناقص الاول الآخر ہے" بخط پختہ صاف جلی قلم جدول طلائی تحشگری لاجوردی کاغذ حنائی رنگ گجراتی کرم خوردہ۔ نسخہ دو سو برس اُدھر کا معلوم ہوتا ہے۔ تقطیع اوسط تعداد صفحات ایک سو چھیالیس فی صفحہ پندرہ سطر جملہ اشعار دو ہزار ایک سو نوے۔ عنوان وغیرہ کی جگہ خارج کرنے پر تعداد اشعار کم و بیش ساٹھ کم ہو جائے گی بہر حال دو ہزار ایک سو سے زیادہ اشعار ہیں معلوم نہیں اوّل و آخر سے کس قدر کلام کم ہے۔

ہو مرض مہلک تو مسلم اس سے ہوتا ہے شہید — ہے یہ ارشادِ حضورِ سرورِ پیغمبراں
چھپ گئے آنکھوں سے کیسے کیسے احباب عزیز — رو چکیں کس کس کو، سوانح ہم کریں کیا کیا بیاں

سالِ رحلت کے لیے اے راضیٔ مغموم دماد
تو کے دل سے جسم انوار احمد ہے عیاں

تیسرا مرثیہ مولوی حاجی سید علی احسن صاحب احسن شاگرد حضرت[۲] داغ[۱۳] وسیکریٹری وشعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

یہ کل کی بات ہے انوار احمد ہم میں شامل تھے — مگر آج اُن سے ہے آباد۔ محفل اہلِ مرقد کی
یہ تھا معلوم کس کو، یوں قضا اُن کو جھپٹ لے گی — اس اُستاد کا تو تھا، تھی آمد اس رد کی
ہسا دیتے تھے روتوں کو یہ حال تھا کمال اُن کو — پھر اس کے ساتھ ہی سنجیدگی بھی ان میں حد تھی
وہ کرتے تھے جو کام انجام اُس کا دیکھ لیتے تھے — کبھی عادت نہ ڈالی بے نتیجہ کاوش و کد کی
لیا حصہ گذا اکثر کا خدماتِ قومی میں — کسی حالت میں بھی چھوڑے نہ وہ یاد اپنے مقصد کی
لحاظ و پاس رکھا، خاطر احباب کا اکثر — نہ دل توڑا رفیقوں کا، نہ مرلش کوئی رد کی
شرف حاصل کیا با صدق دل حج و زیارت کا — ملی توفیق اُن کو حب ختمِ رسالت یا محمد کی
الٰہی تجب کشش سے مالا مال تسمہ ہاگر — عطا ہو خلد میں لذت انہیں عیشِ مخلد کی
گئی ہے روح اُن کی جسم خاکی سے جدا ہو کر — ہمیشہ پانی رہے ان پر تیرے نورِ رحمت کی

کہی تاریخ رحلت اُن کی احسن نے یہ الہامی
تو ملک ہے جنتِ فردوس میں انوار احمد کی

حاجی انوار احمد صاحب کی دو ضخیم کتابیں یادگار ہیں (۱) خطباتِ عالیہ — جس کی کئی جلدیں ہیں۔ اور جس میں کالج کا نفرنس، مدرسوں کے علاوہ اس کے مہرصوبہ کے حالات اور خطباتِ مدارس مع تصاویر کے جمع کئے ہیں۔ (۲) مرقع کانفرنس ہے۔ جس میں شروع سے کانفرنس کی تمام کارگزاریاں تحریر ہیں)

شیخ گدائی رسیری کمبوہ کے اہلِ خاندان مقیم ہندوستان کی چند مصنفہ کتابیں

مصنف	کتابیں
حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ ولادت ۸۰۲ھ ہجری۔ وفات ۹۰۱ھ ہجری	(۱) مصباح الاسرار قلمی میں مجلد (۲) حواشی بر لمعات شیخ فخرالدین عراقی حدائق المشائیر (۳) تذکرہ حضرت مخدوم شمس العارفین عبداللہ محمد کے بیانات خلف شیخ الشیوخ مخدوم عالم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ۔ (مطبوعہ مطبع مجتبائی برکات دہلی)
شیخ عبدالغفور الشہیر بہ میاں لادن ولادت ۸۶۲ھ ہجری وفات ۹۳۵ھ ہجری	(۱) حاشیہ بر کتاب حل وقایہ (ثمرہ سہروردی قلمی ص ۱۴۹) (۲) عبدالغفور کے نام سے سلطان ابراہیم لودی کے زمانے میں فارسی لغت مدون کیا۔ (کتاب تاریخ و عقیدہ مطبوعہ مرتبہ پرنسپل اگرہ)
شیخ محمد الصمد لسر کلاں میاں لکھو خاں برادر میاں لادن والتوفی ۹۴۵ھ ہجری۔ بعمر ۸۰ سال	(۱) کسر المومنین (۲) اکبر شاہی (ثمرہ سہروردی ص ۵۲) تاریخ داؤد شاہی میں کئی جگہ کتاب اکبر شاہی کے حوالے دیے ہیں۔
شیخ جمال الدین المشہور بہ ملکی جمال خاں برادر میاں لادن پیر و حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ والمتوفی ہم عمر ۹۸۴ھ ہجری	ثمرہ سہروردی کے ص ۱۲۶ پر تحریر ہے کہ کتابے چند علم منقول و معقول تصنیف فرمود چنانچہ چگونگی فضیلت و علامت و موفقیت ایشاں کتاب مالا بر است و چند کتابیں علم منقول و معقول تصنیف فرمائیں۔ چنانچہ طرح کی فضیلت اور علامت اور موفقیت ان کتابوں سے ظاہر ہے اور اہلِ ثروت

اُن سے بھی ہر شخص واقف ہے۔ آپ کے اِنتقال فرما جانے پر ”ایڈیٹرانِ اخبار اور لیڈرانِ بزرگانِ قوم نے آپ کی خدماتِ قومی کی تحسین کی۔ اور آپ کی وفات کو قوم کا بہت بڑا نقصان بتایا“ اور سالانہ اجلاس کانفرنس مذکورۂ بالا میں آپ کی خدمتوں کا اعتراف اور تعزیتی رزولیوشن پاس کیا گیا“ مولوی محمد امین صاحب زبیری ”مہتمم تاریخ ریاست بھوپال“ نے آپ کے حالات اور کارنامے ”کتاب یادگار انوار“ میں تحریر کئے ہیں اور مرثیہ بھی لکھا ہے“ جس کے چند شعر یہ ہیں:

گیا رنگون“ برما“ بمبئی“ مدراس“ کلکتہ“ تمامی صوبجاتِ ہند میں ہر ایک ریاست میں
امیروں سے ملا۔ پہنچا غریبوں کے مکانوں پر رئیسانِ جلیل القدر کے قصرِ امارت میں
گرانٹ اِن ایڈ کے۔ اسناد شاہی لے کے وہ پلٹا ملی جس سے مدد تعلیمِ ملت کی اشاعت میں
وظیفوں کے لئے ہر سال وہ لایا ہزاروں ہی غریبوں کے لئے کچھ بھی کسر رکھی نہ محنت میں
مخالف کو وہ باتوں میں ہمیشہ موہ لیتا تھا جو سچ پوچھو۔ اثر جادو کا تھا اُس کی خطابت میں
بنا کر دوست پہلے۔ پھر مدد اُس سے وہ حاصل کی کہ جس سے ہو گئے اپنے پرائے غرق حیرت میں
زمینِ شور تک کو۔ سیر حاصل کر کے دکھلایا کہ برکت اِس طرح شامل ہوا کرتی ہے محنت میں
سلیقہ اس کا جلسوں میں تحیّر خیز رہتا تھا کہ رکھا تھا خدا نے یہ بھی ایک جوہر طبیعت میں
گذاری عمر ساری۔ مجلسِ تعلیم میں اپنی رہا جب تک کہ دم میں دم۔ رہا مصروف خدمت میں
یہ یونیورسٹی جو مطلعِ انوارِ علمی ہے پسینہ اُس کی محنت کا ہے شامل اِس عمارت میں
اگرچہ مضمحل تھے اب قویٰ۔ تھا مقتضائے سِن کا مگر کچھ بھی کمی آئی نہ تھی جوشِ طبیعت میں
اچانک دیکھتا کیا ہوں کہ ایک دن چھوڑ کر سب کو بڑے آرام و راحت سے ہے محوِ خواب تربت میں

طفیلِ رحمۃ اللعالمین۔ شانِ رحیمی سے
خدا نے رُوح کو اُس کے لیا دامانِ رحمت میں

دوسرا مرثیہ جو مولوی محمد راضی صاحب مارہروی“ سابق مختار عدالت اِٹاوہ نے لکھا ہے۔ وہ یہ ہے“

اے مسافر آہ۔ اے انوار احمد آہ آہ تھی تعاقب میں علی گڑھ ہی سے مرگِ جاں ستاں
غازی آباد“ آہ جب پہنچا“ ہوا ایسا علیل کر گئی تیرے جسد سے رُوح پروازِ جناں
جان کے ساتھ اب رہے گی یاد تیری جانِ جاں ہم ہیں اب اور عمر بھر تیرے لئے شور و فغاں
یاد ہے ہم کو اِٹاوہ اور وہ برسوں کا ساتھ یاد ہیں وہ سب، جو تیرے دم سے تھیں دلچسپیاں
یاد ہے تیری ظرافت اور عِلمِ مجلسی یاد ہے رطب اللساں اور وہ شیریں بیاں
یاد ہے جو تھا ودیعت دل میں تیرے دردِ قوم یاد ہیں وہ مخلصانہ تیری سب ہمدردیاں
یہ کہانی تیری ایک دن کی نہیں جو ختم ہو ایک مدت چاہئے کہنے کو تیری داستاں
مختصر یہ ہے تجھے جب خدمتِ کالج ملی شہروں شہروں تو پھرا دل میں لئے دردِ نہاں
جاں فشانی کا بٹھایا سکہ قلبِ قوم پر ہیں تیری وہ کوششیں ہر انجمن میں بر زباں
تو اُٹھا دنیا میں اپنا نام زندہ چھوڑ کر نام جب زندہ رہا پھر موت کی تلخی کہاں
کر لیا حج بھی کیا کعبہ کا بھی تو نے طواف روضۂ حضرت بھی دیکھا باہزارانِ شوقِ جاں
تیری دنیا میں بھی گذری عیش سے آرام سے دین میں بھی تو ہوا مقبول ربّ المستعان
اب دعا ہے تو جوارِ رحمتِ حق میں رہے بخش دے تجھ کو خدا، جنّت میں ہو تیرا مکان

مادی تھا۔ اس لئے آپ نے وقف علی الاولاد کے قانون کا ہندوستان میں نفاذ چاہتے تھے۔ جب یہ کوشش تمام یہ قانون منظور ہو گیا تو سب سے پہلے آپ نے اپنی جائداد کو جو تین چار سو روپیہ ماہوار آمدنی کی تھی اپنے صاحبزادے اور صاحبزادی پر وقف کر دیا۔ اور اس قانون کی پانچسو کاپیاں اپنے خرچ سے چھپوا کر ہندوستان کے صاحب جائداد حضرات کے پاس بھیج دیں اور انہیں بھی ترغیب دلائی۔

غرضکہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ عربیہ دیوبند، دار المصنفین اعظم گڑھ، انجمن ترقی اردو، جامعہ ملیہ دہلی، آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، علیگڑھ کالج یونیورسٹی، سرکاری مدرسوں میں مذہبی تعلیم کی ترویج وغیرہ وغیرہ کے جو کام بھی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی ترقی کے ہندوستان میں دیکھے جاتے ہیں، ان سب میں آپ کی کوشش اور امداد شامل ہے۔ اکثر کے تو خود آپ ہی بانی ہیں۔

آپ نے علیگڑھ کالج کے لئے ہزارہا روپیہ اپنی جیب خاص سے دینے کے علاوہ اپنے اثر سے لاکھوں روپیہ کا چندہ بھی جمع کرایا بلکہ مملکت آصفیہ سے بھی ایک قرار سالانہ رقم ہمیشہ کے لئے مقرر کرائی۔ ۱۹۰۶ء میں آپ نے مسلم لیگ قائم کی اور تین برس تک اس کے جوائنٹ سکریٹری رہے۔

جس طرح میاں شاہ گلشن سرہندی نے اپنے مرید ولی دکنی کو ہدایت فرما کر ہندوستان میں اردو شاعری کا بنیاد ولی [illegible] دیا تھی آپ ہی کے ارشاد سے [illegible] شاعری شروع کر کے اردو شاعری کے بابا آدم کہلائے۔ اسی طرح نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے علامہ جمال الدین افغانی کے بھی دس برس پہلے کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کے [illegible] کے اجلاس میں ایک رسالہ ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان کے نام سے لکھ کر [illegible] اگست کو کمیٹی مذکور میں پیش کیا تھا جس پر کمیٹی نے آپ کو تین سو روپیہ انعام دیا تھا۔ نواب صاحب نے اس رسالہ میں جو تجاویز و تخیلات تعلیمی کو پیش کیا تھا ان میں سے ان کا ایک تخیل تھا کہ حیدر آباد میں اعلیٰ تعلیم کی درسگاہ کا قیام ہو اور اس کا ذریعہ قومی زبان اردو قرار دیا جائے۔ اور لکھا تھا کہ یہ مدرسہ مدرسۃ [illegible] کے نام سے موسوم ہو۔ اس کے واسطے بمبئی، کلکتہ، حیدر آباد میں کوئی مقام پسند ہونا چاہئے تھا اور اس مدرسہ میں تمام علوم و فنون کی تعلیم نہایت سے نہایت اعلیٰ درجہ تک ہونی چاہئے۔ یہ تاریخی شہادت مولوی احسان حسین صاحب کی [illegible] غیر مطبوعہ رسالہ سے دستیاب ہوتی ہے جو راقم الحروف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (مضمون سر [illegible] علی صاحب [illegible] حیدر آباد [illegible] جنوری [illegible] کا رسالہ [illegible])

آپ کا انتقال ۱۹۱۷ء میں ہوا تو تمام ملک میں ماتم برپا ہو گیا۔ قومی انسٹی ٹیوشنوں اور انجمنوں نے اظہار افسوس کیا اور آپ کی وفات کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی نے چھندواڑہ سے جہاں اس وقت وہ نظر بند تھے لکھا کہ ہندوستان نے اپنے فرزند بزرگ کو اور ہم نے اپنے باپ سے جدا ہو گئے۔ [illegible] آپ کے حالات میں دو کتابیں حیات [illegible] اور وقار حیات شائع ہوئیں۔

(۲) مولوی بشیر الدین صاحب میرٹھی ممبر ایڈیٹر اخبار البشیر اور بانی اسلامیہ سکول اٹاوہ۔ علاوہ دیگر قومی، مذہبی اور ملکی ترقی کی تحریکوں کے ندوۃ العلماء، علیگڑھ کالج و مسلم یونیورسٹی بنانے میں بھی آپ کی کوششوں کو دخل حاصل رہا ہے۔

(۳) لیفٹیننٹ کرنل سر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد میرٹھی ڈی۔ ایس سی، پی ایچ ڈی، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ و ممبر کونسل آف اسٹیٹ۔ آپ کے سیاسی اور تعلیمی ترقی کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔

(۴) مولوی سعید احمد صاحب مارہروی، بانی ممبر رشید ہائی اسکول آگرہ و انجمن احمدیہ، مصنف کتب متعددہ آثار اکبر، حیات امیر وغیرہ۔

(۵) حاجی حافظ مفتی مولوی اعزاز علی صاحب امروہوی، معین اعلیٰ و نائب ناظم مدرسہ دیوبند۔

(۶) مولوی حاجی حافظ عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، مترجم کلام مجید، جو [illegible] دمشق کے قریب ایک گاؤں میں ہو کر حدیث کی ایک نایاب کتاب کی نقل کر کے ہندوستان لائے اور اس سے ہندوستان کو روشناس کرایا۔ چنانچہ اس پر [illegible] مولوی صاحب موصوف عاشق الٰہی ہی نہیں بلکہ عاشق رسول بھی ہیں۔

(۷) منشی حاجی انوار احمد صاحب مارہروی مرحوم پسر [illegible] صاحب [illegible] جو بحیثیت سب ایڈیٹر اخبار البشیر [illegible] محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس یعنی مسلمانان ہند کی تعلیمی کانفرنس کے جلسے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور کالج و مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے قیام اور عروج کیلئے

یا نیست کا دیدیتے تھے "اور کبھی کسی کو بھی جھوٹی اُمید نہ دلاتے تھے "

سر سیّد نے جب اپنے صاحبزادے "جسٹس سیّد محمود" کو اپنی زندگی میں اپنا جانشین بنانا چاہا" تو آپ نے اُن کو نامناسب جان کر" اُن کے ایسے ذمّہ داری کے کام پر مقرر کئے جانے کی مخالفت کی اور سر سیّد کو اس عمل سے روکنے کی اِنتہائی کوشش کی" لیکن جب سر سیّد کی مروت سے لوگوں نے ووٹ دیکر "سیّد محمود" کو اُن کا جانشین قرار دیا تو آپ نے چند دوسروں کی طرح "علیگڈھ کالج" کی امداد سے ہاتھ نہیں کھینچ لیا" بلکہ اُس کی امداد اسی نہج سے کرتے رہے جیسی کر کیا کرتے تھے" نہ انہوں نے "سر سیّد" سے اپنے تعلقات منقطع کئے جیسا کہ چند بزرگوں نے کر لئے تھے" بلکہ آپ نے "سر سیّد و سیّد محمود" مرحومین سے نہایت سنجیدہ اور محبّت آمیز سلوک کیا"

اکتوبر ۱۹۰۷ء میں "شملہ" میں "نواب محسن الملک" کا انتقال ہو گیا" تو آپ کا انتخاب "کالج کے سیکرٹری کے عہدہ پر ہوا" اُس وقت کے اخباروں نے متفقہ طور سے لکھا تھا کہ "حضرت عمرؓ" کے بعد تیرہ سو برس میں یہ پہلا انتخاب ہے" جو متفقہ ہے۔ اور جس کے خلاف کہیں ایک آواز بھی سُنائی نہیں دی ہے" اُس زمانے میں علیگڈھ کالج کا سیکرٹری تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا لیڈر مانا جاتا تھا"

سر سیّد" نواب محسن الملک" اور "نواب وقار الملک" کا مع اپنے رفقاء کے شروع ہی سے ایک یونیورسٹی بنانے کا اِرادہ تھا" عرصہ تک ایم۔ اے۔ او کالج پر قناعت کرنی پڑی" آخر کار نواب وقار الملک" کے سیکرٹری شپ کے زمانے میں اس کام کے لئے "ہز ہائی نس سر آغا خاں" کے ذریعہ سے چندہ کی ایک منظم کوشش کی گئی۔ چندے کے لئے اپیلوں کی تیاری" اخبارات کے لئے مضامین اور عام خطوط کے جوابات" ڈپوٹیشنوں میں شرکت۔ اور دورے" ہر جگہ مقامی حضرات سے تبادلۂ خیالات" متعدد کمیٹیوں کی شرکت" حکام تعلیم سے ملاقاتیں اور گفت گو ئیں" یہ اِتنے اور عظیم الشان کام "کالج کے روزمرّہ کے کاموں کے علاوہ" بلا تاخیر ونقص کے اپنی اِس پیرانہ سالی" اور عوارض لاحقہ کی حالت میں کرنے کی نواب صاحب ہی کی طاقت اور ہمّت تھی" کیونکہ تمام قوم کو آپ پر پورا اعتماد تھا" اور ہر طبقہ کے آپ معتمد علیہ تھے" اُس کی وجہ سے جنوری ۱۹۱۱ء تا آخر ۱۹۱۲ء اِکتالیس لاکھ تریسٹھ ہزار تین سو چھپتر روپئے سات آنے ساڑھے سات پائی کے وعدے ہوئے" ان میں سے اِسی مدّت میں چھبیس لاکھ سینتیس ہزار چار سو آٹھ روپیہ دو آنے دو پائی نقد وصول ہوئے" ان کے علاوہ تین لاکھ چھیتر ہزار روپیہ بشکل سرمایہ دوامی حاصل ہوا"

اپنی پیرانہ سالی اور بیماریوں کے حملوں سے کمزوری اور معذوری کی وجہ سے گو آپ نے علیگڈھ کالج کی سیکرٹری شپ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی" لیکن جب تک دَم میں دَم رہا" آپ ہی مسلمانانِ ہندوستان کے ملجاؤ ماویٰ رہے اور اپنے قیمتی مشوروں سے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے" نیز ہر قسم کی امداد دیتے رہے"

۱۹۱۲ء میں "مولوی عبید اللہ سندھی" نے "نظارة المعارف القرآنیہ" کے نام سے "مسلمان گریجویٹوں کی عربی تعلیم" اور قرآن مجید حدیث کی تدریس کے لئے" دہلی میں" ایک مدرسہ قایم کر کے نواب صاحب سے اُس کی سرپرستی کی درخواست کی آپ نے بخوشی قبول کی اور باوجود معذوریوں کے اُس کے لئے چندے کی کوششیں کیں"

۱۹۱۲ء میں آپ نے ترکوں کے لئے قرضہ دینے اور ہلالِ احمر میں چندہ دینے کی مسلمانوں سے اپیل کی اور اپنی اِس اپیل کو اُس وقت پریس میں بھیجا جبکہ آپ دو ہزار کی اپنی حقیقت فروخت کر کے یہ رقم اپنی طرف سے پہلے بھیج چکے تھے"

دسمبر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی منسوخی" اور ۱۹۱۳ء میں "مچھلی بازار کانپور" کی مسجد کے ایک حصّہ کے گورنمنٹ کی طرف سے منہدم کئے جانے پر جب مسلمانوں نے مزاحمت کی تو وہاں کے کلکٹر و مجسٹریٹ مسٹر ٹائلر نے اُن پر بندوقوں سے فیر کرائے" اتلافِ جان بھی ہوا اور پھر مسلمانوں ہی پر مقدمات فوجداری چلائے گئے" نواب صاحب اِن دونوں کارروائیوں سے بیحد متاثر ہوئے" اور انہوں نے مسلمانوں کو صاف طور سے مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنی عزت چاہتے ہیں تو محض گورنمنٹ کے اِنصاف اور رحم وکرم پر بھروسہ رکھنا چھوڑ دیں" اور اپنی قوّتِ عمل کو بروئے کار لائیں" اب ہمارے ہاتھوں میں ہے کہ اپنی آزادی و عزّت کو برقرار رکھیں یا پیروں کے تلے پامال ہو جائیں"

مسلمانوں کی جائدادوں کے "۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد سے کروڑوں کی تعداد میں" ہر سال ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلے جانے کا سلسلہ

متعلق بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ کمیٹی کے دفتر کی نگرانی اور بجٹ کی تیاری بھی آپ ہی کرتے تھے۔

آپ تہذیب الاخلاق میں مسلمانوں کو ترقی پر گامزن کرنے کے لئے مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی حالت کیونکہ اس زمانے میں نہایت ابتر تھی اور اُن میں اپنی بھلائی و برائی کے سوچنے کی اہلیت نہ رہی تھی۔ اس لئے وہ ان باتوں کو طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ اُن کے اس طریقہ سے متاثر ہو کر سر سید احمد خاں نے سنہ ۱۲۹۰ ہجری مطابق سنہ ۱۸۷۳ء میں تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا کہ۔

"منشی مشتاق حسین کی (نواب وقار الملک کی) ذاتی نیکی۔ اور نہایت سخت دینداری۔ بے ریا عبادت۔ سچی خدا پرستی۔ نہایت شدت سے نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی۔ درحقیقت بے مثل ہے۔ اس قابل تھی کہ اگر ہماری قوم پر بداخلاقی نہ ہوتی تو اس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے۔"

سنہ ۱۸۷۵ء میں آپ مملکت آصفیہ کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ آپ نے اس اسلامی مملکت کی بہبودی کے جو کام کئے اور اُس میں جو اصلاحات کیں اُن کی فہرست بہت طویل ہے۔ اور آپ کی خودداری اور صداقت کے جلووں سے بھری ہوئی ہے۔ خدا کی رحمت ہو آپ پر۔ آپ کو ایسا توکل تھا کہ کوئی موقع اختلاف بھی آپ کو اپنے جادہ سے نہیں ہٹا سکتا۔ غیرت و حمیت اور اسلام کی پاسداری ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتی۔ اور حق کو اپنے قتل تک کی سازش کی آپ نے ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔ ہمیشہ ایثار سے کام لیتے رہے اور بڑی بڑی دستبرداریوں کی مصروفیت میں بھی آپ قومی بہبود و بہبود کے کاموں سے غافل نہیں رہے۔ بیرون مملکت میں جو کام مسلمانوں کی ترقی کے ہو رہے تھے۔ جن میں آپ کا بڑا حصہ تھا اُن کو آپ ذاتی بیش قرار قیمتی چندوں اور اپنے اعلیٰ مرتبہ کے اثر سے برابر تقویت پہنچاتے رہے۔

مسٹر ڈنلاپ سی۔ آئی۔ ای۔ جو عرصہ تک آپ کے ماتحت رہے اور بعد کو معتمد مالگذاری کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ اپنے خط مورخہ ستمبر ۱۹۲۰ء موسومہ ہمارے محترم جناب محمد امین صاحب زبیری مہتمم تاریخ بھوپال میں نواب وقار الملک بہادر کے کیریکٹر کو ان الفاظ میں دکھایا ہے کہ جس زمانے میں نواب وقار الملک۔ ریونیو سیکرٹری (معتمد مالگذاری) تھے اُس وقت مدار المہام سر آسمان جاہ بہادر اُن کی سرپرستی کرتے تھے۔ اور فی الحقیقت وہ ریاست کے تمام معاملات میں وزیر اعظم کے مشیر خاص تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کے ذمہ مختلف اقسام کے کام کا اس قدر بار تھا۔ جو ایک عہدہ دار نہیں کرسکتا۔ لیکن وہ نہایت جفاکش۔ اعلیٰ اصول کے بید پابند۔ ایماندار۔ ملک کے ہمدرد۔ اور ریاست کے قابل قدر ملازم تھے۔

نواب سر فریدون الملک بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ جنھوں نے ایک بڑے عہدہ دار کی حیثیت سے عرصہ تک نواب وقار الملک کے ساتھ کام کیا ہے۔ اور بعد کو قائم مقام مدار المہام ہوئے۔ اپنے خط مورخہ ۲۹ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء میں لکھا ہے کہ۔ وہ جفاکش۔ ضمیر کے پابند۔ اور نہایت ایماندار عہدہ دار تھے۔ اُن میں قوت عمل اعلیٰ درجہ کی تھی۔ وہ پندرہ سولہ گھنٹے روزانہ کام کرنے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

مولوی بشیر الدین احمد دہلوی تعلقہ دار (کلکٹر) وظیفہ یاب مملکت آصفیہ خلف ڈپٹی ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم نے۔ نواب صاحب کی وفات کے بعد اخبارات میں شائع کیا تھا کہ۔ مولوی مشتاق حسین (نواب وقار الملک) کی کچھ بات ہی اور تھی۔ اس جامعیت کا آدمی دیکھنے میں نہیں آیا۔ عابد و زاہد۔ فقیر منش۔ نہایت منکسر المزاج۔ متواضع۔ ہر ایک سے اچھا خلیق۔ بے حد ہمدرد۔ مگر بایں ہمہ خودداری۔ اُن کا رعب۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جس نے وہ آن بان۔ اور وہ شان و شوکت۔ دیکھی ہے۔ وہ اس کا کچھ اندازہ کرسکتا ہے۔ ان کا دربار ہر چھوٹے بڑے کے واسطے ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ کسی وقت کی روک ٹوک نہ تھی۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ خادم کے ایسے بھی دیکھتی۔ ہر شخص اُن تک بآسانی پہنچ کر اپنا درد دکھ کہہ سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کی کوٹھی کا وسیع احاطہ صبح سے رات کے گیارہ بجے تک گاڑیوں اور اہل غرض کے ہجوم سے بھرا رہتا تھا۔ لیکن وہ فرداً فرداً سب سے ملتے تھے۔ اور کبھی کسی کا دل رکھ لیا جاتا۔ اکثر ملنے والوں کو وہ کمرے کے دروازے سے لیتے اور وہیں تک پہنچاتے تھے۔ سب کی بات نہایت غور سے سنتے تھے۔ اور ہو سکتا تو ٹھیک جواب دیتے

سلسلہ میں رہ گئے تھے حال جن اسلاف کے — از برائے اطلاع شامل کئے وہ بھی وہیں
تیرہ سو چھ ہجری میں تکمیل کر کے وہ کتاب
ذات سے کی شائع پر کو اصرف کی کچھ کی نہیں
وہ جو الطاف وکرم سے یہ ذخیرہ دے گئے — قوم اس احسان سے سر کو اٹھا سکتی نہیں
جس قبیلہ کا بھی چاہو مانگو "دیکھو" سلسلہ
بے یقین "ایسا" کسی کے پاس پاؤ گے نہیں

شیخ گدائی کے خاندان کے حال کے زمانے کے چند بزرگ افراد ان کی ملکی قومی مذہبی خدمتیں

(۱) ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد جب شاہجہاں کے لال قلعہ دہلی پر بھی انگریزوں کا تسلط ہو گیا" اور "بہادر شاہ" قید کر کے "رنگون" ملک برما میں بھیجدیئے گئے" اس وقت مسلمانان ہندوستان ایسی معاشی اور ذہنی پستی میں مبتلا تھے" جن کے پھر ابھرنے کی کسی طرح بھی توقع نہیں تھی" ایسے زمانے میں جبکہ نفسی نفسی کا عالم تھا برباد اور زوال پذیر مسلمانوں کی قومی تعمیر و تشکیل کا عزم" جن تین بزرگوں نے "سرسید احمد خاں (۲) مولوی سید مہدی علی (بعد محسن الدولہ محسن الملک نواب منیر نواز جنگ بہادر") اور (۳) مولوی مشتاق حسین" (بعد وقار الدولہ وقار الملک نواب انتصار جنگ بہادر) نے کیا" ان میں آخر الذکر "نواب وقار الملک بہادر" "شیخ گدائی" کے خاندان سے تھے"

مولوی محمد امین صاحب "سابق مہتمم تاریخ ریاست بھوپال" حال وظیفہ یاب نے" اپنی مؤلفہ کتاب" تذکرہ وقار" کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "زمانہ کتنا ہی ترقی کر جائے" کتنے ہی قائد آسمان شہرت وعزت پر تارے بنکر چمکیں" کیسے ہی سخت وصعب معرکے پیش آئیں اور سر کئے جائیں" مگر قومی مطلع پر" ان بزرگوں کے خلوص" ایثار" اور "ہمت عمل" کی روشنی سب پر غالب رہے گی" اور انہیں کے شاندار کارناموں سے" قومی اصلاح وارتقاء" کی تاریخ کا آغاز ہو گا" کیونکہ یہ ہی اصحاب ہیں جو" تقریباً ساٹھ سال تک" متحداً" اور "منفرداً" اس مقصد کی تکمیل میں۔ نوبت بہ نوبت سرگرم عمل رہے" اور آئندہ آنیوالی نسلوں کی ترقی کی ایک پائدار عمارت تیار کر گئے"۔

معمولی ملازمت کے فرش سے "حکومت نظام کے اعلیٰ مناصب کی کرسی تک" ایک وسیع ملک کے نظم ونسق اور اصلاح میں" پھر ریزیڈنسی اور ریاستی پالٹیکس کے خارزار میں" کامیابی کی مسرت وسرشاری" اور ناکامیوں کی تلخی وافسردگی میں عروج واقتدار" اور زوال ومعزولی کی بہار وخزاں میں" قوم کی مزدورانہ خدمت سے مخدومیت وقیادت کے مرتبہ میں" تعلیمی وسیاسی مراحل اور باہمی کشمکشوں اور فرقہ بندیوں میں" دوست دشمن" عزیز وغیر کے ساتھ تعلقات" اور عوام وخواص وغربا وامراء کے ساتھ برتاؤ میں" گھر کے صحن ودالان" اور پبلک مجامع میں" غرض اُن کی زندگی کے ہر ایک حال وقال میں" اور حرکت وسکون میں" اسلامی سیرت واخلاق کا ہی جلوہ نظر آتا ہے" انہوں نے قدرت کے فیاضانہ عطیات کی پوری قدر کی" اور "ذہانت وبیدار مغزی" "دقیقہ سنجی" "نکتہ رسی" اور "عزم وحوصلہ" کا جو جوہر پایا تھا" اُس کو پورے طور پر چمکایا" وہ زمانہ حاضرہ کی ڈپلومیسی" (یعنی خود مطلبی کی پردہ پوش باتوں) سے قطعی طور سے متنفر" اور ہر بات کو "ایمانداری" کے معیار پر پرکھتے تھے" آپ کی تمام تر زندگی اپنے متوعات کے ساتھ" محاسن وفضائل اخلاق کا نہایت نمایاں مظہر ہے"

جس زمانے میں آپ مسٹر کالون کلکٹر کی پیشی میں کام کرتے تھے" تو اوقات دفتر میں نماز کے لئے اُٹھ جایا کرتے تھے" کلکٹر مذکور کو یہ بات ناگوار ہوئی" اُس نے آپ کو روکنا چاہا آپ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ اور جب اُس کا اصرار حد سے بڑھا تو آپ نے رخصت کی درخواست پیش کر کے اس میں یہ بھی لکھدیا کہ اگر رخصت نامنظور کی گئی تو اسی درخواست کو ملازمت سے استعفا سمجھ لیا جائے"

، سائنٹیفک سوسائٹی جو ۱۸۶۶ء میں قائم ہوئی۔ آپ اس کے سرگرم ممبر اور معاون تھے"

، محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی ۱۸۷۲ء میں قائم ہوئی اور جابجا اسکی کمیٹیاں قائم کی گئیں" آپ نے وصولی چندہ کے

دیکھی جنرل نے وہ تیمی، سمجھا اُن کا مدعا   ہوگیا اُس کو یقین یہ لینے والوں میں نہیں
ہوگئی حیرت اُسے۔ پوچھا یہ اُس نے پھر جواب   میں نے لکھا آپ کا۔ اب کر لیا ہے دل نشین
آپ کی غیرت۔ حمیت، اور ہمت کا اثر   مرتے دم دل میں رہے گا۔ اس کو بھولوں گا نہیں
مشتاق میری یہ ایک درخواست ہے اب آپ سے   خط لکھا کریں مجھ سے۔ کہیں، اور مجھے بھولیں نہیں

یہ سمجھ لیں آپ۔ جلدی آئیں گے یاں بار ضرور
فیض سے گلزار ہوگی۔ آپ کے یہ سرزمین

ایک جلسہ واں ہوا اُن کے چلے آنے کے بعد   اور تقریریں بہت سی اُس میں لوگوں کی ہوئیں
جب ہوئے جنرل کھڑے تو اپنے لیکچر میں کہا   دو اجازت مجھ کو بھی کہنا ہے کچھ اے حاضرین
غیرت و ہمت، حمیت یہ مسلمانوں کی میں   جب نظر کرتا تو۔ ہو جاتا تھا بس اندوہگیں
سوچا کرتا تھا۔ الٰہی ان کا کیا ہونا ہے حال   کس طرح سرسبز ہوں گے۔ اب یہ رب العالمین
جس طرح کے اور جیسے کرتے ہیں یہ اب عمل   ان سے حاصل ہو نہیں سکتی کبھی فتح مبین
مفت لینے کو رقم۔ اور پیٹ پوجا کے لئے   حرکتیں کرتے ہیں وہ جو شانِ شایاں ہیں نہیں
جبکہ دریوزہ گری پر باندھے ہے اپنی کمر   قوم ایسی کس طرح پائے گی رتبہ بہترین

ہوتی تھی حیرت مجھے، یہ کیوں ہیں باقی اب تلک
جب کوئی اسلاف کی باقی صفت ان میں نہیں

بعد اس تمہید کے جنرل نے فقرہ یہ کہا   اب میری مایوسی کی وہ کیفیت باقی نہیں
چند روز ہوں قبل جو پیش آیا ہے جو ایک ماجرا   وہ نرالا ہے جو پُر امید سے خالی نہیں
جس نے حیرت دور کی، مجھ کو بھرا امید سے   واقعہ یہ ہے سنیں دھر کان اس کو حاضرین

بعدہ جنرل نے وہ سارا سنایا ماجرا
گذرا دربارہ رقم تھا جو میانِ آن و امین

پھر کہا کہ [illegible] دیکھ کر اُن کا ثبات   ہوگئی دل کو تسلی۔ آگیا مجھ کو یقین
قوم میں غیرت، حمیت والے باقی ہیں ابھی   جن سے باقی ہے نشان۔ اس قوم کا بر سرزمین

جن کو جادہ سے یہ اشرفیاں ہٹا سکتا نہ ہو
جس میں ایسے لوگ ہوں، وہ قوم مٹ سکتی نہیں

دم قدم سے ایسے ہی لوگوں کے اور فیضان سے   قوم نکبت سے نکل کر پاتی ہے فتح مبین
واقعہ تم کو سنایا ہے جو میں نے یہ ابھی   ہے گذارش میری کر لو تم بھی اس کو دل نشین
اور ذرا سوچو کہ پہلے کتنے تھے، اور آج ہم   کس قدر قائم ہیں بر تعلیم ختم المرسلین
ایسے ہی لوگوں کی کثرت ہوگی جبکہ قوم میں   یہ صفاتِ اسلاف کی جس روز ہم میں آگئیں
یہ زماں پھر اپنا ہوگا۔ اور ساری سرزمین   اپنی ہی محکوم ہوگی دل سے ہے مجھ کو یقین

بے عمل اچھے کئے ہرگز فلاح ملتی نہیں
جھوٹ ہو سکتا نہیں ہے یہ قولِ ختم المرسلین

جسکا چھوٹا تھا دلشہد ریاست رامپور　　اقتدار اُس وقت تک حاصل رہا جس کے یمنی
اور جرل اعظم الدین تھے تہ رکنِ رامپور　　باثر تھ اور ناموری جدمری کا توفیق ترین
اپنی سکاری سے آکا کر گئے وہ رامپور　　جا کے جرل سے ملے نا طرز احسن بہترین
خوش ہوا جرل تہ لیاقت اور ذہانت دیکھکر　　اور کہا ڈوں گا میں خدمت آپ کو اعلیٰ ترین
ایسے قابل لوگوں کی یہاں پر ضرورت ہے سب　　تا ترقی ہو ریاست کی بطرز بہترین
میں تلاش کا بہت جلد ہی کوئی ایسی جگہ　　جس سے عزت مرتبہ ہو، آپ کا ہر دل نشین

پیش کش فی الوقت کوئی چھوٹی سی خدمت کروں
ماننا اس کو کسی طرح سے میرا دل نہیں

آئے وہ جرل سے مل کر۔ جب اقامت گاہ پہ　　پاس اُن کے بھیجی پُر زر یہ تھیلی جرل نے وہیں
ساتھ ہی رقعہ لکھا۔ کہ کر لیں آپ اس کو قبول　　خرچ ہے یہ آپ کا اگر آپ کے قابل نہیں

جو ہوئی ہے زیر باری، آپ کو آنے میں یاں
یہ اگر کہیں، کہ اُس کا بدلہ ہے، ہرگز نہیں

پھیر دی تھیلی انہوں نے، دے کے یہ اپنا جواب　　میں نے خدمت اِس ریاست کی، ابھی تک کی نہیں

کس طرح لے سکتا ہوں میں آپ سے کوئی رقم
جب بلا خدمت کے لینا مجھ کو واجب ہے نہیں

اُس رقم کے ساتھ جب جرل نے پایا یہ جواب　　دگنی کر کے بھیجدی پھر وہ رقم اُن کے قرین
ایک چٹھی پھر لکھی تھ اِصرار یہ اُس میں کیا　　آپ کے قابل نہیں ہے۔ یہ اسے پھیریں نہیں

واپسی کا یہ سبب سمجھے تھے وہ عالی جناب
کم سمجھکر یہ رقم پھیری نہ ہو شاید کہیں

پھر بہ شائستہ طریقہ سمجھکر ساری رقم　　یہ لکھا جرل کو، شرمندہ کریں زیادہ نہیں
آپ کا ممنون ہوں یہ عزت ہے دل میں آپ کی　　پر کسی طرح سے بھی۔ میں اِس کو لے سکتا نہیں
یہ تو کہا ہے۔ سارا دیں گر خسارہ بھی مجھے　　میں بلا حق کے تبرک اُس پہ ڈالوں گا نہیں
گر ریاست کی کوئی خدمت میں کرتا تو ضرور　　لینا واجب تھا، مگر اس وقت حق کوئی نہیں

ہے ہمت کا تقاضا کیوں نہ میں ایسی رقم
جو بغیر حق و محنت تھ مجھ کو ملی ہو کہیں

۔۔ زمانہ وہ تھا۔ جب اکثر انڈسٹر، مولوی　　اور مشائخ بھی بہت تہ رقموں کے لینے کے تئیں
کرتے تھے دورے ریاست ہائے ہندوستان کے　　جس طرح بن پڑتا لینے تہ رقمیں خاص بہترین
گر وہاں دوری میں رہ جاتی تھی اُن کے کچھ کمی　　تو برائی کرتے پھرتے تھے وہ اُن کی ہر کہیں
اُس زمانے کے رئیسوں کا تھا کچھ ایسا خیال　　حرف اُن کے اسلام اور ذات پر آئے نہیں

و ڈراتے تھے اِس اثرات اُن پر ڈال کر
لے لئے تھے دیتے ہرگز یہ مارِ آستین

کے حالات "طبقات ناصری" "تاریخ فیروز شاہی" "طبقاتِ اکبری" "جنگ نامۂ اعظم شاہ و بہادر شاہ" "منتخب التواریخ" "تاریخ فرشتہ" "بادشاہ نامہ عبد الحمید لاہوری" اور "بادشاہ نامہ المعروف عملِ صالح" "مفاد و منات عالمگیری" "سفر نامہ برنیر مترجمہ خلیفہ محمد حسین وزیر پٹیالہ" "تاریخ ہندوستان" مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب "سلسلۂ عالیہ" "المشاہیر" وغیرہ وغیرہ کتابوں میں دیکھنے چاہئیں۔

(۵) غیرت و حمیت مشہور واقعہ ہے کہ جب "حضرت مصعبؓ" کے پاس "میدان دیر جاثلیق" میں آپ کے صاحبزادے "عیسیٰ" اور صرف چند افراد کے سوا کوئی نہ رہا تو "عبد الملک بن مروان" نے پہلے اپنے بھائی "محمدؒ" کو آن کے پاس بھیجا اور پھر خود جا کر ان سے میدانِ جنگ سے واپس چلے جانے کی درخواست کی۔ اور اپنی درخواست میں الحاح و زاری سے بھی کام لیا۔ مگر آپ نے یہ موقع حاصل ہونے پر بھی کہ واپس جا کر۔۔۔ اپنی قوت فراہم کرکے اور اپنے جری و مشہور سپہ سالاروں کو "ایران و خراسان" وغیرہ سے بلا کر بآسانی "عبد الملک" کی حکومت کو زیر و زبر کر سکتے تھے۔ "صرف اس خیال سے کہ قریش میں آپ کے میدانِ جنگ سے ہٹنے کا چرچا ہو جائے گا" لڑ کر جان دیدینی گوارا کر لی اور میدان سے قدم ہٹانا گوارا نہیں کیا۔ اور "عیسیٰ" نے بھی اسی غیرت و حمیت کی وجہ سے کہ قریش کی عورتیں کہیں گی "تم نے اپنی جان بچانے کے لئے باپ کا ساتھ چھوڑ دیا" میدان سے قدم نہیں ہٹایا۔ اور بے شمار فوجوں سے جنگ کرکے وہ بھی شہید ہو گئے۔

ہم نے جناب منشی فیض احمدؒ صاحب مؤلف المشاہیر کے حالاتِ زندگی کو نظم کر دیا ہے۔ اس موقع پر اس نظم کا وہ ٹکڑا پیش کرتے ہیں جس میں کیریکٹر کی دیگر خوبیوں کے ساتھ آپ کی غیرت اور حمیت کا ایک خاص واقعہ بھی ہے۔ اور جس کے دیکھنے سے اچھی طرح معلوم ہوگا کہ جب زر و نقد کو دیکھ کر بڑے بڑے لوگ بلا تامل کے ہاتھ پسار دیتے ہیں۔ بلکہ اُس کے حصول کے لئے ناجائز طریقے تک اختیار کرتے رہتے ہیں۔ تو آپ اپنی غیرت و حمیت کی وجہ سے کس طرح ثابت قدم رہے۔

نام فیض احمدؒ کا جب آتا ہے ان ہونٹوں تلک ۔۔۔ نطق فوراً لیتا ہے بوسے دہن کے ہم نشین
تھے پسر ولدار احمدؒ کے وہ ایک عالی خیال ۔۔۔ غیرت و ہمت حمیت اُن میں تھی اعلیٰ ترین
بالیاقت۔ ذی فہم۔ بیحد خلیق۔ اور خوش مزاج ۔۔۔ ذی قناعت۔ اور سخی۔ پُر حوصلہ۔ خندہ جبین
وہ اعزا کی مدد کرنے میں تھے فردِ فرید ۔۔۔ حبِ قومی کی تڑپ رکھتے تھے دل میں جاگزین
اُن میں تھی مہر و مروت۔ اور سچائی بہت ۔۔۔ تھے کدورت سے مبرا۔ پکے دل ۔ بیحد امین
رکھتے تھے مہمان کے۔ آرام کا ہر دم خیال ۔۔۔ خاطریں کرتے بہت کھانے کھلانے بہترین
اُن کو قرآں کی تلاوت میں تھا کچھ ایسا شغف ۔۔۔ جس کی تمثیلوں سے خالی ہے زمان اور یہ زمین
خود انھوں نے لکھا ہے کہ "باپ کو میرے مرے ۔۔۔ ہو گئے ہیں سال سولہ پر رہا ہرگز نہیں
کوئی دن خالی۔ سفر میں۔ اور بیماری میں بھی ۔۔۔ پڑھ کے قرآں جبکہ میں نے باپ کو بخشا نہیں"

تھے وہ پابند صلوٰۃ و صوم آبا کی طرح
سب فرائض کو ادا کرتے تھے وہ احسن ترین

نوکری کر لی تھی "اب" وکالت کا پیشہ چھوڑ کر ۔۔۔ تھے وہ عہدہ دار پرمٹ کے بہت لائق ترین
تھا تدین اُن میں اعلیٰ۔ تھے مؤدب کار دان ۔۔۔ سارے افسر کرتے تھے توقیر اُن کی بہترین
ایک افسر سے کبھی دیکھی جو کچھ توقیر میں ۔۔۔ دیدیا استعفا پروا نوکری کی کی نہیں

اپنی اس اکیس۲۱ سالہ نوکری کو چھوڑ کر
وہ رہے آکر وطن میں دو برس خانہ نشین

گورنر بہار

دہ عزم جس کی شجاعت کا بہت شہرہ تھا — سامنے سے ترے بھاگا دلِ حیران کے ساتھ

سرکشی رام پونڈ نے دکھائی جس وقت — تو نے آوارہ اُسے کر دیا نقصان کے ساتھ

جب گیا لشکرِ جرار کو اپنے لے کر — ہل گیا سارا دکن دولت برہان کے ساتھ

قلعہ سیوانہ لیا فتح کیا کوسلیر — تاکہ راجاؤں کو عبرت ہو دل و جان کے ساتھ

ملک بنگالہ و آسام و اڑیسہ تو اودھ — تو نے گجرات فتح کر لیا ملتان کے ساتھ

بسر پر مستقل ہوا۔ زین خان مشکل سے بچا — جب لڑائی ہوئی یوسف زئی افغان کے ساتھ

ایسے وقت کی ہر سمت سے شاہنشاہ کبیر — پڑ گیا رنج میں اندوہ میں حرمان کے ساتھ

تو نے یوسف زئی اقوام پہ حملہ کر کے — چُور و رنجور انہیں کر دیا خسران کے ساتھ

یادگارِ فتحِ کشمیر کا قصہ تیرا — کوئی بھولے گا نہیں کہتا ہوں ایقان کے ساتھ

جب کسی جنگ میں عاجز ہوئے سارے قائد — تو نے جاتے ہی فتح کر لیا ایک شان کے ساتھ

تیری فوجوں کی شجاعت کا بھلا کیا کہنا — سب ہی مست آگے بڑھے رہے طوفان کے ساتھ

ایک دن بھی نہیں آرام سے بیٹھا گھر میں — کیسی رغبت تھی تجھے جنگ کے میدان کے ساتھ

مقبوضہ شاہ کشمیر جس کی لڑائی شہباز [illegible]

تو تھا رستم سے سوا۔ ترے مقابل جو ہوا
ہو کے پامال ملا۔ ریگِ بیابان کے ساتھ

تو نے بے قاعدہ فوجوں کو مرتب کر کے — کیا احسان کیا مغلیہ ایوان کے ساتھ

ہند کی منتشر اقوام کو یکجا کر کے — منسلک تو نے کیا مغلیہ ایوان کے ساتھ

جس تمدن سے کہ آنکھیں ہوئیں سب کی خیرہ
تو نے بنیاد رکھی تھی سر و سامان کے ساتھ

تھا اگرچہ افضل سادات بھی حاسد تیرا — ہر ادا تیری نرالی تھی بڑی آن کے ساتھ

حاسدوں کی کبھی پروا نہیں کی تو نے
واسطہ تجھ کو رہا اپنے ہی ایمان کے ساتھ

(ج) شیخ گدائی کے خاندان کے ایسے شجاع سرداروں کی ہندوستان میں تعداد کثیر ہے اور اس امکان سب کے تھوڑے تھوڑے حالات کے لکھنے کا بھی موقع نہیں ہے۔

(۱) شیخ مجاہد خان شہید کوتپیر (۲) مجاہد خان کے دادا محب علی خان

(۳) مبارز خان شہید ابن نواب عمادالملک بیرم شرشاہ سوری۔ (۴) شہباز خان ثانی پسر محمود خان شہید بر قلعہ قندھار۔

(۵) دولت خان شہید در سید لکھ پڑپوتے مدار خان نائب گورنر لاہور۔ ابن کلاں شہباز خان ثانی شہید۔

(۶) محمد سعید خان کوہی شہید بجنگی جنگل بن [illegible] سرکار دریا پور متعلق صوبہ ملتان پانچوں پشت میں حضرت مخدوم شیخ [illegible] کے پوتے۔

(۷) محمد علی شہید در [illegible] ابن محمد سعید خان شہید (۸) محمد خان پسر خورد محمد سعید خان شہید۔

(۹) محمد حسب خان شہید [illegible] پسر کلاں محمد خان۔ (۱۰) بہادر خان فاتح سندھ [illegible]

(۱۱) محمد مسیح اللہ طیب نواب خیر اندیش خان ثانی (۱۲) زین الدین خان شہید در گجرات خویش نواب شہباز خان

(۱۳) محمد صالح شہید در آسام (۱۴) اظہر حسین شہید در قصبہ بہادر [illegible] پسر شاہ بخش [illegible] اور دیگر بزرگوں کی فہرست [illegible]

"نجھی" نے انہیں اجازت دیدی" مگر انہیں یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کیوں "مدینہ" جا رہے ہیں" انہوں نے "(عیسٰی ابن مصعب الملقب خضیر" نے) ریاح بن عثمان بن حیان المری (عباسی گورنر مدینہ) اور اُس کے بھائی کو زبردستی جیل میں گھسکر ذبح کر دیا۔ اور واپس آکر "محمدؒ" کو اُس کی اطلاع دی" پھر آگے بڑھکر حریف سے لڑے اور شہید ہوگئے"

طبری کی اِسی جلد کے صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ پر تحریر ہے کہ "جس روز" محمدؒ" مارے گئے" ابن خضیر" (عیسٰی) کے ہمراہ تھے" ابن قحطبہ نے" اُنہیں امان کی دعوت دی" اور بہت کچھ موت سے ڈراکر" سلامتی جان کی ترغیب دی" مگر انہوں نے ایک نہ سنی" اور رجز پڑھتے ہوئے پا پیادہ حریفوں پر حملہ کرتے رہے" بڑھتے ہوئے وہ دشمن کی بڑی فوج میں گھس پڑے" وہاں کسی نے اُن کی ریڑھ کی ہڈی پر سُرین کے قریب ایسی ضرب لگائی کہ وہ جوڑ سے کھل گئے" اِس لئے اُس وقت یہ اپنی فوج میں پلٹ آئے" انہوں نے ایک کپڑا پھاڑ کر اُس کی پٹیاں اس کٹے ہوئے حصہ کو سنبھالنے کے لئے اپنی پُشت پر باندھیں" اور پھر لڑنے کے لئے آ گئے"

اِس مرتبہ کسی نے اُن کی بھوؤں پر تلوار ماری جو اُن کی آنکھوں میں پیوست ہوگئی" اِس صدمہ سے وہ گر پڑے۔ اب بہت سے لوگوں نے نرغہ کرکے اُن کا سَر کاٹ لیا" اُن کی شہادت کے بعد "محمدؒ" (نفس ذکیہ) گھوڑے سے اُتر پڑے اور اُن کی لاش پر کھڑے ہو کر لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوگئے"

خراسانیوں کا یہ حال تھا کہ جب وہ "ابن خضیر" (عیسٰی بن مصعب بن مصعب بن حضرت زبیرؓ) کو دیکھتے تو ایک دوسرے کو سُنانے کے لئے پکارتے" خضیر آمد" خضیر آمد" اور سب کے سب اُن کے مقابلہ سے ہٹ جاتے تھے"

(الف) اب شیخ گدائی کے اہل خاندان کی شجاعت و بے پناہ دلیری و بہادری کا شمہ حال ہندوستان میں ہم دکھاتے ہیں" ابوالفضل" جو شاہنشاہ اکبر کو "دین الٰہی اکبر شاہی" کی وحی پہنچانے والا سب سے بڑا فرشتہ تھا۔ اور اس وجہ سے کہ "دین الٰہی" کی تبلیغ پر "نواب شہباز خاں" نے "شاہنشاہ اکبر" سے تیز و تند کلام کئے تھے" اور اس دین کے دوسرے فرشتے "راجہ بیربر" کو "شاہنشاہ" کے سامنے بھرے دربار میں ایسا ڈانٹا تھا جس سے صحبت بدمزہ ہوگئی تھی" "ابوالفضل" نواب شہباز خاں کا سب سے بڑا دشمن تھا"

اِس دشمنی پر بھی "ابوالفضل" کو "نواب شہباز خاں" کے دین اسلام پر سختی کے ساتھ قایم رہنے اور "دین الٰہی اکبر شاہی" کی تبلیغ پر جو انہوں نے پھٹکار بتائی اُس کا رونا رونے کے سوائے۔ کوئی چارہ نہ دیکھکر مجبوراً اُن کی وفاداری اور عدیم النظیر شجاعت و بہادری کی تعریف ہی لکھنی پڑی" چنانچہ اکبر نامہ جلد سوم کے صفحہ ۵۱۸ پر تحریر ہے کہ"

"در ہیچ گونہ پرستاری" و سربراہی سپاہ کم ہمتا بود" اگر تقلید پرستی وا نہشتے" و زبان را بہ ہنجار نہ کشودے" طرز فرد رسید گی بر گرفتے"

ہر پہلو سے وہ وفاداری اور سپاہ کے منظم کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اگر تقلید پرست نہ ہوتے (یعنی دین اسلام پر قایم نہ رہتے اور دین الٰہی اکبر شاہی اختیار کر لیتے) اور زبان کو قابو میں رکھتے تو اور ترقی کرتے"

جب کسی جنگ میں سب سردار و سپہ سالار عاجز ہو جاتے تب نواب شہباز خاں بھیجے جاتے اور جاتے ہی فتح کر لیتے تھے" آپ کی فتوحات کے حالات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں" اِس موقع پر ہم اپنی غیر مطبوعہ اُس نظم کے ایک ٹکڑے سے جو نواب شہباز خاں کے تقریباً تمام سوانح حیات پر محیط ہے" اُنکی فتوحات کی کچھ جھلک دکھائے دیتے ہیں ؎

کیا لیاقت تھی میری وصف جو تیرے لکھتا — یہ تصرّف ہے تیرا کہتا ہوں ایقان کے ساتھ
تیرے اوصاف نے پیدا کیا ہیجان مجھ میں — تُو نے کیا کر دیا میرے دلِ نادان کے ساتھ
اللہ اللہ تیرے حملے تھے سیلاب فنا — بہ گئے جس میں سبھی راناؤ افغان کے ساتھ
راجپوتانہ کے راجوں نے بغاوت جب کی — تُو پکڑ لایا اُنہیں لشکر و سامان کے ساتھ
مرزا "بابائی گورنر لودھ" مرزا "خوردی" نے تیری تیغ کا چکھا جو مزا — پیٹھ کر بھاگ گیا وہ بڑے حرمان کے ساتھ

جانے کا موقع مل گیا تھا لیکن بصرہ پہنچ کر گرفتار کر لئے گئے۔ آپ کو المنصور کے پاس لایا گیا۔ لوگوں نے عثمان کو سامنے لا کر کہا کہ یہ عثمان بن محمد بن خالد ہیں۔ ابو جعفر منصور نے آپ سے پوچھا کہ وہ سرکاری روپیہ جو تمہارے پاس تھا کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ میں نے امیر المومنین رحمۃ اللہ علیہ کو دیدیا۔ ابو جعفر نے پوچھا کہ امیر المومنین کون؟ عثمان نے کہا محمد بن عبد اللہ۔ ابو جعفر نے کہا تو نے اس کی بیعت کی تھی۔ تو بھی محمد کے ساتھ مل کر مجھ پر خروج کرنے والا ہے۔ عثمان نے کہا ہاں میں نے ان کی بیعت کی تھی جس طرح تو نے بیعت کی تھی۔ میں نے اپنی بیعت پوری کی۔ اور تو نے اپنی بیعت توڑ دی۔ یہ سنکر ابو جعفر نے عثمان کو ابن اللخنا یعنی فاحشہ زادہ کہا۔ عثمان بولے یہ تو وہ ہو گا جس کی مائیں لونڈیاں ہوئی ہیں۔ یعنی ابو جعفر منصور (جو بربری لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔) اس پر ابو جعفر بے حد برافروختہ ہو گیا۔ اور اس نے عثمان کے قتل کا حکم دیدیا۔ لوگ انہیں پیچھے ہٹا لے گئے اور ان کی گردن ماردی۔

طبری کی اسی جلد کے صفحہ ۲۴۳ پر ہے کہ ابو جعفر نے عثمان کو تو قتل کر دیا مگر بہت سے دشمنوں کو چھوڑ دیا۔ اس پر عیسیٰ بن موسیٰ نے ابو جعفر سے کہا کہ حساب والا یہ کہاں لوگوں سے زیادہ حقدار رہتے تھے۔ ابو جعفر کہنے لگے ہاں مگر میرے گھرانے والے ہیں۔ یعنی دعویدار سلطنت تھے۔

(الف) اس عثمان بن محمد بن خالد بن حضرت زبیرؓ کی اس جیسی آزادی گوئی کے مقابلے میں یہ واقعہ دیکھنا چاہیے کہ جب اکابرین اہل حق بالمسلسل حضرات شمول سادات نے بھی مجالِ دم زدن نہ پا کر تدین الٰہی اکبر شاہی کے آگے اپنے سر خم کر دیئے تھے۔ اور وہ سروقت لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کا کلمہ پڑھنے لگے تھے۔ تو ایسے نازک زمانے میں شیخ گدائی کے خاندان میں سے کوئی ایک فرد بھی کسی ترغیب و تحریص اور خوف سے متاثر نہیں ہوا۔ بلکہ یہ خاندان بدستور اپنے مسلک پر قائم اور علوم اسلام کی اشاعت میں استقامت کے ساتھ مصروف و مشغول رہا۔

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ جب کسی کو بھی مجالِ دم زدن نہ تھی۔ اس وقت شیخ گدائی کے ایک عزیز نواب شہباز خان کنبو نے اسی مضمون سے دین الٰہی اکبر شاہی کے تلقین کرنے پر اپنی جان کی مطلق پروا نہ کر کے شہنشاہ اکبر سے سخت کلام کئے تھے۔ اور راجہ بیربر کو سیخ پا کر دیا تھا۔ بیربل اٹھے پاس تقی سے ڈانٹا تھا کہ مجلس شاہی میں ان کے اس طرزِ عمل سے ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ اور اسی واقعہ سے متنبہ ہو کر شاہنشاہ اکبر کو اپنی تحریکوں سے کنارہ کرنا پڑا تھا کہ دین الٰہی کے کلمہ کو چپکے چپکے پڑھا کریں۔ اور قلعہ کی چار دیواری کے اندر رکھا کریں۔

(۳) شجاعت

مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابن زبیرؓ میں تحریر ہے کہ اس عہد کے ایک مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ سے آپ زمانہ کے بہادروں کے نام پوچھے گئے تو اس نے حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ۔ عمر بن عبید اللہ۔ اور عباد بن حصین کے نام بتائے۔ پوچھنے والے نے کہا حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ کا نام تو تم نے لیا ہی نہیں۔ مہلب نے کہا کہ ہم انسانوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ جنوں کا ذکر نہیں کرتے۔

حضرت عبد اللہ بن حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت زبیرؓ کے بیٹوں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ میں سے کون زیادہ بہادر تھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا دونوں بہادر تھے۔ دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں گھس گئے تھے۔

۱۴۵ھ ہجری میں حضرت زبیرؓ کا سارا خاندان محمد نفس ذکیہ کی حمایت میں لڑا تھا جس کی تعداد کل تین سو تھی۔ اور ان کے ماسوا چند مددگار بھی تھے لیکن ان کے مقابلہ میں ابو جعفر منصور عباسی کی فوج چالیس ہزار تھی۔ ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول کے صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۱ پر تحریر ہے کہ سلیمان بن فلیح کا موقع بیان کرتا ہے کہ جب ہم مدینہ کے لئے تو ابراہیم بن جعفر بن حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ نے بطور طلیعہ ہمارے یہاں آئے۔ انہوں نے ہمارے پہلے پہاڑ کا چکر لگایا۔ اور پھر واپس چلے گئے۔ ان کی جرأت سے ہم لوگ مرعوب ہو گئے۔ یہاں تک کہ خود عیسیٰ اور حمید (سپہ سالار لشکر منصور عباسی) بھی ان کی دلیری پر تعجب کرنے لگے کہ صرف ایک شخص تن تنہا اپنی فوج کے طلیعہ کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول کے صفحہ ۲۲۷ پر ہے کہ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ محمد نفس ذکیہ بن عبد اللہ کے ساتھ مصعب بن حضرت زبیرؓ کے پوتے ابن حصین یعنی عثمان بن مصعب بن حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ تھے جو بعد کو قتل مارے گئے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے ساتھیوں میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اور ہمارے ان کا صفایا کر دیا ہے۔ انہوں نے محمد سے کہا کہ مدینہ ہی کی امارت لیں

ہم چناں بود۔ درمیان ملا و او فرق یک وجب بود۔ ملا بفراست دریافت کہ مرد کامل است۔ پرسید۔ از کجا مے آئی۔ گفت از ہندوستان۔ گفت از سخنان جمالی چیزے بخاطر داری۔ ایں شعر بخواند ۔

مارا ز خاک کویت پیراہنے ست بر تن
آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

فرق ہے۔ مخدوم جمالی نے کہا ایک بالشت۔ اور حقیقت میں ایسا ہی تھا کہ جامی اور اُن کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ تھا۔ ملا جامی نے عقل سے معلوم کر لیا کہ مرد کامل ہے۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو کہا ہندوستان سے۔ جامی نے کہا جمالی کے کچھ شعر یاد ہیں۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا ۔

مارا ز خاک کویت پیراہنے ست بر تن
آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

مولوی بگریست و طلب نام او کرد۔ گفت۔ جمع مالا۔ مولوی پے برد کہ ایں مولانا جمالی است۔ فرمود ازیں عبارت لفظ جمال خود مفہوم میگردد یائے باقیست۔ گفت۔ و عددہ۔ چوں بر مولوی خوب معلوم شد کہ مولانا جمالی است۔ در کنار گرفت و بہ انواع ملاطفت پیش آمد۔

مولانا جامی رو دئے اور آپ کا نام پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ جمع مالا[علے]۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ مولانا جمالی ہیں۔ فرمایا کہ اس عبارت سے لفظ جمال تو معلوم ہو گیا۔ مگر (ی) باقی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ و عددہ۔

حضرت رسالت مآب صلعم کے حضور میں مخدوم شیخ جمالی کے شعر کی مقبولیت

و ایں شعر او مقبول جناب رسالت مآب است ۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمے

اور یہ شعر اُن کا جناب رسالت مآب صلعم کے پاس مقبول ہے ۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمے

(۳) موت کو سامنے دیکھکر بھی اس سے بیخوفی اور سچ بات کہنے میں استقامت و بیباکی

یزید کی بیعت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رض سے حضرت عبداللہ بن زبیر رض کی گفتگو۔ اور ہر طرح کی ترغیب و تحریص کے بعد جان کا خوف دلانے پر بھی حضرت عبداللہ بن زبیر رض کے یزید کی بیعت سے قطعاً انکار کر دینے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رض کی وفات کے بعد یزید سے آپ کے مقابلہ کے حالات سے ہر کوئی واقف ہے۔

۱۴۵ھ ہجری میں محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن رض بن حضرت علی رض کی حمایت میں خاندان حضرت زبیر رض کے۔ ابو جعفر منصور عباسی کی کثیر التعداد فوج سے جنگ کرنے کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ محمد نفس زکیہ کی فوج کے علمبردار عثمان بن محمد بن خالد بن حضرت زبیر رض تھے۔

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول کے صفحہ ۲۴۶ پر اور ترجمہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد پنجم کے صفحہ ۱۳۹ پر عثمان بن محمد کی گرفتاری۔ منصور عباسی سے گفتگو اور پھر شہادت کا حال اس طرح تحریر ہے کہ۔

عثمان بن محمد بن خالد بن الزبیر رض کو جو لڑائی میں سخت زخمی ہو گئے تھے۔ محمد نفس زکیہ کے شہید ہو جانے کے بعد بصرہ کی طرف نکل جانے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن بصرہ پہنچکر آپ پکڑے گئے۔ آپ کو المنصور کے پاس لایا گیا۔ لوگوں نے عثمان کو سامنے کر کے کہا کہ یہ عثمان بن محمد بن خالد ہیں۔

(نوٹ علے) جمع مالا میں جمع میں جا سے مراد حرف جیم ہے اور مالا سے مراد لفظ مالا جا ہوا تھا اور لا سے مراد حرف لام ہے یعنی جیم کو ما اور لام میں ڈالدو تو جمال ہوا۔ مولانا جامی نے کہا کہ اس معمہ میں غلطی باقی رہ گئی ہے پورا نام نہیں نکلتا۔ آپ نے فرمایا مع عددہ۔ یعنی عدد کے شمار سے یا نکلتی ہے۔ مخدوم صاحب نے عمداً اپنا نام جمالی بتایا اور اس معمہ کی ترکیب میں حرف یا کو ایسا پوشیدہ کیا کہ بغیر بتائے کوئی پتہ نہ پا سکتا تھا۔ عددہ کا حل یہ ہے کہ جیم میں سے جو حرف شمار ہو خواہ عدد ہو اور جمع مالا کے دو ہجے کے سات حرف ہیں۔ اب سات نہیں دس ہو گئے اور یا کے عدد دس ہیں۔ لہذا جمالی ہوا۔ جامی اس فقرے پر کبھی کھڑے ہوئے تھے اور اُن کو جب یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ یہ خود جمالی ہیں۔ تو اٹھکر بغلگیر ہوئے اور بے تکلف ہو گئے۔

(الف) شیخ گدائی کے بیٹے نواب شہباز خاں کے جدِ ششم حاجی جمالی رحمۃ کی ذہانت کا واقعہ: مآثر الامرا جلد اول کے صفحہ ۹۹
پر اور تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال نامہ اکبری مؤلفہ خاں بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی کے صفحہ ۹۵۲ میں نواب
شہباز خاں کے حال میں اس طرح تحریر ہے کہ شہباز خاں کے جدِ ششم حاجی جمال مخدوم بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے مرید تھے۔ کہتے
ہیں کہ ایک درویش نے مخدوم سے سوال کیا کہ للہ ہر پیغمبر کے نام لینے پر مجھے ایک اشرفی دو۔ مخدوم صاحب متفکر ہوئے کیونکہ پیغمبروں کا شمار لاکھوں تک
ہے۔ اس کا سوال پورا کر سکتے تھے نہ معافی دوسی کے واسطے دلاتے۔ ایسے شیخ وقت اور صوفی واصل بحق کو میسر انکار کا محل تھا۔ حاجی صاحب نے
کہا کہ مجھے حوالے کیجئے اور درویش کو اپنے گھر لے گیا۔ اس سے کہا نام ایک ایک پیغمبر کا اپنی زبان سے کہتے جاؤ اور ہر اسم ایک اشرفی لیتے جاؤ۔ درویش
دس بیس پیغمبروں کا نام اور اشرفیاں لے کر ساکت رہا اور معترف قصور ہو کر خوشی خوشی رخصت ہوا۔

حضرت مخدوم اس عاقلانہ تدبیر کو سن کر حاجی صاحب کی دانائی سے بہت محظوظ ہوئے۔ اور دعا دی کہ تمہاری قوم میں کوئی ضعیف العقل نہ
ہو۔ چنانچہ اکثر اس فرقہ کے آدمی ہوشمند ہوتے ہیں اور ذہن اور ہوشمندی میں مشہور ہیں۔ یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ عربوں کی قوت حافظہ بہت
بڑھی ہوئی تھی چنانچہ وہ بڑے بڑے قصیدے ایک بار سن کر یاد کر لیا کرتے تھے اور سوائے شیخ گدائی کے خاندان کے مؤرخین نے کسی دوسرے خاندان کی ذہانت و
ہوشمندی کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

(ب) نواب سبحان علی خاں رہیری کمبوہ تھا اور منتاج الدین حسین خاں رہیری کمبوہ شاہ اودھ کی سلطنت میں بادشاہ گر
ہوئے ہیں۔ شاہانِ اودھ کی مراسلت شاہانِ ایران سے ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ سبحان علی خاں رہیری کمبوہ نے بادشاہ ایران کو
پیر و مرشد لکھ دیا۔ وہاں سے اعتراض ہوا کہ لفظ پیر و مرشد جناب امیر علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے۔ اودھ کے بادشاہ نے گھبرا کر
سبحان علی خاں کو جواب دینے کا حکم صادر کیا۔ سبحان علی خاں نے تحریر کیا کہ آپ صاحب زبان ہیں مجھے آپ کے اس اعتراض پر تعجب ہوا۔ ہم
لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ پیر و مرشد کا لفظ جناب امیر علیہ السلام کے لئے تحریر کیا جاتا ہے۔ یہاں سے پیر و مرشد نہیں لکھا گیا ہے۔ بلکہ
"پیرِ و مرشد" لکھا گیا تھا۔

غرضکہ شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کی ذہانت کے ایسے ہی بہت سے واقعات کتابوں میں تحریر ہیں جنہیں طوالت کے خوف سے یہاں نہیں
لکھا جا سکتا۔ مختصر یہ ہے کہ آج بھی کوئی خاندان اس خاندان کے معاملہ میں تعلیم یافتہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا جس میں تقریباً سو فیصدی تعلیم یافتہ
ہیں اور بڑی بڑی تعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے میں بھی اسے امتیاز خاص حاصل ہے۔

(۲) خودداری و بیباکی

مولانا جامی رح۔ کی بزرگی اور نازک مزاجی مشہور ہے۔ آپ کی بزرگی کی وجہ سے بڑے بڑے بادشاہ آپ کے آستانے پر
سر نیاز خم کرتے تھے۔ جب شیخ گدائی کے والد بزرگوار مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ ہرات پہنچے۔ دراز سفر سے
پریشان حالت تھی اور قلندرانہ صورت تھی۔ ایک تہبند کے سوا بدن پر دوسرا لباس نہ تھا گرد آلود ہوئے تھے۔ سفر میں اس وقت آسانیاں نہیں
جو ہم کو آج حاصل ہیں۔ نہ ریل تھی نہ موٹریں تھیں نہ لشکر میں کہیں گاڑیوں کا وجود تھا۔ سڑکوں کی کشادگی تھی نہ راستوں کی صفائی۔ سفر اس وقت سقر
کا نمونہ تھا۔ غرضکہ اسی حالت اور اسی صورت سے آپ سلام و علیک کر کے مولانا عبدالرحمن جامی رح کے پاس جا بیٹھے۔ مولانا جامی جیسے عالی
دماغ شاعر کی طبیعت پر بار گزرا اور یہ ترک مجلس تھے۔ آپ کی اس جرأت و بیباکی کو ناپسند کر کے ناک بھوں سکیڑی اور فرمایا کہ "خر و تو چہ فرق است" آپ نے
بالشت بیچ میں رکھ دی۔ اب تو مولانا جامی بہت چونکے ہو لے شک یہ بھی کوئی چیز ہیں۔ ذکر رفقا کے صفحہ ۱۳۲۵ تا ۱۳۲۷ میں ہے کہ مخدوم شیخ جمالی
قدس سرہ کے حالات میں یہ واقعہ ان الفاظ میں تحریر ہے کہ۔

در تذکرہ علی قلی خاں نوشتہ آنحضرت مخدوم شیخ جمالی رحمہ
در ہرات بہ ملاقات جامی رفت و بر دیگ نزدیک نشست ملا تحمل
بے ادبی یاد کرد گفت خر و تو چہ فرق است گفت یک وجب ...

تذکرہ میں علی قلی خاں نے لکھا ہے کہ آنحضرت مخدوم شیخ جمالی
ہرات میں ملا جامی کے ملاقات کو گئے اور فرش پر ان کے پاس بیٹھ گئے
جامی صاحب نے بے ادبی کو خیال کر کے ان سے کہا گدھے اور تم میں کتنا

کو طلب کرتے ہیں" اور کسی طرح بھی اُن کی خاندانی روایات و شجروں کو بغیر ان شہادتوں کے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں" خدا کی شان ہے کہ اُن کی یہ خواہش کیسے عمدہ طور سے پوری ہوتی چلی جا رہی ہے" ہم نے اس قدر ڈھیر ان مطلوبہ شہادتوں کے اُن کے سامنے لگا دیئے ہیں جن کی فراوانی سے ان کا بوکھلا جانا تعجب خیز نہ ہوگا"

اب ہمیں یہاں صرف اسی قدر بتانا ہے کہ" مؤلف امروہوی نے اس بیان کے مقابلہ میں جس میں انہوں نے تحریری طور سے عباسی خاندان کے کچھ افراد کے" اُن کی شرافت نسبی کی وجہ سے" ادارات شرعیہ پر مامور ہونے اور بادشاہوں کے معلم مقرر کئے جانے کو گویا کسی سید ہی کے سہی۔ صرف اپنے جریدہ بیانی سے ظاہر کر دینا ضروری خیال کیا ہے" تو شیخ گدائی کے بزرگوں کے آستانے پر حاضر ہو کر بادشاہوں کے سر نیاز جھکانے اور اُن کے قدموں پر اپنا سر رکھ دینے" سادات میں سے بھی حضرت سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ جیسے بزرگ کے اُن کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ العزیز" کی پالکی کو اپنے کاندھوں پر سر بازار اُٹھا لینے" اور اُن کے گھرانے میں کثیر التعداد" اولیاء کرام" علماء" فضلاء" علوم باطنی و ظاہری" کی یونیورسٹی کے پرنسپل" محافظ دین متین" بادشاہوں کے ندیم و ہمراز" شہزادوں کے اتالیق" وزراء" امراء" صدر الصدور" یا شیخ الاسلام" گورنر و سپہ سالار" ہوتے رہنے" نیز ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے خدمات شرعیہ پر موروثی طور سے مامور رہتے چلے آتے" بلکہ ہر زمانہ میں ان اوصاف سے متصف ہوتے آنے کے) جو شواہد تواریخوں سے ہم نے پیش کئے ہیں" انہوں نے" شیخ گدائی" کے خاندان کے" علوئے حسب و نسب" اور مرتبت و شان" کے چراغ کو" ایسا روشن کر دیا ہے" جس کو کسی بھی حاسد کی پھونک کسی طرح نہیں بجھا سکتی"

شیخ گدائی کے اہل خاندان کے اوصاف

اب ہم یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو اوصاف" استقامت و پاس مذہبی" وفاداری و خودداری" حق پسندی و حق شناسی" مہر و مروت" امانت و دیانت" اخلاق و تواضع" اتقاء و پرہیزگاری" خلوص و وفاداری" ارادہ کے استحکام" غیرت و ہمت" شجاعت و سخاوت" ذہانت و فطانت" بیخوفی و بیباکی" بردباری و راست بازی" تبحر علمی" فراخ حوصلگی" جراءت و ہمت" دانش و بلاغت" معقول و ترویج علم و حکمت" عزم و بلند ہمتی" وغیرہ وغیرہ کے حضرت زبیرؓ" اور آپ کے صاحبزادوں میں تھے" اس کی جھلک ہر زمانہ میں اس خاندان کے افراد میں برابر نمایاں رہی ہے" اور آج بھی دیکھی جا سکتی ہے"

(۱) ذہانت — مستدرک حاکم جلد تین کے صفحہ ۵۴۹ پر اور سیر الصحابہ کے صفحہ ۲۹۲ پر تحریر ہے کہ" امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے ہم عصروں سے فائق تھے" عہد صحابہؓ میں ایسے افراد مشکل سے نکلیں گے جو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں سے واقفیت رکھتے ہوں" لیکن یہ امتیاز حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حاصل تھا کہ آپ متعدد زبانوں کے ماہر تھے" اور اُن میں آپ آسانی سے گفتگو کر سکتے تھے" آپ کے پاس مختلف اقوام کے بہت غلام تھے" جن کی زبانیں مختلف تھیں" حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" سب اُن کی مادری زبانوں میں گفتگو فرماتے تھے"

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول کے صفحہ ۵۲۲ و ۵۲۳ پر" ایک زبیری کی ذہانت" کی سرخی دیکر یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ" علی بن محمد بن سلیمان" اپنے باپ کی روایت بیان کرتا ہے کہ" ایک دن" مہدی" (بن ابو جعفر عباسی) استغاثے سننے کے لئے دربار میں بیٹھے" آل زبیرؓ" کے ایک شخص نے بڑھ کر عرض کی کہ ہماری جائداد کو" بنی امیہ" کے کسی بادشاہ نے ضبط کر لیا" وہ ولید ہے یا سلیمان" مہدی" نے" عبداللہ" کو حکم دیا کہ دیوان میں اس کا داخلہ دیکھو" اُس نے دیکھ کر" مہدی" کو سنایا کہ مثل دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ مسئلہ بنو امیہ کے کئی خلفا کے سامنے حتٰی کہ عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بھی پیش ہوا تھا" مگر کسی نے اس جائداد کو واگذاشت نہیں کیا" یہ معلوم کر کے مہدی نے مستغیث سے کہا کہ" اے زبیری جبکہ عمر بن عبدالعزیز تک نے جو تمہارے بھائی عزیز قریش تھے" اس کی بحالی مناسب نہ سمجھی" تو اب میں اس باب میں کیا کر سکتا ہوں" اُس نے زبیری نے کہا" تو کیا عمر بن عبدالعزیز کی تمام باتیں پسندیدہ تھوڑی تھیں" مہدی نے کہا وہ کیسے" زبیری نے کہا" اُن کا تو یہ حال تھا کہ بنی امیہ کے نوزائیدہ بچہ تک کی نہایت بیش عطا مقرر کرتے" اور بنی ہاشم کے شیوخ کی عطا صرف ساٹھ مقرر کرتے" مہدی نے اپنے وزیر سے کہا" اے معاویہ" تم بتاؤ۔ کیا عمر بن عبدالعزیز" ایسا ہی کرتے تھے" اُس نے کہا جی ہاں" مہدی" نے کہا" اچھا تم اس زبیری کو جائداد واپس دیدو"

لیکن انہوں نے عباسیوں کے اپنے خاندانی شرف کی رو سے خاندانی مناصب شرعیہ یعنی قاضی و مفتی و خطیب مقرر کئے جاتے رہے اور بادشاہوں کے معلم ہونے کا جو دعویٰ اپنے بیان میں کیا ہے اس کے ثبوت کے لئے وہ کوئی سند کسی تاریخ سے اپنے بزرگوں کے ان عہدوں پر مقرر کئے جانے کی پیش نہیں کر سکے۔ کسی تاریخ میں اُن کا حال ہوتا تو ضرور پیش کرتے اور جہاں انہوں نے ایک آدھ نام لکھا بھی ہے تو اس کی کیفیت خواجہ حسن نظامی اور مصنف کتاب البیرونی کے مندرجہ ذیل بیانات سے بخوبی معلوم ہوتی ہے۔

مؤلف صاحب کا دھوکہ یعنی عثمانی کو عباسی ظاہر کرنا

کتاب تاریخ امروہہ مؤلفہ محمود احمد صاحب امروہوی کے متعلق مشاہیر قوم و ملک و مشہور اہل قلم اور بعض اہل امروہہ کی رائیں جسے مؤلف موصوف کے ایک عزیز قریبی سید احمد صاحب نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں جامعہ قیصریہ پریس صدر بازار دہلی میں چھپوایا ہے۔

(۱) اس میں خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اپنے اظہار خیال میں صفحہ ۲ پر ایک فقرہ یہ لکھا ہے کہ نسب کے متعلق بعض حالات سے مجھے اختلاف ہیں جن کے متعلق آپ نے وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے۔

(۲) مسٹر سید حسن برنی بی-اے- ایل ایل-بی علیگ ایڈووکیٹ مشہور مصنف کتاب البیرونی نے جو ہندوستان کے مشہور انشاپرداز علمبردار مصنف ہونے کے علاوہ تاریخی معلومات میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں صفحہ ۶ پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے"

(الف) میں ابھی تک پوری کتاب نہیں دیکھ سکا ہوں لیکن دو ایک حواشی تصحیح طلب ہیں۔ ان جملہ صفحہ ۲ پر آپ نے لکھا ہے۔ علم ریاضی کی نادر اور مشہور کتاب قانون مسعودی ان ہی مؤرخ ابوالحسن مسعودی کی تصنیف ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے یہ کتاب البیرونی کی تصنیف ہے اور سلطان مسعود غزنوی کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے قانون مسعودی کہلاتی ہے۔

(ب) صفحہ ۵ کے حاشیہ میں آپ نے قاضی نورالدین کو عباسی لکھا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ عثمانی تھے۔ ان کا نسب نامہ میرے پاس محفوظ ہے۔

اس تصریح سے مؤلف صاحب کے پیش کردہ قاضی صاحب کے عباسی ہونے کی حقیقت خوب معلوم ہوگئی ہے۔ تلاش بسیار کے بعد بھی جب کسی تاریخ میں کوئی حال عباسیوں کا نہ مل سکا تو مجبوراً ان کو اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱ پر لکھنا پڑا کہ

> کیونکہ ہندوستانی مؤرخین کی عادت ہے کہ صرف ان ہی واقعات کو معرض تحریر میں لاتے ہیں جو ملک کی سیاسی حالت یا جنگ و جدال یا بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ کسی کسی علماء و مشائخ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ لیکن شرفاء کے مشہور اور تاریخی خاندانوں اور ان کے بزرگوں کا تذکرہ شاذ و نادر کرتے ہیں۔ ان حالات کو کم اور معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس لئے مخدوم زادگان عباسی کے اسمائے گرامی اور ان کے خاندانی حالات ان کتب تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن یہی بعض کتب تذکرہ علماء و مشائخ سے۔ جن میں بعض عباسی لوگوں کے حالات درج ہیں اور زیادہ تر خاندانی روایات سے پوری مدد ملی ہے۔ و ملی تحریرات ان خاندانوں میں چلی آتی ہیں۔

مؤلف موصوف کے اس بیان سے یہ بات قطعی طور سے معلوم ہوگئی ہے کہ انہوں نے عباسیوں کے نسبی شرف کی وجہ سے۔ ان کے ادارات شرعیہ یعنی قاضی و مفتی و خطیب اور بادشاہوں کے معلم مقرر ہوتے رہنے کا جو اظہار کیا ہے۔ وہ ایک وسوسہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اپنے بیان کے ثبوت میں وہ کسی تاریخی سند کو نہیں پیش کر سکے۔ اور خود اس بارے میں اپنی نادری و بے بسی کا اظہار کیا ہے۔ اور اس پر مزید یہ ہے کہ وہ کسی تذکرہ علماء و مشائخ سے بھی کوئی ثبوت اپنے بیان کی صداقت کے لئے نہیں لا سکے ہیں۔ مطرفہ یہ ہے کہ عباسیوں کے حال میں جس کے ایک فرد ہونے کا خود مؤلف امروہوی کو ادعا ہے۔ وہ خاندانی روایتوں ہی کو کافی سمجھ رہے ہیں۔ اور بلا تاریخی شواہد کے صرف اپنی خانہ ساز یا من گھڑت روایتوں کو باور کرانا چاہتے ہیں۔ لیکن اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۳ پر دوسرے خاندانوں سے ان کی تاریخ و نسب کے لئے تاریخی جغرافیائی اور اثری شہادتوں

رہ کر لاولد مر جانا" ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم کے صفحہ ۲۵۲و۲۵۳ء اور تنبیہ و اشراف مسعودی کے صفحہ ۲۳۵ " تاریخ ابو الفداء" تاریخ الخلفا سیوطی" تاریخ کامل ابن اثیر" اور تاریخ اسلام جلد دوم مؤلفہ مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں" نجیب آبادی کے صفحہ ۲۴۲ سے قطعی ثابت ہے" اپنے عباسی ہونے کا ادعا کیا ہے۔ اُن کا مندرجۂ بالا یہ بیان ہمارے سامنے ہے۔ جس میں انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ "خلفائے عباسیہ" کی اولاد و قرابتداروں کی اُس حیثیت کو دکھایا ہے جو مختلف اسلامی سلطنتوں اور ہندوستان میں اُن کے بنی ہاشم" اور عزیز اد گان رسول مقبول صلعم ہونے کی وجہ سے تھی" یعنی یہ کہ وہ اپنے اِس شرف کی وجہ سے قاضی و مفتی و خطیب اور بادشاہوں کے معلّم مقرر کئے جاتے تھے"

انہوں نے کسی تاریخ سے کوئی حوالہ نہ دیکر صرف ایک گمنام کتاب "مراۃ دولت عباسیہ قلمی" سے جسے کتب خانہ ریاست بہاولپور میں ہونا بتایا ہے" جو ایک روایت قسطنطنیہ کے بادشاہوں کی عباسیوں سے ارادت کی لکھی ہے" ان کی جانہ ساز ہونے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی" کیونکہ ہر تاریخداں اِس بات سے واقف ہے کہ "مغل بادشاہ ہلاکو کے ہاتھ سے تباہی بغداد کے بعد جو ایک عباسی شہزادہ وہاں سے بھاگ کر مصر پہنچ گیا تھا وہاں کے بادشاہ نے اپنی پولیٹیکل یا سیاسی مصلحت سے اُس کی ایک ایسی گدی قائم کر دی تھی جیسی کہ مختلف خانوادہ ہائے مشائخ کی گدیاں" ہندوستان میں جا بجا موجود ہیں" اِس گدی کے اٹھارہویں جانشین کو "سلطان سلیم اول قیصر روم" سنہ ۹۲۳ ہجری میں پکڑ کر اپنے ہمراہ قسطنطنیہ لے گئے تھے" جہاں وہ اور اس کی اولاد گمنامی کی حالت میں مر گئی" اور سلطان سلیم نے خلافت کا لقب خود اختیار کر لیا۔ جو اُن کی اولاد میں سنہ ۱۳۴۲ھ تک متوارث چلا آیا" اور اس زمانہ میں ترکوں نے غازی مصطفےٰ کمال اتاترک کی قیادت میں سلطان عبد المجید کو تخت سے علیحدہ کر کے خلافت ختم کر دی اور جمہوریت قایم کر لی" ظاہر ہے کہ جب ترکی سلطان خود "خلیفۂ وقت ہوتے تھے" تو وہ کسی شخص کی دستار کے اپنے سروں پر رکھے جانے کو "کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے تھے" بلکہ ہر نیا سلطان محمد خاں فاتح کے وقت سے تخت نشین ہونے پر" حضرت ابو ایوب انصاری رضی کے مزار مبارک پر جاکر اپنے مورث کی تلوار کو کمر میں باندھتا تھا" اور اس رسم کے بعد اپنے احکامات جاری کرتا تھا" کسی تاریخ میں کسی عباسی کی دستار کے کسی وقت سلطان ترکی کے سر پر رکھے جانے کا حال مذکور نہیں ہے" البتہ متذکرۂ بالا عباسی خلیفۂ مصر کا حال جس سے ترکی سلطان سلیم اول کو سابقہ پڑا تھا" ضرور تحریر ہے" اور اس سے مؤلف صاحب امروہوی کی مراۃ عباسیہ سے پیش کردہ کہانی کا جھوٹا ہونا بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے"

نام نہاد عبّاسی خلیفہ مصر کی حیثیت اور سُلطان ترکی سلیم اوّل کا اُس سے برتاؤ

علامہ سید سلیمان ندوی کے مشہور رسالہ معارف اعظم گڑھ نمبر ۵۔ جلد ۵ کے صفحہ ۳۳۶و۳۳۷ پر تحریر ہے کہ "سلیم اب اس وقت فی الواقع" مقامات مقدسہ کا محافظ ہو گیا" اُس نے قاہرہ میں ایک بے چارے بیوقوف شخص کا پتہ پایا" جو مستنصر باللہ کے نام سے پکارا جاتا تھا" جس کا وصف امتیازی یہ تھا کہ عباسی خلفاء کی دوسری شاخ کا اٹھارواں خلیفہ تھا" سلیم نے اُس پر ہاتھ ڈالا اور اس کو اُس وقت تک آزادی نہ دی۔ جب تک اس نے خلافت کے تمام حقوق سے دست برداری نہ لکھدی" اس کے معاوضہ میں سلیم نے اُس کو کچھ زر نقد اور ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا" سلیم نے تب اپنے القاب میں اِس لقب (خلافت) کا بھی اضافہ کر لیا" مگر اب خلیفہ ایک بوڑھا مسکین شیخ نہیں رہا تھا بلکہ اب وہ ایک بہت بڑی فوج کا مالک تھا جو اسلام نے اپنے قبضہ میں کبھی رکھی تھی۔ اُس دن سے اسلام اپنا صرف ایک امیر رکھتا تھا جس کے اقتدار کے ماتحت تمام سیاسی اور مذہبی امور ہیں" (ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲۴۔ صفحہ ۴۴۵و۴۴۶)

مؤلف صاحب امروہوی نے اپنے اِس بیان پر جو نوٹ دیا ہے اور جسے ہم نے اِسی سلسلہ میں لکھدیا ہے" اُس میں انہوں نے جو لفظ مولانا" کے اپنے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ لکھے جانے پر زور دیا ہے" اور اپنے بزرگوں کے ادارات شرعیہ پر مامور ہونے" نیز مسلمانوں کے عقیدت اُن سے جتائی ہے" اس کے بارے میں بھی وہ کوئی تاریخی سند نہیں پیش کر سکے ہیں" یہ محض اُن کی لن ترانی ہے"

لفظ مولانا پر زور دینے کی انہیں یہ وجہ پیش آئی کہ" امروہہ کے جس محلہ میں اُن کا خاندان رہتا ہے" وہ محلہ ملّا نا" کہلاتا ہے" اس کا سبب یہ ہے کہ اُن کے چند بزرگ مسجد میں لڑکے پڑھایا کرتے تھے" اور "ملّا کہلاتے تھے" اب یہ چاہتے ہیں کہ محلہ ملّانا" کو لوگ "محلہ مولانا" سمجھ لیں اور کہا بھی کریں" اسی لئے اپنی کتاب میں دوسری جگہ بھی مؤلف موصوف نے "محلہ ملّانا" کو "محلہ مولانا" ثابت کرنے کی کوشش بلیغ کی ہے" مگر ہمیں یہاں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے"

دبیر و مشرف ممالک تھے " جب سلطان رکن الدین " کا ظلم حد سے بڑھ گیا " تو آپ نے چند اُمراء کے ساتھ مل کر " سلطان رضیہ بنت سلطان التمش " کو تخت پر بٹھا دیا تھا " (طبقات ناصری صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۶ و تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۵۰ و ۲۵۵ و ۲۵۶)

(۲) ملک معین الملک زبیری | آپ سلطان علاؤ الدین خلجی کے اُمراء میں سے تھے " تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی " کے صفحہ ۳۶۶ پر آپ کے متعلق تحریر ہے کہ "

"و ہم در عہد علائی " سہ شخص " در علم رمل معروف " و چندیں خواندگان مشہور بودند " و از رمالان " یکے " مولانا صدر الدین لونی " و دوم " غزلی " رمال - کول " بود " سوم " معین الملک زبیری " در اظہار علم ضمیر " و کشف احکام مغیبات " دبیروں آور دن گم شدہ ساحری بامیکرد "

اور عہد علائی میں تین شخص علم رمل میں معروف اور جو کہ مشہور ہوئے۔ رمالوں میں سے ایک مولانا صدر الدین لونی " دوم (۲) غزلی " رمال کول کا تھا " سوم (۳) معین الملک زبیری " جو دلوں کی باتیں بتانے اور پوشیدہ باتوں کے ظاہر کرنے اور کھوئی ہوئی چیزوں کے نکالنے میں جادوگری کرتے تھے "

(۳) امام عز الدین زبیری | علم و فضل میں آپ کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ " ابن بطوطہ " نے جو عالم و فاضل اور دنیا کا سیاح تھا۔ آپ کو امام و فقیہ لکھا ہے " مترجم سفرنامہ ابن بطوطہ کے صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۹ پر تحریر ہے کہ " صفر ۷۴۳ھ ہجری کی سترھویں تاریخ کو دربار سلطنت محمد شاہ تغلق ہم روانہ ہوئے " اول دن ہم نے " تلپت " میں قیام کیا " جو دہلی سے سات آٹھ میل ہے " اس کے بعد " آگرہ " میں اور اس کے بعد " بیانہ " پہنچے " اس شہر کے عالموں میں سے " امام عز الدین زبیری " تھے۔ جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام " کی اولاد میں سے تھے " میری ملاقات ان سے " گوالیار " میں " ملک عز الدین ملتانی " المشہور بہ اعظم ملک " کے مکان پر ہوئی تھی "

شیخ گدائی کے بزرگوں کے ملتان سے آکر " بیانہ " میں رہنے کی وجہ

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ جب " شیخ گدائی " کے نانا " مخدوم بہاؤ الدین قدس سرہ اور مخدوم صاحب کے برادر بزرگ " مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ " نے " ملتان " سے نقل وطن کیا تھا اور اُن کے ہمراہ " شیخ گدائی " کے والد بزرگوار " مخدوم شیخ جمالی " بھی ہمراہ تھے " تو وہ ملتان " سے سیدھے " دہلی " نہیں چلے گئے تھے " بلکہ پہلے " بیانہ " تشریف لائے تھے اور وہاں کچھ مدت قیام فرمانے کے بعد دہلی تشریف لے گئے تھے " دہلی کے قیام کے بعد بھی " بیانہ سے " آپ کے تعلقات قائم رہے " چنانچہ مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ نے " پالا نہ " بیانہ " میں وفات پائی " اور وہیں آپ مدفون ہیں "

اس تحریر کی تصدیق کے لئے " سیر العارفین " اور " کتاب شجرۂ سہروردیہ " کو دیکھنا چاہئے " ظاہر ہے کہ " وطن کو چھوڑ کر کوئی شخص بھی اکثر وبیشتر وہیں جایا کرتا ہے " جہاں اُس کی قرابت قریبہ ہوتی ہے "

شیخ گدائی زبیری کنبوہی کے خاندان کے علوئے مرتبت شان کے مقابلہ میں " عباسی خاندان کی حیثیت مؤلف امر ہوی کی دکھائی ہوئی روشنی میں

شیخ گدائی کے " قریشی " زبیری النسب " ہونے کے اِن چند شواہد کے پیش کر چکنے کے بعد اب ہم " مؤلف امروہوی کے اُس بیان کو

(نوٹ صفحہ ۲۵۶ کاتب یا ناقل کی غلطی سے ترجمہ تاریخ فرشتہ میں " تاج الدین تاج الملک محمود " کے نام کے سامنے " بجائے زبیری کے " ریزہ " لکھا ہے۔ جسے زبیری کی بگڑی ہوئی شکل سمجھنی چاہئے " آپ کے زبیری ہونے کے ثبوت کے لئے " مسٹر ... کے باسو ... " تاریخ مبارک شاہی کے انگریزی ترجمہ کے صفحہ ۲۲ کا وہ نوٹ دیکھنا چاہئے جس میں انہوں نے " تاج الملک " پر دیا ہے " وہ لکھتے ہیں Frishta writes Tajuddin Zubedy [illegible] اور یہ کہ ... تاریخوں میں عام طور سے " زبیری " ہی لکھا ہے "

اِس لڑائی کی وجہ سے اِس خاندان کی طرف سے منصور عباسی کے دل میں یہ اندیشہ بیٹھ گیا تھا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر زبیریوں کے ایک بہادر آدمیوں میں سے شامی شہر بیزگار ہوتا اور مطیع و فرمانبردار ہوں اور اُن میں صرف ایک بد ہو تو میں ہزار کے ہزار زبیریوں کو قتل کر دوں۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل صفحہ ۲۲۲ و طبری نسخہ عربی مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۶)

آخر کار منصور المتوفی ۱۵۸ ہجری کے بیٹے المہدی المتوفی ۱۶۹ ہجری کو اپنی حکومت کے زمانے میں اِس خاندان کی استمالت کرنی پڑی اور اُسے اپنی حکومت میں شریک کرنا پڑا۔ چنانچہ عباسی حکومت کے چند زبیری عہدہ داروں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) گورنر یمامہ: عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ المتوفی ۱۸۴ ہجری بزمانہ المہدی بن ابوجعفر منصور۔ (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم صفحہ ۲۲۶ و اغانی جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ و ابن الاثیر جلد ۵ صفحہ ۲۳ و ابن الاثیر جلد ۶ صفحہ ۱۵۱ و ۱۸۱ و ابوالمحاسن جلد ۱ صفحہ ۵۱۹) اور

(گورنر مدینہ منورہ) بزمانہ ہادی بن المہدی و ہارون الرشید بن المہدی۔ (ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ ۱۴۲)

(۲) گورنر مدینہ منورہ: ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ المتوفی ۱۹۵ ہجری بزمانہ ہارون الرشید بن المہدی۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ ۱۴۲) اور

(قاضی مدینہ منورہ) بزمانہ ہارون الرشید۔ (دیکھو ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰ و تاریخ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۷ ابوالمحاسن جلد ۱ صفحہ ۵۵۰)

(۳) گورنر مدینہ منورہ و یمن: الزبیر بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ بزمانہ ہارون الرشید۔ (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۲۶)

(۴) قاضی بغداد و مدینہ منورہ: قاضی ابوالبختری وہب بن وہب بن وہب بن قیس بن عبداللہ بن زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزی بن قصی المتوفی ۲۰۰ ہجری جو حضرت زبیرؓ کے چچازاد بھائی کی اولاد تھے۔ بزمانہ حکومت ہارون، امین و مامون۔ (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۵۵ و ذیل المذیل طبری صفحہ ۱۶ و وفیات ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰ و تاریخ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۲ و ابوالمحاسن جلد ۱)

(۵) اراکین سلطنت: ابوعبداللہ مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ المتوفی ۲۳۶ ہجری۔ بزمانہ ہارون و امین و مامون و معتصم و واثق و متوکل۔ (تاریخ ابن اثیر جلد صفحہ ۳۶۳)

(۶) قاضی مکہ معظمہ: زبیر بن ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ المتوفی ۲۵۶ ہجری بزمانہ متوکل و منتصر و مستعین و المعتز باللہ و مہتدی باللہ و المعتمد۔ (ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و تاریخ ابن الاثیر جلد ۷ صفحہ ۱۴۹ و ابوالمحاسن جلد ۲ صفحہ ۲۵)

(۷) سپہ سالار فوج معاربہ: النصر بن احمد الزبیری المتوفی ۲۵۶ ہجری بزمانہ المہتدی باللہ تھے اور المہتدی کی جان بچانے کے لئے اس کی مخالفوں کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ سوم و چہارم صفحہ ۳۶۲ و ۳۶۳)

(۸) صاحب تاریخ گزیدہ نے اپنے وطن قزوین کے مشہور و معروف علماء و صلحا کے خاندانوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ زبیریان اولاد مصعب بن زبیر بن العوام ہیں۔ صدر الشان علماء و صلحا ہوئے۔ زبیریان نسل سے مصعب بن زبیر بن العوام کے ہیں۔ جن میں علماء و صلحاء تھے۔
(تاریخ گزیدہ صفحہ ۸۳۸ مولفہ حمداللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی تالیف ۷۳۰ ہجری حصہ اوّل)
(مطبوعہ لندن ۱۳۲۸ ہجری مطابق ۱۹۱۰ عیسوی)

شیخ گدائی کے خاندان کے اُن کے زمانے سے پہلے کے چند اور بزرگ

(۱) ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری: آپ سلطان شمس الدین التمش کے بیٹے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے

اسی "سکندر لودی" نے جو "اشتیاق خامہ شیخ گدائی" کے والد بزرگوار "حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ" کی خدمت میں بھیجا تھا" اور "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ" کے اس کو در گزر دینے پر "آپ کے بھید ہے کے لئے "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ" کی خدمت میں بعجز و نیاز درخواست کی تھی" اور "مخدوم شیخ جمالی رح" کی تشریف آوری کی خبر سنکر۔ تین کوس جا کر اُن کا استقبال کیا تھا" اور پھر عمر بھر اُن کو اپنے آپ سے جدا نہیں ہونے دیا" اور تا دم حیات "مخدوم شیخ جمالی رح" کے ساتھ "دمساز و ہمراز و ہم صحبت اور ہم زبان رہا" اِن واقعات کی تفصیل بھی ہم اوپر درج کر چکے ہیں" اور اُن سے "مخدوم شیخ جمالی آپ" کی "عالی نسبی" و "الا شرادی" اور "عربی" "قریشی" "زبیری" ہونے کا حال بخوبی منکشف ہو گیا ہے"

(۸) مزید برآں "شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے نانا" "شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن رح" المتوفی ۹۳۲ھ ہجری نے اپنی کتاب مصباح العارفین میں "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کا" جو شجرۂ نسب "حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ" تک دیا ہے" یہی شجرہ "شیخ گدائی" کا بھی ہے" کیونکہ "شیخ گدائی" کے "پردادا" اور "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کے دادا" ایک ہی بزرگ ہیں"

(۹) اور "شیخ گدائی" کے قریبی عزیز "نواب شہباز خاں" کا "شجرۂ نسب" "رسالہ شہباز خاں" میں ہے جو "شاہنشاہ اکبر کے زمانہ کی تصنیف ہے" "امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ" تک لکھا ہے"

گو مولف امروہوی نے اپنے مقصد میں حائج سمجھ کر "مصباح العارفین" اور "رسالہ شہباز خاں" کے وجود سے انکار کیا ہے" لیکن ہم نے اُس موقع پر جہاں "مولف موصوف" نے "مصباح العارفین" پر بحث کی ہے۔ اِس کتاب کے موجود ہونے کو ثابت کر دیا ہے" اور "رسالہ شہباز خاں" تو خود ہمارے کتب خانے ہی میں موجود ہے" اور دیکھا جا سکتا ہے"

(۱۰) پھر یہ بھی ہے کہ "کتاب سلسلۂ عالیہ مطبوعہ مطبع فیض منبع ہاشمی شہر میرٹھ" جو آج سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے کی تصنیف ہے" اور عام طور پر ملتی ہے" اور جس کے متعدد نسخے "مولف امروہوی کے وطن امروہہ" میں اکثر اشخاص کے پاس موجود ہیں" اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ خود مولف امروہوی نے بھی بنظر امعان اُس کا مطالعہ کیا ہے" اُس کے صـ۶ پر "شیخ گدائی کے خاندان کے نسب کے متعلق یہ فقرہ تحریر ہے کہ

مجمعہ اہلِ دانش وحقیقتہ باآں قرار دادہ۔ بریں گونہ است کہ	عقلمندوں اور حقیقت پر عبور رکھنے والوں نے جو بات تسلیم کی ہے وہ یہ ہے
ایں گروہ "از قبیلۂ خاص رؤسائے قریش است"	کہ یہ جماعت رؤسائے قریش کے خاص قبیلہ سے ہے"

اِن کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جن میں "شیخ گدائی" اور آپ کے خاندان کا سلسلۂ نسب "حضرت زبیرؓ بن العوام تک مذکور ہے" مگر ہم طوالت کے مدنظر اسی پر اکتفا کر کے مختصراً یہ اور دکھا دینا چاہتے ہیں کہ "حضرت زبیرؓ کی اولاد کی جو حیثیت شروع زمانے سے "عرب و ایران" وغیرہ میں تھی "ہندوستان میں" "شیخ گدائی" کے خاندان کی حیثیت بھی بعینہٖ وہ ہی تھی۔ اور بفضلہٖ ہذا اِس وقت تک ہے" آگے بھی اللہ کی ذات سے نیک ہی امید ہے"

شیخ گدائی کے خاندان کی حیثیت خصوصیات کی عرب و عجم اور ہندوستان میں یکسانی

۱۴۵ھ ہجری میں "خاندان حضرت زبیرؓ" نے "محمد النفس ذکیہ بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن رضؓ بن حضرت علی رضؓ" کی حمایت میں "ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی" کی کثیر فوج سے ایسی جنگ کی جو اپنی آپ نظیر ہے" اِس لڑائی میں عیسیٰ بن مصعب بن مصعب بن حضرت زبیرؓ" کے وہ کارنامے ہیں۔ جن کی مثال نہیں ہے"

بالآخر "محمد نفس ذکیہ" اور "عیسیٰ بن مصعب الملقب بخفیر ابن مصعب" وغیرہ کی شہادت کے بعد "اِس فریق میں سے جو اصحاب شہید ہونے سے بچ رہے۔ اُن میں سے کچھ تو سرحدی ممالک میں چلے گئے اور "سندھ" میں بھی پہنچ گئے" کچھ وہیں روپوش ہو گئے" یہ لڑائی "مدینہ منورہ" کے باہر ہوئی تھی"

(ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ اوّل صـ۲۴۳ تا ۲۴۶)

ایک محلہ جمالی سرائے اب بھی موجود ہے (۴) شیخ الشیوخ چشتی امروہوی کے پیر طریقت سید علاؤالدین المشہور دولہا دولہ محبوب (۵) شاہ عبداللہ قریشی (۵) سیادت مآب معزالدین (۶) شیخ محمود (۷) رسولدار (۸) شیخ عبدالنبی صدرالصدور یا شیخ الاسلام سلطنت شاہنشاہ اکبر کے والد ماجد شیخ احمد (۹) ملا عبدالقادر بدایونی اور ان کے والد اور سید محمد میر عدل امروہوی کے استاد شیخ حاتم سنبھلی (۱۰) شیخ راجو قدس سرہ ابن شیخ محمد زمان (۱۱) اور شیخ بایزید ابن شیخ راجو قدس سرہ کے علاوہ شیخ عبدالستار سہارنپوری قدس سرہ اور مرادوں پیر طریقت اور علمائے شریعت شیخ گدائی کے نانا ماموں یا ماموں زاد بھائیوں یا ان کے والد اور چچاؤں کے مرید و خلیفہ نیز شاگرد تھے۔

اور ان کے مکان پر سلطان بہلول لودی سکندر لودی شاہ بابر اور ہمایوں و اکبر وغیرہ آ کر سر جھکایا کرتے تھے نیز شیر شاہ سوری اور اسلیم شاہ شیخ گدائی کے چھوٹے بھائی شیخ عبدالحیٔ المتخلص بہ حیاتی کی مصاحبت و ہمراہی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور جس قدر بھی طالب علم شاعر یا درویش ولایت سے اس جانب آتے تھے ان سب کی سرپرستی شیخ گدائی کا گھرانا ہی کرتا تھا خصوصاً ان کے چھوٹے بھائی حیاتی ان پر بیش بہا صرف کرتے تھے۔

پھر جبکہ ہمارے پیش کردہ اقتباسات سے اس امر پر بھی بخوبی روشنی پڑ گئی ہے کہ ہندوستان میں ابتدائے علمداری مسلمانان سے شیخ گدائی کے خاندان کو مسلسل قابل رشک اقتدار حاصل رہا ہے اور ہم نے ملا عبدالقادر بدایونی کی کتاب منتخب التواریخ میں تو شیخ گدائی کے بھتیجے شیخ محمد کے متعلق یہ لکھا ہوا دکھا دیا ہے۔

(۱) شیخ محمد ملکوئے حسب و نسب اور فضائل کسبی و موروثی میں یگانۂ زمانہ تھے۔

(۲) مشہور ہے ان کے نانا مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ کی پالکی کو سید عبدالوہاب بخاری کے اپنے کاندھوں پر اٹھا لینے کا حال بھی

(۳) سیرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ کی نسل کے ایک بزرگ شیخ محمد الیٰسین کو تحریر کردہ جامعہ میں سیدی تحریر کیا گیا ہے اور

(۴) تاریخ خان جہانی مخزن افغانی میں شیخ گدائی کے والد بزرگوار شیخ جمالی کنبوی دہلوی کو سید الاشراف

(۵) اور شیخ گدائی کے برادر خورد شیخ عبدالحیٔ کے نام کے ساتھ معالی انساب کا لکھا ہونا بھی ظاہر ہو چکا ہے

(۶) شاہنشاہ بہلول لودی مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ کے ہم وطن یعنی ملتان ہی کے باشندے تھے اور مخدوم صاحب کے نسب سے اچھی طرح واقف تھے ان کے حضرت مخدوم صاحب کے آستانہ مبارک پر قدمبوسی کی اجازت چاہنے اور بعد حصول اجازت حضوری میں حاضر ہو کر مخدوم صاحب کے قدموں پر اپنا سر رکھ دینے کا حال بھی مذکور ہو چکا ہے۔

(۷) سلطان سکندر لودی کے متعلق سارے تاریخدان حضرات جانتے ہیں کہ ان کو نسب کا بڑا خیال تھا۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم مترجمہ مولوی فدا علی صاحب طالب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱۹۵ پر تحریر ہے کہ جو شخص بادشاہ کے پاس نوکری کے لئے آتا بادشاہ اس کا نسب پوچھ کر اس کے حسب حیثیت اس پر نوازش کرتا تھا۔ بادشاہ بھی مخدوم صاحب کے علوئے نسب سے بخوبی واقف تھا اس نے حسن اعتقاد سے مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے میزان الصرف کا سبق لیا اور حضرت مخدوم صاحب کی زبان مبارک سے اپنے لئے یہ فقرہ سکندر نظام خان بار خدا خواستہ ام کہ انشاءاللہ تعالیٰ سکندر وقت خود باشی سن لیا اور ان کی زندگی ہی میں بادشاہ ہو جانے پر اپنے نام کی مناسبت سے نظام شاہ کے بجائے حصول برکت کے لئے اپنا نام سکندر رکھ لیا تھا یہ بیان بھی اوپر آ چکا ہے اور اس بات پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ کے نواسہ کر شیخ عبداللہ بیابانی سے سلطان سکندر نے اپنی بہن کی شادی کی تھی نیز شیخ گدائی کے ماموں زاد بھائی میاں لاڈن سکندر لودی کے مشیر خاص تھے۔ اور جب آپ بادشاہ کے پاس دہلی سے آگرہ تشریف لے جاتے تھے تو جتنے دن آپ کا قیام وہاں رہتا تھا سلطان موصوف آپ ہی کے پیچھے پنج وقتہ نماز ادا کرتا تھا۔

یہاں شیخ گدائی کے بزرگوں کا فرداً فرداً شروع سے حال بتانا طولِ امل ہے تھا اس لئے اُن کے خاندان کی جو حیثیت شروع سے مسلسل چلی آرہی تھی اُس پر صرف ذراسی روشنی ڈال دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ شجرۂ مہر و رو میں لکھا ہے:

ایں خاندان عالی شان در ہمہ اوان و از بانواع رعایت و اوصاف تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند۔

یہ خاندان عالی شان ہر زمانے میں طرح طرح کی رعایتوں اور تربیت کے اوصاف سے ممتاز رہتا چلا آیا ہے۔

شیخ گدائی کے خاندان میں دارالخلافہ دہلی کے عہدۂ قضا و افتا کے موروثی ہونے کے متعلق علامہ آزاد بلگرامی کا بیان

اور مولانا غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری نے اپنی کتاب تذکرہ خزانۂ عامرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ از ابتدائے علمداری سلاطین خدمات شرعیہ دارالخلافہ دہلی مثل قضا و افتا اکثر بہ مردم کنبوہ تعلق داشت و دارد (خزانۂ عامرہ ص۱۸۲ مطبوعہ نولکشور پریس کانپور)

شروع علمداری سلاطین سے خدمات شرعیہ دارالخلافہ دہلی مثل قضا و افتا کا اکثر کنبوہ اشخاص سے تعلق رہا اور اب بھی ہے۔

شہنشاہ عالمگیر کے زمانے کے شیخ گدائی کے خاندان کے ایک موروثی مفتی و قاضی کا حال صاحب مآثر عالمگیری کے قلم سے

مآثر عالمگیری تصنیف محمد ساقی مستعد خاں مترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب رکن دارالترجمہ مملکت حضور نظام دکن۔ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے ص۱۶۹ پر شیخ گدائی کے خاندان کے ایک بزرگ قاضی محمد اکرم خاں کا حال جلوس عالمگیری سال بست و ہفتم کا آغاز مطابق سنہ ۱۰۹۴ ہجری ماہ ذی الحجہ میں اس طرح تحریر ہے کہ محمد اکرم مفتی لشکر اورنگ آباد کے قاضی مقرر ہوئے۔ اور ص۲۸۱ پر سنہ ۴۲ جلوس عالمگیری مطابق سنہ ۱۱۰۹ ہجری ماہ رمضان المبارک کے حالات میں لکھا ہے کہ محمد اکرم جو دارالحکومت کے موروثی مفتی تھے اور دوئے معلی کی خدمت قضا پر حضور پر نور میں طلب فرمائے گئے۔

اور ص۲۸۳ پر ہے کہ محمد اکرم اکبرآباد سے ہمرکاب اقدس عالی حاضر ہوئے اور اردوئے معلی کی خدمت قضا پر مامور ہوئے (ماہ ذیقعدہ میں) اور ص۴۵۰ پر ہے کہ سنہ جلوس عالمگیری مطابق سنہ ۱۱۱۵ ہجری میں قاضی اکرم خاں کو ہاتھی عنایت ہوا۔ اور ص۵۲۷ پر تحریر ہے کہ جلوس عالمگیری کے انچاسویں سال کے آغاز مطابق سنہ ۱۱۱۶ ہجری میں سولہویں رجب کو قبلۂ عالم بہادر گڈھ روانہ ہوئے۔ رجب کا نصف مہینہ اور ماہ شعبان مسافت طے کرنے میں گذرا۔ اثنائے راہ میں قاضی محمد اکرم خاں کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا اور انہوں نے وفات پائی۔ خان مذکور علم فقہ کے متبحر عالم تھے۔ حضرت اپنی پایہ شناسی سے قاضی صاحب مذکور کو ہمیشہ لفظ اعلم سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

شیخ گدائی کے خاندان کنبوہ کے عالمگیری زمانے کے شیخ الاسلام یا صدر الصدور اور نائب صدر

(۱) مآثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد کے ص۱۳۱ پر ہے کہ خواجہ شاہ مخاطب بہ شریف خاں سرافراز کردہ ہائے خلد مکان بود و چندے بمنصب صدارت کل امتیاز داشت۔

خواجہ شاہ مخاطب بہ شریف خاں کو شہنشاہ عالمگیر نے عہدہ دیا تھا۔ چندے یہ شیخ الاسلام رہے ہیں۔

(۲) محمد شریف خاں کنبوہ صدر الصدور کے صاحبزادے محمد عادل کو شہنشاہ عالمگیر نے صدر الصدور کا نایب بنایا تھا (الشاہد)

شیخ گدائی کے عالی نسب اور زبیری النسل ہونے کے شواہد

اب ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ شیخ گدائی کا خاندان شریعت و طریقت دونوں کا حامل تھا۔ (۱) اکبری سلطنت کے نفس ناطقہ ابوالفضل و فیضی کے نانا شیخ چندن قریشی رح۔ (۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن رح۔ (۳) ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ کے استاد شیخ حاتم سنبھلی کے چچا شیخ عجائب متخلص بہ ہلالی رح جن کے نام پر سنبھل میں

نواب شہباز خاں کی دینداری اور بزرگان دین سے ارادت، قومی ہمدردی اور عدیم النظیر دولتمندی

مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۵۹۷ تا ۶۰۰ پر تحریر ہے کہ:

(۱) گویند شہباز خاں وصیت کردہ بود کہ در محوطۂ مرقد منور معینیہ (حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری) دفنش کنند، مجاوران بقعۂ شریفہ سرزدہ نگذاشت، ناچار بیرون مدفون گردید (صفحہ ۵۹۷) شب خواجہ بزرگ در رؤیا بمجاوران تاکید فرمود کہ "از محب ماست" اندرون شمال رویہ گنبد گذارند، غروا بمبالغۂ آنہا برآوردہ بہ جائے معین سپردند۔

(۲) صلاح و تقوی او مشہور است، و پاس شریعت غرّا البسیار ملحوظ میداشت (صفحہ ۵۹۷ و ۵۹۸)

(۳) رسم و رواج وقت لحیۂ نکرد، و خمر نہ پیمود، و در نگین لفظ مرید نکند۔

(۴) تہجد و اشراق تا سنت عصر قضا نشد، و بے وضو نمے بود، و ہمیشہ تسبیح در دست و در دمیخو اند۔ صفحہ ۵۹۹

(۵) اخراجاتش دیدہ مردم متحیرے بودند، برخے بہ یافتن سنگ پارس شہرت میدادند۔

(۶) بالجملہ گویند شہباز خاں مردم بیش قرار نوکر داشت۔ چنانچہ دہ کس بودند کہ ہر کدام سالیانہ یک لک روپیہ مے یافت۔

(۷) در جنگ برہم پتر از خود نہ ہزار سوار موجودے داشت۔

(۸) و ہر شب جمعہ صد اشرفی را شیرینی نذر حضرت غوث الثقلین قدس سرہ بخش میکرد۔

(۹) و بمردم کنبوہ آنقدر ہا داد کہ ہیچ کس ازیں قوم در ہند پریشان

(۱) کہتے ہیں کہ شہباز خاں نے وصیت کی تھی کہ مجھے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مزار مبارک کے احاطہ میں دفن کریں۔ مجاوروں نے اجازت نہ دی ناچار باہر مدفون ہوئے۔ رات کو خواب میں خواجہ بزرگ نے مجاوروں کو تاکید فرمائی کہ شہباز خاں ہمارا دوست ہے اس کو اندرون شمال رویہ گنبد کے جگہ دو۔ صبح کو اُن کی منت سماجت سے اُن کی نعش نکال کر خواجہ صاحب کی بتلائی ہوئی جگہ دفن کیا۔

(۲) صلاح و تقوی اُن کا مشہور ہے شریعت غرّا کا پاس بہت ملحوظ رکھتے تھے۔

(۳) رسم و رواج وقت کے مطابق انہوں نے داڑھی نہیں منڈائی۔ شراب نہیں پی۔ اور انگوٹھی میں لفظ مرید کندہ نہیں کرایا۔

(۴) تہجد اور اشراق کی نمازیں حتی کہ سنت عصر تک قضا نہیں کیں اور کبھی بے وضو نہیں رہتے تھے۔ اور ہمیشہ تسبیح ہاتھ میں رکھتے اور ورد کرتے رہتے تھے۔

(۵) اُن کے اخراجات دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ اور شہرت ہو گئی تھی کہ ان کو پارس پتھر مل گیا ہے۔

(۶) یہ بھی کہتے ہیں کہ شہباز خاں بڑی بڑی تنخواہوں کے نوکر رکھتے تھے۔ چنانچہ دس آدمی ایسے تھے کہ جن میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ دیتے تھے۔

(۷) جنگ برہم پتر میں ان کی اپنی ذاتی فوج نو ہزار تھی۔

(۸) اور ہر جمعہ کی رات کو سو اشرفیوں کی مٹھائی حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کی نیاز دلا کر تقسیم کراتے تھے۔

(۹) اور کنبوہ لوگوں کو انہوں نے اس قدر دیا کہ کوئی آدمی اس قوم کا

(بقیہ نوٹ علہ صفحہ ۱۳۱) اور علم مجلسی۔ اور آداب محفل کی۔ اس غریب کو کیا خبر۔ وہ آپ ہی نہیں جانتا۔ شاگرد کو کیا سکھائے اور بتائے۔ سُن سُنا کر معلوم بھی کر لیا تو کیا ہوتا ہے۔ یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اُن کا دل کھلا ہوا تھا۔ اُن کو وقت پر قواعد و آداب کے سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے موقع پر خود بخود اعضا میں وہ ہی حرکت پیدا ہو جاتی تھی۔ کیونکہ وہ اسی دریا کی مچھلی تھے۔

اب بھی نئے روشن ضمیر۔ نو تعلیم یافتہ کہیں جا پہنچتے ہیں۔ تو سلام کرنا بھی نہیں آتا۔ میرے ان دوستوں کے ہوش بجا نہیں رہتے۔ چلتے ہیں تو قدم ٹھکانے سے نہیں پڑتا۔ اور نظر باز بھی وہیں ٹھکانے کھڑے ہیں۔ بات بات پر کہہ رہے ہیں کہ یہاں چوکا۔ وہاں بھولا۔ یہ ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ پھر صاف کہہ دیتے ہیں کہ مولوی صاحب یا بابو صاحب ٹکسال باہر ہیں۔ خیر اب نہ وہ دربار نہ وہ سرکار۔ جہاں ٹوٹا پھوٹا کارخانہ ہے۔ اُس کا رنگ بدلتا جاتا ہے۔ خوب ہوا خدا نے سب کا پردہ رکھ لیا۔

بیک قلم برگشتہ بودند" حالا ملک شما و سپاہی از شما ہر کہ ہر چہ دانید بدہید" وانہر کہ خواہید" منصب جاگیر باز گیرید" زہر کہ خواہی بستان" بہر کہ خواہی دہ"

پوچھا تو جواب دیا کہ اگر میں اس طرح سپاہیوں کا دلاسا نہ کرتا تو سب بیک قلم باغی ہو جاتے اب آپ کا ملک ہے اور آپ کی فوج ہے جس کو مناسب سمجھئے دیجئے اور جس کی چاہے منصب جاگیر واپس لیلیں جس سے چاہیں چھین لیں۔ جس کو چاہیں دیں"

"شہنشاہ اکبر" نواب شہباز خاں کے مہمان" اُن کے باغ میں"

المشاہیر کے صفحہ ۹۴ پر ہے کہ "بروز جشن جلوس (۹۹۵ ہجری) شہریار داکبر) آگاہ دل "شہباز خاں" کے باغ میں تشریف لے گئے" چونکہ "شہباز خاں" عمدہ کارگذاریاں کر رہے تھے" اس طرح اُن کی عزت افزائی کی گئی"

"نواب شہباز خاں کا تقرر" صوبیداری مالوہ" اور شاہزادہ میرزا شاہرخ" کی اتالیقی پر"

۱۰۰۰ ہجری میں "نواب شہباز خاں" صوبیداری مالوہ" اور "شاہزادہ میرزا شاہرخ" کے اتالیق بنائے گئے" منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۸۹ پر ہے کہ" بجہت سرانجام "مہم مالوہ" و وکالت میرزا شاہرخ" تعین نمودند" مہم مالوہ کے سرانجام کے واسطے اور میرزا شاہرخ کی وکالت پر تعینات ہوئے۔

اور مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۹۷ پر تحریر ہے کہ۔

با تالیقی میرزا شاہرخ کہ ولایت مالوہ۔ نامزد شدہ بود) اختصاص گرفت" میرزا شاہرخ جو ولایت مالوہ پر نامزد ہوا تھا" اُس کے اتالیق بنائے گئے"

نوٹ ۱: اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ "شاہزادوں کے اتالیق کے لئے" اُس زمانے میں کن صفات کا ہونا لازمی گردانا گیا تھا" دربار اکبری کے صفحہ ۵۷۶ تا ۵۷۸ پر شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے "شاہزادوں کے اتالیق جن صفات کے مقرر کئے تھے" اُن کو ان الفاظ میں دکھایا ہے کہ"

آزاد" اکثر ریاستوں میں سنتا ہوں کہ راجہ نوعمر دس سال ہے۔ فلاں شخص کو سرکار نے "ٹیوٹر" (اتالیق) مقرر کر کے بھیجا ہے" اس مقام پر چند منٹ ٹھہرنا چاہئے۔ اور اُس زمانے کے "اتالیق" اور آج کے "ٹیوٹر" کو" مقابلہ کر کے دیکھ لینا چاہئے کہ عہد سلف کے سلاطین "اتالیق" میں کیا کیا صفتیں دیکھ لیتے تھے" سرکار جو بانس آج دیکھتی ہے۔ وہ تو سب ہی دیکھ رہے ہیں"

(۱) وہ لوگ اوّل یہ دیکھتے تھے کہ "اتالیق" خود رئیس ہو" اور خاندان شرافت و ریاست سے ہو" رئیس کا لفظ آج تک سب کی زبان پر ہے" مگر میں دیکھتا ہوں اس عہد میں اُس کی تفصیل بہت شرح طلب ہے" ہمارے زمانہ میں وقت تو اس سے اتنا ہی مطلب رکھتے ہیں کہ "ایک شخص نے" ہم جنس" یا کابل پر" جا کر" کسی سڑک یا عمارت کا ٹھیکہ لیکر" کبھی سرکی نوکری کر کے بہت سا روپیہ کما لیا ہو۔ وہ اپنے گھر بیٹھا ہے" بگی پر چڑھ کر ہوا کھاتا ہے" جب شاہزادہ عالم" ولایت سے آتے ہیں۔ اُس میں سب سے زیادہ چندہ دیتا ہے" یہ سرکار میں رئیس ہے۔ اور اسے دربار میں کرسی ملنے کا بھی حکم ہے" صاحب ڈپٹی کمشنر نے ایک موری ایسی نکالی کہ جس میں شہر کی ساری کثافت نکل جائے۔ اُس نے اس میں پہلے سے بھی زیادہ چندہ دیا" بس یہ بڑا صاحب ہمت رئیس ہے" اسے خان بہادر" یا رائے بہادر" کا خطاب ملنا چاہئے" اور میونسپل ممبر بھی ہو" اور آنریری مجسٹریٹ بھی ہو" اگر کوئی تحصیلدار" یا سرشتہ دار جتا تا ہے کہ "خداوند اس میں اہل خاندان" اور اہل ریاست کی" دل شکنی ہوگی۔ صاحب کہتے ہیں" دل یہ ہمت والا لوگ ہے" یہ رئیس ہے" اگر وہ رئیس ہوا چاہتے ہیں تو ہمت دکھائیں" ہم اسے ستارۂ ہند بنا دیں گے" نئے رئیس کا یہ عالم ہے کہ "جو بگھر سے نکلتے ہیں تو چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہ ہمیں کون سلام کرتا ہے۔ اور سب کیوں نہیں کرتے" خصوصاً جن لوگوں کو "خاندانی" سمجھتے ہیں انہیں زیادہ تر دباتے ہیں" اور سمجھتے ہیں کہ ہماری ریاست جب ہی ثابت ہوگی" جب یہ جھک کر سلام کریں گے" اب مجسٹریٹی شہر کا انتظام اُن کے ہاتھ میں ہے سب کو جھکنا واجب ہے۔ نہ جھکیں تو رہیں کہاں" مگر اُن کی شیخیوں اور نمودوں" اور مار مار کے دبا دکھانے سے فقط خاندانی ہی تنگ نہیں" بلکہ اہل محلہ تنگ ہیں" جنہوں نے "اگلی خاندانیوں کے بزرگوں کو دیکھا ہے۔ وہ انہیں یاد کر کے روتے ہیں" اور جو بھول گئے تھے۔ اُن کے دلوں میں محبت کے مٹے ہوئے حروف روشن ہو جاتے ہیں" اہل نظر ایسے رئیسوں کا "انگریزی رئیس" (ورنہ انگریزی اشراف" نام رکھا ہے" اب وہ بھی سن لو کہ "بزرگان سلف" رئیس کسے کہتے تھے۔ اور "شاہان سلف رئیسوں پر جان کیوں دیتے تھے" اے میرے دوستو یا تمہارے بزرگ" رئیس اُسے کہتے تھے" کہ شریف نجیب الطرفین ہو" یہ داغ دامن پر نہ ہو کہ ماں لونڈی تھی" یا دادا نے ڈومنی گھر میں ڈال لی تھی" یا پر رکھنا" ہزار دولتمند" صاحب دستگاہ ہو" دیغلے آدمی کا وقار لوگوں کی نظروں میں نہیں ہوتا" ذرا سی بات دیکھتے ہیں تو صاف کہہ بیٹھتے ہیں" میاں

عرب و عجم سے آنے والوں کے سرپرست شیخ گدائی کے برادرِ خورد شیخ عبدالحئی المتخلص بہ حیاتی

"شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے "اخبار الاخیار" کے صفحہ ۲۲۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"در زمان" افغانان "ہر کہ از جنس طالب علم" یا شاعر" یا "قلندر" از ولایت بایں جانب می افتاد" در منزل او مے آمد" و بہر یک ازیں ہا خدمت ہا مے کرد" و مبلغ کثیر" از ترکۂ پدر" بہ او رسیدہ بود" آں ہمہ را در مدتے از عمر خود" صرف اوقات یاران کرد"

افغانوں کے زمانے میں جو "طالب علم" یا "شاعر" یا "قلندر" ولایت سے اس طرف آیا" اس کے لئے اُن کا گھر ٹھکانا تھا" وہ ہر ایک کی اپنی دولت سے خدمت کرتے تھے" اور کثیر دولت جو انہیں ترکۂ پدری سے پہنچی تھی اُس سب کو اپنی مدت العمر میں دوستوں پر صرف کر دیا"

شیخ گدائی کے بھائی کی قدر و منزلت شیر شاہ کی نظر میں

تاریخ خانجہانی مخزنِ افغانی میں ہے کہ "شیخ عبدالحئی برادر خورد شیخ گدائی" مصاحب و ندیم و ہم زبان "شیر شاہ سوری" کے تھے" چنانچہ اِس کتاب کے ورق صفحہ ۔۔۔ پر تحریر ہے کہ"

"ملو خاں" (حاکم مالوہ) نصف شب از اردو برآمدہ" راہِ فرار پیش گرفت" علی الصباح چوں "شیر شاہ" در بار عام برآمد" ایں خبر شنید" بجانب فضائل مآب" شیخ عبدالحئی" ولد "شیخ جمالی کنبوہ" برادر خورد" "شیخ گدائی" کہ مصاحب و ندیم و ہم زبان شیر شاہ بود" توجہ نمود" وایں مصرع بر زبان راند" ع ماما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی"
"شیخ عبدالحئی" فی البدیہہ مصرع دیگر گفت" ع
تولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبیدی
"شیر شاہ" بغایت شگفتہ گشت"

ملو خاں (حاکم مالوہ) آدھی رات کو اپنے لشکر سے نکل کر بھاگ گیا" صبح سویرے "شیر شاہ" نے دربار عام میں برآمد ہو کر یہ خبر سنی" تو فضائل مآب "شیخ عبدالحئی" ولد شیخ جمالی کنبوہ برادر خورد "شیخ گدائی" کی طرف جو مصاحب و ندیم اور ہم زبان شیر شاہ کے تھے" مخاطب ہو کر یہ مصرع زبان پر لایا" ع باما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی"
"شیخ عبدالحئی" نے فوراً ہی یہ دوسرا مصرع کہا" ع
تولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبیدی
"شیر شاہ" بہت ہی خوش ہوا"

حیات لودی معروف "شوکت افغانی" کے صفحہ ۲۶۹ پر اور "تاریخ فرشتہ جلد دوم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ" کے صفحہ ۲۶۵ پر" پہلا مصرع شیر شاہ کا اور دوسرا فی البدیہہ مصرع "شیخ عبدالحئی" کا تحریر ہے" مگر صاحب "منتخب التواریخ" "ملا عبدالقادر بدایونی" نے یہ پورا شعر "شیر شاہ" سے منسوب کر دیا ہے" چنانچہ اپنی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۳۶۵ پر اُس نے لکھا ہے کہ"

دریں اثنا وہمے بخاطر "ملو خاں" راہ یافت" شبے خیمہ را پارہ کردہ تنہا بروش معہود غلاماں راہِ فرار پیش گرفت و "شیر خاں" (شیر شاہ سوری) ایں بیت گفت ؎
باما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی
تولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبیدی

اسی اثنا میں ملو خاں کے دل میں وہم پیدا ہوا" رات کو خیمہ میں شگاف کر کے وہ غلاموں کی طرح اکیلا بھاگ گیا" اور "شیر خاں" (شیر شاہ سوری) نے یہ بیت کہی ؎
باما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی
تولیست مصطفیٰ را لاخیر فی العبیدی

مؤلف امروہوی کا یہ قابل" محتاط" ناقد" اور محقق ملا" اِن دونوں مصرعوں کو "شیر شاہ" سے چسپاں کرتے وقت اتنا بھی نہ جان سکا کہ" اس دوسرے مصرع کو "شیر شاہ" اپنی زبان سے کہہ بھی سکتا تھا یا نہیں"

اسلیم شاہ سوری کے پاس شیخ گدائی کے بھائی کی قدر و منزلت اور اُن کی تصنیف

"تاریخ خان جہانی مخزنِ افغانی" کے ورق صفحہ ۱۱۴ و ۱۱۵ پر ہے کہ"

۔بحوالہ ۳۵ پر شہنشاہ بابر کے شیخ جمالیؒ کے ان دونوں باپ بیٹوں کے اپنے ہمراہ لے آنے کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے کہ پیر کے دن آٹھویں تاریخ شہزادہ دریا خاں کا پوتا جلال خاں شیخ کے ملنے کے لئے شیخ جمالیؒ گئے تھے اکرامات بڑے بڑے اُمرا قیمت اکبر ملازمہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جبکہ بابر بادشاہ بنگالیوں کو شکست دیکر اور بہار میں اپنی حکومت قائم کرکے اودھ میں آگئے تھے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ جمالی کا بے پایاں اثر تمام افغان قوم پر تھا اور وہ ان کو کس عظمت اور حرمت سے بزرگی کی نظر سے دیکھتی تھی۔

شہنشاہ بابر کی شیخ گدائی کے والد بزرگوار کے مکان پر بار بار حاضری

علامہ زماں مؤرخ اعظم اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اپنے رسالہ عبرت نجیب آباد ضلع بجنور میں تحریر فرمایا ہے کہ جب پانی پت کے میدان میں بابر کے ہاتھ سے دولت افغانیہ ابراہیم لودھی کے ساتھ تباہ ہوئی۔ تو بابر کی مردم شناس نگاہ نے ہندوستان کے اس گوہر بے بہا کو جو دولت افغانیہ کے تمام خزانوں دفینوں سے زیادہ قیمتی تھا اپنی ذات کے لئے منتخب کر لیا اور اپنے دربار کا زیب و زینت بنا کر کبھی جدا ہونے نہ دیا۔ بابر کے دربار میں دولت افغانیہ کے اُمراء کی کچھ قدر نہ تھی اور یہی سبب تھا کہ بابر کے بعد بہت جلد افغانوں نے شیر شاہ کے زیر سایہ جمع ہو کر ہمایوں کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیابی حاصل کی لیکن بابر باوجود اس کے کہ اس کے ہمراہ بہت ایرانی اور تورانی باکمال موجود تھے شیخ جمالیؒ کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ بسا اوقات خود اٹھ کر شیخ جمالیؒ کے گھر چلا جاتا تھا۔

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کی خدمت میں شہنشاہ ہمایوں کی بارہا حاضری اور نیاز مندی

مآثر الامراء سے لیکر ہمایوں بادشاہ سے آپ کے تعلقات کا حال اور یہ کہ ہمایوں بادشاہ۔ کر ان کے مکان پر تشریف لائے تھے اوپر لکھا جا چکا ہے اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ اکبر شاہ خاں نے رسالہ عبرت میں لکھا ہے کہ بابر کے بعد ہمایوں نے بھی شیخ جمالیؒ کی تعظیم و تکریم بدستور ملحوظ رکھی اور اپنے باپ کی سنت کے موافق شیخ جمالی کے مکان پر حاضری دی اور کبھی شیخ کی جدائی کو گوارا نہ کیا۔ بنگالے کے سفر، کالنجر کی فتح اور گجرات کی فوج کشی میں شیخ جمالیؒ ہمایوں کے ساتھ تھے جب ہمایوں نے بہادر شاہ پر گجرات و فتح چتوڑ کے بعد چڑھائی کی تو شیخ جمالی ہمایوں کے ساتھ تھے اسی سفر میں شیخ جمالی فوت ہوئے میت دہلی بھجوائی گئی اور قطب صاحب کے پاس سپرد خاک ہوئی۔ ہر ذیقعدہ ۹۴۲ھ ہجری کو سلطان سکندر لودھی کے پورے انیس سال بعد فوت ہوئے۔

صاحب منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب کی جلد اوّل کے صفحہ ۳۳۲ پر لکھا ہے کہ۔

رایات جہاں کشا (حضرت بادشاہ ہمایوں) از مندو (دارالسلطنت مالوہ) بجانب آگرہ متوجہ شدہ بود میرزا عسکری شدہ راہ ملازمت رسید و بہادر جاپانیر را از ترودی بیگ گرفت در دریں سال شیخ جمالی کنبوہ دہلوی از عالم فانی بعالم باقی رحلت کرد و خسرو ہند بود تاریخ یافتہ اند۔

جس زمانے میں کہ بادشاہ (ہمایوں) مندو (دارالسلطنت مالوہ) سے آگرہ کی طرف متوجہ ہوا اور مرزا عسکری نے راستہ میں ملازمت کی اور بہادر نے جاپانیر کو قلعہ سے ترودی بیگ سے لیا۔ اسی سال شیخ جمالی کنبوہ دہلوی کا انتقال ہو گیا۔ اور خسرو ہند بود ان کی وفات کی تاریخ ہوئی۔

خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ پر ہے کہ:

وفات آں جامع الکمالات در سالیکہ ہمایوں بادشاہ بہ گجرات رسید بود بہمراہ لشکر بادشاہ بوقوع آمد۔

وفات اُس جامع الکمالات کی اُس سال جب ہمایوں گجرات گیا تھا ہمراہ لشکر بادشاہ وقوع میں آئی۔

متوالی کردہ تا آخر ایام حیات " سلطان " کے ایک دیگر " دمساز " دہمراز " دہمصاحب " وہم زبان " بودند "

اور ہیچ اور مسرور ہوا " اور اس کی ہمت نے وہ رفعت پکڑی کہ جس سے زیادہ تصور نہیں کی جا سکتی " سلطان کی وفات کے وقت تک " دونوں ایک دوسرے کے دمساز اور ہمراز " اور مصاحب " اور ہم زبان رہے "

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کی عزت و منزلت " سلطان ابراہیم لودی کے پاس "

رسالہ تبصرہ ، نجیب آباد ضلع بجنور میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ نے تحریر فرمایا ہے کہ " ۷ ذیقعدہ ۹۲۳ھ ہجری بروز یک شنبہ سلطان سکندر " فوت ہوا " اس کے بعد " سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں بھی " شیخ کا " درتی جمالی کا وہی اکرام و احترام رہا " ابراہیم لودھی " شیخ جمالی " کا ادب اس قدر ملحوظ رکھتا تھا کہ اپنے کسی چچا کا ادب اس نے اس قدر نہیں کیا "

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کے اثر و کوشش سے " رانا سانگا کی شکست "

رانا سانگا کی کثیر فوج سے خوفزدہ ہو کر جبکہ شاہنشاہ بابر کی فوج نے دل ہار دیا ۔ اور اس کے افسروں نے " ملک ہندوستان کو " کافروں کے ہاتھ میں چھوڑ کر " کابل لوٹ چلنے کا تہیہ کر لیا تھا " شیخ جمالی کے اثر سے جو اس کا دہلی اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں پر تھا ۔ بابر کو بہت مدد ملی " اور بابر نے لشکر میں جو پریشانی پھیلی ہوئی تھی اس کا کچھ خیال نہ کر کے " جنگ کی تیاری شروع کر دی " شیخ جمالی " بابر کے ساتھ تھے "

کارنامہ راجپوتان کے صفحہ ۵۶ پر تحریر ہے کہ " بابر " نے " شیخ جمالی " کو بھیجا کہ " دو آبہ دہلی " کے ترکش بندوں میں سے جس قدر آدمی جمع ہو سکیں " جمع کر کے " مواضعات میوات کو " تاخت و تاراج کریں " اور جب تک اس طرف کوئی خدشہ ہو ۔ اپنا عمل جاری رکھیں ۔ اور ملا ترک علی کو جو " کابل " سے آیا تھا ۔ فرمان دیا کہ " شیخ جمالی " کے ہمراہ ہو کر " میوات " کو " ویران و تاراج کرنے میں تقصیر نہ کرے "

شیخ گدائی کے والد بزرگوار " شیخ جمالی " کی عزت و تکریم شہنشاہ بابر کے دربار میں

تزک بابری کے صفحہ ۳۳۸ و ۳۳۵ پر شاہنشاہ بابر نے ۹۳۵ھ ہجری کے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ " پیر کے دن چھٹی تاریخ " باغ میں جشن ہوا " (بمقام آگرہ) میں اس ہشت پہلو بنگلہ کے شمالی ضلع میں بیٹھا جو نیا بنایا ہے " میرے سیدھے ہاتھ کی طرف " پانچ چھ گز کے فاصلہ پر " توختہ بوغا سلطان " عسکری " (فرزند شاہنشاہ بابر) خواجہ عبد الشہید اولیٰ " خواجہ کلاں تولا " خواجہ حسین خلیفہ " علماء اور حفاظ " جو " خواجہ " کے توابین میں سے تھے اور سمرقند سے آئے تھے بیٹھے "

اُلٹے ہاتھ کی طرف " پانچ چھ گز ہٹ کر " محمد زمان میرزا " بانک امیش سلطان " سید رفیع " سید رومی " شیخ ابو الفتح " " شیخ جمالی " شیخ شہاب الدین عرب " اور " سید رکنی " بیٹھے " قزلباش " ازبک " اور " راجاؤں کے ایلچی بھی اس جشن میں شریک تھے " دائیں ہاتھ کی طرف " ستر اسی گز کے فاصلہ پر " شامیانہ تان کر " قزلباش " کے سفیر کو بٹھایا " اور اس کے ساتھ بیٹھنے کو " یونس علی کو حکم دیا " اسی طرح دائیں ہاتھ کی جانب " ازبک " کے سفیر کو بٹھایا ۔ اور امراء میں سے " عبد اللہ " کو اس کے ساتھ بیٹھنے کے لئے متعین کیا "

شیخ جمالی کے اثر سے شہنشاہ بابر کا فائدہ اٹھانا

جب شاہنشاہ اکبر " آگرہ " اور " بستی میرٹھ " کے قرب و جوار میں تھے " شاہنشاہ بابر نے " شیخ جمالی " کو ان کے اثر کی وجہ سے " داؤد " اور اس کے بیٹے کو لانے کے لئے روانہ کیا تھا " جس کو صفحہ ۳۵۲ پر اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ " جمعرات کے دن " شیخ جمالی " کو " داؤد " اور اس کے بیٹے " جلال الدین خاں " کے پاس معہ فرمان استمالت روانہ کیا "

"نوقہا خصلتہ الایمان باللہ و نفع العباد" معنی ایں حدیث ظل اللہ متاثر گشت وگریہ کناں" رخصت شد۔ ندر" معارف دستگاہ "صدارت پناہ "شیخ گدائی" ازاں ذوق بہرہ تمام یافت"

خصلتان فی الاسلام لیس فوقہما خصلتہ الایمان باللہ و نفع العباد" اس حدیث کے معنی سے بادشاہ متاثر ہوئے اور روتے ہوئے رخصت ہوئے" "شیخ گدائی" نے اس ذوق سے فائدہ تمام پایا"

شیخ گدائی کے ماموں زاد بھائی کی طرف سے سلطان سکندر لودھی کی درخواست کی عدم قبولیت

اسی کتاب میں "شیخ گدائی" کے ماموں زاد بھائی شیخ ابراہیم کے متعلق تحریر ہے کہ:

"سلطان سکندر لودھی" توقع مدد معاش گذرانیدہ تکلیف صحبت خود نمود" قبول نکرد" و در گوشۂ خلوت بصفائی باطن و درس مشغول گشت"

سلطان سکندر لودھی نے جاگیر پیش کر کے اپنی مصاحبت کی خواہش کی" آپ نے قبول نہ کیا" اور گوشۂ خلوت میں صفائی باطن اور درس میں مشغول رہے"

شیخ گدائی کے والد بزرگوار حضرت مخدوم شیخ جمالی کی قدر و عظمت "سلطان سکندر لودھی" بابر و ہمایوں کے پاس

شیخ گدائی کے والد بزرگوار "حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ" کے حالات میں "شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے تذکرہ مصنفین دہلی کے صفحہ ۱۹۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ:

"ایں شیخ جمالی" در زمان "سلطان سکندر لودی" و "نصیرالدین ہمایوں بادشاہ" از اکابر شہر بود"

یہ شیخ جمالی "سکندر لودی اور نصیرالدین ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں "شہر کے اکابر سے تھے"

اور "مآثر الامراء" کے صفحہ ۵۳۹ و ۵۴۰ پر تحریر ہے کہ:

"ابتدا از ندمائے "سلطان سکندر لودی" بودہ "چوں شیخ از ذوق درویشی بیگانہ نبود" بتقاضائے شوق بہ حجاز رفت۔ و پس ازاں سیاحت اختیار کردہ" و چوں بہ ہند معاودت کرد" با فردوس مکانی (بابر بادشاہ) مصاحب گشت" و از جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) تعظیم و احترام بسیار یافت" مکرر پادشاہ" کلبۂ درویشانہ او را" بہ ورود خویش منور ساختہ"

شروع میں سلطان سکندر لودی کے مصاحبوں میں سے تھے" کیونکہ فقر و درویشی سے خالی نہ تھے" شوق سے حجاز گئے اور اس کے بعد سیاحت اختیار کی" جب ہندوستان واپس لوٹے تو فردوس مکانی (بابر بادشاہ) کے مصاحب ہوئے اور جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) بھی آپ کی بہت تعظیم و احترام کرتا تھا" کئی بار بادشاہ نے ان کے کلبۂ درویشانہ کو اپنی تشریف آوری سے منور کیا"

"اورینٹل کالج میگزین لاہور" بابتہ ماہ مئی ۳۳ء کے صفحہ ۳۵ و ۳۶ پر "مولوی لیسین خاں نیازی۔ ایم۔ اے" نے اپنے مضمون میں تحریر کیا ہے کہ "جب اس نے "(سلطان سکندر لودی نے) سلطان علاؤالدین" کے ساتھ صلح کرنے کے بعد ۹۰۵ ہجری میں علاقہ سنبھل" میں اقامت اختیار کی تو "شیخ جمالی کنبوہ" جو "سکندر" کے استاد رہ چکے تھے" حرب کی سیر و سیاحت سے واپس آ گئے تھے" اس نے (سکندر نے) شیخ کو ذیل کا خط لکھ کر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی" اور ان کی مثنوی مہر و ماہ بھی طلب کی ہے

اے مخزن گنج لایزالی — اے سالک راہ دین جمالی
در گرد جہاں بسے زدہ سیر — در منزل خود رسید بالخیر
بودے تو مسافر زمانہ — الحمد کہ آمدی بخانہ

(نوٹ علیہ) لیسین خاں صاحب کے مضمون میں جو دو شعر نہیں تھے انہیں ہم نے "المشاہیر" سے لیکر قوسوں میں لکھدیا ہے" اور دسواں شعر جو انہوں نے چوتھے شعر کی جگہ لکھا ہے اُسے بھی اس کی جگہ لکھا ہے"

شیخ گدائی کے ماموں شیخ عبداللہ بیابانی کی سلطان غیاث الدین خلجی کی درخواست سے لاعتنائی اور ایک موقع پر ان کو ڈانٹ سخت

ثمرۃ سہروردیہ قلمی کتب خانہ ریاست رامپور صفحہ ۲۲۹ کے صفحہ ۴۳ تا ۴۷ پر شیخ گدائی کے بڑے ماموں حضرت شیخ عبداللہ بیابانی علیہ الرحمۃ کا حال تحریر ہے۔ اس میں سلطان غیاث الدین خلجی اور آپ کے متعلق لکھا ہے کہ

چون بعد از عبادت ریاضت و مانع حقیقی پیدا شود جدا کرد و مردے
در وجد ہا بمالوہ بطرف ولایت مالوہ تشریف فرمودند
سلطان غیاث الدین بعد از ملاقات شیخ عبداللہ کہ
درویشی وضع ایشان گشت دو تکلیف بہت وظیفہ مدد معاش و با کار تمام
کرد شیخ راضی نشد و در صحرائے موضع چھتری تا حال قصبہ تاراپور
کہ حالت کوہ است ضلع مندو است سکونت اختیار کرد سلطان
غیاث الدین بارہا تکلیف ملاقات نمود و شیخ راضی نمی شدند
سلطان غیاث الدین بارہا تکلف ملاقات نمود و شیخ راضی نمی شد
وقتے ایام رحلت حضرت رسالت صلعم سلطان اسد عالم کرد
و مجلس ترتیب دادہ بود کہ آمدند وقت رخصت سلطان طلب تبرک نمود
تسبیح در دست ایشان بود سلطان در بیرون آمدند

جب عبادت میں خلل پایا اور مانع حضوری دیکھا تو اپنی لڑکی کو علیحدہ کر دیا
اور اس کا مرد کر کے ولایت مالوہ کی طرف تشریف لے گئے۔
سلطان غیاث الدین شیخ عبداللہ سے ملاقات ہونے پر
ان کی وضع کا فریفتہ ہو گیا تھا اور اس نے ان سے اپنی صحبت میں رہنے اور
وظیفہ مدد معاش قبول کرنے کے لئے بہت منت و عاجزی سے درخواست کی
مگر شیخ راضی نہ ہوئے اور موضع چھتری اعمال قصبہ تاراپور کے جنگل میں
جو ضلع مندو سے سات کوس ہے سکونت اختیار کی۔ سلطان غیاث الدین
نے بہت دفعہ ان سے ملاقات کرنی چاہی مگر شیخ راضی نہ ہوئے۔
حضرت رسالت مآب صلعم کی وفات کی تاریخ کے دن سلطان نے کھانے
کی درخواست کی اور مجلس جو ترتیب دی تھی اس میں وہ تشریف لائے۔ رخصت
کے وقت سلطان نے تبرک کی درخواست کی۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی دیدی
اور باہر تشریف لے گئے۔

درویش طلب آں از خشکی در دید کہ پیش آمدند و گفتند کہ عذر برائے
خواست کہ شیخ را باز گشتہ از دست سلطان تسبیح کشیدہ گرفتند و
گفتند کہ بجائے این در میان نشدہ بود این جہل است۔ واپس شد و ہماں
دیار نیامد۔ سلطان ہرگز ایشاں را ملاقات نکردند گرد ہو پیشہ

دو آدمی درویشوں اور وہاں سے بھرے ہوئے دو طباق اُن کے
سامنے لائے اور عرض کیا کہ یہ نذر فقراء کے واسطے ہے۔ شیخ نے اُس وقت
سے واپس لوٹ کر سلطان کے ہاتھ سے تسبیح کھینچ کر لے لی اور فرمایا کہ
یہ شرط ہمارے درمیان نہیں ہوئی تھی یہ کیوں ہے۔ اور وہاں سے روانہ
ہو کر جنگل میں چلے آئے۔ اس کے بعد ہرگز امراء سے ملاقات نہیں کی جیسے
درویشوں کے۔

شیخ گدائی کے ماموں حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں شہنشاہ ہمایوں کی حاضری دیدار مندی

ثمرۃ سہروردیہ میں شیخ گدائی کے چھوٹے ماموں مخدوم شیخ نصیر الدین کے حال میں تحریر ہے کہ

روزے حضرت جہاں پناہ ہمایوں بادشاہ بدیدن ایشان آمدند
و مولانا محمد فرغلی و مولانا جلال کیفی کہ برکات سعادت اسباب
ہمراہ بودند شیخ کہ بوضع درویشان خلوت دوام داشت
حضرت جہاں پناہ بایشاں اشارت کردند کہ خدمت شیخ با سخن آمدند
مولانا گفت کہ جناب عالی لقائے شریف سرمدم کہ آئینہ دارم کرد کلام
لطیف مستمع کرم کہ گفتند قال النبی صلعم خلت ان فی الا اسلام لیس

ایک دن حضرت جہاں پناہ ہمایوں بادشاہ اُن کے دیکھنے کے واسطے
آئے۔ مولانا محمد فرغلی اور مولانا جلال کیفی شہنشاہ کے ہمراہ تھے
اور شیخ درویشوں کی وضع سے خلوت دائمی رکھتے تھے۔
حضرت جہاں پناہ نے اپنے ساتھیوں سے اشارے میں کہا کہ حضرت شیخ سے
کوئی بات پوچھو۔ [illegible] عرض کیا کہ دیدار شریف سے ہم بہرہ مند ہوئے۔
آپ ہمارے [illegible] مستفیض کریں [illegible] فرمایا کہ [illegible]

نزد شیخ سماءُ الدین کنبوہؒ پیر شیخ جمالیؒ کہ از علمائے کبار و مشائخ روزگار بود رفت۔ بہ ایں تقریب کہ مبادا او رد تمنا سلطنت برادرانِ دیگر داشتہ باشد و سبق ہوائی (معنی) را بہانہ ساختہ۔ بیان معنی عبارت "اسعدک اللہ" از خدمت شیخ پرسید۔ چوں گفت کہ نیک بخت گرداناد ترا خدائے تعالےٰ۔ التماس کرد کہ ایں لفظ را سہ مرتبہ بر زبانِ مبارک خود میرانند۔ شیخ سہ بار گفت۔ او برخاستہ عرض داشت کہ من مدعائے خود را حاصل کردم۔ و از شیخ استمداد طلبیدہ متوجہ لشکر شد۔ (منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۱۳ و ۳۱۴)

شیخ سماءُ الدین کنبوہ کی خدمت میں جو شیخ جمالی کے پیر اور علمائے کبار اور مشائخ روزگار سے تھے گیا اس وجہ سے کہ شاید سلطنت کی انکی خواہش میرے بھائیوں میں سے کسی کے لئے ہو۔ اور سبق پڑھنے کا بہانہ بناکر معنی عبارت "اسعدک اللہ" کے خدمت میں حاضر ہو کر شیخ سے پوچھے۔ جب انھوں نے فرمایا کہ "نیک بخت کرے تجھ کو خدائے تعالےٰ" تو التماس کیا کہ اس لفظ کو تین مرتبہ اپنی زبان مبارک سے فرمادیں۔ شیخ نے تین مرتبہ کہا تو اس نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنی غرض حاصل کرلی اور شیخ سے مدد چاہکر لشکر کو چلا گیا۔

سلطان سکندر کی۔ شیخ کبرائی کے نانا سے حصول سلطنت کیلئے طلب برکت اور لقب سکندر کہنے کی وجہ

اسی واقعہ کو صاحب مخزن افغانی نے اپنی کتاب کے ورق ۸۲ و ۸۳ پر ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ:

گویند چوں سلطان بہلول در گذشت و سلطان سکندر را بجہت سلطنت طلب داشتند در ملازمت حضرت قطب الاقطاب شیخ سماءُ الدین کم کوئی المشتہر بکنبوہ دہلوی رفت و گفت: میخواہم کہ من کتاب میزان صرف پیش شما بخوانم۔ و نسخہ را فی الحال از بغل برآوردہ پیش شیخ نہاد۔ حضرت شیخ فرمودند کہ بداں اسعدک اللہ تعالےٰ فی الدارین۔ سلطان گفت باز بگوئید و تا سہ مرتبہ از حضرت شیخ استدعاء طلب تکرار نمود۔ بعد از کتاب را بر داشتہ دست حضرت ایشاں بوسید و گفت مقصود من ایں بود کہ ایں کلمہ در حق من از زبانِ شما بر آید۔ حضرت شیخ را حسن ادب شاہزادہ بغایت پسندیدہ و مستحسن نمودہ۔ از روئے توجہ باطن کار ساز فرمود کہ نظام خان از خدا خواستہ ام کہ انشاء اللہ تعالےٰ سکندر وقت خود باشی۔ و بندہ ہائے خدا را از توفیق بسیار برند و محفوظ و مسرور گردند۔ پس ایں کلمہ را التفال گرفتہ رواں شد۔

کہتے ہیں کہ جب سلطان بہلول کا انتقال ہو گیا تو سلطان سکندر سلطنت کے حصول کی غرض سے حضرت قطب الاقطاب شیخ سماءُ الدین کم گوئی المشتہر بہ کنبوہ دہلوی کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میں کتاب میزان الصرف آپ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ اور اسی وقت کتاب کو بغل سے نکال کر شیخ کے آگے رکھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ "تجھے نیک بخت کرے اللہ تعالےٰ دونوں جہان میں" سلطان نے عرض کیا پھر فرمایئے اور حضرت شیخ سے تین مرتبہ اس جملہ کو فرمانے کی درخواست کی۔ اس کے بعد کتاب اٹھاکر حضرت مخدوم صاحب کے ہاتھ چومے اور عرض کیا کہ میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ یہ کلمہ میرے حق میں آپ کی زبان سے نکلے۔ حضرت شیخ کو شہزادہ کا یہ حسن ادب نہایت پسندیدہ اور مستحسن معلوم ہوا۔ اور توجہ باطنی کرکے فرمایا کہ "نظام خاں" میں نے خدا سے چاہا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تو سکندر وقت ہوگا اور خدا کے بندوں کو تجھ سے بہت فیض پہنچے گا۔ اور محفوظ و مسرور کرے گا۔ پس ان کلموں کو شگون پکڑ کر وہ روانہ ہوا۔

(نوٹ ملہ) کمکو۔ جس طرح کوتوال مخفف یا محرف ہو کر کوتے کہا جاتا ہے جس کے معنی مجلس جوریہ کے ہیں اسی طرح کمکوتر کی لفظ کیا کم کا مخفف ہے جس کے معنی مدیر یا متصرف یا وزیر و حاکم صوبہ کے ہیں۔ (کتاب تحصیلی کا میدان جنگ مصنفہ سر ایتھنڈ بارلیٹ ممبر پارلیمنٹ انگلستان۔ مترجمہ مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار صفحہ ۲۲۱) کیونکہ مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ کے خاندان میں وزیر و گورنر اور صدر و قاضی و مفتی مسلسل ہوتے آئے ہیں اس لئے ان کا خاندان کمکو یعنی وزراء کا خاندان اسی طرح کہلانے لگا تھا۔ جس طرح شاہی خطاب کی وجہ سے اھرز بھہ میں ایک خاندان "دانشمندان" کہلاتا ہے یا مارہرہ کے ایک خاندان میں کئی پشتوں تک "قضا" رہنے کی وجہ سے وہ خاندان "قاضی" کہلاتا ہے اور جن کا محلہ "قاضیاں" کے نام سے وہاں آباد ہوا اور یہ محلہ "قاضیان" اب تک موجود ہے۔ یہاں "کمکو" اور "کنبوہی" مخدوم صاحب کے نام کے سامنے لکھکر "مورخ" نے "مخدوم صاحب کے خاندان کے خطاب" اور "سکنی لقب" دونوں کو ظاہر کر دیا ہے۔)

شیخ گدائی کے گھرانے کی شان و عظمت اور بادشاہانِ عظیم الشان کی نیازمندی اُن کے بزرگوں سے

اب ہم ملا صاحب کے اِس بیان کو جانچتے ہیں۔ کہ (۱) "ہمایوں کی شکست و دم کے بعد" شیخ گدائی پسر شیخ جمالی کنبوہی "شاعر دہلوی" نے "خان خاناں" کے ساتھ آوارگی "گجرات میں" رفاقت کی تھی" اس لئے بیرام خاں خان خاناں" نے تمام اکابر "ہندوستان" و خراسان" سے بڑھا کر "اُن کو منصب رفیع القدر صدارت دیدیا تھا"

(۲) خان خاناں" بلکہ "شاہنشاہ اکبر" بھی بعض اوقات اُن کے گھر "حال وقال کی مجلسوں میں جا جما بیٹھا سراسر تکلف اور ظاہر پرستی" برستی تھی" جاتے تھے"

(۳) شیخ گدائی کے اِس اقتدار و اثر اور عزت و مرتبہ سے" تمام اکابر گھبرا گئے۔ اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ اور زور شور سے ماتم ہونے لگا" بڑوں کی موت نے مجھے پڑھایا کا سیماب مجھ میں آ گیا" بہت سے تو یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیتے تھے۔ کہ اگر خاقانی و دو تر جگہ بیٹھ جائے تو اس کی بے عزتی ہے نہ تیری عزت ہے" تم دیکھتے نہیں کہ "سورۂ اخلاص" تبت یدا" کے نیچے ہے"

"ملا صاحب بدایونی" کے اِس بیان کے تینوں ٹکڑے سراسر دھوکے میں ڈالنے والے ہیں" اور اُن کی اور اُن کے خاندان کی عظمت و شان" جلالت و مرتبہ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کے سوائے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

خان خاناں" اور "اکبر" اگر "شیخ گدائی" کے گھر جاتے تھے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی" خود اکبر کا باپ شاہنشاہ ہمایوں اور دادا بابر اور لودھی شاہنشاہ وغیرہ بھی اُن کے مکان پر جایا کرتے اور وہاں جانے کو اپنے لئے باعث افتخار و برکت سمجھتے تھے"

سلطان بہلول لودھی کا سر "شیخ گدائی کے نانا کے قدموں پر"

سیر العارفین کے صفحہ ۱۷۸ و ۱۷۹ پر "شیخ گدائی کے نانا مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ" کے حالات میں تحریر ہے کہ"

روزے "سلطان بہلول" پدر حضرت سلطان سکندر "انار اللّٰہ برہانہا" بزیارت ایشاں آمد" خبر کردند کہ سلطان تشریف قدمبوسی را ملتمس و متر صد است" اشارت چیست" فرمودند کہ درآید"

سلطان مذکور درآمد" و سر در قدم حضرت ایشاں نہاد و متقابلے نشست" بعد ازاں سلطان مذکور" عرضداشت نمود" کہ یعنی این معتقد را دیدہ ظاہر و باطن ناظر بر چہرۂ کرم و شفقت حضرت مخدومی است" زیرا کہ بادشاہان یعنی درویشانند۔ و ما ریزہ چین صورت ایشاں"

حضرت مخدومی فرمودند" ریزہ چیدن از صورت ایشاں" ایں معنی دارد۔ اگر کسے توفیق رفیق طریق احوال ایشاں بیابد۔ بارے براہ افعال و اقوال و اعمال ایں قوم بشتابد" تا اثر صورت ظاہر درویشاں زنگ کدورت بر باطن ایشاں بزداید۔

بعد ازاں بزبانِ مبارک راندند"

ایک دن سلطان بہلول پدر حضرت سلطان سکندر "انار اللہ برہانہا" اُن کی (حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ) کی زیارت کے لئے آیا" خبر کی کہ سلطان قدمبوسی کا شرف حاصل کرنے کی التماس کرتا ہے اور امیدوار ہے" کیا ارشاد ہے" فرمایا کہ آ جائے" سلطان مذکور آیا اور اپنا سر حضرت مخدوم صاحب کے قدموں میں رکھا اور سامنے بیٹھ گیا" عرصہ کے بعد سلطان مذکور نے عرض کیا کہ اس معتقد کی ظاہری و باطنی آنکھیں حضرت مخدومی کے چہرۂ کرم و شفقت پر لگی رہتی ہیں" اِس لئے کہ بادشاہ تو درویش ہی ہیں اور میں ریزہ چیں اُن کی صورت کا ہوں"

حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا کہ ریزہ چننا اُن کی صورت سے یہ معنی رکھتا ہے کہ "اگر کسی کو توفیق رفیق طریق احوال اُن کی نہ ہو" تو اس فرقہ کے افعال و اقوال و اعمال کے راستہ کو اختیار کرے تاکہ درویشوں کی صورت ظاہری کا اثر اُن کے باطن کی کدورت کے زنگ پر پڑے"

اِس کے بعد زبانِ مبارک سے فرمایا کہ"

اس بیان سے بھی اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ شیخ محمد یٰسین سید بھیری ہیں۔ اگر وہ سید بھیری نہ ہوتے تو شاہ محمدی
ان کو سید نہ لکھتے نہ صاحب تحفہ جات ان کی تحریر کو قبول کرتے۔
مؤلف امروہوی کے برادر بزرگ حکیم فرید احمد صاحب امروہوی مطب خاص طبیہ کالج دہلی نے بھی اپنی کتاب
درحقیقۃ السیادۃ مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی چھاپہ ۱۳۳۲ھ کے صفحہ ۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ

ممالک اسلامیہ میں قریشی سید کہے جاتے ہیں اور صفحہ ۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی
فرماتے ہیں کہ قریش کا کوئی بطن ایسا نہ تھا جو ذوی القربیٰ میں نہ آتا ہو۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور
سرور عالم صلعم کے تمام قریش رشتہ دار تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے ساتھ سیادت میں سب شریک
تھے۔ حضور نے فرمایا تھا کہ جو شخص قریش کو ذلیل کرنا چاہے گا خدا اس کو ذلیل کرے گا۔

حکیم صاحب موصوف نے اپنی اس کتاب میں سید صدیقی، سید فاروقی، سید عثمانی، سید بھیری کی تحریر کے حلے پر رد دیا ہے۔
جیسا کہ ہم اوپر دکھا آئے ہیں مؤلف امروہوی نے ان تمام کتابوں میں جن میں شیخ ابن امروہوی کا حال تحریر ہے ان کے نام کے
ساتھ پیشانی پر اور ہر جگہ لفظ شیخ لکھا ہوا پایا اور صرف منتخب التواریخ میں شرح میں تو شیخ ہی مگر اس عبارت میں ایک جگہ سید مشار الیہ
دیکھ کر عجیب و غریب تاویلوں اور لفاظیوں سے انہیں سید بنانا چاہتے ہیں وہ تو بحث طلب ہے دیکھو کہ سید مشار الیہ ایک عزت کا کلمہ ہے جسے
ہر عرب ہر شخص اپنے مخاطب سے گفتگو کرتے وقت اس کے لیے سیدی و مولائی بولتا ہے۔ صاحب تحفہ نے بھی شیخ ابن … کے تقدس و بزرگی کی وجہ سے
اگر انہیں ان کے تذکرے میں ایک جگہ سید مشار الیہ لکھ دیا ہے تو ان کے اس لکھنے کو شیخ ابن … کے سید ہونے کی سند کسی طرح بھی قرار نہیں دی جا سکتی۔
لیکن شیخ محمد یٰسین کے نسب کے بارے میں یہاں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ ان کو تعظیمی لفظ
سید مشار الیہ کے بجائے صاف طور سے سید لکھا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سید بھیری تھے۔ رسول مقبول صلعم سے جس
رشتہ داری کے حضرت زبیر رضی کو حاصل تھے وہ کسی صحابی کو نہیں تھے۔ (دیکھو تحفہ اثنا عشریہ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۸) … بار دیگر … دہلی … تعداد بسیار حرمین کرد و
کتب … سعادت عظمیٰ رسید و بشارت … حضرت خاتم الرسل صلعم
اشارت یافتہ باز بہ وطن خود مراجعت نمود۔
وفات شیخ در ۹۳۲ ہجری …
شیخ حاجی … است۔ و مقبرہ … شاہ عبد اللہ …
و شیخ حاجی عبد الوہاب را تفسیریست کہ اکثر قرآن بلکہ تمام
آں را … تفسیر … صلعم … از حقائق عشق و اسرار
محبت … درج کردہ است۔
غالباً وقوع آں در غلبہ حال و استغراق وقت بودہ است۔
… عبارت …
خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۳۳ پر ہے کہ
سید شاہ ابو الغیث بخاری معروف بہ پسر سید حاجی
عبد الوہاب بخاری و وفات در ۹۶۰ ہجری واقع شد۔

اور دو بار دہلی سے بھی تعداد بسیار حرمین کا کہ مکرر بہ سعادت عظمیٰ
حاصل کی اور بشارت میں حضرت خاتم الرسل صلعم کی جناب سے پاکر پھر وطن
واپس تشریف لائے۔
شیخ صاحب کی وفات ۹۳۲ ہجری میں ہوئی۔ شیخ حاجی سے سنہ وفات
کے عدد نکلتے ہیں۔ ان کا مقبرہ شاہ عبد اللہ … کے مقبرے کے جوار میں ہے۔
اور شیخ حاجی عبد الوہاب کی تفسیر ہے کہ اکثر قرآن بلکہ تمام قرآن
شریف کو … حقائق عشق و اسرار
محبت کے دقائق اس میں درج کیے ہیں۔
غالباً ان کا وقوع حال و استغراق کے غلبہ کے وقت ہوا ہے۔ اس لیے
جیسے موقعوں پر جناب ظاہر لفظ و عبارت …
خزینۃ الاصفیاء جلد دوم کے صفحہ ۳۳ پر ہے کہ
سید شاہ ابو الغیث بخاری معروف بہ پسر سید حاجی
عبد الوہاب بخاری کی وفات ۹۶۰ ہجری میں واقع ہوئی۔

سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ کے جن کی بزرگی اور سیادت میں کسی کو بھی مجال دم زدن نہیں ہے "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز کی پالکی کو والہانہ جوشِ ارادت وعقیدت سے اپنے کاندھے پر اٹھا لینے پر مخدوم صاحب قدس سرہٗ نے جو الفاظ اُن کو مخاطب کرکے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے اُن سے "حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کی شان و مرتبت عظیم کے ساتھ ہی اُن کی عالی نسبی یعنی عربی "قریشی" "زبیری" ہونے کا ایک اور قطعی ثبوت بہم پہنچنے کے ماسوائے "

مؤلف امروہوی کے پیش کردہ ہیچ و پوچ اور ابلیٹ کے اس بیان کی بھی کہ "سادات" "شیخ گدائی" کے خاندان کو "کنبوہی یا کنبوہ" کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے "بخوبی تردید ہوگئی ہے" اور اُن کی اس دروغ گوئی کا پول بھی اچھی طرح کھل گیا ہے"

شیخ گدائی کے خاندان کے ایک اور بزرگ "کے سید زبیری ہونے کی شہادت

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کی "سیادت نسبی" کے یہ متذکرہ بالا واقعے ہی کتابوں میں مذکور نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے اس شرف کو "مختلف زمانوں کی متعدد کتابوں میں جابجا ظاہر کیا گیا ہے" اختصار کے مدنظر یہاں ہم "شیخ گدائی" کے خاندان کے صرف ایک اور بزرگ "شیخ محمد لیسین" کا حال لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں "جس میں اُن کے نسب پر اچھی طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔ بحر زخار کے صفحہ ۱۳۵ پر تحریر ہے کہ۔

حضرت شیخ محمد لیسین "از نبیرہ او شیخ سماؤالدین" دہلویست"
تقوی شعار "سعادت آثار" حاجت روائے خلق "بدوست ملحق بود"
در تذکرۃ العارفین "شاہ محمدی نویسد" از سادات صالح با
ذوق بغایت باادب بود "ہشتم صفر یک ہزار یکصد ہجری وفات یافت"

حضرت شیخ محمد لیسین "شیخ سماؤالدین دہلوی" کی نسل سے ہیں"
تقوی شعار "سعادت آثار" حاجت روائے خلق اور بدوست ملحق تھے
تذکرۃ العارفین میں "شاہ محمدی نے لکھا ہے کہ سیدوں نیکوکار
حقیقت شناسوں میں سے بہت ہی باادب تھے "۸ صفر ۱۱۰۰ھ ہجری میں وفات پائی"

(نوٹ علیٰ بقیہ صفحہ ۱۱۷) کہ فوق جمیع نعمت ہاست" ولیکن مردم قدر آں دو نعمت را نمی شناسند" وبداں پے نمی برند۔ و از تحصیل آنہا غافل اند" یکے آنکہ وجود مبارک مصطفیٰ صلعم بصفت حیات "در مدینہ" موجود ست۔ مردم ایں سعادت را درنمی یابند"

دوم قرآن مجید کہ کلام پروردگار ست۔ وے سبحانہٗ تعالیٰ بے واسطہ بداں متکلم ست خلق ازاں غافل اند۔ بمجرد شنیدن ایں کلام از ینیں پیر برخاست و رخصت زیارت مدینہ درخواست و براہ خشکی زیارت پیغمبر صلعم بشتافت و ایں سعادت را دریافت باز بوطن اصلی عود نمودند"

و بعد ازاں بتقریب بعضے سوانح روزے از آنجا "در عہد سلطان سکندر لودی" بدہلی آمد سلطان سکندر را بوے اعتقاد پیدا شد۔ وآنچہ از شرائط تعظیم بود۔ رعایت نمود۔

اُو را با شاہ عبد اللہ" نسبت محبت و دیدار و طلب و استرشاد چنداں بود کہ آنچہ میگویند کہ فنافی الشیخ عبارت ازیں چنیں حال باشد بسبب صحبت اُو باوے بطریق تشبیہ مناسب "حکایت مولانا روم ست" با شمس تبریز قدس اللہ سرہ"

پر فوقیت حاصل ہے" لیکن آدمی اُن دو نعمتوں کی قدر نہیں جانتے ہیں اور اُن کے لئے کوشش نہیں کرتے" اور اُن کے حصول سے غافل ہیں" ایک اُن میں سے یہ ہے کہ وجود مبارک مصطفیٰ صلعم کا بصفت حیات مدینہ میں موجود ہے" اور لوگ اِس سعادت کو نہیں حاصل کرتے"

اور دوسری قرآن شریف جو پروردگار کا کلام ہے" اور اُس سے بے واسطہ خداوند تعالیٰ اُن سے بات کرتا ہے" اور خلقت اُس سے غافل ہے" اس بات کے سنتے ہی پیر کے سامنے سے اٹھے اور رخصت زیارت مدینہ کی چاہی" اور خشکی کے راستے سے پیغمبر صلعم کی زیارت کو چل دیئے اور اس سعادت کو حاصل کرکے پھر اپنے وطن کو لوٹ آئے"

اور اس کے بعد کسی واقعہ کے سبب سے ایک دن وہاں سے روانہ ہوئے۔ سلطان سکندر لودی کے زمانے میں دہلی میں چلے آئے" سلطان سکندر کو اُن سے اعتقاد پیدا ہوا" جو کچھ شرائط تعظیم کی تھیں وہ بجا لاتا تھا"

اُن کو شاہ عبد اللہ سے نسبت محبت و دیدار و طلب و استرشاد اس قدر تھی کہ جیسا کہتے ہیں فنافی الشیخ ہو گیا" اس قدر چاہتے تھے کہ ان کی صحبت کے سبب سے تشبیہ مناسب طریق سے حکایت مولانا روم کی ہے" شمس تبریز قدس اللہ سرہ کے ساتھ"

کہ اعتراف ہے گوں کے علم و تعقل کی حدود قیب کا حال یہیں تو بی معلوم ہوگیا ہے۔ کیونکہ جو فضایل نسبی و حسبی وغیرہ مولانا شیخ محمد کے ہیں وہ ہی شیخ گدائی کے ہیں۔ کیونکہ دونوں ماں اور باپ کی طرف سے ایک ہی شخص کی اولاد ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ مورخین نے کسی غیر عربی النسل شخص یا خاندان کو عالی نسب لکھنے سے احتراز نہیں کیا ہے۔ دوسری اقوام کو مثلاً خراسانی، مصری، ایرانی، رومی، ترکی، ہندی، برہمن، راجپوت وغیرہ لکھتے رہے ہیں۔ اور اقا صاحب کے متعلق دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ وہ غیر عربی النسل ہیں کسی کو بھی عالی نسب لکھ سکتے ہیں۔ جس شخص کے تعصب کا یہ حال ہو کہ شیخ محمد غوث گوالیاری سے اس نے ملنے کا ارادہ کیا ہو مگر پھر یہ سوچ کر اس ارادہ کو ترک کر دیا ہو کہ وہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے شخص کا کسی غیر عربی النسل کو عالی نسب اور والا حسب اور فضائل نسبی و وجودی رکھنے والا لکھ دینا قطعی ناممکن ہے۔ مؤلف اور جو بھی اگر اپنا پورا زور لگا دیں تب بھی اس ناممکن کا ممکن ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔

شیخ گدائی کے نانا کی پالکی کو حضرت سید حاجی عبدالوہاب قدس سرہٗ کا سر مبارک اپنے کاندھے پر اٹھا لینا

شیخ گدائی کے علوئے حسب و نسب اور سید ہونے کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ۔

روزے مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہٗ (اوجد نانا شیخ گدائی) الضعف کبر سن بر پالکی سوار میرفتند و درمیان و خادمان و معتقدان و جمع کثیر در ملازمت ہمراہ بودند در اثنا مہر سپہر سیادت و خورشید فلک سعادت سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ سید اسپ فرود آمدہ پائے کہار گرفت خود سمادہ۔ مخدوم بصفائے نور باطن دریافتند و فرمودند دو آخر پالکی بر زمین نہند سید حاجی کعبۃ نظر کرم فرمودند ادب سیادت نگاہ داشت بے تعد بزرگاں واد۔ (تذکرۂ اسرار ورق ۳۰۲)

ایک دن مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہٗ شیخ گدائی کے نانا۔ اور جد بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے پالکی پر سوار جا رہے تھے۔ بہت سے خادموں اور معتقدوں میں سے جماعت کثیر آپ کی خدمت میں ساتھ بھی تھی اسی اثنا میں مہر سپہر سیادت خورشید فلک سعادت سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ کے پوتے گھوڑے سے اتر کر انہوں نے کہار کی جگہ لیکر پالکی کو اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ مخدوم صاحب نے صفائے نور باطن سے معلوم کر لیا اور فرمایا پالکی کو جلدی زمین پر رکھو اور حاجی صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا ادب سادات کا پالی ہے مگر تو بھی بزرگوں کی قدر کرتا جاتا ہے۔

نوٹ ۱ اخبار الاخیار کے صفحہ ۲۲۹ و ۲۲۱ پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سید حاجی عبدالوہاب بخاری کا حال جنہوں نے مخدوم صاحب کی پالکی کو کاندھا دیا تھا اس طرح تحریر کیا ہے کہ۔

از اولاد سید جلال بخاری بزرگ است۔ کہ جد سید جلال الدین مخدوم جہانیان است۔
سید جلال را دو پسر بودہ یکے سید احمد بزرگ و دیگر سید محمود مخدوم جہانیاں پسر سید محمود است۔ و شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری از اولاد سید احمد است بزرگ بود۔ موصوف بعلم و عمل و حال و محبت در اوایل حال کہ بشہر ملتان بوطن داشت۔ روزے در ملازمت پیر و استاد و شیخ (خسر) خود سید صدر الدین بخاری نشستہ بودند سائلے پرسید کہ گفت دو کعت در عالم بالفعل موجود است۔

سید جلال بخاری بزرگ کی اولاد سے ہیں جو دادا سید جلال الدین مخدوم جہانیاں کے ہیں۔
سید جلال کے دو لڑکے تھے۔ بڑے سید احمد بزرگ اور دوسرے سید محمود۔ مخدوم جہانیاں سید محمود کے لڑکے ہیں۔ اور شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری سید احمد کی اولاد ہیں۔ موصوف کو علم و عمل اور حال و محبت میں بڑا درجہ تھا۔ شروع حال میں جبکہ ابھی ملتان میں سکونت رکھتے تھے ایک دن اپنے پیر اور استاد اور خسر سید صدر الدین بخاری کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن سے سائل نے کہا تو تصیں بقل دنیا میں موجود ہیں جن کو تمام کتوں

"چوں مولانا تترخان بعد از عزل منصب در آگرہ آمد روزے در بازار می‌گذشتم که از پیش پیدا شد۔ از یاران فقیر میاں کمال الدین حسین شیرازی نامی خوش طبع ظریفے از اکابر آگرہ بمولوی گفت که نواب خان اکابر دہلی را خوب یاد فرمودید۔ چہ شود اگر اکابر آگرہ را ہم نوازش فرمایید که امیدوار اند۔

فقیر گفتم ظاہرا درین ہا آں قابلیت ندیدہ اند که یاد کنند۔ خندہ کرد و گفت آں تہمتے بود که بر پائے ما بستند۔

خان مذکور زمانے که شاہنشاہی بر سر حکیم میرزا لشکر کشیدند در نہصد و ہشتاد و نہ تخلف نمودہ از پنجاب باز گشتہ بجاگیر رفت۔ و ایں معنی موجب بدگمانی بر و شد۔ تا بعد از مراجعت ازاں سفر در فتحپور بپاۓ حساب و کتاب و عتاب و خطاب کشیدہ چند سال آزار رسانیدند۔

و ایں شکست را ارباب ہوش بنتوّمی آں شومے ادب میدانستند که او اکابر حضرت دہلی را بتقریب ناخوشی که با تاتار خان داشت ہجو کردہ"

"جب مولانا ترخان منصب سے معزول ہو کر آگرہ میں آیا میں ایک دن بازار میں گذر رہا تھا کہ اُس کا سامنا ہو گیا۔ میرے دوستوں میں سے میاں کمال الدین حسین شیرازی نے جو خوش طبع اور ظریف۔ اکابر آگرہ سے تھے مولوی سے کہا کہ نواب خانی آپ نے اکابر دہلی کو خوب یاد فرمایا۔ کیا ہو اگر اکابر آگرہ کے واسطے بھی ایسی ہی نوازش فرمادیں کہ وہ بھی امیدوار ہیں۔

میں نے کہا کہ ظاہرا اُن میں وہ قابلیت نہیں پائی ہے کہ انہیں یاد کریں۔ ہنسے اور جواب دیا کہ وہ تہمت تھی جو میرے پاؤں میں باندھ دی تھی۔

اُسی زمانہ ۹۸۹ھ ہجری میں جبکہ شاہنشاہ اکبر نے حکیم میرزا پر لشکر کشی کی تھی خان مذکور (یعنی شاعر ہجو گو) براہ خیرہ سری و خلاف ورزی پنجاب سے اپنی جاگیر کو لوٹ گیا۔ بادشاہ کو بدگمانی پیدا ہوئی۔ اُس سفر سے مراجعت کرنے کے بعد فتحپور پہنچ کر چند سال معرض عتاب اور کشاکش حساب و کتاب میں رکھا۔

شاعر ہزیان سرا نے بہت ذلت و تکلیف اٹھائی۔ کہتے ہیں کہ اُسی گستاخی و بے ادبی کے سبب جو اُس نے بزرگان دہلی کے ساتھ کی تھی یعنی تاتار خان سے ناخوشی کی وجہ سے اُن کی ہجو کی تھی اُس کو یہ خواری و ذلت نصیب ہوئی۔"

صاحب منتخب کے اِس بیان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی ہے کہ تاتار خان حاکم دہلی سے ناخوشی اور کدورت کی وجہ سے ملا نور الدین محمد ترخان نے کس طرح اپنی ہجو میں بلا کسی عناد کے خواہ مخواہ ایسے بزرگان دہلی کو بھی شامل کر لیا تھا جن کے تقدس اور بے گناہی کی وجہ سے ملا صاحب جیسے شخص بھی تلملا گئے تھے۔

دوسرے اُس سے شیخ محمدؒ کے نسب وغیرہ پر ایسی صاف روشنی پڑ گئی ہے کہ اُس کے بارے میں کسی بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

یہ شیخ محمد کنبوہ جنہیں ملا صاحب نے "علوئے حسب و نسب" اور فضائل کتبی و موروثی میں "یگانۂ زمانہ" بتایا ہے شیخ گدائیؒ کے حقیقی نانا مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز کے پرپوتے۔ اُن کے ماموں مخدوم شیخ نصیر الدین قدس سرہ کے پوتے۔ اور اُن کے ماموں زاد بھائی شیخ عبد الغفور المشتہر بہ میاں لاڈن قدس سرہ کے پانچ صاحبزادوں میں سے دوسرے تھے۔ (دیکھو شجرۂ سہروردیہ مؤلفہ احمد خاں اکبر شاہی قلمی) ابو الفضل نے بھی اپنی کتاب آئین اکبری میں اِن مولانا شیخ محمدؒ کا نام علمائے معقول کے ذکر میں لکھا ہے۔ اور مولانا محمدؒ کے صاحبزادے شیخ احمد المتوفی ۱۰۱۰ھ ہجری کا نام علمائے منقول کی ذیل میں تحریر کیا ہے۔

مولانا شیخ محمدؒ کی عالی نسبی کا حال "صاحب منتخب" ہی کے بیان سے ثابت ہو جانے کے بعد اب یہ بات صاف ظاہر ہو گئی ہے کہ ملا صاحب نے شیخ گدائیؒ کے نسب پر خاک ڈالنے کی جو کوشش کی وہ محض حسد سے اور بادشاہ کی اُس خوشامد میں کی تھی جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اگر شیخ گدائیؒ کے نسب میں کچھ بھی خامی ہوتی تو اِس حاسد اور خوشامدی ملا کو اُسی قدر کہہ کر خاموش نہ ہو جانا پڑتا کہ شیخ کی معراج سے جس کے نسب کو بھی لوگ اچھا نہ سمجھتے تھے سب اکابر و ائمہ گھبرا گئے۔ بلکہ وہ اُسے کھول کر بیان کرتا اور خوب کھرا کر کے دکھاتا۔

یہ جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ آخر کار ملا صاحب ہی کے قلم سے شیخ گدائیؒ کے علوئے نسب اور والا حسبی نیز اُن کی اور اُن

(الف) سید بایزید الدین مجذوب المشہور بہ علاؤل بلاول المتوفی سنہ ۹۵۳ ہجری در آگرہ کے استاد تھے۔ "ان سید علاؤل بلاول صاحب سے دہلی۔ شیخ لادن کنبوہ مفتی عصر کے مدرسہ میں تفسیر کا سبق لیا تھا۔ یہ ہی سید علاؤل بلاول مجذوب ہیں جن کے ارادتمندوں میں داخل ہو کر شیخ ابن نے استفادہ حاصل کیا تھا اور جن کی ہدایت کے مطابق شیخ ابن آگرہ سے امروہہ گئے۔ (تذکرہ متقین مطبوعہ امروہہ)

(ب) ملا عبد القادر بدایونی کے استاد میاں شیخ عبداللہ بدایونی نے بھی نعمت علم میاں لادن دہلوی سے حاصل کی تھی۔

(منتخب التواریخ جلد سوم) صفحہ ۵۴ تا ۶۵ (حالات شیخ عبداللہ)

(۵) شیخ گدائی رح کے تیسرے ماموں میاں ظفر خاں اور چوتھے ماموں شیخ ابراہیم نے اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت پایا تھا۔ "سیادت مآب معز الدین" و "شیخ محمود" درسولدار" "وتقوی شعار صلاح آثار شیخ احمد پدر شیخ دہر شیخ عبد النبی" و شیخ حاتم سنبھلی" استاد ملا عبد القادر بدایونی" "میاں ظفر خاں کے شاگرد تھے" اور پانچویں ماموں شیخ عبد العزیز المشتہر بہ میاں دولت خاں اور چھٹے ماموں شیخ بڈھ جمال الدین المشتہر بہ میاں جمال خاں جو سلیم شاہ سوری کے زمانہ سے اکبر کے زمانہ تک مفتی دہلی تھے۔ ان دونوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ نظیر الدین قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت پایا تھا۔ (شجرۂ سہروردی قلمی۔ در کتب خانہ ریاست رامپور)

سید محمد میر عدل امروہوی جو اس خاندان میں منصب امارت پر پہنچنے والے پہلے شخص ہیں اور جن کا درجہ نو ی صدی تھا۔ شیخ حاتم سنبھلی کے شاگرد تھے۔

(۶) شیخ گدائی رح نے اپنے والد بزرگوار حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ اور اپنے مجھلے ماموں نے میاں لادن سے بھی کچھ فیض پایا تھا اور آپ نے شیخ سلیمان شروانی قدس سرہٗ کے والد بزرگوار شیخ بایزید قدس سرہٗ ابن شیخ راجو قدس سرہٗ ولد شیخ محمد زماں کو تربیت و تلقین کر کے درجہ کمال کو پہنچایا تھا۔ "شیخ راجو مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔" (تاریخ خانجہانی مخزن افغانی)

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۷۸ پر تحریر ہے کہ۔

شیخ گدائی در مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم در ایام عرس حاضر میشد و مجالس عالی با حشمت و کر و فر ترتیب میداد۔	شیخ گدائی مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم پر عرس کے دنوں میں حاضر ہوتے اور مجالس عالی کو حشمت اور کر و فر سے ترتیب دیتے تھے۔

(۷) شیخ گدائی کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز کے برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ اسحق قدس سرہٗ العزیز بھی بہت بڑے اولیاء اللہ تھے۔ سلطان بہلول لودی کو آپ سے بے انتہا ارادت و عقیدت تھی۔ اور آپ کے صاحبزادے شیخ یحییٰ عبد السلام المعروف شیخ اچھن رحمۃ اللہ علیہا دلی مادر زاد اور اولیائے دہلی کے ملجا و ماوی تھے۔ ارشاد و ہدایت اور یاد الٰہی آپ کا مشغلہ تھا۔

غرضکہ شروع سے شیخ گدائی کے خاندان میں اور بھائی بھتیجوں بیٹوں پوتوں میں سے بھی کوئی شیعہ مسلک کا پیرو نہ تھا۔ "اس خاندان میں سب سے پہلے محمد اعظم الدین خاں المخاطب بہ عماد الملک شاہ عالم بادشاہ کی ترغیب سے شیعہ ہوئے۔ یہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے اخیر زمانہ میں شاہزادہ محمد معظم (بعد شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ) کے پاس سے لاہور کے قاضی (درجہ) مقرر ہوئے۔ جب شاہ عالم بہادر شاہ شہنشاہ ہوئے تو صوبہ ملتان اور بعد میں صوبہ لاہور آپ کی جاگیر ہوئی۔ پنجہزاری ذات و پنجہزاری سوار کا منصب پایا۔ اور عماد الملک کا خطاب ہوا۔"

(المشاہیر و شمس التواریخ)

پھر اس خاندان کے چند اشخاص نے شاہان اودھ کے وسطی زمانے میں شیعہ ہو گئے تھے۔ جن کی اولاد میں سے بعض نے پھر حنفی مذہب اختیار کر لیا۔" معدودے چند گھرانوں کے سوا شروع سے آج تک یہ خاندان سنی مسلک کا ہی پیرو چلا آ رہا ہے۔"

٭٭

کی نسبت ماصعات میں کیا وارد تھا کہ اوجہاں تھا کہ شیخ گدائیؒ اور ان کے بزرگوں کی اب تک کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ کیا سبب ہے کہ اکثر
اہل تاریخ انہیں سُبک الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اور متو صاحب کا تو کہنا ہی کیا۔ نظم و نثر لطیفہ تاریخ کے تیروں سے خاک کا تودہ
بنادیا ہے۔ آخر یہ عقدہ کھلا کہ ان کے خاندان کا مذہب بھی شیعہ تھا۔ اگر تیری امان ہے الٰہی تیری امان!

صاحب دربار اکبری کی رائے شیخ گدائی اور ان کے بزرگوں کے مسلک پر چند مرید و شاگرد

(۱) شیخ گدائیؒ کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہ العزیز (پیدائش ششصد ہجری وفات سنہ ۹۰۱ھ)
اپنے زمانے کے اولیاء اللہ اور بڑے پایہ کے مشائخ طریقت سلسلۂ سہروردیہ کے تھے۔ جن کے چند مرید و خلیفہ یہ ہیں۔ ان کے صاحبزادے کُل
(الف) حضرت شیخ عبداللہ بیابانی جن سے آپ مشہور اولیاء اللہ تھے۔ جس طرح شیخ یوسف سجادہ نشین درگاہ اور اولاد حضرت
مخدوم بہاؤالدین زکریا سہروردی ملتانی قدس سرہ کے صاحبزادے شیخ عبداللہ سے سلطان بہلول لودی نے اپنی صاحبزادی کی
شادی کی تھی اسی طرح سلطان سکندر لودی نے جس نسب کے معاملہ میں فراخ دلی تھا انہوں نے آپ کی نوجوانی میں اپنی بھتیجی کی آپ
سے شادی کردی تھی۔ عبادت میں انہماک کہ آپ نے چھ ماہ بعد اسے طلاق دیدی۔ اور لنگا ماوہ کے جنگل میں رہ کر تمام عمر عبادت و
ریاضت میں بسر کردی۔ سلطان غیاث الدین خلجی بادشاہ مالوہ کو بھی آپ سے بے انتہا ارادت و عقیدت تھی۔ اور
(ب) صاحبزادے مخدوم شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ آپ سلطان سکندر لودی کی سلطنت کے شیخ الاسلام تھے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار
حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ سے فیض حاصل فرمایا تھا۔ (شجرۂ سہروردیہ) اور
(ج) حضرت مخدوم صاحب کے ابن عم و داماد کلاں مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ پدر بزرگوار شیخ گدائی رحمۃ اللہ علیہ اور
(د) شیخ چیدن قریشی رحمۃ اللہ علیہ ابوالفضل کے نانا (دربار اکبری) اور
(س) شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن رحمۃ اللہ علیہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا (اخبار الاخیار) اور
(ط) مولانا شیخ عجائب سنبھلی متخلص بہ طالبی جو ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ کے استاد شیخ حاتم سنبھلی
کے چچا تھے۔ تذکرہ خاندان مؤلف نظم تاریخ سنبھل)
(۲) شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ کے شاگرد حضرت شیخ عبدالستار پسر عبدالکریم بن خواجہ سالار سہارنپوری کے تھے۔ جن کے متعلق
یہ مجموعہ میں ہے کہ معارف کمالات آں زبدہ ارباب ولایت و عرفان بہ تکرار اظہار و تشریح و بیان است
(۳) میاں شیخ فتح اللہ پسر کلاں شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ۔ بڑے ماموں شیخ گدائی کے مفتی شہر دہلی تھے۔
(۴) شیخ عبدالغفور المعروف بہ میاں لاڈن رحمۃ اللہ علیہ پسر دوم شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ۔ آپ سلطان سکندر لودی کے مرشد تھے۔ الخ

(نوٹ ملا) شمس العلماء مولانا آزاد کے بیان میں یہ بات صحیح نہیں ہے کہ شیخ گدائیؒ کے خاندان کا مذہب شیعہ تھا۔ مآثر الامراء نے
جس سے بیان مولانا آزاد نے لیا ہے۔ بعکس اس کے دھوکہ میں آکر شیخ گدائیؒ کو شیعہ لکھ دیا ہے کہ بیرام خاں جو شیعی مذہب کے
پیرو تھے شیخ گدائیؒ اور ان میں بے حد اتحاد تھا۔ بیرام خاں ان کے اثر میں اس قدر تھے کہ بلا استصواب شیخ گدائی کے کوئی کام نہیں کرتے
تھے۔ اکبرنامہ جلد دوم کے صفحہ ۶۶ و ۹ پر ہے کہ:
"شیخ گدائی۔ کہ بصدارت اختیار داشت و بہ وکیل معنوی بود و جمیع
مہمات ملکی و مالی بے استصواب او عمل نمی کرد۔" لیکن شیخ گدائی جو صدارت کے عہدہ پر اختیار رکھتے تھے۔ اصلی وکیل
وہی تھے۔ سارے ملکی و مالی کام ان سے پوچھے بغیر نہیں کئے جاتے تھے۔
اسی اتحاد و اثر کی وجہ سے صاحب مآثر الامراء نے قیاس کر لیا کہ شیخ گدائیؒ شیعہ تھے۔ اور یہ قطعاً غلط ہے۔ بلکہ ان کا سارا
خاندان حنفی مذہب اور صوفی مشرب تھا۔

سے زیادہ اُن کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

جب ۹۶۸ھ ہجری میں شیخ گدائی منصب صدارت سے سبکدوش ہوئے تو ملا صاحب کی عمر بیس اکیس سال کی تھی۔ اُس وقت وہ طالب علم تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ملا صاحب کو شیخ گدائی سے خود کوئی واسطہ نہیں پڑا۔

دربار اکبری کے صفحہ ۲۳۵ پر درج ہے کہ شیخ مبارک نے اپنے بیٹے فیضی کے ملازمت شاہی میں داخل ہونے سے پہلے اُسے اپنے ہمراہ لے جا کر شیخ عبدالنبی صدر کی خدمت میں سو بیگہ زمین مدد معاش کے لئے درخواست پیش کی تھی۔ اور جناب صدر نے ان کا کوئی استحقاق نہ ہونے کی وجہ سے اس درخواست کو نامنظور فرمایا تھا۔ اگر شیخ مبارک کی طرح ملا صاحب کے والد بزرگوار نے بھی اپنے صاحبزادے کے ساتھ حاضر ہو کر شیخ گدائی کی خدمت میں مدد معاش کے لئے کوئی درخواست گذرانی ہو۔ اور اس کی نامنظوری کی وجہ سے ملا صاحب کے دل میں شیخ گدائی کی طرف سے ملال پیدا ہو گیا ہو۔ تو اس سے ہم واقف نہیں ہیں۔ یا ملا صاحب شیخ گدائی کی صدر نشینی کے زمانے میں ان کی مجلس میں حاضر ہوئے ہوں۔ اور آداب مجلس کے خلاف کسی حرکت پر وہاں سے نکلوا دیئے گئے ہوں۔ اور اس سبب سے اُن کے دل میں شیخ گدائی کی طرف سے ناسور پڑ گیا ہو۔ تو اس کا بھی ہمیں علم نہیں ہے۔

اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی واقع نہیں ہوئی۔ اور شیخ گدائی سے ملا صاحب کو کسی طرح کا کوئی واسطہ نہیں پڑا۔ تو یہ بدیہی امر ہے کہ انہوں نے محض عامہ وہ رسائی کی ہے۔ اس سے ان کی غرض بادشاہ کی خوشامد اور شکایتوں کی کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جو بیرم خاں کے اور اس کے اعزہ اور دوستوں کی جن میں شیخ گدائی کا شمار اول ہے۔ عداوت کی قدر کرے۔ اور ان کے حاسدوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو جانے کا۔ اور آپ کا نکتہ کے لئے بادشاہ کی پیشانی پر لگ گیا ہے۔ ملا صاحب نے جب جاہ کی وجہ سے بادشاہ کے دل میں جگہ پیدا کرنے کے لئے خوشامد کو اپنا شعار بنا کر بادشاہ کی نسبت جس طرح علمائے دین کی توہین کی اور ان کی پگڑیاں اچھالی ہیں۔ اور پھر بادشاہ کی نظروں سے گرا دیا ان بزرگوں کو۔ جو کہ شہر بزرگوں اور صاحب عزت و جاہ و ثروت لوگوں سے جس جس انداز میں اپنے حسد کے مظاہرے کئے ہیں۔ اور یہ کہ دینداری ان کی نقطۂ عداوت تھا۔ اس کی مثالیں اُن ہی کی کتاب سے لیکر ہم اوپر دکھا چکے ہیں۔ دوبارہ اس جگہ بتانا ضروری نہیں ہے۔

(۳) مؤلف صاحب دربار اکبری کے اس نقص کی کہ ملا صاحب کے اس بیان کہ شیخ گدائی نے قاعدہ ہائے قدیم سے اراضی مدد معاش و روزینہ کو واپس لے لیا تھا۔ جو کوئی ان کے دربار کی زکوٰۃ اٹھاتا تھا اس کو وہ بیس سو بیگہ یا مدد معاش دیتے تھے۔ ولایت کے امیران و اشراف جو آتے تھے وہ بھی ان کی حکومت اور غرور سے ترو ہوتے تھے۔ یہ بیہودہ ملا صاحب کے اس معمہ سے ہے۔ انہوں نے اسی سلسلہ میں لکھ کر دیا۔ کہ تو پانچ سگے جانتا ہے تھا کم جاگیر بس ہتی ہو۔ اس حساب سے تو شیخ گدائی کہ جو عالم کشش کہہ سکتے ہیں) کوئی مجبوری ہے۔

دفتی املاک و اوقافیات اور مدد معاش کی حالت اور متولیوں کی دیانت سے آج بھی کون ہے جو واقف نہیں ہے۔ صدارت کا عہدہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا۔ تمام قلمرو ہندوستان کے اوقاف کا اس سے تعلق تھا۔ اور کل علماء و مشائخ و متولیوں کا اس سے واسطہ تھا۔ جو سب مددی تھے۔ اکبر کے وقت میں بھی یہی زمین و آسمان اور یہی حضرت انسان تھے۔ ہر طرح کی مدد معاشیاں اور عمومی املاک میں آتی تھیں۔ ہر قسم کے تعلقات پیش ہو کر لوگ سرپا تے تھے۔ تصویروں، شعاروں، سفارشوں سے اور خاصوں کی جاگیریں آج کی طرح ضبط بھی ہوتی تھیں۔

جس طرح شیخ مبارک کو سو بیگہ زمین مدد معاش کے لئے درخواست لیکر شیخ عبدالنبی صدر کے دربار میں حاضر ہونا پڑا تھا۔ اسی طرح شیخ گدائی کے دربار میں بھی لوگوں کو حاضر ہونا پڑتا تھا۔ آج بھی تمام ملکوں میں یہی قاعدہ ہے کہ حاجت مند کچہری دربار میں جا کر اپنی عرضیاں پیش کرتے ہیں۔ اگر درخواستیں ڈاک کے ذریعہ سے بھی جاتی ہیں۔ تب بھی درخواست کنندوں کو تاریخ مقررہ پر بلایا جاتا اور بعد استفسار حالات کے ان کی درخواستوں پر جیسے حالات ہوں اُن کے مطابق موافق یا مخالف فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ ملا صاحب اپنے فقرات میں ولایت کے امیران و اشراف کے بارے میں جو شیخ گدائی سے کیا اس سے شکایت کی ہے انہوں نے ان حضرات کے نازل ہوتے ہی شیخ کے گھروں پر ازخود پہنچ کر انہیں وسیع اور زرخیز جاگیریں نہیں پیش کیں۔ اگر وہ مستحق تھے اور انہوں نے شیخ گدائی کے دربار میں عرضیاں گذران کر اپنے

تے

بدیں الفاظ تحریر کیا ہے کہ "بعضے اولاد الزنا" یعنی "پسر ملّا مبارک" "شاگرد رشید یعنی بادشاہ کے "ابوالفضل" "رسایل در باب قدح وتحیز ایں عبادات (یعنی نماز۔ روزہ۔ حج) بدلایل نوشتہ" "و مقبول افتادہ باعث تربیت گشت"

صاحب منتخب التواریخ ملّائے بدایونی کے بیان کو "مؤلف امروہوی" کے چھپا لینے کی وجہ

(۱) ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ یہ جو تھوڑے سے حالات "ملّا صاحب" کے پیش کئے ہیں۔ اُن سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ "مؤلف امروہوی" کے اُس بیان سے بالکل مختلف ہیں جن کو انہوں نے "شیخ ابن قدس اسرہٗ" کے نسب کی بحث میں "ملّا صاحب" کے بارے میں ظاہر کیا ہے۔ "ملّا صاحب کی طینت و خصلت" یا "افتاد طبیعت" اور اُن کے حسد و کینہ کے وجوہ معلوم ہو جانے کے بعد "اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ "شیخ گدائی" کے پیر "ملّا صاحب" کے اُس جملہ کے متعلق جسے ہم اوپر لکھ آئے ہیں بحر جس کو مؤلف موصوف نے "ملّا صاحب" کو "برگزیدہ" "محتاط ناقد و محقق اور صاف گو مورخ یقین کرتے ہوئے بھی معرض خفا میں رکھنا مناسب خیال کیا۔ اور ظاہر کرنے کی ہمت نہیں کی ہے" اپنی طرف سے کچھ نقد و تبصرہ کرتے
مگر کیونکہ ہمیں یہاں اُس وجہ کو بتلانا ہے جس کے خوف سے مؤلف موصوف نے "صاحب منتخب" کے ایسے بیان کو پیش کرنے سے گریز کیا ہے"
جس میں "شیخ گدائی" کے نسب کی بھی تحقیر موجود ہے" الاکہ "شیخ گدائی" کی شرافت نسبی کو مٹانا اُن کا مقصود دلی ہے" اور اسی کے لئے انہوں نے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے" اِس لئے "ملّا صاحب" کی پوری پوری کیفیت معلوم ہو جانے کے بعد بھی "ہم اُن کے اِس بیان کو جانچنے اور اُس کی حقیقت دکھانے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے"

مؤلف امروہوی نے جس خاص وجہ سے "صاحب منتخب" کے مندرجہ بالا نوشتوں کو معرض خفا میں رکھا اور کسی موقع پر بھی اپنی ساری بحث میں اُن میں کے کسی ایک جملہ کی طرف اِشارہ تک کرنے سے گریز کیا ہے وہ اِس ڈر سے کیا ہے کہ "کہیں یہ لفظ کنبوی" ظاہر نہ ہو جائے" جسے پوشیدہ رکھنے کا انہوں نے اپنی ساری بحث میں ایسا التزام رکھا ہے کہ ہوا بھی نہیں لگنے دی ہے" اور بجائے "اِس لفظ کنبوی" کے اُس کی مسخ شدہ صورت "کنبوہ" ہر جگہ دکھائی ہے۔ تاکہ اِس لفظ "کنبوہ" یا "کنبوہ" اور دوسرے لفظ "کمبوہ" کی مماثلت اِسمی سے فائدہ اٹھا کر اور ان دونوں لفظوں کی تحریر کے فرق کو صرف اِملا کی دو مختلف صورتیں قرار دیکر "ایسا التباس پیدا کر دیں کہ اُن کے ناظرین اُن کی بات کا یقین کر کے پنجاب کی "قوم کمبوہ" اور "زبیری کنبوی" خاندان کے ایک ہونے کے دھوکے میں آجائیں۔ اور اس طرح یہ مؤلف صاحب اپنے مقصد دلی کو پہنچ جائیں" ملّا صاحب کے دونوں بیانات سے ظاہر ہو چکا ہے کہ "پہلے میں تو انہوں نے "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار کو "جمالی کنبوی شاعر دہلوی" لکھا ہے" اور دوسرے میں خود شیخ گدائی" کو "کنبوی دہلوی" تحریر کیا ہے"

مؤلف امروہوی" اگر اُن کے بیانات کو ظاہر کر دیتے تو "مخدوم شیخ جمالی رح" اور "شیخ گدائی" دونوں کے ناموں کے سامنے جو "کنبوی دہلوی" لکھا ہوا ہے" اُسے وہ کسی طرح بھی اِخفا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ "منتخب التواریخ عام ہے" لوگوں کے مطالعہ میں کثرت سے آتی رہتی ہے" اور "الشاہ بحر کرن" کی طرح کمیاب نہیں ہے" جس کے اقتباس میں جسے انہوں نے اسی بحث میں آگے چل کر پیش کیا ہے" تحریف کر کے بجائے "کنبوی" کے "کنبوہ" اِس کتاب کے کمیاب اور اپنے ناظرین کی دسترس سے باہر سمجھکر جس طمانیت خاطر سے لکھدیا ہے۔ اور سمجھ لیا ہے کہ ان کی یہ بات چل جائے گی" "منتخب التواریخ میں ایسی تحریف کرنے کی" "بھید کھل جانے کے خوف سے انہیں ہمت نہیں ہوئی" اِس لئے اِن بیانات کو معرض خفا میں رکھنا اُن کے لئے لازمی ہو گیا تھا"

ملّائے بدایونی کے "شیخ گدائی پر سب و شتم۔ اور واویلا کرنے کی حقیقت

(۲) پھر یہ بھی ہے کہ "اِن بیانات میں "ملّا صاحب" نے جو خلاف واقعہ باتیں" جس انداز سے لکھی ہیں اور "شیخ گدائی" کی تاریخ وفات نکالنے میں جس دنائت طبع کا ثبوت پیش کیا ہے" ظاہر ہے کہ ؎ نیش عقرب نہ از پئے کین است ؛ مقتضائے طبیعت اش این است

ملّا صاحب خطوں کی گرفتاری کا حال کس خوبصورتی سے لکھتے ہیں" میح کو بخدمت رائے سے فرمایا۔ اُس نے منزل کچھ کوٹ میں پھانسی سے لٹکایا۔ اور" خدائی کا مظلمہ گلے کا پھندا رہا" کہ قیامت تک لٹکا کرے گا"

برترقی ہجو خواجہ مظفر علی تربتی وکیل کل

و در سنہ احدی وسبعین وتسعمایۃ (۹۷۱ ہجری) خواجہ مظفر علی تربتی" خطاب خانی یافتہ" وکیل کل شد" ظالم" تاریخ یافتند" و در میان راجہ" و" آو" ہر روز مناقشہ" دہ ہر کلی وجزوی بود۔ وظریفے آں بیت راکہ ؎

سگ کاشی بہ از خراسانی گرچہ صد بار سگ ز کاشی بہ

چنانچہ تضمین کرد کہ ؎ سگِ راجہ بہ از مظفر خاں

گرچہ صد بار سگ ز راجہ بہ

ہجو مہر راجہ ٹوڈرمل

وغیرہ ہجو مہر" راجہ" را چنیں یافتہ کہ ؎

آنکہ شد کار ہند از و مختل راجۂ راجہاست ٹوڈرمل (ص ۲۶)

میر معز الملک اور اُن کے تمام اہل وطن پر تبصرہ

میر معز الملک" از آنجا کہ پیوستہ" دم از انا ولا غیری" میزد" فرعونیت وشدّادیت کہ" ملک موروثی" سادات مشہدی" آمدہ وازیں جا گفتہ اند"

اہلِ مشہد" بجز امام شما" ۔ لعنۃ اللہ بر تمام شما

ودیگرے میگوید کہ ؎

روئے زمین گرچہ ز مردم خوش است مشہدی از روئے زمین گم خوش است (ص ۸۰)

گل افشانی برائے "شریف آملی"

واز جملہ سوانح ایں ایام ذی الحجہ ۹۸۲ھ ہجری آمدن شریف آملی" است۔ ودیدن او شاہنشاہ را در منزل" دیپالپور" مجمل آنکہ" ایں مردود" مطرود" مانند سگِ سوختہ پائے" از دیارے بہ دیارے گشتہ" واز مذہبی بہ مذہبی انتقال نمودہ" خیلے جدل زدہ تا کارش بر الحاد" قرار یافت۔ وچندگاہ بہ روش متصوفہ مبطل بیمعنی" در بلخ" بہ خانقاہ" مولانا محمد زاہد" نبیرہ مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی رح" است آمدہ" با درویشاں بسرے برد۔ وچوں مجالست ذاتی بہ درویشی نداشت" وہرزہ گوئی فراخ" و" شطاحی بے مزہ" بنیاد کردہ۔ پریشاں میگفت" از آنجا اخراج کردند۔ ومولوی بیتے چند" در شانِ او فرمودہ۔ واز انجملہ است ایں کہ ؎

ہست یک ملحدے شریف بنام

ناتمامی بطور خویش تمام (ص ۲۴۵ و ۲۴۶)

ملّا صاحب نے شریف آملی" کے لئے اس کے آگے خود اپنے یہ شعر لکھے ہیں ؎

قومے نہ ز ظاہر نہ ز باطن آگاہ انگہ ز جہالت بہ بطالت گمراہ

مستغرق کفر ند وحقیقت گویند لا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ

۹۷۱ ہجری میں خواجہ مظفر علی تربتی" خطاب خانی" پا کر وکیل کل ہوا" ظالم" تاریخ نکالی" راجہ (ٹوڈرمل) اور اُس کے درمیان ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں جھگڑا رہتا تھا" اور ایک ظریف نے اس بیت کو کہ ؎

سگ کاشی بہ از خراسانی

گرچہ صد بار سگ ز کاشی بہ

اِس طرح تضمین کیا کہ ؎ سگِ راجہ بہ از مظفر خاں

گرچہ صد بار سگ ز راجہ بہ

اور راجہ کی ہجو کا مہر اِس طرح نکالا کہ ؎

آنکہ شد کار ہند از و مختل راجۂ راجہاست ٹوڈرمل

میر معز الملک جو" دم از انا ولا غیری مارتا تھا" اور کیونکہ فرعونیت و شدّادیت" ملک موروثی سادات مشہدی کی ہے۔ اِس موقع پر کہا ہے۔

کہ ؎ اہلِ مشہد بجز امام شما

لعنۃ اللہ بر تمام شما

اور دوسرا کہتا ہے کہ ؎

روئے زمیں گرچہ ز مردم خوش است مشہدی از روئے زمین گم خوش است

اور منجملہ سوانح اِن ایام ذی الحجہ ۹۸۲ھ ہجری سے شریف آملی کا آنا ہے" شہنشاہ کی منزل دیپالپور میں اُس کو دیکھا" مختصر یہ ہے کہ" یہ مردود" مطرود" پاؤں جلے کتے کی طرح ملکوں ملکوں پھرا" اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہوتا رہا" بہت سی ردّ وبدل کے بعد آخرکار اُس نے الحاد کو پسند کیا" اور تھوڑے دنوں صوفیوں کی روش سے باطل کنندہ روشنی بلخ میں" مخدوم اعظم شیخ حسین خوارزمی رح کے پوتے کی خانقاہ میں آکر درویشوں کے ساتھ اُس نے بسر کی" اور کیونکہ ذاتی شیطنت درویشی سے نہیں رکھتا تھا۔ اور بہت بیہودہ گوئی اور مخالف شریعت پریشان باتیں کرتا تھا۔ اِس لئے اُسے وہاں سے نکال دیا۔ اور مولوی نے چند بیتیں اُس کی شان میں کہیں ہیں۔ جن کے منجملہ یہ ہے کہ ؎ ہست یک ملحدے شریف بنام

ناتمامی بطور خویش تمام

اس کے آگے ملّا صاحب نے شریف آملی کے لئے اپنے یہ شعر لکھے ہیں ؎

قومے نہ ز ظاہر نہ ز باطن آگاہ انگہ ز جہالت بہ بطالت گمراہ

مستغرق کفر ند وحقیقت گویند لا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ

آزاد: ہاں صاحب جو اس کے اور اس کے باپ بھائی کے حقوق آپ پر ہیں وہ ادا نہیں ہوئے۔ کچھ اور رہ ہو ان دل میں باقی ہو وہ بھی نکال لیجئے۔ جب وہ بیچارہ جیتا تھا اُس وقت بھی تمہارے بگڑنے پر نہ بگڑا۔ تم کو مصیبت میں کام ہی آتا تھا۔ اب مرگیا ہے جو چاہو سو کہہ لو۔ پھر ملا صاحب لکھتے ہیں۔
ٹھیک چالیس برس تک شعر کہتا رہا مگر سب ٹھیک استخوان بندی خامی گربہ مغز اور سراپا بے مزہ۔ وادی شطحیات و فخریات و کفریات میں مشہور سلیقہ رکھتا تھا لیکن ذوق حقیقت و معرفت اور چاشنی روحانی و عرفانی اور قبول خاطر خدا نہ کرے۔ باوجود دیوان اور مثنوی میں بیس ہزار سے زیادہ شعر ہیں۔ مگر اُس کی بجھی ہوئی طبیعت کی طرح ایک بیت میں بھی شعلہ نہیں۔ مطرودی اور مردودی کے سبب سے کسی نے اُس کے کلام کی ہوس نہ کی۔ اور عجب تر یہ کہ اِن چھوٹے موٹے بوالہوسوں کی نقل کرنے میں بڑی بڑی رقمیں تنخواہوں میں خرچ کیں اور لکھوا لکھوا کر دوست آشناؤں کو دور و نزدیک بھیجے کسی نے بھی دوبارہ نہ دیکھا۔ یہاں شیخ فیضیؔ کی وہ عرضی نقل کرتے ہیں۔ جو انہوں نے دکن سے ان کی سفارش میں بادشاہ کو لکھی ہے۔ اور بعد اس کے پھر لکھتے ہیں اگر کوئی کہے کہ اس کی طرف سے وہ محبت و اخلاص اور اُس کے مقابلے میں اس قدر مذمت اور درشتی۔ یہ کیا مروت و وفا کا آئین ہے خصوصاً مرنے کے بعد اس طرح کہنا عہد شکنوں میں داخل ہونا ہے۔ یہ کیا زیبا ہے۔ ہم کہیں گے یہ درست مگر کیا کیجیے کہ حق دین اور اُس کے عہد کی حفاظت سب حقوق سے بالاتر ہے۔ الحب للہ والبغض للہ قاعدہ مقرر ہے مجھے چالیس برس کامل اس کی صحبت میں گذرے مگر وضعیں جو اس کی بدلتی گئیں۔ اور مزاج میں فساد آتا گیا اور حالتوں میں خلل پڑتا گیا۔ ان کے سبب سے رفتہ رفتہ (خصوصاً مرض موت میں) سب تعلق جاتا رہا۔ اب اُس کا حق کچھ نہ رہا۔ اور صحبت بگڑ گئی۔ وہ ہم سے گئے ہم اُن سے گئے۔ باوجود ان سب باتوں کے ہم خدا کی درگاہ میں چلنے والے ہیں جہاں سب کا انصاف ہوگا۔"

صفحہ ۳۸۳: میرے باکمال دوستو میں نے خود دیکھا ہے اور اکثر دیکھا کہ بے لیاقت شیطان جب حریف کی لیاقت اپنی طاقت سے باہر دیکھتے ہیں تو اپنا جتھا بڑھانے کو مذہب کا جھگڑا بیچ میں ڈال دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں فقط دشمنی ہی نہیں بڑھتی بلکہ کیسا ہی بالیاقت حریف ہو اُس کی جمعیت ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اُن شیطانوں کی جمعیت بڑھ جاتی ہے۔ دنیا میں ایسے نافہم بے خبر بہت ہیں کہ بات تو نہیں سمجھتے۔ مذہب کا نام آیا۔ اور آپے سے باہر ہوگئے۔ بھلا دنیا کے معاملات میں مذہب کا کیا کام۔

صفحہ ۳۸۴: اصل بات یہ ہے کہ ابوالفضل اور ملا صاحب ساتھ دربار میں آئے۔ دونوں کو برابر خدمتیں اور عہدے ملے۔ یہ بیستی کے عہدے کو خاطر میں نہ لائے۔ سپاہیانہ عہدے کو اپنے علم و فضل کے لئے ہتک سمجھا۔ اس لئے اختیار نہ کیا۔ اُس نے شکرانۂ بندگانہ کے ساتھ منظور کیا۔ بادشاہ کو انکار ناگوار معلوم ہوا۔ ملا صاحب نے پرواہ نہ کی۔ مباحثوں کی فتحیابی اور اپنے ترجمہ کے کاغذوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ شیخ بیچارہ (ابوالفضل) اپنی بے وسیلہ حالت کو دیکھ کر سمجھ گیا۔ اور کہیں بلکہ دو پشت سے جو مکروہات سہنے کی مشق ہو رہی تھی اُسے یہاں بھی کام میں لایا۔ انجام یہ ہوا کہ وہ کہیں کا کہیں نکل گیا۔ ملا صاحب دیکھتے رہ گئے وہ دونوں بھائی خدمتگذاری کی برکت سے مصاحب خاص ہوکر سلطنت کی زبان ہوگئے۔ یہ مسجدوں میں تکبیر کہتے پھرے۔ گھر میں بیٹھ کر بڑھوں کی طرح کوستے کاٹتے رہے۔ بس اصل سبب ان تحریروں کا وہی پیچ ہم سبقی اور وہی رشک ہم مکتبی تھا۔ کہ سیاہی بن کر سفید کاغذ پر ٹپکتا تھا اور بے اختیار گرتا تھا۔ ایک کتاب کے پڑھنے والے۔ ایک سبق کے یاد کرنے والے۔ تم وزارت کی مسند پاؤ۔ مقیم شہنشاہ بن جاؤ۔ اور ہم وہی ملانے کے ملانے۔"

ذرا تصور کر کے دیکھو۔ مثلاً ملا صاحب اُن کے ہاں گئے۔ اور وہ راجہ مان سنگھ دیوان ٹوڈر مل وغیرہ ارکان سلطنت سے مصلحت اور مشورہ میں مصروف ہیں۔ ان کی دعا بھی قبول نہ ہوتی ہوگی۔ اُن کا دربار لگا ہوتا ہوگا۔ ان کی وہاں تک رسائی بھی مشکل ہوتی ہوگی۔ وہ جس وقت حکیم ابوالفتح حکیم ہمام۔ میر فتح اللہ شیرازی سے بیٹھے باتیں کرتے ہوں گے۔ وہ تمام رکن دربار انہیں ان مسندوں پر جگہ بھی نہ ملتی ہوگی۔ اگر ان کے ساتھ یہ مباحثہ علمی میں دخل دیتے ہوں گے تو ان کا کلام رفعت و وقار نہ پاتا ہوگا یہ زور دیتے ہوں گے تو آخر اُن کے گھر کے شاگرد تھے۔ دونوں بھائی ہنس کر ٹال دیتے ہوں گے۔ جس طرح ایک عالی رتبہ خلیفہ اپنے مدرسہ کے طالب علموں کو باتوں باتوں میں اڑا دیتا ہے۔ یہ ہی باتیں دیا سلائی بن کر ان کے سینہ کو سلگاتی اور ہر وقت غصہ کے چراغ میں بھی آگ سلگاتی ہوں گی جس کے دھوئیں سے کتاب کے کاغذ سیاہ ہوئے اور یہ ہی سبب ہے کہ انہوں نے فیضی کو اکثر جگہ ستم ظریف کے القاب سے یاد کیا ہے۔ میرے دوستو ان کی بہنوں اور بھائیوں کی شادیاں اُمرا اور سلاطین کے خاندانوں میں ہونے لگیں انتہا یہ ہے کہ خود بادشاہ بھی ان کے گھر پر چلا آتا تھا۔ ملا صاحب کو یہ بات کہاں نصیب تھی۔"

والیس این رباعی گفت کہ ؎

عرفی دم نزع ست و ہماں مستی تو ‌ ‌ آخر بچہ مایہ بار بربستی تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بکف ‌ ‌ جویاے متاع است و تہی دستی تو

و چوں بہ آستادان متقدمین و متاخرین۔ خیلے سخناں بے ادبانہ گفتہ این تاریخ یافتہ شدہ ع "گفت عرفی جوانامرگ شدی" و دیگر "دشمن خدا" [ص ۳۵۰]

تاریخ وفات "قاضی علی بغدادی" "دیوان کشمیر"

"قاضی علی بغدادی" کہ دشمن ائمہ راکہ "منصب دیوانی کشمیر" داشت و حساب ہائے دور از کار و وقت ہائے نامعقول در میان آوردہ ہم سپاہی و ہم رعیت را بجان آزردہ بود۔ گوش و بینی بریدہ و قلم بر بناگوش نہادہ گردانیدہ اند و این تاریخ یافتہ شدہ ؎

چونکہ قاضی علی بغدادی ‌ ‌ حسرت یادگار با خود برد
خامہ منشی قضا بنوشت ‌ ‌ سال تاریخ او کہ "موذی مرد" [ص ۳۸۲]

راجہ رائے سنگھ کو "ملا صاحب" کا خطاب

چوں "برہان الملک" (بادشاہ احمد نگر دکن) پیش کش خاطر خواہ نفرستادہ بود بتاریخ یکم و بست محرم ۱۰۰۲ ہجری "شاہزادہ دانیال" را بوکالت "خان خاناں" و "رائے سنگھ" کہ او را "رائے سگ" تواں گفت و دیگر امرا را با ہفتاد ہزار رقمی بہ این خدمت نامزد ساختہ [ص ۳۸۹]

تاریخ وفات شیخ فیضی

"شیخ فیضی" در ۱۰۰۴ ہجری فوت شدہ دہر آئینہ در جذب بدبختی و مذمت دین و طعن حضرت ختم المرسلین صلعم این ہا جو زکم بود۔ و تواریخ گوناگوں مذلت آمیز بسیار یافتند بیت

فیضی بیدین چو مرد سال فاتش فصیح ‌ ‌ گفت سگے از جہان رفتہ بحال قبیح

عرفی دم نزع ست و ہماں مستی تو ‌ ‌ آخر بچہ مایہ بار بربستی تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بکف ‌ ‌ جویاے متاع است و تہی دستی تو

اور چونکہ استادوں متقدمین و متاخرین کے متعلق بے ادبی کی باتیں بہت کہتا تھا" اس لئے یہ تاریخ نکالی" ع
"گفت عرفی جوانامرگ شدی" اور دوسری "دشمن خدا"

قاضی علی بغدادی جو ائمہ کا دشمن تھا اور منصب دیوانی کشمیر اختیار رکھتا تھا۔ اور حساب ہائے دور از کار اور وقتیں نامعقول درمیان میں لاکر سپاہیوں اور رعیت کو اس نے جان سے بیزار کر دیا" جس کی وجہ سے انہوں نے اس کے ناک کان کاٹ کر اور قلم کان کے کنارے پر رکھ کر اسے پھرایا" اس کی یہ تاریخ نکالی" ؎

چونکہ قاضی علی بغدادی ‌ ‌ حسرت یادگار با خود برد
خامہ منشی قضا بنوشت ‌ ‌ سال تاریخ او کہ "موذی مرد"

(قاضی علی "ملا حسین کے پوتے اور صدر کے عہدے پر مقرر تھے)

کیونکہ **برہان الملک** (بادشاہ احمد نگر دکن) نے خاطر خواہ پیش کش نہیں بھیجی تھی" ۲۱ محرم ۱۰۰۲ ہجری کو شاہزادہ دانیال کو دکالت سے خان خاناں اور رائے سنگھ کو جسے رائے سگ (کتا) کہہ سکتے ہیں اور دوسرے امیر ستر ہزار سپاہ با قاعدہ کے ساتھ اس خدمت پر مقرر کئے گئے"

شیخ فیضی کا ۱۰۰۴ ہجری میں انتقال ہوا۔ ملا صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ ہر آئینہ جذب بدبختی میں اور مذمت دین اسلام اور طعن کرنے میں حضرت ختم المرسلین صلعم پر کم نہیں تھا۔ اس لئے تاریخیں طرح طرح کی مذلت آمیز بہت سی نکالیں" ؎

نوٹ: ملا عبدالقادر بدایونی "مرزا یوسف خاں رضوی" نے اپنے بھتیجے یادگار گل" کو کشمیر میں اپنا نایب چھوڑ کر چوبیسویں شوال ۱۰۰۰ھ کو ملازمت میں حاضر ہوا" اکبر" نے **قلیج خاں** کو لاہور کے انتظام کے لئے چھوڑا۔ اور عین بارش میں وہاں سے کوچ کر کے "راوی ندی" سے اترا۔ پھر لشکر کو بڑے شاہزادے کے ساتھ کر کے خود شکار کھیلتا ہوا" چناب ندی" کے کنارے پہنچا۔ وہاں یہ خبر آئی کہ "یادگار گل" نے حسین بیگ "شیخ عمری بدخشی" سے جو کشمیر" کا خراجگذار تحصیلدار تھا۔ مقابلہ کر کے غالب آیا" اس نے **قاضی علی بغدادی** کو جو وہاں کی دیوانی کا منصب رکھتا تھا لیکن سارے معافی داروں کا دشمن تھا۔ اور بڑے بڑے سخت حساب پیش کر کے تمام رعایا اور رعیت کو اس نے جان سے تنگ کیا تھا ناک کان کاٹ کر بڑی رسوائی سے قتل کیا" (اردو ترجمہ منتخب التواریخ ص ۳۸۳ مترجمہ مولوی احتشام الدین مراد آبادی بار دوم) (مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۹ء)

(نوٹ) یہ یادگار گل "**شیخ گدائی**" کے ایک قریبی عزیز "نواب شہباز خاں کمبوہ" بخشی و گورنر و سپہ سالار" کے ہاتھوں قتل کیا گیا"

ملّا صاحب کی وفات و دفن — صفحہ ۴۱۶ پر ہے کہ "اسی ۱۰۰۴ ہجری میں دس صفر کو "شیخ فیضی" نے بھی انتقال کیا"۔ ان کے مرنے کا حال بہت خرابی کے ساتھ لکھکر کہتے ہیں کہ چند ہی روز میں حکیم ہمام بھی دنیا سے گئے۔ دوسرے ہی دن "گیلانی صدر" بھی۔ دونوں کے گھروں پر اُسی وقت شاہی پہرے بیٹھ گئے۔ ان کے مُردے کفن کے چیتھڑے کو محتاج تھے"۔ یہاں تاریخ کو ختم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حال تھے ان بعض اجزا کے جن جزوں سے زمانہ مرکب تھا۔ کہ صفر ۱۰۰۴ ہجری سے مطابق سال چہلم جلوس بہ سبیل اجمال مجھ شکستہ دل کے قلم سے مرقوم ہوا"۔ افسوس یہ ہے کہ اسی سال میں کتاب تمام کی اور اسی سال کے اخیر میں خود بھی تمام ہو گئے"۔ ستاون سال کی عمر تھی۔ "نوبت گو" نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "باغ انبہ واقع عطا پور" "نواح بدایوں" میں دفن ہوئے"۔

سیّد فرید بخشی کی مذمت نسبی — صفحہ ۱۰۱ پر ہے کہ "ملّا صاحب" نے لکھا ہے "جہانگیر" بہت ہراساں تھا"۔ چنانچہ جب اکبر کی حالت غیر ہوئی تو اُس کے اشارے سے قلعہ سے نکلکر ایک مکان محفوظ میں جا بیٹھا"۔ وہاں "شیخ فرید بخشی" وغیرہ پہنچے اور شیخ اپنے مکان میں لے گیا"۔ اس نے اکثر معرکوں میں مردانگی دکھا کر جہانگیر سے "مرتضیٰ خاں" خطاب حاصل کیا"۔ اکبر کے عہد میں بڑی جانفشانی اور نمک حلالی سے خدمتیں بجالاتا رہا۔ یہاں تک کہ ہفت ہزاری کے منصب تک پہنچا تھا"۔ "سیّد شیخ النسب" تھا۔ کہتا تھا کہ میں "رضوی سیّد" ہوں۔ مگر حقیقت میں "نقوی سیّد" تھا۔ یہ "حضرت جعفر تواب" کی اولاد تھا۔ جنہیں اکثر مصنّف "جعفر کذاب" کہتے ہیں"۔

محمد شریف و محمد نفیس چوکی نویس — صفحہ ۱۲۳ پر ہے کہ "اسی عہد میں چوکی نویسی کا آئین مقرر ہوا تھا۔ چند معتبر منصبدار تھے کہ باری باری سے حاضر ہوتے تھے۔ روزمرّہ ساعت بہ ساعت کے احکام لکھتے رہتے تھے۔ وہ چوکی نویس کہلاتے تھے"۔ "امیر" "منصبدار" "احدی" جو خدمت پر حاضر ہوتے تھے۔ اُن کی یہ حاضری لکھتے تھے۔ جو سندیں اور چٹھیاں" ان کی تنخواہوں کی خزانہ پر ہوتی تھیں۔ انہیں کی تصدیق سے ہوتی تھیں۔ "محمد شریف" اور "محمد نفیس" بھی انہیں میں تھے"۔ اُن کی لیاقت بھی بہت خوب تھی" اور اکبر کی بھی نظر عنایت تھی۔ اس واسطے حاضر بھی زیادہ رہتے تھے"۔

محمد شریف" "شیخ ابو الفضل" کے جلسہ کے بھی یار تھے۔ "انشائے ابو الفضل" کے دفتر دوم میں کئی خط ان کے نام ہیں" اور "مان سنگھ" وغیرہ اُمرا کے خطوط میں ان کی سفارش بھی ہے"۔ پھر تو ملّا صاحب کو ان پر خفا ہونا واجب ہوا"۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ان کے باب میں کسی نے شعر بھی کہا ہوا ہے ؎

دو چوکی نویس اند ہر دو کثیف
یکے نانفیس و دگر ناشریف

شیخ عبد النبی صدر کی ہجو — شیخ موصوف کا اجمالی حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور اُس میں آپ کی وفات کے واقعہ کو دکھا چکے ہیں۔ دربار اکبری کے صفحہ ۳۲۷ پر ہے کہ "ملّا صاحب کس قدر خفا تھے۔ اُس مرحوم کا دم نکل گیا اور اُن کا غصہ نہ نکل سکا ترحم و مغفرت تو در کنار" فرماتے ہیں "شبے اُورا خفہ کردند۔ و بحق واصل شد" "در روز دیگر در میان منارہا تا نیم روز دیگر اُفتادہ بود")

و "شیخ کنبی" (کنب" بمعنی بھنگ) تاریخ یافتند" یہ شعر اکثر اشخاص اُن کی شان میں پڑھا کرتے تھے" ؎

گرچہ الشیخ کالنبی گفتند
کالنبی نیست شیخ ما کنبی ست

اور "بحق واصل شد" کے لفظ کو دیکھو۔ اُس میں کیا کام کر گئے ہیں۔ چاہو سمجھ لو "کہ ذات حق کے ساتھ واصل ہو گئے"۔ چاہو یہ کہو کہ امر حق کو پہنچ گئے"۔ (معتمد خاں نے اقبال نامہ میں صاف لکھ دیا ہے کہ ابو الفضل نے بادشاہ کے اشارے سے مروا ڈالا")

مُلّائے بدایونی کے "ارباب اقتدار سے حسد اور کینہ توزی کے" چند مزید نمونے "اُن کے حالات اور تاریخ ہائے وفات میں

تاریخ بر ترقی خواجہ مظفر علی تربتی — در سنہ احدے و سبعین و تسعمائة (۹۷۱ ہجری) خواجہ مظفر علی تربتی "خطاب خانی" یافتہ وکیل کل شد" و "ظالم" تاریخ یافتند" صفحہ ۶۵

۹۷۱ ہجری میں خواجہ مظفر علی تربتی "خطاب خانی" پاکر وکیل کل ہوا" اور "ظالم" تاریخ نکلی" ع
(و "ظالم" تاریخ یافتند)

صاحب منتخب کے استاد شیخ مبارک کے لڑکے" ہی نئے خیالات نہ رکھتے تھے۔ بلکہ زمانے کا مزاج بدلا ہوا تھا" اس لئے اس کے مزاج نے کسی سے موافقت نہ کھائی۔"

اُس کی تصنیفات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ" وہ ایک زمانے سے لڑائی باندھے بیٹھا ہے" "مخدوم الملک" اور "شیخ صدر (عبدالنبی) شریعت کا ٹھیکہ لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ مگر وہ انہیں بھی قابلِ موافقت نہ سمجھتا تھا"

اور صفحہ ۲۲ پر تحریر ہے کہ "یہی سبب ہے کہ یہ دونوں" بلکہ کوئی مشہور عالم" یا نامی عارف" نہیں۔ جو اُس کے شمشیر قلم سے زخمی نہ ہوا ہو" جس کسی بات پر خفا ہوتا ہے تو وہیں صلواتیں سنانے لگتا ہے"

" اب جو نکتے میں نے مجمل لکھے ہیں۔ اُن کی تفصیل اور اپنے خیالوں کی تصدیق "ملا صاحب" کے حالات سے کرتا ہوں"

فاضل مذکور" اگرچہ بداؤنی مشہور ہیں مگر "ٹونڈہ" میں پیدا ہوئے" جو بساور" کے پاس ہے"

صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۵ پر ہے کہ" ملا صاحب نے بساور" میں پرورش پائی" بزرگوں کا حال کہیں مفصل نظر سے نہیں گذرا" خاندان امیر نہ تھا" مگر یہ ضرور ہے کہ" فاروقی شیخ" تھا" ان کے نانا مخدوم اشرف" تھے۔ جو "سلیم شاہ" کے عہد میں "فرید تارن" ایک پنج ہزاری سردار متعینہ بجواڑہ متصل بیانہ صوبہ آگرہ" کی فوج میں ایک جنگی عہدہ دار تھے"

غرض فاضل مذکور" ۹۵۲ ہجری سے ۹۶۰ ہجری تک اپنے والد" ملوک شاہ" کے دامن میں رہے" پانچ برس کی عمر تھی جب "سنبھل" میں قرآن وغیرہ پڑھتے رہے" (پیدائش ۹۴۷ ہجری کی ہے) پھر نانا نے انہیں اپنے پاس رکھا" سید محمد مکی" ان کے پیر بھی وہیں رہتے تھے" وہ علم قرأت میں کامل تھے" ان ہی سے قرأت" اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھا" اس وقت ۹۶۰ ہجری میں "سلیم شاہی" دور تھا" مگر یہ شاگردی بہت مبارک ہوئی کہ ایک دن اسی کی سفارش سے "دربار اکبری" میں پہنچے اور "سات اماموں میں داخل ہو کر "امام اکبر شاہ" کہلائے۔

خود لکھتے ہیں کہ "بارہ برس کی عمر تھی" والد "سنبھل" میں آکر "میاں حاتم سنبھلی" کی خدمت میں حاضر کیا۔ کہتے ہیں کہ چند سبق شرح وقایہ کے" میں نے بھی "قاضی ابوالمعالی" سے پڑھے" پھر فاضل بداؤنی "شیخ مبارک (پدر ابوالفضل)" کے حلقۂ درس میں داخل ہو کر۔ فیضی و ابوالفضل" اور "نقیب خاں" کے ہمدرس ہوئے" شیخ مبارک" کے ذکر میں خود فرماتے ہیں کہ "جامع اوراق نے عنفوان شباب میں آگرہ" میں چند سال اُن کی ملازمت میں سبق پڑھا تھا" الحق ان کا حق عظیم مجھ پر ہے"

اپنے سرپرست حسین خاں سے ناراضی صفحہ ۲۲۷ پر ہے کہ "پٹیالی" (ضلع ایٹہ) جہاں "امیر خسرو" پیدا ہوئے" یہ علاقہ "حسین خاں" کی جاگیر میں تھا" ۹۶۳ ہجری میں یہاں پہنچ کر "حسین خاں" سے ملے" جوانی کے ذوق اور ہمت کے شوق نے دربار شاہی کی طرف ٹھوکیلا" مگر اس افغان دیندار کی محبت ایمانی۔ اور خوبیوں کی کشش نے رستے میں روک لیا" خود لکھتے ہیں "یہ شخص صاحب اخلاق" متواضع" درویش سیرت" سخی" پاکیزہ روزگار" پابند سنت و جماعت" علم پرور" فضل دوست تھا" نیکی سے پیش آتا تھا" اس کی صحبت سے جدائی" اور نوکری کرنے کو جی نہ چاہا" دس برس تک انہی گمنام گوشوں میں رہا" وہ نیک لوگوں کی خبرگیری کرتا تھا" ملا صاحب نے اس پرہیزگار اور بہادر افغان کی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ اور اس قدر لکھی ہیں کہ پیغمبروں تک نہیں تو اصحاب و اولیاء کے اوصاف تک ضرور پہنچا دیا ہے" (اس دلاور افغان نے "ہمایوں" کی مراجعت سے لیکر "اکبر" کے سال بائیس جلوس تک بڑی جاں نثاری اور وفاداری دکھائی اور تین ہزاری تک منصب حاصل کیا")

غرض وہ دیندار و متقی المیانل مسلمان ساتھ رہتے تھے اور مزے سے گذران کرتے تھے" حسین خاں کے پاس۔" ملا صاحب" ۹۷۳ھ سے ۹۸۱ھ تک آٹھ برس رہے"

صفحہ ۲۳۳ و ۲۳۴ پر ہے کہ" اسے حسنِ تقدیر کا اتفاق کہتے ہیں کہ ۹۸۱ ہجری میں دس برس کے دوست بلکہ دینی بھائی" حسین خاں" سے ان کا بگاڑ ہو گیا" اور اس کا راز کچھ نہ کھلا کہ بات کیا تھی" وہ سیدھا سادھا سپاہی باوجود مرتبۂ آفاقی" کے مقام عذرخواہی میں آیا" بداؤں میں ان

وہماں طور" محجوب و مغموم و محروم و محزون" در آں دوئے کہ ہمراہ شاہزادہ دانیال" در"رہتاس" گذاشتہ بودند مے بودم۔ وورد قصیدہ بردہ" وختم سس حصین از کلام حضرت خیرالنبیین صلعم را حصار خود ساخت۔ ومجیب الدعوات مضطرب آں دعائے درد آلود" نیاز آمیز" بشرف اجابت قرین کرد امید" تا آنکہ۔ بعد از پنج ماہ" ہنگام اصول موکب از" کشمیر" بلاہور" بادشاہ را مہربان ساخت" وبتقریب ترجمہ ساختن" کتاب جامع رشیدی" کہ مجلدے عظیم است" یاران صادق مشفق۔ چوں میر نظام الدین احمد" وغیرہ۔ نام فقیر را غائبانہ۔ در مجلس خلوت مذکور ساختند۔ وحکم ملازمت صادر شد" وبعد از مراجعت" کشمیر" روز بہمن خور ماہ عید بہمن ماہ الٰہی موافق ہفتہم ربیع الآخر ایں سال کورنش دادند۔ ویک اشرفی گذرانیدہ وبہ التفات تمام پیش آمدہ۔ رفع آں حجاب ودشواری احد از دشواری بہ آسانی میسر گردید۔ وحکم انتخاب" کتاب جامع رشیدی" بہ استصواب" علامی شیخ ابوالفضل" صادر شد

صاحب منتخب التواریخ کے تعصب پر شہنشاہ اکبر کا قول

ص ۳۹۸،۳۹۹ یہ ہے کہ" در ہم ماہ رجب ایں سال (سنہ ۱۰۰۳ھ) تحویل نوروزی واقع شد" ودر سال چہل از جلوس رسید" ومجلس آئین بندی۔ بدستور سنوات سابق گذشت" وپیش از تحویل بہ دو روز در دیوان خانہ عام وخاص۔ از بالائے جھروکہ کہ فقیر را پیش طلبیدند۔ وخطاب شیخ ابوالفضل) فرمودند کہ ما فلانے را کہ عبارت از فقیر باشد" جوانے فی نفسہ فی مشربے۔ خیال میکردیم" اما او خود چناں فقیہ متعصب ظاہر شد کہ ہیچ شمشیرے رگ گردن تعصب او را نتواند برید"

شیخ ابوالفضل پرسید۔ کہ صاحب در کدام کتاب نوشتہ کہ حضرت ایں چنیں فرمایند"

فرمودند کہ در ہمیں" رزم نامہ" کہ عبارت از" مہابھارت" باشد دوش بریں معنی" نقیب خاں" را گواہ گرفتہ ام" شیخ" عرض رسانید کہ تقصیر کردہ است"

بضرورت پیش رفتہ معروض داشتم کہ بندہ مترجم بیش نیستم ہر چہ دانایان ہندی تعبیر کردہ اند بے تفاوت ترجمہ نمودہ ام۔ واگر از خود نوشتہ باشم تقصیر من خواہد بود" وبد کردہ باشم" وے شیخ" ہمیں مدعا عرض کرد" تا خوش ماندند"

اور اسی طور" متردد اور غمزدہ اور محروم ومحزون اُس لشکر میں جسے شاہزادہ دانیال کے ساتھ" رہتاس میں چھوڑ دیا تھا رہا۔ اور ورد قصیدہ بردہ کا اور ختم حصن حصین از کلام حضرت خیرالنبیین صلعم کو حصار اپنا بنایا" اور مجیب الدعوات نے اُس دعائے درد آلود مضطرب نیاز آمیز کو شرف قبولیت بخشا" اُس وقت جبکہ پانچ مہینوں کے بعد بادشاہ کی سواری کشمیر سے لاہور آئی بادشاہ کو مہربان بنا دیا" اور بتقریب ترجمہ کرنے" کتاب جامع رشیدی کے جو بہت ضخیم ہے" میرے سچے اور شفیق یاروں مثل میر نظام الدین احمد" وغیرہ نے مجلس خلوت میں فقیر کا نام غائبانہ مذکور کیا اور حکم ملازمت کا صادر ہوا" اور کشمیر سے لوٹنے کے بعد روز بہمن خور ماہ عید بہمن ماہ الٰہی مطابق ۷ ربیع الآخر اس سال سلام دیا" اور ایک اشرفی نذر دی اور مہربانی سے پیش آئے" وہ حجاب رفع ہو کر خوشی بعد از دشواری بہ آسانی میسر ہوئی" اور حکم انتخاب کتاب جامع رشیدی" علامہ ابوالفضل" کی رائے سے صادر ہوا۔

ص ۳۹۸،۳۹۹ یہ ہے کہ" اس سال (سنہ ۱۰۰۳ ہجری) کی نو ماہ رجب کو تحویل نوروزی واقع ہوئی" اور سنہ چالیس جلوس سے شروع" اور مجلس آئین بندی بدستور سالہائے سابق گذری" اور تحویل سے دو روز پہلے دیوان خانہ خاص وعام میں جھروکہ کے اوپر سے" فقیر کو سامنے بلایا اور شیخ ابوالفضل سے خطاب فرمایا کہ ہم فلاں کو جس سے ارادہ فقیر کی طرف تھا" جوان فانی اور صوفی مشرب خیال کرتے تھے۔ لیکن وہ ایسا فقیہ متعصب ظاہر ہوا" کہ کوئی تلوار اُس کے تعصب کی گردن کی رگ کو نہیں کاٹ سکتی"

شیخ ابوالفضل سے پوچھا کہ کونسی کتاب میں میں نے ایسی بات لکھی ہے جو حضرت ایسا فرما رہے ہیں"

فرمایا کہ اسی کتاب" رزم نامہ" میں جس سے اُن کا منشاء مہابھارت سے تھا" اور اس بات پر میں نے نقیب خاں کو گواہ کیا ہے" شیخ" نے عرض کیا کہ قصور مند ہے"

ضرورت جان کر آگے بڑھکر عرض کی کہ میں پہلا مترجم نہیں ہوں" جو کچھ ہندوستان کے عقلمندوں نے کہا ہے بلا کسی رد و بدل کے ترجمہ کر دیا ہے" اگر میں نے اپنی طبیعت سے کچھ لکھا ہو تو میری خطا ہے اور برا کیا ہے" شیخ" نے یہی بات عرض کر دی" مگر ناخوش رہے"

غلطی یا تصحیف ہے۔ برخلاف اس کے متعدد قلمی نسخے ایسے موجود ہیں جن میں عنوان پر بھی "سید ابن امروہہ" تحریر ہے۔ اس بنا پر قیاس قائم کرنا غلط نہ ہوگا کہ عنوان پر اصل نسخہ میں "سید ابن" تھا۔ کہ "شیخ ابن" اور تصحیف یا غلطی جو ہوئی ہے وہ عنوان میں ہوئی ہے۔ نہ کہ وسط عبارت میں۔ کیونکہ وسط عبارت میں لفظ "سید" کا ہونا باتفاق جمیع نسخے ثابت و محقق ہے۔ اختلاف جو کچھ ہے وہ عنوان میں ہے۔ اور عنوان میں بھی اکثریت لفظ "سید" ہی کو حاصل ہے۔ اس لئے ہر شخص جو ملا کی طرز تحریر و طریق استناد سے واقف ہے یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ علامہ بدایونی نے جو عنوان غالباً اپنے قلم سے قائم کیا تھا وہ "سید ابن" تھا۔ کہ "شیخ ابن" ورنہ وسط عبارت میں سید مع ثانیہ کا تکرار کیا۔ جو بغیر کسی ادنیٰ اختلاف کے علیٰ وجہ التواتر ثابت ہے قطعاً بے معنی اور لغو ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر ملا عبد القادر جیسے فاضل انشا پرداز سے بعید ہے۔ کیونکہ کسی لفظ کے بعد "مشار الیہ" "معزی الیہ" اور "موصی الیہ" وغیرہ الفاظ اس وقت تک نہیں استعمال کئے جا سکتے۔ جب تک وہ ہی لفظ پہلے پیشتر مذکور نہ ہو چکا ہو۔ پس عنوان پر لفظ "شیخ" کا طبع ہونا غلطی و تصحیف ہے۔ اصل میں لفظ "سید" تھا۔ جو متعدد قلمی نسخوں میں موجود ہے اور یہی صحیح ہے۔

شیخ ابن عمر کے نسب کی اس بحث میں مؤلف امروہوی نے اپنی جو آرا پیش کی ہیں اور جن استدلال و قیاسات سے کام لیا ہے۔ ان پر اگر کسی کو اعتراض ہو اور وہ اسی قبیل کے کچھ اور اعتراضات کر دے جن کا اظہار خود مؤلف موصوف نے اپنی بحث میں کر کے ان کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ اور پھر اس قیاس کو بھی کہ صاحب منتخب نے شیخ ابن عمر سے خود ان کے نسب کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس قوی دلیل سے رد کر دے کہ جب معمولی آدمیوں تک میں ملاقاتوں کے مواقع پر ایک دوسرے کے نسب کے دریافت کرنے کو معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ تو شیخ ابن عمر جیسے بزرگ طریقت سے جن کے نزدیک حسب و نسب کی اس لئے کوئی وقعت باقی نہ رہ گئی تھی کہ انہوں نے دنیا داروں میں تفاخر پیدا کرنے والی باتوں سے کوئی علاقہ باقی نہیں رکھا تھا۔ اور ماسوائے اللہ کے اس قسم کے تمام جھگڑوں سے وہ بالکل بے نیاز ہو چکے تھے۔ اور کیونکہ شیخ صاحب قدس سرہ سے ان کے نسب کے بارے میں استفسار کرنا بے ادبی تھی۔ اس لئے صاحب منتخب التواریخ جو بقول مؤلف صاحب مشائخ و اولیاء سے نہایت درجہ عقیدت رکھتے تھے۔ ہرگز ایسی بے ادبی کا کام کرنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

اس دلیل کو قوت اس بات سے بھی پہنچتی ہے کہ شیخ ابن عمر جیسے اور بزرگ بھی اس زمانہ میں کافی تعداد میں موجود تھے۔ صاحب منتخب نے اکثر بزرگوں سے ملاقاتیں کی ہیں۔ اور ان کے حالات اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ لیکن ان کے نسب کو تحقیق کرنے اور لکھنے کا کوئی خاص خیال نہیں کیا ہے۔

مگر ہمیں یہاں شیخ ابن عمر قدس سرہ کے نسب کی بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس بارے میں جو کچھ لکھا ہمارے مقصد سے بالکل خارج ہے۔

ہم کو اس بحث سے صرف یہ دکھانا تھا کہ مؤلف امروہوی کو صاحب منتخب سے کیسی عقیدت ہے۔ اور وہ ان کو محتاط، ناقد، محقق، صاف گو مورخ، پیر مشائخ و اولیاء سے نہایت درجہ عقیدت رکھنے والا یقین کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے صاحب منتخب التواریخ کے اس بیان کو جو شیخ گدائی کے نسب کے بارے میں ہے اور جسے ہم اوپر درج کر آئے ہیں۔ پھر بھی معرض اعتنا میں رکھنا پسند کیا ہے۔ اور بتانا یہ ہے کہ جب وہ صاحب منتخب کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے شیخ ابن عمر قدس سرہ کی بحث میں ظاہر کیا ہے تو ایسے عدیم النظیر مورخ کی سند کو پیش کرنے کی اور شیخ ابن عمر کی طرح تاویلات کرنے اور شیخ گدائی کی کم نسبی کو اچھالنے کی انہیں ہمت کیوں نہیں ہو سکی۔

ملا عبد القادر بدایونی کی شکم پروری، زمانہ سازی، جاہ پرستی اور متعصب حاسد طبیعت کی چند مثالیں خود صاحب منتخب ملا صاحب ہی کے قلم سے

قبل اس کے کہ ہم مؤلف موصوف کے اس احتیاط کی وجوہ ظاہر کریں۔ صاحب منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی کے اصلی حالات انہی کے لکھے ہوئے تاریخ میں موجود ہیں پیش کرنا اس لئے مناسب و ضروری سمجھتے ہیں کہ ان پر عبور حاصل ہو جانے کے بعد اس امر کو کوئی شک نہ

ان حالات کے اعتبار سے یہ امر درجۂ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ "علامہ موصوف" کو "حضرت شاہ ابن" کے حالات سے کافی واقفیت حاصل تھی" اور غالب قیاس یہ ہے کہ "آپ کے نسب کے متعلق خود آپ ہی سے استفسار کرنے کے بعد" آپ کو سید تحریر کیا ہے"

یہاں یہ سوال البتہ ہو سکتا ہے کہ "علامہ بدایونی" کو آپ سے آپ کے نسب کے بارے میں استفسار کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی" اس کے دو جواب ہیں"

(الف) اوّلاً یہ کہ جب ایک مؤرخ و تذکرہ نویس" ایک ایسی بزرگ ہستی سے شرفِ ملاقات حاصل کرتا ہے جس کی شہرت اور عظمت کا آوازہ "ہندوستان کے دور دراز مقامات تک پہنچ چکا ہو۔ اور جس کے مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو" اور جس کے فضل و کمال کا اثر خود اس مؤرخ پر بھی پڑ چکا ہو۔ اور اسی بنا پر وہ اُس کے حالات قلمبند کرنے کا خواہشمند ہو" تو استفسارِ حال کے سلسلہ میں "پہلی بات دریافت طلب" اور پہلا خیال جو قدرتاً اس مؤرخ اور تذکرہ نویس کے دل میں پیدا ہونا چاہئے" وہ یہی ہوگا کہ یہ وجود باوجود" کس خاندان کا چشم و چراغ ہے" اسلئے آپ کے نسب کے متعلق "علامہ بدایونی" نے آپ ہی سے استفسار کیا۔ اور صحیح حال معلوم ہو جانے پر "سید اور سید مشارٌ الیہ" تحریر کیا"

(ب) دوسرے یہ کہ "حضرت شاہ ابن" کے زمانے میں نیز اس سے پیشتر اور اس کے ایک عرصہ بعد تک اُن حضرات کے ناموں کے ساتھ" جو مسندِ ارشاد و ہدایت" اور سجادۂ مشیخت و طریقت" پر متمکن ہوتے" خواہ وہ نسباً عربی النسل" تھے یا "عجمی الاصل" ہاشمی تھے، یا غیر ہاشمی" فاطمی تھے یا غیر فاطمی" اکثر شیخ کا لقب مستعمل تھا" چونکہ شاہ ابن" اپنے زمانہ میں "شیخ ابن" کے لقب سے دُور و نزدیک مشہور تھے" اور علامہ موصوف نے بھی آپ کا نام و لقب، یہی سُنا تھا۔ اور جو کہ ایک ولی کامل کے نام کے ساتھ "شیخ" کے لفظ کا استعمال۔ تو اُن کی حیثیت نسبی کا قطعی ثبوت ہے" اور نہ عدم سیادت نسبی کو ظاہر کرتا ہے" اس لئے آپ کے حالات کے سلسلہ میں "علامہ موصوف کو استفسار کی ضرورت پیش آئی" جب اُن کو آپ کی سیادت نسبی کا علم ہوا تو آپ کا مشہور و متعارف لقب ترک کر کے آپ کے نام کے ساتھ الفاظ "سید و سید مشارٌ الیہ" تحریر کئے۔ تاکہ لفظ شیخ سے جس اشتباہ کا آپ کے نسب کے متعلق پیدا ہونے کا امکان تھا وہ رفع ہو جائے۔ اور "مشیخت نسبی" و "مشیخت ذاتی" میں جو التباس واقع ہو سکتا ہے وہ باقی نہ رہے"

پھر اسی سلسلہ میں صفحہ ۳۶ و ۳۷ پر تحریر ہے کہ "علامہ بدایونی کی اس تحریر پر دو شبہات ظاہر کئے جا سکتے ہیں" اوّلاً یہ کہ امروہہ چونکہ بیرونجات میں "مسکنِ سادات" مشہور تھا۔ اس لئے علامہ بدایونی نے "حضرت شاہ ابن رح" کے حالات اور آپ کی شہرت و عظمت پر نظر کرتے ہوئے" بہتاً آپ کو سید تحریر کر دیا۔ اور یہ خیال کہ آپ جیسی با عظمت ہستی کا نسبی تعلق" امروہہ کے "اسی مشہور خاندانِ سادات" سے ہوگا جو یہاں پہلے سے متوطن تھا لیکن یہ شبہ وہم بے بنیاد اور خیال باطل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا"

"جو شخص علامہ بدایونی کے حالات سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے۔ اُس کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ "بدایونی" واقعات و حقائق کو ترک کر کے" اوہام و قیاسات سے کبھی کام نہیں لیتا"

اگر ایسا ہو تو آج اُس کی تاریخ کو اعتماد کا وہ درجہ ہرگز حاصل نہ ہوتا" جو آج اسے کما حقہٗ حاصل ہے"

اور صفحہ ۳۸ و ۳۹ پر تحریر ہے کہ "دوسرا شبہ" جو اس سلسلہ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ "منتخب التواریخ بدایونی کے مطبوعہ نسخوں میں "عنوان پر شیخ ابن امروہہ" تحریر ہے" لیکن وسطِ عبارت میں جو "سید مشارٌ الیہ" لکھا ہے" وہ کاتب کی غلطی سے ہے" حقیقتاً "شیخ مشارٌ الیہ" تھا" اس کے متعلق سب سے اوّل دیکھنا یہ ہے کہ "تاریخ بدایونی کے" جس قدر نسخے قلمی یا مطبوعہ" ہندوستان میں یا بیرونِ ہند پائے جاتے ہیں" یا اُن کا کیا حال ہے" آیا کتابت کی غلطی یا تصحیف تمام نسخوں میں پائی جاتی ہے" یا بعض میں" اور آیا یہ تصحیف عنوان میں ہوئی ہے یا وسطِ عبارت میں" اس بارے میں جو تلاش و جستجو کی گئی اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ "تاریخ مذکور کے جتنے نسخے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں" یا مختلف کتب خانوں میں جو قلمی نسخے موجود ہیں اور جو مختلف زمانوں" مختلف مقامات اور مختلف کاتبوں کے ہاتھ کے تحریر شدہ ہیں" ان سب میں وسطِ عبارت میں" "سید مشارٌ الیہ" ہی تحریر ہے" کسی ایک نسخہ میں بھی "شیخ مشارٌ الیہ" درج نہیں ہے" جس سے یہ قیاس ہو سکے" کہ سید کا لفظ کاتب کی

یہی وہ کتب تاریخ و تذکرہ ہیں جن میں حضرت شاہ اسحٰق قدس سرہٗ کے حالات مندرج ہیں۔ ان میں صرف دو کتابیں تاریخ کی ہیں یعنی طبقات اکبری اور منتخب التواریخ۔ باقی کتب مشائخ اور علماء کے تذکروں پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کتاب میں حضرت ممدوح کے نسب کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ بعض میں آپ کا صرف عرف لکھا ہے۔ اور بعض میں نام نامی بھی درج کیا گیا ہے جس کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ تحریر ہے۔ لیکن آپ جیسے شیخ وقت اور ولی کامل کے اسم گرامی کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال تا وقتیکہ نسب کا اظہار صراحتاً نہ کیا جائے قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا۔

کتب متذکرۂ بالا میں چار کتابیں حضرت کے معاصر مصنفین کی ہیں۔

تاریخ کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ معاصرین کا بیان متاخرین کے مقابلہ میں ہر طرح لائق استناد و قابل ترجیح ہوتا ہے۔

(الف) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کا تذکرہ ضمناً کیا ہے اور آپ کا صرف عرف لکھا ہے۔
(ب) اسی طرح صاحب طبقات اکبری نے بزمرۂ مشائخ صرف شیخ اسحٰق امروہہ تحریر کیا ہے۔
(ج) گلزار ابرار کے مؤلف نے بھی اسی کی تقلید کی ہے۔ ان مصنفین کے بیانات سے آپ کے نسبی حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔
(د) البتہ آپ کے معاصر مصنفین میں سے ملا عبدالقادر بدایونی کی تصنیف منتخب التواریخ ضرور ایک ایسی کتاب ہے جس میں آپ کے نسب کے متعلق صاف اور صریح اشارہ ملتا ہے۔

> "جہاں تک اس کتاب اور اس کے مصنف کا تعلق ہے۔ یہ بتانا ضروری نہیں کہ عہد اکبری کے تاریخی حالات کے لحاظ سے یہ کتاب کس پایہ کی ہے۔ اور اس کے مصنف کو واقعات کی تنقید کرنے اور صاف گوئی و صداقت بیانی کے اعتبار سے تاریخی دنیا میں کیا درجہ حاصل ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی شخصیت سے ہر تعلیم یافتہ شخص واقف ہے کہ وہ کس درجہ محتاط، ناقد اور صاف گو مورخ ہے۔"

امروہہ سے ان کو ایک خاص تعلق یہ بھی ہے کہ ایام شباب میں یہاں کچھ عرصہ تک بہ حیثیت طالب علم کے مقیم رہے۔ اس کے بعد بھی بہت ممکن ہے کہ وہ یہاں آئے ہوں۔ لیکن [illegible] ہجری میں پنجاب کے سفر سے اپنے وطن بدایوں کو واپس جاتے ہوئے ان کا امروہہ آنا ثابت ہوتا ہے۔

ان کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ملا صاحب مشائخ و اولیا کے نہایت درجہ عقیدتمند ہیں۔ حضرت شیخ اسحٰق کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ سے ملاقات کرتے ہیں۔ آپ کے حالات اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ آپ کے خوارق و عادات کے سلسلہ میں ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں جو خود ان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنے بیان میں وہ آپ کو بصراحت سید اسحٰق اور سید مشارٌ الیہ تحریر کرتے ہیں۔ گویا یہ الفاظ حضرت شاہ اسحٰق کی سیادت اور فاطمیت کی ناقابل تردید شہادت ہیں۔

اس شہادت کی صحت اور قطعیت کا مرتبہ اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ملا موصوف حضرت ممدوح کے حالات کے سلسلہ میں ایسے واقعات بھی تحریر کرتے ہیں جو بغیر خاص تحقیق و جستجو کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ سالک و مجذوب بودند ان لطیف ترین روحانی کیفیات کا اندازہ کوئی شخص پہلی ملاقات میں نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ باوجود ایں حالت و قیقہ از دقائق سنت مطہرہ او فوت نشدے۔

یہ وہ حالات و واقعات ہیں کہ جب تک کسی کے حالات کا کافی استقصا کیا گیا ہو اور اس کی زندگی کے اوقات پر ہر پہلو سے نظر ڈالی گئی ہو ایک محتاط تذکرہ نویس اور مورخ ہرگز نہیں لکھ سکتا۔ پھر ان حالات کا لکھنے والا عبدالقادر بدایونی جیسا ناقد و محقق اور صاف گو شخص ہو۔ ایسے الفاظ بغیر کافی تحقیق اور پوری جستجو کے حوالۂ قلم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ "خوارق او بسیار نقل می کنند۔ لیکن دوسروں کی روایت نہیں بیان کرتے۔" خود اپنا واقعہ پیش کرتے ہیں۔

شاہی" ظاہر شد" کہ بجائے خود مذکور شود"
نسبت ظاہر ہوئی۔ جن کا اپنی جگہ پر ذکر ہو چکا ہے"

پھر انہیں صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۱۱۹ پر ۹۶۷ ہجری کے واقعات میں اس طرح لکھا ہے کہ"

دریں سال "شیخ گدائی کنبوی دہلوی" کہ حکم شحنہ معزول داشت۔ و از طنابل مقابل ایام دریں بند ار و غرور" از جملہ اقسام بود" درگذشت "و مردہ خوک کلاں" تاریخ یافتند۔

اس سال میں "شیخ گدائی کنبوی دہلوی" جو حکم کو توال معزول کار کھتا اور اپنی نخوت و غرور کی وجہ سے جملہ بتوں سے بھاٹ از طنابل مقام ایام مرگیا۔ اور "مرا سور مر گیا" میں نے تاریخ نکالی"

صاحب منتخب نے "شیخ گدائی" کے متعلق "جو گل افشانیاں" جن الفاظ میں کی ہیں۔ انہیں ہم نے من وعن پیش کر دیا ہے" کیا یہ حیرت و سوچ میں ڈال دینے والی بات نہیں ہے کہ "مؤلف امروہوی" جنہوں نے "شیخ گدائی" کے نسب کو کمتر" اور ہندی الاصل ثابت کرنے کا تہیہ کر لیا ہے" بلکہ اس بارے میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگا دیا ہے۔ اور اپنی اس کوشش میں "غلط قیاسات و توجیہوں سے جھوٹ کو سچ باور کرانے" واقعات کو اخفا کر لینے" اور بعض میں تحریف کرنے اور غلط تراجم تک پیش کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی ہے" تو انہوں نے اس زہریلے ہتھیار کو جو "صاحب منتخب نے ان کے ہاتھوں میں دیدیا تھا" اپنی اس ساری بحث میں کہیں بھی استعمال نہ کرنا اور اپنے ناظرین کو اس کی زیارت سے محروم رکھنا کیوں مناسب و ضروری خیال کیا"

صاحب منتخب التواریخ کی قدر و منزلت مؤلف امروہوی کی نظر میں اور ان کی آڑ میں شیخ کو سید بنا دینے کی جسارت

صاحب منتخب التواریخ "ملا عبد القادر بدایونی" کو مؤلف امروہوی نے "شیخ ابن امروہوی کے نسب پر بحث کرتے ہوئے جس طرح سراہا ہے۔ اور ان سے اپنا اعتقاد ظاہر کر کے جن الفاظ میں ان کی مدح و ثنا کی ہے" وہ مؤلف موصوف کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۳۲ تا ۳۶ پر اس طرح تحریر ہے کہ۔

سب سے پہلے شاید یہ مناسب ہوگا کہ ان عبارتوں کو ذیل میں نقل کر دیا جائے جو "مختلف عہد کی کتب تواریخ و تذکرہ مشائخ" میں "حضرت ممدوح (یعنی شیخ ابن رح) کے حالات میں دستیاب ہوتی ہیں"

(۱) اخبار الاخیار "مؤلفہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی تالیف ۹۹۶ھ"
و از جملہ مریدان و خلفائے "شیخ علاؤ الدین" "شیخ ابن" "امروہہ بود" "مردے عزیز و حسین و صاحب حال و مجذوب شکل بود"

(۲) طبقات اکبری مطبوعہ مؤلفہ نظام الدین احمد بخشی عہد اکبری تالیف ۱۰۰۲ ہجری"
بزمرۂ مشائخ عہد اکبری صرف نام لکھا ہے۔ یعنی "شیخ ابن امروہہ"

(۳) منتخب التواریخ مؤلفہ ملا عبد القادر بدایونی تالیف ۱۰۰۴ھ
شیخ ابن امروہہ" (بعض قلمی نسخوں میں "سید ابن" بھی لکھا ہے۔ سالک و مجذوب بود۔۔۔

(۴) گلزار ابرار قلمی۔ مؤلفہ محمد غوث بن حسن بن موسیٰ شطاری" تالیف شروع ۹۹۸ھ ختم در عہد جہانگیری"
شیخ ابن "خلیفہ علاؤ الدین موج دریائے" دہلی است"

(۵) اسراریہ "مؤلفہ سید کمال بن سید لال سنبھلی تالیف ۱۰۶۰ھ
گویند "شیخ عبد اللہ معروف شیخ ابن" در اوایل از امروہہ بعزیمت سفر حجاز بر آمدہ"

(۶) مآثر الکرام مؤلفہ سید علامہ غلام علی آزاد بلگرامی تالیف ۱۱۶۶ھ
شیخ عبد اللطیف مولد و منشاء او امروہہ از مضافات دہلی نسبتش بہ شیخ عبد اللہ المعروف بہ شیخ ابن قدس سرہ مے رسد"

(۷) جام جہاں نما قلمی مؤلفہ قدرت اللہ صدیقی ساکن موضع موئی تالیف ۱۱۹۹ھ
شیخ عبد اللہ معروف بہ شیخ ابن" گویند از امروہہ بعزیمت کعبتہ اللہ بر آمدہ"

یا مجلس سماع ۔ بانوع قلابے وارد " آخر او کان نا میدہ " یا در قلاع مے
کشیدند " یا اخراج بجانب " بنگالہ " و " بکھر " مے نمودند "

حکیم الملک کی جلاوطنی | اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۵ پر تحریر ہے کہ
" در شتی بسیار (در ۹۸۷ ہجری) بحکیم الملک از جہت مخالفت آورد
" با شیخ ابوالفضل " کہ او را " فضلہ " میگفت ۔ عاقبت الامر حکم اخراج
بجانب " مکہ " فرمودند "

شیخ حسین از اولاد حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کی جلاوطنی | اور صفحہ ۳۰ پر ہے کہ " و ہم چنیں
" شیخ حسین " نبیرہ حضرت
خواجہ معین الدین قدس سرہٗ " را کہ تسلیم خاطر خواہ نمی کرد " و بعد از
اخراج " بمکہ معظمہ " و آمدن او از آنجا " فتحپور " و ہماں دستور سابق
" کورنش " استغنا نمودہ ۔ وادائے بے اخلاصی از فہمیدن " در بکھر " فرستاد

وکا ناداری نام و بکری یا تو قلعوں میں قید کر دیتے ہیں یا اُس کا اخراج بنگال
اور " بکھر (سندھ) " کو کر دیتے ہیں "

اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۵ پر ہے کہ " (۹۸۷ ہجری میں) "
حکیم الملک " کے ساتھ " شیخ ابوالفضل " کی مخالفت کی وجہ
سے کہ وہ اُس کو فضلہ کہتا تھا " بہت سختی برتی " آخر کار اُس کا مکہ
کی طرف اخراج کر دیا "

اور صفحہ ۳۰ پر ہے کہ " اور اسی طرح " حضرت خواجہ معین الدین
قدس سرہٗ کے پوتے " شیخ حسین " کو جس نے تسلیم خاطر خواہ نہیں کی
تھی " اور بعد از اخراج مکہ معظمہ " وہاں سے " فتحپور " واپس آنے کے
بعد بھی پہلی طرح انہوں نے کورنش سے استغنا برتا تو بے اخلاصی جاکر
انہیں " بکھر " بھیجدیا " ۔

ہم نے یہ اقتباسات جو پیش کئے ہیں " دریا میں قطرہ سے زیادہ نہیں ہیں " ان کی تفصیل کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے " ان اقتباسات
سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ " منصب عظمٰی صدارت کے لئے کسی عربی یا عجمی کی کوئی قید نہ تھی " اگر ایسا ہوتا تو " شیخ گدائی " کے بعد " شیخ عبدالنبی "
جو غلام خاندان سے اور قوم کے جاٹ تھے " ہرگز " عہدہٗ صدارت پر فائز نہ کئے جاتے "
اُن کے بعد جو اور پانچ صدر " اکبر ہی کے دور میں مقرر کئے گئے ۔ اُن میں بھی کبھی " عربی یا عجمی " بلکہ شیعہ و سنّی کی کوئی قید
روا نہیں رکھی گئی " جس طبقہ سے جس کو مناسب خیال کیا اُس کا تقرر کر دیا ۔ پھر یہ بھی ہے کہ " شیخ عبدالنبی " کا زمانہ صدارت " سولہ برس
ہے " ان پانچوں صدوروں میں سے کسی ایک کو " شیخ عبدالنبی کے زمانہ کی نصف مدت تک بھی اِس خدمت پر باقی نہیں رہنے دیا گیا "
کیونکہ ہمیں یہ بھی بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ اُس زمانے میں " حسد اور سازشیں کس طرح کے کام کر رہی تھیں ۔ اور ان حسد پیشہ
نیز سازشی و لامذہب لوگوں نے جاہل و کودن بادشاہ کو اپنی ترکیبوں اور ہتھکنڈوں سے قابو میں لاکر اُسے کن خرافات میں ڈال دیا تھا "
اور ہندوستان کو جو صاحب منتخب التواریخ کی تحریر کے مطابق " بیرام خاں " یعنی " شیخ گدائی " کے زمانے میں (کیونکہ مؤرخوں کا بیان
ہے کہ " بیرام خاں " بڑی حد تک " شیخ گدائی " کے زیر اثر تھے) حکم عروسی رکھتا تھا " مردم فاضل و قابل " باحسب و نسب " اور عربی النسل
حضرات بشمول سادات بنی فاطمہ " کے لئے جہنم زار بنا دیا تھا " اور شدائد و عقوبات سے ان میں سے تھوڑے وہ بچ سکے تھے " جنہوں نے
دین فروشی اختیار کر لی تھی " یا معدودے چند مثل " مفتی جمال خاں کنبوی " " شیخ گدائی کنبوی " اور " نواب شہباز خاں کنبوی " کے
ایسے تھے جن پران کی عالی نسبی " وجاہت خاندانی اور اثر و اقتدار نیز کارگذاریوں کی وجہ سے اکبر اور اُس کے حواریوں کو ہاتھ ڈالنے یا جبر و
سختی کرنے کی ہمّت نہیں پڑ سکتی تھی " ورنہ باقی سب قید و بند ۔ اور قتل و جلاوطنی نیز ذلت و خواری کے بھینٹ چڑھا دیئے گئے تھے "
اِن واقعات کو پردہٗ خفا میں رکھکر " مؤلف امروہوی " کا نہایت جسارت سے کام لے کر یہ لکھدینا کہ
" عربی النسل افراد کے مقابلے میں " منصب صدارت پر جو " عربی النسل " اشخاص کے لئے مخصوص تھا "
" شیخ گدائی " کا فائز ہونا " اُس زمانے کے اعتبار سے " قابل مواخذہ سمجھا گیا "
قطعاً فریب اور دھوکا دینا نہیں ہے تو اور کیا ہے "

مؤلف امروہوی کا منتخب التواریخ کے ایک خاص بیان کا اِخفا

مؤلف امروہوی کی اِس غلط بیانی کا بھی بہ احسن وجوہ انکشاف کر کے ۔ اب ہم اُن کے اُس اغماض کی طرف توجہ مبذول

دیگر علماء کا قتل | و دیگران بسیار از ملایان کہ از و تو ہم بے اخلاصی داشتند بہ ہمان خانۂ عدم میفرستادند۔

علماء کی جلا وطنی | و علمائے لاہور را علائے وطن ساختہ ہر کدام را بگوشۂ ملکی مشہور روانہ گردانیدند از آنجملہ قاضی صدر الدین لاہوری کہ در تحقیق از دریاہ مخدوم الملک بود بتقاضائے سرنوشت بگجرات و ملا عبد الشکور را بجونپور و ملا محمد معصوم را بہ بہار نامزد گردانیدہ شد و شیخ منور را بمالوہ جلاوطن کردند و صدارت آن صوبہ بدو تفویض یافت و بدین قیاس ہر کدام در غربت مقضی المرام شدند۔

حاجی ابراہیم پر مہربانی کی وجہ | و حاجی ابراہیم سرہندی را بصدارت گجرات فرستادند۔ و او در آنجا رشوت بسیار از ائمہ گرفت و زر فراوان جمع کرد و اگر کسی نمیداد مدد معاش را باز یافت مینمود و این معنی عرض رسید کہ داعیۂ فتنہ بدل ہم داشت بتہمت بغی طلب شد و او را بحکیم الملک سپردند و در مجلس نیز طلبیدند و او رسالہ مشتمل بر نقل دروغ بر بزرگان دین از خود تراشیدہ بیان کرد و گذرانید۔ و این حیل و تلبیس ظاہر شد حاصل آنکہ عبارات جعلی از شیخ ابن عربی قدس سرہ در کتابی کہنہ کرم خوردہ بخط مجہول نوشتہ کہ صاحب زمان زنان بسیار خواہد داشت و ریش تراش خواہد بود و صفتی چند کہ در حلیۃ الرجال بود درج کردہ و از وی بسیار عنایت آمدہ در سلک باریافتگان پایۂ قرب منتظم شد۔

ملا ابو سعید بھتیجے میاں ماں پانی پتی کی قید و موت | و موافق نقل حاجی ابراہیم رسالۂ کہنہ از کتب ملا ابو سعید برادرزادۂ میاں ماں پانی پتی حدیثی موضوع گردانیدہ بود کہ پسر صحابی ریش تراشیدہ در نظر آنحضرت صلعم آمد فرمودند کہ اہل بہشت بدین ہیأت خواہند بود۔ چون بہ شاہ فتح اللہ و شیخ ابو الفضل و حکیم ابو الفتح بحث ہائے دلیرانہ میکرد و در تہاون ہائے نمود نقلہ برنتھنبور فرستادند تا مرد و بعد از آن اعضای او با پارچہ ہائے طولانی بستہ بود۔ و شہرت چنان یافت کہ خود را از بالائے قلعہ انداخت۔ و این واقعہ در سنہ نہصد و نود و چہار ۹۹۴ ہجری روی نمود۔

پیران طریقت کی قید اور جلا وطنیاں | و ہر کسے را کہ میدانستند کہ مرید گیر است

اور ایک ایک کر کے ملاؤں میں سے جن کی طرف سے بے اخلاصی کا وہم رکھتے تھے انہیں بھی ملک عدم کو بھیج دیا۔

اور علمائے لاہور کو جلا وطن کر کے ہر ایک کو کسی ملک مشہور کے گوشہ میں منتشر کر دیا۔ ان میں سے قاضی صدر الدین لاہوری کو جس کی تحقیق مخدوم الملک سے بھی زیادہ تھی گجرات سے بھڑوچ کی تعلیم پر اور ملا عبد الشکور کو جونپور کی تعلیم پر اور ملا محمد معصوم کو بہار پر نامزد کیا اور شیخ منور کو مالوہ پر جلا وطن کر کے صدارت اس صوبہ کی اس کے سپرد کی۔ اس طرح ہر کوئی غربت ہی میں مر گئے۔

اور حاجی ابراہیم سرہندی کو گجرات کا صدر بنا کر بھیجا۔ اس نے وہاں کے ائمہ سے رشوت لیکر بہت سا روپیہ جمع کر لیا۔ اور اگر کسی نے نہیں دیا تو اس کی مدد معاش واپس لے لی۔ یہ بات بادشاہ کو معلوم ہوئی کہ وہ بھی بادشاہ کے خلاف ہو گیا ہے۔ لہذا اس کو بغاوت کی تہمت پر وہاں سے لاکر حکیم الملک کے سپرد کر دیا۔ اور بات کی مجلس میں طلب کیا۔ تو اس نے ایک رسالہ میں بزرگان دین کے متعلق جھوٹی باتیں لکھ کر جو خود کے حال سے پیش کیا۔ اور اس کا یہ جعل ظاہر ہو گیا۔ یعنی یہ کہ پرانی کتاب کیڑے کھائی ہوئی میں شیخ ابن عربی قدس سرہ کی طرف سے یہ جعلی عبارت مجہول خط سے لکھی کہ صاحب زماں بہت سی عورتیں رکھے گا اور ڈاڑھی منڈوائے گا۔ اور چند صفات جو حلیۃ الرجال میں ہوں گے جمع کیے۔ بادشاہ اس سے عنایت سے پیش آئے اور اس کو مصاحبوں میں داخل کر لیا۔

اور موافق نقل حاجی ابراہیم نے میاں ماں پانی پتی کے بھتیجے ملا ابو سعید کی کتابوں سے ایک پرانے رسالہ میں موضوع حدیث گڑ رالی تھی کہ آنحضرت صلعم کے سامنے ایک صحابی کا ڈاڑھی منڈا لڑکا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اہل بہشت اسی صورت کے ہوں گے۔ جب یہ شاہ فتح اللہ اور شیخ ابو الفضل اور حکیم ابو الفتح نے دلیرانہ بحثیں کیں تو اس سے ذلت اٹھائی۔ بادشاہ نے اسے قلعہ رنتھنبور بھیج دیا۔ وہ وہاں مر گیا۔ اور لاش اس کی گرانے کے بعد قلعہ کے نیچے اس حالت میں پائی گئی کہ ایک لمبے کپڑے سے بندھی ہوئی تھی۔ اور یہ شہرت ہوئی کہ اس نے خود اپنے آپ کو قلعہ کے اوپر سے گرا دیا۔ یہ واقعہ ۹۹۴ھ ہجری میں واقع ہوا۔

اور جس کسی کو جانتے کہ مرید کرتا ہے یا مجلس سماع یا حلقہ کرتا ہے اس کو

سختی سے دھمکایا کہ صحبت بدمزہ ہو گئی اور امراء آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ شہباز خاں کو غصہ آ گیا اور اوروں کو حکم کہا کیا بکتے ہو۔ تمہارے منہ پر گوہیں جوتیاں بھر کر لگواؤں گا۔

شہباز خاں کے اس واقع کے متعلق منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۷۴ پر یہ تحریر ہے کہ:

وشہباز خاں نیز تیز و تند در ہیں وادی در آمدہ بہ بیربر سگِ جہنمی راکہ طعن صریح در دین میکرد دشنام صریح دادہ گفت کہ اے کافر ملعون حالا تو ہم ایں چنیں سخنان میگوئی۔ ما از عہدۂ تو بیتو انیم بر آمد۔ وکار بے مزگی کشید۔ و شہباز خاں بخصوص وبدیگراں بطریق اجمال فرمودند کہ میفرمائیم کہ کفش پر نجاست بردہن ہائے شما بزنند۔

اور شہباز خاں بہت غضبناک ہو گئے۔ دوزخ کے کتے بیربر کو جس نے دین اسلام پر کھلم کھلا طعن کیا صاف گالی دیکر کہا کہ اے کافر ملعون اب تو بھی ایسی باتیں کہتا ہے۔ ہم تجھے ختم کر سکتے ہیں۔ اور صحبت بدمزہ ہو گئی۔ شہباز خاں کو خصوصیت سے اور دوسروں کو عموماً بادشاہ نے فرمایا کہ ہم کہتے ہیں کہ نجاست سے بھرے ہوئے جوتے تمہارے مونہوں پر لگائے جائیں۔

غرضیکہ یہ ہنگامہ آرائیاں تھیں لیکن شہباز خاں کا تو بادشاہ کا کچھ نہیں کر سکا مگر اور دوسروں کے ساتھ جو کچھ اُس نے کیا اُن کا کچھ حال تو شیخ عبدالنبی صدر، مخدوم الملک اور سید محمد میر عدل کے حالات لکھ کر ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں۔ یہاں چند مثالیں اور دیتے ہیں۔

ملا یزدی اور میر معزالملک کی غرقابی

منتخب التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۷۶ تا ۲۷۹ پر تحریر ہے کہ:

محمد معصوم خاں پسر معین الدین خاں فرنخودی کہ حکومت جونپور داشت بدرگاہ آمدہ باز رخصت جونپور یافت۔ و ملا محمد یزدی بقاضی القضاۃ آنجا مقرر ساختند۔ وحکومت دہلی بہ محب علی خاں پسر میر خلیفہ تفویض یافت۔ و ملا محمد یزدی در صوبہ جونپور رفتہ فتوی بوجوب خروج و بغی بر بادشاہ داد۔ میر معزالملک و محمد معصوم خاں کابلی و محمد معصوم خاں فرنخودی و نیابت خاں و عرب بہادر و دیگراں تیغ ہا کشیدہ ہر جا چنانکہ مذکور شود جنگ ہائے عظیم کردند۔ مہتر سعادت کہ پیشرو خاں خطاب دارد و مدتے کہ نزد معصوم خاں جونپوری رفتہ باز گشت حقیقت فتوی ملا یزدی را بعرض رسانید۔ تا میر معزالملک و ملا یزدی را بہ تقریبے از جونپور طلبیدند۔ چوں بفیروز آباد کہ شش دہ کروہے آگرہ است رسیدند حکمے فرستادند کہ سواران را از ایشاں جدا ساختہ و ہر دو را بکشتی نشاندہ و از آب جون گذرانیدہ بجانب گوالیار برند۔ و متعاقب حکمے دیگر میرسد کہ ایں ہا را ضائع سازند۔ و موکلاں در کشتی دیگرے نشیند۔ و ایشاں را در کشتی عمر ایں ہر دو را در گرداب فنا غرق بیسارند۔

محمد معصوم خاں، معین الدین خاں فرنخودی کا بیٹا جو جونپور کا حاکم تھا وہ بادشاہ کے پاس آیا پھر اُس نے جونپور جانے کی اجازت پائی۔ اور ملا یزدی کو وہاں کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ اور دہلی کی حکومت میر خلیفہ کے بیٹے محب علی کو تفویض ہوئی۔

ملا محمد یزدی نے صوبہ جونپور میں جا کر بادشاہ پر خروج کرنے اور اُس سے بغاوت کرنے کا فتویٰ دیا۔ جس کی وجہ سے امیر معزالملک اور محمد معصوم خاں کابلی اور محمد معصوم خاں فرنخودی اور نیابت خاں اور عرب بہادر اور دوسروں نے تلواریں کھینچ کر ہر جگہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بہت سخت لڑائیاں کیں۔ مہتر سعادت خاں جس کا خطاب پیشرو خاں تھا۔ جب معصوم خاں جونپوری کے پاس جا کر واپس آیا تو اس نے بادشاہ سے ملا یزدی کے فتوے کی حقیقت بیان کی۔ بہانے سے بادشاہ نے میر معزالملک اور ملا یزدی کو جونپور سے بلایا۔ جب وہ آگرہ سے اٹھارہ کوس پر فیروز آباد پہنچے تو حکم بھیجا کہ سواروں کو اُن سے علیحدہ کرے اور دونوں کو کشتی میں بٹھا کر دریائے جمنا کے راستہ سے گوالیار لے جائیں اور پیچھے دوسرا حکم بھیجا کہ ان کو ضائع کر دیں۔ اور اُن کے نگراں دوسری کشتی میں بیٹھیں اور اُن کی عمر کی کشتی کو گرداب فنا میں غرق کر دیں۔

قاضی یعقوب کا قتل

و بعد از چند روزے قاضی یعقوب از بنگالہ میرسد۔ و او را ہم متعاقب ایشاں بسفر فرستادند۔

اور تھوڑے دنوں بعد قاضی یعقوب جو بنگالہ سے آیا تھا اُس کو بھی ان کے پیچھے بھیج دیا۔ یعنی مروا دیا۔

کتاب لے کر تشریف لائے۔ اُس میں حدیث دکھائی کہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں ایک صحابی رضؓ تشریف لائے ان کا بیٹا ساتھ تھا۔ اسکی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلعم نے دیکھکر فرمایا۔ کہ اہل بہشت کی ایسی ہی صورت ہو گی" غرض تمام دربار صفا چٹ ہو گیا"

(۲) ہندوؤں کے مذہب کا مشہور مسئلہ ہے کہ دس جانور ہیں جن کی صورت میں خدا نے ظہور کیا ہے۔ ایک اُن میں سے سؤر ہے" بادشاہ نے بھی اس کا خیال کیا۔ اور زیر جھروکہ اور بعض مقامات میں جدھر لوگ اشنان کراتے تھے سؤر پلوائے"

(۳) کتے کے فضایل میں یہ دلیل پیش ہوئی کہ اُس میں دس صفتیں ایسی ہیں کہ ایک بھی اُن میں سے اگر انسان میں ہو تو ولی ہو جائے" بعض مقربان درگاہ نے کہ خوش طبعی اور ہمہ دانی اور ملک الشعرائی سے ضرب المثل ہیں۔ چند کتے پال لئے تھے کو دوں میں بٹھاتے تھے۔ دسترخوان پر کھلاتے تھے" ملا صاحب یعنی صاحب منتخب التواریخ" فرماتے ہیں کہ" دربار میں تقریریں ہوتی تھیں کہ غسل جنابت کی کیا ضرورت ہے" کوئی کہتا تھا کہ" شیر اور سؤر" کا گوشت کھانا چاہئے۔ کہ بہادر جانور ہیں طبیعت میں ضرور بہادری پیدا کرے گا"

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۱۵۳ پر "قاضی نظام بخشی" کے حالات میں تحریر ہے کہ:

ملقب به قاضی خان "از ولایت بدخشان است نزدیک کوہے کہ کان لعل دارد" در علوم مکتبی شاگرد مولانا عصام الدین ابراہیم است" و پیش" ملا سعید" استفادہ نمودہ" و از علوم تصوف چاشنی و بہرۂ تمام داشتہ" در طریقت مُرید" مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی" است" چون بہ ہند آمد در ملازمت پادشاہی رعایت بیشتر از اندازہ یافت۔ فصیح زبان و خوش تقریر بود" بہ سن ہفتاد سال در" اردو" در سنہ ۹۹۲ ہجری نہصد نود دو در گذشت حق بیامرزد"

قاضی نظام بخشی ملقب بہ قاضی خان" ولایت بدخشاں کا رہنے والا ہے" اُس پہاڑ کے نزدیک کا جس میں لعل ہیں" علوم مکتبی میں مولانا عصام الدین ابراہیم کا شاگرد ہے" اور ملا سعید سے بھی اُس نے استفادہ کیا ہے" اور علوم تصوف میں مُرید مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی کا ہے" جب ہندوستان آیا تو ملازمت بادشاہی میں اُس نے اندازہ سے زیادہ رعایت پائی" فصیح زبان اور خوش تقریر تھا" ستر سال کی عمر میں اردو میں سنہ ۹۹۲ ہجری میں مر گیا۔

(۴) اوّل کسیکہ" اختراع سجدہ پیش پادشاہ کرد۔ در فتحپور" او بود" و ملا عالم کابلی" بحسرت میگفت" دریغ کہ" مخترع این امر من نہ شدم"

پہلے پہل جس نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے کی فتحپور میں ایجاد کی" وہ یہی تھا" اور ملا عالم کابلی حسرت سے کہا کرتا تھا کہ افسوس ہے اس بات کی ایجاد کا موجد میں نہ ہوا"

(۵) دربار اکبری کے صفحہ ۶۳ پر تحریر ہے کہ" نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہم قوم اور غیر قوم کا فرق اصلا نہ رہا۔ راجپوتوں کی محبت بلکہ اُن کی ہر بات کو بلکہ ریت و رسوم اور لباس کو بھی اُس کی آنکھوں میں خوشنما دکھانے لگی" چغے اور عمامہ کو اُتار کر جامہ اور کھڑکی دار پگڑی اختیار کر لی" ڈاڑھی کو رخصت کر دیا۔ تخت و دیہیم کو چھوڑ کر سنگھاسن پر بیٹھنے اور ہاتھی پر چڑھنے لگا" فرش فروش۔ سواریاں اور دربار کے تمام سامان آرائش سب ہندوانہ ہونے لگے" ہندو اور ہندوستانی لوگ ہر وقت خدمت گذاری میں حاضر" جب بادشاہ کا یہ رنگ ہوا تو اراکین و اُمراء۔ ایران۔ توران۔ سب کا وہی لباس" دربار اور بان کی گلوری اُس کا لازمی سنگار ہو گیا۔ ترکوں کا دربار" اندر سبھا کا تماشا تھا"

(۶) اِسی کتاب کے صفحہ ۶۵ پر تحریر ہے کہ" قاضی عبد السمیع میانکالی" قاضی القضاۃ" تھے" ان کا خاندان" ماوراء النہر" میں عظمت اور برکت سے نامور تھا۔ مگر یہاں کا یہ عالم تھا کہ" بازی لگا کر شطرنج کھیلنا وظیفہ تھا" جلسہ میخواری ایک عالم تھا جس کے وہ آفریدگار تھے" رشوت۔ نذرانہ تھا" جس کا لینا مثل ادائے نماز فرض عین تھا۔ مسکوں پر" سود بر" حسب الحکم" لکھتے تھے اور وصول کر لیتے تھے" قاسم خاں قوچی نے کچھ اشعار لکھکر اُن کی تصویر کھینچی تھی۔ ایک شعر اُس کا یاد ہے:

پیرے ز قبیلۂ معنبر ریشے چو گُلِ سفید یک گز

(۷) اور صفحہ ۷۰۹-۷۲ پر ہے کہ" ملا صاحب فرماتے ہیں سنہ ۳۰ جلوس کے بعد زمانہ کا رنگ بالکل بدل گیا۔ کیونکہ بعض دین فروش ملا بھی شامل ہو کر اُن کے ساتھ ہمداستان ہو گئے" نبوت میں کلام" وحی میں سکوت ہونے لگے" معجزے" کرامت" جن" پری" ملایک"

علاوہ ازیں جو نامہ لکھ کر دیا تھا امراؤں میں سے جو اشخاص دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوئے اُن کی تفصیل کتابوں کے انتخاب سے حسب ذیل معلوم ہوتی ہے۔

(۱) ابوالفضل خلیفہ
(۲) فیضی ملک الشعرائے دربار
(۳) شیخ مبارک ناگوری (پدر ابوالفضل و فیضی)
(۴) جعفر بیگ آصف خان مؤرخ و شاعر
(۵) قاسم کاہی شاعر
(۶) عبدالصمد مصور دربار اور شاعر
(۷) اعظم خان کوکہ۔ مکے سے آکر۔
(۸) صوفی احمد
(۹) ملا شاہ محمد شاہ آبادی مؤرخ۔
(۱۰) صدر جہان مفتی کل ہندوستان اور ان کے دو صاحبزادے
(۱۱) میر شریف آملی۔
(۱۲) سلطان خواجہ صدر۔
(۱۳) میرزا جان حاکم ٹھٹھہ۔
(۱۴) تقی شوستری شاعر و دو صدی منصب دار
(۱۵) شیخ زادہ گوسالہ بنارسی
(۱۶) بیربر

دربار اکبری کے صفحہ ... پر ہے کہ میر عبدالحیٔ صدر جہاں کا حال دیکھو تتمہ میں۔ یہ بڑے بزرگوار حکیم ہمام کے ساتھ عبداللہ خان ازبک کے دربار میں رسم سفارت بھیجے گئے تھے۔ اور مراسلت میں جو فقرے اُن کی شان میں نازل ہوئے ہیں یہ ہیں سیادت پناہ نقابت نصاب میر صدر جہاں کہ از جملہ اعاظم سادات کبار و اجلہ اتقیائے این دیار۔ ماتھے کی تاثیر دیکھو کہ اہل عالم کا کیا حال کر دیا۔ باداموں کے برآمدوں میں ہڈیاں ایسی نظر آنے لگیں کہ آسمان پھاڑ کر بھی نکلیں گے۔ خصوصاً اس کلام میں۔

(۶) خواجہ محمد صالح صدر اور (۷) مولانا عبدالباقی صدر کے حالات کا اندازہ شیخ عبدالنبی کے بعد کے ان میں مذکورہ بالا صدور کے حالات سے لگا لینا چاہیے کہ یہ بھی بہت سے اکرامات مذہبی یا دین الٰہی اکبر شاہی میں رواج دینے یا بادشاہ اور اُس کے فرشتوں کے آلۂ کار ہونے سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔

جس دن صدر جہاں دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوئے ہیں اُسی روز ملا تقی شوستری اور ملا شاہ محمد نے بھی دین الٰہی اکبر شاہی کی بیعت کی تھی۔ ان دونوں کے اس نئے دین میں داخل ہونے کے واقعہ کو صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ... پر ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ

و ہمیں روز (محرم ۱۰۰۳ ہجری) ملا تقی شوستری کہ خود را اعلم العلما می داند و شیخ زادہ گوسالہ خان نام بنارسی و ملا شاہ محمد کہ منسوب بفرزندی حضرت غوث الثقلین می ساخت مرید سلسلہ و مراتب اخلاص چہارگانہ را متقبل گشتہ بمنصب صدی تا پانصدی نامزد بطریق ملاش ترک ریش گفتند و خود مرگشتہ مو تراش چند تاریخ یافتند

اسی دن (محرم ۱۰۰۳ ہجری) میں ملا تقی شوستری جو اپنے آپ کو اعلم العلما کہتا ہے اور شیخ زادہ گوسالہ خان نام بنارسی اور ملا شاہ محمد جو حضرت غوث الثقلین کی فرزندی سے منسوب ہے یہ تینوں مرید ہوئے اور مراتب اخلاص چہارگانہ کے معتقد ہوئے اور منصب صدی تا پانصدی پاکر ڈاڑھیاں منڈوا دیں۔ خود مرگشتہ مو تراش چند تاریخ نکلی۔

اکبری دین میں اسماعیل اور علما و مشائخ و سادات کی درگت بنائے جانے کی چند دیگر مثالیں

صاحب دربار اکبری نے صفحہ ... پر تحریر فرمایا ہے کہ داڑھی جو مسلمانوں میں نورِ الٰہی کہلاتی ہے بڑی خواری ہوئی۔ سر و رخسار کی کھیتیاں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالی جہان سے آئے پانی پہنچائے۔

علما میں ایک مشائخ تھے اور خاص حضرت شیخ ماں پانی پتی کے بیٹے تھے۔ اپنے عم بزرگوار کے کتب خانے میں ایک کرم ...

تحریر ہے کہ:

"دررَبیع الثانی سال نہصد و نود سنہ ۹۹۰ ہجری "سیادت پناہ" میر فتح اللہ شیرازی" کہ در وادیٔ الٰہیات "و ریاضیات و طبیعیات" و سایر اقسام علوم عقلی و نقلی" و طلسمات و نیرنجات" و جرِ اثقال" نظیر خود در عصر نداشت۔ برحسب فرمان طلب۔ از پیش" عادل خاں دکھنی" (بادشاہ بیجاپور) بہ فتحپور رسید" و حسب الحکم" خانخاناں" و حکیم ابوالفتح" باستقبال رفتہ۔ بملازمت آوردند" و بمنصب صدارت"

"کہ سیاہ نویسی بیش نبود"

امتیاز یافت" و پرگنہ "بساور" بیداغ و محلی" بجائے گیر او مقرر شد۔ او در وادیٔ مذہب خود۔ استقامت تمام ورزیدہ۔ باکمال حُبِّ جاہ۔ و دُنیاداری" و اُمراپرستی" دقیقہ از دقایق تعصب در دین" فرو نگذاشت"

"و درعین دیوان خانۂ خاص کہ ہیچ کس یارائے آں نداشت" کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند۔ نماز بفراغ بال و جمعیت خاطر" بمذہب امامیہ" میگذارد" و بریں معنی مطلع شدہ او را از زمرۂ ارباب تقلید" شمردہ ازاں وادی اغماض فرمودہ" و بجہت رعایت علم و حکمت و تدبیر و مصلحت" در تربیت او دقیقۂ فروگذاشت نرفت"

"ربیع الثانی سنہ ۹۹۰ ہجری میں سیادت پناہ میر فتح اللہ شیرازی"۔ جو الٰہیات اور ریاضیات اور طبیعیات اور تمام اقسام کے علوم عقلی و نقلی" اور طلسمات و نیرنجات اور جرِ اثقال میں اس زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتا" طلبی کے فرمان کی وجہ سے" عادل خاں دکھنی" (بادشاہ بیجاپور) کے پاس سے آکر فتحپور پہنچا" اور بادشاہ کے حکم سے" خانخاناں" اور حکیم ابوالفتح استقبال اُس کا کرکے بادشاہ کی خدمت میں لائے" اور اُس نے صدارت کے منصب پر جو"

"سیاہ نویسی سے زیادہ نہ تھا"

امتیاز پایا" اور پرگنہ بساور بیداغ و محلی" اُس کو جاگیر میں دیا گیا" اُس نے اپنے مذہب میں خوب مضبوطی سے قدم جما کر" کمال حُبِّ جاہ اور دُنیاداری اور اُمراپرستی سے" دین میں تعصب کے درجوں میں سے کوئی درجہ نہیں چھوڑا"

"اور عین دیوان خانۂ خاص میں جہاں کوئی شخص اس کی مجال نہیں رکھتا تھا۔ ظاہر بظہور نماز ادا کرتا" اور فراغ بالی و دل جمعی سے مذہب امامیہ کی طرح نماز پڑھتا" اس بات پر مطلع ہو کر بادشاہ نے اُس کو زمرۂ ارباب تقلید میں سمجھ کر اُس کی اس بات سے اغماض فرمایا" اور اُسکے علم و حکمت اور تدبیر مصلحت کی وجہ سے رعایت کرکے اسکی تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا"

۹۹۴ سنہ ہجری کے حالات میں" اسی منتخب التواریخ کے ص ۳۴۳ پر" میر فتح اللہ شیرازی" صدر الصدور" کے بارے میں تحریر ہے کہ:

"آخر رفتہ رفتہ کار بجائے کشید کہ" شاہ فتح اللہ" باں عزت و جاہ" قدرت دادن پنج بیگہ زمین" نداشت" اما اراضی کلی کلی باز یافتہ۔ خود کفایت خیال میکرد" و آں زمین ہمیں طور مسکن و حوش و ہوام و سوام شد"

"نامۂ اعمال" صدور" نامے از ایشاں باقی نماندہ باقی ماند"

"آخر رفتہ رفتہ نوبت یہ پہنچی کہ شاہ فتح اللہ اس قدر عزت و جاہ پر بھی" پانچ بیگہ زمین دینے کی قدرت نہیں رکھتا" لیکن ساری کی ساری زمین کو واپس لینے میں کفایت خیال کرتا ہے" اور وہ زمین اس طرح سے وحشی اور درندے جانوروں اور حشرات الارض کا مسکن ہوگئی ہے" نامۂ اعمال میں صدور کے سوائے اُن کے نام کے کچھ باقی نہیں رہا ہے"

(۵) صدر جہان صدر" کے متعلق منتخب التواریخ جلد دوم کے ص ۴۰۴ پر تحریر ہے کہ:

"و دریں ماہ محرم سنہ ۱۰۰۲ ہجری" صدر جہان" مفتی ممالک محروسہ کہ بمنصب ہزاری رسیدہ" با دو پسر فضول مقاصد خود" بحلقۂ ارادت در آمدہ" شصت ارادت قبول یافت چوں ماہی بقلاب در آمد" و منصب ہزاری یافت" و بعرض رسانید" کہ ریش مرا چہ حکم میشود" فرمودند کہ باشد"

"اور اسی سال محرم سنہ ۱۰۰۲ ہجری میں" صدر جہان مفتی ممالک محروسہ جو ہزاری منصب پر پہنچا اپنے فضول مقاصد والے دو لڑکوں کے حلقۂ ارادت میں آگیا" اُس کی یہ ارادت قبول ہوئی" مثل مچھلی کے جو جال میں پھنس جاتی ہے اور منصب ہزاری پایا" اُس نے عرض کیا کہ میری ڈاڑھی کے متعلق کیا حکم ہوتا ہے فرمایا کہ رہے"

ہم نے ابھی اُوپر بتایا ہے کہ" سلطان خواجہ صدر"[۳] اور" صدر جہاںؒ مع اپنی دو بیٹوں کے" دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوگئے تھے" صاحب دربارِ اکبری نے ص ۳۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ" اِس دین کے خلیفۂ اوّل" شیخ ابوالفضل" تھے۔ جو شخص" دین الٰہی میں آتا

قاضی علی بغدادی

(۳) سلطان خواجہ کے بعد شیخ عبدالنبی کی جگہ پر ۹۸۶ھ ہجری میں بعہدہ صدر بنائے جانے کا حال پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے دربار اکبری کے صفحہ ۲۷۲ پر قاضی علی بغدادی کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ صدر یعنی شیخ عبدالنبی صدر کی مجلس الٹ چکی تھی۔ اور بہت کچھ پردے کھل گئے تھے۔ شیخ صدر کی چوٹ پر انہیں کارگزار دیکھ کر صدر نشین نہ کیا۔ یہ بھی دربار اکبری سے اپنے حق کو پہنچ گئے تھے۔ ۹۹۰ ہجری میں کشمیر کے دیوان تھے۔

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۳۸۲ پر تحریر ہے کہ۔

قاضی علی بغدادی کہ دشمن ائمہ بود منصب دیوانی کشمیر داشت۔ و حساب ہائے دہ دوازدہ سالہ و قسط ہائے نامعقول درمیان آوردہ ہم سپاہی و ہم رعیت را بجان آزردہ بود و گوش و بینی بریدہ و ظلم رہا گوش بہا داد گویا بہمیں معنی تاریخ یافتہ شد

چونکہ قاضی علی بغدادی ۔ حسرت یادگار با خود برد
خامۂ منشی قضا بنوشت ۔ سال تاریخ او کہ مُودی مُرد

یہ قاضی علی بغدادی ملا حسین واعظ کے پوتے تھے۔

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۳۸۲ پر تحریر ہے کہ۔

قاضی علی بغدادی دشمن ائمہ کا منصب دیوانی کشمیر رکھتا تھا۔ اور حساب ہائے دہ دوازدہ سالہ اور قسطیں نامعقول درمیان میں لانے کی وجہ سے سپاہی اور رعیت دونوں جان سے بیزار ہو گئے تھے۔ ناک کان کا ظلم اور ظلم اس کے کان پر دھکر پھر آیا۔ اس کے مرنے کی یہ تاریخ ملی ہے۔

چونکہ قاضی علی بغدادی ۔ حسرت یادگار با خود برد
خامۂ منشی قضا بنوشت ۔ سال تاریخ او کہ مُودی مُرد

یہ قاضی علی بغدادی ملا حسین واعظ کے پوتے تھے۔

۹۸۸ھ ہجری کے واقعات اور سلطان خواجہ صدر کے زمانے کے حالات میں منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۹۶ پر تحریر ہے کہ۔

در این ایام چون طعن در عقاید اسلامی و مسائل شرعیہ شایع شدہ و بد مذہبی چہار پیدا شدہ و مسلمانان بہ افراط تقریع صریح ہر وقت میکردند علمائے سوء بدین کار در تصنیفات و خطبہ تحریرات واکتفا بہ توحید کردہ القاب پادشاہی بنوشتند و مجال نداشتند کہ نام حضرت رسالت صلعم بر زبان رانند بزعم آنکہ از مسر ہند و این معنی باعث بد نامی عام گشتہ و ظلم و فساد و فتنہ در ولایت سر کشیدن گرفت۔ و با وجود این مردم بد حال و معطل از خواص و عوام شجرہ ارادت بر گردن انداختہ۔ خود را مرید بے نامیدند۔ و از امید و ترس مرید مے شدند و کلمہ حق بر زبان جاری شدن نہ ممکن بود۔

اور ان دنوں میں کیونکہ عقائد اسلامیہ اور مسائل شرعیہ میں کیڑا اعتراض کر کے شائع ہو گئے تھے۔ اور چند مردود اور مسلمانوں کی تراج دمحتوں کی وجہ سے خود سر زبانی سوء کی جاتی تھی۔ علمائے سوء مدینہ بیان میں سر لاتے اور اکتفا توحید پر کر کے القاب بادشاہی لکھے ہیں اور مجال نہیں رکھتے کہ نام مبارک رسالت مآب صلعم کا جھوٹوں کے مقابلہ میں لے سکیں۔ اور یہ بات عوام میں بدنامی کا سبب ہوئی اور بہت سے فتنہ و فساد کے صوبوں میں سر اٹھایا۔ باوجود اس کے رذیل دکھنے عام لوگ اس طوق ارادت گلے میں ڈال کر اپنے آپ کو مرید کہتے ہیں۔ اور امید و خوف سے مرید ہوئے ہیں۔ اور سچا کلمہ زبان پر لانا ممکن نہیں تھا۔

اسی صدر کے زمانے میں بادشاہ کو سجدہ کرنے کو اور شراب پینے کو حلال، گائے کی عظمت اور سور و کتے کے احترام کو جائز قرار دیا گیا۔ داڑھی منڈانا بھی ثواب میں داخل کیا گیا۔ تمام اصناف دانان کو برطرف اور حج و روزے کو ساقط کیا گیا۔ سنہ ہجری کو موقوف کیا گیا۔ ارکان دین کی طرح تضحیک کی گئی۔ یہاں تک کہ عید کو بھی درکشتیوں کے طریقے سے منایا جانے لگا۔ اور مسلمانوں کی مسجدوں کی رونق کو خاک میں ملا دیا گیا۔ مشائخ و علماء اور سادات سے ہاتھ نیز دکھا کر علی الخصوص جمعرات میں سے بہتوں کو دور دراز جلا وطن اور قتل کیا گیا۔

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۷۶ تا ۳۲۲ پر ان واقعات کی تفصیل درج ہے۔ صاحب دربار اکبری نے صفحہ ۔۔ پر ان امرا میں سے جو دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوئے تھے، ان کی فہرست میں ان سلطان خواجہ صدر کا نام نامی بھی تحریر کیا ہے۔

(۴) ربیع الثانی ۹۹۰ھ ہجری میں میر فتح اللہ شیرازی کو صدر الصدور بنایا گیا۔ منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۱۲ پر

نہادند" اُو را ارشاد نمودہ۔ کہ شما امام زمان خودید" و مجتہدید" در اجرائے احکام شرعی و ملکی" چہ احتیاج بہ ایں جماعہ دارید۔ کہ ہیچ بہرہ از علم۔ جز شہرت کاذب ندارند"

گفتند" ہر گاہ شما استاد ما باشید۔ و سبق پیش شما خواندہ باشیم چرا مارا از منت ایں ملّایان۔ خلاص نمی سازید"

اُو (یعنی شیخ مبارک) کمر جد و اجتہاد۔ و بر میان حقد و عناد بستہ گفت" دعوئ اجتہاد" فرمائید"

و از ایشان" محضرے بہ طلبید آں بود کہ محضرے متعد باب اجتہاد پادشاہ" و افضلیت ایشان بر جمیع مجتہدان نوشت"

و شیخ عبدالنبی" و" مخدوم الملک" را چوں احاد الناس" درآں مجلس پاجیان" بزور گرفتہ آوردند" و ہیچ کس تعظیم ایشان نکرد" و در صف نعال نشستند۔ و خواہی نخواہی" بجبر و اکراہ" بریں داشتند تا گواہی خود نوشتند" چنانچہ در ضمن وقائع سنوات مشروح گذشت" و عاقبت ہر دو را بہ سفر حجاز رخصت دادند"

کر رکھا" اُس نے کہا کہ آپ خود امام زمان اور مجتہد ہیں" آپ کو اجرائے احکام شرعی اور ملکی" اِس گروہ کی کیا ضرورت ہے" کہ یہ لوگ بجز جھوٹی شہرت کے علم سے کچھ واقفیت نہیں رکھتے"

فرمایا کہ اب تم میرے اُستاد ہو اور تم سے میں سبق پڑھوں گا" کس واسطے مجھے اِن ملاؤں کی منت سے خلاصی نہیں دیتے"

اُس نے (شیخ مبارک پدر ابوالفضل نے) کمر کوشش و اجتہاد پر باندھ کر علماء سے کینہ اور دشمنی کی وجہ سے کہا کہ آپ اجتہاد کا دعویٰ فرمائیں"

اور اُن سے محضر طلب کیا" جو یہ تھا کہ ایک محضر بادشاہ کے اجتہاد اور تمام مجتہدوں پر اُس کی فضیلت کے بارے میں لکھا"

اور شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو مثل عام لوگوں کے اُس پاجیوں کی مجلس میں جبراً پکڑ کر لائے اور کسی شخص نے بھی اُن کی تعظیم نہیں کی۔ اور جوتوں کی جگہ انہیں بٹھا کر اُن پر زور دیا کہ" جبر و اکراہ سے اپنی مرضی کے خلاف اپنی گواہی محضر پر کر دیں" چنانچہ اس ضمن میں اُن سنوں کے وقائع میں تفصیل ان باتوں کی لکھ چکا ہوں" اور پھر ان دونوں کو حجاز جانے کی اجازت دیدی"

(نوٹ ۱) منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ پر تحریر ہے کہ" مولانا عبداللہ سلطانپوری المخاطب بہ مخدوم الملک" از قوم انصار است۔ آبا و اجداد او در" سلطانپور" آمدہ سکونت اختیار کردہ بودند" از فحول علمائے زمان و یگانۂ دوران بود خصوصاً در عربیت۔ و اُصول فقہ۔ و تاریخ۔ و سایر نقلیات صاحب تصانیف لائقہ است" از آنجملہ کتاب عصمت انبیاء۔ و شرح شمائل النبی صلعم" مشہور است۔

از بادشاہ جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) خطاب مخدوم الملک" و ہم شیخ الاسلامی یافتہ بود" و در ترویج شریعت غرا" ہمیشہ سعی بلیغ مے نمود"

اور خزینۃ الاصفیا جلد اوّل کے صفحہ ۴۴۷ و ۴۴۸ پر تحریر ہے کہ" مولانا عبداللہ انصاری سلطانپوری۔ از اکابر علمائے و اعاظم فقرائے ہند و ارادت بخدمت حضرات چشت داشت" و از عہد" شیر شاہ" تا وقت" اکبر بادشاہ" بخطاب" مخدوم الملک" مخاطب بانند"

چوں عالم متشرع۔ و عارف متورع بود۔ در دفع کفر و بدعت بسیار کوشیدے و در اعلان کلمۂ توحید" و در احیائے سنت" جد و جہد کثیر بکار بردے"

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ پر تحریر ہے کہ مولانا عبداللہ سلطانپوری المخاطب بہ مخدوم الملک" قوم انصار سے ہیں" اُن کے بزرگوں نے سلطانپور آکر سکونت اختیار کر لی تھی" وہ علمائے زماں کے سرتاج اور یگانۂ زمانہ تھے" خصوصاً عربیت میں اور اُصول فقہ و تاریخ اور تمام نقلیات میں انھوں نے بہترین تصنیفیں کی ہیں" اُن میں سے" کتاب عصمت انبیاء" اور شرح شمائل النبی صلعم" مشہور ہیں"

ہمایوں بادشاہ سے انہوں نے مخدوم الملک اور شیخ الاسلامی کا خطاب پایا تھا" شریعت غرا کے رواج دینے میں ہمیشہ بہت کوشش کرتے تھے"

اور خزینۃ الاصفیا جلد اول کے صفحہ ۴۴۷ و ۴۴۸ پر ہے کہ" مولانا عبداللہ انصاری سلطانپوری" اکابر علما اور اعاظم فقرائے ہند تھے" حضرات چشت سے ارادت رکھتے تھے" شیر شاہ" بادشاہ کے عہد سے اکبر بادشاہ کے وقت تک مخدوم الملک کے خطاب سے مخاطب رہے"

کیونکہ عالم متشرع اور معرفت سے آگاہ تھے اسلئے کفر و بدعت کے دفع میں بہت کوشش کرتے تھے" کلمۂ توحید کے اعلان اور سنت رسول صلعم کے اجرا میں بہت جد و جہد کو کام میں لاتے تھے"

می‌فرمودند. و من از شیخ الہی شنیدم کہ میگفت یکے از مجتہدان تا نہ زن تجویز کردہ است۔

و بعضی علما گفتند کہ ابن ابی لیلی متعہ تجویز کردہ است۔ و بعضے بظاہر عبارت قولہ تعالیٰ: فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع تا ہژدہ زن ہم روا داشتہ اند۔ اما این روایت مہجور است و عمل را نشاید۔ و شیخ عبدالنبی را پرسیدہ فرستادند۔ او نیز ہمین جواب دادہ باشد۔

و این معنی بر طبع بادشاہ گران آمدہ فرمودند کہ بدین تقریب شیخ با ما نفاق ورزیدہ بود کہ آن زمان چیزے دیگر میگفت و حالا دیگر میگوید۔ شد این تغییر در دل جا گرفت۔

و بعد از رد و بدل بسیار و جمع روایات متعہ فتویٰ دادند کہ بطریق متعہ آنقدر زن کہ خواستہ باشند منکوحہ مباح است۔

و این در مذہب امام مالک جائز است۔ و شیعہ خود فرزندے را کہ از متعہ پیدا میشود عزیزتر از پسران [illegible] میدانند۔

و مرغ اہل سنت و جماعت درین ہنگام [illegible] گذشت و جمیع آن روایات نکاح بر شیعہ مذکور شدہ۔ و موطائے امام مالک نسخہ را نقیب خان بتقریب آورد و آنرا بطریق حدیثے بر متعہ استناد کردہ۔

و شبے قاضی یعقوب و شیخ ابوالفضل و حاجی ابراہیم و یک دو دیگر از علما در حجرہ انوپ تلاؤ در ملازمت نشستہ بودند۔ شیخ ابوالفضل بمعارض مشارع شدہ دلائلے کہ در [illegible] جمع کردہ بود در نظر آورد۔

و قاضی یعقوب گفت پس من چہ گویم مبارک شد مباح است۔

پادشاہ فرمود کہ قاضی حسین عرب مالکی را درین مسئلہ قاضی ساختیم۔ و قاضی یعقوب از امور معزول باشد۔ و فی الحال قاضی حسین را وکیل ساختند۔

او موافق مذہب خویش بجواز متعہ ہم حکم کرد۔

و پیران را از صدور شیخ عبدالنبی تا مخدوم الملک

و قاضی و غیر ایشان این کار را بار عالمے عجیب روئے داد۔

ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دن شیخ الہی سے میں نے سنا ہے کہ کہتے ہیں مجتہدوں میں سے ایک نے نو عورتوں تک کی اجازت دی ہے۔

عرض کیا گیا کہ بیشک ابن ابی لیلی متعہ کی طرف گیا ہے اور بعضے اللہ تعالیٰ کی اس آیت: فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع کے ظاہر پر نظر ڈال کر اٹھارہ عورتوں تک روا رکھتے ہیں۔ لیکن یہ روایتیں غیر معتبر ہیں ان پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ اور شیخ عبدالنبی سے دریافت کرایا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

اور یہ بات بادشاہ کی طبیعت کو ناگوار ہوئی فرمایا تھا اس طرح شیخ نے ہمارے ساتھ نفاق برتا ہے کہ اس وقت تو دوسری بات کی اور اب دوسری کہتے ہیں۔ اور یہ بات ان کے دل میں جڑ پکڑ گئی۔

اور بہت رد و بدل کے بعد تمام روایات متعہ پر فتویٰ دے دیا کہ طریق متعہ جس قدر بھی عورتیں چاہیں جائز ہیں۔

اور یہ امام مالک کے مذہب میں جائز ہے۔ اور شیعہ اپنے اُس لڑکے کو جو متعہ سے پیدا ہوتا ہے اپنی اس اولاد سے جو نکاحی بی بی سے ہو زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

اہل سنت و جماعت کے مقابلہ میں اس حکومت سی باتیں چھوڑ دیں اور جمع سے اُن کو اپنی نکات کا باعث ٹھہرا دیا۔ حالانکہ اس حکم میں سے موطائے امام مالک کی حدیث سے جو متعہ کی حالت میں ہے نقیب خان نے سند پیش کی۔

ایک رات کو قاضی یعقوب اور شیخ ابوالفضل اور حاجی ابراہیم اور ایک دو دوسرے علما میں سے انوپ تلاؤ کے حجرے میں بادشاہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ ابوالفضل معارض ہو کر وہ دلیلیں جو اُس کے باپ نے جمع کی تھیں بادشاہ کے ملاحظہ میں لایا۔

اور قاضی یعقوب نے عاجز ہو کر کہا کہ اب میں کیا کہوں مبارک ہو جائز ہے۔

بادشاہ نے فرمایا کہ قاضی حسین عرب مالکی کو اس مسئلہ میں قاضی بناتے ہیں۔ اور قاضی یعقوب آج سے معزول ہوا اور فی الحال قاضی حسین وکیل بنایا گیا۔

اُس نے اپنے مذہب کے موافق متعہ کے جائز ہونے کا حکم کر دیا۔

اور ایسے عمل سے شیخ عبدالنبی صدر سے مخدوم الملک تک اور قاضی اور اُن کے مثل دوسروں کی وجوں کی عجیب حالت [illegible]

بوسیلۂ مشاطگان بہ " باقی خاں " برادر بزرگ " ادہم خاں " متعہ " کردہ " و آں سفاح آخر منجر بہ نکاح شد "

ولیکن دیگر شوہر دار را نیز کہ نام شوہرش " عبد الواسع " بود " در مجالس سور و سرور بہمراہ خود بردن گرفت " و ہماں حکایت گربہ عابدہ " کہ در اوّل " انوار سہیلی " است۔ راست آمد "

کے وسیلہ سے ادہم خاں کے بڑے بھائی باقی خاں " نے متعہ کیا " اور وہ زنا آخر نکاح پر ختم ہوا "

ولیکن دوسری شوہر دار کو بھی کہ جس کے شوہر کا نام عبد الواسع " تھا محفل سور و سرور میں اپنے ساتھ لے جا کر پکڑ لیا " اور وہ حکایت " عابدہ گذا بلّی کی جو انوار سہیلی کے شروع میں ہے " صحیح ہو گئی "

و ایں زن شوہر دار چوں بغایت جمیلہ۔ و در تمامی قبیلہ شکیلہ بے عدیلہ بود " روزے نظر شاہنشاہے بود افتاد " پیغام نسبت " بہ شیخ " فرستادند " و شوہر آں جمیلہ " را امیدواری ہا دادند " بنابر آنکہ " تورۂ پادشاہانِ مغول " این است کہ " بر زنے کہ بخواہش نظر اندازند بر شوہر لازم است کہ آنرا طلاق دہد "

عبد الواسع " ارض اللہ واسعۃ " خواندہ ؎

خدائے جہان را جہان تنگ نیست

سہ طلاق در گوشۂ دامن جلیلہ خود بست۔ و در شہر بیدر " از ملکِ دکن " رفتہ غایب گشت " و آں عفیفہ۔ داخل حرم شد "

یہ شوہر دار عورت کیونکہ بہت خوبصورت اور تمام قبیلہ میں حسن میں بے نظیر تھی۔ ایک روز بادشاہ کی اُس پر نگاہ پڑ گئی " شیخ کو اُس کی نسبت کا پیغام بھیجا اور اُس عورت کے شوہر کو امیدوار فضل و کرم کیا " اس بنا پر کہ تورۂ چنگیزی پادشاہِ مغل یہ ہے کہ " جس عورت پر خواہش سے نظر ڈال دیں اُس کے شوہر پر لازم ہے کہ اُس کو طلاق دیدے "

" عبد الواسع " خدا کی زمین وسیع ہے پڑھکر " ع

خدائے جہان را جہان تنگ نیست

کہکر اور تین طلاقیں اپنی عورت کے دامن کے کنارے میں باندھکر ملک دکن کے شہر بیدر میں جا کر غایب ہو گیا۔ اور وہ پاکدامن حرم شاہی میں داخل ہو گئی "

اسی جلد کے صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹ پر تحریر ہے کہ "

در سنہ ۹۷۶ ہجری چوں شاہنشاہے را چند فرزندے ہم متولد شدند۔ و در صغر سن از عالم گذشتند درین سال یکے از حرم ہائے محترم حمل گرفت استمداد از خدمت شیخ الاسلام چشتی " ساکن سیکری " نمودہ۔ آں حرم در حریم شیخ " نگاہ داشتند۔ و شیخ قبل ازاں ہم مژدۂ ولادت باسعادت شاہزادہ رسانیدہ " و عین الکمال " حضرت شیخ " ہمیں بود کہ پادشاہ را در اہل بیت خویش " محرم ساخت " و ہر چند " اولاد و احفادش " گفتند کہ " ازواج ما بیگانہ شدند " فرمودند " زنان در عالم کم نیستند " چوں شما را اعزّ ساختہ ام " زنانِ دیگر بخواہید چہ نقصان دارد "

سنہ ۹۷۶ ہجری میں جب شاہنشاہ کے چند فرزند پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں مر گئے " اور اسی سال حرم ہائے محترم میں سے ایک حاملہ ہوئی تو شیخ الاسلام چشتی " ساکن سیکری کی خدمت سے استمداد چاہکر اُس حرم کو " شیخ کے مکان میں بھیجدیا " اور شیخ نے اس سے پہلے خوشخبری شہزادے کی پیدا ہونے کی دی تھی " اور ان حضرت شیخ کا خاص کمال یہ تھا کہ بادشاہ سے اپنے گھر کی عورتوں کا پردہ چھڑا دیا تھا " ہر چند اُن کی اولاد اور اعزّا نے کہا کہ ہماری بیبیاں ہم سے بیگانہ ہو گئی ہیں " شیخ صاحب نے فرمایا کہ عورتیں دنیا میں کم نہیں ہیں کیونکہ تم کو میں نے اُمرا بنا دیا ہے " دوسری عورتیں کر لو اس میں کیا نقصان ہے "

اِن حالات کو پیش کرنے کے بعد اب ہم " شیخ عبد النبی صدر " سے " اکبر بادشاہ " کی کدورت کے چند وجوہ لکھتے ہیں۔ جن سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے اِن پیش کردہ واقعات سے بادشاہ کی صدر موصوف سے رنجش کا کیا تعلق ہے " منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۹ پر تحریر ہے کہ "

اوّل مسئلہ درین ایام رشعبان سنہ ۹۸۳ ہجری) پرسیدند این بود کہ چند زنِ اصیل را بہ نکاح آوردن درست باشد۔ گفتند کہ بیشتر از چہار حرّہ در عقد واحد جمع نتواں کرد۔

فرمودند کہ چوں در عنفوان جوانی مقید بایں مسئلہ نبودیم۔ آں مقدار کہ خواستیم۔ زنانِ آزاد و بندہ جمع کردیم۔ حالا علاج آں چہ تواں کرد۔

پہلا مسئلہ ان دنوں (شعبان سنہ ۹۸۳ ہجری) میں جو پوچھا وہ یہ تھا کہ چند عورتوں اصیل کو نکاح میں لانا درست ہے " کہا کہ چار آزاد عورتوں سے زیادہ ایک وقت میں نکاح میں جمع نہیں رکھ سکتے "

فرمایا کہ کیونکہ عنفوانِ جوانی میں اس مسئلہ کا پابند نہیں رہا ہوں۔ جس قدر چاہیں آزاد و غیر آزاد عورتیں میں نے جمع کر لیں۔ اب علاج اِس کا کیا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" کے صفحہ [illegible] پر آپ کے علم و فضل اور آپ سے بادشاہ کے اعتقاد کا حال ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ۔

یکے از ابنائے او (یعنی شیخ عبدالقدوس) شیخ عبدالنبی بود کہ تحصیل بعضے علوم رسمیہ نمودہ بود۔ در جوانی متوجہ زیارت حرمین شریفین شدہ و پیش از بعضے علمائے مکہ معظمہ رسیدہ احادیث نبوی صلعم بخواند بعد ازاں بوطن اصلی عود کردہ و بہ تبرید و تعشق منسوب با پدر در امر حرمت مسئلہ توحید و سماع دانستہ بادشاہ وقت را بوے اعتقادے عظیم پیدا شدہ۔

اُس کے (یعنی شیخ عبدالقدوس کے) بیٹوں میں سے ایک شیخ عبدالنبی تھا جس نے تحصیل بعضے علوم رسمیہ کی کی تھی۔ جوانی میں وہ حرمین شریفین کی زیارت کو گیا۔ اور بعض علمائے مکہ معظمہ سے اُس نے احادیث نبوی صلعم پڑھیں۔ اس کے بعد وطن کو لوٹ آیا۔ اور تبرید و تعشق سے منسوب ہو کر اپنے باپ چچاؤں سے مسئلہ توحید و سماع میں اس نے مباحثہ کیا۔ بادشاہ وقت کو اُس سے اعتقاد عظیم پیدا ہوا۔

آثار الامراء جلد دوم کے صفحہ [illegible] پر تحریر ہے کہ وہ قرب و منزلت بادشاہی بمرتبہ رسید کہ برائے سماع حدیث شریف حضرت عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) بخانہ اش میرفت و چوں دراں وقت کہ اکبر بادشاہ بہ ترغیب شیخ (عبدالنبی) صدر در اجرائے احکام شرعی و امر معروف و نہی عن المنکر۔ فراواں جد و جہدے فرمود۔ خود اذان میگفت و امامت میکرد حتی کہ بقصد ثواب مسجد جاروب میزد۔

بادشاہ کے نزدیک اُس کا تقرب ایسا ہوا اور اُس کی منزلت اس حد کو پہنچی کہ اکبر بادشاہ حدیث شریف سننے کو اُس کے گھر جاتا تھا۔ اور ان دنوں اکبر بادشاہ شیخ عبدالنبی کی ترغیب سے اجرائے احکام شرعی اور امر معروف و نہی عن المنکر میں بہت کوشش کرتا تھا۔ اور خود اذان کہتا اور امامت کرتا یہاں تک کہ ثواب کی غرض سے مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔

شیخ عبدالنبی صدر کے علم و فضل جاہ و جلال اور اُن سے بادشاہ کو جس قدر اعتقاد تھا اُس کا حال معلوم ہو چکا۔ اب ہم اُن کے زوال کے اسباب اور بادشاہ کی اُن کیفیتوں کو بھی جو اُن کے بعد رونما ہوئیں۔ پھر جس طرح اُن کی موت واقع ہوئی اُسے موقع پر دکھاتے ہیں۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم اُن تحریکات کی بھی تھوڑی سی جھلک دکھا دینا مناسب سمجھتے ہیں جن کی بیرام خان اور شیخ گدائی کی تربیت اور نگرانی سے۔ اکبر کو اپنے قابو میں لاکر اُن حاسدوں اور سازشیوں نے جنہوں نے دربار میں بیرام خان و شیخ گدائی کے مقابلے میں سادات ہی کا گروہ کو صدارت میں ڈال دینے کا طمع بڑی شد و مد سے دیا ہے۔ اس نوجوان بادشاہ کو چاٹ لگادی تھی آگے چل کر ان ہی تحریکات کے اثرات مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوئے۔ اور شیخ عبدالنبی و دوسرے علماء و صلحاء اور بڑے بڑے شریف و نجیب سادات کو [illegible] میں ڈال دینے کے علاوہ مذہب اسلام سے بغاوت کرنے اور اس کے بجائے دین الٰہی اکبر شاہی کی تخلیق کرنے کا سبب بنے۔

۹۶۸ھ ہجری میں بیرام خان شہید ہوئے۔ اور شیخ گدائی نے جیسلمیر کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور اکبر بادشاہ اُن کے حاسدوں کے قابو میں اچھی طرح آچکا تھا۔ جنہوں نے یہ فرمان جاری کرایا تھا جس پر ملا عبدالقادر بدایونی نے بے ساختہ ماتم کی ہے۔ ۹۶۹ھ ہجری کے واقعات میں منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۶۱-۶۲ پر تحریر ہے کہ

در ۹۶۹ھ ہجری شاہنشاہ بحوالی متھرا اکناف دہلی بعزت واقع شدہ و آنجا داعیہ سمت [illegible] ایمان دہلی پیدا آمدہ قوابل و خواجہ سرایان۔ از [illegible] الکرام و تحقیق احوال ایشاں در محلات نامزد گشتند و شور عظیم در شہر افتادہ باعث و محرک ایں سلسلہ اسوائے شیخ بدھ و [illegible] حاکم آگرہ بودہ [illegible] لیکن [illegible] شیخ بدھ [illegible] طمع [illegible] ہوا و ہوس و حصول [illegible] چشتی [illegible] قرب [illegible]

۹۶۹ھ ہجری میں شہنشاہ کی نواح متھرا سے دہلی کی طرف واپسی ہوئی۔ اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دہلی کے ایمان سے [illegible] کی خاطر قوال اور خواجہ سرا کنواری لڑکیوں کے انتخاب کے واسطے اور اُن کے حال کی تحقیق کے لئے محلات میں نامزد ہوئے۔ اس سے شہر میں دہشت پھیل گئی۔ اس تحریک کا باعث شیخ بدھ اور [illegible] آگرہ کے [illegible] ہوا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ ایک [illegible] شیخ بدھ کی [illegible] طمع [illegible] ہوا و ہوس اور حصول عیش و نشاط [illegible] سے حاصل ہو گئی [illegible] اُس کی وجہ سے [illegible]۔

"شیخ گدائی کا "ہندی الاصل" ہونے کے باوجود "سادات اور دیگر عربی النسل افراد" کے مقابلے میں "منصب صدارت پر جو "عربی النسل" اشخاص کے لئے مخصوص مقام" فائز ہونا" اُس زمانے کے اعتبار سے قابلِ مواخذہ سمجھا گیا"

اُن کے اس بیان کی تکذیب کے لئے ہمیں اِدھر اُدھر تلاش کرنے اور دُور جانے کی ضرورت نہیں پڑی "وہ ہی تاریخیں جن سے اِن مؤلف صاحب نے اکثر مقامات پر حوالے پیش کئے ہیں اُن کے اس صریح جھوٹے بیان پر خندۂ دنداں نما کر رہی ہیں" اگر مؤلف موصوف کا بیان سچ ہوتا تو

(۱) شیخ گدائی کے ہٹ جانے کے بعد اُن کی جگہ صدارت کے عہدے پر بالضرور کسی "سید بنی فاطمہ" کا تقرر کیا جاتا" یا کوئی اور عربی النسل شخص اس عہدے پر فائز کیا جاتا" مگر تاریخیں بتا رہی ہیں کہ "شیخ گدائی رح" کے بعد "سادات بنی فاطمہ" یا کسی دوسرے عربی النسل شخص کے بجائے" صدارت کا منصب جلیلہ اُس شخص کو عطا کیا گیا - جو قوم سے جاٹ تھا اور جس کے جدّ اعلیٰ غلام رہ چکے تھے" مزید برآں اسی اکبر کے زمانے میں جو گت "سیادت مآب حضرات و عربی النسل افراد" کی بنائی گئی - یہ حالات بھی اُن ہی تاریخوں میں جو مؤلف امروہوی کے زیرِ مطالعہ رہ چکی ہیں" شرح و بسط سے مذکور ہیں"

شیخ عبد النبی

(۲) "شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار کے صفحہ ۲۱۶ پر "شیخ عبد النبی صدور الصدور" کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ "در سنہ احدے وسبعین وسماتہ بر مسند صدارت نشست" یعنی سنہ ۹۷۱ ہجری میں "شیخ عبد النبی" کو صدارت کا منصب جلیلہ حاصل ہوا" آپ کا جو مرتبہ بادشاہ کے دل میں تھا اُس کو "ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب "منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۸۰ پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ"

"و بادشاہ را چند گاہ نسبت بہ او آں چناں اعتقاد پیدا شدہ بود کہ کفش پائے او مے نہادند"

اور بادشاہ کو کچھ عرصہ اُن سے ایسا اعتقاد ہو گیا تھا کہ وہ اُن کے جوتے اُٹھا لیتے تھے"

مآثر الامراء جلد دوم کے صفحہ ۵۶۱ پر "بادشاہ اکبر" پر آپ کے لاٹھی چلانے کا حال ان الفاظ میں تحریر ہے کہ"

"روزے بہ تقریب سال گرہ" بر جلوس بادشاہی "رنگ زعفران" پوشیدہ بودند "شیخ (عبد النبی) بہ غضب آمدہ سر دیوان چناں عصا برنافت کہ بدامن عرش آشیانی رسیدہ پارہ شد"

ایک دن سالگرہ کی تقریب میں شاہی محفل میں بادشاہ نے زعفرانی رنگ کے کپڑے پہنے تھے" "شیخ عبد النبی نے غصہ میں آکر دربار میں ایسی لاٹھی ماری کہ شہنشاہ اکبر کے دامن میں لگی جس سے وہ پھٹ گیا"

آپ کے تسلط و تصرف استقلال کا حال صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۲۰۵ و ۲۰۶ پر اس طرح تحریر کیا ہے کہ -

"ہرگز در آں زمان "ہیچ پادشاہے ایں قدر تسلط و تصرف استقلال ہیچ صدرے" را دست نداده بود"

اُس زمانے میں ہرگز کسی بادشاہ نے اس قدر تسلّط و تصرف اور استقلال "کسی صدر کو اپنے اوپر نہیں دیا تھا"

ترجمہ آئینِ اکبری جلد دوم کے صفحہ ۲۴ پر آپ کے دادا کا حال تحریر ہے کہ "شیخ عبد النبی کے دادا "شیخ عبد القدوس" "امام ابو حنیفہ" کی اولاد میں ہیں" آپ کو "شیخ عارف بن احمد عبد الحق" سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ آپ نے علوم ظاہر و باطن کی تحصیل حاصل کی" اور خدا شناسی میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ بے شمار حقائق آپ سے منقول ہیں" جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ" آپ کے خلوت کدہ میں تشریف لے جاتے اور مجلس واعظ و مناظرہ گرم ہوتی تھی۔ سنہ ۹۴۵ ہجری میں آپ نے رحلت فرمائی" دہلی" کے قریب میں گنگوہ" میں آپ کا مزار ہے"

ملا عبد القادر بدایونی نے بھی "منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۸۰ پر "شیخ عبد النبی" کے "امام اعظم ابو حنیفہ رح کی اولاد سے ہونے کا ذکر ان الفاظ میں لکھا ہے کہ"

"شیخ عبد النبی" آنکہ او خود را از اولاد امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ میگرداند"

شیخ عبد النبی جو اپنے آپ کو امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے ہونا بیان کرتے ہیں

مؤرخین نے فارسی نفوذ کی ترقی اور عربی نفوذ کے ضعف کو منصور کے عہد کی اہم خصوصیات میں شمار کیا ہے۔
مسعودی لکھتے ہیں کہ خلیفہ ابو جعفر منصور کہتا ہے کہ اے اہلِ خراسان تم ہمارے ساتھی، رشیعہ، ہمارے حامی اور انصار ہو۔
(مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۹)

منصور کے عہد میں لوگوں کو عربوں کی ہجو کرنے کی آزادی حاصل تھی اس پر قطر نے اشعار لکھے ہیں۔ (محاضرات الادباء ۲ ۲۳۳)
علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ منصور پہلا شخص ہے جس نے موالیوں کو بہت سے کاموں پر مامور کیا اور انہیں عربوں پر ترجیح دی
بعد میں تو یہ چیز اتنی عام ہوگئی کہ عربوں کی ریاست و سیادت سب سے ختم ہوگئی۔ - (تاریخ الخلفاء ص ۱۸۴)

مسعودی نے منصور کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے اپنے موالی اور غلاموں کو عامل بنایا اور بڑی بڑی مہمات
ان کو تفویض کیں۔ اس چیز کو بعد کے خلفاء نے جو اس کی اولاد تھے بطور ایک سنت کے اختیار کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب تباہ ہو گئے
ان کی شان و شوکت اور عزت و مرتبہ سب ختم ہو گیا۔ (مسعودی جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)

خلیفہ جعفر متوکل علی اللہ بن معتصم بن ہارون رشید بن المہدی بن ابو جعفر منصور عباسی نے ۲۳۶ ہجری میں حضرت
حسین بن حضرت علی کی قبر اور اس کے قرب و جوار کے مکانات منہدم کرنے کا حکم دیا کہ اُن کی قبر پر ہل چلایا جائے۔ بیج بو کر آبپاشی کی جائے۔
اور لوگوں کو وہاں آنے سے روکا جائے۔ مذکور ہے کہ افسر پولیس کے عامل نے اس علاقہ میں منادی عام دیدی کہ تین دن کے بعد ہم جسے اُن کی قبر کے
پاس پائیں گے اُسے قید خانے میں بھیج دیں گے۔ لوگ بھاگ گئے۔ اور اس طرف جانے سے باز آگئے۔ اس مقام پر ہل چلا دیا گیا اور وہاں زراعت
ہونے لگی۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ سوم و چہارم ص ۳۵)

رسالہ معارف اعظم گڈھ نمبر ۳ جلد ۴۲ میں علامہ حافظ جلال الدین سیوطی کے حالات مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی
رفیق دار المصنفین نے صفحہ ۱۱۱ تا ۱۸۵ پر لکھے ہیں صفحہ ۱۶۲ پر لکھا ہے کہ اصل یہ ہے کہ سیوطی نسلاً عجمی ہیں جیسا کہ انہوں نے حسن المحاضرۃ
میں لکھا ہے اور صفحہ ۱۶۱ پر ہے کہ اسیوط مصر کا ایک مشہور شہر تھا جو نیل کے مغربی جانب واقع تھا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مصنف لکھتا
ہے کہ سیوطی کا خاندان جو پہلے بغداد میں تھا اوپر کی نویں پشت سے سیوطیہ میں آکر بس گیا تھا۔ علامہ صفحہ ۱۶۳ پر علامہ سمعانی انساب میں لکھتے ہیں
کہ بعض لوگ اسیوط کے شروع سے الف گرا دیتے ہیں۔ حافظ سیوطی یکم رجب ۸۴۹ ہجری مطابق ۳ اکتوبر ۱۴۴۵ء روز یک شنبہ بعد مغرب قاہرہ
میں پیدا ہوئے اور صفحہ ۱۶۴ پر ہے کہ حافظ سیوطی کے والد مستکفی باللہ کے امام بھی تھے اس لئے سیوطی کی پرورش مستکفی باللہ کے
گھر میں ہوئی جیسا کہ خود سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں [illegible] صفحہ ۱۶۵ پر لکھا ہے کہ ۹۰۲ ہجری مطابق ۱۴۹۶ء میں خلیفہ متوکل نے
ایک عظیم الشان عہدہ پیش کیا یعنی ان کو تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا۔ سب کا عزل و نصب ان کے اختیار میں تھا حالانکہ
میر سیمک کی ملازمت کے بارے ہی میں یہ عہدہ ملا تھا۔

ہمارے پیش کردہ اس بیان سے بھی مؤلف امروہوی کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا ہے کہ سلطنت ہائے اسلامیہ میں سادات
اور عربی النسل حضرات کو شیخ الاسلام بنانے کا دستور تھا۔ وہ دیکھیں کہ سیوطی عجمی ہیں مگر مصر کے عباسی خلیفہ کی طرف سے تمام ممالک
اسلام کے شیخ الاسلام یا قاضی القضاۃ بنائے گئے ہیں۔

شیخ گدائی کے بعد شہنشاہ اکبر کے زمانے میں جو صدر الصدور ہوئے اُن کی قومیت اور حالت

مذہب اسلام میں کسی منصب کے لئے عربی و عجمی اور غلام و آقا کی کوئی قید نہیں ہے کامل وضاحت سے ہم نے اس گفت
کی بھی تھوڑی سی جھلک دکھا دی ہے جو عباسی سلطنت میں عربی النسل قوم کی بشمول سادات وہ بھی احترام کے منافی تھی۔ اسے ہم مؤلف
امروہوی کے اس بیان کو جانچنے پر کہ

اور تمدنی انقلاب پیدا کر رہے تھے "اگر یہ عربی النسل" افراد قتل نہ ہو جاتے تو آج ایران کا بھی مثل "مصر و طرابلس و ٹیونس و مراکش وغیرہ کے عربی ممالک میں شمار ہوتا"۔ ان ایران کے متوطن عربوں کے قتل عام میں جو تھوڑے سے بچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکے۔ انہوں نے بھیس بدل بدل کر اور قوم دوسری بتا بتا کر سرحدوں کی طرف رخ کیا۔ خراسان کے صوبوں اور ولایتوں میں شدید قتل عام کی وجہ سے یہ لوگ "سندھ" کوہ سلیمان "اور" کشمیر" میں جا کر پناہ گزین ہوئے" ان کی نسلیں آج تک ہندوستان میں موجود ہیں اور اپنے بدلے ہوئے ناموں اور پیشوں کی وجہ سے "اپنے عربی نژاد ہونے کو بھول گئے ہیں"۔

اس کے بعد "داؤد بن علی بن عبداللہ بن حضرت عباس رضؓ" نے "حجاز و یمن" میں چن چن کر سادات بنو امیہ کو قتل کرا دیا" اور "عبداللہ بن محمد بن علی عباسی" نے تمام ممالک محروسہ میں اعلان کرا دیا کہ جہاں کوئی "اموی" ملے قتل کر ڈالا جائے"۔ غرضکہ اس قریشی خاندان کا تخم سوختہ کر دیا گیا۔ اور ان پر ایسا ظلم روا رکھا جو چنگیز خاں کے بھی حاشیۂ خیال میں نہیں آیا" ان کے قریب المرگ لوگوں اور مردہ لاشوں پر دسترخوان بچھوا کر کھانے کھائے۔ بلکہ ان کے مردوں کی قبروں کو کھدوا کر اور مُردوں کو مڑکوں پر ڈلوا کر کتوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دیا" حضرت امیر معاویہ رضؓ "صحابی رسول اللہ صلعم" کی قبر بھی کھودی تھی" لیکن اس میں سے انہیں ہڈی کا کوئی چھوٹا ریزہ بھی دستیاب نہیں ہو سکا" اور وہ ان کی بے حرمتی کرنے سے محروم رہ گئے" (تاریخ اسلام جلد دوم تالیف مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی نے بھی اپنے بھائیوں کی طرح "عربوں کو ضعیف اور عجمیوں کو قوی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی"۔ "ان پر غلاموں تک کو مسلط کر دینے میں مطلق باک نہیں کیا"۔

طبری نے "سادات زبیری" کے متعلق "منصور عباسی" کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ابو جعفر" کہا کرتے تھے کہ اگر آل زبیرؓ کے ہزار آدمی مجھے ایسے ملیں جو سب کے سب نیک و متقی ہوں۔ اور ان میں صرف ایک بدہو تو میں سب کو قتل کر دوں"۔

(ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول صـ۲۲۲ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن" و طبری نسخہ عربی مطبوعہ یورپ صـ۲۶)

علاوہ بر آں اس نے "سادات بنی فاطمہ" کے تخم سوختہ کر دینے کی کوشش میں جو مظالم ان پر کئے ہیں" وہ اپنی آپ نظیر ہیں"۔

طبری میں ہے کہ "ابو جعفر منصور" کے حکم سے "ابو الازہر" نے "بنی حسن" کو "ہاشمیہ" میں قید کر دیا۔ جب یہ سب ابو جعفر کے سامنے پیش کئے گئے تو ان کی نظر "محمد بن ابراہیم بن حسن" پر پڑی" دیکھ کر کہنے لگے۔ تو ہی دیباج اصغر ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں" ابو جعفر نے کہا۔ بخدا میں تجھے اس طرح قتل کروں گا کہ اس طرح میں نے کسی اور کو نہ تیرے خاندان والے کو قتل نہ کیا ہوگا" پھر ابو جعفر نے ایک ستون کے ستونوں کو بیچ میں سے شق کرنے کا حکم دیا اور ان میں بعد محمد بن ابراہیم کو اس میں زندہ چنوا دیا"۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول صـ۱۶۷)

طبری کے صـ۱ پر ہے کہ "عیسیٰ بن عبداللہ" کہتا ہے کہ ان کے ماں کو زہر دے کر ختم کر دیا گیا"۔

علامہ شبلی نے "بنی فاطمہ" یعنی سادات پر "منصور" کے ظلم و ستم کی جو جھلک اپنے چند اشعار میں دکھلائی ہے وہ اس طرح ہے کہ:

تو توں حضرت عباسؓ جو تھے شامل کفر — کم سے کم یہ کہ رسالت پہ نہ تھا ان کو یقین
بدر میں آ کے لڑے اور گرفتار ہوئے — بس کہ تقدیر میں تھی خانۂ زنداں کی زمین
تھا انہیں حضرت عباسؓ کا پوتا منصور — پا بہ زنجیر تھے "سادات" یسار اور یمین
پھر دیا حکم کہ ان سب کو نہا کر زنجیر — کھدوا ان سے کہ بنیں خانۂ زنداں کے مکین
ساتھ ہاتھ آتے تھے یہ دل جب گرد وہاں رسولؐ — اور منصور تھا زیب حرم خانۂ زین
ایسے ہی سادات سے بڑھ کر یہ کہا — گرچہ اس لطف کے مشکور ہیں ہم خاک نشین

غزوۂ بدر میں لیکن جو کیا ہم نے سلوک
وہ تو کچھ ایسا ہے یاد بھی تم کو کہ نہیں

مارے مگر تب بھی آپ نے قبول نہیں کیا اور کوڑے کھا کر بیمار ہو کر چھوڑ دیا۔ (ترجمہ اردو الکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۹۹)

تاریخ طبری میں ہے کہ سلیمان بن مجاہد سے روایت ہے کہ منصور نے (ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی) نے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو قاضی بنانا چاہا انہوں نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ منصور نے قسم کھائی کہ میں ضرور ان کو سرکاری عہدہ دوں گا۔ اس کے مقابلہ میں ابو حنیفہ نے بھی قسم کھائی کہ میں کبھی قبول نہ کروں گا۔ چنانچہ جب قضا کے عہدے سے انہوں نے انکار کر دیا تو اب منصور نے اپنی قسم پورا کرنے کے لئے ابو حنیفہ کو شہر بغداد کی خشت سازی، اُن کے شمار اور مزدوروں سے کام لینے کی نگرانی پر متعین کر دیا۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ ۲۶)

پھر منصور نے حضرت امام صاحب کو قید خانے میں بھیج دیا تھا۔ امام کا انتقال اسی قید خانہ میں ۱۵۰ ہجری میں ہوا۔ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ منصور نے آپ کو زہر دلوا دیا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح جنہیں مروان بن محمد اموی کے زمانے میں کوفہ کا قاضی بنانے کی ابتدائی کوشش کی گئی تھی۔ اور منصور عباسی نے جنہیں قاضی القضاۃ یعنی صدارت کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا اور قید خانہ میں بند کر دیا تھا عربی النسل ہرگز نہیں تھے بلکہ قوم کے جاٹ اور غلام خاندان سے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح کے غلام خاندان اور قوم جاٹ سے ہونے کے شواہد

امام بخاری نے تحریر فرمایا ہے کہ نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی۔ مولیٰ لبنی تیم اللہ بن ثعلبہ روی عنہ عباد بن العوام وابن المبارک وھشیم ووکیع ومسلم بن خالد وابو معاویہ والمقری کان مرجئا سکتوا عنہ وعن رأیہ وعن حدیثہ قال ابو نعیم مات ابو حنیفہ سنۃ خمسین ومائۃ۔

نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام تھے۔ عباد بن العوام اور ابن المبارک اور ہشیم اور وکیع اور مسلم بن خالد اور ابو معاویہ اور المقری نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی وفات ۱۵۰ ہجری میں ہوئی۔

التاریخ الکبیر القسم الثانی من الجزء الرابع تالیف محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم الجعفی البخاری المتوفی ۲۵۶ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۲ھ

ترجمہ الکمال فی اسماء الرجال کے صفحہ ۱۹۹ پر ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح کے دادا کابل کے رہنے والے اور بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام تھے جب انہوں نے انہیں آزاد کر دیا تو ثابت حضرت امام ابو حنیفہ کے والد حالت اسلام میں پیدا ہوئے بعض کہتے ہیں کہ یہ آزاد ہی تھے۔ کبھی ان کے خاندان میں کوئی غلام نہیں ہوا آپ کرتہ زات میں سے ہیں۔

علامہ شبلی نے تحریر فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ قوم زط یعنی جاٹ سے تھے۔ (سیرت امام اعظم مؤلفہ علامہ شبلی)

عباسیوں کے عربی قریشی نسل کو نیست و نابود کر دینے کے احکام اور ان کے خلفاء کی عربوں پر عجمیوں کو ترجیح

عربی النسل یا عربی قوم کی نابود اس عباسی خاندان نے کی اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل واقعات کافی ہیں۔

ابو جعفر منصور کے بڑے بھائی ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن حضرت عباس رض نے ابو مسلم خراسانی کو اپنے خط میں ہدایتیں کی تھیں۔ اور خاص طور سے لکھا تھا کہ خراسان میں کسی عربی النسل یا عربی اللسان کو زندہ مت چھوڑنا خراسان کے اصلی باشندے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ ہمارے بہت کام آئیں گے ان کو تم نہایت اعتماد رکھنا چاہیے۔ (تاریخ اسلام حصہ دوم مؤلفہ مولوی اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۳ پر ہے کہ ابراہیم نے اپنے خط میں یہ لکھا تھا کہ مسلم۔ کا تمہیں خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔ ان دشمن ہیں کہ تمہارے گھر سے مغرب ہیں۔ ان کی ہری بھری کھیتیاں تباہ کر دو ان میں سے کسی کو زندہ مت چھوڑو۔

جاننا چاہیے کہ مضر بن نزار جد معد بن عدنان کی نسل مضری کہلاتی ہے آپ ہی کی نسل میں تمام قریشی ہاشمی اور سادات ہیں۔ ابو مسلم نے ابراہیم عباسی کے حکم کی تعمیل میں چھ لاکھ عربوں کو قتل کرا دیا جو اس وقت ایران میں لسانی معاشرتی

منصب صدارت کے عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص نہ ہونے کی مؤلف امروہوی کی دستاویز کا انکشاف

اب ہم مؤلف امروہوی کے فقرہ ۲ پر نظر ڈالتے ہیں جس میں انہوں نے کسی سند کے پیش کئے بغیر محض اپنے جریدہ بیان سے اپنے ناظرین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ۔

(۲ منصب صدارت عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص تھا)

مگر یہ بیان بھی اُن کا قطعاً غلط اور بلا تحقیق سے بالکل ثابت ہے۔ بلکہ مذہب اسلام پر بھی ایک بڑا اتہام ہے۔ اس دین میں امامت نماز کی جو فضیلت اور درجہ ہے۔ وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حضور اکرم صلعم خود امامت فرمایا کرتے تھے۔ اپنے اپنے زمانوں میں خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا ہے۔ شیوع اسلام کے بعد جوں جوں مقبوضات اسلامیہ وسیع ہوتے گئے تو ان دوسرے مقامات پر جو موزوں اشخاص عامل یا حاکم مقرر کئے گئے اُن کے فرائض میں نمازوں کی امامت کرنا بھی داخل تھا۔ لیکن ایسے اہمیت رکھنے والے کام یعنی امامت کے لئے عربی اور عجمی غلام اور آقا کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ایسی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ کہ اکابر صحابہ نے غلاموں تک کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ سالم، ابو حذیفہ رض کے غلام مسجد قبا میں مہاجرین اور حضور صلعم کے اصحاب کی امامت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رض، زید رض اور عامر بن ربیعہ رض بھی ہوتے تھے۔

ترجمہ صحیح بخاری جلد ثالث کتاب الاحکام ص ۲۲۲)
مترجمہ سید عبدالدائم جلالی مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی }

اس مشہور شعر سے کون واقف نہیں ہے کہ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم ۔۔۔ ز خاکِ مکہ ابو جہل این چہ بوالعجبی ست

اس بات سے بھی سب واقف ہیں کہ حضرت عمر رض نے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ میرے جنازہ کی نماز صہیب رومی رض پڑھائیں۔ جب جنازہ نماز کے لئے تیار ہوگیا اور حضرت عثمان غنی رض اور حضرت علی رض دونوں بیک وقت نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو انہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض نے روک دیا تھا چنانچہ حضرت فاروق رض کے جنازے کی نماز وصیت کے مطابق حضرت صہیب رومی رض نے پڑھائی۔ پھر جب تک خلافت کے لئے حضرت عثمان غنی رض کا انتخاب نہیں ہوگیا حضرت صہیب رض ہی اصحاب رسول اللہ صلعم کو نمازیں پڑھاتے رہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس بات سے مؤلف موصوف اچھی طرح واقف ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رض کو تو حضور اکرم صلعم نے اپنی اہل بیت میں داخل فرمالیا تھا۔

اُموی گورنر اور خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کا منصب قضا قبول نہ کرنے پر امام ابو حنیفہ رح پر ظلم و ستم

صحابہ کرام رض کی خلافتوں کے بعد جب مسلمانوں میں بادشاہت ہوگئی اور مذہبی عہدہ الگ قائم ہوا تب بھی ان اموی اور عباسی بادشاہوں کو اس مذہبی عہدہ کے عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص کردینے کا خیال تک نہیں آیا۔ بلکہ انہوں نے تو عجمیوں یعنی غیر عرب اور غلاموں کو اس عہدے پر مقرر کرنے کی انتہائی کوششیں کیں اور جبر سے بھی کام لیا۔

اکمال فی اسماء الرجال میں حضرت امام ابو حنیفہ رض کے متعلق تحریر ہے کہ ابن ہبیرہ (یزید بن ہبیرہ) مروان بن محمد اموی کے گورنر نے آپ کو کوفہ کی قضا پر مجبور کیا تھا۔ مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ اس نے دس روز کے عرصہ میں سو درے آپ کے

زمانہ میں بوجہ اپنے متعصبانہ رنگ اور غلط بیانیوں کے بے لبریز ہونے کے پایۂ وقعت سے ساقط ہو گئی ہیں۔

یہ ہی حال "ایلیٹ" کی تاریخ کا ہے۔ ایلیٹ "مکاؤنٹ ۱۸۵۰ء سے کچھ ہی پہلے" وائسرائے ہند کا اوّل سیکریٹری تھا۔ اس کو اس کی نوبت کہاں آئی تھی کہ وہ اس قدر دوسری اٹھاتا کر واقعات کی تہ تک پہنچ جاتا۔

اگر "ایلیٹ" کو "پنجاب" کے "کموؤں" اور اس کسوی یا کسوہ" خاندان کے نام میں التباس پیدا ہو گیا۔ اس نے "کموؤں" اور "کسوہ" کو ایک سمجھ کر دھوکا کھایا۔ اور اپنی ناواقفی اور تحقیق و تلاش کی کوتاہی کی وجہ سے ایک سمجھ لیا تو مؤلف صاحب کا فرض تھا کہ وہ اس التباس کو رفع کر کے صحیح بات کو پیش کرتے۔ صد حیف ہے اُن پر کہ "شیخ گدائی" کے خاندان سے واقف ہوتے اور اُن تاریخوں کو دیکھ کر بھی جن میں "شیخ گدائی" کے خاندان کے علوئے حسب و نسب کا ذکر ہے" انہوں نے حقیقت کے اظہار سے گریز کیا۔ اور ایسی تاریخوں کے نوشتوں کو معرضِ خفا میں رکھ کر اپنے ناظرین کو دھوکا دیا ہے۔ اسی بحث کے سلسلہ میں آگے ہم بتائیں گے کہ مؤرخوں نے "شیخ گدائی" اور اُن کے خاندان کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اور اُن کے حسب و نسب کو کس طرح سراہا ہے۔ "بیر کیسے جلیل القدر سید" اُن کے علوئے مرتبت، شان اور عالی نسبی کی وجہ سے اُن کی پالکیوں تک کو سربلند اپنے کندھوں پر اٹھانا اپنے لئے باعثِ برکت اور قابلِ فخر سمجھتے تھے۔

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ "مشہور مصنف" نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "وہ ہی کتابیں قابلِ اعتبار ہیں جو اپنے زمانوں میں اہلِ ملک نے حالات کو سامنے رکھ کر تحریر کی ہیں اور وہ سب فارسی میں ہیں"۔ ان کتابوں میں سے کسی ایک سے بھی کوئی حوالہ دیکر "شیخ گدائی" کے متعلق اس حالیہ زمانے کے ایک انگریز کی کتاب سے جو حوالہ مؤلف امروہوی نے پیش کیا ہے" اس کے ساقط الاعتبار ہونے کا حال کچھ تو اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔ آگے چل کر جہاں اپنی تحقیقات کی سند میں مؤلف صاحب نے ایلیٹ کی کچھ اور قیاس آرائیوں کو پیش کیا ہے۔ "شیخ گدائی" کے بارے میں اپنی اس بحث کو پورا کر کے ہم اُن کو پھر جانچیں گے۔ اور سر ایلیٹ کی کتاب و آراء کی حقیقت کو وضاحت سے دکھائیں گے۔ نیز دوسرے "مشہور" سیاحوں اور مؤرخوں کے نوشتوں کو بھی پیش کر کے اُن کی تاریخدانی اور واقعات کی لیاقت اور عجیب و غریب ناواقفی سے ناظرین کو محظوظ ہونے کا موقع دیں گے۔

"نقوش" میں "شیخ گدائی" کے نام کے ساتھ ہندی الاصل لکھ کر عربی النسل سے انہیں الگ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس لئے اسماء الرجال کا مطلب مردودی سمجھتے ہیں کہ ہندی الاصل یا مؤلف امروہوی کے پیش کردہ "ہندی النسل" کے معنی یہ ہیں کہ "جس شخص کی بھی پیدائش" ہندوستان" میں ہوئی ہے" وہ "ہندی النسل" ہے۔ اس میں ہندوستان کے "سید" "قریشی" "افغانی" "مغل" اور "شیخ" خاندانوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

مشہور شاعر و اہلِ قلم جناب "ہوش بلگرامی" "معتمد (سیکرٹری)، وزیر افواج سلطنت آصفیہ دکن نے رسالہ "نگار" لکھنؤ ماہ دسمبر ۱۹۲۷ء کے صفحہ ۳۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ "واسطی النسل مسلمان" ہندوستان میں دو مقامات پر پھیلے" ایک نے "مارہرہ" ضلع "ایٹہ" کو بسایا۔ اور دوسرے نے "بلگرام" ضلع ہردوئی" کو۔ دونوں ایک ہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں" اور "سید ابو الفرح واسطی" کی اولاد" ایک بادشاہ گر" (مارہرہ) کہلائے" اور قلمدانِ وزارت سے قسمتوں کا فیصلہ کیا" دوسرا مسند علم پر بیٹھا اور بابِ علم کا ادنےٰ دربان اور "واسطہ" کو الوداع کہہ کر "بلگرام" کو اپنا نشیمن بنایا"۔

شہر "واسطہ" کو "حجاج بن یوسف" نے آباد کیا تھا" یہ "فارس یا ایران" کا ایک شہر ہے" عرب" کا شہر نہیں ہے" مگر کیونکہ اس خاندان کے جدِّ اعلیٰ "جو" سید قریشی عربی تھے" "واسطہ" میں پیدا ہوئے تھے اور وہاں رہے تھے" اس لئے اُن کو اپنی اولاد میں سے ایک لائق و قابل ترین شخص نے "واسطی النسل" لکھا ہے" تو اس کے معنی کسی طرح بھی پیدا نہیں کئے جا سکتے" کہ "سید ابو الفرح واسطی" کہ وہ "ایرانی عجمی" کے سوا "عربی قریشی" نہیں تھے۔

خداوندا اگر این "قثم بن عباسؓ" کہ جد من است در حضرت تو آبروئے دارد" جان این بندہ را بحضرت خود بری۔ واز دست این ناکسان مرا خلاص بخشی" دعا اجابت کشادہ شد۔ وہمدراں سجدہ" جان پاک را بحضرت باری تعالےٰ فرستاد"

اے اللہ اگر یہ قثم بن عباسؓ جو میرا دادا ہے" تیرے حضور میں قدر و منزلت رکھتا ہے تو میری جان کو اپنے حضور میں لے اور ان ناکسوں کے ہاتھ سے مجھے رہائی بخش دے" اس کی دعا قبول ہوگئی۔ اور اسی سجدہ میں اس کی جان خدائے تعالےٰ کے پاس پہنچ گئی"

(طبقات ناصری ص۲۳۲ تالیف ۶۵۸ھ از طرف ایشیاٹک سوسائٹی مطبوعہ کالج پریس کلکتہ در ۱۸۶۴ء)

مؤلف امروہوی نے "شیخ گدائی" کے متعلق فرمان سے جو معنی اپنے مقصد کے بر لانے کے لئے اپنی طبیعت سے پیدا کر کے ان پر ایک عمارت کھڑی کی تھی "وہ تو مسمار ہو چکی ہے اور اس پر ہمیں یہاں کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"۔ اس جگہ ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ انہوں نے جو "در اجابت کشادہ شد وہمدراں سجدہ جان پاک را بحضرت باری تعالےٰ فرستاد" (قبولیت کا دروازہ کھل گیا۔ اور اسی سجدے میں جان پاک کو اللہ تعالےٰ کے حضور میں بھیج دیا") کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "قدرت خدا سے قبر شق ہو جاتی ہے اور اس میں وہ عفیفہ سما جاتی ہے"۔ یہ ترجمہ اپنی آپ مثال ہے اور کسی طرح "شیخ گدائی" کے متعلق فرمان کے ان کے پیدا کردہ معانی سے کم قدر و قیمت نہیں رکھتا ہے"

"مسٹر ہیوریج" اور مسٹر ایلیٹ کے بیانات کی حقیقت"

"شیخ گدائی" کے متعلق اسی بیان میں مؤلف امروہوی نے نہایت شد و مد سے یہ فقرات بھی سپرد قرطاس کئے ہیں کہ۔

(الف) شیخ گدائی "کے باپ شاعر اور" دہلی "کے اکابر میں سے تھے لیکن تمام "کمبوہ" چونکہ اصلاً ہندو تھے۔ اور اسی وجہ سے سادات ان کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے"

(ب) ان کا (شیخ گدائی کا) ہندی الاصل ہونے کے باوجود "سادات اور دیگر" عربی النسل" افراد کے مقابلہ میں" منصب صدارت پر جو "عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص تھا۔ فائز ہونا۔ اس زمانہ کے خیالات کے اعتبار سے قابل مواخذہ سمجھا گیا"

فقرہ الف کی تصدیق کے لئے ان مؤلف صاحب کو "طبقات اکبری" "منتخب التواریخ" اور "اکبرنامہ" میں کوئی مواد نہیں مل سکا" نہ جہانگیر و شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر غازی وغیرہ ہی کے زمانہ کی کسی کتاب میں دستیاب ہو سکا" اس لئے انہوں نے اس بیان کے لئے "بیوریج اور ایلیٹ" وہ قریبی زمانے کے غیر ملکی اور اپنی غرض کے تحت لکھنے اور رائے زنی کرنے والے انگریزوں کے دامن میں پناہ لی ہے" اب وہ زمانہ نہیں رہا ہے کہ ان جیسے مترجم اور مورخوں کے نام لیکر لوگوں کو دھوکا دیا جا سکے" بیوریج ہوں یا ایلیٹ یا ان کے دوسرے بھائی بند ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں" مؤلف صاحب کے ان مورخ اعظم ایلیٹ کا تو یہ حال ہے کہ اس نے کوئی خاص تحقیقات نہیں کی ہے" صرف قدیم تاریخوں کے انگریزی ترجموں پر اکتفا کیا ہے" مگر یہ کھلا ہوا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی حد تک ان تراجم کے اکثر حصوں کو غلط پیش کیا ہے" اور ان میں جہاں جہاں اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ان تمام کو مورخین نے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان فرنگیوں نے بجائے تاریخی تحقیقات کے ان تاریخوں کے لکھنے میں اپنی مصلحتوں اور سیاست ملکی کو پیش نظر رکھا ہے" اس لئے ان میں تحریفیں کر کے بھی عبارتوں کو لکھا ہے" اور رائیں بھی وہ ہی پیش کی ہیں جو انہوں نے اپنے مقاصد کے مد نظر مناسب سمجھی ہیں" جیسا کہ "کارنامۂ راجپوتان" کے مصنف نے اپنی کتاب کے صہ۳ پر لکھا ہے کہ"

"اسی طرح (یعنی ٹاڈ کی طرح) اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھیں۔ انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ لگنے سے غلط واقعات کو صحیح حالات کے ساتھ گڈمڈ کر کے تحریر کیں" اس لئے اب کوئی محقق اور واقعات نگار جس کا مذاق تاریخ صحیح ہو۔ اس کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ وہ اس

ان دردوں کو کون جانے" بدنصیب بیرام خاں جانے" یا جس ناکام کی "بیرام خاں" جیسی خدمتیں برباد ہوئی ہوں"
اُس کا دل جانے" خصوصاً جب یہ یقین ہو" کہ ساری باتیں دشمن کر رہے ہیں" اور گود دوں کا پالا ہوا آقا۔ اُن کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہے"

مؤلف امروہوی کی دروغ بیانی کا انکشاف

اس فرمان کے متعلق "شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی" کی رائے "دربار اکبری" سے بلکرجو ہم نے ابھی لکھی ہے وہ نظروں کے سامنے ہے۔ اب مؤلف امروہوی کے اس بیان کو جو "بیرام خاں" کے متعلق انہوں نے لکھا ہے پیش کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ "اکبر نامہ" میں "شہنشاہ" مذکور کے ایک فرمان کی نقل ضرور درج ہے "جو "خان خاناں بیرام خاں" کی موسومہ ہے۔ اس میں "اکبر بادشاہ" نے "بعض فروگذاشتوں اور کوتاہیوں کے متعلق جو خان خاناں موصوف سے بزمانہ اتالیقی سرزد ہوئی تھیں۔ چند الزامات عاید کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک الزام کو بشدّ ومد بیان کیا گیا ہے کہ "مردم فاضل قابل باحسب و نسب کے موجود ہوتے "خان خاناں" نے "شیخ گدائی کنبوہ" کو "صدر الصدور" کے منصب جلیلہ پر کیوں مقرر کیا"

واقعات کا اخفا کرکے "مؤلف امروہوی" نے "بیرام خاں" کے متعلق یہ جو کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ "اُن کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے کسی بے گناہ کو گنہگار بنا دینے اور جھوٹ کو سچ باور کرانے میں قطعاً کوئی باک نہیں ہے" جیسا کہ فرمان سے ظاہر ہے "بیرام خاں" پر الزامات کی تعداد کچھ کم نہیں ہے" اور سارے الزام اُن پر بشدّ ومد ہی لگائے گئے ہیں۔ صرف ایک کیلئے "شیخ گدائی" کے متعلق الزام کے بارے میں بشدّ ومد کا لفظ استعمال کرنا ان کی کھلی ہوئی بد دیانتی نہیں تو کیا ہے"

"ازمیانِ ایں ہمہ مردم فاضل وقابل باحسب و نسب" کا "مردم فاضل قابل باحسب و نسب کے موجود ہوتے" ترجمہ کرکے پیش کرنا بھی اِن ہی جیسے فاضل مؤلف کا کام ہے" "ازمیانِ ایں ہمہ مردم" کے الفاظ صاف کہہ رہے ہیں کہ "صاحب فرمان کو "شیخ گدائی" کے فاضل قابل اور باحسب و نسب ہونے کا اقرار ہے" مگر "بیرام خاں" سے شکایت ہے کہ "اِن صفات کے لوگوں میں سے اُن کے درمیان میں سے "شیخ گدائی" کو اپنی دوستی کی وجہ سے منتخب کرکے اور صدارت کا عہدہ دیکر جو انہیں فرمانوں کی پشت پر اپنی مہر نصب کرنے کا اختیار دیدیا اور تسلیم بھی معاف کردی یہ تم نے بہت ہی بڑا ستم کیا ہے" یعنی اپنی دوستی کی وجہ سے "شیخ گدائی" کو مجھ پر مسلط کر دیا اور میری عزت و مرتبے کا کچھ بھی خیال نہیں کیا" غرضکہ فرمان میں بیرام خاں پر یہ اعتراض نہیں ہے کہ "شیخ گدائی" کو صدارت کا عہدہ کیوں دیا" رونا جو کچھ ہے وہ صرف ان کے اقتدار کا ہے" جیسا ہی تو آگے چل کر "بڑے جوش سے آگے لکھا ہے کہ" (واُورا شیخ گدائی را) بمرتبہ رسانیدہ بود کہ سوارہ پیش آمدہ بما مصافحہ مے نمود" مگر اس فقرے کو مؤلف موصوف نے اپنے بیان میں اخفا کرلیا ہے" یعنی اپنے مقصد کے منافی جان کر اُسے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی"

مؤلف امروہوی کے ترجموں میں تحریفیں کرنے کی ایک مثال

مؤلف امروہوی ترجموں میں جس قسم کی تحریفیں کرتے ہیں اس موقع پر اس کی ایک مثال دیدینی ہم مناسب سمجھتے ہیں" مؤلف موصوف نے "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھا ہے کہ"

"کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ۔ جب خلافت عباسیہ کا" چنگیزیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوگیا" خاندان عباسیہ کے ہزاروں افراد کو کفار نے "تہ تیغ کیا" امیر المومنین کی بھتیجی "تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہوئی" قافلہ تاتار "جب سمرقند پہنچا" عفیفہ نے "مزار شاہ (حضرت قثم بن حضرت عباسؓ) کو دیکھکر فاتحہ خوانی کی اجازت مانگی۔ اور مزار

کو تمام صحیح النسب سادات اور جلیل الحسب علماء پر جن کی میں تعظیم و تکریم کرتا ہوں فوقیت دے دی "
(یعنی تم نے "شیخ گدائی" کی دوستی کا تو خیال کیا اور میری کچھ بھی پرواہ نہیں کی اور ایسی ان حرکات سے میری
اور شاہی فرمانوں کی توہین کے مرتکب ہوئے "

" کیونکہ "بیرم خاں" شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ آگے انہیں ان الفاظ میں طعنہ دیا ہے کہ "
(۴) تم بی بی فاطمہ کی محبت کی اور دوستی کی بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے۔ مگر برخلاف اس کے تم نے جان بوجھ کر اس
فرقہ شریفہ کو ذلت و خواری میں ڈال دیا "

" کیونکہ "شیخ گدائی" کے اقتدارات سے حاسدوں کے دلوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اسی سلسلہ میں
اُن کے بارے میں اپنے جلے پھپھولے اس طرح پھوڑے ہیں کہ تم نے ایسے ترمیت کردہ کو (یعنی شیخ گدائی کو،
جو دلوں اور نظروں سے مردود و مطرود ہے۔ اس خاندان پر (یعنی بی بی فاطمہ پر) جو تربیت یافتہ الٰہی ہے
ترجیح دے کر سادات کے تمام بزرگوں کی ارواح مقدسہ سے کچھ بھی شرم نہیں کی "
(۵) اور اُس کو (شیخ گدائی کو) اس قدر مرتبہ پر پہنچا دیا کہ وہ میرے سامنے آ کر کالت سواری مجھ سے مصافحہ
کرتا " یعنی میری تعظیم کچھ نہ کرتا اور میرے روبرو آ کر گھوڑے سے نہیں اُترتا تھا "

فرمان کے اس ٹکڑے سے مؤلف "امرؤ ہوی" نے "شیخ گدائی" کے سب پر طعن کئے جانے کے جو معنی اپنی طبیعت سے نکالے ہیں ایسے
معنی پیدا کرنا اُن ہی جیسے لائق مؤلف کا کام ہے۔ یہ معنی جو انہوں نے اخذ کئے ہیں۔ الہامی اور غیبی ہوں تو ہوں لیکن فرمان میں تو ان معنوں کا
مفہوم تک موجود نہیں ہے "۔ اس میں تو صرف " شیخ گدائی " کے اقتدار کا رونا ہے۔ اور ان کے ایسے اعلیٰ اقتدارات کے لئے جو شاید ہی کسی کو کبھی
حاصل ہوئے ہوں " بیرم خاں خان خاناں " پر جس جس طریقہ سے ممکن ہو سکا دل کھول کر طعن کیا گیا ہے " جب حاسدوں کی کوششیں
کامیاب ہوئیں اور نوجوان بادشاہ ان کے اثر میں آگیا تب اُنہیں بیرم خاں پر کھلا وار کرنے کا موقع مل گیا " جوشِ مدارہانہ للسیار کو
اپنا شعار بنا کر پہلے تو انہوں نے اس فرمان کے ذریعے " بیرم خاں " اور اُن کے " احباب و امراء " کی تمام علاوہ خدمتوں پر پانی پھیر دیا "
اور پھر اُن کی عزت و آبرو کی بربادی کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اس فرمان میں نہ کسی کے نسب سے بحث ہے نہ حسب سے " جو کچھ
ہے وہ حاسدوں اور سازشیوں کے حسد کی محض نمائش ہے "

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے " دربار اکبری " کے صفحہ ۱۸۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ " ابوالفضل نے اکبر نامہ "
میں کئی ورق کا ایک فرمان لکھتے ہیں " جو دربار سے اُس محروم القسمت (بیرم خاں) کے نام جاری ہوا تھا۔ اُسے پڑھ کر بیہودہ لوگ تو نمک حرامی کا جرم
لگائیں گے " لیکن قابل اعتبار دو شخصوں کا حال ہوگا "
(الف) ایک وہ جس نے اُس کے تجرد کی تجرد دی حالات کو نظر انصاف سے دیکھا ہوگا۔ وہ آئندہ ہمدردی اور ناقت سے تو نہ کرے گا "
(ب) دوسرے جس نے کسی ہونہار آئندہ دار کے ساتھ جانفشانی اور جانفشانی کا حق ادا کیا ہوگا اُس کی آنکھوں میں خون اُتر
آئے گا۔ بلکہ آتش غضب سے جگر جلے گا اور دھواں منہ سے نکلے گا "

فرمان مذکور میں اُس کی تمام خدمتوں کو مٹایا ہے۔ اُس کے اقربا کی جانفشانیوں کو خاک میں ملایا ہے " اُسے خود پروری کا اور ملام
پروری کے الزام لگائے ہیں " اُس پر جرم لگائے ہیں کہ " پٹھان سرداروں کو بغاوت کی ترغیب دی " جو دہلی ملاں طریقوں سے بغاوت
کے منصوبے باندھے " اُس میں " علی قلی خاں " اور " بہادر خاں " کو بھی لپیٹ لیا ہے "
بڑھاپے کی نمک حرامی۔ اور بیوفائی سے " خبیث خیالات اور کثیف الفاظ " اُس کے حق میں صرف کر کے کاغذ کو سیاہ
کیا ہے "

میخواہم کہ نام اُو سالہا با خلاص و ارادت و اعتقاد در جمیع امصار و
بلاد منتشر شدہ بہ بغی و عناد و افساد و سرکشی مشہور نشود۔ و در آخر
عمر در زمرۂ قراجہ قرابخت محشور نگردد۔ و بنا بر حقوق عبودیت اُو را
آگاہ ساختیم۔ زینہار کہ خیال دیگرے نکند۔ و بیقین خود داند کہ اگر از
روئے جہل و کوتہ اندیشی از راہ (بے راہی) رود۔ و نخوت و پندار
دماغ اُو را پریشان ساختہ در سلک اہل ادبار درآرد۔ و بہ دولت و
اقبال با عساکر نصرت اعتصام بعزیمت رفع و دفع اُو متوجہ شدہ
بعنایت الٰہی (دمار۔ ہلاکی) از روزگار اُو بیرون خواہیم آورد۔ امید
است کہ دریں حالت کہ عنفوان (شروع) اقبال خلافت ما و آغاز ادبار
اُوست فتح عظمیٰ روئے دیدہ (ظہور گرفتن۔ مقابل آمد) اُو مغلوب
عساکر اقبال گشتہ شرمسار و گرفتار گردد۔ و بیدولتی را از ایں معنی
استدلال نمی نماید کہ اُو دریں پنجسال مردم خود را چگونہ رعایت ہا کردہ
کہ بروز واقعہ (بروز جنگ) بکار آیند۔ و از کوتہ اندیشی و نادانی نمیداند
کہ دولت وابستہ بعنایت الٰہی است ہرگاہ آں عنایت نباشد۔
نوکرے دولت بکار نمی آید۔ چنانچہ براء العین دیدہ میشود کہ آنہا را کہ
فرزند و برادر میگفت و ہرگز با ایشاں گمان جدائی نداشت برہنمونی
سعادت اکثرے از وے جدا شدند و آنانکہ ماندہ اند یک یک جدا شدہ
بدرگاہ معلی مے آیند۔ و رفتہ رفتہ اُو را تنہا خواہند گذاشت۔ دریں
مقام غیر تسلیم و رضا جوئی ہیچ چیزے فائدہ ندارد“
(اکبر نامہ جلد دوم۔ صـ۸۲ تا ۸۵)

ہزار ہزار رعایت ہوگی“ میں چاہتا ہوں کہ اُس کا نام سالہا سال اخلاص و
ارادت اور اعتقاد سے تمام ممالک و بلاد میں پھیلے ”بغاوت و دشمنی اور سرکشی
سے مشہور نہ ہو“ اور آخر عمر میں زمرۂ قراجہ سیاہ بخت کے ساتھ محشور نہ ہو“ اور
حقوق عبودیت کی بنا پر اُس کو جتلاتا ہوں کہ ہرگز کوئی دوسرا خیال دل میں
نہ لاوے“ اور یقین جانے کہ اگر جہالت و ناسمجھی کی وجہ سے وہ بے راہی اختیار
کرے اور اپنے دماغ میں نخوت و غرور کو راہ دیکر اہل ادبار کی سلک میں اپنے
آپ کو لاوے“ اور میں فاتح لشکر کے ساتھ اُس کے رفع و دفع کے ارادہ سے
متوجہ ہوا۔ تو خدا کی عنایت سے ہلاکی روزگار سے اُس کو باہر لے آؤں گا“
اُمید ہے کہ اس حالت میں جبکہ میرے اقبال خلافت کا طلوع ہے اور اس کے
ادبار کا آغاز ہے“ فتح عظیم مجھے حاصل ہوگی اور وہ مغلوب ہو کر عساکر اقبال
سے شرمسار و گرفتار آئے گا“ اور بیدولتی کو اس میں سے استدلال نہیں ہوتا
ہے کہ ان پانچ برس میں اپنے آدمیوں کی کس طرح رعایت کی کہ بروز جنگ کام
آئیں“ اور کوتہ اندیشی و نادانی سے نہیں جانتا ہے کہ دولت عنایت الٰہی
سے وابستہ ہے“ جب عنایت نہ رہے تو کر بے دولت کام نہیں آتا“ چنانچہ
آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ جن کو بیٹا اور بھائی کہتے ہو اور ہرگز ان سے جدائی
کا گمان نہیں تھا“ براہنمونی سعادت سے اکثر اُس سے جدا ہو گئے“ اور
وہ جو کہ رہ گئے ہیں“ ایک ایک جدا ہو کر درگاہ معلی پر آ رہے ہیں“ اور
رفتہ رفتہ اُس کو اکیلا چھوڑ دیں گے“ اس مقام میں بغیر تسلیم و
رضا کوئی چیز فائدہ نہیں رکھتی“

خان خاناں بیرام خاں کے موسومہ فرمان پر صاحب دربار اکبری کا تبصرہ

اب یہ پورا فرمان ہمارے سامنے ہے۔ اُس میں بیرام خاں اور اُن کے ہوا خواہوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اور جن وجوہ سے جن حالات کے تحت لکھا ہے“ اس سے واقفیت ہو جانے کے بعد یہاں ہم اِس فرمان کے صرف اُسی قدر ٹکڑے کے اردو ترجمہ کو جس میں ”شیخ گدائی رح“ کے متعلق حاسدوں نے ”اکبر“ کی طرف سے ”بیرام خاں“ پر سب و شتم کیا ہے“ اِس جگہ پھر لکھتے ہیں۔ تاکہ واقعات کی روشنی میں اس کو سامنے رکھکر مؤلف امر وہوی“ کی غلط بیانی یعنی اُس معنی آفرینی حقیقت کو بخوبی جانچا جا سکے جو انہوں نے اِس بحث پر اپنی طرف سے پیدا کی ہے“

”اِن پانچ برس میں تم سے چند کام ناشایستہ ظہور میں آئے جن سے جمہور کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی“ جیسے ”شیخ گدائی“ کی تربیت۔ اس قدر بزرگی اور عقلمندی کے دعوے کے باوجود ان تمام فاضل و قابل اور باحسب نسب لوگوں میں سے اپنی مصاحبت اور دوستی کے لئے ”شیخ گدائی“ کو منتخب کیا۔ اور سوائے اس کے صدارت کے عہدے پر مقرر کر کے انھیں اِس قدر اختیار دیدیا کہ۔ (۱) تمام شاہی فرمان اُن کی مہر سے جاری ہوتے“ (۲) اور اُن کو تسلیم بھی معاف کر دی تھی“ (۳) نیز اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے جنت مثال محفلوں میں اُن

کو تمام صحیح النسب سادات اور جلیل الحسب علماء پر جن کی میں تعظیم و تکریم کرتا ہوں فوقیت دے دی"
دیکھو تم نے "شیخ گدائی" کی دوستی کا تو خیال کیا اور میری کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ اور اپنی ان حرکات سے میری
اور شاہی فرمانوں کی توہین کے مرتکب ہوئے"

"کیونکہ "بیرام خاں" شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ آگے انہیں ان الفاظ میں طعنہ دیا ہے کہ:

(۴) تم ہی فاطمہ کی محبت کی اور دوستی کی بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے۔ مگر برخلاف اس کے تم نے جان بوجھکر اس
فرقۂ شریفہ کو ذلت و خواری میں ڈال دیا"

"کیونکہ "شیخ گدائی" کے اقتدارات سے حاسدوں کے دلوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اسی سلسلہ میں
اُن کے بارے میں اپنے جلے پھپھولے اس طرح پھوڑے ہیں کہ "اور اپنے تربیت کردہ کو یعنی شیخ گدائی کو،
جو دلوں اور نظروں سے مردود و مطرود ہے۔ (اس خاندان پر یعنی بی بی فاطمہ پر) جو تربیت یافتہ الٰہی ہے۔
ترجیح دے کر سادات کے تمام بزرگوں کی اصلاح مقدسہ سے کچھ بھی شرم نہیں کی"

(۵) اور اُس کو (شیخ گدائی کو) اس قدر مرتبہ پر پہنچا دیا کہ وہ میرے سامنے آکر بحالت سواری ہاتھ سے مصافحہ
کرتا" یعنی میری تعظیم کچھ نہ کرتا اور میرے روبرو آکر گھوڑے سے نہیں اُترتا تھا"

فرمان کے اس ٹکڑے سے مؤلف ماثر رحیمی نے "شیخ گدائی" کے سبب پر طعن کئے جانے کے جو معنی اپنی طبیعت سے نکالے ہیں۔ ایسے
معنی پیدا کرنا اُن ہی جیسے لائق مؤلف کا کام ہے۔ یہ معنی جو انہوں نے ادا کئے ہیں۔ الہامی اور غیبی ہوں تو ہوں لیکن فرمان میں تو ان معنوں کا
مفہوم تک موجود نہیں ہے" اس میں تو صرف "شیخ گدائی" کے اقتدار کا رونا ہے۔ اور ان کے ایسے اعلیٰ اقتدارات کے لئے جو شاید ہی کسی کو کبھی
حاصل ہوئے ہوں "بیرام خاں خان خاناں" پر جس جس طریقہ سے ممکن ہو سکا دل کھول کر طعن کیا گیا ہے "جب حاسدوں کی کوششیں
کامیاب ہوئیں اور نوجوان بادشاہ ان کے اثر میں آگیا تو اب انہیں بیرام خاں پر کھلا وار کرنے کا موقع مل گیا۔ جنہوں نے بادشاہ کو
اپنا شعار بنا کر پہلے تو انہوں نے اس فرمان کے ذریعہ سے "بیرام خاں" اور اُن کے "احباب و امراء" کی تمام خدمتوں پر پانی پھیر دیا"
اور پھر اُن کی عزت و آبرو کی بربادی کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ اس فرمان میں یہ کسی کے سبب سے کٹ ہے نہ حسب سے" جو کچھ
ہے وہ حاسدوں اور سازشیوں کے حسد کی محض نمائش ہے"

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے "دربار اکبری" کے صفحہ ۱۸۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ "ابوالفضل" "اکبر نامہ"
میں کئی ورق کا ایک فرمان لکھتے ہیں" جو دربار سے اُس محروم القسمت "بیرام خاں" کے نام جاری ہوا تھا آگے بڑھکر بیہودہ لوگ و نمک حرامی کا جرم
لگائیں گے" لیکن قابل اعتبار دو شخصوں کا حال ہوگا"

(الف) ایک وہ جس نے اُس کے تمردی مجبوری حالات کو نظر انصاف سے دیکھا ہوگا۔ وہ آئیندہ ہمدردی اور رفاقت سے توبہ کرے گا"
(ب) دوسرے جس نے کسی ہوا شیتہ دار کے ساتھ عالی شانی اور عالی شانی کا حق ادا کیا ہوگا۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر
آئے گا۔ بلکہ آتش غضب سے جگر جلے گا اور دھواں سر سے نکلے گا"

فرمان مذکور میں اُس کی تمام خدمتوں کو مٹایا ہے۔ اُس کے اقربا کی عالی شانیوں کو خاک میں ملایا ہے" اسے خود پروری کا اور عالم
پروری کے الزام لگائے ہیں" اُس پر جرم لگائے ہیں کہ "پٹھان سرداروں کو بغاوت کی ترغیب دی" خود فلاں فلاں طریقوں سے بغاوت
کے منصوبے باندھے" اس میں۔ علی قلی خاں" اور "بہادر خاں" کو بھی لپیٹ لیا ہے"
بڑھاپے کی نمک حرامی۔ اور بیوفائی سے۔ خبیث خیالات اور کثیف الفاظ" اُس کے حق میں صرف کر کے کاغذ کو سیاہ
کیا ہے"

میخواہیم کہ نام اُو سالہا با خلاص و ارادت و اعتقاد در جمیع امصار و بلاد منتشر شدہ بہ بغی و عناد و افساد (سرکشی) مشہور نہ شود۔ و در آخر عمر در زمرۂ قراجہ قرابخت محشور نگردد۔ و بنا بر حقوق عبودیت اُو را آگاہ ساختیم۔ زنہار کہ خیال دیگرے نکند۔ و یقین خود داند کہ اگر از روئے جہل و کوتہ اندیشی از راہ (بے راہی) رود۔ و نخوت و پندار دماغ اُو را پریشان ساختہ در سلک اہلِ ادبار در آرد۔ و بہ دولت و اقبال با عساکر نصرت اعتصام بعزیمت رفع و دفع اُو متوجہ شدہ بعنایت الٰہی (دہار۔ ہلاکی) از روزگار اُو بیرون خواہیم آورد۔ امید است کہ دریں حالت کہ عنفوان (شروع) اقبال خلافت ما و آغاز ادبار اُوست فتح عظمٰی از روئے دیدہ ظہور گرفتہ۔ مقابل آمد) اُو مغلوب عساکر اقبال گشتہ شرمسار و گرفتار گردد۔ و بیدولتی را از ایں معنی استدلال نمی نماید کہ اُو دریں پنجسال مردم خود را چگونہ رعایت ہا کرد کہ بروز واقعہ (بروز جنگ) بکار آیند۔ دازکوتہ اندیشی و نادانی نمیداند نسبت کہ دولت وابستہ بعنایت الٰہی است ہرگاہ آں عنایت نباشد۔ نوکرے دولت بکار نمی آید۔ چنانچہ برای العین دیدہ میشود کہ آنہا را کہ فرزند و برادر میگفت۔ و ہرگز با ایشاں گمانِ جدائی نداشت برہمنوئی سعادت اکثرے از وے جدا شدند و آنانکہ ماندہ اند یک یک جدا شدہ بدرگاہ معلّی مے آیند۔ و رفتہ رفتہ اُو را تنہا خواہند گذاشت۔ دریں مقام غیر تسلیم و رضا جوئی ہیچ چیزے فائدہ ندارد۔“

(اکبر نامہ جلد دوم۔ صفحہ ۸۲ تا ۸۵)

ہزار ہزار رعایت ہوگی میں چاہتا ہوں کہ اُس کا نام سالہا سال اخلاص و ارادت اور اعتقاد سے تمام ممالک و بلاد میں پھیلے“ بغاوت و دشمنی اور سرکشی سے مشہور نہ ہو“ اور آخر عمر میں زمرۂ قراجہ سیاہ بخت کے ساتھ محشور نہ ہو“ اور حقوق عبودیت کی بنا پر اُس کو جتلاتا ہوں کہ ہرگز کوئی دوسرا خیال دل میں نہ لاوے“ اور یقین جانے کہ اگر جہالت و ناسمجھی کی وجہ سے وہ بے راہی اختیار کرے اور اپنے دماغ میں نخوت و غرور کو راہ دیکر اہلِ ادبار کی سلک میں اپنے آپ کو لاوے“ اور میں فاتح لشکر کے ساتھ اُس کے رفع و دفع کے ارادہ سے متوجہ ہوا۔ تو خدا کی عنایت سے ہلاکی روزگار سے اُس کو باہر لے آؤں گا“ اُمید ہے کہ اس حالت میں جبکہ میرے اقبال خلافت کا طلوع ہے اور اس کے ادبار کا آغاز ہے“ فتح عظیم مجھے حاصل ہوگی اور وہ مغلوب ہو کر عساکر اقبال سے شرمسار و گرفتار آئے گا“ اور بیدولتی کو اس میں سے استدلال نہیں ہوتا ہے کہ ان پانچ برس میں اپنے آدمیوں کی کس طرح رعایت کی کہ بروز جنگ کام آئیں“ اور کوتہ اندیشی و نادانی سے نہیں جانتا ہے کہ دولت عنایت الٰہی سے وابستہ ہے“ جب عنایت نہ رہے تو کر بے دولت کام نہیں آتا“ چنانچہ آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ جن کو بیٹا اور بھائی کہتے تھے اور ہرگز اُن سے جدائی کا گمان نہیں تھا“ برہمنوئی سعادت سے اکثر اُس سے جدا ہو گئے“ اور وہ جو کہ رہ گئے ہیں“ ایک ایک جدا ہو کر درگاہ معلّی بر آرہے ہیں“ اور رفتہ رفتہ اُس کو اکیلا چھوڑ دیں گے“ اس مقام میں بغیر تسلیم و رضا کوئی چیز فائدہ نہیں رکھتی“

خان خاناں بیرام خاں کے موسومہ فرمان پر صاحب دربار اکبری کا تبصرہ

اب یہ پورا فرمان ہمارے سامنے ہے۔ اُس میں بیرام خاں اور اُن کے ہواخواہوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اور جن وجوہ سے جن حالات کے تحت لکھا ہے“ اس سے واقفیت ہو جانے کے بعد یہاں ہم اِس فرمان کے صرف اُسی قدر ٹکڑے کے اُردو ترجمہ کو جس میں ”شیخ گدائی رح“ کے متعلق حاسدوں نے ”اکبر“ کی طرف سے ”بیرام خاں“ پر سب و شتم کیا ہے“ اِس جگہ پھر لکھتے ہیں۔ تاکہ واقعات کی روشنی میں اس کو سامنے رکھکر مؤلف امر وہوی“ کی غلط بیانی یعنی اُس معنی آفرینی حقیقت کو بخوبی جانچا جا سکے جو انہوں نے اِس بحث پر اپنی طرف سے پیدا کی ہے“

”اِن پانچ برس میں تم سے چند کام ناشایستہ ظہور میں آئے جن سے جمہور کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی“ جیسے ”شیخ گدائی“ کی تربیت۔ اس قدر بزرگی اور عقلمندی کے دعوے کے باوجود ان تمام فاضل و قابل اور با حسب نسب لوگوں میں سے اپنی مصاحبت اور دوستی کے لئے ”شیخ گدائی“ کو منتخب کیا۔ اور سوائے اس کے صدارت کے عہدے پر مقرر کر کے انھیں اس قدر اختیار دیدیا کہ۔ (۱) تمام شاہی فرمان اُن کی مہر سے جاری ہوئے“ (۲) اور اُن کو تسلیم بھی معاف کر دی تھی“ (۳) نیز اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے جنّت مثال محفلوں میں اُن

خود را بخدمت او قرار داده بودند و خوش آمدی میگفتند مثل "شاه قلی تاجیکی" و "محمد طاهر" و "لنک ساربان" و او از سادگی آن طائفه را راست گو دانسته تربیت مینمود و تقویت در مدد معاش ایشان میکرد. چنانچه "شاه قلی" بے اندامیها کرده فرمان نشنید و "محمد طاهر" آن نوع جواب درشت داد که مستوجب سزا (دار) زبان بریدن بلکه کشتن شده بود و او شنیده تغافل نمود و "لنک ساربان" در پیش جمعی حضور او آن چنان لفظ درشتی گفته که او نیز مستحق (سزاوار) سیاست بود. و "ولی بیگ" را خود میداند که در میان قزلباش چه مقدار حالت و اعتبار داشته بے شائبہ خدمتے و اصالتے و حالتے به همین نسبت که داماد او ست آورده و بر امرای عظام گذرانید. حتی بر سید "قلی میرزا" که بعلو سعادت و انتساب سلطنت ممتاز بود. تقدیم داد و "حسین قلی" را که تا غایت بمرغی پنجه نزده و بے جرأت و همت کہ مرغی کے مطابق بھی پنجہ مار سکے) و برابر "اسکندر خان" و "عبد الله خان" رعایت نمود و جاگیرهای ویران خرسند ساخت و درین اوقات در اکثر مجالس از و چندین امور سر بر میزد که باعث رنجش و آزار خاطر تبعیض آثر مے شد چون خاطر او پیش ما عزیز بود. و او را دولت خواه بے غش این دودمان میدانستیم. و بر قول و فعل او اعتماد تمام داشتیم این همه اعمال و کردار ناهموار او را عین خیر خواهی و محض نیک اندیشی تصور نموده دیده و دانسته بکرم عمیم در میگذرانیدیم. تا درین اوقات بعرض رسید که او به تحریک همین جماعت باغیه قصد دارد که متعددے چند که با همراه بوده از ما جدا ساخته ما را تنها گذارد و بملاحظه دفع این شرارت از دار الخلافه "آگره" متوجه دار الملک "دهلی" شدیم. و به او نوشتیم که بعض امور بظهور آمده و سخنان بعرض اقدس رسیده که بخاطر اشرف قرار نمی یابد که او درین اوقات ملازمت تواند نمود. اگرچه از او آزار بسیار یافته ایم. اما او را هنوز بهمان دستور "خان خانان" میدانیم و میگوئیم. و بجهت تسلی خاطر او سوگندهای مغلظه بسیار سخت یاد کرده بودیم که قصد جان و مال و ناموس نداریم. و چون به تمشیت مهمات جهانبانی بنفس نفیس خود متوجه شده ایم. او بحال خود بوده مدعیات که داشته باشد عرض داشت نماید. بنوعیکه لائق دانیم حکم فرمائیم. چون در بعضے اوقات عرض می نمود که وقت شده است که بدولت و سعادت به مهمات سلطنت بپردازند تصور چنان بود که بشنودن این خبر خیر اثر مسرور گشته در مقام تسلیم و رضا راسخ دم و ثابت قدم باشد"

اور بے آبرو کرتے ہیں! اور بعضوں نے کمال رذالت و حماقت سے اپنے آپ کو اس کی خدمت کو قرار دے رکھا ہے اور خوشامدانہ باتیں کرتے ہیں جیسے کہ "شاہ قلی تاجیکی" اور "محمد طاہر" اور "لنک ساربان" اور وہ اپنی سادگی سے اس گروہ کو راست گو جانکر ان کی تربیت کرتا ہے" اور ان کو مدد معاش بہم پہنچاتا ہے" چنانچہ "شاہ قلی" نے بے اندامی کر کے فرمان پر عمل نہیں کیا" اور "محمد طاہر" نے اس طرح کا سخت جواب دیا کہ سزاوار زبان کاٹنے بلکہ مار ڈالنے کا ہو گیا تھا" اور اس نے سنکر تغافل برتا" اور "لنک ساربان" نے سب کے سامنے مجھ سے ایسے سخت لفظ کہے کہ وہ بھی سزاوار سیاست تھا" اور "ولی بیگ" کی جو حالت اور اعتبار قزلباشوں میں ہے اسے خود جانتا ہے" اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بے موجودہ خدمت و شرافت اور حالت اس کی محض داماد ہونے کی وجہ سے ہے" اسے امرائے عظام پر اس قدر ترجیح دی ہے کہ "قلی میرزا" جو علوئے سعادت اور انتساب سلطنت سے ممتاز تھے۔ ان سے بھی بڑھا دیا ہے" اور "حسین قلی" کو جو ایسا بے جرأت و ہمت ہے کہ مرغی کے برابر بھی پنجہ نہیں مار سکتا ہے" اس کو "اسکندر خان" اور "عبد اللہ خان" کے برابر کر دیا ہے" اور جاگیریں بے حاصل اس کو دی ہیں" برخلاف اس کے خوانین عظام کو ویران جاگیریں دیکر خوش کیا گیا ہے" اور ان ایام میں اس سے اکثر مجلسوں میں چند ایسی باتیں وقوع میں آئی ہیں جو باعث رنجش اور آزار خاطر کی میرے ہوئی ہیں" کیونکہ اس کی خاطر مجھے عزیز تھی اور اس کو دولت خواہ اپنے خاندان کا جانتا ہوں" اس لئے اس کے قول و فعل پر میں نے اعتماد کیا اور اس کے برے اعمال و کردار کو عین خیر خواہی اور نیک اندیشی جانا" اور جان بوجھکر اپنی مہربانی سے درگذر کیا" ان دنوں میں نے سنا کہ وہ ان باغیوں کے اس گروہ کے ساتھ ارادہ بغاوت کا رکھتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ تھوڑے سے لوگ جو میرے ساتھ ہیں ان کو بھی جدا کر کے مجھے اکیلا کر دے" یہ معلوم کر کے اس شرارت کے دفع کی غرض سے میں آگرہ سے دہلی آ گیا ہوں اور اسے لکھتا ہوں کہ بعضے کام جو اس سے ظہور میں آئے ہیں اور جو خبریں مجھے ملی ہیں ان سے میرا دل بے چین ہے" اسے اس وقت میں ملازمت کی اجازت نہیں دے سکتا" اگرچہ اس سے میں نے بہت تکلیفیں پائی ہیں لیکن اس کو اسی طرح "خان خاناں" جانتا ہوں" اور اس کے دل کے اطمینان کے لئے بہت سخت قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اس کی عزت اور جان و مال کی خرابی کا مطلق خیال نہیں ہے۔ اور کیونکہ مہمات جہانبانی کے جاری کرنے کیلئے میں اپنی ذات سے متوجہ ہوا ہوں" اس لئے وہ بحال خود رہکر جو چاہتا ہے تحریر کرے میں اس پر مناسب حکم دوں گا" کیونکہ بعض وقت مجھ سے کہا گیا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ آپ سلطنت کے کام خود کریں" ایسا خیال تھا کہ اس خبر خیر اثر کو سنکر اور خوش ہو کر مقام تسلیم و رضا میں راسخ دم اور ثابت قدم ہو"

کہ باوجود دعوے این ہمہ بزرگی و دانائی از میان این ہمہ مردم جاہل و نادان ناحسب و نسب او را بمصاحبت و آشنائی خود انتخاب نمود و با آنکہ متعہد منصب صدارت شدہ بود و در طہر دستخط (سائر جمیع منشور یا فرمان) مہر میکرد و او را از تسلیم و خمیدگی (پشت برائے سلام) معاف داشتہ بود۔ و بکمال جہل و نادانی۔ در محل حشمت مماثل او را از جمیع سادات صحیح النسب و علمائے جلیل الحسب کہ نسبت بملاحظہ عظمت و شان و حالت مراسم احترام و تعظیم بجا می آورد دیم تقدیم دادہ باوجود لاف محبت و دوستداری کہ بخاندان طیبین (ائمہ معصومین) و طاہرین میبرد ذلت و خواری این فرقہ شریفہ را عمداً تجویز مے نمود۔ و تربیت کردۂ خود را کہ مردود اہل و مطرود النظر است بریں طائفہ کہ تربیت الٰہی داشتند ترجیح دادہ از ارواح مقدسۂ این ہمہ بزرگان ہیچ گونہ شرم و آزرم نداشت و او را مرتبہ رسانیدہ بود کہ سوارہ پیش آمدہ با ما مصافحہ مے نمود۔

و نوکران فرود۔ و کمترین چاکران خود را کہ حالت و لیاقت ایشان معلوم بود بخطاب سلطانی و خانی و علم و نقارہ و جاگیرہا (گویا مستورد آباد) و ولایت ہائے پُر حاصل امتیاز دادہ۔

حوایین و سلاطین و امرا و معتمدان حضرت جہانبانی جنت آشیانی را کہ احوال و حالات و استحقاق ایشان ہمہ کس روشن است از کمال بے اعتباری بہتان زیادہ نان محتاج ساختہ بود چہ قصد جان و ناموس ہمہ ہا داشت و از ملازمان و خدمتگاران جاری کہ سالہا امید وار خدمت کردہ و مستوجب رعایت و حمایت شدہ بودند ہیچ پرسش نکرد کہ اقل مرتبہ و جہ معیشت داشتہ باشند و ہمہ کہ در شکارہا و سواری ہا در ملازمت میکشید خود را بہ محنت و مشقت قرار خدمت دادہ بودند ہر چند در سیقتہا و فریب۔ کمن دروغ دادہ ساختہ بحق آنہا تہمت بود۔ و انواع بے اعتدالی و بے اعمالی مے نمود۔ اگر از نوکران او صدور گناہ مثل خون و دزدی و راہ زنی و تاراج و انواع فسق و فجور ظہور مے آمد۔ تو اسماعیل و ما بہ رجب زبانی کردن منع کردن ما بہمہ با دو میگذرانید و اگر از ملازمان درگاہ والا اندک چیزے واقع مے شد ما کمے بہتان میکرد در قتل و حبس و تاراج ایشان تا خیر نمے نمود۔ و تا مر شدن انواع حماہ بے آبروئی میرسانید و نیعمے بکمال دنائت و حماقت

مثلاً تربیت شیخ گدائی کی۔ کہ باوجود اس قدر بزرگی اور عقلمندی کے دعوے کے ان سب جاہل و نابکار ناحسب و نسب والی سب لوگوں کے درمیان سے اُس کو اپنی مصاحبت اور دوستی کے لیے منتخب کیا۔ اور منصب صدارت دیکر اس قدر اقتدار دیدیا کہ تمام فرمان شاہی کی پشت پر وہ مہر کرتا ہے۔ اور اُسے مجھے سلام کرنے کی بھی معافی دے دی ہے۔ اور کمال جہل و نادانی سے محفلوں حشمت مثال میں اُس کو سارے سادات صحیح النسب اور علمائے جلیل الحسب پر جو دیکھکر بھی کہ میں ان کی عظمت و شان اور حالت مراسم احترام اور تعظیم بجا لاتا ہوں۔ تقدیم دے دیا ہے۔ باوجود لاف محبت اور دوستداری کے جو ائمہ معصومین سے جتایا کرتے ہیں۔ ذلت اور خواری اس فرقہ شریفہ کی عمداً تجویز کی۔ اور اپنے تربیت کردہ کو جو دل سے گمراہ اور نظر میں راندہ شدہ ہے۔ اس گروہ پر جس نے اللہ میاں سے تربیت پائی ہے ترجیح دی۔ ان تمام بزرگوں کی ارواح مقدسہ سے کسی طرح کی شرم نہیں رکھتے اور اُس کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ سواری پر سامنے آکر مجھ سے مصافحہ کرتا ہے۔

اور اپنے کمترین نوکروں کو جن کی حالت اور لیاقت معلوم تھی سلطانی اور خانی کے خطابوں سے اور علم و نقارہ اور جاگیروں آباد اور ولایتوں پُر حاصل سے امتیاز دیا۔

حوامین و سلاطین اور امرا و معتمدین حضرت جہانبانی بادشاہ کو جن کی احوالات و حالات اور جن کا استحقاق تمام لوگوں پر روشن ہے کمال بے اعتباری سے روٹی کے ٹکڑے کا محتاج بنا دیا گیا۔ ارادہ اُن سب کے ناموس کے برباد کرنے اور خون کا تھا۔ اور ملازمان و خدمتگاران جاری جنھوں نے برسوں سے امیدوار رہکر خدمت کی۔ اور مستحق رعایت و حمایت کے ہو گئے ہیں اُن کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ حالانکہ بہت ہی کم مدد معاش رکھتے ہیں۔ اور شکار و سواری میں سختیاں کھینچتے ہیں۔ اور اپنے کو سرا محنت و مشقت اپنی خدمت پر قائم رکھے ہوئے ہیں اور جس دن کوئی جھوٹی بات اُن کے متعلق کہہ دیتا ہے تو اُن کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کی بے اعتدالی اور نامناسب باتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر اُس کے نوکروں میں سے کوئی گناہ مثل خون و چوری اور رہزنی اور تاراج اور مختلف قسم کے فسق و فجور ظہور میں آئیں تو اسماعیل و رجب زبانی کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر میرے نوکروں سے ذرا سی بات واقع ہو یا کوئی بہتان رکھے تو اُن کے قتل و قید میں تاراج میں دیر نہیں کی جاتی۔ اور تاخیر ہوئے میں طرح طرح کی سزائیں پہنچا

بعمل آرند؛ اہنہ ومراعات کسے منظور نہ باشد۔ واز لومت لائم نہ ترسد۔
وایں مصرع خواند۔ ع

دوست گر دوست شود، ہر دو جہاں دشمن باش

چوں روز بروز اقتدار وتسلط خان خاناں زیادہ تر شد، خار خار حسد در دل ہا شکست۔ ناتواں بیناں حسد پیشہ۔ بہ شقیقہ سازی و نمامی دروغ وراست را باہم بے یا ختند ویکے را بصد رسانیدہ مزاج پادشاہی منحرف ساختند۔ خان خاناں ہم در اقتدار واستقلال خود دیگرے را بہ چشم اعتبار نیاوردہ۔ اعتنا بشاں آنہا نمی کرد۔ اما بہ مضنگی وتوہم بہ خود راہ دادہ بود۔ کہ زود از جا در می آمد۔ پس از برہمزدگی ہم خان خاناں اصلا ارادہ بغی نہ داشت۔

کسی کی منظور نہ ہوگی۔ انہیں لوگوں کی لگائی بجھائی یا شکایتوں سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ اور یہ مصرع پڑھا۔ ع

دوست گر دوست شود ہر دو جہان دشمن باش

کیونکہ دن بہ دن اقتدار اور تسلط خان خاناں کا زیادہ تر ہوا، حسد کا کانٹا حاسدوں کے دلوں میں ٹوٹ کر کھٹکنے لگا۔ کم نظر حسد پیشہ لوگوں نے اپنی شقیقہ سازی وچغل خوری سے جھوٹ وسچ کو باہم ملاکر اور ایک کے سو لگاکر بادشاہ کے مزاج کو خلاف کر دیا۔ خان خاناں اپنے اقتدار استقلال کے زمانے میں دوسروں کو چشم اعتبار میں نہ لاکر اُن کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس نے بدگمانی اور توہم کو جو اختیار کیا تھا۔ وہ جلد اس کا اظہار کر دیتا تھا۔ بگاڑ کے بعد سے بھی خان خاناں نے باغی ہونے کا ارادہ ہرگز نہیں کیا۔

مختلف مورخین کے مندرجہ بالا بیانات سے اُن سازشوں اور کینہ توزیوں کا حال بخوبی عیاں ہوگیا ہے۔ جو حسد پیشیوں نے۔ بیرام خاں خان خاناں اور اُن کے ہوا خواہوں کے خلاف برپا کی تھیں۔ اب ہم اُس فرمان کی پوری نقل پیش کرتے ہیں جو انہیں حاسدوں کا نوشتہ ہے۔ اور جس میں بیرام خاں کے ساتھ اُن کے دوستوں اور اعزا پر بھی خوب خوب سب وشتم کرکے اپنے دلوں کے جلے پھپھولے پھوڑے گئے ہیں۔ اور مؤلف امروہوی نے بھی اس فرمان کے جاری ہونے کے اسباب کو معرض خفا میں رکھکر اور صرف اُس کے ایک ٹکڑے کو سامنے لاکر۔ شیخ گدائی اور اُن کے خاندان کے متعلق اپنے ناظرین کو قصداً دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

فرمان جلال الدین اکبر بنام خان خاناں بیرام خاں

خان خاناں بداند۔ کہ چوں اُو پروردۂ نعمت وتربیت کردۂ عنایت وعاطفت ایں دودمان (خاندان) عالی شان است۔ وحقوق خدمت شائستہ اُو۔ دریں درگاہ ثابت۔ وحضرت پادشاہ جنت دستگاہ طیب اللہ ثراہ۔ بواسطہ صدق نیت واخلاصے کہ ازو مشاہدہ نمودہ بودند۔ اُو را بمنتہائے رعایت وتربیت رسانیدہ۔ امر عظیم القدر اتالیقی (معلم وادب آموز یعنی نشست وبرخاست تعلیم کنندہ) ما را بہ اُو تفویض فرمود۔ بعد از اں کہ آنحضرت از تنگنائے جہان فانی بہ فضائے عالم جاودانی رحلت فرمودند۔ واُو از روئے اخلاص ودولت خواہی۔ کمر صدق وجان سپاری۔ در میان بستہ متعہد۔ (ذمہ وار وضامن) مہمات سبقت آں خدمات ونیک اندیشی ہائے کہ بظہور میرسانید۔ زمام حل وعقد ورتق وفتق اُمور را چناں بقبضۂ اختیار اُو گذاشتہ بودیم۔ کہ مزیدے براں متصور نتوانند بود۔ چنانچہ از نیک وبد ہرچہ خواست واراوہ کرد بعمل آورد۔ باآنکہ دریں پنج سال چندیں امور ناشائستہ ازو بظہور آمد کہ سبب نفور خاطر جمہور بود۔ مثل تربیت شیخ گدائی۔

خان خاناں جانتا ہے کہ کیونکہ وہ پروردۂ نعمت اور تربیت کیا ہوا عنایت وعاطفت کا اس خاندان عالی شان کا ہے۔ اور اُس کی شائستہ خدمت کے حقوق اس درگاہ پر ثابت ہیں۔ اور حضرت بادشاہ (ہمایوں) جنت دستگاہ طیب اللہ ثراہ نے صدق نیت اور اخلاص کی وجہ سے جو اُس سے اُن کے مشاہدہ میں آئیں۔ اُس کی انتہائی رعایت اور تربیت کی۔ اور عظیم القدر کام ہماری اتالیقی کا اس کے سپرد فرمایا۔ اس کے بعد جب آنحضرت (ہمایوں بادشاہ) نے جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ اور وہ از روئے اخلاص اور دولت خواہی۔ کمر صدق وجان سپاری باندھکر اور ذمہ دار وضامن ہوکر اُن خدمات ومہمات سابقہ کو اور نیک اندیشیوں کو ظہور میں لایا۔ تو ہم نے زمام حل وعقد اور اندرونی وبیرونی کاموں کو اس طرح اُس کے قبضۂ اختیار میں چھوڑ دیا کہ اس سے زیادہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ نیک وبد سے جو چاہا اور ارادہ کیا عمل میں لایا۔ مگر ان پانچ سالوں میں چند کام ناشائستہ اُس سے ظہور میں آئے جو جمہور کی نفرت کا سبب ہوئے۔

چوں جامع ایں اوراق در عہد بیرام خاں کہ بہترین عہدہا بود و ہند حکم عروسی داشت در آگرہ طالب علمی میکرد۔

مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۸ میں ہے کہ چوں در ۹۶۱ھ ہجری۔ بعضے فتنہ سازاں از جانب بیرام خاں سخنان غیر موقع بہ پادشاہ (ہمایوں) رسانیدند خود بہ قندہار آمدند ظاہر شد کہ آنچہ گفتہ اند از صدق پرتو ندارد۔ مورد نوازش شدہ در جنگ ماچھی واڑہ با افاغنہ بسیار جنگ کردہ غالب آمد و سرہند وغیرہ پرگنات جاگیر یافتہ بہ خطاب ہائے عالیہ (یار وفادار برادر نیکو سیر و فرزند سعادتمند)

در ۹۶۳ھ ہجری۔ دو ربیع الآخر روز جمعہ کہ عرش آشیانی (اکبر) در قصبہ کلانور مضافات پنجاب بر تخت جلوس نمودند بیرام خاں وکیل السلطنت شد و حل و عقد امور خلافت و رتق و فتق جنود و نصرت برائے صواب نمائی او تفویض یافت و بہ خطاب والائے خان خاناں کوس ناموری بلند آوازہ ساختہ۔ در مخاطبات بہ خان بابا مخاطب گشت و در ۹۶۵ھ ہجری با سلیمہ سلطان بیگم کہ جنت آشیانی (ہمایوں) در حیات خود با بیرام خاں نامزد کردہ بودند عقد ازدواج اتفاق افتاد۔ بیگم طبع موزوں داشتہ مخفی تخلص میکرد۔ بعد فوت بیرام خاں عرش آشیانی (اکبر) بیگم را بہ نکاح خود آوردند۔ در سال ہفتم جہانگیری بود۔

سبحان اللہ بہ ایں قرب و منزلت و آں استقلال و اقتدار و آں ہمہ دانائی و معاملہ دانی و وفور اخلاص و عقیدت امورے چند از نیرنگی تقدیر بروجہ ظہور نقش بست۔ کہ مزاج عرش آشیانی از آں بزرگ منش منحرف گشت۔ و فی الحقیقت فتنہ سازاں حسد آگیں از ناتواں بینی و خود غرضی یکے را بصد رسانیدہ مزاج پادشاہ نوجوان را برگردانیدند و خوشامد سازاں خانہ برانداز طمع آں امیر کہن سال را از جا بردند۔

چوں بہ سکندر آباد رسید بہ ترغیب ماہم انگہ بہ شوق ملازمت مریم مکانی عنان بہ دہلی نمود ہیچ از جانب بیرام خاں غبارے بہ حاشیہ خاطر نبود۔ اگرچہ حساد و اشرار از ابتدا در فکر آں بودند کہ طرح دیگر بر روئے کار نمودہ (در) مدعایاب شوند و بہ قابو سخنے کہ موجب بے اتفاقی شود بہ حضور می گفتند خصوص ادہم خاں و مادرش ماہم انگہ اما چوں صفائی عقیدت بیرام خاں در مرآت ضمیر پادشاہی منطبع بود آں حرف ہائے بے فراغ پذیرائی نمی یافت لیکن چہ گفتہ اند

یہ جامع اوراق بیرام خاں کے عہد میں جو بہترین عہد تھا اور ہندوستان دولہن بنا ہوا تھا۔ آگرہ میں طالب علمی کرتا تھا۔

(بیرام خاں کے متعلق) جب ۹۶۱ھ ہجری میں بعضے فتنہ پردازوں نے باتیں غیر موقع ہمایوں بادشاہ کو پہنچائیں اس لئے وہ قندھار تشریف لائے وہاں پہنچکر انہیں معلوم ہوا کہ جو کچھ اُن سے کہا گیا تھا جھوٹ تھا۔ بادشاہ نے اُن پر نوازش فرمائی۔ ماچھی واڑہ کی لڑائی میں افغانوں سے خوب لڑکر غالب آئے اور سرہند وغیرہ پرگنہ جات جاگیر میں پاکر خطاب ہائے عالیہ۔ یار وفادار برادر نکو سیر اور فرزند سعادتمند سے سرفراز ہوئے۔

جمعہ ۲ ربیع الآخر ۹۶۳ھ ہجری کو جب شہنشاہ اکبر پنجاب کے مضافات قصبہ کلانور میں تخت نشین ہوئے تو بیرام خاں وکیل سلطنت ہوئے اور امور سلطنت کا حل و عقد اور سرکاری افواج کا انتظام و اہتمام اُن کے تفویض ہوا اور اُن کی رائے پر چھوڑ دیا گیا اور خطاب خان خاناں سے اُن کی ناموری کو بلند کیا گیا۔ نیز بادشاہ اُن کو خان بابا سے مخاطب کرتا تھا اور ۹۶۵ھ ہجری میں سلیمہ سلطان بیگم سے جن کی منگنی ہمایوں بادشاہ نے اپنی زندگی میں بیرام خاں سے کر دی تھی ان کی شادی ہوئی۔ بیگم طبع موزوں رکھتی تھی اور مخفی تخلص کرتی تھی۔ بیرام خاں کے انتقال کے بعد اکبر نے اس بیگم سے اپنا نکاح کر لیا تھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے ساتویں برس میں اس بیگم نے وفات پائی۔

سبحان اللہ اِس قربت و منزلت اور اس استقلال و اقتدار اور اس قدر دانائی و معاملہ دانی اور وفور اخلاص و عقیدت پر بھی نیرنگی تقدیر سے کچھ ایسی باتیں ظہور میں آئیں کہ بادشاہ کا مزاج بیرام خاں بزرگ منش کے خلاف ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فتنہ سازوں اور حاسدوں نے اپنے کمینہ پن اور خود غرضی سے ایک کی سو بنا کر نوجوان بادشاہ کو اُن کے خلاف کر دیا۔ اور خوشامدیوں خانہ برانداز طبع نے اس بوڑھے امیر کو جگہ سے ہٹا دیا۔

جب بادشاہ سکندر آباد پہنچے تو ماہم انگہ کی ترغیب سے اپنی والدہ کے دیکھنے کے شوق میں دہلی روانہ ہوئے ہیں۔ اس وقت تک بیرام خاں کی طرف سے اُن کے دل میں کوئی بات نہ تھی۔ اگرچہ حاسد اور شریر اشخاص شروع سے اس فکر میں تھے کہ کسی طرح سے بادشاہ کو لاکر اپنے مدعا میں کامیاب ہوں۔ اور گفتگو کا موقع پاکر ایسی باتیں حضور میں کہیں جو بیرام خاں سے بے اتفاقی کا باعث ہوں ان لوگوں میں ادہم خاں اور اس کی ماں ماہم انگہ خصوصیت سے پیش پیش ہیں۔ مگر کیونکہ صفائی عقیدت بیرام خاں بادشاہ کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی

کو سزا دینی چاہئے۔ اور پھر نئے سرے سے رخصت لیکر "سفر مقدس پر" متوجہ ہونا چاہئے" (ص ۱۸۳ و ۱۸۴)

پرگنہ دگدور" نواح گنا چور" ہیں کہ جنوب مشرق "جالندھر" پر تھا" دونوں چھاؤنیوں کے "دیں" طرفین کو دکھائی دینے لگے" بڑھے سپہ سالار نے "پہاڑ اور لکھی جنگل" کو پشت پر رکھکر ڈیرے ڈال دیئے۔ (ص ۱۸۶)

خافی خان "کہتے ہیں کہ ان مصنفوں نے رعایت سے بات کو چھپایا ہے" ورنہ شکست "اتکہ خان" (شمس الدین اتکہ خان سپہ سالار اکبر) پر پڑی" اور بادشاہی لشکر پریشان ہوگیا" (ص ۱۸۷)

وکیل دونوں طرف سے آتے جاتے تھے" خدا جانے تکرار کس بات پر تھی "منعم خاں" سے نہ رہا گیا۔ چند امرا اور مقربان بارگاہ کے ساتھ" بے تحاشا "خان خاناں" کے پاس چلا گیا" کمن سال سردار تھے کہنہ عمل سپاہی تھے" قدیمی رفاقتیں تھیں" مدتوں ایک جگہ رنج و راحت میں شریک رہے تھے۔ دیر تک دل کے درد کہتے رہے" ایک نے دوسرے کی بات کی داد دی منعم خاں کی باتوں سے بیرام خاں کو یقین آیا کہ جو کچھ پیام آئے ہیں۔ واقعی ہیں" ان میں فقط سخن سازی نہیں ہے۔ غرضکہ خان خاناں "چلنے کو تیار ہو گئے" (ص ۱۷۹)

جب بادشاہی خیمہ کا کلس نظر آیا تو گھوڑے سے اتر پڑے" ترکوں کے رواج کے مطابق جس طرح گنہگار کو بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں" بیرام خاں" نے آپ بکتر سے تلوار کھول کر گلے میں ڈالی" پٹکے سے اپنے ہاتھ باندھے" عمامہ سر سے اتار کر گلے سے لپیٹا اور آگے بڑھے" خیمہ کے پاس پہنچے تو خبر سنکر" اکبر" بھی اٹھ کھڑا ہوا" لب فرش تک آیا" خان خاناں" نے دوڑ کر سر پاؤں پر رکھدیا اور ڈاڑھیں مار کر رونے لگے" بادشاہ اُن کی گود میں کھیل کر پلا تھا۔ اُس کے بھی آنسو نکل پڑے" اٹھا کر گلے سے لگایا اور ان کی قدیمی جگہ دست راست پر پہلو میں بٹھایا" آپ ان کے ہاتھ کھولے" دستار سر پر رکھی" خانخاناں نے کہا" آرزو تھی کہ حضور کی نمک حلالی میں جان کو قربان کروں" اور شمشیر بند بھائی میرے جنازہ کا ساتھ دیں" حیف کہ تمام عمر کی جانفشانی۔ اور جاں نثاری خاک میں مل گئی" خدا جانے ابھی قسمت میں کیا لکھا ہے" یہ ہی شکر ہے کہ "آخیر وقت میں حضور کے قدم دیکھنے نصیب ہو گئے" یہ سنکر دشمنوں کے دل بھی پانی پانی ہو گئے" اکبر نے کہا "خان بابا" تین صورتوں میں سے جس میں آپ کی خوشی ہو" کہہ دیجئے"

(۱) حکومت کو جی چاہتا ہے تو "چندیری و کالپی" کے ضلع لیلو وہاں جاؤ اور بادشاہی کرو"

(۲) مصاحبت پسند ہے تو میرے پاس رہو۔ جو عزت و توقیر آپ کی تھی اُس میں فرق نہیں آئے گا"

(۳) حج کا ارادہ ہو تو بسم اللہ" روانگی کا سامان خاطر خواہ ہو جائے گا" چندیری" آپ کی ہو چکی" محاصل آپ کے گماشتے جہاں آپ کہیں گے وہاں پہنچا دیا کریں گے" (ص ۱۹۰)

(بقیہ نوٹ ۵ ص ۵۱) سخن در ظلم و شقاوت و قساوت "پیر محمد خاں" بود کہ معائنہ کردہ شد" اور منتخب التواریخ جلد سوم کے ص ۱۵۶ پر ہے کہ"

ملا پیر محمد خاں شیروانی "ملائے خوش فہم" عالی ادراک بود" مجلس شگفتہ داشت" باوجود آن "قاسی القلب" و ما مقید بہ اوامر و نواہی بود" از "شیروان" در "قندھار" بخدمت خان خاناں بیرام خاں" آمدہ نشو و نما یافت و بعد از فتح ہندوستان" خطاب "خانی" بعد از اں "ناصر الملکی" یافت"

و سہ و چہار سال در غایت ابہت و شوکت بود" چوں ظالم را چنداں بقائے نمی باشد" در اندک فرصت" در ولایت مالوہ" بہ آب نربدہ" فرو رفتہ" بہ فرعون" در نیل دوزخ" پیوست"

یہ ماجرا پیر محمد خاں کے ظلم و شقاوت و قساوت کا تھا جو دیکھنے میں آیا"

ملا پیر محمد خاں شیروانی "ملائے خوش فہم" اور اچھی سمجھ والا تھا" مجلس شگفتہ رکھتا تھا"

لیکن باوجود اس کے سخت دل تھا اور اوامر و نواہی سے لاپروا تھا" شیروان سے "قندھار میں "خان خاناں بیرام خاں" کی خدمت میں آکر اُس نے نشو و نما پائی" ہندوستان" کی فتح کے بعد "خطاب خانی اور اُس کے بعد "ناصر الملکی کا خطاب پایا"

تین چار سال بہت ہی باشوکت و اقتدار رہا مگر کیونکہ ظالم کچھ بقا نہیں ہوتی تھوڑے ہی دنوں میں ولایت مالوہ میں نربدا دریا میں ڈوب مرا" جس طرح کہ فرعون دریائے نیل میں ڈوب کر دوزخ میں چلا گیا"

و "شیخ گدائی" نیز عاقبت در حدود بیکانیر مفارقت کرده و شاہنشاہ از دہلی بعزیمت پنجاب بقصبۂ جھجھر رسیدہ بودند کہ ایں امارت را آوردند و مسرور ساختند۔ (۱)

آخرکار شیخ گدائی بھی بیکانیر کے حدود میں جدا ہو گئے۔ شہنشاہ پنجاب کے ارادے سے دہلی سے قصبۂ جھجھر پہنچے تھے کہ یہ سامان عمل آگیا جس کے آنے سے بادشاہ سلامت خوش ہوئے۔

و دراں منزل "شاہ ابوالمعالی" رجمایوں کا منہ بولا بیٹا، ملازمت رسیدہ، از خبط دماغ خواست کہ سوارہ در آید۔ او را قید ساختہ بہ شہاب الدین احمد خاں سپردند۔

اسی منزل میں شاہ ابوالمعالی، ہمایوں کا منہ بولا بیٹا، ملازمت کے لئے پہنچا۔ اُس نے خبط دماغ کی وجہ سے یہ ارادہ کیا کہ سواری پر ہی چلا آوے۔ اُس کو قید کر کے شہاب الدین احمد خاں کے سپرد کر دیا۔

و ہم دراں منزل "پیر محمد خاں شیروانی" کہ در گجرات انتظار موسم می بُرد، خبر برہم زدگی معاملہ یافتہ۔ و اسباب تفرقہ خان خاناں شنیدہ، رسیدہ بدولت ملازمت رسیدہ خطاب ناصر الملکی یافت۔

اور اسی منزل میں پیر محمد خاں شیروانی جو گجرات میں اچھے دن آنے کا انتظار کر رہا تھا، اُس نے برہم زدگی معاملہ کی خبر پا کر اور اسباب تفرقہ خان خاناں سن کر تیزی سے آ کر بادشاہ کی ملازمت حاصل کی اور ناصر الملکی کا خطاب پایا۔

(۱) مکرم ظرف دشمن کی طرح اُس کا پیمانہ چھوڑتے تھے۔ اس کے پیچھے چند امیروں کو فوج لیکر روانہ کیا تھا کہ جائیں اور سرحد ہندوستان سے نکال دیں۔ ملّا پیر محمد جس کو خان خاناں نے حج کو روانہ کر دیا تھا۔ وہ گجرات میں بلی کی طرح تاک لگائے بیٹھے تھے۔ اب حریفوں کے پرچے پیام پہنچے کہ جلد حاضر ہو۔ اُڑتے ہوا ہو گیا۔ اُ سے سکار کر دیا۔ سنتے ہی دوڑے۔ جھجھر کے مقام میں ہی ملازمت پائی۔ دیاروں نے انتقام دیوا کر فوج کا سردار کیا کہ خان خاناں کے پیچھے جائیں۔ اور ہندوستان سے مکہ کو نکال دیں۔ ادہم خاں ماہم کا بیٹا اور بڑے بڑے سردار اس کے ساتھ ہو گئے۔ (ص۲۰۱) دربار اکبری)

(بقیہ نوٹ ص۴۹) "شیخ گدائی" بہ کرہ اگر ارادت نمی داشت بتازگی کردشمنی برلست۔ رسالہ آورا کہ در گجرات نوشتہ بُود و برائے خود معراج نسبت دادہ۔ دعوے ہائے عریب جدت کرد۔ ساده لوحاں طلب واسرا الکام میداشہ بہ خان خاناں رسانند۔ خاطر از دا بر متغیر کردانیدند۔ و او بوسیلۂ بعضے مردم از آسیب ہائے خان خاناں نجات یافتہ بگوالیار منزوی شد۔

شیخ گدائی کو اس سے قدیمی ارادت تھی اب پھر انہوں نے اُس کی دشمنی پر کمر باندھی اور اُس کے رسالہ کو جو گجرات میں لکھا گیا تھا۔ اور جس میں اس نے لکھا تھا کہ مجھ کو معراج ہوئی ہے۔ اور عجیب غریب دعوے اُس میں سادہ لوحوں کے پھانسنے کے لئے کئے تھے۔ وہ رسالہ خان خاناں کو دکھا کر اُن کا مزاج اُس کی طرف سے متغیر کر دیا۔ وہ شیخ محمد غوث چند لوگوں کے وسیلہ سے خان خاناں کے آسیب سے نجات پا کر گوالیار چلا گیا۔

(نوٹ ۱) ملّا پیر محمد (بعد ناصر الملک) کے اکثر حالات اُوپر آ چکے ہیں۔ اب ہم اس کے ظلم و ستم یعنی مشائخ و علماء اور سادات وغیرہ کے قتل عام نیز اس کی ابتدائی حالت اور موت کا حال لکھتے ہیں۔ "منتخب التواریخ" جلد دوم کے ص۲۳ و ص۴۸ پر تحریر ہے کہ "و از دہم رجب المرجب ایں سال ۹۶۸ ہجری)

باز بہادر پسر سزاول خاں حاکم مالوہ با فیلان و حشم بسیار در مقامے کردید۔ سارنگ پور۔ استقبال ادہم خاں و پیر محمد خاں و دیگر امرائے نامدار آمدہ۔ محاربہ نمودہ شکست یافت۔ و حشم و خدم و حرم او تمام بغنیمت افتاد۔

باز بہادر پسر سزاول خاں حاکم مالوہ ہاتھیوں اور بہت سامان حشم کے ساتھ سارنگ پور سے سات کوس پرادہم خاں اور پیر محمد خاں اور دوسرے نامدار امراء کے استقبال کو آیا اور لڑ کر شکست کھائی۔ اُس کا تمام حشم و خدم معہ اُس کی حرم کے غنیمت میں ہاتھ آیا۔

روزیکہ ایں فتح واقع شد۔ ایں ہر دو سردار در منزل بودند۔ اسیراں را گرفتہ می آوردند۔ خیل خیل قتل رسانیدہ۔ از خون ہائے ایشاں سیل سیل روان۔ پیر محمد خاں خنداں بطنز میگفت کہ ایں مقتول چہ بلا گردن قوی

جس روز یہ فتح واقع ہوئی یہ دونوں سردار منزل میں تھے۔ اور اسیر جو گرفتار ہو کر لائے جا رہے تھے اُن کو قتل کرا رہے تھے جس سے خون کی ندیاں جاری تھیں۔ پیر محمد خاں نے بطور طنز ہنس کر کہا کہ یہ گردن زدنی کس قدر قوی ہیں کہ اس قدر خون ان میں سے

و بیرام خان بہ دو شاد گویان بہ مجلس آمد سرائے لائق و در کنار نسیم ـ تا از خواب غفلت بیدار شده زمانے در اسرار در حسرت کار خود باشد

اور بیرام خان نے اس کی مجلس کے خوشامدیوں کو سرائے لائق دیکھ چاہئے تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر زمانے دراز تک کف افسوس ملتے رہیں

آگے یہ صاحب دربار اکبری یہ لکھتے ہیں کہ بعض کی رائے تھی کہ بیرام خان یہ کو لوح دیگر مالوہ پر کھا جائے کہ خود وہاں چلو اور ملک تسخیر کر کے بیٹھ جاؤ پھر جب موقع ہوگا دیکھا جائے گا بعض نے صلاح دی کہ خان زمان کے پاس چلو پورب کا علاقہ اتھا ہوا ہے سے بھرا ہوا ہے۔ اُسے صاف کرو۔ اور چند روز وہاں بسر کرو۔ (صفحہ ۶۹ و ۱۸)

(۱۳) شیخ گدائی وغیرہ رفقائے صلاحیں دیں اور خان خاناں نے بھی چاہا تھا کہ آپ حضور میں حاضر ہوں۔ اور جو باتیں حرم و گناہ قرار دی گئی ہیں ان کی عذر و معذرت کر کے معافی کرے پھر اس کے رخصت ہو لیکن حریفوں نے وہ بھی نہ چلنے دی۔ انہیں ڈر ہوا کہ جب بیرم خان اکبر کے سامنے آیا اپنے مقصد کو پُراثر تقریر کے ساتھ اس طرح دلنشین کرے گا کہ جو نقش ہم نے اُس کے دلوں میں بٹھائے ہیں سب مٹ جائیں گے۔ اور وہ ہی سابق عادت کر چھپا اپنی میں ڈھا دے گا

انہوں نے اکبر کو یہ کہہ کر ڈرا دیا کہ وہ خود صاحب فوج و لشکر ہے امراء سب اس سے ملے ہوئے ہیں۔ نمک حلالوں کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ اگر وہ یہاں آیا تو خدا جانے کیا صورت ہو

— بادشاہ بھی لڑکا تھا ڈر گیا۔ اور صاف لکھ بھیجا کہ اِدھر آنے کا ارادہ نہ کرنا۔ اب حج کو جاؤ پھر آؤ گے تو پہلے سے بھی زیادہ عزت پاؤ گے اس دریا دل نے سر و چشم کہہ کر قبول کیا اور بہت خوشی سے تعمیل کی ماگور سے طوغ و علم نقارہ و فیل خانہ تمام اسباب امراء اور شوکت شاہانہ کا سامان حسین قلی بیگ اپنے بھانجے کے ساتھ روانہ کر دیا جھجر کے مقام پر بھیجا اُس کی عرضی جو مضامین پیارے اور صدق

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴۶) سفر گجرات اختیار نمود۔ در سنہ مذکور (سنہ ۹۶۶ھ) از گجرات بآگرہ آمد و پادشاه او را بعد عمر بسی تحریض و ترغیب تمام بسلسلۂ سلوک ارادت خود آورده بود لیکن بادشاه بعد ازاں بعزت و حرمت رسید و جوں محبت او بسیار خان خاناں۔ بیرام خان و شیخ گدائی درست نیامده کنج گوالیار رفت۔ یک کرور تنگہ مدد معاش داشت۔ ہر کجا میرفت جمعی کثیر از سر تعلیم و قیام مستعد میساختند جہت اہل فقرا ملامت داشتند کہ در سنہ ۹۷۰ ہجری مقصد و ہمتاد و ہشتاد و سالگی در آگرہ رحلت نمود۔ جسد او را گوالیار مدفون شد

کا سفر اختیار کیا سنہ ۹۶۶ ہجری میں وہ گجرات سے آگرہ آیا۔ اور بادشاہ کی صحبت سے بہت اچھی کرامتیں دکھا کر تحریص و ترغیب اور تمام وسیلوں اور واسطوں سے کام لیکر اُسے اپنا ارادت مند بنا لیا لیکن بادشاہ جلد اس کے پھندے سے نکل گیا" اور کیونکہ اُس کا رویہ خان خاناں اور شیخ گدائی کو پسند نہیں آیا اس لئے وہ رنجیدہ ہو کر گوالیار کو چلا گیا۔ ایک کرور تنکہ کی مدد معاش رکھتا تھا جس کو دیکھتا حتیٰ کہ کفار کی تعظیم کے لئے بھی کھڑا ہو جاتا تھا اسی لئے بعضے اہل فقر نے بھی اس کی بیہودگی پر انکار کیا ہے اور اس پر ملامت کی ہے ۔ سنہ ۹۷۰ ہجری میں اسی سال کی عمر میں آگرہ میں اس کی وفات ہوگئی اور گوالیار میں مدفون ہوا۔

منتخب التواریخ جلد سوم کے اس بیان میں کہ بادشاہ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کے اپنے سلک ارادت میں لے آئے اور پھر بادشاہ کا جلد ہی شیخ موصوف کی ارادت سے پرہیز کرنے کا حال آ چکا ہے اس لئے ہم اس کی تفصیل اکبر نامہ جلد دوم کے صفحہ ۹۸ و ۹۹ سے لیکر یہاں لکھتے ہیں جس سے کچھ معلوم ہوگا کہ یہ پیری مریدی کس قسم کی تھی۔ یعنی جس طرح بادشاہ مرید بنایا گیا اس کا بادشاہ کے دل پر کیا اثر ہوا اس کے متعلق ابوالفضل کا بیان یہ ہے کہ

در ایں ایام عزیمت صوب رو بہ قصد شکار معطوف داشتہ۔ عرصۂ گوالیار از قدوم موکب خاص سعادت اجلال داده در اثنائے شکار بعض نابکاران۔ و معربان نسبت شکار و شکار کرده عرض اقدس رسانیدند کہ ہمراه شیخ محمد غوث کہ در ہندوستان بہ شہود ہند بوده

انہیں دنوں میں شکار کی غرض سے جوب کی طرف روانہ ہو کر کچھ عرصہ میں گوالیار میں دولی افروز ہوا۔ اثنائے شکار میں بعض بروں کے بہکانے اور مصاحب شکار کرنے والوں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ شیخ محمد جو تمام ہندوستان میں مشہور ہیں

اس سعقت سلطانیہ یہی ہے کہ اجازت دے دی جائے کہ یہ قدیمی جاں نثار خانۂ خدا کو چلے جائیں۔ وہاں قائم رہ کر دعاؤں سے خدمت بجا لائیں گے۔ (ص ۱۷۸)

(۱۱) ہر حکمہ بیرم خاں کی بداندیشی اور عداوت کے ارادے بادشاہ کے دل پر ایسے نقش کر دیئے کہ اُس کا دل پھر گیا۔ اور اُس نے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ اپنی حالت کو اُن کی صلاح و تدبیر کے حوالے کر دے۔ شہاب الدین احمد خاں باہر کے کل مطلق ہو گئے۔ ماہم اندر ہی اندر منشی حکم احکام جاری کرتی تھی۔ اور مشہور کر دیا کہ خان خاناں حضور کی خفگی میں آیا۔ بات منہ سے نکلتے ہی دُور دُور پہنچ گئی۔ امرا اور ملازم دربار جو آگرہ میں تھے۔ دہلی آنے لگے۔ یہاں جو آتا شہاب الدین احمد خاں اُس کا منصب بڑھاتے جاگیریں اور خدمتیں دلواتے۔ صوبجات اور اطراف و جوانب میں جو امرا تھے۔ اُن کے نام احکام جاری ہوئے۔ شمس الدین خاں اتکہ کو بھیرہ علاقہ پنجاب میں حکم پہنچا کہ اپنے علاقہ کا بندوبست کر کے لاہور کو دیکھتے ہوئے جلد دہلی میں حاضر حضور ہو۔ منعم خاں کو بھی احکام و ہدایات کے ساتھ کابل سے طلب ہوئے۔ یہ پرانے سردار کہنہ عمل سپاہی تھے کہ ہمیشہ بیرم خاں کی آنکھیں دیکھتے رہے۔ ساتھ ہی شہر پناہ۔ اور قلعہ دہلی کی مرمت اور مورچہ بندی شروع کر دی۔ واہ رے بیرم خاں تیری ہیبت۔ (ص ۱۷۹)

(ملخص السوانح جلد دوم ص ۳۵ تا ص ۳۷)

(۱۲) یہاں خان خاناں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ شیخ گدائی اور چند اور شخصوں نے یہ رائے دی کہ حریفوں کا پتہ ابھی بھاری نہیں ہوا ہے۔ آپ یہاں سے حریفہ سوار ہوں اور نشیب فراز کا کرتے بادشاہ کو پھر قابو میں لائیں کہ فتنہ انگیزوں کو فساد کا موقع نہ رہے۔ (ص ۱۷۹ و ۱۸۰) منتخب التواریخ جلد دوم کے ص ۳۶ پر ہے کہ۔

خان خاناں در آگرہ با جمع از مخصوصان خویش کنکاش طلبیدہ

خان خاناں نے آگرہ میں اپنے ساتھ کے مخصوصوں کو صلاح و مشورے کیلئے طلب کیا۔

(بقیہ نوٹ ص ۱۷۲) ازیں سبب علماء آں عہد شیخ را گذشتند۔ وفات وے ۹۷۰ ہجری است۔ (حدیقۃ الاصفیا مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

بیہوشی میں ہوتی ہے۔ پر کہ ظاہر میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اس سبب علماء نے شیخ محمد غوث کو سرا نیچے سے یاد ہے اور اُسے چھوڑ دیا۔ اُس کی وفات ۹۷۰ ہجری میں ہو گئی۔

ترجمۂ اُردو منتخب التواریخ ص ۱۱۲ پر ہے کہ جب سلطان محمود گجراتی کے زمانہ میں شیخ محمد غوث ہندوستان سے گجرات کو گئے تھے تو شیخ علی متقی نے جو مشائخ کبار اور اُس وقت کے علمائے روزگار میں سے تھے اُن کے قتل کا فتویٰ دیا۔ سلطان نے اُس کا جاری کرنا میاں وجیہ الدین کی رائے پر موقوف رکھا۔ چنانچہ میاں وجیہ الدین شیخ کی ملاقات کو گئے اور پہلی ہی ملاقات میں ایسے اُن کے معتقد ہوئے کہ بڑے اعتقاد ہو گئے۔ اور اس فتوے کو چاک کر ڈالا۔ یہ سن کر شیخ علی ان کے مکان پر گئے اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ کر کہا کہ تم کیوں بدعت کے رواج پر راضی ہوتے ہو اور سوا میں رخنہ ڈالتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ارباب حال میں اور شیخ اہل حال ہے۔ ہماری ان کے کمالات کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور ظاہر شریعت میں کوئی اعتراض اُن پر نہیں آتا۔ غرضکہ ان کے سبب سے اور حکام بھی گجرات کے شیخ محمد غوث کے معتقد ہو گئے۔ اور شیخ نے اس آفت سے نجات پائی۔ درس کے میاں وجیہ الدین اکثر اپنی مجلس میں یہ کہا کرتے تھے کہ ظاہر شریعت میں آدمی کی نظر ایسی چاہئے جیسے شیخ علی متقی کی کیفیت ہے۔ اور حقیقت میں یہ حال چاہئے جو ہمارے پیر کی کیفیت ہے۔

اور منتخب التواریخ جلد دوم فارسی کے ص ۳۳ و ۳۴ پر ہے کہ۔ بعد از آں کہ بیرم علی بہ آگرہ آمد قلعہ چپار کہ بنام عدلی فتح در تصرف آورد۔ سید رستم تاریخ (۹۶۶ھ) شیخ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ با مریدان و معتقدان و کرو فر تمام از گجرات بہ آگرہ بہ پیر دستاویز باعتقاد درآمد و شیخ گدائی را بموجب نفاق و حسد کہ از مہد ہندوستان با ہم داشت آمدن آنجا کلی بالائے نکتہ نقش ساختن خوش نیامد

اس کے بعد جب بیرم علی آگرہ آیا۔ قلعہ چپار کہ عدلی کا علاقہ فتح ہوا۔ اپنے تصرف میں لے آیا۔ اور ۹۶۶ ہجری میں شیخ موصوف اپنے معتقدوں اور مریدوں کے ساتھ بہت کروفر کے ساتھ گجرات سے آگرہ پہنچا اور شاہ بادشاہ کا معتقد ہو گیا۔ اور شیخ گدائی کو اُس سے حسد اور نفاق پیدا ہوا کیونکہ اُمرا ہندوستان کی یہ فطرت ہے کہ اپنے آپ سے دوسرے کو بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔

(۱۰) بھانڈا یہاں سے پھوٹتا ہے کہ ۹۶۶ھ ہجری یا سنہ پانچ جلوس میں "اکبر" اور "بیرام خاں" مع دربار "آگرہ" میں تھے مریم مکانی (والدہ اکبر) دہلی میں تھیں حریف ساتھ لگے ہوئے تھے۔ اور ہر دم فساد کے منتر اس پر دم کرتے چلے آتے تھے "بیانہ" کے مقام میں یہی ذکر ایک جلسہ میں چھڑا "میرزا شرف الدین" اکبر کے بہنوئی بھی موجود تھے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اس نے (بیرام خاں نے) بندوبست کر لیا ہے "آپ کو تخت سے اٹھا دے۔ اور کامران کے بیٹے کو بٹھا دے۔

خود غرضوں کی صلاحیں ہوئیں۔ اور اکبر شکار کو اٹھا "آگرہ" سے "جالیسر" اور "سکندرہ" ہوتے ہوئے "خورجہ" ہوتے ہوئے "سرائے بگھیل" میں آن اترے "ماہم" (اکبر کی دایہ) نے راستہ میں دیکھا کہ اس وقت "بیرام خاں" سے میدان خالی ہے "بسورتی صورت بنا کر "اکبر" کے سامنے آئی۔ اور کہا کہ بیگم (والدہ اکبر) کا ضعیفی اور ناطاقتی سے عجیب حال ہے۔ کئی خط میرے پاس آئے ہیں۔ حضور کے دیکھنے کو ترستی ہیں۔ بادشاہ کو اس کا خیال ہوگا "ادہم خاں" اور اکثر رشتہ دار کہ صاحب رتبہ امیر تھے "دلی" ہی میں تھے "اس عرصہ میں اُن کی عرضیاں بھی پہنچیں۔ آخر ان کا جوشش تھا۔ بادشاہ کا دل ماں کی بیماری کا حال سنکر گداختہ گیا اور "دلی" کو چلے "شہاب خاں" پنج ہزاری امیر۔ اور "ماہم" کا رشتہ دار تھا۔ اُس کی بی بی "پاپا آغا" "مریم مکانی" کی رشتہ دار تھی "اُس وقت وہ ہی "دلی" کا حاکم تھا "جب دلی" پچیس تیس کوس رہ گئی تو وہ وہاں سے بڑھکر استقبال کو پہنچا اور بہت سے نذرانے پیش کش گذرانے اور "شہاب الدین احمد خاں" ہوگیا۔ بعد اس کے خلوت میں گیا۔ اور وہاں بھی کا ہیتی صورت بنا کر بولا "حضور کے قدم دیکھے۔ زہے طالع۔ مگر اب جاں نثاروں کی جانوں کی خیر نہیں ہے "خانان خاناں" سمجھے گا کہ حضور کا "دلی" میں آنا ہمارے اشارے سے ہوا ہے" پس جو "مصاحب بیگ" کا حال ہوا، وہی ہمارا حال ہوگا۔ محل میں "ماہم" نے یہی رونا رویا بلکہ اُس کے (بیرام خاں کے) اختیارات اور انجام کی قباحتیں دکھا کر تنکے کو پہاڑ" کر دکھایا" اور کہا کہ اگر "بیرام خاں ہے" تو حضور کی سلطنت نہیں۔ اور سلطنت تو اب بھی وہی کرتا ہے۔ سر دست تو یہ ہی مشکل ہے کہ وہ کہے گا کہ آپ، میری بے اجازت، گئے۔ اِن لوگوں کی اشارت سے گئے "آتی طاقت کس میں ہے کہ اُس کا مقابلہ کر سکے۔ یا اُس کے غصہ کو سنبھال سکے "

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۳) تھے۔ نیت خالص سے شریک ہوئے۔ اِس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اِس موقع پر اُن امور کو بھی ظاہر کر دیں۔ جن کی وجہ سے "شیخ محمد غوث" کے دل میں بیرام خاں اور شیخ گدائی کی طرف کینہ بیٹھ گیا تھا "خزینۃ الاصفیاء" کے صفحہ ۳۲۲ تا صفحہ ۳۲۴ پر ہے کہ۔

نصیر الدین ہمایوں بادشاہ "از معتقدان وے گشت۔ وے درحالت عروج حال خویش "کتابے موسوم بہ "معراج نامہ" تصنیف کردہ بود" و در آں کتاب مقامات حال عروج خود درج کردہ"

"چوں "بادشاہ ہمایوں" معزول الریاست گشت و از ہند بطرف ایران رفت۔ بعضے حاسدان "معراج نامہ" شیخ را نزد "شیر شاہ بادشاہ" بردند۔ و بعرض رسانیدند کہ وے دریں کتاب کلمات خلاف شرع تحریر فرمودہ است۔ "شیر شاہ" در پے آزار وے شد" پس شیخ از گوالیار"

بہ گجرات رفت۔ علمائے گجرات ہم۔ بہ عداوت وے برخاستند و محضرے نوشتہ بمقصد قتل وے شدند۔ دراں حال شیخ وجیہہ الدین گجراتی" کہ سر دفتر علماء و مشائخ گجرات بود۔ و بخدمت شیخ ارادت ہم داشت بعرض رسانید۔ کہ چوں مجلس علماء منعقد شود۔ و سخن در معراج افتد" غرض چوں معرکہ علماء در میان آمد شیخ فرمود کہ ایں معراج، عالم بے ہوشی است کہ ظاہر حرز فرمودہ ستم

نصیر الدین ہمایوں بادشاہ اُس کے معتقدوں میں سے ہوگیا "اُس نے اپنے عروج کی حالت میں ایک کتاب "معراج نامہ" تصنیف کی تھی۔ اور اُس کتاب میں اپنے عروج کے حال و مقامات درج کئے "

جب ہمایوں بادشاہ سلطنت سے معزول ہو کر ہندوستان سے ایران کی طرف گیا بعض حاسد "معراج نامہ" شیخ (محمد غوث) کا شیر شاہ بادشاہ کے پاس لے گئے" اور عرض کیا کہ اس نے اپنی کتاب میں خلاف شرع باتیں لکھی ہیں "شیر شاہ نے اُس کو سزا دینی چاہی تو وہ گوالیار سے گجرات چلا گیا"

علمائے گجرات نے بھی اُسکے خلاف ہو کر محضر تیار کیا اور اس کو قتل کر دینا چاہا تو یہ حال شیخ وجیہہ الدین گجراتی کی خدمت میں جو سرگروہ علماء اور مشائخ گجرات کے تھے اور شیخ (محمد غوث گوالیاری) سے ارادت رکھتے تھے۔ عرض کیا گیا کہ جب علماء کی مجلس منعقد ہو اور اُس میں اس کی معراج کے متعلق گفتگو آئے اس وقت وہ کہہ دیں۔ غرض جب یہ معرکہ علماء کے درمیان آیا۔ تو شیخ نے کہا کہ یہ معراج عالم

ملا پیر محمد کے بد میانہ سے چلکر بادہن پور میں مقام کیا۔ وہاں فتح خاں بلوچ نے ان کی بہت خاطرداری کی۔ ادھر سے ادہم خاں وغیرہ امراء کے خط پہنچے۔ کہ جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ اور انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ بیرام خاں کو ملا کے وہیں ٹھہر جانے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کئی سرداروں کے ساتھ فوج روانہ کر دی۔ ملا نے ایک پہاڑی کی گھاٹی میں تھوڑی جنگ کی۔ بیگمات کو وہاں سے فراہم ہو گئے سب مال و اسباب ان کا بیرام خانی سپاہ کے ہاتھ آیا۔ (ص ۱۴۳ و ۱۴۴)

(۵) اب وہ وقت آیا کہ خان خاناں کی ہر تجویز میں تدبیر تھی۔ بظاہر بات نظروں میں کھٹکنے لگی۔ اور ان کے حکموں پر شور و غل ہونے لگے۔ مالوہ کی مہم کا چرچا ہو رہا تھا۔ عرض کیا کہ بدولت خود جا کر اپنی جمع خاص سے اس مہم کو سر کرے گا۔ جب وہ فوج لشکر لے کر گئے تو امرائے دربار مدد کی جگہ مدعا ہی پر کمربستہ ہو گئے۔ انہوں نے اطراف کے زمینداروں میں مشہور کر دیا کہ خان خاناں پر بادشاہ کا غضب ہے۔ اس پر یہ کارروائی کی کہ بادشاہ کی طرف سے بعضے حکم لکھ کر بھیجے کہ جہاں موقع پاؤ بیرام خاں کا کام تمام کر دو۔ امرا کی ان کارروائیوں سے یہ مہم ناکام ہو گئی۔ (ص ۱۴۵)

(۶) اسی طرح بنگالہ کی مہم میں بھی دو غلے درباریوں نے دونوں طرف ملکر کام خراب کر دیا۔ اور مشہور کیا کہ خان خاناں جہاں جاتا ہے۔ جان بوجھ کر کام خراب کر دیتا ہے۔ (ص ۱۴۵)

(۷) مزید یہ صورت پیدا ہوئی کہ بادشاہی ہاتھیوں میں ایک مست ہاتھی فیلبان کے قابو سے نکل گیا اور بیرام خاں کے ہاتھی پر جا پڑا۔ اس نے اس کے ایسی ٹکر ماری کہ بیرام خاں کے ہاتھی کی انتڑیاں نکل پڑیں۔ خان خاناں نے خفا ہو کر شاہی فیلبان کو قتل کر دیا۔ (ص ۱۴۶)

(۸) انہیں دنوں میں ایک خاصہ کا ہاتھی مستی میں آ کر جمنا میں اتر گیا اور مستیاں کرنے لگا۔ بیرام خاں اس وقت کشتی میں سوار دریا کی سیر کر رہے تھے۔ ہاتھی ان کی کشتی کو دیکھ کر ٹکر مارنے کے واسطے ادھر آیا۔ یہ حال دیکھ کر کناروں سے غل اور دریا میں شور اٹھا۔ ملاح بھی گھبرا گئے۔ ہاتھ پاؤں مارتے تھے مگر دل ڈوبے جاتے تھے۔ خان خاناں کی پر عجب حالت گذری۔ سارے مہاوت نے ہاتھی کو دبا لیا اور خان خاناں کی جان اس آفت سے بچ گئی۔ اکبر نے اس لشکر کو سکر مہاوت کو باندھ کر ان کے پاس بھیج دیا۔ بیرام خاں نے اسے قتل کر دیا۔ (ص ۱۴۶ و اکبر نامہ جلد دوم ص ۸۰)

(۹) خان خاناں کے دشمن تو بہت تھے مگر۔ ماہم انگہ۔ اس کا بیٹا ادہم خاں۔ شہاب الدین احمد خاں۔ اس کا رشتہ دار اور داماد۔ اور اکثر رشتہ دار ایسے تھے کہ۔ انہیں بہر طرح کی عرض کا موقع ملتا تھا۔ اکبر۔ اس کا اور اس کے لواحقوں کا حق بھی بہت مانتا تھا۔ یہ علامہ لکھتا ہے حروف لگائی بجھائی رہتی تھی۔ اور کبھی جو ان میں سے موقع پاتا تھا۔ بات بات پہ اکساتا تھا۔ کبھی کہتے تھے کہ یہ حضور کو بچہ سمجھتا ہے۔ اور خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ بلکہ کہتا ہے کہ میں نے تخت پر بٹھایا ہے۔ جب چاہوں گا اٹھا دوں گا اور جسے چاہوں گا بٹھا دوں گا۔ کبھی کہتے کہ شاہ طہماسپ ایران کے مراسلے اس کے پاس آتے ہیں اور اس کی عرضیاں جاتی ہیں۔ فلاں سوداگر کے ہاتھ تحائف بھیجے تھے۔

درباری رقیب جانتے تھے کہ نصیر الدین ہمایوں کے وقت کے پرانے پرانے جنگ آزما کہاں کہاں ہیں۔ اور وہ کون اشخاص ہیں جن کے دلوں میں خان خاناں کی رقابت کی آگ سلگ سکتی ہے۔

تمہیں یاد ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کا دربار سے کیونکر سلسلہ ٹوٹا۔ اور وہ ان سب باتوں کو خان خاناں کے اصرار کا پھل سمجھے تھے۔ ان کے پاس خطوط بھیجے۔ اور معتقدات کے ایچ پیچ سے آگاہ کر کے برکت انفاس کے طلبگار ہوئے۔ وہ مرشد کامل تھے بہ نیت خالص سے شریک ہوئے۔ (ص ۱۴۶)

نوٹ ۱ شیخ محمد غوث گوالیاری کے متعلق مدعا کرنے کی یہ تحریر لکھی جا چکی ہے کہ تمہیں یاد ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کا دربار سے کیونکر سلسلہ ٹوٹا۔ اور وہ ان سب باتوں کو خان خاناں (بیرام خاں) کے اصرار کا پھل سمجھے تھے۔ ان کے پاس خطوط بھیجے اور معتقدات کے ایچ پیچ سے آگاہ کر کے برکات انفاس کے طلبگار ہوئے۔ [illegible]

درجہ کو پہنچ کر "وکیل مطلق ہو گئے تھے" ۳ سنہ جلوس میں بادشاہ مع لشکر "دلّی سے آگرہ کو چلے"

منتخب التواریخ میں ہے کہ "روزے درا ثنائے توجہ از دہلی" بہ آگرہ "خان خاناں" با پیر محمد خاں" شکار افگنان براہے مے آمد" مقارن ایں حال "خان خاناں" از رکاب داران خاصہ پرسید کہ "ہیچ توشہ در رکاب خانہ است۔ کہ گرسنہ ایم"۔ "پیر محمد خاں" در حال گفت کہ ما حضرے خواہد بود۔ اگر فرود آیند" کشیدہ شود" خان خاناں" بہ چشم خویش" زیر درختے فرود آمد" و سی صد کاسہ شربت" و ہفت صد چینی طعام بو قلموں" از رکاب خانہ" "پیر محمد" کشیدند" و خان خاناں" متعجب ماند" اگرچہ ہیچ ظاہر نساخت" اما در باطن او غیرتے عظیم راہ یافت" (ص ۲۶)

ایک دن دہلی سے آگرہ کو جاتے ہوئے خان خاناں۔ پیر محمد خاں کے ساتھ شکار کنان ایک جگہ پہنچے" تو خان خاناں نے خاصہ کے رکابدار سے پوچھا کہ رکاب خانہ میں اس وقت کچھ کھانے کے لئے موجود ہے" مجھے بھوک لگ رہی ہے" اس موقع پر پیر محمد خاں نے کہا کہ کھانا جو چاہیں موجود ہے۔ اگر سواری سے اُتریں تو نکلوایا جائے۔ خان خاناں مع اپنے ساتھیوں کے اُتر کر درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور تین سو پیالے شربت کے اور سات سو برتن کھانے کے پیر محمد کے رکاب خانہ سے آئے۔ جنہیں دیکھکر خان خاناں متعجب ہوا" اگرچہ اُس نے کچھ کہا نہیں" لیکن دل میں اُس کے غیرت عظیم نے جگہ پائی"

"اکبر نامہ جلد دوم ص ۵۱ پر ہے کہ "آغاز سال سوم آلہی تاریخ جلوس حضرت شاہنشاہی یعنی سال خورداد" دور اوّل کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ "درینولا کہ رایات اقبال در "حصار" بود" میاں ناصر الملک" و شیخ گدائی" نزاعی و نقاری (کینہ) بہم رسید" و چوں "بیرام خاں" رعایت احوال بسیارے نمود" جانب او گرفت۔ ناصر الملک" روزے چند" خاطر غبار آلود ساختہ" بدر خانہ دربار و حضوری) نیامد" و در اندک زمانے جمعی از نیک ذاتاں درمیان آمدہ صلح دادند"

جب بادشاہ حصار میں تھا" ناصر الملک اور شیخ گدائی" کے درمیان نزاع اور کینہ پیدا ہوا" کیونکہ بیرام خاں کو شیخ گدائی" کی رعایت احوال بہت تھی اس لئے انہوں نے شیخ گدائی کی طرفداری کی۔ ناصر الملک" تھوڑے دن معتوب رہا۔ دربار و حضوری سے محروم رکھا گیا۔ تھوڑے دنوں میں جو شخص نزاع کو پسند نہیں کرتے تھے" انہوں نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی")

منتخب التواریخ کے ص ۲۶ تا ۲۹ اور دربار اکبری میں ہے کہ "آگرہ پہنچکر" ملا پیر محمد" کچھ بیمار ہوئے۔ خان خاناں" عیادت کو گئے۔ پیر محمد کے ایک غلام دربان نے "مثل دوسرے اشراف کے جنہیں وہ روک دیا کرتا تھا" خان خاناں" کو بھی روکا اور کہا کہ جب بلائیں تب جائیے گا ملا پیر محمد" خان خاناں" کا چالیس برس کا نوکر تھا" اپنے ساتھ یہ برتاؤ دیکھکر اُس کی زبان سے نکلا کہ "بلے خود کردہ را درمان نباشد" ملا کو خبر ہوئی تو انہوں نے خود آکر معذرت کی کہ دربان آپ کو پہچانتا نہ تھا" خان خاناں نے کہا" بلکہ تم بھی" اس پر بھی یہ ہوا کہ "خان خاناں" تو اندر گئے۔ مگر خان خاناں کے ملازموں میں سے۔ سوائے طاہر محمد سلطان میر فراغت کے" کہ اُس نے بھی بڑی دھکا پیل سے اپنے آپ کو اندر پہنچایا" اور کوئی بھی اندر نہ جا سکا" خان خاناں" تھوڑی دیر بیٹھکر گھر چلے آئے"

اس واقعہ کے دو تین دن کے بعد "خواجہ امینا" جو آخیر میں "خواجہ جہاں" ہو گئے۔ اور "میر عبداللہ بخشی" کو "خان خاناں" نے "ملا پیر محمد" کے پاس بھیجکر کہلایا کہ "تمہیں یاد ہوگا" بغل میں کتاب لئے ہوئے۔ طالب علمی و نامرادی کی وضع سے تم "قندھار" میں آئے تھے۔ ہم نے تم میں قابلیت دیکھی اور اخلاص کی صفتیں پائیں۔ اور خدمت بھی تم سے اچھی بن آئی" چنانچہ بدترین درجہ فقر و طالب علمی سے "عرش المراتب خانی و سلطانی" اور درجہ امیر الامرائی" تک پہنچایا۔ مگر تمہارا حوصلہ" دولت و جاہ کی گنجائش نہیں رکھتا" خطر ہے کہ کوئی ایسا فساد نہ اٹھاؤ جس کا تدارک مشکل ہو جائے" ان مصلحتوں پر نظر کرکے چند روز یہ غرور کا اسباب تم سے الگ کر لیتے ہیں۔ تاکہ بگڑا ہوا مزاج۔ اور مغرور دماغ ٹھیک ہو جائے۔ مناسب ہے کہ "علم و نقارہ" اور اسباب حشمت" سب سپرد کر دو۔ ملا کی مجال نہ تھی جو انکار کرتا" ناچار اُسی وقت سب حوالے کر دیا" اور وہ ہی ملا پیر محمد" رہ گیا۔ جو کہ پہلے تھا" پہلے اُسے "قلعہ بیانہ" میں بھیجا" اور چند روز کے بعد "براہ گجرات" "مکہ معظمہ" روانہ کر دیا۔ اُس کی جگہ حاجی محمد سیستانی" بادشاہ کے اُستاد کو "وکیل مطلق کر دیا" بادشاہ نے یہ سنکر رنج کیا مگر کچھ نہ کہا"

اب بیرام خاں نے سب کی حوصلہ افزائی کی اور سب کو تسلی آمیز فرمان جاری کر ملایا۔ جب تردی بیگ آیا تو اُسے دوسروں کی عبرت کے لئے قتل کرا دیا۔ اس کے بعد ہیموں کی فوج کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دیدی۔ ہیموں کو گرفتار کر لیا اور تمام باغیوں کو تہ تیغ کر کے تمام ہمایوں کی سلطنت کو پھر ہندوستان میں قائم کر دیا۔ (کتاب محمد بیرم خاں ترکمان۔ مطبوعہ آگرہ اخبار پریس آگرہ۔

(مؤلف حکیم علی کوثر چاند پوری۔ نیم گنج بھوپال)

ہمایوں کے ساتھ خاص تعلق اور وابستگی رکھنے کے باعث شیر شاہ کے سلطنت پر قابض ہونے کے زمانے میں شیخ گدائی گجرات میں جا کر مقیم ہو گئے تھے۔ اور اکبر کی تخت نشینی کے سال میں آپ ہیموں سے لڑائی اور اُس کی گرفتاری سے پہلے ہی ۹۶۳ھ میں گجرات سے دہلی تشریف لے آئے تھے اور آپ کا تقرر صدارت کے عالی شان عہدے پر کر دیا گیا تھا۔

(اورینٹیل کالج میگزین لاہور ماہ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۹)

دربار اکبری کے صفحہ ۱۶۵ پر ہے کہ ہیموں جب اکبر کے سامنے لایا گیا تو شیخ گدائی نے اکبر سے کہا کہ جہاد اکبر کیجئے اور اکبر کی مرضی پا کر پہلے بیرام خاں نے بیٹھے بیٹھے ہیموں پر تلوار کا وار کیا۔ دوسرا وار شیخ گدائی نے کیا۔

اور صفحہ ۱۷ پر ہے کہ ”فرسکندر دیر و رنگ کے ساتھ دلی پہنچ کر بیرام خاں نے ادھر اُدھر فوجیں مختلف مقامات پر شروع کر دیئے۔ اکبر کی بادشاہی اور بیرام خاں کی سربراہی تھی۔ دوسرے کا دخل نہ تھا۔ شکار کو جانا شکار گاہوں میں رہنا محل میں کم جانا اور جو کچھ ہو بہ اجازت خانخاناں۔ امرائے اکبر و باری بیرام خاں کے ان بالیاقت اختیاروں کو نہ دیکھ سکے۔ سب کو اُن کے پیچھے چلنا پڑتا تھا۔ اس لئے انہوں نے چغل خوری کی باتوں پر بادشاہ کو بھڑکانا شروع کیا اور اُس کے خلاف خفیہ کارروائیاں شروع کر کے جان و آبروئی کی فکر میں رہنے لگے۔“

(۱) اکبری لشکر میں جب قلعہ مانکوٹ کو گھیرے ہوئے تھا خان خاناں کے قتل کا غلغلہ ہوا تھا جس کی وجہ سے دو سوار بھی ہیں جو دیکھے اکبر تو دو ہاتھی منگائے اور اُن کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگا۔ دونوں لڑتے ہوئے بیرام خاں کے خیمہ پر آن پڑے اور اُن کی جان مشکل بچی۔ بیرام خاں کو شہاب الدین محمد اتکہ خاں کی طرف خیال ہوا کہ اس نے بادشاہ کے کچھ کان بھرے ہوں گے۔ بیرام خاں نے بادشاہ کو ماہم انگہ کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ اپنی دانست میں میں نے کوئی خطا نہیں کی۔ اگر اس خیر اندیش کی کوئی بات خلاف واقعہ حضور تک پہنچی ہے تو ارشاد ہو تدارک اس کا عذر کرے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بیرام خاں کے خیمہ پر ہاتھی ہُول دئے۔ (صفحہ ۱۷۱)

(۲) ہمایوں نے اپنے مرنے سے پہلے اپنی پھوپی زاد بہن سلیمہ سلطان بیگم کی نسبت بیرام خاں سے ٹھہرا دی تھی اکبر نے ۹۶۴ہجری میں ”دلی یا جالندھر“ کے مقام پر عقد کر دیا۔ اس شادی کے لئے بیگمات نے بڑی تاکید کے ساتھ صلاح دی تھی لیکن بخاری اور ماوراء النہری ترک امراء اس مواصلت سے ناراض ہوئے اور کہا کہ یہ ہماری شہزادی ایرانی ترکمان اور نوکر کے گھر میں جائے۔ ہمیں گوارا نہیں۔ ملا پیر محمد نے بھی اس آگ پر خوب تیل ٹپکایا۔

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی فرماتے ہیں کہ۔ ایرانی و تورانی کا جھگڑا اور شیعہ سنی کا فسانہ اسی رشک تصرف بیرام خاں کے سبب اور امتیاز کا تھا۔ آل بابر اور آل تیمور کی آنکھیں پیدا نہ تھیں۔ بابر کا جو پشتوں کا ملک برباد کیا ہندوستان میں آ کر پڑے کے ایسے خیر خواہ بن گئے اور بیرام خاں بھی کچھ نیا امیر نہ تھا۔ پشتوں کا امیر زادہ تھا اور اُس کی ننھیال کا خاندان تیموری سے رشتہ تھا۔ (صفحہ ۱۷۱ و ۱۶۹)

(۳) مصاحب بیگ پسر خواجہ کلاں بیگ کو ایک مصلحہ جرم پر خانخاناں نے مروا دیا۔ گو اس قتل کے بانی ملا پیر محمد تھے مگر امرا نے بدنامی کا شیشہ بیرام خاں کے سر پر پھوڑا۔ (صفحہ ۱۶۲) (دربار اکبری)

(۴) مصاحب بیگ کی رگ ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی کہ ایک شعلہ اور اٹھا۔ ملا پیر محمد اب بڑھتے بڑھتے امیر الامراء کے

ڈیڑھ ماہ کے بعد "بابر" کی بڑی بہن "خانزادہ بیگم" کو ہمراہ لیکر "قندھار" جس کا "ہمایوں" نے محاصرہ کر رکھا تھا آ گئے۔ ان کے آنے کے بعد "مرزا عسکری" مجبور ہو گیا۔ اور "خانزادہ بیگم" کی امان میں قلعہ سے باہر آ گیا۔ "بیرام خاں" نے اس کی گردن میں تلوار ڈالکر "ہمایوں" کے دربار میں پیش کیا۔

ہمایوں نے وعدے کے مطابق قلعہ "شاہ طہماسپ" کے بیٹے کو دیدیا۔ اور چند دنوں کے بعد اسے بقوت لیکر "بیرام خاں" کے سپرد کر دیا۔ جسے انہوں نے نہایت مستحکم کر لیا۔ سنہ ۹۶۱ ہجری میں "ہمایوں" لوگوں کے بہکانے سے "قندھار" آیا تو "بیرام خاں" نے قلعہ سے باہر آ کر اس کا استقبال کیا اور تحائف پیش کیے۔ "ہمایوں" پر مفسدہ پردازوں کی شرارت ظاہر ہو گئی۔ مگر جب وہ "بیرام خاں" کا "قندھار" سے ہٹایا جانا خلاف دانشمندی سمجھ کر تنہا واپس جانے لگا۔ تو "بیرام خاں" کے اصرار پر اس نے "بہادر خاں" کو حاکم داور بنا کر امداد پر متعین کر دیا۔

سلیم شاہ کی وفات کے بعد پٹھانوں میں نفاق ہو جانے کی وجہ سے سنہ ۹۶۲ ہجری میں "ہمایوں" نے "ہندوستان" کا قصد کیا۔ اس وقت "بیرام خاں" اجازت لیکر اپنی فوج کے ساتھ اس کے لشکر سے آن ملے۔ "دریائے سندھ" سے پار اتر کر "ہمایوں" نے انہیں "سپہ سالاری" کا منصب عطا کیا۔ اور "صوبہ قندھار" کو ان کی جاگیر قرار دیا۔ "ماچھی واڑے" میں "تین ہزار افغانوں" کو "بیرام خاں" نے مار کر بھگا دیا۔ تو انہیں "سرکار سنبھل" جاگیر میں دی گئی۔ "دہلی" پر قبضہ کے بعد "تمام امراء" کو "بیرام خاں" کی تجویز سے انعام عطا ہوئے۔ اور خود ان کو "صوبہ سرہند" جاگیر میں ملا۔ کیونکہ وہاں انہوں نے زبردست فتح حاصل کی تھی۔

سنہ ۹۶۳ ہجری میں "ہمایوں" نے "اکبر" کا اتالیق بنا کر "بیرام خاں" کو "سکندر سور" کے مقابلہ میں "سرہند" کو روانہ کیا۔ "بیرام خاں" نے "سکندر" کے اسی ہزار افغانوں کو شکست فاش دیکر بہت مال و ہاتھی و گھوڑوں پر ان کے قبضہ کر لیا۔ اس فتح کی مسرت میں "ہمایوں" نے "بیرام خاں" کے خطابات پر "خان خاناں" "یار وفادار" اور "ہمدم و غمگسار" کے الفاظ اضافہ کئے۔ اور ان کے تمام ملازمین کے نام شاہی دفتر میں داخل کر کے "سنبھل" جاگیر عطا کی۔ "دہلی" پر قابض ہونے کے بعد جو فوج پٹھانوں کے استیصال کی غرض سے "ہمایوں" نے "اکبر" کے ساتھ "بیرام خاں" کی اتالیقی اور سپہ سالاری میں روانہ کی تھی۔ "ہریانہ" کے حدود میں اسے "ہمایوں" کے انتقال کی خبر ملی۔ "بیرام خاں" نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا۔ اور پیش قدمی روک کر "کلانور" چلے گئے۔ جہاں انہوں نے سب کی تشفی کر کے اور شاہانہ دربار کر کے ۲۷ جمادی الثانی سنہ ۹۶۳ ہجری کو تیرہ سال کی عمر میں "اکبر" کے سر پر تاج شاہی رکھا۔ اور جن سرداروں کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ تھا اور وہ دربار میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ انہیں مشورے کے بہانے سے بلا کر قید کر لیا۔

"اکبر" کی تخت نشینی کے بعد "ہیموں بقال" وزیر "سکندر شاہ سوری" "آگرہ" پر قبضہ کر کے "دہلی" پر بڑھا۔ تو وہاں کے گورنر "تردی بیگ" نے شکست کھائی۔ "علی قلی خاں" "میرٹھ" میں تھا۔ وہ مقابلہ کو بے سود سمجھ کر "نوشہرہ" چلا گیا۔ "اکبر" اور "بیرام خاں" اس وقت "جالندھر" میں تھے۔ اور "پنجاب" کے سوا تمام صوبوں پر "افغانی" اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ اس لئے بڑی پریشانی پھیلی۔ لیکن "بیرام خاں" نے "اکبر" کو مطمئن کر کے اور امرائے دولت کو جمع کر کے ان کی رائے لی۔ کیونکہ "دشمن" کا لشکر ایک لاکھ سے زائد تھا اور یہاں کل فوج بیس ہزار تھی۔ اس لئے سب کی رائے ہوئی کہ اس سال "کابل" چلیں۔ اگلے سال پھر آ جائیں گے۔ "بیرام خاں" نے ان سے کہا کہ "دوستو! خدا کے لئے ہمت مت ہارو۔ مرد بنو۔ تم بھاگ گئے تو کس کو منہ دکھاؤ گے۔ سب کہیں گے۔ ایک لڑکے کو (اکبر کو) میدان میں چھوڑ کر بھاگ آئے۔" "اکبر" نے کہا "خان بابا! آپ مختار کل ہیں۔ جو مناسب مصلحت ہو وہ کریں۔" اس وقت "اکبر" نے "بیرام خاں" کے خطابوں پر "خان بابا" کے القاب کا اضافہ کر کے اور اتالیقی و سپہ سالاری پر "وکیل مطلق" کا عہدہ زیادہ کر کے اپنے "معاملات ملکی و مالی" کو ان کے سپرد کر دیا تھا کہ "جس کام کو تم مناسب سمجھو اور حکومت کا فائدہ اس میں دیکھو۔ میری اجازت کے منتظر مت رہو۔" "بیرام خاں" کو لوگوں کی خصومت کے خطرات سے مطمئن کرنے کے لئے "عہد و پیمان" بھی کئے۔

اور اپنی طبیعت سے اُس کے دو معنی نکالے ہیں جو کسی طرح بھی اُس سے پیدا نہیں ہوتے یعنی بیرام خاں کو جو شیعہ مذہب رکھتے تھے سنی علماء سے محبت نہ رکھنے کا طعنہ دیا گیا ہے۔ جسے شیخ گدائی کے پڑھنے پر واضح قرار دیکر اور اپنے حسب منشاء مطلب نکال کر اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ جس میں صداقت کا شائبہ تک نہیں ہے بلکہ سراسر دھوکے میں ڈالنے والی ہے۔

اس لئے اصلیت اور حقیقت کے اظہار کے لئے بیرام خاں خانخاناں کے حالات اور اُن کے حاسدوں کی کینہ توزیوں اور سازشوں کے واقعات کو پیش کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ ان حالات و واقعات کو سامنے رکھکر صحیح فیصلہ کیا جا سکے۔

بیرام خاں کے حالات اور اُن کے خلاف حاسدوں کی سازشیں

بیرام خاں بدخشاں میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے انتقال کے بعد بلخ میں تحصیل علم کی۔ بیرام خاں کا خاندانی رشتہ تیموری خاندان سے بھی تھا۔ سولہ سال کی عمر میں کابل آکر شاہزادہ ہمایوں کی ملازمت کی۔ ہمایوں نے اُس کی قابلیت دیکھکر ہی مہرداری کی عظیم خدمت اُس کے سپرد کر دی۔ ۹۴۶ ہجری میں شیر شاہ سے دوسرے مقابلہ میں جب ہمایوں کو ایسی شکست ہوئی کہ پریشانی میں ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی تو آپ نے میاں عبد الوہاب کے پاس جن سے خاص اتحاد تھا سنبھل جا کر پناہ لی۔ نصیر خاں حاکم سنبھل نے آپ کو قتل کرنا چاہا مگر عیسیٰ خاں مسند عالی جو اس وقت سنبھل آئے ہوئے تھے۔ اور میاں عبد الوہاب کے دوست تھے انہوں نے میاں صاحب کے کہنے سے آپ کی جان بچالی۔ اسی دوران میں عیسیٰ خاں اور آپ مالوہ جا کر شیر شاہ سے ملے۔ تو ان کی سفارش سے شیر شاہ نے بھی ان کی جان بخشی کر کے ابو القاسم حاکم گوالیار کے پاس اس رتبے کی امارت دیدی۔ شیر شاہ آپ کی بہت قدر کرتے تھے لیکن ہمایوں کی محبت کی وجہ سے مع ابو القاسم کے برہان پور کے قریب سے آپ گجرات کی طرف بھاگے۔ مگر شیر شاہ کے ایلچی کے ہاتھوں جو گجرات سے آرہا تھا دونوں گرفتار ہو گئے جس نے آپ کے دھوکے میں ابو القاسم کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد آپ گجرات پہنچے۔

شیخ گدائی جو اس وقت گجرات میں مقیم تھے انہوں نے بیرام خاں کے ساتھ بہت سلوک کیا۔ اور انہیں بآرام ہمایوں کے پاس بھیج دیا۔ (مؤلف)

محرم ۹۵۰ ہجری کو دریائے سندھ کے کنارے قصبہ جون میں ہمایوں جو ارغونیوں سے لڑ رہا تھا اور سخت دل برداشتہ قندھار جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ بیرام خاں پہنچ گئے۔ ہمایوں اور اس کے لشکریوں کو آپ کے آجانے سے بہت تقویت اور خوشی ہوئی۔ اب ہمایوں بجائے قندھار کے بیرام خاں کی رائے سے ایران کو روانہ ہوا۔ جب کوئی شہر درمیان آتا تو بیرام خاں بڑھکر وہاں کے حاکم سے ملتے اور اس طرح کی باتیں کرتے کہ ہر جگہ ہمایوں کا شاندار استقبال کیا جاتا۔ قزوین سے آپ ہی شاہ طہماسپ کی خدمت میں ہمایوں کا خط لے گئے اور ایسی وکالت کی جس سے شاہ بہت متاثر ہوئے۔

ایران میں قیام کے زمانے میں ہر کام بیرام خاں کی رائے سے کیا جاتا تھا۔ شاہ ایران اُن پر ایسا مہربان تھا کہ اُس نے انہیں خان کا خطاب اور جھنڈوں کا مرتبہ عنایت کیا تھا۔

۹۵۲ ہجری میں جب ہمایوں قندھار کو میرزا عسکری کے مقابلہ ایرانی فوج کے ہمراہ روانہ ہونے لگے تو شاہ طہماسپ نے بیرام خاں کو روکنا چاہا مگر ہمایوں سے جدا ہونا آپ نے پسند نہیں کیا۔ اور ہمایوں کے لئے اپنے وطن و قوم کو چھوڑ دیا۔

ہمایوں نے آپ کو ایلچی بنا کر کابل بھیجا۔ راستہ میں قوم ہزارہ نے آپ کو روکا مگر آپ ان کو شکست دیکر کابل پہنچ گئے۔ اور وہاں میرزا کامران کو تحفے پیش کئے اور اس سے خلوص و محبت کی باتیں کیں۔ پھر میرزا ہندال و میرزا سلیمان و یادگار ناصر میرزا و الغ بیگ میرزا۔ اور اکبر سے ملے۔

ان میں ایک الزام کو بشدّ و مد بیان کیا گیا ہے کہ "مردم فاضل۔ قابل۔ با حسب و نسب" کے موجود ہوتے "خانخاناں نے "شیخ گدائی کنبوہ کو" صدر الصدور" کے منصب جلیلہ پر کیوں مقرر کیا"۔ شیخ گدائی مذکور "قوم کنبوہ کے نامور شخص" شیخ جمالی" کے لایق فرزند تھے" ان کا "ہندی الاصل" ہونے کے باوجود "سادات اور دیگر عربی النسل" افراد کے مقابلہ میں "منصب صدارت پر" جو "عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص تھا" فائز ہونا۔ اُس زمانہ کے خیالات کے اعتبار سے قابلِ مواخذہ سمجھا گیا"۔ فرمان مذکور کے چند فقرات ملاحظہ ہوں"

"خانخاناں بداند کہ چوں اُو پرورد‌ۂ نعمت و تربیت کردہ عنایت و عاطفتِ ایں دودمان عالیشان است" و حقوق خدمات شایستہ اُو۔ دریں درگاہ ثابت است" و حضرت جنّت آرام گاہ طیب اللہ ثراہٗ" (یعنی بادشاہ ہمایوں)

"اُو را امرِ عظیم القدر اتالیقی ما الذی یعنی فرمودند۔ تا آنکہ دریں پنج سال چندیں اُمورِ ناشایستہ از وے بظہور آمد۔ کہ سبب تفرقۂ خاطر جمہور بودہ۔ مثل تربیت "شیخ گدائی" کہ باوجود آں ہمہ بیرکی و دانائی۔ از میان ایں ہمہ مردم فاضل و قابل با حسب و نسب بجہت آشنائی خود انتخاب نمودہ" و با آنکہ متعہد" منصب صدارت" شدہ بود" و در نظر مناشیر مُہری کردہ" و اُو را از تسلیم معاف داشتہ بود" بکمال جہل و نادانی" در محافل جنت مماثل۔ اُو را بر جمیع سادات "صحیح النسب" و علمائے جلیل الحسب" کہ بنا بر ملاحظہ عظمت و شان و حالت مراسم احترام و تعظیم بجا می آوردیم" تقدیم دادہ" باوجود لافِ محبّت و دوستداری" کہ بخاندان طیبین و طاہرین" می زد" مذلت و خواری" ایں طبقہ شریفہ را۔۔۔ می نمود الی آخرہٖ"

کسی "زمیری" کے نسب کے متعلق ایسے طعن آمیز الفاظ میں ذکر نہیں کیا جا سکتا تھا" اکبر نامہ" کے ایک "انگریز مترجم" مسٹر ایچ بیورج" فرمان مذکور کی نقل درج کرنے کے بعد حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ۔
"شیخ گدائی کے باپ" شاعر اور "دہلی" کے اکابر سے تھے" لیکن تمام کنبوہ" چونکہ اصلاً ہندو تھے۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ ایلیٹ جلد اوّل ص۳) اور اِس وجہ سے "سادات" اُن کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے"
(ترجمہ اکبر نامہ بزبان انگریزی۔ جلد سوئم۔ حاشیہ ص۱۶۲) "ص۲۳۵ و ۲۳۴)

مؤلف صاحب کے اِس بیان پر ہمیں یہ بتانا ضروری ہے کہ "انہوں نے "بیرام خاں" نائب السلطنت اور اتالیق شاہنشاہ اکبر کے موسومہ فرمان کا جو بہت طویل ہے" یہاں صرف وہ ٹکڑا پیش کیا ہے۔ جس میں "شیخ گدائی" کا ذکر ہے" اور "بیرام خاں کے دیگر ساتھیوں کے متعلق اِس فرمان میں جیسی کچھ گل افشانیاں کی گئی ہیں" اُنہیں بالکل چھپا لیا ہے" ظاہر ہے کہ "کسی مضمون یا واقعہ کے صرف ایک حصّہ کو سامنے لانے اور دوسروں کے اخفا کر لینے سے" نہ تو صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں اور نہ اُن سے ٹھیک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے" اِسلئے واقعات پر پورا عبور حاصل کرنے کے لئے اِس فرمان کی جس میں "بیرام خاں" کی مشہور نام خیرخواہیوں اور جاں نثاریوں پر "حسد پیشہ اور کینہ پرور تعصبیوں کی وجہ سے پانی پھیر دیا گیا ہے" پوری نقل کرنے کے ساتھ "اُن سازشوں" مکاریوں اور اُن واقعات کا حال بتانا بھی "مؤلف صاحب کے فرائض میں داخل تھا" جن کی بنا پر یہ فرمان" نافذ ہوا تھا جس میں "بیرام خاں" کے تمام ساتھیوں پر بھی خوب خوب جلے پھپھولے پھوڑے گئے ہیں"
مگر جب انہوں نے اپنے مقصد کے مدِّ نظر اِن سب باتوں کو معرضِ خفا میں رکھنا ضروری خیال کر کے" فرمان کا صرف ذرا سا ٹکڑا ظاہر کیا ہے"

ایسے موقع پر اِس شاخسانے کو کھڑا کرنے سے جو مطلب "ابوالفضل وفیضی" کا تھا وہ "رسالہ شہباز خاں" کے اقتباس سے بخوبی ظاہر ہو چکا ہے "یہ کہ سب سادات ومشائخ نے جو دین الٰہی کو قبول کر لیا۔ مگر "نواب شہباز خاں" نے جو حکم اُولو الامر کی پیروی نہیں کی" یعنی دین الٰہی کی مخالفت میں بادشاہ کی ناراضی اور اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی۔ اُس کا اُن سے بدلہ لیا جائے" اور بن پڑے تو اُن کی ترقی کو روکا کر اپنے دل کے اُس ناسور کا جو "نواب شہباز خاں" نے ڈال دیا تھا" تھوڑا بہت اندمال کریں" لیکن جب اِس مکّارانہ چال میں "ان فرشتگانِ دین الٰہی کو بے طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا" اور بڑی بھاری خفّت حاصل ہوئی" تو کوئی جائے گریز نہ پا کر ابوالفضل کو "نقیب خاں" اور دوسرے مورخوں کی اِس رائے کی کہ "نواب شہباز خاں" کا نسب نامہ "اکبر نامہ" میں درج کیا جائے۔ تاکہ زمانہ میں یادگار رہے۔ اور لوگوں میں اختلاف نہ رہے" بجبوراً اُس وقت تائید کرنی پڑی" اور پھر اُس سے کوئی غرض نہ رکھی" رسالہ نواب شہباز خاں میں یہ بھی تحریر ہے کہ "نقیب خاں" مع دوسرے مورخوں کے اِس کام پر مامور ہوئے۔ اور "نواب صاحب کا "نسب نامہ" بادشاہ کے سامنے گذرانا" یہ نسب نامہ وہی ہے جو "سلسلۂ عالیہ" اور "المشاہیر" میں درج ہے" اور جس سے مؤلف امرو ہوی واقف ہیں" اِس لئے اُسے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں"

"نواب شہباز خاں" اور "شاہنشاہ اکبر" کی اُس گفتگو کو سامنے رکھنے سے جو "دین الٰہی اکبر شاہی" کے متعلق اِن دونوں میں ہو چکی تھی" یقینی طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ "اِس شاخسانے کا جال" جو "نواب صاحب" کے نسب میں التباس پیدا کر کے اُن کے نسب کے متعلق کھڑا کیا گیا تھا" نواب صاحب" کے اُس کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دینے کے بعد "شاہنشاہ اپنے واقعات کے ضمن میں "کسی کتاب میں بھی لکھے جانے کو پسند نہیں کر سکتے تھے" اور "ابوالفضل" تو اپنی ناکامیابی یا شکست فاش کی ذلت کو "کسی نہج بھی" اپنے قلم سے منظرِ عام پر نہیں لا سکتا تھا" اِس لئے یہ معاملہ جہاں کا تہاں ختم کر کے اُس کے متعلق خاموشی اختیار کر لی گئی" اور بجائے اس واقعہ کے لکھنے کے "ابوالفضل" نے اپنے دل کی بھڑاس "اکبر نامہ" میں نواب شہباز خاں" کے متعلق فقرات ذیل لکھ کر نکالی ہے"

نواب شہباز خاں کے متعلق ابوالفضل کی بھڑاس

مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۵۹۹ و ۶۰۰ پر تحریر ہے کہ۔

"شیخ ابوالفضل" در حق اُو مے نویسد" کہ در ہر گونہ پرستاری وسربراہی سپاہ "کم ہمتا بود" اگر تقلید پرستی واشتے (نسخہ بدا شتے" و در بعضے نسخہ نداشتے") وزبان را بہ ہنجار بر کشودے" طراز فرو مہیدگی برگرفتے" (اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۵۲۸)

شیخ ابوالفضل" نے (اکبر نامہ میں) اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر طرح سے وفاداری سے خدمت کرنے اور سربراہی سپاہ میں وہ "بے نظیر تھے" اگر اسلام سے ترک تعلق کر لیتے اور دین الٰہی قبول کر لیتے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتے (یعنی دین الٰہی اور اُس کے پرستاروں کی زجر و توبیخ نہ کرتے) تو بہت ترقی کرتے"

ابوالفضل کے اِن فقرات کو بار بار پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ اُس نے "نواب شہباز خاں" زبیری کنبوی" کے متعلق کیا لکھا ہے وہ اُن میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں نکال سکا" اور اُن کے نسب کے بارے میں ایک حرف تک نہیں لکھ سکا ہے" وہ اُن کی "وفاداری" "مردانگی اور شجاعت" "نیز فوجی قابلیت کو بے نظیر بتانے کے ساتھ "دین اسلام سے وابستگی اور جان نثاری کو بُرا بتاتا۔ اور انہوں نے "دین الٰہی اکبر شاہی" کی جس طرح مخالفت کی تھی۔ اُس پر اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑتا ہے" جاننا چاہئے کہ "اکبر اور اُس کے فرستوں" نے "اپنی ایجاد" یعنی "دینِ الٰہی اکبر شاہی" کے مقابلہ میں "دین اسلام کا نام "تقلید" رکھا تھا۔ اور مسلمانوں کو وہ تقلید پرستوں کے نام سے موسوم کرتے تھے" علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ"

تخم الحادے کہ اکبر پرورید ۔۔۔ باز اندر صورتِ دارا دمید

یعنی بے دینی اور لامذہبی کا جو بیج "اکبر" نے بویا تھا۔ دارا شکوہ ابن شاہجہاں کی شکل میں وہ پھر اُگ آیا"

خان مذکور بحیثیت پادشاه عصر را برین معنی مقید گردانیده که تمام مورخان هندوستان و عرب و عجم را بحضور طلبیده وجه تسمیه کمبو را تحقیق نمایند تا که شهباز خان مستقل نباشد زیرا که فرزندان محمد عربی سر اطاعت برای درگاه عالی نهاده فرمانبردار اند تا اینکه او دست در اصل و نسب در هند و سند و عراق و عرب اشتهار تمام دارند و حلقه بگوش ایسر پادشاه اند مگر شهباز خان کمبو که بتقوی و دینداری نقشبندی حکم اولی الامر بجان قبول ندارد. این کمبو را در میان خواص و عوام منفعل باید گردانید. تا بیج احاسے بحضور پادشاه به اصالت و نجابت و دینداری خود مغرور نباشد و تفاخر نکند و سعادت دارین در اطاعت پادشاه داند و سرکشی نکند که دولت و دین سراست و کشایش برین دراست. بگفته شیخ ابوالفضل علامی پادشاه جهان پناه امر فرمود که مورخان و دوربینان را در حضور حاضر سازند که وجه تسمیه شهباز خان کمبو را تحقیق نمایند که اصل و فرع این قوم از کجا است. مورخان تواریخ حاضر آمدند و با خود تحقیقات وجه تسمیه این قوم میکردند و مکارم اخلاق و محاسن صفات شهباز خان شناختند و با خود میگفتند که اکثر دولتمندان حال و استقبال عمل ظاهری و باطنی شهباز خان را دستور العمل خویش گردانند بیشک نیک نامی دنیا و نجات عقبی یابند. اما این خلعت بیداری و جامه جوانمردی بر قد شهباز خان دوخته اند و بر قامت دیگر دولتمندان راست نیاید زیرا که از شهباز خان دیگرے را قدرت و یارائے این معنی نیست که بحضور پادشاه با جاه و جلال کلمات دین با کمال نصائح بر زبان حال متوانند گفت مگر آنکه ترس جان و تلف خانمان بخاطر نداشته باشد و خان مذکور در جان باختن و دولت انداختن هیچ باکے در دل ندارد. و دینداری برین مرد بزرگ مسلم و مورخان را وجه تسمیه قوم او تحقیق نمودن و نسبت رسانیدن لازم است زیرا که بعد قرن ها این چنین سعادتمند و دولتمند دیندار هم میرسد. باوجود آنکه حکم پادشاه جهان پناه درین مذکور جاهلان کم بدنمال صفت و فاسقان صلاح صورت درین محفل می نمایند زیرا که بسیار فضلا دنیا پرست و دولتمندان هوا پرست را از راه بردند و بکلمات غرض آمیز و نکتهائے سحر انگیز فریفته از مطلب اصلی میدارند که ظاهر است. از اولیا سے مانند و در باطن شان هیچ تعلق نیست. بنا برآن دولتمندان

کو اس بات پر آمادہ کیا کہ "تمام مورخ ہندوستان عرب و عجم" کو طلب کر کے "کمبوہ" کی وجہ تسمیہ کی تحقیق کی جائے۔ تاکہ شہباز خاں مستقل نہ ہو سکے۔ کیونکہ اولادِ رسول صلعم نے "سر اطاعت" اس درگاہِ عالی پر رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ تمام "ہندوستان و عراق و عرب" میں مشہور ہے کہ "بادشاہ کے حلقہ بگوش ہیں" لیکن "شہباز خاں کمبوہ" طاقت اور غرور کی وجہ سے "حکم اولوالامر" کی پیروی نہیں کرتا۔ لہٰذا اس "کمبوہ" کو خواص و عوام میں شرمندہ کرنا چاہیے۔ تاکہ بادشاہ کے حضور میں "اپنی نجابت و دینداری" پر مغرور نہ ہو اور فخر نہ کرے۔ "اور سعادت دارین" بادشاہ کی اطاعت میں جانے۔ اور سرکشی نہ کرے۔ کہ دولت اسی سر میں ہے اور دوری اسی در پہ ہے۔ "شیخ ابوالفضل" کے کہنے پر "بادشاہ" نے حکم دیا کہ "مورخوں کو حضور میں حاضر کیا جائے۔ تاکہ "شہباز خاں کمبوہ" کی قوم کی وجہ تسمیہ تحقیق کریں۔ کہ اصلیت اس قوم کی کہاں سے ہے۔ "مورخ مع تواریخ حاضر ہوئے۔ اور اس قوم کی وجہ تسمیہ کی تحقیقات کی۔ انہوں نے "شہباز خاں" کے "اخلاق عالیہ" اور "صفاتِ پسندیدہ" کو دیکھا۔ اور آپس میں پرچا کیا کہ اکثر دولتمند حال و استقبال کے "شہباز خاں" کے عمل ظاہری و باطنی کو اپنا دستور العمل بنا کر "بیشک "دنیا و عقبیٰ کی" نیک نامی حاصل کریں گے۔ لیکن "یہ دینداری کا خلعت" اور جوانمردی کا جامہ تو "شہباز خاں" ہی کے قد کے واسطے تیار ہوا ہے اور دوسرے دولتمندوں کے قد پر ٹھیک نہیں آتا۔ کیونکہ سوائے "شہباز خاں" کے کسی کو اتنی قدرت اور جرأت نہیں ہے کہ "بادشاہ جلیل القدر" کے سامنے "دین کی باتیں نصیحت آمیز الفاظ میں" بیان کرے۔ تو وہ ہی شخص کر سکتا ہے۔ کہ جس کو نہ تو جان کا خوف ہو اور نہ گھر بار کے برباد ہونے کی پرواہ ہو۔ اور "خان موصوف" جان کھیلنے اور دولت کھو دینے کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ اور دینداری اس بزرگ کی مسلم ہے۔ اور مورخوں کو اس قوم کی وجہ تسمیہ تحقیق کرنی لازم ہے۔ کیونکہ "قرنوں کے بعد ایسا سعادتمند" اور "دولتمند دیندار" حاصل ہوتا ہے۔ "بادشاہ جہاں پناہ کے حکم سے اس وقت پر جاہل اور فاسق ناکندہ ہوئے کیونکہ ت سے دنیا پرست "فضلا" کو اور حریص "دولتمندوں" کو دغا دیتے ہیں۔ اور خوشامدانہ باتیں کر کے اصلی راہ سے بھٹکا دیتے

یہ یہ کہ مرید ہر سال اپنی ولادت کے دن دعوت کریں۔ اور دسترخوان پر مختلف اقسام کی نعمتیں چنیں۔ تاکہ اس طرح جود و سخا کی گرم بازاری ہو اور سفر دور دراز کے لئے زاد راہ مہیا ہو جائے۔

ارادتمند اشخاص آئین مقدس کے مطابق گوشت خوری سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہیں بلکہ اکثر مردان باخلاص دعوت میں بھی دوسروں کو تو گوشت کھلاتے ہیں۔ لیکن خود نہیں کھاتے۔

برعکس پختہ ارادت مرید دعوت میں تو گوشت کو ہاتھ سے چھوتے اور آنکھ سے دیکھ بھی لیتے ہیں لیکن اپنی ولادت کے مہینہ میں گوشت کے گرد بھی نہیں پھٹکتے۔ نیز اشخاص مذکور اپنے ذبح کے قریب جاتے ہیں۔ اور نہ اس کے کھانے کی رغبت کرتے ہیں۔

ارادتمند افراد قصاب ماہی گیر شکاری شکار وغیرہ (چڑیمار) وغیرہ کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ نہیں ہوتے تھے اور حاملہ عورت و ضعیف العمر اشخاص ضعیف و نابالغ لڑکوں سے میل جول نہیں رکھتے۔ (صفحہ ۲۱۳) (ترجمہ آئین اکبری جلد اول)

نواب شہباز خاں کے متعلق ابوالفضل وفیضی کی سازش مگر ناکامی

مندرجہ بالا اقتباسات سے دین الٰہی اکبر شاہی اور اس کے بانی و علمبردار ابوالفضل وغیرہ کی کیفیت کو بخوبی روشنی میں آگئی ہے۔ نیز یہ امر بھی اچھی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ بعض بڑے بڑے علماء و مشائخ اور سادات جو اپنے آپ کو دین اسلام کا محافظ اور اپنے آپ کو رسول مقبول صلعم کا نائب کہا کرتے تھے دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہو کر لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کا کلمہ پڑھنے لگے تھے اس وقت ایک اکیلی ذات نواب شہباز خاں فرزند حواری رسول اللہ صلعم و اسلام میں سب سے پہلے اپنی تلوار کو بے نیام کرنے والے صحابی کی تھی جنہوں نے بے ثروت و عہدہ تو درکنار اپنی جان تک کی پرواہ نہ کر کے دین الٰہی کے تبلیغ کرنے پر خود شاہنشاہ کو ایسے سرد و تند جواب دیئے اور اس کے خلیفہ دوم سر کو اس سختی سے ڈانٹا تھا کہ ان کے دین کی جڑ تک ہلا دی تھی۔

نواب شہباز خاں کی وفاداری میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ یہ انہیں کی تلوار تھی کہ جہاں جہاں سے ٹوڈرمل و مان سنگھ اور عبدالرحیم خانخاناں و عزیز خاں وغیرہ جیسے سردار ناکام لوٹتے تھے وہ وہاں پہنچ کر فتح و فیروزی حاصل کرتے تھے اور شاہنشاہ اکبر کے ملک میں اضافہ پر اضافہ کرتے رہتے تھے اس لئے شاہنشاہ کے دل میں ان کی عظمت و وقعت بے پایاں تھی جس کا تذکرہ اوپر اسی بیان میں آچکا ہے اور جس کی تفصیل سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔

مگر ان کا دین الٰہی کو قبول نہ کرنے کا جرم ایسا تھا جو اس کے بانی اور اس کے ذریعہ سے ترقی کرنے والے ابوالفضل کے دل کے گھاؤ کو ان کی طرف سے کچھ بھی بھر سکتا۔ چنانچہ کسی طرح کا جب اس کا کوئی بس نہ چل سکا شیخ عبدالنبی و صدر وغیرہ کے بھی اس نے پہلے تو مذہبی مسائل میں بحث میں نکال کر ذلیل کیا اور بعد جلاوطن کرا دیا۔ اور جب وہ مکہ معظمہ سے واپس تشریف لائے تو انہیں قید کرا کر نہایت عقوبتیں دلوا کر قید خانے میں مروا دیا) نواب شہباز خاں پر بس نہ چل سکا تو اس نے اپنے تسکین دل کے لئے بالکل اسی طرح جیسے کہ کوئی شخص اپنے حریف سے مار کھا کر انتقام لینے پر قادر نہ ہونے سے ناچار و لاچار ہو کر اس میں برائیاں نکالتا پھرتا ہے اس کے خلاف ساز شیں کرنے لگتا ہے ان کے نسب کا شاخسانہ کھڑا کیا لیکن اس میں بھی آپ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ابوالفضل کے اس شاخسانے کے کھڑا کرنے کا حال رسالہ شہباز خاں میں تفصیل سے درج ہے۔ یہ رسالہ شاہنشاہ اکبر ہی کے زمانہ میں لکھا گیا اور ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں ہے کہ۔

رسالہ شہباز خاں کا بیان

چنانچہ در عصر اکبر بادشاہ عظیم القدر از روئے رعیت و دینداری	چنانچہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں شہباز خاں کنبوہ کی نصیحت
شہباز خاں کنبوہ شیخ علامی فہامی ابوالفضل بر آشفت در نشست	امداری کی رو سے شیخ ابوالفضل بہت پریشان ہوئے اور بادشاہ

ہوجاتے ہیں۔ (۲) اور نیازمند گروہ کے ہاتھ سے "کوزۂ آب لیکر" "آفتاب کی روشنی میں رکھتے۔ اور اُس کی درخواست کو قبول فرماتے ہیں" اکثر بیمار جو "حاذق اطبا کے معالجہ سے" "اچھے نہیں ہوتے" "اِس طلسم الٰہی" سے شفایاب ہوجاتے ہیں"

(۳) واضح ہو کہ ایک آزاد منش اہلِ حاجت نے "اپنی زبان کاٹ کر" "آستانۂ والا پر رکھدی" اور کہا کہ "اگر خدائے برتر نے مجھ کو مرید و مخلص پیدا کیا ہے۔ اور میرا عقیدہ صحیح ہے۔ تو میری حسن نیت سے میری زبان درست ہو جائے گی" خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھیئے کہ "قلیل ہی مدت میں مریض کی تمنا بر آئی" (یعنی کٹی ہوئی زبان درست ہو گئی")

اِن کرامتوں پر ابوالفضل کا تبصرہ

جو شخص بادشاہ دین پناہ کی "خداشناسی و حق پرستی سے" واقف ہوجاتا ہے۔ وہ اِن عجائبات کو اہمیت نہیں دیتا" جو افراد حضرت کی انصاف دوستی اور مہراندوزی کا مشاہدہ کرتے ہیں اُن کو حضرت کے افعال میں کوئی امر باعث تعجب نظر ہی نہیں آتا۔ (کیوں نظر آئے گا جبکہ سارا کرشمہ اُن ہی کا پیدا کردہ تھا۔)

حوصلہ مند بادشاہ۔ اپنی خوبیوں پر بہت کم نگاہ رکھتے ہیں" اور جو شخص اِرادتمندوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ جہاں پناہ اُس کے معروضہ کو قبول فرمانے میں قدرے تاخیر کرتے ہیں۔

قبلۂ عالم نے بارہا فرمایا ہے کہ "میں خود کامل بنے بغیر" دیگر بنی نوع اِنسان کی کیونکر رہنمائی کر سکتا ہوں" اگر کسی طالب صادق کی پیشانی پر نشان راستی بخوبی نمودار ہوتے ہیں اور اُس کے قلب میں آتشِ طلب روزبروز مشتعل ہوتی جاتی ہے تو ص۳۰۸ "یہ دردمند" اپنی مراد کو پہنچایا جاتا ہے" اور "یک شنبہ کے روز" "آفتاب عالم تاب" "کی روشنی میں" "منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے"

حضرت کے اِس قدر اِغماض ونیز اِس درجہ دشوار پسندی کے باوجود بھی لاکھوں اِنسان "طیلسانِ عقیدت کو دوش پر رکھکر سلسلۂ اِرادت میں داخل ہوتے اور سعادت دارین حاصل کرتے ہیں"

مرید کرنے کا طریقہ

سلسلۂ اِرادت میں داخل ہوتے وقت طالب صادق۔ اپنی دستار کو ہاتھ پر رکھکر سرِ نیاز حضرت کے قدموں پر رکھتا۔ اور زبانِ حال سے عرض کرتا ہے کہ "میں نے اپنے طالع کی یاوری اور ستارۂ اقبال کے عروج سے خود غرضی و ریاکاری سے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے کنارہ کشی کی" اور حضرت کے عقیدتمندوں میں داخل ہوا۔ اور دوامِ زندگی کی تلاش میں حیات جاوید حاصل کیا"

بادشاہ توفیق پناہ۔ اپنے دستِ مبارک سے اِرادتمندوں کا سر اُٹھا کر دستار" اُس کے سر پر رکھتے ہیں جس کا مدعا یہ ہے کہ "عالی ہمت فرمانروا نے طالب صادق کی دستگیری فرمائی۔ اور ہمت نمایاں "نے اپ حقیقی ہستی کو قبول کیا"

اِس اِرشاد کے بعد اِرادتمند کو "زنار" یا "انگشتریِ خاص" "جس پر اِسم اعظم" "و نقش "اللہ اکبر" کندہ ہوتا ہے۔ عطا فرماتے ہیں۔

اثر پذیری

بندگانِ درگاہ" جہاں پناہ کے عجائب وغرائب حالات کو دیکھکر۔ رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اور انواع و اقسام کے۔ رہبرِ دارین نصائح کو زبان خاموشی سے قبول کر کے۔ سرچشمۂ فیض الٰہی سے سیراب ہوتے ہیں"

اِرادتمندوں کی آنکھوں میں دو سرے ہی "انوار" سما جاتے ہیں۔ اور افعال وکردار میں شمع سعادت کی جھلک نمودار ہوتی ہے۔ جہاں پناہ بعض حوصلہ مند اِرادتمندوں سے تخاطب بھی فرماتے ہیں اور اُن کے مرتبہ کے مطابق "گراں مایہ اقوال وحکم" سے اُن کو مستفید فرماتے ہیں ص۳۰۹ ب

مریدوں کا سلام

دیدار کے وقت اِرادتمندوں کا عام دستور ہے کہ ایک شخص "اللہ اکبر" کہتا ہے۔ دوسرا اُس کے جواب میں "جلّ جلالہٗ" زبان پر لاتا ہے"

ابوالفضل کی توجیہہ

قبلۂ عالم کا اِس قاعدے کی پابندی سے یہ مقصد ہے کہ "بنی نوع اِنسان سرچشمۂ ہستی کو فراموش نہ کریں" اور ہر وقت ذکرِ الٰہی سے سیراب دل وتر زبان و شیریں کام رہیں"

احکام برائے مریدان

نیز یہ کہ "بادشاہ حق آگاہ و سرِ دفترِ عارفان" کا حکم ہے کہ "جو خیر وخیرات عام طور پر مرنے کے بعد کی جاتی ہے۔ وہ یہ اِرادتمند اپنی زندگی میں بجا لائیں۔ اور اِس طرح سفرِ آخرت کا سامان پہلے سے ہی کرلیں"

"حضرت کی ذاتِ اقدس" "قدرت پروردگار کا ایک نمونہ" اور "آفتابِ وجود کا" ایک خاص پرتو ہے" جہاں پناہ کے حضور میں "سجدۂ تعظیمی بجا لانا" ایک ایسی مقبولہ عبادت ہے" کہ اُس کی خوبی" اور اُس کے صلے کی حقیقت کو سمجھ کر" رعایا و مخلوق کے گروہ" "سعادت حاصل کرتے" اور "دینی و دنیاوی" "برکات سے مالا مال ہوتے ہیں"

"چونکہ کج رائے" اور "تیرہ دل افراد" اِس رسم کو "انسان پرستی خیال کرتے ہیں" "قبلۂ عالم" اپنی مرتبہ شناسی سے" اِن اشخاص سے باز پرس نہیں فرماتے" اور دربارِ عام میں خدمت گذارانِ خاص کو بھی اِس تعظیم کے بجا لانے سے منع فرماتے ہیں"

"مگر انجمن خاص میں چونکہ صرف خوش نصیب و روشن ستارہ بندگانِ درگاہ" "سعادتِ قدم بوسی سے فیضیاب ہوتے ہیں" "یہ عقیدتمند گروہ" اپنی پیشانیٔ نیاز کو "سجدۂ تعظیم کے انوار سے" "روشن" و "درخشاں" "کر کے سعادت اندوز ہوتا ہے"

نواب شہباز خاں - اور دینِ الٰہی اکبر شاہی

ابو الفضل "مصنف اکبر نامہ" کے معتقدات" اور دینِ الٰہی اکبر شاہی کے رواج" نیز اُس کے مزخرفات" کا تتمۂ حال معلوم ہو چکا" اب اُس کے بالمقابل "نواب شہباز خاں" "زبیری کنبوی" کی "مذہب اسلام سے وابستگی وغیرہ کا تھوڑا سا ذکر کرنا ضروری ہے۔ تاکہ یہ بات بخوبی جان لی جائے کہ "اِن دونوں کے درمیان کونسی چیز مابہ النزاع تھی جس کی وجہ سے "ابو الفضل کے دل میں" نواب شہباز خاں" کی طرف سے آگ کی بھٹی سلگ رہی تھی" "المشاہیر کے صفحہ ۹۷ پر ہے کہ۔

"نواب شہباز خاں" "کھلے ہوئے" "ولی" تھے" اکبر کے دربار میں "نت نئے خانہ برانداز شریعت احکام جاری ہوتے" اُمراء کو چار و ناچار پابندی کرنی پڑتی" "ڈاڑھی منڈانا" کان چھدانا" شراب پینا" مُہر میں لفظ مرید کندہ کرانا" اور بہت سی مزخرفات" گویا آئین دربار میں داخل ہو گئے تھے" اِس بہادر خدا پرست نے با ایں ہمہ قربتِ شاہنشاہی" ان میں سے ایک کا بھی اتباع نہ کیا" اور مراسم نامشروعہ کے اجراء کی تعمیل میں "کبھی بادشاہی احکام اور ناخوشی کی پرواہ نہیں کی" جسم و جوارح کو "خدماتِ شاہی کے لئے وقف کر دیا تھا" پر دل کی لَو حاکم حقیقی کے ساتھ لگی ہوئی تھی" یہاں تک کہ "سنت" تہجد" اشراق" عصر بھی" کبھی قضا نہیں کی" ہر وقت باوضو" ہمیشہ تسبیح بدست ورد بر زبان" اور ما بین عصر و مغرب" حرف دنیوی سے ساکت رہتے تھے" اور "مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۵۹۸ و ۵۹۹ پر تحریر ہے کہ۔

"صلاح و تقویٰ او مشہور است" و پاس شریعت غرا را بسیار ملحوظ میداشت" رسم و رواج وقت "قصر لحیہ" نکردے" و خمر نہ پیمودے" و در نگین لفظ مرید نکندے" تہجد و اشراق تا سنت عصر" قضا نشدے" و بے وضو نبودے" و ہمیشہ تسبیح در دست ورد میخواندے" چوں ما بین عصر و مغرب" حرف دنیوی نگفتے"

اور صفحہ ۵۹۹ و ۶۰۰ پر ہے کہ "روزے آخر وقت" "عرش آشیانی" بکنار تالاب فتحپور" کسبِ ہوا میکردند" و دستِ شہباز خاں" گرفتہ مشغول حرف زدن بودند" او ہر ساعتے نگاہ بہ آفتاب میکرد"

"حکیم ابو الفتح" با حکیم علی" "کہ بتفاوت استادہ بودند) گفت" اگر امروز" نماز عصر این مرد قضا نہ شود" میدانیم کہ ذاتی دین دار است" چوں وقت نماز تنگ شد" ناچار عرض کرد" پادشاہ فرمود" قضا خواہی کرد" مارا تنہا میگذاری" شہباز خاں" بے اختیار دست خود را

"صلاح و تقویٰ اُن کا مشہور ہے اور پاس شریعت غرا کا ملحوظ رکھتے تھے" رسم و رواج وقت کی پرواہ نہ کر کے انہوں نے ڈاڑھی نہیں منڈائی" شراب نہیں پی" اور انگوٹھی میں لفظ مرید نہیں کندہ کروایا" تہجد و اشراق اور سنتیں عصر تک قضا نہیں کیں" بے وضو کبھی نہیں رہتے تھے۔ اور ہمیشہ تسبیح بدست وِرد پڑھتے رہتے تھے" عصر اور مغرب کے درمیان دُنیاوی باتیں نہیں کرتے تھے"

اور صفحہ ۵۹۹ و ۶۰۰ پر ہے کہ "ایک دن شام کے وقت شہنشاہ اکبر" فتحپور کے تالاب کے کنارے نواب شہباز خاں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ اور اُن سے باتیں کرتے جاتے تھے" شہباز خاں ہر لحہ آفتاب کو دیکھتے جاتے تھے"

حکیم ابو الفتح نے حکیم علی سے کہا کہ جو دونوں دُور کھڑے ہوئے تھے کہ اگر آج شہباز خاں کی نماز عصر قضا نہ ہوئی تو ہم جانیں گے کہ یہ شخص واقعی دیندار ہے" جب نماز کا وقت آیا تو شہباز خاں نے بادشاہ سے نماز کی اجازت چاہی" فرمایا قضا پڑھ لینا" کیا مجھے اکیلا چھوڑ دو گے" شہباز خاں نے بادشاہ سے یہ جواب

صفحہ ٢٧٢ تا ٢٧٩ اور صفحہ ٢٨٥ تا ٢٨٧ نیز صفحہ ٢٩٩ و صفحہ ٣٠٠ میں اُن علماء و مشائخ کے جن کی طرف سے کچھ بھی مخالفت ہوئی۔ قتل و جلا وطن کرنے۔ اور اُن میں سے جن اشخاص نے دینِ الٰہی اکبر شاہی کو قبول کیا۔ ان کا ذکر کرنے کے بعد صفحہ ٣٠١ تا ٣٠٢ پر تحریر ہے کہ۔

" اختراعات دیگر عجیب و غریب بجہتہ مصالح و حکم بروئے کار آمد۔ و حکم ہائے ابداعی کردند کہ عقل دراں حیران بود" (١) سجدہ بہ رفاہیت زمین بوس برائے بادشاہاں لازم است" (٢) شراب "اگر بجہتہ رفاہیت بدنی بطریق اہلِ حکومت بخورند مباح باشد" (٣) میگفتند کہ "لحم خنزیر جزو اجزائے ترکیب آں خمر بود" (٤) و بغایت موافقت مرافقت مردم بر تراشیدن ریشیں" دانستند" و ایں فعل شائع شد" (٥) اعظم خاں از بنگالہ آمد" و شبے در اثنائے محاورہ بہ او گفتہ" کہ ما دلائل قطعی بر حقیقت تناسخ" یافتہ ایم" شیخ ابوالفضل " خاطرنشان تو خواہد کرد" او ہم قبول نمود" (٦) و نواختن " ناقوس نصاریٰ" و تماشائے صورت ثالث ثلاثہ" و بلبلان خوش گاہ ایشان است" و مایۂ لہو و لعب" وظیفہ شد۔ (٧) برغم اسلام " خنزیر و کلب" را نجس ندانستہ در زیر حرم" و زیر قصر نگاہ داشتہ بہر صباح نظر بر آنہا" عبادت مے شمردند" و ہنود ان کہ حلولی اند۔ خاطر نشان ساختند کہ خوک" از اں دہ مظہر است۔ کہ حق تعالیٰ عز شانہ دراں حلول کردہ" و آنچہ از بعضے عرفا منقول است کہ دہ سگ دہ صفت حمیدہ است" اگر یکے ازاں در آدمی باشد ولی میگردد" ہم سند" و بعضے مقربان۔ کہ خوش طبعی داشتہ اند" و ملک الشعرائی (اشارہ بطرف فیضی) ضرب المثل اند" چند سگ را در سفرہ ہمراہ گرفتہ" طعام بہ آنہا میخوانند" و جمع از مردوداں " شاعران عراق و ہندی" متابعت نمودہ" و ابائے ازاں نداشتہ" بلکہ زبان آنہا در دہان میگرفتند"

(٨) دیگر فرضیتِ غسل جنابت" مطلقاً ساقط شد"

(٩) و ہم چنیں "طعام روح میت" کہ از جمادات است نخیتی چیست"۔

اور دوسری ایجادیں عجیب غریب مصالح اور حکم کی بنا پر جاری کی گئیں" اور ایسی ایجادیں کہ عقل اُن کے سمجھنے میں حیران ہے" (١) سجدہ " رفاہیت سے "زمین بوس" بادشاہ کے لئے لازم ہے۔ (٢) شراب اگر بدن کے فائدے کے لئے بطریق اہلِ حکمت پئیں تو جائز ہے" (٣) کہتے ہیں کہ اُس میں سُور کا گوشت بھی اور ساتھ میں شراب بھی شامل ہوتی تھی" (٤) اور ڈاڑھی منڈانے کو لوگ اچھا سمجھنے لگے ہیں" اور ڈاڑھی منڈائی جانے لگی ہے" (٥) اعظم خاں بنگالہ سے آیا رات کو دوران گفتگو میں بادشاہ نے اُس سے کہا کہ ہم نے دلائل قطعی تناسخ کی سچائی کے معلوم کر لئے ہیں" شیخ ابوالفضل " تمہیں مطمئن کر دیں گے" اُس نے قبول کیا" (٦) اور عیسائیوں کا گھنٹہ بجانا اور تماشائے صورت ثالث ثلاثہ اور بلبلان خوش گاہ اُن کی ہے۔ اور تمام لہو لعب وظیفہ ہوا" (٧) اسلام کے خلاف "سُور اور کتے کے نجس ہونے سے انکار کیا۔ حرم کے اندر اور محل کے نیچے اُن کو رکھا اور ہر صبح کو اِن جانوروں پر نظر ڈالنے کو عبادت قرار دیا" ہندوؤں نے جو حلولی مذہب ہیں" اُس کے دل میں جمایا کہ "سُور" اُن دس مظاہر میں سے ایک ہے کہ خدا نے جن میں حلول کیا" اور جیسا کہ بعضے عارفوں نے کہا ہے" کتے میں دس ایسے عمدہ اوصاف ہیں کہ اگر اُن میں سے ایک انسان میں ہو تو وہ ولی ہو جائے" اس بات کو سند قرار دیا" اور بعضے مصاحب بادشاہ کے جو خوش طبعی میں ہر وادی میں اور ملک الشعرائی میں (اشارہ بطرف فیضی) ضرب المثل ہیں چند کتوں کو دسترخوان پر ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں" اور تمام مردود شاعران عراقی و ہندی اُس کی متابعت کرتے ہیں اور اُن سے پرہیز نہیں رکھتے ہیں۔ اور بڑے فخر سے اُن کی زبان کو اپنے مونہوں میں لیتے ہیں"

(٨) دوسرے غسل جنابت کے فرض ہونے کو بالکل موقوف کر دیا ہے"

(٩) اور اسی طرح طعام روح میت کیلئے کہتے ہیں کہ وہ تو جمادات ہے اُس کا

نوٹ :- (١) صفحہ ٢٧٦ و ٢٧٧ ملا محمد یزدی کو" بہ صورت بلایا" اور حکم سے کشتی پر بٹھا کر راستہ میں جمنا میں غرق کرا دیا" (٢) "قاضی یعقوب" بنگالہ سے آئے تھے۔ انہیں بھی قتل کرا دیا" (٣) علماء کو ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں جلا وطن کر دیا" (٤) صفحہ ٢٨٥ حکیم الملک کو "مکہ معظمہ" کو روانہ کر دیا" (٥) صفحہ ٢٩٩ و ٣٠٠ مشائخ کو جلا وطن کیا جن میں "شیخ حسین از اولاد حضرت معین الدین چشتی اجمیری بھی تھے" ان کا گناہ یہ تھا کہ "سجدۂ تعظیمی" نہیں کیا تھا" (منتخب التواریخ)
(٦) شیخ عبد النبی صدر یعنی شیخ الاسلام کو "مکہ معظمہ" روانہ کیا" اور ان کی واپسی کے بعد بہت عقوبتیں دے کر انہیں ہلاک کروا دیا"
(اخبار الاخیار صفحہ ٢١٧ و مآثر الامراء جلد دوم صفحہ ٥٦٤)

(۲) ابوالفضل کے خاندان اور اُس کے باپ شیخ مبارک کی مذہبی حالت معلوم ہو چکی۔ اب اُس کے بڑے بیٹے فیضی کا حال جو ماثر الامراء کے صفحہ ۵۸۵ تا ۵۸۸ پر تحریر ہے۔ اُس میں سے ہم اُن جملوں کو لے کر پیش کرتے ہیں جو اُس کے مذہب پر روشنی ڈالتے ہیں۔

"شیخ فیضی" در سنہ ۹۵۴ ہجری نہصد و پنجاہ و چہار متولد شد۔ ابتدا از ضیق معیشت و تنگیٔ احوال گرفتار بود۔ روزے بہمراہیٔ پدر نزد شیخ عبدالنبی عند عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) رفتہ اظہار و استدعائے "صد بیگہ" مدد معاش نمود۔ شیخ عبدالنبی بہ تعصب مذہب اُو را با پدرش بہ تشیع سرزنش ہا کردہ بحقارت از مجلس برخیزاند۔ جمیعے کہ آفتاب پرستی را بعرش آشیانی نسبت دہند ایں قطعہ شیخ فیضی را استشہاد دارند

قسمت نگر کہ درخواہر جوہرے عطاست

آئینہ با سکندر و با اکبر آفتاب

اُو میکند معائنۂ خود در آئینہ

ایں میکند مشاہدۂ حق بر آفتاب

اور منتخب التواریخ کے صفحہ ۲۹۹ و ۳۰۰ پر ہے کہ "در داوریٔ عناد و عداوت با اہلِ اسلام" و "طعن در اصل اصولِ دین" و "اہانت مذہب صحابہ کرام رض و تابعین" و "سلف و خلف متقدمین" و "متاخرین" و "مشائخ و اموات و احیاء" "بے ادبی" و "بے تحاشی" "نسبت بہمہ علماء" و "صلحاء" و "فضلاء" و "سراً و جہراً" "لیل و نہار" "ہمہ یہود و نصاریٰ" و "ہنود و مجوسی" "برو ہزار شرف داشتند"

"شیخ فیضی" سنہ ۹۵۴ ہجری میں پیدا ہوا۔ شروع میں معاش کی طرف سے مصیبت و بدحالی میں گرفتار تھا۔ ایک دن اپنے باپ کے ساتھ شیخ عبدالنبی شیخ الاسلام عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) کے پاس جا کر اُس نے اپنی تنگی کا اظہار کیا۔ اور مدد معاش کیلئے سو بیگھہ زمین کی درخواست کی۔ شیخ عبدالنبی نے تعصب مذہبی سے اُسے اور اُس کے باپ کو اُس کی شیعیت کی وجہ سے جھڑکیاں دیں اور حقارت سے مجلس سے نکلوا دیا۔ لوگ جو آفتاب پرستی سے عرش آشیانی کو نسبت دیتے ہیں اُس کے متعلق شیخ فیضی کے اس قطعہ کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔

قسمت نگر کہ درخواہر جوہرے عطاست آئینہ با سکندر و با اکبر آفتاب

اُو میکند معائنۂ خود در آئینہ ایں میکند مشاہدۂ حق بر آفتاب

"اہلِ اسلام سے عناد و عداوت میں اور طعن اصل اصول دین میں۔ اور تحقیر مذہب۔ صحابہ کرام رض۔ اور تابعین اور سلف و خلف اگلے اور پچھلے۔ اور مشائخ۔ اور اموات و احیاء۔ اور بے ادبی اور بُرائی کرنے میں نسبت تمام علماء۔ و صلحاء۔ اور فضلاء۔ اور سراً و جہراً لیل و نہار کرنے میں تمام یہودی اور عیسائی اور ہنود و آتش پرست اُس پر ہزار شرف رکھتے ہیں"

(۳) "شیخ فیضی" کے مذہب کا شمہ حال بتانے کے بعد اب ہم "اکبر نامہ" کے مؤلف "ابوالفضل" کی بھی خوشامد اور مذہب کی مختصر کیفیت بیان کرتے ہیں۔ "رسالہ زمانہ کانپور" "اکبر نمبر" بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۲۲۵ پر "فیضی" اور "ابوالفضل" کے ایک بہت ہی طرفدار شخص "نوبت رائے نظر" نے اُس کے حال میں لکھا ہے کہ۔

فیضی نے اپنی تصانیف میں "شہنشاہ اکبر" کی "مدح کو" غلو کی حد تک پہنچا دیا ہے" "ابوالفضل" بھی اسی کو سرمایۂ افتخار سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے حاسد انہیں "خوشامدی" کہتے تھے۔ اور صفحہ ۲۲۸ پر تحریر کیا ہے کہ "ابوالفضل کی قربت" اور "رسوخ کا" ایک بہت بڑا باعث یہ تھا کہ وہ "اکبر کو" اپنے سے ہر طرح افضل جانتا تھا۔ اور یہ بات اُس کے پدر بزرگوار نے ذہن نشین کر دی تھی۔ کہ بادشاہ "رموزِ حقائق کا گنجینہ ہے۔ اور تو اُس سے اکتسابِ سعادت کر سکتا ہے" یہی وجہ ہے کہ وہ "اکبر کی" ایک بادشاہ کی طرح عزت نہ کرتا تھا بلکہ "ایک مرشد" اور "ہادی" کی طرح اُس کی ہر تحریر سے واضح ہے کہ اُسے بادشاہ سے دلی عقیدت ہے "اسی عقیدت کی وجہ سے وہ شاہی احکامات کی تعمیل نہایت عرق ریزی اور جانفشانی سے کیا کرتا تھا۔ اور اکثر "اکبر کو" "بادشاہ وحدت بخش" وغیرہ۔ بلند الفاظ سے یاد کیا ہے" یہی عقیدت اُس مذہب کے اختراع کا باعث ہوئی "جو" "مذہبِ الٰہی" کے نام سے مشہور ہے اور جس کا پیغمبر "اکبر" بنایا گیا تھا۔ "ابوالفضل" اور "فیضی" دو فرشتے تھے جو "اکبر کے پاس" "وحی" لایا کرتے تھے۔ "ابوالفضل" سنہ ۹۵۸ ہجری میں پیدا ہوا تھا۔ "ماثر الامراء" جلد دوم کے صفحہ ۶۰۹ و ۶۱۰ پر ہے کہ۔

"وہنگام انحراف مزاج اکبری" "از علمائے متعصب" "ایں ہر دو برادر کہ با ہمچناں علم و فضل" "خالی از مزاج شناسی" "و خداوند ستائی" "نبودند"

"انحراف مزاج اکبری کے زمانے میں متعصب مُلاؤں میں سے یہ دو بھائی (فیضی و ابوالفضل) باوجود علم و فضل اپنے آقا کی مزاج شناسی اور پرستش سے خالی نہ

کی حقیقت تو آگے ظاہر ہو گی ہمیں یہاں صرف اسی قدر بتانا ہے کہ "جب مخدوم شیخ جمالی" تھا اور آپ کے مرتبہ طریقت کے تسلسل میں اُن کے زمانے میں کسی بادشاہ کا شائبہ تک نہ تھا اور کوئی التباس کسی قسم کا موجود نہ تھا تو خواہ مخواہ بھی ایک نامعلوم بات کی صفائی اپنی کتابوں میں وہ یہاں کے کوئی غرض کس طرح کر سکتے تھے" یہ عجیب بات ہے کہ نہ یہاں مؤلف صاحب کے من گھڑت شجرے کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرتے تھے اور یہ کتابوں کی اسناد پیش کرنے پر بھی دوسروں کے شجروں کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں" اس کا نام ہٹ دھرمی نہیں ہے تو اور کیا ہے" اس قدر ظاہر کر چکنے کے بعد اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ قصہ کب اور کیوں شروع ہوا۔

"نواب شہباز خاں" کی دینداری سے جب "اکبر بادشاہ" کی اُمت پریشان ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ "مذہب الٰہی" کی تلقین کرنے پر "نواب شہباز خاں" نے "شاہنشاہ اکبر" سے بیروسند کلام کئے تو اکبر کے ایک مقرب فرشتے "مرزا" کو بادشاہ کے نواحہ میں بُری طرح دھمکایا تو بادشاہ کے سب سے زیادہ مقرب فرشتے "ابوالفضل" نے کوئی اور چارہ نہ دیکھ کر کیونکہ "نواب شہباز خاں" جو اپنے خاندان کے سکّی لقب کمبوہ سے مشہور تھے بقوم کمبو کے کمبو نام اور نواب صاحب موصوف کے سکّی لقب میں التباس ڈالنے کی غرض سے ان کے نسب کی تحقیقات کا شاخسانہ کھڑا کیا" لیکن اس میں اسے منہ کی کھانی پڑی" یہ قصہ تو خیر بعد میں آئے گا۔ اس جگہ ہمیں صرف "مؤلف صاحب" کے اس بیان کا جواب دینا ہے کہ "دوسرے مورخ اور تذکرہ نویس اگر آپ کے نسب کی وضاحت سے قاصر رہے تو خود "قوم کمبوہ" کے مورخین نے اس فرق و امتیاز کو بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے" لیکن انہوں نے اس پر روشنی نہیں ڈالی"

اس بیان کے متعلق ہمیں یہاں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے جس قدر ہم اوپر بتا آئے ہیں وہ بھی کافی ہے۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے اور لکھتے ہیں کہ جب پہلے پہل اس التباس کا قصہ نکالا گیا تو خود اس خاندان کے ایک بزرگ نے "رسالہ شہباز خانی" لکھا۔ اور ان کے بعد دوسرے بزرگ "مخدوم شیخ جمالی" کے پوتے "میاں احمد خاں" "اکبر شاہی" مصنف اخبار معدن احمدی" نے اُس کو اپنی دوسری کتاب "ثمرۂ سہروردیہ" میں (جو کتب خانہ ریاست رامپور میں قلمی موجود ہے" اور جس کی نقل ہم نے جناب صدر المہام صاحب ریاست رامپور کو درخواست دے کر اور اُس کی نقل وغیرہ کا ہیچ اندازکر کے اصالتاً حاصل کی ہے") اس طرح رفع کیا ہے کہ

چنوں نے شائبہ ریا ورسم سوائے اعتقاد و لوازم اتحاد خدمت ہیچ کم گویا کہ بغلط عام "کمبوہ" شہرت یافتہ "در دین خاندان عالیشان استحکام پذیر است" وار عنایت کرم "در دیہہ اول" و آں بانواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند علی الخصوص آباؤ اجداد من" (صہ۔)

اس میں کسی ریا کاری اور رسم کا شائبہ نہیں ہے کہ تمام کم گویان جو عوام میں غلطی سے کمبو کے نام سے شہرت پکڑ گئے ہیں "عقیدت مندی اور اتحاد رکھنے کی شرط اور لزوم خدمت کا عہد" اس خاندان عالیشان سے استحکام پذیر ہے اور خدا کا حقانی کرم ہے کہ یہ ہر زمانے میں اور آج بھی انواع رعایت اور ہر قسم کی تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہے ہیں۔ خاصکر میرے آباؤ اجداد"

"مولوی امتیاز علی صاحب عرشی" ناظم کتب خانہ شاہی" ریاست رامپور نے اورینٹل کالج میگزین مطبوعہ اول مابت ماہ نومبر ۱۹۳۳ء میں "یونس خاں صاحب بیاری" ایم اے کے مضمون "شیخ گدائی پسر کلاں مخدوم شیخ جمالی" کے حواشی میں "احمد" کی سرخی کے تحت جو نوٹ تحریر فرمایا ہے اس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ

"اس خاندان کے حالات لکھنے والے کو۔ احمد خاں اکبر شاہی کی کتاب ثمرۂ سہروردیہ کا مطالعہ لازم ہے"

علاوہ بریں اور کتابیں ہیں جن میں اس التباس کو رفع کیا گیا ہے۔ جن میں "سلسلۂ عالیہ" بھی ہے جس سے ہم آپ کو روشناس کرا چکے ہیں۔ اور جس کو مؤلف صاحب نے ضرور ملاحظہ فرمایا ہے۔ مگر اپنی بحث میں کہیں بھی اس کا نام تک ظاہر نہیں کیا گیا" اس کے صفحہ ۹ پر تحریر ہے کہ۔

"آنانکہ جز و کے روایات اصحاب کتب و لطایف و مصداق مقالات ارباب تحقیق و تدقیق بثبوت رسیدہ و مجمع اہل دانش

جو کچھ اصحاب کتب و لطائف کی روایات سے اور ارباب تحقیق و تدقیق کے اقوال سے ثابت ہوا ہے اور اہل دانش و حقیقت عراق نے

زبیری تسلیم تھے۔ بذاتِ خود اُن کا مرتبہ اس قدر اعلیٰ وارفع تھا کہ اُن کو اپنے تفاخر نسبی کیلئے ڈھنڈورہ پیٹنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ سلطان بہلو
اس کے باپ دادا "ملتان" کے باشندے تھے۔ وہ "شیخ جمالی" کے خاندان کے علاوہ مرتبت اور نسبی شرف سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ مخد
سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز" سے۔ سلطان بہلول" و "سکندر" کی ارادت اور "مخدوم شیخ جمالی" سے "سلط
کی والہانہ محبت کو "تاریخوں میں دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ کس نہج پر تھی"۔ سلطان سکندر" کے حالات میں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اُسے لوگو
کتنا خیال تھا۔ تاریخ فرشتہ" میں ہے کہ۔

"جو شخص بادشاہ کے پاس آتا" بادشاہ" اُس کا نسب پوچھکر اُس کے حسب حیثیت اُس پر نوازش کرتا تھا"

مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ۔

"شیخ جمالی" جب "سنبھل" کے نزدیک پہنچے تو فرطِ شوق سے "دو تین کوس خود بادشاہ نے استقبال کیا" اور
بڑی آؤ بھگت سے لیا" پھر تا دم حیات اُنھیں اپنے آپ سے جدا نہیں ہونے دیا۔ عمر بھر وہ اُن کے ساتھ دمساز
و ہمراز و ہم صحبت و ہم زبان رہا"

حضرت مخدوم شیخ جمالی کے حالات مؤلف صاحب نے "المشاہیر" میں خود پڑھے ہیں اُن میں وہ منظوم خط بھی دیکھا ہے جو
نے حضرت مخدوم صاحب کو لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

چشمِ بجمال و تو تپان است ✤ دلِ مرغِ مثال در فغان است
من اسکندر تو خضرِ مائی ✤ آں بہ کہ بسوئے ما بیائی

اور اِسی کتاب المشاہیر میں حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز کے حالات میں یہ بھی پڑھا ہے کہ بہلول لودھی اُن کی حضور
حاضر ہو کر حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے قدموں پر اپنا سر رکھدیا کرتا تھا" اور سلطان سکندر لودی کو آپ سے والہانہ ارادت تھی"
کی طرف سے وہ اُس وقت تک مطمئن نہیں ہوا جب تک کہ اُس نے حضرت مخدوم صاحب سے اپنے حق میں دعا نہ کرالی اور سب بھائیوں میں
وجہ سے جب وہ بادشاہ ہو گیا تو حضرت مخدوم صاحب کے اِس فقرے کو پیشِ نظر رکھکر ہی اپنا لقب سکندر رکھا تھا کہ میں نے خدا سے دعا
وقت ہو" اگر یہ دونوں بزرگ عربی الاصل اور زبیری النسل نہ ہوتے تو سلطان سکندر لودی جیسا شخص جسے نسب کا بڑا خیال تھا کسی ط
طرف رجوع نہیں ہو سکتا تھا" شیخ عبدالغفور المعروف بہ میاں لادن" نبیرہ حضرت شیخ سماؤالدین جو مخدوم شیخ جمالی کے برادر نسبتی کے
ہم نسب تھے" جب سلطان سکندر لودھی کے پاس آگرہ تشریف لے جاتے تھے تو جب تک اُن کا قیام آگرہ میں رہتا تھا" سلطان سک
پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے" بادشاہوں کی اِمامت نماز جو سادات سے مخصوص تھی۔ تو اب سلطان سکندر جیسے نسب کا خیال رکھنے وا
میاں لادن کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق مؤلف صاحب اِمرِ ہوی کیا فرماتے ہیں" مزید یہ ہے کہ میاں لادن سلطان سکندر کے مشیر
مخدوم شیخ جمالی۔ المتوفی ۹۴۲ھ ہجری اور اُن کے مرشد طریقت کے "قریشی و زبیری" ہونے کی یہی اسناد نہیں ہیں
آنے والی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "مولانا شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن المتوفی ۹۴۴ھ ہجری۔ عبدالقادری شیخ عبدالحق
نے کہ وہ بھی "مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز" کے مرید و خلیفہ اور بڑے عابد و زاہد" ذاکر و شاغل" متقی و پرہیزگار۔ دانشمند و کامل
باوقار بزرگ تھے جنہوں نے جمال صوری اور کمال معنوی پایا تھا اور بڑے محتاط تھے" صائم رہتے اور استیاہی لقمہ نہ کھاتے تھے" جنہیں سلط
لودھی" نے اپنی مجابت کا عہدہ دینا چاہا مگر انہوں نے احتیاط و تقویٰ کے سبب ہرگز قبول نہیں کیا") اپنے پیر و مرشد مخدوم سماؤالدین کا
کتاب "مصباح العارفین" میں درج کیا ہے جو "حضرت زبیر بن العوام" پر منتہی ہوتا ہے" اب یہ دوسری بات ہے کہ "مؤلف صا
دوسری اور کتابوں کے یہ کتاب بمدست نہیں ہوئی یا انہوں نے اپنے طریقے کے مطابق اُس کے مندرجہ شجرہ کو نہیں بلکہ اُس کتاب کو ایک
اور دوسری جگہ اپنے مقصد کے تحت اُس کے وجود ہی سے اِنکار کر دیا ہے" مصباح العارفین" کے عدم وجود کی جو دلیلیں انہوں نے ...

"شیخ احمد کنبو" لکھدیا ہے لیکن آج تک کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ اِس غلطی کو درست کر دیتا" عرصہ ہوا جب ایک ترجمہ "تاریخ فرشتہ" کا "منشی نولکشور صاحب نے اُردو زبان میں" کرا کر شائع کیا تھا" حال ہی میں "محکمہ دارالترجمہ سرکار عالی حیدر آباد دکن" نے اُس کا ترجمہ کرایا اور چھپوا کر شائع کیا ہے" اِن دونوں ترجموں میں بھی "شیخ احمد کھٹو[1]" کے بجائے "شیخ احمد کنبو" ہی لکھا ہوا ہے۔ جو "سلطان احمد شاہ گجراتی" و "سلطان محمود شاہ گجراتی" المشہور بہ "سلطان محمود بیگرہ" کے حالات میں دیکھا جا سکتا ہے"

پانچویں یہ کہ "جب بخوبی معلوم ہو گیا کہ خاندان زیر بحث کو "کنبوہ" یا "کنبو" پہلے نہیں کہا جاتا تھا اور یہ بعد کی بات ہے تو اُسے "پنجاب" کی کثیر التعداد "قوم کمبوہ" سے سمجھا جانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ جن تاریخوں سے "کنبو" طائفہ کنبو" "خاندان کنبو" "قوم کنبوہ" کے لفظ لیکر "مؤلف صاحب" نے پیش کیے ہیں۔ اُن سب میں۔ (۱) "منتخب التواریخ" قدیم ہے۔ ۱۰۰۴ھ ہجری میں "اکبر بادشاہ" کے زمانہ میں اس کے مصنف کی وفات ہوئی ہے۔ اور پیدائش ۹۴۷ھ کی ہے۔ (۲) "تاریخ فرشتہ" کا زمانہ "شاہنشاہ جہانگیر" کا ہے۔ اُس کی تالیف ۱۰۱۵ھ ہجری کی ہے"

(۳) "مآثر الامراء ۱۱۷۲ھ ہجری میں نادر شاہ کے حملہ اور دہلی کے قتل عام سے قریباً بیس برس بعد "نظام الملک آصف جاہ" کے زمانے میں "دکن" میں لکھی گئی۔ (۴) "خزانۂ عامرہ" کے مصنف کی وفات کا زمانہ ۱۲۰۰ھ ہجری ہے" (۵) اور "کاشف الاستار" کے مؤلف صاحب کی وفات ۱۲۹۵ھ میں ہوئی کہ "ولادت کا زمانہ ۱۲۱۳ھ ہجری ہے" (۶) "تذکرہ ماضیہ" "حیدر حسن لسبیل" قریبی زمانہ کی کتاب ہے"

گویا "اوّل الذکر دو کتابوں کے سوا باقی ماندہ دوسری کتابیں" دو اور ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصہ کی تحریر شدہ نہیں ہیں" اور "مغلیہ سلطنت کی کمزوری کی وجہ سے جو طوائف الملوکی پھیل گئی تھی اُس زمانے کی ہیں"

مختصراً اِتنا لکھنے کے بعد اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ "مؤلف آمرہوی نے کیونکہ یہاں یہ بحث ختم نہیں کی ہے" پھر آگے چل کر اپنے اِسی بیان کے ثبوت میں "مندرجۂ بالا کتابوں کے حوالوں کے علاوہ مزید شہادتیں اور بھی پیش کی ہیں" اِس لیے اُن کی تلاش کی پوری داد دینے کا یہ موقع نہیں ہے" "جہاں وہ اپنا یہ بیان مکمل کریں گے" وہاں اِنشاء اللہ ہم اُن کے اخفا اور دھوکوں کی حقیقت تفصیل سے دکھائیں گے" اور انہیں کی پیش کردہ کتابوں میں سے بھی اُن کے اِخفاء کا پردہ چاک کر کے اصلیت کو ظاہر کریں گے"

باب ششم

سب سے اہم دلیل اِس امر کی کہ مخدوم "شیخ سماؤ الدین" "شیخ جمالی" "نواب شہباز خاں" وغیرہ کے خاندان بھی اِن ہی خاندانوں کی ایک شاخ ہیں۔ جو "پنجاب میں" بتعداد کثیر آباد ہیں۔ اور جو اپنا سلسلۂ نسب "اِسی قوم کے قدیم چھتری خاندان سے ملاتے ہیں" یہ ہے کہ "اگر یہ خاندان" جیسا کہ وہ اب بیان کرتے ہیں حقیقتاً "عربی النسل" یا "زبیری" ہوتے تو اُس زمانہ میں جبکہ "کنبوہ" نام سے "ہندوستان میں ایک بڑی قوم آباد تھی۔ اور یہ لوگ محض کسی "نسبت مکانی کی وجہ سے "کنبوہ" یا "کبو" مشہور ہو گئے تھے" یقیناً اِس التباس کو رفع کرنے کے لئے جو بوجہ وحدت لقب ان میں" اور "قدیم کنبوہ قوم میں" پیدا ہو گیا تھا "کتب تاریخ میں" جہاں اِن بزرگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہاں ان کے نسب کو بصراحت ظاہر کیا گیا ہوتا" دوسرے "مورخ اور تذکرہ نویس" اگر اُن کے نسب کی وضاحت سے قاصر رہے تھے تو خود "قوم کمبوہ کے مورخین" اِس فرق و امتیاز کو" بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود "شیخ جمالی" نے

نوٹ۔ [1] حضرت شیخ وجیہہ الدین احمد کھٹو" مرید خاص حضرت بابا اسحٰق مغربی کے اور اپنے زمانے کے قطب وقت تھے حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ زبیری کمبوی المتولد ۸۰۰ھ ہجری پینسٹھ سال کی عمر میں جب گجرات تشریف لائے تھے تو آپ سے بھی ملے تھے۔ اس وقت حضرت شیخ احمد قدس سرہٗ کی عمر ایکسو تیں سال کی تھی" آپ نے کمالات و استعداد حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ ظاہر و باطن سے دریافت کر کے اُن کو اپنا مصلائے خاص بطور تبرک دیا تھا جسے حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ نے قبول فرمایا تھا" حضرت شیخ وجیہہ الدین احمد کا مقبرہ گجرات میں احمد آباد کے پاس قصبہ سرکھیج میں ہے "کھٹو کہلانے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے پیر حضرت بابا اسحٰق مغربی گجرات کے موضع کھٹو میں رہتے تھے جہاں حضرت شیخ احمد کھٹو لڑکپن سے اُن کے پاس آ گئے تھے اور وہیں انہوں نے تعلیم و تربیت و فیض حاصل کیا تھا اور پھر اپنے پیر دستگیر کی وفات کے بعد بھی وہیں مقیم رہے تھے۔

باب چہارم

قبل اس کہ ہم "کنبوہ" قوم کی "تاریخ اور نسب پر" "تاریخی اور جغرافی اور اثری" شہادتوں سے روشنی ڈالیں با ستذکرہ بالا بزرگوں کے سلسلۂ نسب پر" جو "المشاہیر" "شمس التواریخ" میں درج کیا گیا ہے "علم الانساب اور تاریخ" کی رو سے تنقید کریں" یہ دیکھنا مناسب سمجھتے ہیں کہ "صوبۂ ممالک متحدہ کے کنبوہ حضرات" جن بزرگوں کی اولاد ہیں "ان میں ایسی کتنی ہستیاں ہیں جنہیں کوئی تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اور ان کے نسب کے متعلق کیا ثبوت ہم پہنچتا ہے" (تاریخ امروہہ۔ جلد ۴۔ صفحہ ۲۴۳)

ہمیں مؤلف صاحب کے اس بیان پر کوئی اور تبصرہ کرنا منظور نہیں ہے "یہاں اس امر کو پیش نظر رکھنے کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے کہ انہوں نے اپنے نسب کی تحقیقات میں جن شہادتوں کو پیش کیا ہے" انہیں خود اپنے قلم سے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۹ پر اس طرح تحریر کیا ہے کہ "عہد بلبن" میں خلفائے عباسی کی اولاد سے بعض بزرگ وارد ہندوستان ہوئے" مگر "فرشتہ" نے ان عباسی شہزادوں کے نام لکھے ہیں" اور کسی دوسرے مورخ نے اس کی تصریح کی ہے "تاہم خاندانی روایات میں علی التواتر مذکور ہے کہ ایک شہزادہ کا نام "محمد یوسف تھا جن کی اولاد میں "خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ ہے" اور صفحات ۱۸۰ و ۱۸۱ پر لکھا ہے کہ۔

"کیونکہ ہمارے ہندوستانی مورخین کی عادت ہے کہ "وہ صرف ان ہی واقعات کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں جو ملک کی سیاسی حالت۔ یا جنگ و جدال" اور بادشاہوں کے عزل و نسب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں" کہیں کہیں "علماء اور مشائخ" کا تذکرہ بھی ملتا ہے" لیکن شرفا کے مشہور اور تاریخی خاندانوں اور ان کے مورثوں کا تذکرہ شاذ و نادر کرتے ہیں" ان حالات کو عام اور معمولی سمجھکر نظر انداز کر دیتے ہیں" اس لئے مخدوم زادگان عباسی "اور ان کے خاندانی حالات۔ ان کتب تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے" خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی "سادات و شرفا کے دیگر خاندانوں کی طرح" زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں"

اس بیان کے علاوہ "کسی جگہ اوپر یہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ان کے کسی بزرگ کا شجرہ اور حال کسی بھی کتاب میں کم و بیش ستر اسی برس پہلے نہیں لکھا گیا۔ اور سارا دارومدار صرف خاندانی روایات پر ہے" مگر وہ اس خاندان کی نسبی تحقیقات پر برخلاف اپنی تحریر کے "تاریخی" "جغرافی" اور "اثری" شہادتوں سے روشنی ڈالتے ہوئے "علم الانساب اور تاریخ کی رو سے تنقید کرنا چاہتے ہیں" ہم ان کی مطلوبہ شہادتوں کے بہم پہنچانے سے قاصر نہیں ہیں"

باب پنجم

"مخدوم شیخ سماء الدین" آپ کے فرزند "شیخ عبداللہ بیابانی" اور "مخدوم صاحب کے مرید و خلیفہ مولانا جمالی" ایسے بزرگ ہیں۔ جن کا تذکرہ "کتب تواریخ و سیر" میں ملتا ہے۔ نیز "نواب شہباز خاں" "شیخ گدائی" اور بعض دیگر اشخاص کا ذکر "عہد مغلیہ" کی "کتب تواریخ و سیر" میں پایا جاتا ہے" لیکن ان تمام اشخاص میں سے کسی ایک شخص کے متعلق بھی کہیں تحریر نہیں کہ وہ "قریشی النسل" یا "عربی النسل" تھے۔ کتب تواریخ و سیر میں ہر جگہ "کنبوہ" "طائفہ کنبوہ" یا "قوم کنبوہ" وغیرہ الفاظ سے ان کے نسب کا اظہار کیا گیا ہے" ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں"

(ا) "میاں چمن کنبوہ" و "عماد الملک کنبوہ" (تاریخ فرشتہ در ذکر سلطان سکندر لودی)

"صاحب آلمشاہیر" کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ اور مؤلف موصوف کے بیان کے مطابق قرابتیں ہوتے رہنے کی وجہ سے ہی وہ قیاساً اُن کے عزیز اور ہم نسب قرار دیئے جاسکتے ہیں" ہم نہیں سمجھ سکے کہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انہوں نے ایسی تحریرات کیوں لکھدی جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔"

مؤلف صاحب کے بیانات کی غلطیوں کا بُطلان کرنے کے بعد اس خیال سے کہ شاید کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ خلش پیدا ہو جائے کہ "زبیریوں کا یہ خاندان" دوسرے خاندانوں "قریشیوں" "ہاشمیوں" اور "فاطمیوں" تک سے رشتہ کرنے سے کیوں پرہیز رکھتا اور کن باتوں اور مصالح کی بناء پر اس بارے میں سختی برتنے کو ضروری سمجھتا رہا ہے" اس کے متعلق یہاں صرف اتنا ہی لکھدینا کافی ہے کہ یہ عمل پاکیزگیٔ نسل کے خیال سے ہے تاکہ قوم میں احساس کمتری نہ پیدا ہونے پائے۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہوگا کہ قدیم سے اس خاندان کو اپنی عجیب الطرفینی قایم رکھنے میں کیسا انہماک چلا آرہا ہے۔ بحر الابرار کے صفحہ ۲۹۷ تا ۲۹۹ پر تحریر ہے کہ۔

زبیری کنبوی کے خاندان میں پاکیزگیٔ نسل اور اتحادِ قومی قائم رکھنے کا بہترین عمل

نقل است کہ "شیخ حسین کنبو میرٹھی" "الٰہ بخش کنبو" بخدمت شاہ العالمین التماس نمود "کہ حضرت سلامت" در قرآنِ مجید حق تعالیٰ در باب اولاد خبر بہ بندگانِ خود چنیں دادہ است "المال والبنون" "زینت الحیٰوۃ الدنیا" بندہ درگاہ کہ از ثمرۂ اولاد بے نصیب است "درین باب ہیچ تقصیر خود معلوم نمی کند۔ یا توفیق ترکِ تعلق دنیوی عنایت شود" یا از درگاہ قاضی الحاجات "فرزند نرینہ خواستہ بہ ایں مخلص مرحمت نمایند۔ کہ بعد از فقیر در دنیا فاتحہ خواں آبائے اجداد خود باشد۔ دریں باب الحاح وتضرع بسیار کرد"

حضرت شاہ العالمین" بعد از ایں حرف بمراقبہ شدہ۔ بعد از زمانے سر برآوردہ فرمودند کہ فلاں کس در "قوم کنبوان" دو زن ہم بعضے دولتمندان در حبالۂ نکاح می آرند"

عرض کرد" کہ حضرت سلامت باوجود کہ یک منکوحہ در حالہ حیات باشد۔ ہیچ ہم قومے آں شخص را دختر خود بہ نکاح نمی دہد" وزن غیر قوم بکار نمی آید۔ و فرزندانِ آں اہلیتہ و خود ہم آں زن۔ کہ از قوم بیگانہ باشد" عزت نمی یابد" و در مجلس شادی وغیرہ" در صفِ نعال" و مابین ہمہ عورات جائے نشست نمی یابد۔ و رابطت کدخدائی فرزندان" و دختر" قوم کنبوہ" پیوند نمی شود۔

چوں "الٰہ بخش" ایں ہمہ مقدمات بعرض "حضرت شاہ العالمین" رسانید" بعد از تامّل بسیار فرمودند۔ کہ "میاں شیخ الٰہ بخش" شما را از درگاہ واہب العطیات فرزندانِ نرینہ درخواست نمودہ دہانیدیم۔ خاطر خود از جانبِ اولاد جمع داشتہ باشد کہ حق تعالیٰ شما را فرزندانِ خواہد داد۔

نقل ہے کہ "شیخ حسین کنبو میرٹھی (الٰہ بخش کنبو) نے شاہ العالمین (حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانوی المتوفی ۹۴۹ھ) کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت سلامت اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اپنے بندوں کو یہ خبر دی ہے کہ "مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہے" بندۂ درگاہ کہ ثمرۂ اولاد سے بے نصیب ہے اس بارے میں کوئی قصور اپنا معلوم نہیں ہوا۔ یا تو توفیق ترک تعلق دنیوی کی عنایت ہو۔ یا درگاہ قاضی الحاجات سے اس مخلص کے لئے فرزند مرحمت ہونے کی دعا فرمایئے۔ تاکہ اس فقیر کے انتقال کے بعد وہ اپنے باپ دادائوں کی فاتحہ دلائے" اور اس بارے میں انہوں نے بہت الحاح وزاری کی"

حضرت شاہ العالمین نے یہ باتیں سُنکر مراقبہ فرمایا اور دیر کے بعد سر اُٹھاکر فرمایا کہ قوم کنبوان میں بعضے دولتمند دو عورتوں کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے ہیں"

عرض کیا کہ حضرت سلامت جب تک کسی کی ایک بیوی زندہ ہو۔ کوئی ہم قوم اُس شخص کے نکاح میں اپنی لڑکی نہیں دیتا ہے" اور غیر قوم کی عورت ہمارے کام نہیں آتی۔ اور اس کی اولاد اور خود وہ عورت جو غیر قوم سے ہو عزت نہیں پاتی۔ اور مجالس شادی وغمی وغیرہ میں تمام عورتوں میں وہ بیٹھنے کی جگہ نہیں پاسکتی۔ اور اُس سے پیدا شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں قوم کنبو میں نہیں ہوسکتیں"

جب الٰہ بخش کی یہ تمام باتیں "حضرت شاہ العالمین کی خدمت میں عرض ہوئیں" تو بہت تامل کے بعد فرمایا کہ میاں الٰہ بخش" تم کو اولاد عطا کرنے کے واسطے خدا اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے" اپنے دل کو اولاد کی طرف سے مطمئن رکھو" کہ حق تعالیٰ تمہیں اولاد عطا فرمائے گا"

کی اور کسی کتاب میں "نواب شہباز خاں" کا شجرہ نسب کیوں درج نہیں ہے۔ تو اس کے جواب میں تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۱۶ پر مؤلف صاحب نے جو عبارت خود اپنے قلم سے تحریر کی ہے "اسی کے لکھ دینے پر ہم اکتفا کرتے ہیں" وہ لکھتے ہیں کہ۔

"شرفائے صدیقی کے خاندانی حالات کا ماخذ اکثر و بیشتر یہی خاندانی روایات تھیں جنہوں نے مختلف زمانوں میں تحریری شکل اختیار کی اور سوائے اگر روایتاً صحیح اور درایتاً معقول تھیں تو انہیں بعد میں تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ "خاندان حقانیہ سوختہ امروہہ" کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کی طرح زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں"

مؤلف امروہوی کی اس تحریر کے بعد تو "نواب شہباز خاں" کے شجرہ نسب کی اہمیت کی کوئی حد اور اس کے قابل قبول ہونے میں شک کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں ہے "کیونکہ ان کا شجرہ تقریباً چار سو برس کی تصنیف میں ہے" جبکہ اس کے مقابلہ میں "مؤلف صاحب کا شجرہ نسب ابھی حال میں تصنیف ہوا ہے یعنی ان کے شجرے بلکہ کسی بزرگ تک کا کوئی تذکرہ سترہ اسی برس پہلے کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے اور یہ کتاب بھی انہیں کے ایک بزرگ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۵) مؤلف صاحب کے آخری فقرے کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے "صرف ان کی جانی بوجھی بات کو کا عذر لکھ دینا ہے" شاید اس خاندان کا قدیم الایام سے ہندوستان میں یہ دستور رہا ہے کہ اپنی بیٹی کسی دوسرے خاندان میں خواہ وہ شیخ یا سید ہی کیوں نہ ہو کبھی نہیں دی "اگر اس خاندان کے کسی شخص نے اپنی خاندانی بیوی کی زندگی میں بیوی کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی دوسری شادی کرنی چاہی ہے تو خاندان میں سے کسی نے پہلی بیوی کی موجودگی میں اسے لڑکی نہیں دی" اگر کسی شخص نے دوسرے خاندان برہمن، راجپوت، مغل، پٹھان، سومیرہ اور شیخ و سید کی لڑکی سے شادی کی بھی ہے۔ تو ان بیبیوں کو خاندانی بیبیوں کا درجہ نہیں دیا اور ان سے جو اولاد پیدا ہوئی اسے قبول نہیں کیا۔ ان کی شادیاں ان کے ہم پایہ لوگوں میں ہوئی ہیں" پانچ سو برس سے زیادہ کا شجرہ اس خاندان میں ایسا موجود ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کی شادی کہاں ہوئی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ کہاں بیاہی گئی "کم و بیش پچاس سال قبل ایک بزرگ نے اپنی ان لڑکیوں کی جو خاندانی کے بجائے ایک یونانی کے بطن سے تھیں۔ ان لڑکیوں کے مماثل خاندان کے لڑکوں کے بجائے "صدیقی اور سید خاندانوں کے لوگوں سے شادیاں کیں" اس خاندان میں یہ پہلی مثال ہے کہ خواہ۔ خیر کچھ کی بی بی سے ہی دو بیٹیاں کیوں نہ ہیں باہر دی گئیں "ایسی لڑکیاں مع اپنی اولاد کے ہمیشہ کے لئے اس دودمان عالیشان سے خارج ہو گئیں" اس لئے مؤلف صاحب کا یہ کہنا حقیقتہ ہرگز نہیں ہے کہ جن لوگوں کے شجرے "حضرت رہبیر" تک نہیں بیان کئے گئے۔ اس بنا پر کہ ان کی قرابتیں بھی مذکورہ خاندانوں سے چلی آتی ہیں۔ لیکن انہیں بھی "رہبیری" قرار دیدیا گیا ہے۔

مؤلف موصوف کو بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ اس خاندان کے حالات میں قیاسات کی آڑ میں مجیب کرتے رہنے سے وہ اپنے مقصد میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے"

ہم انہیں بتلاتے ہیں کہ "کتابیں جو اس خاندان کے بزرگوں نے لکھی ہیں انہوں نے اپنا مقصد تمام افراد خاندان کے جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور جو مختلف شہروں میں مسکن گزیں رہتے آئے ہیں۔ شجرے لکھنا قرار نہیں دیا تھا" ان میں سے بعض تو ایسی ہستی تھے کہ اپنا شجرہ خود لکھ بادشاہ انہوں نے اپنے باپ دادا تک کا نام نہیں لکھا اور بعض نے اگرچہ اپنا سلسلہ لکھا ہے اور اس میں دو تین پشت کی شاخیں بھی لکھ دی ہیں مگر اوپر کی پشتوں کی شاخوں کو جو چھوڑ دیا ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ "ان ترک شدہ شاخوں کی نسل ان کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتی" مثلاً "صاحب المشاہیر" ہی کے سلسلہ کو ہم پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے صفحہ ۵۲ پر "اپنا سلسلہ تحریر فرمایا ہے" اس میں صرف اپنے دادا کی "اپنے والد کی اور خود اپنی ساری اولاد کو دکھلائی ہے" اور دوسرے بزرگوں کی ان اولادوں کو چھوڑ دیا ہے جن سے ان کا ہمیشہ سلسلہ نہیں چلا ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کے دوسرے اجداد کی جو اور اولادیں ہوئیں پھر ان سے جو شاخیں چلیں وہ

ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں۔ "اُن کا قاعدہ ہے کہ جن کتابوں کو وہ اپنے مقاصد کے منافی سمجھتے ہیں ۔ اُن کے بیانات دینے تو الگ رہے اُن کے ناموں تک کا ذکر نہیں کرتے ۔"

"مصباح العارفین" میں کیونکہ "مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز" کا شجرۂ نسب درج ہے ۔ اور مؤلف صاحب کو "مخدوم صاحب" کے شجرے پر بحث کر کے اُسے غلط ثابت کرنا ضروری تھا ۔ اس لئے انہیں مجبوراً اس کتاب کا نام ظاہر کرنا پڑا ۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اس کے وجود میں مشتبہ کی مہر لگا دی ۔ اپنے مقصد کے مدنظر مناسب ۔ اور تھا ہے ۔ "یہاں پر اتنا بتا نا ہے کہ مؤلف موصوف نے اس جگہ "مصباح العارفین" کے وجود کو صرف "مشتبہ" ظاہر کرنے پر اکتفا کیا ہے ۔ مگر سات آٹھ صفحات آگے چل کر اس کتاب کے وجود ہی سے قطعاً انکار کر دیا ہے اور اپنے بیان کے ثبوت میں دلیلیں بھی پیش کی ہیں ۔ تو کیونکہ اس موقع پر جہاں یہ بحث دوبارہ آئے گی "مؤلف صاحب" کی تحقیقات کی حقیقت ہمیں پھر دکھانی ہے ۔ اس لئے یہاں اس بارے میں اسی قدر لکھنا کافی ہے ۔"

(۲) "نواب شہباز خاں اکبری کے شجرۂ نسب" کے بلا حوالہ درج ہونے کا جو ذکر مؤلف صاحب نے کیا ہے اس کے متعلق ہم انہیں بتاتے ہیں کہ "نواب شہباز خاں المتولد ۹۳۵ ہجری المتوفی ۱۰۰۸ ہجری" کا شجرۂ نسب ۔ "رسالہ مبارک" "سلسلۂ عالیہ" اور "رسالہ شہباز خانی" ان قدیم کتابوں میں درج ہے ۔ "سلسلۂ عالیہ مطبوعہ ہے ۔ نایاب نہیں ہے ۔" اور مؤلف صاحب کے وطن "امروہہ" ہی کے اکثر گھرانوں میں موجود ہے ۔ "رسالہ مبارک" بھی طبع ہو چکا ہے ۔ "المشاہیر" میں "سلسلۂ عالیہ" کا ذکر ہو چکا ہے ۔ ایک تو مصنف صاحب کے حالات میں ۔ دوسرے اُن کے بیالیس (۴۲) کتابوں کی فہرست میں جن سے صاحب المشاہیر نے حالات لئے ہیں ۔ (رسالہ مبارک بھی اسی فہرست میں) المشاہیر کی تحریر ہے "اگر مؤلف صاحب اِن کتابوں کو دیکھتے تو انہیں نواب شہباز خاں کے شجرۂ نسب کا حوالہ ضرور مل جاتا ۔"

"رسالہ شہباز خاں" قلمی ہے ۔ اس کے مؤلف "نواب شہباز خاں" کے قریبی عزیز ۔ اور ان کے حقیقی بھائی "کرم اللہ" "المتوفی ۱۰۱۰ ھ" از امرائے کبار "شاہنشاہ اکبر" کے رشتہ دار ہونے کے علاوہ ملازم بھی تھے ۔ یہ رسالہ "نواب مظفر حسین خاں" ابن نواب سبحان علی خاں "داروغہ کے بادشاہ گر" ابن تہور علی خاں ابن غلام حسین خاں "مدار المہام چیت سنگھ راجہ بنارس" ابن ہمت خاں "رکے از عمدہ امرائے والا شاہی" "محمد شاہ بادشاہ دہلی" کے پاس تھا ۔ اُن کے پاس سے "بادی علی صاحب نقوی" والا سیدوی" کے پاس پہنچا ۔ اب ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے ۔ یہاں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ "نواب مظفر حسین خاں" اور "بادی علی صاحب" دونوں اسی خاندان زیر بحث کے چشم و چراغ اور شیعہ مذہب کے پیرو تھے ۔ "اگر وہ چاہتے تو اس "رسالہ" کو چھپا ڈالتے اور آسانی کے ساتھ آلِ محمد یعنی فاطمی سید بن جاتے ۔ مگر انہوں نے شیعہ ہونے اور شیعوں کے ترغیب دلانے پر بھی اپنے جد اعلیٰ "حضرت زبیرؓ" سے ...... سلسلۂ نسب کو نہیں چھپایا ۔"

تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۶۹ پر لکھا ہے کہ ۔

"غیر بنی فاطمہ" خواہ بنی ہاشم ہوں ۔ یا غیر بنی ہاشم " جب شیعی مذہب اختیار کر لیتے ہیں تو محض شیعیت کی بدولت "سیادت کا دروازہ ان کے لئے کھل جاتا ہے ۔"

لیکن اس خاندان کے شیعہ بزرگوں نے کبھی اس بات کو گوارا نہیں کیا ۔ خاں صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی "مؤلف شمس التواریخ" کا گھرانا کئی پشتوں سے شیعہ مذہب کا پیرو ہے ۔ "حکیم صاحب موصوف خود بھی راسخ الاعتقاد شیعہ اور اسی خاندان کے جو حضرت زبیرؓ سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے ۔ ایک بزرگ ہیں ۔ کئی برس قبل جب وہ عتبات عالیات کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے "میرٹھ" میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی دورانِ گفتگو میں فرمایا تھا کہ "شیعہ حضرات نے بار بار زور دیا کہ ہم اپنے آپ کو "سید" کہا کریں ۔ لیکن ہم نے کسی طور اُن کی بات کو پذیرائی نہیں دی ۔" حالانکہ حضرت زبیرؓ کی اولاد ہوتے ہوئے سید کہلانا اُن کے لئے انوکھی بات نہ ہوتی ۔"

متذکرۂ بالا دونوں شجروں کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ "اس خاندان کے شیعہ مذہب رکھنے والے بزرگوں میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی انہیں قبول کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا ۔ اور سید بنانے والی ترغیبوں کو ہمیشہ رد کر دیا ۔" اب رہی یہ بات کہ اِن دو خاندانی کتابوں سے پہلے

ہوئے تاب "خواجہ عزیز کوتوال" "خواجہ شاہی لکھنوی" "قاضی جمال ملتانی"

بندہ نے اِن بزرگوں کے نام لئے تو "حضرت خواجہ" (نظام الدین اولیاءؒ) آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور ہر ایک کا ذکر کرنے لگے۔ جب "قاضی جمال" کا نام لیا تو فرمایا کہ انہوں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ "رسول اللہ صلعم" ایک جگہ "بداؤں" کے علاقہ میں بیٹھے ہوئے وضو فرما رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو فوراً وہیں پہنچے اور جا کر دیکھا تو وہ جگہ تر پائی۔ لوگوں سے کہا "میرے لئے قبر کھود دو" چنانچہ اُن کی وفات ہوئی تو اُن کو اُسی جگہ دفن کیا گیا۔"

(ملفوظات خواجگان چشت حصہ دوم - فوائد الفواد چہارم ص ۳۰۹ و ۳۱۰ مطبوعہ)

اِس خیال کے مدِنظر کہیں ہمارے یہ مؤلف صاحب "حضرت شیخ حسام الدین" "حاجی جمال" اور "قاضی جمال" کو تین شخصیتیں نہ سمجھ لیں "۔ اِس لئے اُن کا التباس دور کرنے کے لئے "تاریخ فرشتہ" "تذکرۃ الواصلین" اور "بداؤں قدیم و جدید" دیکھ لینے کی اُن سے سفارش کر کے اِس بحث کو ختم کرتے اور آگے بڑھنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو کچھ اوپر تحریر ہوا وہ صرف اِس قدر ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ "لودیوں کے زمانہ سلطنت سے پہلے کی کتب تواریخ و سیر" وغیرہ میں اِس خاندان کے بزرگوں کے حالات موجود ہیں اور مؤلف موصوف کی تحقیقات زیر بحث صحیح نہیں ہے" لودیوں سے پہلے کے اُن بہت سے اُمراء و وزراء اور دیگر بزرگوں کو جن کے حالات کتابوں میں ملتے ہیں۔ یہاں غیر ضروری جان کر نہیں ظاہر کیا گیا۔ اُن کے تذکرے ہم نے اپنی کتاب "سلسلۂ زبیریہ" کی جلدوں میں اپنے اپنے مواقع پر تفصیل سے لکھے ہیں" اور اِس جگہ مؤلف صاحب کے بیان کی تردید کیلئے مشتے نمونہ از خروارے جن تین بزرگوں کے زمانوں کو بطور مثال دکھلایا ہے اُن میں سے "حاجی جمالؒ" کی پیدائش کا زمانہ تو دہلی ۵۸۳ھ ہجری سے بھی انیس [19] برس پیشتر کا ہے" اور جب "دہلی" کو ۶۰۲ھ ہجری میں مسلمانوں نے پہلے پہل اپنا تخت گاہ بنایا تو اُس وقت "حاجی صاحب کی عمر تینتیس [۳۳] سال کی تھی"۔ آپ نے ملتان سے تشریف لا کر "بداؤں" کو مستقر قرار دیا اور اِن اطراف میں اِسلام کی اِشاعت کی" شروع سلطنت اِسلامیہ ہند سے اِس خاندان کے بزرگوں کے حالات کتابوں میں برابر ملتے ہیں"

باب دوم [۲]

کچھ عرصہ پہلے تک "لفظ کمبوہ" قوم کنبوہ " (کمبوہ یا کمبوہ) اظہار نسب و قومیت کے لئے بالعموم مستعمل تھے" اور بعض لوگ اب بھی یہی لفظ استعمال کرتے ہیں" لیکن اب تقریباً تیس چالیس سال سے اِن خاندانوں کے اکثر اصحاب جو صوبجات متحدہ میں ساکن ہیں "اپنے آپ کو "قریشی الاصل" اور حضرت زبیر بن العوامؓ کی نسل سے ظاہر کرنے لگے ہیں" (تاریخ امروہہ جلد ۴ - ص ۳۴۱)

اِس بیان کے پہلے فقرہ کے متعلق ہمیں یہاں محض یہ بتانا ہے کہ "مؤلف موصوف نے آگے چل کر اِس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے" اور اپنی تحقیقات کو سچا ثابت کرنے کے لئے چند حوالے بھی درج کئے ہیں" اُسی موقع پر ہم اُن کے اِس بیان کا تفصیلی جواب پیش کریں گے" اور دوسرے فقرہ کے بارے میں صرف یہ کہنا ہے کہ "اِس خاندان کے بزرگوں نے زائد از سوا سو" اور تین سو" اور تقریباً چار سو برس پہلے بھی اپنی مصنفہ کتابوں میں اپنے آپ کو "قریشی" اور "زبیری" تحریر کیا ہے" پھر اِسی قدر نہیں ہے بلکہ دوسرے مورخین نے بھی اُن کی عالی نسبی اور والاحسبی کو خاص طور سے سراہا ہے" مؤلف نے "جہاں اِس خاندان کے نسب پر تنقیدیں کی ہیں اور مفصل طور سے محاکمہ کیا ہے" وہاں ہم اِن بزرگوں اور مورخوں کی تحریریں حاضر کریں گے"

باب سوم [۳]

اِس سلسلہ میں چند رسائل و کتب تصنیف ہوئی ہیں۔ (مثلاً رسالہ مبارک "مؤلفہ نواب مبارک علیخاں

"شاہانِ سلف کی امن پروری" شکی شرمی کے تحت عالمگیر کے سالنامہ ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ۔

"سلطان محمد تغلق کے دربار میں ایک دفعہ "مولانا جمال الدین" نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا" ؎

آنکہ تاجش ماند نگہدار این جہان را
محمد شاہ تغلق ابن تغلق ابن سلطان را

بادشاہ نے مطلع سنکر ہی روک دیا اور کہا کہ میں پورے قصیدے کا انعام نہ دے سکوں گا۔ اور حکم دیا کہ شاعر کے سر تک اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا جائے۔ جب ڈھیر سر تک آیا تو مولانا جمال الدین کھڑے ہوگئے۔ "بادشاہ نے قد آدم ڈھیر لگوایا۔ اور سب اشرفیاں انعام میں بخش دیں"

اور حکایات شاہانِ قلمی (موجود در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا) مؤلفہ نواب احمد اللہ خان زبیری میرٹھی۔ ولادت ۱۸۲۷ء عیسوی وفات ۵ رمضان ۱۳۰۹ ہجری کے صفحہ ۶ پر تحریر ہے کہ۔

"سلطان محمد تغلق کے حالات میں "ہفت اقلیم میں لکھا ہے کہ" مولانا جلال الدین نے قصیدہ اس کا کہا۔ مطلع اس کا یہ ہے ؎

آنکہ تاجش ماند نگہدار این جہان را
محمد شاہ تغلق ابن تغلق ابن سلطان را

جب یہ مطلع پڑھا باقی کو منع کیا۔ کہا کہ میں تمام اشعار کا صلہ ادا نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا کہ تھیلیاں روپئے کی گرد مولانا کے رکھیں۔ جب ہر دیک سر کے پہنچیں۔ مولانا کھڑے ہوگئے سلطان بہت خوش ہوا۔ اور فرمایا سر تک تھیلیاں چنو"

مولانا علاء الدین کا یہ واقعہ (تاریخ سیر المتاخرین جلد اول کے صفحہ ۱۲۴) پر بھی سلطان محمد تغلق کے حال میں تحریر ہے "

شیخ حسام الدین المعروف بہ حاجی جمال قدس سرہٗ

(ح) اِس دُودمانِ عالی شان کے مشہور بزرگ "حضرت شیخ حسام الدین المعروف بہ حاجی جمال ملتانی" مرید "مخدوم شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی" کے اور خلیفہ شیخ صدر الدین عارف قدس سرہ العزیز کے تھے۔ ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں "سلطان غیاث الدین بلبن" کے انتقال سے ڈیڑھ برس بعد" آپ کا وصال ۶۸۸ ہجری میں بداؤں میں ہوا۔ اور وہیں آپ کا مزار مبارک ہے "آپ سلطان العارفین" اور آپ کے بھائی حضرت بدر الدین ملتانی "سادات بداؤں" کے اُستاد تھے "نواب شمس خان اکبری کے "جد ششم تھے"

اِس خاندان کی بحث میں صفحہ ۳۳ پر جو مؤلف موصوف نے بھی "مآثر الامراء" سے لیکر آپ کا ذکر "ذیل الفاظ نقل کیا ہے کہ۔

"شمار خان کنبوہ "نسبش بیست واسطہ" بہ حاجی جمال۔ میرسد"

لیکن ہمیں یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ "لودیوں کے زمانۂ سلطنت سے بہت پہلے کی کتابوں میں آپ کے حالات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو "فوائد الفواد" مرتبہ حضرت حسن سنجری (المتوفی ۷۳۵ ہجری) دوست حضرت امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ ہجری) اور مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاؒ (المتوفی ۷۲۵ ہجری) میں سے "حاجی جمال" کے متعلق ایک واقعہ لکھتے ہیں "اس میں تحریر ہے کہ۔

"روز دوشنبہ ۱۸ محرم ۷۰۹ ہجری کو سعادت دست بوسی حاصل ہوئی" اس دن ہمارا لشکر بداؤں "سے آیا ہوا تھا" بداؤں "اور اُس کے آس پاس کا ذکر ہو رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اِس لشکر کو یہاں تک دیکھا گیا بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہے۔ جیسا کہ والد بزرگوار "مولانا علاؤ الدین اصولی" مولانا سراج الدین ہمدانی "خواجہ شاہی

"سید مبارک شاہ" کے قاتلوں یعنی "سرور الملک" اور اُس کے "ہندو معاونین" کو "کمال الملک" وغیرہ کے ساتھ مل کر قتل کر دیا" اور "محمد شاہ بن فرید خاں بن سید خضر خاں" کو اُن کے پنجہ سے آزاد کیا۔ اور "غازی الملک" کا خطاب پایا۔

پھر ۸۵۵ھ ہجری کے واقعات میں مرقوم ہے کہ "سلطان بہلول لودھی" کے دربار میں بوقت تخت نشینی چونتیس (۳۴) نامی گرامی امیر موجود تھے جن میں بہت سے اُمراء بادشاہ کے عزیز اور قرابتدار بھی تھے۔ اِن اُمراء کی فہرست میں ملک چمن نبیسۂ خان جہاں کا نام بھی موجود ہے۔

پھر بعد ۸۹۴ھ ہجری کے واقعات میں "تاریخ فرشتہ" میں "سلطان سکندر لودھی" کی تخت نشینی کے وقت جن ترپن (۵۳) اُمراء کی موجودگی کی فہرست دی ہے۔ اُس میں "میاں چمن کنبوہ حجاب خاص" اور "عماد الملک کنبوہ" کے دو نام بھی لکھے ہیں"

جیسا کہ ہم نے ابھی دکھایا ہے "مورخ فرشتہ نے "ملک میاں چمن" کو "نبیرۂ فیروز خاں" اور "نبیسۂ خان جہاں" بتایا ہے۔ اُس زمانہ میں "وزیر" "سپہ سالار اعظم" اور گورنروں وغیرہ میں سے "بہت با اختیار عالی جاہ" اُمراء کو بادشاہ "خان جہاں" کے خطاب سے سرفراز کیا کرتا تھا "فیروز خاں" بھی اپنے زمانہ میں رکنِ رکینِ سلطنت اور نمایاں شخصیت کے مالک تھے" اِس لئے مورخ نے ایک جگہ "میاں چمن" کے نانا کو۔ اور دوسرے موقع پر اُن کے دادا کا نام بتا کر اُن کے حالات میں اُن کی وجاہت و علوئے مرتبت خاندانی کا بھی اظہار کر دیا ہے اگرچہ ۱۲۳۵ھ ہجری کی مصنفہ کتاب سلسلۂ عالیہ کے صفحہ کے اِس فقرے کو کہ "چنانچہ در دہلی قدامت اِقامت ایں گروہ مشہور است" مؤلف صاحب نے نظر انداز کر دینا مناسب خیال کیا تھا۔ تب بھی اُن کا فرض تھا کہ وہ "فرشتہ" کی دکھلائی ہوئی اِس روشنی کی طرف قدم بڑھاتے اور "ملک چمن" کے بزرگوں کی تلاش کے لئے چند تاریخوں کی ورق گردانی کر لیتے" اگر وہ ایسا کرتے تو اِس خاندان کے اکثر بزرگوں کو "لودیوں کے زمانۂ سلطنت" کی کتب تواریخ و سیر کے ماسوا "سیدوں تغلقوں خلجیوں" بلکہ ترکوں کی سلطنت میں بھی بالضرور پا لیتے۔ اور اُن کی حیثیت کو بھی معلوم کر لیتے"

غازی الملک "میاں چمن" کے آثار سے ایک محلہ "موسوم بہ چمن سرائے" اب تک "سنبھل ضلع مراد آباد" میں موجود ہے" پہلے یہ سارا علاقہ یا محلہ "میاں چمن" کے اہلِ خاندان کے قبضہ میں تھا" اور آج بھی اُن کے چند گھرانوں کی جو وہاں سکونت گزیں ہیں اُس کے ایک حصہ پر ملکیت قائم ہے"

تاریخ سنبھل موسومہ معرکۂ عظیم مطبوعہ اہلِ سنت برقی پریس مراد آباد کے صفحہ پر تحریر ہے کہ "شہنشاہ سلطنت ابو الفتح مبارک شاہ" "میاں چمن کنبوہ حاکم شہر بدایوں" تھے۔ انہوں نے "کمال الملک" سے ملکر "حمید خاں" جیسے غیر وفادار کو شکست دے کر دہلی کو فتح کیا" اور "غازی الملک" کا خطاب پایا۔ "بہلول لودی" اور "سکندر لودی" کے اُمراء میں شریک تھے۔ ۸۹۵ھ ہجری میں "سکندر لودی" کے حجاب خاص ہوئے" اور "سکندر کے ساتھ" "چار برس" "سنبھل میں" "مقیم رہے۔ تو "شیخ چمن" نے اپنے نام پر "محلہ چمن سرائے" آباد کیا۔ وصفحہ پر تحریر ہے کہ "حضرت سید سالار غازی مسعود" کا نیزہ کا تہوار سنگل کو "موضع شہباز پور" کی اراضی میں ہوتا ہے۔ اور دوسرے دن بدھ کو باسی نیزہ شہر میں "محلہ چمن سرائے" اور "سرائے ترین" کے درمیان ہوتا ہے" بدھ کے دن والا میلہ اُجالا ہوتا ہے" صفحہ ۱۱۹ پر تحریر ہے کہ "منگل کے دن کا میلہ تازی لیکن بدھ کے دن کا باسی کہلاتا ہے" جو شہر کے مشرقی آبادی "محلہ چمن سرائے" میں "خوش پوشاک اہلِ شہر کا ہوتا ہے" (تاریخ سنبھل مرتبہ حکیم غلام احمد صاحب فریدی ۱۳۵۱ھ ہجری)

مولانا جمال الدین

(ب) اِس خاندان کے ایک دوسرے بزرگ "جمال الدین دہلوی" ابن حضرت حسام الدین ملتانی "سلطان محمد تغلق" کے زمانے میں اپنے علم و فضل کے لئے مشہور تھے" اور فارسی شاعری میں اُن کو درجۂ امتیاز حاصل تھا" اِن دونوں بزرگوں کے تذکرے "کتب تواریخ و سیر" وغیرہ میں برابر ملتے ہیں" اور اِس زمانہ میں بھی کبھی کبھی علمی تحقیقات کے ضمن میں اُن کے حالات منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ "ہندوستان کے فارسی ادب کے خصائص کے تذکرے میں" "مولوی ضیاء الدین احمد صاحب ایم۔ اے۔ ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی۔ حال ریڈر فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے "جمال الدین دہلوی" کے متعلق "رسالہ معارف اعظم گڑھ" میں لکھا ہے کہ "حضرت امیر خسرو دہلوی" کے بعد "جمال الدین دہلوی کنبوہ بن حسام الدین ملتانی" مداح سلطان محمد تغلق (تخت نشینی ۷۲۵ھ ہجری۔ وفات ۲۱ محرم ۷۵۲ھ ہجری مطابق ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء) "بدر الدین بدر چاچی۔ (مشہور مشکل گو)" اور "مظہر گجراتی" اور چند اہلِ فضل جن میں بعض ہندی اور بعض عجمی تھے) ہندوستان میں "فارسی شاعری" کے رکن رکین مانے جاتے تھے" (رسالہ معارف اعظمگڈھ صفحہ ۲۹۱ و ۲۹۰ مرتبہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانِ زبیری کنبوہی کے متعلق

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کی تحقیقات کا تجزیہ

باب اول

صوبجات ممالک متحدہ کے مختلف مقامات مثلاً امروہہ سنبھل مرادآباد۔ بریلی۔ میرٹھ۔ مارہرہ اور لکھنؤ وغیرہ میں شرفائے کمبوہ کے بعض نامور اور سربرآوردہ خاندان آباد ہیں۔ نویں صدی ہجری یا بالفاظ دیگر لودیوں کی سلطنت کے زمانہ سے کتب تاریخ و سیر میں مشاہیر قوم کمبوہ کے جابجا تذکرے ملتے ہیں جن میں مخدوم شیخ سماءالدین۔ شیخ جمالی، نواب شہباز خاں اکبری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ہندوستان کے بعض نامور علماء و مشائخ، امراء و اتقیا و شعراء اس نامور قوم میں پیدا ہوئے زمانۂ حال میں نواب وقارالملک مرحوم اور ڈاکٹر ضیاءالدین احمد جیسی بلند پایہ ہستیوں سے اس دودمان عالی شان کا نام روشن ہے۔ (تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم ص۲۳۲)

ملک میاں چمن میاں صاحب کا یہ ارشاد کہ نویں صدی ہجری یا بالفاظ دیگر لودیوں کی سلطنت کے زمانہ سے اس قوم کے جابجا تذکرے ملتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ جس کی تکذیب کے لیے پہلے ہم خود مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ ہی کی تحریر کو پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کی جلد اول کے ص۲۴۳ پر لودیوں سے پیشتر سیدوں کے زمانۂ سلطنت ۸۱۷ ہجری تا ۸۵۵ ہجری میں اسی خاندان کے ایک بزرگ ملک میاں چمن کا مکمل حال ان الفاظ میں درج کیا ہے کہ۔

(۱) ملک سردارالملک نے اولاً سدپال و سدھارن کھتری اور ان کے مریدوں کو جو مبارک شاہ کے قتل کے سلسلہ میں سنبھل و امروہہ و بداؤں و کہرام اور ملک دوآبہ کے چند پرگنے جاگیر میں دیئے۔ لیکن یہ حالت چند روز رہی۔

۲۸ محرم ۸۳۸ ہجری مطابق ۴ اگست ۱۴۳۴ء کو سردارالملک اور اس کے ہندو معاونین ایک معرکۂ جنگ میں قتل ہو گئے۔ اور امروہہ ملک چمن المخاطب بہ غازی الملک کی جاگیر میں دے دیا گیا۔

مؤلف صاحب کی اس تحریر کو پیش کرنے کے بعد ہمیں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تاریخ مبارک شاہی، شاہجہانی، طبقات اکبری اور دوسری کتابیں اگر انہیں نہیں مل سکی تھیں تو وہ تاریخ فرشتہ ہی کو بہ نظر غائر دیکھ لیتے تاکہ انہیں بخوبی معلوم ہو جاتا کہ میاں چمن تھا یا ملک چمن جن کی شخصیت خاندان سادات اور لودیوں کے زمانۂ سلطنت میں اس قدر نمایاں رہی ہے کس خاندان عالی شان کے گل سرسبد تھے۔

۸۲۳ ہجری کے واقعات میں تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ مبارک شاہ نے ملک چمن میر تلیہ و حکام کو سردارالملک و دیگر اور سید السادات سید عالم کے ہمراہ شرقیوں کے مقابلہ پر روانہ کیا اور ۸۳۷ ہجری کے واقعات میں تحریر ہے کہ ملک چمن حاکم بداؤں نے

دائیں سے بائیں کو حسن محمد اکمل - امداد احمد - حسین احمد مؤلف حسن حمیدہ خاتون حسن احمد حسن محمد شفیع

پشت پر - (محمد یعقوب ملازم) الطاف احمد مرحوم سید احمد زبیری (محمد بخش علی ملازم)

فہرست مضامین کتاب ہٰذا
خاندان زبیری کنبوی کے متعلق
مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کی تحقیقات کا تجزیہ

مولوی محمد احمد صاحب زبیری

پوسٹ ماسٹر جنرل وظیفہ یاب ممالک نظام حیدرآباد دکن

دینے کی اُن کی خواہش کا اظہار ہو سکے۔

درحقیقت ہم کو کسی خاندان کی تنقیص یا برائی مدنظر نہیں ہے۔ جو بھی وہ اپنے آپ کو کہتے ہوں ہم کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ یہاں تو یہ مقطع میں سخن گسترانہ بات آ جانے کے مدنظر بحث کی گئی ہے۔ کیونکہ انسان ہونے کی حیثیت سے سب لوگ آدم و حوا کی اولاد ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے انسانو! چاہے تم کہیں کے رہنے والے ہو کسی برادری کے ہو کسی رنگ کے ہو تم سب کو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے" کسی کو چھوٹا یا بڑا سمجھنا بالکل غلط ہے تمام انسان بھائی بھائی ہیں اور اسلام کا مقصد ہی اونچ نیچ کو مٹانا رہا ہے۔ اگر علیحدہ علیحدہ برادریاں بنائی گئی ہیں تو وہ صرف جان پہچان کے لئے بنائی گئی ہیں اور اس لئے کہ آپس میں ملا جلا کریں۔ رشتہ داری کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں فرق درحقیقت انسان کے شرافت نفس اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ "فضیلت اُسی کو ہے جس کا تقویٰ بڑھا ہوا ہے"

بقول ایڈیٹر صاحب ماہنامہ تجلی دیوبند بابت ماہ مارچ ۴۹ء صفحہ ۲۸ "ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے امتیازات فضول ہیں۔ بلاشبہ نسبتوں اور سلسلوں کا تنوع تمدن و معاشرت کا نتیجہ لازمی ہے۔ مراتب و مدارج کے فرق سے اوصاف و اطوار کا فرق ناگزیر ہے بغل دیگر کے اختلافات آخر یہ ہیں کہ کسی سلسلے صحت کے ساتھ رکھے ضروری ہیں لیکن معاندانہ اور متقابل ذہنیتوں کو ختم کرنا بھی واجب ہے۔ خیال و تصور کے مستقل اسکول بنا کر رسہ کشی کرنا سوائے نفاق و تباہی کے اور کوئی نتیجہ نہیں رکھتا۔ اندرنس باقی ہوس"

حسین احمد زبیری

میرٹھ
۱۹ مئی ۱۹۴۹ء

پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اِس کتاب کے کاموں میں اپنا عزیز وقت وقف فرما دیا۔ اور ہر طرح ہماری مدد فرماتے رہے" اِسی طرح معظمی و محترمی حکیم نواب علی خاں صاحب رئیس امروہہ (برادر خورد مسٹر حامد علی خاں صاحب مرحوم بیرسٹر لکھنؤ) بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے متعدد مرتبہ اپنی اِس پیرانہ سالی میں امروہہ سے میرٹھ اِسی مقصد سے تشریف لاکر مفید مشوروں سے مستفید فرمایا۔"

اِسی ضمن میں ہم کو اپنے برادر عزیز میاں امداد احمد صاحب زبیری بی۔اے۔ (علیگ) ڈپٹی ایڈیٹر (عثمانیہ) کے متعلق بھی کچھ لکھنا ضروری ہے کیونکہ اِس کتاب کے لکھنے میں ان کی کوشش۔ ان کی محنت۔ ان کی تگ و دَو اور ان کا خلوص اور ان کے ٹہوکے ہی تھے کہ جس نے ہم کو ایسے عظیم الشان کام کرنے کے لئے آمادہ و تیار کر دیا۔ سچ پوچھئے تو صرف یہی ایسی شخصیت ہے جو اس کام میں ہماری ہر طرح اور ہر وقت شریک و سہیم رہی۔ یوں تو اوائل عمر سے ہم کو مطالعہ کا شوق و ذوق رہا ہے۔ مگر کبھی اس کا خیال بھی ہمارے دل میں نہیں گذرا تھا کہ ایک مصنف کی حیثیت سے ہم کو پبلک میں آنا پڑے گا یہ برادر عزیز ہی ہیں کہ جنہوں نے ہمارے ذوقِ علمی کی رہنمائی اِس جانب کی اور کتابوں کے لکھنے پر باوجود بہت سے موانعات کے ہم کو تیار کر دیا اور ہمارے آرام کے ایسے سامان مہیا کر دیئے کہ ہم دوسرے خانگی بکھیڑوں سے یکسو ہو کر صرف اس کام میں منہمک ہو سکے۔ اور خدا نے آن کے خلوص نیت کا یہ ثمرہ عطا فرمایا کہ ہماری تصانیف عالم وجود میں آسکیں۔ اِس لئے ہمارے شکریہ سے تو وہ بالکل بے نیاز ہیں مگر اُن کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اُن کے خوابوں کی دُنیا ایک حقیقت بنکر اُن کے سامنے آگئی ہے۔ اور جس کام کو اُن کے بزرگوں نے (خدا اپنی رحمت کے پھول اُن پر نچھاور کرے) شروع کیا تھا اُس کے انجام کو پہونچانے میں خود اُن کی امداد شامل ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(عزیزی میاں محمود اختر سلمہ اللہ تعالیٰ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں صبح دوپہر شام جب اسکول اور کھیل سے فرصت پاتے تو کاتب صاحب سے ضرور کہہ جاتے کہ جلد اپنا کام ختم کر دیں اور اس طرح ہمارا کام ہلکا کر دیتے تھے۔")

خاتمہ

خدا کا شکر و احسان بے پایاں ہے کہ اُس نے ہمیں ایسی ہمت و استقلال عطا فرمایا کہ جس کی وجہ سے ہم اس اہم کام سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اس پوری کتاب سے زبیری کنبوہی خاندان کے عہد بہ عہد کے حالات کی ایک جھلک نظروں کے سامنے آجائے گی۔ عرب ہو یا عجم۔ سندھ ہو یا ہند وہ جس جگہ رہے یا گئے طلب علم اور اشاعتِ علوم ان کی خصوصیات رہیں۔ جہاں گئے علم ان کے ساتھ رہا۔ جہاں آباد ہوئے اُس کو علمی مرکز بنایا۔ چنانچہ موجودہ دَور میں بھی اس خاندان کا تعلق اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں ہے اور اس میں ناخواندگی بمنزلہ صِفر کے ہے۔ قدیم و جدید تعلیم میں یہ خاندان صفِ اول میں نظر آئے گا۔ مسلم یونیورسٹی کی تاسیس میں اس کا جو حصہ رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اٹاوہ و آگرہ کے انٹر میجیٹ کالج منصبیہ کالج میرٹھ۔ مدرسہ میرٹھ امروہہ وغیرہ وغیرہ کے مذہبی و غیر مذہبی مدارس اِسی خاندان کے بزرگوں کے رہینِ منت ہیں۔ تحفظ نسل و ذہانت اور دوسرے اوصاف حمیدہ سے یہ خاندان خدا کے فضل و کرم سے ہمیشہ سے تا ایندم متصف ہوتا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ اِس وقت تک بفضلہٖ تعالیٰ اِس خاندان میں یہ بات موجود ہے کہ جو اصحاب جس جگہ ہیں وہ اپنے ہم عصروں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل نظر آتے ہیں۔

سیدنا حضرت عروہؓ بن سیدنا حضرت زبیرؓ اپنے اہلِ خاندان سے فرمایا کرتے تھے کہ "علم سیکھو۔ اِس لئے کہ اگرچہ تم اِس وقت اپنی قوم کے چھوٹوں میں ہو مگر عنقریب دوسری قوموں کے بڑے بن جاؤ گے۔" "جہالت بہت بری چیز ہے خصوصاً قوم کے سردار کے لئے" اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں سب سے زیادہ زہد والے میرے گھر کے لوگ ہیں"

یہی وہ نصیحتیں اور اُن کے اسلاف کے زہد و اِتقا علم و فضل۔ ذہانت و شرافت نفس ہیں کہ جنہیں آلِ زبیرؓ نے اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور صرف اِسی مشعل کو وہ اپنے ہاتھ میں لیکر ہر زمانہ کے بگڑتے ہوئے حالات سے گذرتے چلے گئے اور ہر دَور اور ہر زمانہ میں اپنی مخصوص خصوصیات کو قائم و دائم رکھا۔

ہماری بحث میں جن دوسرے خاندانوں کا ذکر آگیا ہے وہ برسبیلِ تنقید ہے کیونکہ مؤلف امروہوی نے ان خاندانوں پر جن جن طریقوں سے دادِ تحقیق دی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اِس کتاب کے مطالعہ کے وقت وہ پیشِ نظر رہیں تاکہ اُن کی تصوراتی دھڑہ بندی معاندانہ ذہنیت اور پارٹی بازی اور اپنے آپ کو افضل القریش بیان کرکے سارے زبیریوں۔ صدیقیوں۔ فاروقیوں۔ عثمانیوں۔ سیدوں کو شکست

کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہمارے پیش نظر جو بات رہی ہے اُس کا فائدہ یہ ہے کہ جس قدر اعتراضات اور تنقیدیں ہوئی ہیں وہ سب سامنے آجائیں۔ اور
اُن کا ایسا مکمل جواب دیدیا جائے کہ آئندہ نسلیں مزید اعتراضات سے نئی ماتوں اور محفوظ ہوجائیں۔
ہر حال ہم مؤلفین تحقیق الانساب اور تاریخ کمبوہان کے نہایت درجہ مشکور و ممنون ہیں کہ اگرچہ انھوں نے اپنی تعصب سے تخریب
کا کام لیا ہے یعنی خاندان پربرکت کے متعلق اپنے ناظرین کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کی کوششیں کی ہیں مگر وہ ہمارے لئے باعث خیر اور برکت
ثابت ہوئی ہیں کہ وہ ایسی بحثیں نہ چھیڑتے اور نہ ہم ان کتابوں کے لکھنے پر آمادہ ہوتے۔ ہم اُن کی بڑی مہربانی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے یہ بڑا اور
نیک کام انجام پاگیا۔

شکریہ

میرے اکثر اعزا اور احباب نے اس کتاب کے لئے مواد کی فراہمی اور میری زبانوں کے تمام کرنے میں اور مفید مشوروں سے جو
بیش قیمت امداد دی ہے اُن کا میں دلی شکریہ ادا کرتا ہوں خصوصاً

(۱) مولوی ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پی۔ ایچ ڈی پروفیسر انٹرنیشنل لا (قانون بین الملکت) جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔
(۲) مولوی خواجہ محمد احمد صاحب ایم اے ڈپٹی ڈائرکٹر (نائب ناظم) آثار قدیمہ ریاست حیدرآباد دکن۔
(۳) مولوی محمد اسمعیل صاحب فاروقی علیگ تحصیلدار جاگیر بولی ضلع نظام آباد دکن برادر خورد مولانا محمد حبیب صاحب مرحوم سابق
ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔
(۴) مولوی عماد علی صاحب طالب مرحوم (مصور رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ۔
(۵) مولانا مولوی محمود الحسن صاحب ٹونکی مرحوم مصنف معجم المصنفین۔
(۶) مولوی شیخ محمد حسین صاحب قدوائی مرحوم لکھنوی وکیل ضلع کریم نگر دکن
(۷) مولوی عبد السلام صاحب مرحوم جاگیردار
(۸) مولوی امیر الدین حیدر صاحب مرحوم قادری پوری گتہ دار حیدرآباد دکن۔
(۹) مولوی غیاث الدین احمد صاحب فاروقی بی۔ اے۔ علیگ ڈپٹی ایڈیشنل اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری ریاست حیدرآباد دکن
(۱۰) ڈاکٹر راحت اللہ خاں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کیوریٹر آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن
(۱۱) مولوی امتیاز علی صاحب عرشی ناظم کتب خانہ ریاست رامپور۔
(۱۲) مولوی محمد عصمت اللہ صاحب بی۔ اے رئیس امروہہ۔
(۱۳) مولوی محمد احمد صاحب سابق پوسٹ ماسٹر جنرل حیدرآباد دکن۔
(۱۴) صاحبزادہ مشتاق احمد صاحب بی۔ اے۔ آکسن بیرسٹرایٹ لا۔
(۱۵) منشی محمد صادق حسین صاحب میرٹھی (ہمارے حقیقی ماموں)۔
(۱۶) عزیزی حسن احمد صاحب سابق پوسٹ ماسٹر حیدرآباد دکن (برادر حقیقی)
(۱۷) مولوی انعام احمد صاحب سب انسپکٹر پولیس ریاست حیدرآباد دکن
(۱۸) عزیزی محمد بشیر صاحب اسسٹنٹ لائبریرین لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔

اور دوسرے اصحاب کا بھی شکرگذار ہوں کہ جن کے نام بوجہ طوالت نہیں لکھے جاسکے ہیں لیکن اس موقع پر ہم کسی طرح منشی الاروہ
منصور حسین صاحب میرٹھی کے شکریہ کو نظر انداز نہیں کرسکتے جنھوں نے اپنی بے پایاں خلوص و محبت کی وجہ سے ہمارے میرٹھ آنے کے بعد سے اپنی اس

کرتے ہوئے علی قدر حوصلہ اپنا اپنا حصہ ادا کیا۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ خواتینِ خاندان نے بھی اس بارے میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا اور اس طرح
ایک معتدبہ رقم اس کتاب کی طباعت کیلئے جمع کر دی۔ بس یوں کہنا چاہیئے کہ ان اخراجات کی جانب سے ہمارے اہلِ خاندان نے ہمیں بے نیاز کر دیا۔ ہم خدا
کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارے اہلِ خاندان نے اپنے بزرگوں کے حالات کے محفوظ کئے جانے کا ایسا ہی جذبہ ظاہر کیا جس کی اُن سے بجا طور پر توقع تھی۔

طباعت کی مشکلات

موجودہ زمانے میں حسبِ خواہش "کتابت" "کاغذ کی فراہمی" اور طباعت کے انتظام میں" جیسی
مشکلات ہیں اُن سے اربابِ نظر ناواقف نہیں ہیں۔ ہم کو بھی ان کی وجہ سے نہایت درجہ سرگردانی سے
دوچار ہونا پڑا۔ پہلے تو کاتب صاحب ہی حسبِ منشا نہیں ملتے تھے۔ جب منشی شیخ الدین احمد صاحب کاتب ہاتھ لگے اور انہوں نے تندہی سے
کام شروع کیا تو ان کی بیماریوں نے کام میں رکاوٹیں ڈالیں۔ آخر خدا خدا کر کے یہ مرحلہ طے ہوا تو کاغذ کے حصول کے لئے تگ و دو شروع ہوئی۔ اس
کام میں بھی نہایت دقتیں حایل رہیں۔ لیکن چونکہ خدا کو منظور تھا اس کام کی تکمیل ہو۔ عزیزی محمد زبیر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی انتھک
کوششوں سے اس کے ملنے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ اب سوال طباعت کا تھا۔ علیگڈھ کے ایک مطبع سے معاملہ کیا گیا جب چند صفحات
چھپکر سامنے آئے تو وہ کسی کو پسند نہ آئے۔ لہٰذا وہاں سے قطع تعلق کر کے مسلم یونیورسٹی پریس سے معاملہ طے کیا گیا۔ اس میں بھی جو دقت اور
تکلیفیں ہمیں اٹھانی پڑی ہیں انہیں ہمارا دل ہی خوب جانتا ہے۔ بہرحال جیسی ہماری خواہش تھی اس میں ہمیں کامیابی نہیں ہو سکی۔
اب جیسا کاغذ اور جیسی بھی طباعت ہے وہ حاضر ہے۔ التماس ہے کہ طباعت وغیرہ میں جو خامی نظر آئے اس سے صرفِ نظر فرمایا جائے۔
کیونکہ جو بات ہمارے دسترس سے باہر تھی اس میں ہم مجبور تھے۔ البتہ ہمارے دل کو یہ اطمینان ہے کہ ہماری کسی کوتاہی کا اس میں
مطلق دخل نہیں ہے۔ اس ضمن میں ہم سید الطاف علی صاحب کے مشکور ہیں۔ اور مولوی عزیز حسین ابن مولوی حبیب حسین ابن
منشی جواہر علی صاحب کے حد درجہ شکرگزار ہیں۔ جب عزیز حسین صاحب کے ہاتھ میں پریس کا انتظام آیا تو آپ نے خاص دلچسپی لے کر اس
کتاب کی طباعت کرا دینے میں ایسی کوشش فرمائی کہ جلد اس کی تکمیل ہو گئی۔ ورنہ کون جانتا ہے کہ طباعت میں کتنا وقت اور
لگ جاتا۔

کچھ کتاب کے متعلق

ناظرین کو کتاب کے مطالعہ کرنے سے قبل اس طرف دھیان رکھنا چاہیئے کہ اس کتاب کی تحریر میں
ہم نے اس بات کو پیشِ نظر رکھا ہے کہ "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" میں ہمارے خاندان کے متعلق جو
کچھ لکھا گیا ہے اس کو متن و عن پیش کر دیا جائے۔ تاکہ جن طریقوں" تحریفوں" اخفا اور اسناد و استدلالات سے کام لے کر مؤلف نے
بڑی معصومیت کے ساتھ نتائج منضبط کئے ہیں۔ وہ متن و عن سامنے آجائیں۔ ہم نے اُن کے بیانات کے جواب اُن ہی کی طرزِ نگارش
کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیئے ہیں۔ جہاں انہوں نے کسی بات کو ادھورا چھوڑ دیا اور آگے چل کر پھر تنقید کی ہے تو ہم نے بھی پہلے موقع
پر صرف اشارہ کر دیا ہے اور دوسری جگہ جہاں انہوں نے اپنا فیصلہ دیا ہے وہاں پوری بحث کر کے تواریخی اسناد سے اُن کی
غلط بیانیوں کا پردہ فاش کر دیا ہے۔ اس طرزِ نگارش سے اگرچہ تسلسلِ بیان میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہوتی ہوئی معلوم ہوگی۔ مگر
اس سے فائدہ یہ ہے کہ ناظرین پورے واقعات سے بخوبی واقف ہو جائیں گے اور زیادہ سے زیادہ حالات کو معلوم کر سکیں گے۔ اور جو
پھر اعتراضات جن طریقوں سے اس خاندانِ زیرِ بحث کی نسبی شرافت پر کئے گئے ہیں اُن کے مکمل جواب نظروں کے سامنے آجانے سے
استنباطِ نتائج میں آسانی ہوگی۔ یعنی مؤلف تحقیق الانساب کی یاوہ گوئی اور ہماری پیش کردہ "تواریخی۔ اثری" تہذیبی" نسلی"
اور تعلیمی شواہد کی روشنی میں حقیقت جو ہے وہ خوب طرح آشکارہ ہو جائے گی۔
اسی طرح ہم نے اپنی دوسری کتاب کو بھی جو تاریخ کمبوہان کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔ مدون کیا ہے۔ تاکہ بیک نظر اس
کتاب کے متعلق بھی معلوم کیا جا سکے کہ اس کتاب کے مؤلف صاحب نے کیا فرمایا ہے اور اس کے متعلق حقیقی کیفیت و حالات کیا ہیں۔
اگر اس طرز کو اختیار نہ کیا جاتا تو ان کتابوں کے نوشتوں کی حقیقت اور ہمارے جوابات کے باصواب ہونے کے متعلق اربابِ علم و فضل

جیل چھوٹا اور وہیں توطن اختیار کر لیا۔

آپ حیدرآباد کی علمی مجلسوں اور محفلوں کے جز و بن گئے تھے۔ دارالمعارف اور کتب خانہ آصفیہ جو مملکت دکن کے دو اہم اور عظیم الشان علمی مرکز ہیں آپ ان ہردوں کے مشیر اور رکن رکین تھے۔

جب ہم ان کتابوں کی تکمیل کر چکے تو معہ اپنے برادر عزیز القدر میاں امداد احمد سلمہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناچیز علمی خدمت کا تذکرہ آپ سے کیا۔ آپ نے کافی دیر تک کتابوں کے متعلق تبادلۂ خیالات فرمایا اور ایک روز معہ اپنے صاحبزاده مولوی عثمان عمادی بی۔ اے۔ ایس۔ سی۔ علیگ غریب خانہ پر تشریف لائے اور صبح سے شام تک قیام فرما کر کتابوں کو ہر طرح اپنے علمی معیار پر پرکھا اور پھر تو یہ کیفیت تھی کہ کمرے میں ٹہلنے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ میرے وہم و خیال میں بھی اس کا تصور نہیں تھا کہ اس قدر اہم اور ایک قدر عظیم الشان کام اس خاموشی کے ساتھ انجام پا گیا۔ اگرچہ مولانا سید علی صاحب طالب (رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ) نے اکثر اس کام کا تذکرہ کیا تھا مگر اب اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اس کی عظمت کا گہرا نقش اپنے دل پر محسوس کر رہا ہوں۔ چنانچہ اس طرح تمام دن قیام کرنے کے بعد جب علامہ موصوف واپس تشریف لے گئے تو وہ اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے حسب ذیل تحریر کے ذریعہ اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔

علامہ عمادی کی رائے	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری (زبیر بن عوام) کے خاندان کو عرب و عراق سے تقریباً دوسری صدی ہجری میں رخصت ہونا پڑا۔ اس مقدس خاندان نے سندھ کا رخ کیا۔ اور یہاں آکے "کسایہ" میں آباد ہوئے جو قدیم جغرافی تقسیم کے مطابق "قابل" کے قریب تھا۔ بشاری نے جس کی کتاب ۱۸۷۷ء میں لیدن (جرمنی) سے شائع ہوئی تھی ص۴۷ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ بشاری ایک بڑا سیاح تھا۔ ص۴۸ میں اس نے تصریح کی ہے کہ میں نے یہ پورا ملک دیکھا ہے۔ مکمل سیاحت کی ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے مشاہدہ اور روایت پر مبنی ہے۔ اسلام میں سندھ کی صنعت پارچہ بافی بہت معروف تھی۔ اس صنعت کا مرکز مقام (کسایہ) ہی تھا۔

"کسایہ" جو آل زبیر رضی اللہ عنہ کا مستقر تھا مصحف ہو کر "کیمہ" رہ گیا۔ یہ تصحیف بھی دَور کی یادگار ہے جس سے بعد کو اہل کیمہ "کیموہ" ہو گئے۔ زمانہ کا یہ تغیر عام ہو گیا۔ لیکن اس قوم کے دل میں تغیر نہ ہو سکا اب تک اپنے خاص امتیازات پر حاوی ہے۔

مولوی حسین احمد صاحب زبیری اس کتاب کے جامع ہیں۔ ممدوح نے اس کی تالیف میں انتہائی محنت کی ہے۔

ہماری لاعلمی تو اس کی کیا قدر کرے گی۔ مستشرقین اگر اس عظیم الشان محققانہ کارنامہ سے آگاہ ہوسکے تو وہ البتہ مسرت شناس ہوں گے۔" ۱۸ رمضان ۱۳۶۵ ہجری

انتظام طباعت کتاب

حیدرآباد دکن کے اہل خاندان نے کتاب کی نوعیت ہمارے اخراجات اور محنت شاقہ کو ملاحظہ فرمایا تو انہوں نے کتاب کی طباعت کا بار بھی مجھ تنہا پر ڈالنا مناسب نہیں خیال کیا بلکہ جملہ اہل خاندان کو اس بار کے اٹھا لینے کی ترغیب دینے کیلئے عالی جناب مولوی محمود احمد صاحب کے صلاح و مشورہ سے آپ کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی جس کے معتمد و خزانچی مولوی مشتاق احمد صاحب اور اراکین مولوی شفقت حسین صاحب۔ نواب محمد صاحب کنٹراکٹر رشید علی۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب۔ کرنل ابرار احمد صاحب اور عزیزی امداد احمد صاحب قرار دیئے گئے۔ اس کمیٹی کی جانب سے مختلف مقامات پر سکونت پذیر اہل برادری کے نام چندہ کی اپیل روانہ کی جنہوں نے وقت کی ضرورت کا احساس

اور اپنے اجداد کے نقشِ قدم پر چل کر اس قومی خدمت کی انجام دہی میں سرگرم ہیں - اللہ
تعالیٰ بہترین جزا مرحمت فرمائے اور انجام بخیر کرے۔" آمین۔
تین چار سال کا زمانہ گذرا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ "المشاہیر" کا تکملہ اپنے
عہد تک کرنے کی کوشش کروں - اس کے متعلق مواد فراہم کیا - مگر بہت سی کتابیں نہ
مل سکیں - اور تحقیقات غیر مکمل رہی - مشاہیر کا حال حروف تہجی کی ترتیب سے قلم بند کیا
گیا - جن بزرگوں کا تذکرہ "المشاہیر" یا "سلسلۂ عالیہ" میں آچکا تھا - اُن کا مختصر حال
بحوالہ کتب مذکور نقل کر دیا تھا - جدید مشاہیر کے حالات بھی مختصراً فراہم کئے تھے - مگر
ابتداءً عدیم الفرصتی اور زیادہ تر تحقیقات غیر مکمل ہونے کی وجہ سے یہ کام ملتوی ہوتا
رہا - اُس کے بعد علالت نے اس قدر طول پکڑا اور انگوٹھے کی تکلیف نے تحریر کا کام
زیادہ کرنے سے معذور کر دیا - مجھے آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے کمال خوشی حاصل ہوئی
کہ بھائی حسین احمد صاحب نے اِس قومی فرض کو ادا کر دیا - بارگاہِ ایزدی میں اُن
کی کامیابی کے واسطے دست بدعا ہوں" فقط

ان حضرات خاندان کے علاوہ بابائے اُردو مولانا ڈاکٹر عبدالحق صاحب سیکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند۔ ان کتابوں
کی کیفیت سنکر حیدر آباد دکن میں مع مولوی شبیر حاتمی صاحب بی۔اے کے غریب خانہ پر تشریف لائے تھے" اور کافی دیر تک کتابوں
کے ملاحظہ کے بعد انہوں نے نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور مولوی شبیر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "میں تو پہلے ہی
تم سے کہہ چکا تھا کہ اِس خاندان کے لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں اور ایسے کام انہیں سے ممکن ہیں" اِس کام کو دیکھو جسے مولوی حسین احمد
صاحب نے انجام دیا ہے) اور نہایت مطمئن و خوش ہو کر رخصت ہو گئے"
اِسی طرح مولانا عبداللہ العمادی صاحب مرحوم و مغفور کے اُن تاثرات کا اظہار کر دینا بھی بیجا نہ ہوگا جو انہوں نے
اِن کتابوں کے ملاحظہ فرمانے کے بعد روانہ کیا تھا علامہ موصوف اس دَور میں ہند کے علوم مشرقیہ کے علماء و فضلاء میں اپنا خاص مقام
رکھتے تھے" آپ کتب بینی کے بہت شایق تھے خصوصیت سے اُردو۔ فارسی۔ اور عربی کی نظم و نثر کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور ان تینوں
زبانوں میں آپ کو شاعری اور انشا پردازی کی قوت حاصل تھی۔ اور اِن زبانوں کے ہزاروں شعر آپ کے خزانۂ دماغ میں محفوظ تھے" آپ
عربی و فارسی لغات پر بھی عبور رکھتے تھے" آپ کو عربی میں مضمون نویسی کی قدرت حاصل تھی جو اِس زمانے میں غیر معمولی بات تھی" اخبار
وکیل امرتسر اور دوسرے اخباروں کی اِدارت کے فرائض کافی عرصہ تک ادا کرنے کے بعد جب جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن عالم وجود میں
آئی تو اس کے شعبۂ تراجم میں آپ کو شریک کیا گیا" اُردو زبان کو علمی زبان بنانے میں آپ کا اہم حصہ رہا ہے"
دارالترجمہ میں آپ اپنی لغات دانی اور جدید عربی مصطلحات علمی کی واقفیت کے سبب سے بہت کار آمد ثابت ہوئے"
دارالترجمہ کی دو جماعتوں میں سے آپ اس جماعت میں تھے جو اُردو میں عربی مصطلحات کے رواج کے لئے کوشاں تھی" اعلیٰ حضرت نظام دکن نے
آپ کی کثرت لغات کی وجہ سے آپ کو قاموس کہا تھا" جس کی بنا پر خیال تھا کہ آپ کو قاموس جنگ کا خطاب نہ مل جائے"
دارالترجمہ میں وضع اصطلاحات کے علاوہ آپ مترجم بھی رہے" آپ کے قلم سے متعدد عربی تاریخوں کے ترجمے اُردو میں دارالترجمہ
سے شائع ہوئے ہیں" اِسی سلسلہ میں "تاریخ طبری" "طبقات ابن سعد" اور "تاریخ یعقوبی" کے ترجمے آپ نے کئے ہیں"
مترجم کے علاوہ آپ دارالترجمہ کے "ناظر مذہبی بھی رہے" یعنی دارالترجمہ کی مترجمہ اور مؤلفہ کتابوں پر اس حیثیت سے نظر
ڈالتے تھے کہ ان میں مذہبی معتقدات کے خلاف تو کوئی بات نہیں" اِسی خدمت کے بعد اُن کو پنشن ملی مگر اس پنشن کے بعد آپ نے حیدر آباد

(۹) حالات حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ معہ اولاد۔

(۱۰) حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا قدس سرہٗ۔ اس کتاب میں آپ کے شجرۂ نسب کے علاوہ آپ کے والد دادا اور اولاد اور حاشیوں کے حالات شہنشاہ اکبر کے زمانے تک تحریر ہیں پھر آپ کی اولاد میں سے چند خاندانوں کا سلسلہ اور حال اس زمانے تک بھی درج ہے۔

(۱۱) خاندان رہیری کنبوی اور اقوام کنبوہ وکمبو کی جداگانہ حیثیتیں۔ حصہ اوّل میں دُرِّ تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی غلط بیانیوں کا جواب ہے۔ جو ناظرین کے سامنے ہے۔

(۱۲) خاندان رہیری کنبوی اور اقوام کنبوہ وکمبو کی جداگانہ حیثیتیں۔ حصہ دوم یعنی مؤلف تاریخ کنبوہاں کی غلط بیانیوں کا جواب ہے۔

(۱۳) ضمیمہ کتاب خاندان رہیری کنبوی اور اقوام کنبوہ وکمبو کی جداگانہ حیثیتیں۔ یعنی مولوی عبیداللہ فرحتی الامروہوی کی غلط بیانیوں اور نکتہ چینیوں کا جواب ہے۔

ان کتابوں میں نمبر ۱ و ۳ و ۶ و ۷ و ۱۱ و ۱۲۔ نہایت ضروری ہیں۔ اور باقی اوسط ضخامت کی ہیں۔ اور ہر طرح مکمل ہیں۔ نیز

(الف) نواب شہباز خاں۔ شہر اللہ المخاطب بہ عمدۃ الملک رکن السلطنتہ العلیہ موتمن الدولہ نواب نظام الدین شہباز خاں امیر و سپہ سالار و گورنر شہنشاہ اکبر۔ اور

(ب) اَوَدھ کے بادشاہ گر۔

ان رہیری کنبوی بزرگوں کے حالات کا ڈیٹیل ایک جگہ جمع کر دیا ہے جب کبھی فرصت ہوگی ترتیب دے لیا جائے گا۔

(ج) بہت شجرے اور دیرینہ کاغذات وسرائیں تباہی جو اس رہیری کنبوی خاندان کے متعلق ہمارے پاس ہیں اُن کی کچھ تو ترتیب ہو چکی اور کچھ ابھی ہونا باقی ہے۔

چند اہل علم حضرات کی ہماری کتاب کے متعلق رائیں

جن چند صاحب علم حضرات خاندان نے ان کتابوں کا بنظر امعان مطالعہ کر کے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا ہے۔ ان میں

(۱) عالیجناب حکیم نواب علی خاں صاحب مؤلف شمس التواریخ رئیس امروہہ۔

(۲) مولوی نصرت اللہ صاحب بی۔اے (داماد نواب وقار الملک مرحوم) رئیس امروہہ۔

(۳) مولوی محمد احمد صاحب سابق ناظم پٹہ جات (پوسٹ ماسٹر جنرل) ریاست حیدر آباد دکن۔

(۴) صاحبزادہ مشتاق احمد صاحب بی۔اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر فرزند نواب وقار الملک مرحوم و مغفور۔ اور

(۵) مولوی سید احمد صاحب رہیری مارہروی ہیڈ ماسٹر شیعہ اسلامیہ کالج (مصنف امرائے ہنود، مرقع آگرہ، تاریخ تیموریہ کی حیات خسروی وغیرہ وغیرہ) شامل کرتے ہیں۔

آخرالذکر بزرگ نے اس کتاب کے متعلق حسب ذیل تحریر کے ذریعہ بڑے اطمینان کا اظہار فرمایا ہے۔

مولوی سید احمد صاحب کا خط

آپ کے پدر بزرگوار اور حقیقۃً اکمل عنایت حسین صاحب نے برادری کی جو خدمت انجام دی ہے اُس کے احسان سے اہل برادری کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے کنبوہ برادری کو زندہ کر دیا۔ اگر یہ سلسلۂ عالیہ۔ اور یہ الساہیر کا وجود نہ ہوتا تو آج ہمیں اپنے دادا۔ پردادا۔ کا نام بھی معلوم نہ ہوتا مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ دونوں بھائی الولد سر لابیہ کے پورے مصداق ہیں

ملازمت سے ہم نے رخصت اور پھر وظیفہ لے کر حیدرآباد دکن میں قیام کیا تو ہمیں اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مل گیا۔ اس دوران میں ایک صاحب نے "تاریخ کمبوہان" بھی ہمارے پاس بھیج دی تھی۔ نیز رسالہ القریش امرتسر کے کچھ پرانے پرچے دستیاب ہو گئے۔ جن میں مولوی عبید اللہ فرحتی امروہوی کے قریشی و ہاشمیوں کے متعلق مضامین اور ان کے جواب تھے۔ ہم نے اللہ کا نام لیکر اس کام کو شروع کر دیا۔ خدا کی مدد ایسی شامل حال ہوئی کہ جو کام مدت دراز میں ہونے کا تھا وہ صرف پانچ برس میں تکمیل کو پہنچ گیا۔ خدا نے ہمیں اس قدر ہمت اور استقلال عطا فرمادیا کہ شب و روز مسلسل کام کرتے رہے۔ بالآخر جو کام شروع کیا تھا اختتام کو پہنچ گیا۔

ہماری تصانیف جب اس کام کو شروع کیا گیا تو یہ سوچ لیا گیا تھا کہ اب جو تحقیقات پیش کی جائے ایسی مکمل ہو کہ کوئی بات "زبیری" خاندان کے متعلق تشنہ نہ رہنے پائے۔ اس تحقیقات کی تکمیل کے لئے جو میٹیریل (مواد) فراہم ہوا۔ اس سے حسب ذیل کتابیں عالم وجود میں آگئیں۔

(۱) **خاندان سیدنا حضرت زبیرؓ**۔ اس کتاب میں قریشی قبائل کے بزرگوں کے حالات حضرت نوحؑ تک ہیں۔ اور تمام قریشی قبائل سے تعارف کرایا ہے۔ آگے چل کر رسول اللہ صلعم اور حضرت زبیرؓ کے جد چہارم جناب قصیٰ کی اولاد کے حال تفصیل سے زمانہ اسلام اور اس کے بعد تک کے بھی لکھے ہیں۔ شیوع اسلام اور اس کے آگے کے زمانے میں جن لوگوں اور صحابہ کرامؓ کے نام تاریخوں میں آتے ہیں اس کے دیکھنے سے ان کے رشتوں اور واسطوں سے بخوبی واقفیت ہوتی ہے۔ اس میں حضرت زبیرؓ کا حال بہت مختصر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب نہایت ضخیم اور معلومات کا مخزن ہے۔

(۲) **سیرۃ سیدنا حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم**۔ اس کتاب میں حضرت زبیرؓ کی پیدائش سے لے کر شہادت تک کے حالات ہیں اور آپ کی بیویوں اور تین صاحبزادوں کا مختصر اور باقی ساری اولاد کا حال تفصیل سے تحریر ہے۔ یہ کتاب بھی ضخیم اور ۳۶ھ ہجری تک تمام اسلامی واقعات پر محیط ہے۔

(۳) **سیرۃ امیر المومنین سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ** معہ اولاد۔ ضخیم کتاب ہے اور ۷۳ھ ہجری تک تمام اسلامی واقعات پر مشتمل ہے۔

(۴) **سیرۃ سیدنا حضرت مصعب بن سیدنا حضرت زبیرؓ** معہ اولاد۔

(۵) **سیرۃ سیدنا حضرت عروہ بن سیدنا حضرت زبیرؓ** معہ اولاد۔ اس میں آپ کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے سلسلے بھی ہیں۔ مندرجہ بالا پانچوں کتابیں تاریخ اسلام کے جملہ واقعات پر سیر حاصل روشنی ڈالتی ہیں۔ اور ان بزرگوں کی سیرتوں کی مکمل تصویریں ہیں۔

(۶) **آستادی زبیری سندھ میں**۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلعم کی ہجرت مدینہ منورہ سے نصف صدی پہلے اور آپ سے کئی صدیوں بعد کے مختلف زمانوں کے سندھ کے حدود اور جغرافیہ تحریر کر کے علاوہ سلطان محمود غزنوی اور اس کی اولاد کے زمانے تک وہاں جو سلطنتیں قایم ہوئیں اور انقلاب ہوئے انہیں تحریر کیا ہے۔ اور قدیم شہر جن کے نام تبدیل ہو گئے ہیں یا جو اب موجود نہیں ہیں ان کے جائے وقوع کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔ شہر کھنبا۔ دریائے کھنبا۔ اور علاقہ کھنبا کے مختلف زمانوں میں وجود اور موقعوں کا حال بھی وضاحت سے آگیا ہے۔

(۷) **زبیری ہند میں**۔ اس کتاب کے کئی حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں اس خاندان کے ان بزرگوں کے حالات ہیں۔ جو دہلی میں تخت اسلام قایم ہونے کے وقت سے ترکوں، خلجیوں، تغلقوں، سیدوں، اور لودہی خاندانوں کے زمانوں میں وزیر، امیر، گورنر و سپہ سالار، شیخ الاسلام، مشایخ طریقت، علماء، حکماء، شاعر اور مصنف ہوئے ہیں۔

(۸) **حالات حضرت مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ و حضرت شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز** معہ اجداد و اولاد۔

بہ گاہ امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ جیسے بزرگ صحابیؓ کو مواخذہ وار ٹھہرا کر اپنی تکلفت کا مظاہرہ کیا ہے۔
ان مولوی صاحب نے اپنے مضامین میں جو دہوکے دیئے ہیں۔ اور حالات و واقعات کے اخفا کرلینے میں جس دلیری کا اظہار کیا ہے
یعنی تواریخ کے وثیقوں کے علاوہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم تک کی حدیثوں کو چھپالیا ہے اور دختران اسلام کو ہندوستان کے مشرک
راجاؤں کے سپرد کرنے پر جس طرح آنسو بہائے ہیں یہ ان ہی پُرجوش اور فدائے اسلام و ملّت کا کام ہے۔
قریشی وہاشمی خاندانوں اور اصحاب رسول اللہ صلعم کے متعلق مولوی فرحتی الامروہوی صاحب نے جو وطیرہ اختیار کیا ہے۔
اور جیسے دہوکوں اور اخفا سے کام لیا ہے اس کی وہ اسی خلاف دکھائی گئی ہیں یہ بھی بتانا ہے کہ جن بزرگوں نے تاریخ اسلام کے صحیح
واقعات کے کسی ٹکڑے کو کبھی پیش کیا ہے تو ان پر بھی سبّ و شتم کرنے میں ان مولوی صاحب نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔
علامہ شبلی مرحوم و مغفور نے ایک نظم لکھی تھی جس میں حضرت عباسؓ کے جنگ بدر میں گرفتار ہونے اور سیدہ فاطمہ اور حضرت
معصومہ خدیجہ و دو قیاسی کے عدیم المثال علم و حلم کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اس نظم کی وجہ سے مولوی صاحب موصوف نے اپنے غیظ و غضب کا جن
لفظوں میں اظہار کیا ہے وہ یہ ہیں۔ انہوں نے علامہ شبلی کو "دہریت پسند"، "نمایش طلب"، "زمانہ ساز"، "ناعاقبت اندیش"، "شیخ اندلسیؒ"،
"ہر لہ دماغ اسلام میں تفرقے ڈالنے اور منافقات پیدا کرنے والا"، "حدید الاسلام"، "نیچری"، "ندوہ لکھنو سے کنارہ گیری پر مجبور ہونے والا"
اور گستاخ وغیرہ کے خطابات عطا فرمائے ہیں۔ پھر ان کی نظم کے جواب میں ایک ایسی نظم بھی تصنیف فرمائی ہے جو دنیا میں عدیم المثال ہے۔
اور جس سے ان کے علم و لیاقت اور دل کی سوزش اور جلن پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

رحم تالیف ہمارے آئندہ نسلوں کو ان خاندانوں اور صحابہ کی نسبت بیہودہ ماثر و افتراؤں سے ہوشیار ہونے دینے کی غرض سے یہ کتاب جامعہ

از سیری کسوٹی اور اقوام کسوٹ و کسوٹی حد الکاثر حیثیت رکھی ہے اور اس کے دو حصّے کردیئے ہیں۔

جلد اول میں تو مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحریروں کو من و عن سامنے رکھکر ان کی غلط بیانیوں، اخفائے تحریرات
اور دہوکوں کو اسناد تواریخی و خبر انکی روشنی میں دکھایا ہے
اور دوسری جلد میں مؤلف تاریخ کمبوہان کے نوشتوں کو، کہ کہاں کی تاریخ دانی اور نقالی نے دہوکوں اور غلط بیانیوں کے سیر
اخفا کا پردہ بخوبی چاک کردیا ہے اور ایسی پُرفریب تحریروں کے جانچنے کے طریقوں کو بھی ناظرین کے جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنے کے لئے اور
اصلیت کے معلوم کرلینے میں کوئی دقت نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر کردیا ہے۔
اس کتاب کا ایک ضمیمہ بھی ہے جس میں ہم نے رئیس المحققین اور سند المورخین مولوی عبید اللہ صاحب فرحتی الامروہوی
کی بیہودہ سرائیوں کا پول اسناد تواریخی اور احادیث صحیحہ سے کھول کر ان کی دلی کیفیت کو بخوبی عیاں کردیا ہے۔ نیز علامہ شبلی مرحوم
کی نظم کے بالمقابل جو انہوں نے نظم تصنیف فرمائی ہے ناظرین کے انس اور لطف اندوز ہونے کی غرض سے اسے بھی تحریر کیا ہے۔
جو حضرات تالیف اور تصنیف کی دقتوں سے واقف ہیں وہ ہی خیال کرسکتے ہیں کہ اس کام میں کس قدر دماغ سوزی کرنی پڑتی ہے
سب سابقہ مؤلفین تحقیق الانساب تاریخ امروہہ اور تاریخ کمبوہان اور مولوی عبید اللہ جیسے لوگوں کی ایسی تحریروں سے پڑے تو نا
سے کہاں پردے نقاب اٹھانے میں کیا کیا سر گردانی نہ ہوئی ہوگی۔
۱۳۳۲ھ اصلی آئی مطابق ۱۹۱۳ء میں جب ہم مملکت آصفیہ دکن کے سلع کریم نگر میں سلسلہ ملازمت تعینات تھے تو
ہمارے چھوٹے بھائی میاں امداد احمد رسیری بی۔اے سلمہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی ایک
جلد ہمیں بھیجی تو اسی وقت سے ہمارا یہ خیال ہوگیا کہ اگر اس کتاب کی غلط بیانیوں کو عریاں نہ کیا گیا اور اصل حقیقت کو پیش نہ کیا گیا تو
آیندہ نسلوں کے آگے یہ ایک قصہ میں پڑجانے کا قوی احتمال ہے لیکن کار ہائے عوضہ کی مصروفیت اور ملازمتوں کے دورے کرنے اور دیہاتوں
پہاڑوں میں رہنے اور کتب خانوں سے دور رہنے کی وجہ سے ہم مجبور رہتے مگر جب مدت ملازمت کے ختم ہونے سے پانچ برس پہلے بیمار

واقعات کی کیفیت بخوبی عیاں ہو جاتی ہے۔"
دل کی حالت ۔ اور اخفائے واقعات ... زبیری کنبوی دودمان پر بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے
مولوی صاحب موصوف نے دیگر قریشی و ہاشمی خانوادوں کی طرح "زبیری کنبوی" دودمان پر بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے
مگر جو پیرایہ اس دودمان سے انتقام لینے اور اپنی کلفت مٹانے کا انہوں نے اختیار کیا ہے وہ انہیں کے لئے خاص ہے۔"
مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں پہلے تو یہ بات بتائی ہے کہ "فاتحانِ عرب نے اپنے عمل مساوات سے عطائے مناصب اور
تعلق رشتہ و یگانگت میں کوئی امتیاز نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے سندھ سے افریقہ تک اسلام پھیل گیا تھا۔" پھر اس بات پہ آنسو بہا
ہیں کہ کیوں شاہانِ اسلام فاتحانِ ہند۔ افاغنہ و مغل نے اور مسلمان سرداروں نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں ہندوستان کے مشرک راجاؤں
سے نہیں کیں۔" انہوں نے اپنے اس فعل سے اسلام کی ترقی مسدود کر دی۔ ورنہ آج تمام راجگانِ ہند مسلمان نظر آتے۔"
آگے انکشاف فرمایا ہے کہ "مشرقی افغانستان کے افاغنہ جو بیشتر راجپوت نسل سے ہیں اور مغل جو چینیوں کے ہم قوم ہیں
اُن سے قریشی و ہاشمی رشتہ داری روا رکھتے ہیں لیکن برہمن و راجپوت "کنبوہ و کلال وغیرہ سے جن کے بزرگ وسط ایشیا سے آئے تھے۔
بالکل رشتہ ناطہ نہیں کرتے۔" یہی وجہ ہے جو اس خیال تحقیر و تنفر سے خواہ مخواہ نومسلم اقوام ہند۔ اپنی اصلیت ... عرب ... میں
ثابت کرنے کی ساعی ہیں۔"
بعد ازیں یوں دُر فشانی کی ہے کہ "قوم یہود بنی اسرائیل کی قلت تعداد اور تنزل کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے غیر اقوام کی
اپنی خانہ انداز عورتوں کی اولاد کو ناجائز قرار دے دیا تھا۔"
پھر یوں تحقیقات کی داد دی ہے کہ "کیونکہ بنی اسرائیل کے ہم جد حضرت اسمٰعیلؑ نے شام سے آکر اور عرب میں سکونت اختیار
کر کے وہاں کے ایک مؤقر خاندان میں شادی کر لی تھی۔" اس لئے قریشی و ہاشمی اصل باشندگان عرب نہیں ہیں۔" پس دیگر اقوام ہند لا حاصل
قریم عرب بننے کے دلدادہ ہیں۔" اور تان اس طرح توڑی ہے کہ "عجیب تر امر یہ ہے کہ "تحقیقات تونی پر کامل دَرک نہ ہونے سے ایسے بزرگانِ
دین تک نسب نامے پہنچائے جاتے ہیں جو از روئے تحقیق لاعقب و مقطوع النسل ہیں۔"
(۱) چنانچہ ہمارے صوبے (صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ) میں ایک آسودہ گروہ بذریعہ عیسیٰ بن مصعب ابن الزبیرؓ تک اپنا نسب
جو نوجوان بلا اولاد جنگ میں مقتول ہوئے پہنچاتے ہیں۔"
(۲) ملک پنجاب کی ایک ریاست والے "حضرت حمزہؓ سے اپنی اصلیت کا پتہ بتلاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت حمزہؓ لاولد معارکہ اُحد
میں شہید ہوئے۔"
(۳) علیٰ ہٰذا یہ فرقہ اعوان بھی "اپنی نسل ایک شخص عبداللہ عون سے بتلاتے ہیں جو جنگ میں بلا اولاد قتل ہوئے۔"
بعد ازاں تنبیہ فرمائی ہے کہ "یہ خیالات لاطائل ہیں۔ "خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "تم اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو۔ خدا جس کو
چاہتا ہے پاکیزہ بناتا ہے۔"
ان مولوی صاحب کا بھی یہ سارا بیان از سرتاپا غلط ہے اور اُن کی دلی کیفیت کا بیّن ثبوت ہے۔" اُن کے اس مضمون میں یہ جذبہ
کارفرما ہے کہ "اُن قریشی خانوادوں سے جو اپنے خاص اور پاک خونوں میں ہیچ میل اور ناپاک خونوں کی آمیزش سے پرہیز رکھتے ہیں انتقام لیا جائے
اس طرح کہ واقعات کی تحریف کر کے اور انہیں اخفا کر کے جس طرح سے بھی ہو سکے اُن کی طرف سے ناظرین کو شبہ میں ڈال دیا جائے۔"
ان مولوی صاحب نے دوسرے قریشی و ہاشمی خاندانوں اور بزرگوں کے متعلق تو جو لکھا ہے وہ لکھا ہی ہے مگر "زبیری" خاندان
... بھی اس ایک مضمون پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اپنے دوسرے مضمون میں "عبدالملک بن مروان اُموی" کے گورنر و سپہ سالار
... حجاج بن یوسف ثقفی کے مقابلہ میں رجس کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز اُموی کا یہ قول ہم او پہ ظاہر کر آئے ہیں کہ اگر ساری دنیا کے
ظالم و جفاکار اور نابکار لوگوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں صرف اپنے حجاج کو رکھ دیں تو یقیناً ہمارا ہی پلڑا بھاری

نام تک زبان پر نہ لکھتا تھا۔ بلکہ وہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں تک کے بھی نسب نامے محفوظ رکھتے تھے۔ ہندوستان میں جو عرب خاندان آئے ان کی اولاد نے بھی اپنے نسب اور اجداد کے ناموں کو نہیں بھلایا اور اپنے شجروں کی حفاظت خوش طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ زبیری کنبوی خاندان کے پاس چند سو برس سے ایسا سلسلہ موجود ہے جو اپنی آپ نظیر ہے سادات اس سے اوپر شجرے موجود ہیں۔ ہمیشہ شاہان اسلام اور بزرگان ذوی الاحترام اس خاندان کی عزت و حرمت کرتے اور اس سے خاص ارادت رکھتے آئے ہیں۔ ان زبیری بزرگوں کے حالات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں اور اکثر مورخین نے اپنی تاریخوں میں ان کی عالی نسبی کو خاص طور سے کھول کر لکھا ہے۔ اور ان کے اوصاف حسنہ کو بھی وضاحت سے ظاہر کیا ہے۔ جس سے عربی خصوصاً قریشی خانوادے ممتاز رہتے آئے ہیں۔

مؤلف تحقیق الانساب کے خاندان کی ایک جھلک

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ ایک ایسے خاندان کے ممبر ہیں جن کے پاس اپنے خاندان اور بزرگوں کے حالات کے متعلق سوائے اختراعی خاندانی روایتوں یعنی من گھڑت باتوں کے کوئی تاریخی ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ اور کیفیت یہ ہے کہ جس موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید عباسی کو انہوں نے اپنا مورث اعلیٰ بتایا ہے اس کے متعلق تاریخیں صاف طور سے ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ ساڑھے تیرہ یا چودہ برس کی عمر میں مر گیا تھا۔ اس کی شادی اور اولاد کا کہیں کسی تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ بلکہ مورخین نے وضاحت سے اس بات کو بتا دیا ہے کہ سوائے معتصم باللہ کے ہارون الرشید کے دوسرے بیٹوں مامون و امین وغیرہ کسی سے اس کی نسل نہیں چلی ہے۔ یعنی ہارون رشید کی نسل صرف اس کے ایک بیٹے معتصم باللہ ہی سے چلی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ان مؤلف صاحب کا اپنے آپ کو موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید کی اولاد بتانا کیا قدر و قیمت رکھتا ہے۔ پھر ان کا معاملہ کچھ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا ہے بلکہ انہوں نے جو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ تباہی بغداد کے بعد موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید کی اولاد میں سے ہمارے جد امجد مسمی یوسف ہندوستان آ گئے تھے۔ ان یوسف بے کارواں کا بھی تاریخوں میں کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ جب ان مؤلف صاحب امروہوی نے دیکھا کہ قریشی و ہاشمی خانوادوں کی طرح وہ کوئی سند موسیٰ بن امین کے اولاد ہونے اور ان یوسف صاحب تک کے ہندوستان میں آنے کی نہیں پیش کر سکتے اور عربی قریشی خاندانوں کی طرح اپنے خاندان کا حال تاریخوں میں کسی جگہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ نیز اپنے خانہ ساز شجرے کی موسیٰ بن امین بن ہارون رشید تک پوری کڑیاں ملانے میں بھی قاصر رہ گئے ہیں تو انہوں نے اپنے دل کی تسکین کے لئے یہ مقصد قرار دیا کہ زبیری کنبوی خاندان ہی کو نہیں بلکہ اور سب ہی قریشی و ہاشمی خانوادوں کے متعلق تن تنہا ایسا عیب لگا دیں۔ یعنی ان کے نسب میں جس طرح سے ہو سکے شکوک ڈال دیں۔ مگر جھوٹ کے پاؤں کہتے ہیں۔

مولوی عبید اللہ امروہوی کی گوہر افشانیاں

ان کے علاوہ تیسرے رئیس المحققین اور مستند المورخین مولوی عبید اللہ صاحب فرحتی امروہوی بھی ایک بزرگ ہیں۔ یہ مولوی صاحب مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ اور مصنف تاریخ کمبوہان دونوں میں سابقون الاولین کا درجہ رکھتے ہیں۔ یعنی واقعات کے اخفا کرنے اور غلط طور سے پیش کرنے میں ان کے علمبردار ہیں۔ اور جوش و خروش میں بھی ان سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ مؤلف تحقیق الانساب کے طریق پر ہی ہیں۔ آپ اپنے اہل خاندان کے دلوں میں قریشی و ہاشمی خانوادوں کی توہین کا بیج بونے والے اور ان پر نکتہ چینی کرنے والے پہلے بزرگ ہیں۔ جو رسالہ التقریش، امرتسر کو آپ نے اپنا اچھل کود کا میدان قرار دیا تھا۔ یعنی قریشی و ہاشمی خاندانوں کے متعلق مضامین لکھ کر اس میں آپ اپنی لیاقت کے جوہر دکھایا کرتے تھے۔

ان مولوی صاحب نے اکثر قریشی و ہاشمی خاندانوں اور بزرگوں کے متعلق جیسی گل افشانیاں کی ہیں اور ان کے جو جواب پائے ہیں ان سب کو حاضر کر کے پیش کرنا ایک طول امل ہے۔ اور ناظرین کی تضیع اوقات کا بھی خیال ہے۔ اس لئے ہم یہاں ان کی تحقیقات کی حقیقت دکھانے کے لئے صرف ایک نمونہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ اس ایک نمونہ ہی سے ان مستند المورخین مولوی صاحب کے

لگائے" تو اہلِ فرنگ تو در کنار رہے خود اپنے ملک کے نزدیک جاہل بے فرہنگ سمجھا جاتے"

کرنل جیمس ٹاڈ نے جو راجستان کی تاریخ لکھی ہے اُس میں بھی دیسی روائتوں کے بھروسہ پر بہت سی باتیں خلاف واقعہ درج ہو گئی ہیں۔ ٹاڈ صاحب نے "سلطان خرّم" کے نام کی وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ۔

"غالباً وہ اصل میں "کرّم" تھا جس کے معنی "کچھوا ہے" کے ہیں۔ جو اُس کی (سلطان خرّم شہنشاہ شاہجہاں کی) راجپوتنی ماں کی قوم کا نام تھا" یہ اس سبب سے درست نہیں۔ کہ مسلمانوں میں بیٹے کے نام میں ماں کی قوم کو کچھ دخل نہیں ہوتا" باپ دادا کا نام رکھا کرتے ہیں" اصل یہ ہے کہ "خرّم" فارسی کا لفظ ہے "تازہ کے معنی میں" مجازاً شاد و خوش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے"

(۳) افغان بنی اسرائیل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اُن کو اُن قبائل کی نسل ہونے پر اصرار ہے جن کو فلسطین سے "نبوچدنزار (بخت نصر) نامی شخص قید کر کے "میڈیا" (بابل) لے گیا تھا" لیکن اُن کو اپنے اُوپر "یہود کے لفظ کا اطلاق ناگوار گذرتا ہے" کیونکہ یہ فرقہ کفّار بنی اسرائیل سمجھا جاتا ہے"

ٹاڈ صاحب نے طُرفگی یہ کی ہے کہ "پٹھانوں کو" جادو راجپوتوں میں سے نکلا ہوا بتایا ہے" اور ساتھ ہی یہ بھی قیاس کیا ہے کہ "جادو اور جُہودی" ایک لفظ ہو سکتا ہے جس کو بولنے میں زیادہ زمانہ گذرنے کے سبب فرق آگیا ہو" اور یہ نہایت بعید و لغو خیال ہے"

اختصار کے مدّنظر مولوی حکیم نجم الغنی صاحب کی کتاب سے مؤرخین کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کے صرف یہ نمونے ہم نے لے لئے ہیں" اب ہم مؤرخ اعظم علّامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے رسالہ عبرت بابتہ ماہ فروری ۱۹۱۶ء سے لے کر اس قسم کا ایک اور نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس کے صفحہ ۲۰ تا ۲۶ پر "بعض مورخین کی گمراہیوں کے چند نمونے کی سرخی کے تحت" تحریر ہے کہ "ڈاکٹر برنیر اپنے مشہور سفرنامہ میں "ترکان عثمان" کی نسبت لکھتا ہے کہ۔

"چونکہ یہ لوگ پَیروانِ عثمان رضؓ ہیں۔ اور حضرت عثمان رضؓ کو سچّا اور اصلی قایم مقام خلیفہ اپنے پیغمبر صلعم کا سمجھتے ہیں۔ اس واسطے ان کا نام "عثمانی" مشہور ہو گیا ہے"

اِس بات کو غالباً ہندوستان کا بچّہ بچّہ جانتا ہے کہ "ترکان عثمان کا نام "عثمانی" صرف اِس وجہ سے مشہور ہے کہ اُن کے مُورثِ اعلیٰ کا نام "عثمان" تھا۔ جو حضرت عثمان غنیؓ سے پورے پونے سات سو برس بعد برسرِ حکومت ہوئے تھے"

اِن مندرجہ بالا نوشتوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی ہے کہ "مؤرخوں کو کیسا ہونا اور کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے اور بہت مؤرخوں نے صحیح واقعات اور واضح تحریروں کو جو بذاتِ خود کسی وضاحت یا بیرونی و اندرونی شہادتوں کی محتاج نہیں ہوتیں اُن کو اِس طرح ملمع چڑھا کر اور ابریشمی غلاف پہنا کر پیش کیا ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں" بلکہ اِس مسخ شدہ صورت کو پہچان بھی نہیں سکتے" اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد وہی تحریریں شمعِ ہدایت بن جاتی ہیں۔ اور ہم اُس وقت چونکتے ہیں جب وہ تحریریں جو خاص مقصد سے واقعات کا اخفا کر کے اور تحریفیں کر کے یا دل سے گھڑ کر شائع کی گئی ہیں۔ ہمارے سامنے کسی وقت پیش ہو جاتی ہیں" چنانچہ متذکرہ کتابیں "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" اور تاریخ کمبوہان" بھی اِسی قسم کے مؤرخین کی جودتِ طبع کا نمونہ ہیں۔ جن میں اُن کے مصنفین نے اپنے مقاصد کے بَر لانے کے لئے ناظرین کو طرح طرح سے دھوکے دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے"

سب جانتے ہیں کہ عربوں میں "علم الانساب کا بڑا چرچا تھا" اُن کا بچّہ بچّہ تک اپنے نسب اور دس بارہ پشتوں کے بزرگوں کے

مرتب ہوسکتے ہیں وہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی ایک نتیجہ بھی صحیح ہے یا نہیں" (۱) وہ شخص جو تھیٹر میں گیا ہے گانا سننے کا بہت شوقین ہے" (۲) گانا سننے کا شوقین نہیں ہے حسن پرست ہے (۳) حسن پرست نہیں ہے کسی ایکٹرس پر اتفاقاً عاشق ہوگیا ہے" (۴) کسی پر عاشق بھی نہیں ہے وہاں کسی دوست سے ملنا ضروری تھا" (۵) تھیٹر کے متعلق ایک مضمون لکھنا چاہتا تھا لہذا اُس کا دیکھنا ضروری ہوا" (۶) تھیٹر کی مخالفت میں ایک لیکچر دینا تھا اس لئے اُس کے معایب کا مشاہدہ کرنا ضروری ہوا" (۷) خفیہ پولیس میں ملازم ہے غرض منصبی کی ادائیگی کے لئے جانا پڑا" (۸) خود تو تھیٹر میں جانے سے متنفر تھا مگر دوستوں نے مجبور کر دیا" (۹) ناخدا اور اعلیٰ درجے کا عابد و زاہد تھا لہذا لوگوں کی خوش عقیدگی کو زائل کرنے کے لئے تھیٹر میں چلا گیا" (۱۰) صرف اس لئے گیا کہ وہاں موقع پا کر کسی کی جیب کترے یا ٹوہ جیب کاٹ لے"

غرض اس طرح سیکڑوں سانچ مرتب ہوسکتے ہیں" پھر ایک نتیجہ کی صحت کے لئے دوسرے اسباب سے تائید حاصل کرنی پڑتی ہے" اُن تائیدی اسباب میں بھی اسی طرح مخالف احتمالات ہوتے ہیں" اگر مؤرخ منصف مزاج ہے" اور کسی نتیجہ کی طرف پہلے ہی سے اُس کا دل کھنچا جاتا ہے تو وہ اس کے مخالف دلایل کو بڑی آسانی اور بے پروائی سے نظر انداز کر جاتا ہے" اور موافق دلایل کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کر لیتا ہے" اس طرح خود گمراہ ہوکر دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے"

(۳) علامہ حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری مؤلف کارنامہ راجپوتان وکتب متعددہ نے تحریر فرمایا ہے کہ مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذہبی شخص ہو کیونکہ دنیا کے عام مروجہ مذاہب میں کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جس نے اپنے پیروؤں کو جھوٹ بولنے کی ہدایت کی ہو" اسی طرح مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہذب اور معزز طبقہ کا انسان ہو بدمعاش اور اوباش نہ ہو۔ مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس قوم یا جس ملک کی تاریخ لکھ رہا ہے" اُس قوم اور اُس ملک کے مراسم" عادات و خصائل" زبان" اور مکانی و زمانی خصوصیات سے بخوبی آگاہ ہو" ورنہ وہ خود واقعات کو اُن کے اصلی رنگ میں دیکھ سکے گا نہ دوسروں کو حقیقت آشنا بنا سکے گا" مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس روایتوں کی جانچ پڑتال کا کافی سامان ہو۔ اور وہ خود ایسا صحیح دماغ رکھتا ہو کہ پیچیدہ مسائل کو بہ آسانی سمجھ سکتا ہو" ان شرائط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے مورخین نے جو گمراہیاں دنیا میں پھیلائی ہیں وہ تعداد میں اس قدر زیادہ ہوگئی ہیں کہ ان موضوعات کو تاریخی سرمایہ سے جدا کرنے کے لئے ایک خاص علم یا فن کے مدون کرنے کی ضرورت ہے" یہ ایک جداگانہ مستقل بحث ہے کہ تاریخ تحقیق و تدوین کے لئے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے اور کام کو کہاں سے شروع کرنا مناسب ہے" اس وقت اپنے دوستوں کی ضیافت طبع کے لئے بعض مؤرخین کے گمراہ کن اعمال کے چند نمونے پیش کرتا ہوں۔

(۱) قریباً چالیس سال کا عرصہ ہوا۔ ایک بابو صاحب نے "راجپوتانہ کی تاریخ" تین ضخیم جلدوں میں۔ وقایع راجپوتانہ کے نام سے لکھی ہے" بابو جوالا سہائے صاحب" وقایع راجپوتانہ میں" اجمیر اور اس میں خواجہ معین الدین چشتی اولیاؒ کی درگاہ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"شمس الدین التمش کے عہد میں درگاہ کی تعمیر شروع ہوئی" شہاب الدین غوری نے وسعت دی"
مؤرخ کی نادانی اور تحقیق کا اندازہ کرنے کے لئے۔ اسی قدر کافی ہے کہ شہاب الدین
غوری کا انتقال سنہ ۱۲۰۶ء میں ہوا" اور شمس الدین التمش سنہ ۱۲۱۲ء میں تخت نشین ہوا"

(۲) اسی طرح اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھی ہیں" انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ رکھنے سے غلط واقعات کو صحیح حالات کے ساتھ گڈمڈ کر کے تحریر کی ہیں" اس نقاب کو کوئی محقق و واقعات نگار جس کا مدار تاریخ صحیح ہو اس کو ہاتھ نہیں لگاتا" اور وہ اس زمانے میں بوجہ اپنے متعصبانہ رنگ" اور غلط بیانیوں سے لبریز ہونے کے پایۂ تحقیق سے ساقط ہوگئے ہیں" مگر اُن کے سبب سے جو اہلِ یورپ کے دل و دماغ میں غلط خیالات جم کر نقش کالحجر ہوگئے ہیں وہ کسی طرح مٹائے سے نہیں مٹ سکتے" اب اگر کوئی محقق خواہ کیسا ہی اس ملک کی تاریخ کا عالم و فاضل ہو" وہ اُس پر کر لک حک

از روئے دینداری واجب و لازم است کہ فضائل و خیرات۔
و عدل و احسان " پادشاہے و بزرگے بنویسد۔ باید کہ
مقابح و رزایل اُو را مستور نہ دارد۔ و طریقۂ مداومت
در نوشتن تاریخ معمول نکند"۔ و اگر مصلحت بیند بہ صریح"
و اِلا بہ رمز و اشارت و کنایت۔ زیرکان و فہیمان بیاگاہند"
و اگر از خوفے و ہراسے۔ مساوی ہم عہد و ہمعصر نتواند نوشت"
در آں معذور بود۔ ولیکن از گذشتگان باید کہ راستہا راست
نویسد" و نیز اگر مؤرخ را در عہد و عصرے از پادشاہے یا
وزیرے و بزرگے۔ کبریتے و کوفتے رسیدہ باشد۔ و
بانوازش و نواختے زیادت یافتہ" باید کہ در اوان تالیف
تاریخ۔ لطف و قہر۔ و نوازش و گذارش۔ کسے از بزرگان
منظور اُو نبود۔ تا از نتائج آں بر خلاف راستی۔ فضیلتے و
رذیلتے نبودہ۔ و معاملہ۔ و ماجرائے تا گذشتہ در قلم آرد"
بلکہ منظور مؤرخ دینا در اعتقاد اُو صدقاً و رضیاً نوشتن و
راستی و درستی بود۔ و خوف اُو از جواب قیامت باشد"
بر مؤرخ واجب و لازم است کہ از طرق و طریقت "کذابان
و مداحان مبالغہ کنندگان و شاعران و دروغ زبان۔ و
سخن آرایان " احتراز کلی واجب شناسد" کہ طوالست
مذکور۔ خرمہرہ را یاقوت لعل گویند " واز طمع خود " سنگریزہ
را جوہر گرانمایہ نام نہند" و اخص نوشتہ یا اختراع
ہائے ایشاں " اکذب ایشاں باشد"

فاما ہرچہ صاحب تاریخ نویسد" بر نوشتہ
اُو دیگراں اعتقاد کنند۔ کہ اگر دروغ باشد۔ مؤلف
بدان زیان زدہ شود۔ و نوشتۂ او میان خدائے
تعالےٰ حجت گردد۔ و فردائے قیامت " مؤلف
کذاب بہ سخت ترین عذاب درماند"

از روئے دینداری واجب و لازم ہے کہ " فضائل اور خیرات اور
انصاف اور احسان بادشاہ اور بزرگ کے لکھے " اور اُسے چاہئے
کہ اُن کی برائیاں اور ذلیل صفات کو نہ چھپاوے " اور مداومت
کے طریقہ کا تاریخ لکھنے میں معمول نہ کرے اور اگر مصلحت دیکھے تو صاف
طور سے " ورنہ اشارے اور کنایہ سے سمجھ والوں اور عقلمندوں کو
واقف کرے " اگر ڈر اور خوف سے اپنے وقت و زمانہ کے حالات
کو نہ لکھ سکے " اور اُس میں معذور ہو " تو اُسے چاہئے کہ گذرے ہوئے
لوگوں کے سچے سچے حالات لکھے " اگر مورخ کو اپنے وقت و زمانے
کے بادشاہ یا وزیر اور بزرگ سے تکلیف اور نقصان پہنچا ہو " اور یا
اُن کی نوازش و انعام سے حصہ پایا ہو " تو چاہئے کہ اُس زمانہ کی
تاریخ کی تالیف میں لطف و قہر اور نوازش و گذارش بزرگوں سے
اسے منظور نہ ہو " تاکہ اُن کے نتیجوں سے فضیلت و رذیلت سچائی
کے خلاف نہ ہو اور معاملہ و ماجرا ایسا جس کا وجود نہ ہو " تحریر میں
آجائے " بلکہ مؤرخ کے پیش نظر سچا اعتقاد اور ایمان اور راستی و
درستی ہو اور اُس کو قیامت کے دن کی جواب دہی کا خوف ہو "
اور مؤرخ پر واجب و لازم ہے کہ " طور طریقوں سے " جھوٹوں
اور خوشامدیوں اور بات کو بڑھا کر کہنے والوں اور شاعروں اور
دروغ زبان اور باتیں بنانے والوں سے پورے طور سے پرہیز رکھنے
کو واجب جانے " کہ یہ مذکورہ گروہ کوڑی کو یاقوت و لعل کہتا "
اور اپنے لالچ سے کنکر کا نام قیمتی جواہر رکھتا ہے " اور اُن کے عمدہ
لکھے ہوئے اور من گھڑت میں سراسر جھوٹ ہوتا ہے "

پس جو کوئی تاریخ لکھے اور اُس کے لکھنے پر دوسرے
اعتقاد کرلیں " تو اگر جھوٹ ہو " تو اُس کا لکھنے والا
اُس سے نقصان زدہ ہوگا اور اُس کا لکھا ہوا خدائے
تعالےٰ کے درمیان حجت ہوگا۔ اور قیامت کے دن
" جھوٹا مؤلف سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا "

(تاریخ فیروز شاہی برنی صفحہ ۱۲ تا ۱۶)

(ب) مؤرخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی " نے اپنی مشہور تاریخ اسلام کے دیباچہ
میں " مؤرخ کے لئے ضروری باتیں " کی سرخی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ " مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی خوشامد نہ کرے اور نہ کسی
سے عداوت کرے " مؤرخ کی عبارت سادہ " عام فہم۔ اور بے ساختہ ہونی چاہئے " مؤرخ کے لئے بعض ایسی مشکلات ہیں جن کا حل کرنا
قریباً محال ہوتا ہے " مثلاً۔ کسی شخص کے تھیٹر میں شریک ہونے کا حال راوی نے بیان کیا ہے " اب اِس روایت کے متعدد نتائج

خودرویان ؛ و مجہول النسب، تالیف کردہ اند، آنرا دانایان اعتبار نکردہ اند ؛

و تاریخ نوشتہ سروپایان ؛ در دکان ہائے کتابیان کہنہ شدہ است و بار بر کاغذیان رسیدہ و کاغذ سپید شدہ ؛

و نیز مورخ چنانکہ از اکابر و معارف مے باید سلامتی دین و مذہب او ہم شرط نوشتن تاریخ است ؛

زیرا کہ بعضے بدمذہبان و بداعتقادان ؛ عصبیت موروث۔ و عناد متوارث ملات قصہا ئے دروغ بر بافتہ اند۔ و بد دینان و بدمذہبان متقدم در تواریخ خود۔ صدق و کذب را آمیختہ اند اخبار مطرود و مردود در تالیف خود درج کردہ۔ و ہر گاہ خوانندگان تواریخ را دین و مذہب و بد اعتقادی مؤلفان تواریخ روشن ساختند ؛ و نویسندگان تواریخ کبار سلف شمارند۔ گمان برند کہ راست نوشتہ ؛ و ہر کسے خداع بد دینان ندانند۔ کہ طریق بدمذہبان و شیوع بداعتقادان در تالیف آنست کہ مذہب باطل۔ و اعتقاد خبیث خود را مستور دارند ؛ و دروغہا بر بافتہ کہ در اعتقادات خبیث ایشان جاگرفتہ باشد ؛ در میان اخبار صحیح و آثار صدق مشہور گشتہ میا میزند و در تالیف مردود خود بنویسند۔ تا کسے را از مطالعہ کنندگان کہ او را خبر از احوال سلف نبودہ بر سر بے اعتقادی۔ و طریقۂ خداع ایشان وقوف آمدند ؛ و دین و مذہب مؤرخان کذاب در یابند ؛ در اعتقاد او از مطالعہ آن کذب ہائے راست آمیختہ خلل زود یابد و نوشتہ ہائے وضعی کذابان بے دیانت را راست پندارد ؛

یک منفعت بزرگ در شعور علم تاریخ ہمیں کہ صادقان از کاذبان و معتقدان از حد اعلیٰ سلف روشن میشوند ؛ و قصص معتد علیہ ؛ و ماجرا ہائے نامعتمد مشتر بن میگردد ؛

و شرطیکہ لوازم تاریخ نویسی است آنست کہ مورخ

یا معروفوں اور مجہول نسب کے لوگوں نے کی ہیں ؛ اُن پر عقلمندوں نے اعتبار نہیں کیا ہے۔

اور بے سروپا لوگوں کی لکھی ہوئی تاریخیں کتب فروشوں کی دکانوں پر ہی پرانی ہوگئیں اور پھر کاغذیوں کے پاس پہنچکر سپید کاغذ میں تبدیل ہوگئیں۔

اور نیز مورخ ؛ مشہور و معروف لوگوں میں سے ہونا چاہیے کہ اس کی سلامتی دین مذہب بھی شرط لکھنے تاریخ کی ہے ؛

لیکن بعضے لامذہب اور بد اعتقاد لوگوں نے تعصب اور دشمنی موروثی کی وجہ سے غلط اور جھوٹے قصے گھڑ لئے ہیں ؛ اور اگلے بد دینوں اور لامذہبوں نے اپنی تاریخوں میں سچ اور جھوٹ کو ملا دیا ہے اور خبریں مطرود اور مردود اپنی تالیفات میں لکھدی ہیں ؛ اور کیونکہ ان تاریخوں کے پڑھنے والوں کو مؤلفان تواریخ کے دین و مذہب اور بداعتقادی سے واقفیت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ تواریخ کے لکھنے والوں کو اصحاب سلف سے جانکر گمان کر لیتے ہیں کہ سچ ہی لکھا ہے ؛ ہر شخص ان بد دین لوگوں کے فریب کو نہیں جانتا ہے ؛ طریقہ لامذہبوں اور بد اعتقادوں کا تالیفات میں یہ ہے کہ ؛ اپنے جھوٹے مذہب اور خبیث اعتقاد کو پوشیدہ رکھتے ہیں ؛ اور بنائے ہوئے جھوٹ جو اُن کے بیہودہ اعتقادات میں جاگزیں ہوتے ہیں اُن کو سچی خبروں اور سچے آثار مشہور میں ملا دیتے ہیں اور اپنی مردود تالیف میں لکھتے ہیں ؛ تاکہ مطالعہ کرنے والوں میں سے وہ لوگ جنہیں سلف کے حالات سے واقفیت نہیں ہوتی ؛ اُن کے اس طرح کے فریب سے بے اعتقادی میں پڑ جائیں ؛ اور ان جھوٹے مورخوں کے دین و مذہب کی کتابوں کے مطالعہ سے اُس جھوٹ سچ ملے ہوئے کو پاکر اُن کے اعتقاد میں خلل پڑ جائے ؛ اور وہ ان بے ایمان جھوٹوں کی گھڑی ہوئی تحریروں کو سچ سمجھ لیں ؛

ایک بڑا فائدہ علم تاریخ کے جاننے میں یہ ہے کہ ؛ سچے جھوٹوں سے اور پاک اعتقاد قدیم دھوکے بازوں سے پہچان لئے جاتے ہیں ؛ اور سچے قصے اور جھوٹے واقعات ظاہر ہوجاتے ہیں ؛

تاریخ لکھنے میں جو شرط ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مورخ پر

دولت سلف وخلف گفته اند که بنائے علم تاریخ بر صدق نهاده
اند۔ چنانچه مهتر ابراهیمؑ این معنی را از خدائے تعالیٰ درخواست
میکند و بدعا میخواهد "وجعل لی لسان صدق فی الآخرین"
و در توبیخ دروغ نویسان حق تعالیٰ میفرماید "یحرفون الکلم
عن مواضعه" و باری تعالیٰ افترا و بهتان را از مهلکات گردا
نیده است۔ و نیز تالیف که در علم تاریخ باشد۔ به اکابر و بزرگا
و بزرگ زادگان که بعدالت و حریت و راستی و درستی منسوب
بوند مخصوص است که علم تاریخ۔ نقل خیر و شر۔ و عدل و ظلم و
استحقاق و غیر استحقاق۔ و محاسن و مقابح۔ و طاعات و
معاصی۔ و فضایل و رذایل سلف است۔ تا خوانندگان
خلف ازاں اعتبار گیرند۔ و منافع و مضار جهانداری و
نیکوکاری و بدکرداری و جهانبانی دریابند۔ و از درسون آن
نیکوکاری را اتباع نمایند۔ و از بدکرداری بپرهیزند۔
و اگر نعوذ بالله کذابی و مفتری دروغ را در کار آرد۔ و تلقاء
نفس خبیث و باطن خداع خود معاملات ناشایسته به
بزرگان سلف بربا ند۔ و نقل هائے بربافته در
کتابت آرد" و افترا و بهتان خود را۔ به عبارتهائے رنگین
رواج دهد۔ و دروغ ها را۔ به راستی مانند کند۔ و به نوشته
دا از بزه معذی دنیا و آخرت نترسد۔ و از جواب قیامت
هراسے در دل نه گذارد۔ که نیکاں را بد گفتن و به نوشتن
از بزه غیبتی که بزبان گویند۔ صعب تر و بیشتر است۔ و
بدان را نیک گفتن و نیک نوشتن۔ سر جمله بدکرداری
ها ست۔

و چوں اخبار تواریخ بے سند است۔ و اعلام معاملات
سلاطین و اکابر است۔ پس مؤلف تاریخ هم از اهلِ اعتبار
باید۔ و هم بصدق و عدالت مشهور و مذکور باید۔ تا در
نبشته بے سند او۔ اعتقاد مطالعه کنندگان را رسخ
گردد۔ و در میان معتبران اعتبار گیرد که اطمینان
خاطر معتبران باشد"......

......و باید دانست که هر چه اهلِ اعتبار در
تاریخ ها نوشته اند معتمد علیه دیگران شده است و آنچه

بزرگان دین و دنیا، متقدمین و متأخرین نے کہا ہے کہ "علم
تاریخ کی سچائی پر رکھی گئی ہے" چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے خدائے
تعالیٰ سے اس کے بارے میں درخواست کی اور دعا مانگی کہ کر دے
میری زبان کو تمام سچائی پر قیامت تک" توبیخ میں جھوٹ لکھنے
والوں کی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بدل دیتے ہیں کلام کو اپنی جگہ سے"
اور باری تعالیٰ نے جھوٹ باندھنے اور تہمت لگانے کو ہلاک کرنے والی
(یعنی خطرناک) بات سے بیان فرماتا ہے" اور تالیف بھی جو علم تاریخ
میں ہو مشاہیر اور بزرگوں اور بزرگ زادوں سے جو عدالت اور
حریت اور راستی و دوستی سے منسوب ہوئے ہیں مخصوص ہے۔ اس لئے
کہ علم تاریخ سلف کے خیر و شر اور عدل و ظلم اور استحقاق و غیر استحقاق
اور اچھائیوں اور برائیوں اور بندگی و گنہگاری اور فضایل و رذایل
سلف کی نقل ہے" تاکہ آیندہ نسلیں پڑھکر ان پر اعتبار کریں" اور
نفع و نقصانات جہانداری و نیکوکاری اور بدکرداری اور جہانبانی
سے واقف ہوں" اور ان میں سے اچھی باتوں کی پیروی کریں اور
برائیوں سے پرہیز کریں" اور اگر نعوذ باللہ جھوٹا اور مفتری جھوٹ سے
کام لے اور اپنے نفس خبیث اور دھوکا دینے والے باطن سے نالایق
معاملات کو بزرگان سلف کے سامنے پر منڈھ دے" اور ان گھڑی ہوئی باتوں
کو اس طرح چھپا کر کام میں لادے کہ اپنے افترا اور بہتان کو رنگین عبارتوں
سے رواج دے اور جھوٹ کو اس طرح لکھے کہ وہ سچ معلوم ہو" اور
شرمندگی دنیا و آخرت سے نہ ڈرے اور قیامت کے دن کی جوابدہی کا
خوف اپنے دل میں نہ لائے" کہ اچھوں کو برا کہنا اور برا لکھنا غیبت کے
گناہ سے جو زبان سے کی جاتی ہے سخت تر اور زیادہ تر ہے۔ اور بروں
کو اچھا کہنا اور نیک لکھنا تمام برائیوں سے بڑھکر ہے۔

اور جب تواریخ کی خبریں بے سند کے ہیں اور معاملوں) میں
سلاطین و مشاہیر کو ظاہر کرنا ہے تو مؤلف تاریخ بھی اہلِ اعتبار سے
چاہئے" اور سچائی و انصاف سے بھی اسے مشہور و مذکور ہونا چاہئے تاکہ
اس کے بے سند لکھے ہوئے میں مطالعہ کرنے والوں کا یقین مضبوط ہو۔
اور معتبروں میں اس کا ایسا اعتبار ہو جس سے معتبروں کو اطمینان
خاطر ہو"......

جاننا چاہئے کہ اہلِ اعتبار نے جو کچھ اپنی تاریخوں میں لکھا ہے
دوسروں نے اس پر اعتبار کیا ہے۔ اور جو تالیفیں شیخی بازوں یا

نے ۵۲۹ قبل مسیح میں جب مصر میں خودکشی کرلی تو اُس کی اولاد افغانستان میں آگئی اور وہاں وہ کمبوجی کہلانے لگی" کیونکہ اُس کی حکومت بھی
افغانستان میں قایم ہوگئی تھی۔ اس لئے افغانستان کا نام بھی "کمبوج" پڑ گیا تھا۔ اس کہانی کے باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکنے
کے بعد وہ بڑے مخمصہ میں پھنس گئے" تاریخ فرشتہ میں انہیں "نہروال بن ہند بن حام بن حضرت نوحؑ" کے تین بیٹوں میں ایک بیٹے
کا نام "کنباج" نظر آیا۔ جسے انہوں نے بجائے کنباج کے "کمبوج" تحریر کرنا ضروری خیال فرمایا ہے۔ اور پھر جب انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ
"کمبوج" قوم کا ذکر مہابھارت کی لڑائی میں موجود ہے تو گھبرا کر وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے کہ "شہنشاہ کا موجیا کا زمانہ تاریخوں میں ۵۲۹ قبل مسیح
لکھا ہوا ہے۔ مگر کیونکہ کمبوج قوم کا ذکر مہابھارت کی جنگ میں بھی آیا ہے۔ اس لئے شہنشاہ کا موجیا کی موجودگی ۲۵۰۰ ق م میں یا جو مناسب ہو
سمجھ لینی چاہئے۔ انہوں نے جہاں جہاں کمبوج قوم کا ذکر کیا ہے اکثر جگہ اُسے کمبو لکھا ہے" چنانچہ تحریر کیا ہے کہ "اشوکا کی لاٹھوں پر بھی کمبو
قوم کی سلطنت کا ذکر ہے" اور "شوا اتر کی لڑائی میں کمبوج قوم نے شرکت کی تھی" نیز محمد بن قاسم اور سلطان شہاب الدین
غوری کی فوجوں کا بھی کمبوج قوم نے مقابلہ کیا تھا۔ مؤخر الذکر کو زخمی کرنے والا کمبو قوم کا ہی ایک فرد تھا" اور "کمبوجا (کمبوڈیا) کو کمبوج قوم نے
ہی ہندوستان سے جاکر آباد کیا ہے" نیز "اس نام کا کوئی دوسرا علاقہ یا شہر دنیا میں موجود نہیں ہے" "کمبوج قوم کی قوم کو جب سے سلطان
شمس الدین التمش نے کاٹ لیا" یعنی جیم بولنے کو منع فرمادیا تو اس وقت سے یہ کمبوج قوم "لنڈوری" ہوکر صرف کمبو کہلانے لگی ہے"

غرضکہ اسی قسم کی خرافات اور عجیب وغریب بیانات سے یہ کتاب بھری اور واقعات کے اخفا سے مملو ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے بزرگ منشی عبداللہ مصنف رسالہ سفینہ مایبری سے جن کی تعریف میں اُن کی زبانِ قلم لال ہے اور
جنہوں نے اپنی تحقیقات سے لفظ کمبو کو کمبایت کے تعلق کی وجہ سے سکنی لقب بتایا ہے" اختلاف کرکے کمبوجا" (ملک تبت کا قدیم نام")
کی قوم کمبوج کو "شہنشاہ کا موجیا کی اولاد بنا لینے اور کمبوج و کمبو کو ایک قرار دے چکنے کے بعد جب اپنی قوم کمبو کی پسماندہ حالت کو دیکھا
تو اتنی بڑی کارگزاری پر بھی اُن کا دل مطمئن نہیں ہوا" انہوں نے اپنی قوم کے کسی بزرگ کی کوئی تصنیف نہ پاکر اور کسی فرد کا کوئی کارنامہ کسی
کتاب میں نہ دیکھ کر یہ مگر زبیری کنبوہی خاندان کی عظمت و شان کو تاریخوں میں پڑھ کر اور موجودہ حیثیت و مرتبہ کو ملاحظہ کرکے اُس کے
سکنی لقب "کنبوہی" کو بڑے اہتمام کے ساتھ چھپا کر اور اس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "کمبوہ" لکھا ہوا ظاہر کرکے انہیں اپنی قوم
سے قرار دے لیا ہے" انہوں نے نہایت ہوشیاری سے کام لے کر "ہمارے والد ماجد مرحوم و مغفور کی مؤلفہ کتاب المشاہیر سے زبیری
کنبوہی خاندان کے اُن اشخاص وزراء، اُمراء، گورنروں، سپہ سالاروں" "فوجداروں" "مشایخ طریقت" "علمائے شریعت" "حکماء" "اطباء" اور
شعراء وغیرہ کو لے کر اور اُن کے حالات اپنی تاریخ میں لکھ کر "قوم کمبوہ سے اُن کا ہونا باور کرایا ہے" اور اسی پر اکتفا نہ کرکے مزید دلیری یہ بھی کی ہے کہ
زبیری کنبوہی خاندان کے ایک بزرگ "شیخ عنایت اللہ میر منشی شہنشاہ شاہجہاں مصنف بہار دانش اشرف الصحایف کو بالترامت
اپنا جدامجد بھی بنا لیا ہے" غرضکہ مؤلف موصوف نے اپنے ناظرین کو غلط واقعات کے باور کرانے کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا ہے" ایک جگہ "لفظ کمبو" کے
[illegible] پر بھی بحث کر ڈالی ہے" اور راجپوت بننے کے شوق میں جنہیں انہوں نے غلطی سے قدیم آرین چھتری قیاس کیا ہے اپنی قوم کے رسوم و رواج [illegible]
کی ہے" اور اپنی جرأت کو یہاں تک بڑھا دیا ہے کہ "کسی زمانہ میں بھی "کنبا" کے موجود ہونے سے قطعاً انکار کر دیا ہے" جس کی مناسبت [illegible]
زبیری کنبوہی خاندان کا سکنی لقب "کنبوہی" مثل "بخاری" "ترمذی" "کرمانی" "مشہدی" "ملتانی" "دہلوی" "لکھنوی" وغیرہ کے
ہوا ہے" غرضکہ مؤلف تاریخ کمبوہان نے ہر موقع پر من گھڑت کہانیوں" "تحریفوں" "اخفا" اور عجیب وغریب دلایل سے کام لے کر جان توڑ
کوشش کی ہے کہ چاہے ایمان رہے یا جائے اُن کا دلی مقصد حاصل ہو جائے" اور "راجپوت یا آرین چھتری بن جائیں"۔ اور اُن کی پسماندہ
ہندی قدیم قوم ہے جس کی تعداد پنجاب میں زیادہ از دو لاکھ ہے اور جس میں قریباً نصف ہندو و سکھ اور نصف مسلمان ہیں اُبھرنے کا جذبہ

جناب سلطان المحبوبین حضرت سید السادات سید شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز بآخر کتاب کاشف الاستار من تصانیف عالی خود مجملے از احوال ایں گروہ والاشکوہ بقلم فیض شیم ارقام فرمودہ وباوصاف تمام ستودہ۔ وراقم ایں حکایات صدق آنچہ بقید تحریر درآوردہ ہم تحلیں از صحت روشن بیان۔ سابط بر زبان و از اکابر راسخ القول۔ حقایق دال دریافت نمودہ ودر تحقیق احوال آں مقدمات کمال اہتمام مبذول داشتہ۔ بعد از غایت تحقیق راستی و درستی جرأت نگارش یافت و در ہر باب ازاں کہ اندکے شبہ و شک بخاطر فاتر رسید ازاں را مصلحت دید خطرت مأذون و مامور نہ گردید۔ تحریر آں را معدوم الوقوع دانست۔ اما مجموعا غرض اصلی ازیں تالیف و تصنیف فقط اظہار احوال ایں مردم بر سبیل اجمال بود۔

جناب سلطان المحبوبین حضرت سید السادات سید شاہ حمزہ قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنی تصانیف عالی کتاب کاشف الاستار میں مختصر احوال اِس جماعت والاشکوہ کا اپنے قلم فیض شیم سے ارقام فرمایا ہے“ اور اُن کے تمام اوصاف کی مدح وستایش کی ہے۔ اور راقم نے جو یہ سچے حالات تحریر کئے ہیں وہ اسی کتاب روشن بیان سے لئے ہیں جن کے بیان یقینی ہیں“ (یعنی اُن کی تحریر دل سے انحراف نہیں کیا جا سکتا) اور بزرگوں یا راسخ القول حقایق دال سے بھی معلوم کرکے اور تلاش احوال میں اِن مقدمات کے کمال اہتمام مبذول رکھکر بعد نہایت درجہ تحقیق راستی و درستی کے لکھنے کی جرأت کی ہے۔ اور ہر باب میں کہ جس میں اندیشہ شک و شبہ کا دل میں آیا اور جسے طبیعت نے قبول نہیں کیا اُس کو معدوم الوقوع جانکر چھوڑ دیا۔ لیکن ساری غرض اصلی اِس تالیف و تصنیف سے فقط احوال اِن لوگوں کا مختصر طور سے ظاہر کرنا تھا۔

اور نسب کے باب میں اِس طرح ارقام فرما کر التباس کو دُور کیا ہے کہ۔

در اثبات نسب ایں فریق مردم از رہ بے تجاہل اقوال مختلف کہ با دلایل بے اصل فرا داشتند اما از اں اصلی و حقیقتی ندارد اما آنچہ از روئے روایات اصحاب کتب و تصانیف و بمصداق مقالات ارباب تحقیق و تدقیق بہ ثبوت و صحت رسیدہ و جمیع اہل دانش و حقیقت بہ آں قرار دادہ بریں گونہ است کہ ایں گروہ از قبیلۂ خاص رؤسائے قریش است۔

سلسلۂ نسب ایشاں بہ صدر الآفاق قریش کہ از ثقات تابعین بود فی پیوندد و مناقب و فضایل او زیادہ تر از احصی است۔ و اورا اعقاب بسیار متعقب بودہ ..... چنانچہ گروہے ازاں در صوب ہند آوردہ بناحیت ملتان کہ آنجا بلاد متعددہ و معروف بہ کنباہ بودہ رحل اقامت کشادند۔ و کنباہ کہ نام دریائے است واقعہ آں روئے ملتان۔ و سکناء آں حدود از ہر فریق بآں لقب مکانی اشتہار داشتند مثل پنجابی و کشمیری وغیرہا۔ ایں گروہ نیز بہ تبع آں بہماں لقب مشتہر شدند“

اثبات نسب میں اِس فرقہ کے لوگ جانتے ہوئے بھی انجان بنکر بے اصل دلیلوں سے جو مختلف باتیں کہتے ہیں ؛ ہرگز اُن میں اصلیت اور حقیقت نہیں ہے“ لیکن جو کچھ مطابق روایات اصحاب کتب و تصانیف اور بمصداق مقالات ارباب تحقیق و تدقیق ثبوت اور صحت کے ساتھ معلوم ہوا ہے اور جس پر جمیع اہل دانش و حقیقت متفق ہیں اس طرح ہے کہ یہ جماعت قبیلۂ خاص رؤسائے قریش سے ہے“

اِن کا سلسلۂ نسب صدر الآفاق قریش سے جو ثقات تابعین سے تھے ملتا ہے۔ مناقب و فضایل اُن کے شمار سے زیادہ ہیں انہوں نے اپنے بعد بہت اولاد چھوڑی“ ... چنانچہ اُن میں سے ایک جماعت نے ہندوستان میں آکر علاقہ ملتان میں کہ وہاں کنباہ کے نام سے متعدد شہر معروف تھے“ اِقامت اختیار کر لی“ اور کنباہ“ ملتان کے حدود میں ایک دریا ہے وہاں کے رہنے والے ہر طبقہ کے لوگ“ لقب مکانی سے مشہور ہیں“ جیسے پنجابی و کشمیری وغیرہ“ یہ جماعت بھی اِسی طرح اُس لقب سے مشہور ہوئی۔

کیا اِس سے زیادہ التباس دور کرنے اور ایک غلطی کے ازالہ کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ جبکہ صاحب کتاب کاشف الاستار“ صاحب سلسلۂ عالیہ اور اُن کے بزرگوں کے ملجا و ماویٰ اور ہادی و مرشد بھی ہوں“ اور یہ سلسلہ اسی وقت نہیں بلکہ صدیوں سے متوارث چلا آتا ہو۔ اگر صاحب سلسلۂ عالیہ“ کو اپنے سلسلۂ نسب کے متعلق ذرا سا بھی شک و شبہ ہوا ہوتا تو وہ کسی طرح ایسی بڑی عبارت کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے“

لیکن جب کبھی کسی مصنف کی کتاب سے زبیری خاندان کے سکنی لقب کنبوہی اور دوسری اقوام کے نام میں التباس پڑنے کا شبہ ہوا تو اس خاندان کے بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اُسے ضرور اُسی وقت رفع کر دیا ہے۔ اکبر کے عہد میں جس میں پہلی مرتبہ اس التباس کے ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ اور جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر و شاہ عالم ثانی نیز بعد کے زمانوں میں بھی جو کتابیں ان بزرگوں نے لکھی ہیں اُن میں اپنے نسب کا اظہار کہیں زبیری، کہیں آلِ محمدؐ یعنی رسول اللہ صلعم کے خاندان والے، اور کہیں قرشی نسبی لکھ کر ضرور کیا ہے۔

التباس کا ازالہ چنانچہ اس قسم کے التباس کے دُور کرنے کی ایک اہم مثال وہ ہے جو کتاب "کاشف الاستار" سے پیدا ہو سکتی تھی۔ اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ حمزہ مارہروی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں کنبوہی خاندان کے اوصافِ ستودہ کو پوری محبت و خلوص سے ظاہر کرتے ہوئے اس خاندان کے متعلق کسی غلط روایت کی بنا پر ارقام فرمایا ہے کہ یہ خاندان حضرت مخدوم شیخ بہاؤ الدین ذکریا کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ "صاحب سلسلۂ عالیہ" اور اُن کے اجداد اس خاندان کے تبرکاتیہ

"کاشف الاستار" کے صفحہ پر حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز متخلص بہ "عینی" پیدائش ۱۱۳۱ ہجری المتوفی ۱۱۹۸ ہجری نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

"دریں جا احوال ساکنان شہر مارہرہ کہ فقیر دریں جا استقامت میدارد ارقام می سازد بر ذوی الابصار پوشیدہ نماند کہ دریں شہر محلہ ہمسلہ از قوم کنبویان است و ریاست قانون گوئی و چودہری و متولی گری دریں قوم است و دیگر محلہ از قوم شیوخ انصاریست کہ قضا و استقامت و متولی گری نیز باں قوم تعلق می داد۔ ایں فرقہ کنبویان" از قدیم در ملتان و آں حدود توطن داشتہ اند و از آں جا متشعب شدہ در مکان ہائے مختلف قرار گرفتہ اند و وطن پیدا کردہ اند۔ چنانچہ در شہر میرٹھ۔ و شاہجہاں آباد و سنبھل، و بریلی و کول و مارہرہ و دھولپور و گوالیار وغیرہ آباد ہستند۔ گروہے در ابتدا از آں فرقہ بر دست حضرت مخدوم بہاء الدین ذکریا سہروردی و پسر ایشاں صدر الدین قدس اللہ اسرارہما بشرف اسلام مشرف شدند و تا حال در ملتان کنبوی ہنود نیز ہستند۔ اما روش ایشاں ہمہ پسندیدہ و شرافت و فراست لازم ذات ایں فرقہ است۔ و رسم نکاح و نسبت و قرابت ایشاں بغیر از قوم خویش جائے دیگر نمی شود۔ و دریں قوم اُمرائے عالی شان گذشتہ اند۔ چنانچہ نواب شہباز خاں اکبری و نواب ابو محمد خاں و بہادر خاں و نواب خیر اندیش خاں عالمگیری وغیر ایشاں بسیار فیاض و صاحب حوصلہ و ہمت و سخاوت بودہ اند۔"

"اس جگہ احوال شہر مارہرہ کے رہنے والوں کے جہاں میں خود بھی رہتا ہوں لکھتا ہوں" ارباب نظر سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اس شہر میں صدر محلہ "قوم کنبویان کا ہے" اور ریاست و قانون گوئی و نیز چودہراہت و متولی گری اسی قوم کی ہے" دوسرا محلہ قوم شیوخ انصاری کا ہے استقضا اور متولی گری اس قوم سے تعلق رکھتی ہے" جماعت کنبویان قدیم سے ملتان اور اس کے آس پاس متوطن رہتی آئی ہے" پھر اس جگہ سے منتشر ہو کر اس نے مختلف مقامات پر پہنچکر انہیں اپنا وطن بنا لیا" چنانچہ شہر میرٹھ اور شاہجہاں آباد (دہلی) اور سنبھل۔ بریلی۔ اور مارہرہ اور دھولپور۔ اور گوالیار وغیرہ میں آباد ہیں"۔ اس فرقہ کا ایک گروہ شروع زمانے میں حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا سہروردی اور اُن کے بیٹے صدر الدین قدس اللہ اسرارہما کے ہاتھ پر اسلام کے شرف سے مشرف ہوا اب تک ملتان میں کنبوی ہندو بھی ہیں" لیکن ان کے طریقے سب پسندیدہ ہیں اور شرافت و فراست اس فرقہ کے لئے مخصوص ہے" رسم نکاح اور نسبت قرابت اُن کی اپنی قوم کے سوا دوسروں میں نہیں ہوتی ہے" اس قوم میں اُمرائے عالی شان گذرے ہیں۔ چنانچہ نواب شہباز خاں اکبری اور نواب ابو محمد خاں اور بہادر خاں اور نواب خیر اندیش خاں عالمگیری اور اُن کی مثل بہت سے فیاض اور صاحب حوصلہ و ہمت و سخاوت ہوئے ہیں"

صاحب کاشف الاستار کے اس بیان کو پڑھکر مگر اس میں لفظ کنبویان دیکھکر مؤلف امروہوی نے اپنی ساری بحث میں مصلحت کے خلاف جان کر ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ انہوں نے خاندان زبیری کنبوی کو قوم کمبو کا جزو بنا کر دکھانے کے شوق میں تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۳۳۴ پر اس کتاب سے صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "(۶) شاہ شہباز کنبوہ باشندہ سنبھل (کاشف الاستار مؤلفہ حضرت شاہ حمزہ مارہروی قلمی)"

یہاں حاشیہ پر بتا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ سلطنت آصفیہ دکن میں یہ بیت اس طرح پڑھی جاتی ہے ۔

اگر لفظ الرحال آمد ازیں سہ آس کم گیری — اوّل بیدگی دوم بیدری سوم مددات کوہیر کا

بیدرک ۔ بیدر ۔ سہ ... اور کوہیر سلطنت مذکورہ کے قصبات ہیں۔ جن میں اوّل بالذکر دو اضلاع کے مستقر ہیں۔ ان قصبات کے اشخاص اپنی لیاقت میں علم و فضل اور وجاہت میں ممتاز تھے۔ نیز اپنے وقت کے مشہور رہنما تھے۔"

کمبوی لقب میں التباس

(۵) مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانے میں جب ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور اکثر صوبے سلطنت سے کٹ کر الگ ہو گئے تھے کچھ حضرات نے زبیری کمبوی خاندان کے کسی بزرگ کا حال لکھتے ہوئے انہیں بجائے کنگو یا کمبوی کے نارسائی علم کی وجہ سے کسو یا از قبیلہ کسو یا صرف کسو لکھ دیا ہے۔ مگر اس میں اُن کے حسد یا مخالفت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کا سبب محض یہ ہے کہ کسی کتاب میں انھوں نے کاتب کی غلطی سے بجائے کمبوی کے کسو لکھا ہوا دیکھا اور بلا کسی تحقیق کے اسی طرح لکھ دیا۔ ان میں ایک صاحب ایسے بھی ہیں جنھوں نے کسو اور کمبوہ میں مماثلت دیکھ کر دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے۔ یہ حضرت اپنی کم علمی اور ناواقفیت کی وجہ سے یہ بات مطلق نہیں جان سکے کہ خود ہندوستان میں اور دوسرے ملکوں میں بھی ایسے بہت اقوام و خاندان ہیں جن کے ناموں میں اسی طرح کی مماثلتیں موجود ہیں۔ جیسے کہ برہمن خاندان ہرسو۔ راجپوت خاندان ہرا۔ اور سادات کا مشہور خاندان ہرتی ہے۔ اور کچھ تو عربی قبیلہ شیبانی اور ترکی قبیلہ شیبانی۔ نیز منگولی نسل والے ہوتانی اور افغان قبیلہ کھٹانی۔ ہندو خاندان سوری اور افغان قبیلہ سوری کے ایک ہی نام سے موسوم ہیں مگر ان ہم نام اقوام و قبائل میں کوئی نسلی تعلق ہرگز نہیں ہے۔ غرضکہ ان کو نسبی تحقیقات اور تجسس سے کوئی غرض نہ تھی بلکہ جو لفظ انہیں دکھائی دیا اسے لکھ دیا ہے۔

پھر جس طرح دوسری بہت قومیں اپنے ناموں میں مماثلت رکھتی ہیں اسی طرح کمبوہ نام سے بھی مماثلت رکھنے والی اکثر قومیں موجود ہیں۔ مثلاً قوم کمبو۔ قوم کمبوسو۔ خاندان کموں۔ قوم کمبرہ۔ قوم کمبیاں وغیرہ وغیرہ سولہ سترہ تو ہمارے علم میں ہیں۔ اور وہ سب مختلف النسل ہیں۔ کچھ اسی پر منحصر نہیں ہے بلکہ کمبو اور اس کے مماثل ناموں کے بہت شہر اور علاقے بھی ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ۔ امریکہ۔ آسٹریلیا اور جزائر میں ہیں جو نقشوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ نیز کمبو اور اس کے مماثل الفاظ مختلف چیزوں کے لئے بھی مختلف زبانوں میں مستعمل ہیں۔ کمبو تامل یا تامل زبان میں ناریل کو اور جاپانی زبان میں بحری گھاس کو کہتے ہیں۔ کمبہ۔ آسام میں درخت کو کہتے ہیں جو برسات میں بھیگی ہوئی لکڑی میں اُگ آتا ہے کبھی انگلی کی ایک سرخ و سفید ڈنڈی نکل کر اس پر ایک چھتری سی ہو جاتی ہے۔ اسے سونپ چھتہ آگرہ وغیرہ کے مغربی اضلاع میں سانپ کی چھتری بھی بولتے ہیں۔ کمبی بھی ایک گھاس کا نام ہے جو ہندوستان کے پایوں میں ہوتی ہے۔

زبیری کنگو کمبوی خاندان کے نسب پر جو حملے جن اسباب سے کئے گئے انہیں ہم اوپر بتا آئے ہیں۔ اس قدر نامور خاندان میں ایسے باوجاہت اور ذی اقتدار افراد ان کے حاسدوں کی تعداد کا اتنا کم ہونا بھی اپنی آپ مثال ہے۔

(نوٹ الف) پنڈت ... [illegible] ... ہندوستان کا خاندان ... سے آکر دلی میں ... کے کنارے آباد ہوا تھا۔ اس لئے اس کا لقب ... [illegible]

(نوٹ ب) شاہ علی بہری ... [illegible] ... المتوفی سنہ ... ہجری ... دکن ... [illegible] ... آپ کے دل سے دنیا کی محبت کو مٹا دیا۔ ترک و تجرید کر کے حج کو تشریف لے گئے اور وہاں کے بزرگوں سے ملے ... ہمیشہ عبادت و ریاضت ... [illegible] ... سکوت ... [illegible] ... مشہور ہیں ... [illegible] ... آپ کا مزار اورنگ ... [illegible] ... تالیف مولوی سید امام صاحب گلشن آبادی ... [illegible] ... ہجری صفحہ ۱۵۶، ۱۵۵)

سید شاہ علی بہری کا خاندان بہری خاندان مشہور ہے ... [illegible] ... اس خاندان میں بڑے بڑے عہدہ دار ... بھی ہیں۔

اور اس میں ناکامی کی وجہ سے نواب شجاع خاں سے ابو الفضل کی دلی حالت و کلفت کو بخوبی بیان کر رہا ہے۔

(ج) ملا عبد القادر بدایونی

نے بھی (جو) اکبر بادشاہ کے زمانہ میں جبکہ بادشاہ سے انہیں توقعات تھیں اور اس کی خوشی ایسی منظور تھی کہ خلاف شرع اور بُرے سے بُرا کام کرنے میں کوئی باک نہ تھا، شاید ہی امرا اور مشائخ و علما میں سے کوئی بچا ہو جس کے انہوں نے نوچنی نہ لی ہو اور اس کی برائی کرنے میں کچھ نشر استعمال نہ کیا ہو۔ اکبر نے جو علما و فضلا اور مشائخین کے خلاف جہاد کر دیا تھا اُن کی ذلت و بے آبروئی کی خدمت ملا صاحب کے سپرد کی تھی اور یہ کہہ کر اُن کی دل افزائی کی تھی کہ "یہ بدایونی اُن کا سرکوب ہے" بادشاہ کے اِس فقرے سے وہ پھولے نہ سمائے" طینت بھی ملا صاحب کی خاص تھی۔ اپنے استاد زادے ابو الفضل کو اپنے ولد الزنا تحریر فرمایا ہے" دوسروں کے لئے جو لکھا ہو گا اسی پر قیاس کر لینا چاہئے" اپنی منتخب التواریخ کی پہلی جلد میں "زبیری کنبوی" خاندان کے ایک بزرگ "شیخ عبد الصمد المتخلص بہ شیخ گدائی" شیخ الاسلام سلطنت پر جن سے اکبر کو بیرام خاں خان خاناں کی دوستی کی وجہ سے شکر رنجی ہو گئی تھی خوب خوب زہر اُگلا ہے" اُن کے اقتدار بے مثال پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے اپنے دلی جوش میں یہ فقرہ بھی لکھ دیا ہے کہ "ائمہ کے گھروں میں جو اُن کے نسب کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے ایسے اقتدار سے رونا پیٹنا پڑ گیا اور صف ماتم بچھ گئی تھی" پھر اس سے بھی آگے قدم بڑھا کر انہوں نے شیخ گدائی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات "مُردہ خوک کلاں" نکالی ہے" ملا صاحب نے جنہیں ائمہ تحریر فرمایا ہے اُن کی حیثیت" اُن کا م چور اور بد دیانت لوگوں سے زیادہ نہ تھی جو ملازمت سے موقوف کر دیئے جانے پر حاکموں کے خلاف ہرزہ سرائی کیا کرتے۔ یا جو بلا استحقاق جاگیریں اور مناصب طلب کرتے اور اُن کے نہ ملنے پر رطب و یابس بکتے پھرتے تھے یا جن کی نالائقیوں کی وجہ سے اُن کی جاگیروں میں کمی اور عہدوں میں تنزل کر دیا گیا تھا" مگر جب ملا صاحب بادشاہ کی نظروں سے گر گئے اور اُن کی توقعات پامال ہو گئیں یعنی راندۂ درگاہ ہو کر اُن کے حواس درست ہوئے" تو انہوں نے اپنی منتخب کی دوسری جلد میں "شیخ گدائی" کا حال دوبارہ تحریر فرمایا ہے۔ مگر اس میں: تو اُن کے نسب کے بارے میں کوئی حرف لکھا ہے" نہ ہی اُن کی "مُردہ خوک کلاں" جیسی خباثت آمیز تاریخ نکالی ہے" بلکہ اُن کی لیاقت، اور علم و فضل "ظاہری و معنوی کمالات" کے ذکر میں اپنے قلم کی زبان لال کر دی ہے" اور جہاں ملا صاحب نے "شیخ گدائی" کے ماموں زاد بھائی اور ہم جد "شیخ محمد" کا حال لکھا ہے" وہاں اُن کے نسب کے متعلق یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "شیخ محمد کنبوہ" در علو حسب و نسب یگانۂ زمانہ بود" "زبیری کنبوی" خاندان کے دو بزرگوں کے نسب کے متعلق جن متزاد تحریروں کو ہم نے یہاں پیش کیا ہے ان پر ہمیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے" دکھانا صرف یہ ہے کہ "ملا صاحب" "حجاج" اور "ابو الفضل و فیضی" کی صف میں کیوں اور کس وجہ سے آگئے تھے۔

(د) نامعلوم حاسد

(۴) اب ہم زبیری کنبوی خاندان کے ایک ایسے حاسد سے تعارف کراتے ہیں جسے اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی" جب اودھ کے گورنر محمد امین المخاطب بہ سعادت خاں برہان الملک کے بھانجے اور داماد ابو المنصور صفدر جنگ کی اولاد نے "شہنشاہ دہلی کی ماتحتی سے نکل کر خود مختاری حاصل کر لی اور شاہی لقب اختیار کر لیا تو اس سلطنت اودھ کے ارباب حل و عقد میں تین خاندان یعنی زبیری کنبوی" افغان اور کشمیری" پیش پیش تھے۔ گو ان میں بھی آپس میں چشمک رہا کرتی تھی مگر اخیر تک سلطنت کا انصرام و اہتمام انہیں سے متعلق رہا"

زبیری کنبوی خاندان کے وہ بزرگ جو سلطنت کے کاموں میں دخیل تھے" اُن کے کارناموں سے اس حکومت کی تاریخیں بھری ہیں اور وہ "اودھ کے بادشاہ گر" کے لقب سے مشہور رہے" ان تینوں خانوادوں کے اقتدار سے پیچ و تاب کھا کر اس گمنام شخص نے اپنے دل کی آگ کو یہ بیت لکھ کر بجھانے کی کوشش کی ہے۔

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری — اول افغان دوم کنبو سوم بدذات کشمیری

ز افغان کینہ می آید ز کنبو حیلہ می آید — ز کشمیری نمی آید بجز اندوہ و دلگیری

اِس بیت کے متعلق "شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی مشہور تاریخ ہندوستان میں یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے "تاریخ میں سے یہ بیت کسی بدتمیز شاعر کی لکھی ہوئی ہے"

خاندان رسیری کے حاسدین

دنیا کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جو ذی اقتدار اور ذی وجاہت و نامور لوگوں کے کچھ حاسد اور مخالف پیدا ہو جاتے ہیں جو ان پر نکتہ چینیاں کرتے اور ان میں طرح طرح کے عیب نکالا کرتے ہیں۔ بعض تو اس معاملہ میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ کسی ایک شخص سے شکست ہو جانے پر اس کے سارے خاندان یا قوم ہی کو نقصان ڈالتے ہیں۔ اور بدگوئیاں کرتے رہتے ہیں اپنے دل کی تسکین کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

اسی قاعدہ کلیہ کے مطابق جس طرح دوسرے افراد خاندان مخالفین و حاسدین کے بعض حملوں سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔ اسی طرح یہ خاندان بھی ان کی دست برد سے مامون نہیں رہا۔

(الف) حجاج بن یوسف ثقفی

(۱) اس خاندان کے مخالف و حاسدوں میں سب سے پہلی دستاویزوں میں جس شخص کا اس کے نسب پر حملہ کرنے کا ذکر آیا ہے وہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے۔ عبد الملک بن مروان اموی کا مشہور ظالم و جابر سپہ سالار اور گورنر تھا جس کے متعلق حضرت عمر بن عبد العزیز اموی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول موجود ہے کہ اگر ہم ساری دنیا کے ظالم و ناکارہ لوگوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے میں اپنے حجاج کو رکھ دیں تو یقیناً ہمارا ہی پلڑا بھاری رہے گا۔ اس حجاج نے اپنی مخالفت کے جوش میں حالانکہ یہ بن حضرت امیر معاویہؓ کے پاس اپنے ایک قاصد کے ذریعہ کہلایا تھا کہ فلاں لوگوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا خیال ہی کس طرح کر سکتا ہے۔ جو ٹھیک نسب کے بھی نہیں ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو تیرے باپ کے ساتھ عداوت کے لئے لڑ جھگڑ چکے ہیں۔ اور اس کے خلاف ہر قسم کے توہین آمیز الزامات لگا چکے ہیں۔ میرے باپ اور دادا کے ایمان میں کیڑے نکال چکے ہیں۔ حالانکہ نے قاصد سے کہا کہ اگر تو حیثیت قاصد امن میں نہ ہوتا تو میں تیرا ایک ایک عضو کٹوا ڈالتا۔ اپنے آقا سے جا کر کہہ دے کہ یہ قریشی لوگ ہیں جو آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ یہ لوگ ٹھیک نسل کے نہیں ہیں تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ حجاج کو انساب قریش کا کس قدر کم علم ہے۔ کیا اس کو علم نہیں کہ عبد المطلب بن ہاشم کے بیٹوں کے سر تھے۔ جب انہوں نے صفیہؓ والدہ ماجدہ حضرت زبیرؓ سے اور رسول خدا صلعم نے ام المومنین حضرت بی بی خدیجہؓ (حضرت زبیرؓ کی پھوپھی) سے نکاح کیا۔

(ج) ابوالفضل

(۲) دوسری دفعہ ۹۹۱ ہجری میں جب نواب شہباز خان رسیری کمبوہ کو میر بخشی کے دین الہی اکبر شاہی کی بنیتیں پر شہنشاہ اکبر سے تیز و تند کلام کرنے اور بیچ میں بول پڑنے پر راہ مبہم کے ارکان دین الہی اکبر شاہی کو زبردست ذات سنائے اور اس دین کی توہین کرنے کی وجہ سے نواب صاحب موصوف سے بدلہ لینے اور ان کو ذلیل کرنے کے لئے ان کے نسب پر حملہ کیا گیا۔ ابوالفضل اور فیضی نے جو دین الہی کے موجد یعنی شہنشاہ کو دین پہنچانے والے وزیر تھے اور اس کے حلقہ کے علمائے عظام سے تھے نواب صاحب کے ایسے طرز عمل سے بہت پیچ و تاب کھایا اور موقع کے منتظر رہے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ یہاں ایک قوم۔ کمبوہ کے نام سے موسوم ہے نواب شہباز خاں کے نسلی لقب کمبوہ کو چھپا کر اسے کمبوہ ظاہر کر کے ان کا رشتہ اس قوم کمبوہ سے ملا دینے میں اپنی ساری توانائی اور قوتوں کو خرچ کر دیا۔ اور یہاں تک جہد بلیغ کی کہ نواب صاحب کے نسب کی تحقیقات کے لئے شہنشاہ کی صدارت میں امرا اور مورخین کا ایک جلسہ تک کرا دیا

اس شاخسانہ کے کھڑا کرنے سے ان کی غرض یہ تھی کہ نواب صاحب کی عدیم المثال دینداری اور دین الہی اکبر شاہی میر اس کے پیروؤں کی حقارت کرنے کا انہیں مزا چکھا دیا جائے۔ اور اس طرح نیچا دکھایا جائے کہ بنگال کی گورنری و سپہ سالاری پر جو ان کا تقرر ہونے والا تھا اپنی سازشوں سے انہیں اس سے محروم کرا دیا جائے۔ انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ جس طرح بھی ہو ان کا یہ مقصد پورا ہو جائے لیکن جب نواب شہباز خاں کے نسب میں التباس ڈال دیئے اور ان کو ترقی سے محروم کرا دیئے میں انہیں وقت کا منہ دیکھنا پڑا اور شکست فاش اٹھانی پڑی تو وہ لشت بکہ رہ گئے۔ ابوالفضل کو اپنی کتابوں میں نواب صاحب موصوف کے نسب کے متعلق تو ایک حرف تک لکھنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ لیکن اس نے ان کی ذات کے متعلق ایک نامرضیہ الفاظ لکھ کر اپنے دل کا غبار نکالا ہے کہ نواب شہباز خاں ہر طرح کی خدمت اور امیر انہ سپہ گری میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اگر زبان کو قابو میں رکھتے اور ناہموار گفتگو ترک کرتے تو اور ترقی کرتے۔ یہ آخری فقرہ اسی سازشی کارروائی کی طرف اشارہ ہے

بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کو کہ انہوں نے بھی محمد نفس ذکیہ کی طرف سے عباسی فوج سے سخت جنگ کی تھی اور محمد نفس ذکیہ کا ایسا مرتبہ تھا جس کی تمام عرب میں شہرت ہوگئی تھی۔ ۱۶۱ھ ہجری میں گورنر یمامہ بنایا۔ مہدی کے بیٹے ہارون الرشید کے زمانے میں آپ مدینہ منورہ کے گورنر بنائے گئے۔ عبداللہ بن مصعب کے بعد اُن کے صاحبزادے "ابوبکر بکار زبیری کو بھی مدینہ منورہ کا گورنر و قاضی مقرر کیا گیا۔ نیز اُن کے دیگر اعزا کو خاص بغداد اور مکہ معظمہ وغیرہ میں اعلیٰ مناصب دیئے گئے۔

ملتان میں زبیریوں کی سکونت

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ سندھ میں ہارون الرشید کے پوتے المتوکل کے زمانے میں حضرت زبیرؓ کے چچیرے بھائی حضرت ہبارؓ کی اولاد میں سے عمر بن عبدالعزیز نے عباسی گورنر کو قتل کرکے اپنی وسیع اور خود مختار سلطنت قایم کرلی تھی جس کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔ اِس سلطنت کے سایہ میں تمام عربی قبایل کو ایسا امن وچین حاصل تھا جو اموی اور عباسی حکومتوں میں انہیں نصیب نہ تھا۔ مگر جب ۳۸۵ھ ہجری میں یہ سلطنت قرامطہ کے ہاتھوں تباہ ہوگئی تو وہاں کے اِن عربی قبایل کا اطمینان وچین بھی رخصت ہوگیا۔ اُن میں سے بیشتر ملتان کی ریاست میں چلے آئے زبیری بھی "کنبا" سے نقل مقام کرکے ملتان میں آبسے۔ اور وہاں دوسرے عربی قبایل کی طرح مغل "مشہدی۔ بخاری۔ کرمانی۔ بصری۔ مدنی۔ نسائی" وغیرہ وغیرہ کے یہ بھی اپنے سکونت کے شہر "کنبا" کے تعلق سے "کنبوی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ پھر جب ملتان سے دہلی آئے تو "کنبوی ملتانی" اور "کنبوی دہلوی" کہلائے۔ "چنانچہ کتب تواریخ میں اِس خاندان کے بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ یہی القاب تحریر ہیں"

جب دہلی سے جاکر دوسرے شہروں میں سکونت پذیر ہوئے تو اُن شہروں کے ناموں کی وجہ سے "میرٹھی یا رہروی۔ سنبھلی۔ امروہوی۔ بریلوی" وغیرہ وغیرہ سکنی لقب بھی اُن کے ناموں کے ساتھ حسب قاعدہ تحریر ہوئے۔ جیسے کہ لاہور کے رہنے والوں کے اسماء کے ساتھ "لاہوری" قنوج کے رہنے والوں کے ناموں کے ساتھ "قنوجی" اور لکھنؤ کے رہنے والوں کے ناموں کے آگے لکھنوی لکھا جاتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

ہندوستان میں زبیریوں کی فضیلت وشوکت

زبیری کنبوی خاندان ہمیشہ اور ہر زمانے میں اپنے اوصافِ حمیدہ۔ جودتِ طبع۔ اور علم وفضل وجاہت میں ممتاز رہا ہے۔ "حالات ملتان کے ایک مورخ نے لکھا ہے کہ "جب یہ خاندان ملتان سے دہلی کی سمت آگیا تو اُس کی عظمت وشان اور بزرگی کی وجہ سے وہاں کے کچھ دوسرے خاندانوں نے اپنے فخر و ناز کے لئے اِس خاندان کا سکنی لقب اختیار کرلیا ہے۔"

جب دہلی میں تخت اسلام قایم ہوا تو اِس قیام سلطنت کے وقت سے ہی اپنے خصوصی اوصاف کی وجہ سے اِس زبیری کنبوی خاندان کے بزرگ بھی مسلسل ہر شاہی خانوادے کے زمانے میں ارباب حل وعقد میں شامل رہے ہیں۔ وزیروں۔ امیروں۔ گورنروں۔ سپہ سالاروں۔ شیخ الاسلاموں۔ قاضیوں۔ مفتیوں۔ مشایخ طریقت۔ علمائے شریعت۔ شعراء۔ حکماء۔ اطباء۔ اور مصنفین وغیرہ وغیرہ کا ایک سلسلۂ لامتناہی سلطنت اسلامیہ ہند کے خاتمہ تک اِس خاندان میں رہتا چلا آیا ہے۔" اِس انگریزی سلطنت کے زمانے میں بھی یہ خاندان ناموری اور خاص فضیلت کا حامل رہا اور آج تک اپنے بزرگوں کی میراث کو بہت کچھ قایم رکھے ہوئے ہے۔

کتب تواریخ میں یہ بات بھی وضاحت سے تحریر ہے کہ جو شاہانِ اسلام اپنی مصاحبت اور اعلیٰ عہدوں کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ چھوٹی سی چھوٹی ملازمت کے لئے بھی لوگوں کے نسب کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے اور جن کو اس بارہ خاص میں بیحد ولا انتہا غلو تھا۔ اُن کو جو عقیدت اِس خاندان کے بزرگوں سے تھی اور اُن کے پاس جو درجہ اِن بزرگوں کا تھا وہ کم کسی کو نصیب ہوا ہے۔" نہ صرف یہ بادشاہانِ جلیل القدر ہی اِن بزرگوں کے قدم چومتے اور انیس التجا و الحاد سے عمر بھر کے لئے اپنا ہمدم وہمراز بناتے تھے۔ بلکہ حضرت سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ العزیز برادر عمزاد حضرت سید جلال الدین جہانیان جہاں گشت قدس سرہٗ جیسے اولیاء اللہ تک بھی اِس زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں کی پالکی کو سر بازار اپنے کاندھوں پر اُٹھالینا باعث برکت اور فخر سمجھتے تھے۔

اور خوارج کی سرکوبی کی۔ جب عبدالملک کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے کوفیوں اور عراقیوں نے بے وفائی کی اور آپ کا موقف نازک ہو گیا۔ تو آپ کو بصرہ جانے کی صلاح دی گئی۔ مگر آپ کی غیرت اس کو برداشت نہ کر سکی۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت عیسیٰ اور آپ جس طرح میدانِ جنگ میں باوجود دشمنوں کی الحاح وزاری کے کہ میدان سے آپ ہٹ جائیں پروانہ کر کے موت کو سامنے دیکھ کر بھی ــــــ موت کے منہ میں گھس گئے اور ابدالآباد تک اپنا نام روشن کر گئے۔ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی مرحوم نے اس واقعہ کا مقابلہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے اس طرح کیا ہے کہ۔

"کوفیوں نے مصعب بن حضرت زبیرؓ اور حضرت حسینؓ دونوں کے قتل کرانے میں ایک ہی درجہ کا جرم کیا ہے۔ لیکن یہ دونوں جرم مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے۔

(۱) وہاں حضرت حسینؓ اپنے دشمنوں سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کو میدانِ جنگ سے مکہ یا دمشق اور کسی طرف کو بچ کر نکل جانے دیں۔ یہاں حضرت مصعبؓ کے دشمن خود چاہتے تھے کہ حضرت مصعب میدان سے نکل جائیں۔

(۲) وہاں حضرت حسینؓ کے دشمنوں نے اُن کی بات قبول نہیں کی، اور یہاں حضرت مصعب بن زبیرؓ نے اپنے دشمنوں کی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

نتیجہ دونوں کا ایک ہوا کہ دونوں شہید ہوئے۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک شاندار عملی نمونہ چھوڑ گئے۔ آپ کی شہادت کا جو اثر خود آپ کے دشمن عبدالملک پر ہوا اور جس طرح اُس نے آپ کو یاد فرمایا وہ تاریخ میں پڑھنے کے لائق ہے۔ عبدالملک نہیں چاہتا تھا کہ جو صورت پیدا ہوئی وہ ہوتی۔ لیکن حضرت مصعبؓ کی غیرت نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ وہ میدان سے پشت پھیر کر نکل جائیں۔ تاریخ کا یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ جو دردناک مرثیے آپ کی شان میں کہے گئے ہیں وہ عربی زبان کے شاہکار ہیں۔ اور آپ سے پیشتر ایسی دردناک نظمیں نہیں لکھی گئی تھیں۔

تیسری صدی ہجری میں جب دیلمی خاندان کے وزراء نے بغداد کے خلفاء کو بے دست و پا کر دیا تو مجالس ماتم سیدنا حضرت حسینؓ کا رواج ڈالا گیا۔ جو ہند میں اس وقت تک جاری ہے سُنّی اُس کے مقابلہ میں صدہا برس تک ماتم سیدنا حضرت مصعب بن الزبیرؓ برپا کرتے رہے۔ یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے کہ شیعہ حضرات خسر یعنی حضرت حسینؓ کا اور سُنّی آپ کے داماد یعنی حضرت مصعبؓ کے ماتم میں سوگوار رہے۔

آپ نے اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ مہذب۔ بزلہ سنج۔ خوددار۔ فخر زماں اور خوددار بیبیوں حضرت سکینہ بنت حضرت حسینؓ اور حضرت عائشہ بنت سیدنا حضرت طلحہؓ جو امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نواسی اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی محبوب شاگرد اور بھانجی بھی تھیں۔ شادی کی تھی۔ اور یہ دونوں خواتین اپنے زمانہ میں حسن و جمال۔ ذہن و ذکاء اور طباعی میں فرد تھیں۔

آپ رسول اللہ صلعم کی بعثت اور آپ کے احکام کی تعمیل میں ہر وقت مستعد رہے آپ کا تقویٰ بے نظیر۔ تموّل و دولت لاثانی۔ فیاضی ضرب المثل۔ شجاعت بے مثال اور غیرت۔ نفاست پسند تھا۔ رحمدلی و درگذر۔ شفقت و رعایا پروری وغیرہ آپ کے خاص جوہر تھے۔ خطابت میں آپ کا نام ممتاز تھا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے درہم و دینار تیار کرائے تھے۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

آپ کی اولاد میں بھی بڑے بڑے صاحب علم و فضل ہوئے جنہوں نے دنیا کو اس سے فیضیاب کیا۔ اور جہاں گئے علم و عمل کو اپنا شمع راہ بنا کر رکھا ہے۔ اور آپ کی اولاد میں بڑے بڑے فقیہ۔ محدث اور صلحاء پیدا ہوئے۔ چنانچہ تاریخ گزیدہ مؤلفہ حمداللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی جو تقریباً ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ قزوین کے مختلف خاندانوں کا حال بیان کرتے ہوئے زبیری خاندان کے متعلق تحریر ہے کہ "زبیریاں۔ از نسل مصعبؓ بن زبیرؓ بن العوام اند در ایشاں علماء و صلحاء بودہ اند۔"

اسی طرح ہندوستان میں جب سے یہ خاندان آیا تو اپنی انہیں خصوصیات کا حامل رہا۔ اور اب تک چلا آرہا ہے۔

آپ اپنے صاحبزادوں کو تعلیم کرنے سے کبھی نہیں چوکتے تھے کہ علم حدیث حاصل کر کے وہ اپنے آپ کو لاثانی و بلند کی بنا سکتے ہیں۔ آپ کی احادیث صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے زمانہ حیات پر محیط ہیں بلکہ خلفائے راشدینؓ کے زمانے کے واقعات پر بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ ابو زیاد کا قول ہے کہ میں نے حضرت عروہ سے زیادہ کسی کو شعر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا شاعری میں آپ بڑے دقیقہ سنج اور ماہر تھے۔ اور اکثر کتب سے ظاہر ہے کہ آپ کو اس کا مذاق تھا۔ ۹۴ ہجری میں آپ نے وفات پائی۔

آپ کی تمام اولاد بھی بڑی صاحب علم و فضل ہوئی۔ اور حدیث و فقہ کی کتابوں میں آپ کی اولاد در اولاد کے نام بروایت حدیث بہ کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن ہشام بن حضرت عروہؓ اپنے بھائیوں میں فرد فرید تھے۔ آپ مدینہ کے مشہور تابعین اور زیادہ حدیثیں روایت کرنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور اہل مدینہ کے حفاظ اور مقبول اور بزرگوں میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کو آپ کے والد سے ورثہ میں علم و فضل حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ امام ثوری، امام مالک بن انسؒ اور ابن عیینہ بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ مدینہ سے آپ بغداد اور وہاں سے کوفہ تشریف لے گئے تھے اور احادیث کی روشنی میں فقہ کی تعلیم کا درس دیتے تھے۔ بغداد میں ۱۴۵ ہجری یا ۱۴۶ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ خلیفہ منصور آپ کا نہایت احترام کرتا تھا اور آپ کے جنازے کی نماز بھی اسی نے پڑھائی تھی۔

حضرت عروہ کے شاگردوں میں حضرت جعفر صادق۔ امام زہری۔ ہشام بن حضرت عروہؓ۔ ابو زناد خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ اور ان شاگردوں کے شاگردوں میں امام مالک۔ امام اوزاعی۔ امام لیث بن سعد جن کے شاگرد شیخ عبداللہ بن یوسف اور شاگرد امام بخاری ہوئے۔ موسیٰ بن عیسیٰ معمر ابن رشید اور کتاب المغازی کے مشہور مؤلف محمد ابن اسحٰق اور امام ابو حنیفہ۔ امام مسلم۔ امام داؤد۔ امام نسائی امام ترمذی۔ اور ابن ماجہ۔ امام شافعی اور امام احمد حنبل وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے امام دین آپ کے صاحبزادے اور آپ کے شاگردوں کے شاگردوں کے فیض یافتہ تھے۔ اور اس طرح سے آپ کا علم و فضل رہتی دنیا تک سلسلہ بہ سلسلہ جاری رہے گا۔

سیدنا حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ

آپ اپنے محترم باپ کی شہادت کے وقت سب سے چھوٹے تھے اور اپنے برادر بزرگ حضرت عبداللہؓ کے بڑے محبوب تھے۔ اور ان ہی کی آغوش اور نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ان شاگردوں میں سے آپ ایک تھے کہ جن کو ان کی حجاب میں اختصاص حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ کے بعد شجاعت و شہامت اور فصاحت و بلاغت میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ اس زمانہ کے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ اور ابراہیم بن الاشتر وغیرہ آپ کی شجاعت و شہامت کے معترف تھے۔ مروت سخاوت شرم و حیا صلہ رحمی اور بیداری وغیرہ میں بھی آپ کو امتیاز حاصل تھا چونکہ اچھی تعلیم و تربیت اور ذاتی اوصاف کی خوبیوں کی وجہ سے شہزادگان قریش میں آپ ایک بہترین نوجوان تھے صورت و سیرت دونوں میں آپ فرد تھے۔ آپ اپنے زمانہ کے بے حد حسین و جمیل شخص تھے۔ اور اسی کے ساتھ بڑے شاندار اور بارعب بھی تھے

روایت ہے کہ مصعب بن الزبیرؓ سے زیادہ کوئی خوبصورت امیر آپ سے پیشتر منبر پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ باپ نے کافی دولت چھوڑی تھی بھائیوں کے لاڈلے تھے۔ اس لئے آپ کا لڑکپن اور جوانی کا زمانہ بہت فارغ البالی اور نعمت میں شہزادوں کی طرح بسر ہوا۔ نوجوانان قریش کی جو مجلسیں مسجد نبوی صلعم میں ہوتی تھیں ان میں آپ اپنے بھائی حضرت عروہؓ اور حضرت عبداللہؓ کے بیٹوں۔ اپنے بھتیجوں کے ساتھ شریک رہتے۔ آپ کی سب سے زیادہ دوستی عبدالملک بن مروان سے تھی جو امویوں کا بعد میں شاہ پرست خلیفہ ہوا اکثر و بیشتر وقت ان دونوں کا ایک ساتھ گزرتا تھا۔

جب آپ کے بڑے بھائی امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپ کو اپنی فطری قابلیتوں کے اظہار کا موقع ملا آپ پہلے مدینہ منورہ کے گورنر بنائے گئے۔ اور بعد ازاں بصرہ و کوفہ کی حکومت سپرد کی گئی جس کے معنی یہ تھے کہ ایران و خراسان ترکستان اور ہندوستان کی سرحد تک کے علاقے آپ کے زیر نگیں تھے۔ آپ نے فتنہ مختار کا قلع قمع کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت سے نجات دے دی۔

نے حدیث میں روایتیں کی ہیں۔

اسحاق بن ابراہیم موصلی آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ابنِ عساکر نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ ایک زمانہ نے آپ سے علم کا فیض حاصل کیا اور آپ مکہ معظمہ اور بغداد کی مسندِ علم و فضل پر متمکن رہ کر تشنگانِ علم کو سیراب فرماتے رہے۔ آپ کے تبحر علمی کی بغداد میں شہرت ہو جانے کی وجہ سے مکہ معظمہ کے عہدۂ قضاۃ پر آپ کو ممتاز فرمایا گیا جس پر آپ ۲۵۶ھ ہجری تک رہے۔ آپ کی وفات ہوئی فائز رہے مکہ میں دفن ہوئے اور چوراسی سال کی عمر پائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی اولاد میں اور بہت صاحب علم و فضل ہوئے ہیں۔

سیدنا حضرت عروہ بن زبیرؓ آپ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ ۲۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور اپنی خالہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بڑے پیارے تھے۔ آپ نے ان ہی کی آغوش تربیت میں پرورش پائی اور ان ہی کے حلقۂ درس میں تحصیل علم کی۔ اُمّ المومنینؓ کے حضور میں آپ کو آپ کے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ و عائشہ بنت حضرت طلحہؓ جو بعد میں حضرت مصعبؓ کی بیوی ہوئیں اور اُمّ المومنین کی بھانجی تھیں اور صفیہؓ بنت شیبہ کو زیادہ تقرب اور اختصاص حاصل تھا۔ حضرت عروہؓ بڑے بڑے مسائل کو حضرت عائشہؓ سے حل کراتے اور یاد رکھتے۔ انہی مبارک صحبتوں کا اثر تھا کہ جب بڑے ہوئے تو وہ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے خزانۂ علمی کے کلید بردار سمجھے گئے۔ اور فضل و کمال کے تاجدار بنے۔ حضرت عائشہؓ کے مرویات اور فقہ و فتاویٰ کا عالم ان سے بڑھکر کوئی نہ تھا۔

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ حضرت عروہؓ اپنی علمیت کے باعث بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا میں ایک آپ بھی تھے۔ ابن شہاب (امام زہری) جو آپ کے مشہور شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عروہ ایک بحر ناپیدا کنار ہیں۔ آپ نے اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ اور والدہ حضرت اسماءؓ اور اپنے والد حضرت زبیرؓ اور اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کے علاوہ بھی بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سے فیض روایت حاصل کیا۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور اقوال کا بہت بڑا حصہ جو وہ اپنی ماں اور اپنی خالہ، باپ اور بھائی سے سنتے روایت کرتے ہیں۔ آپ علم کے بحرِ ذخار تھے۔ تقویٰ اور پارسائی آپ کی سب سے بڑی خصوصیتیں ہیں۔ صحابیت کی عزت تو آپ کو حاصل نہیں ہوئی مگر اتنے بڑے صاحب علم و فضل اور اس پائے کے محدث اور فقیہ اور ایسے عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے کہ کبار تابعین میں آپ شمار کئے جاتے تھے۔ آپ قریش کے عبادت گزاروں میں سے تھے۔

سیرت و مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام میں آپ ہی سب سے پہلے مصنف ہوئے ہیں۔ اور فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب بقول صاحب کشف الظنون آپ ہی نے تدوین کی۔ الفاروق میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات میں سب سے پہلی کتاب آپ نے ہی لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ ۶۳ھ ہجری میں اہل مدینہ اور یزید کی فوجوں میں جنگ حرۃ کے نام سے جو لڑائی مشہور ہے اور جس میں اہل مدینہ بہت تباہ و برباد ہوئے تھے اسی میں آپ کی یہ کتابیں بھی برباد ہو گئیں۔ جس کے بعد وہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کتابوں کا میرے پاس اس وقت ہونا میری اولاد اور مال سے میرے نزدیک محبوب تر ہوتا لیکن باوجود اس کے آپ کی بہت سی علمی تحریرات اس وقت بھی کتب تواریخ کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ آپ کے اقوال میں ہے کہ آپ اپنی اولاد سے فرمایا کرتے تھے کہ علم سیکھو۔ اس لئے کہ اگرچہ تم اس وقت اپنی قوم کے چھوٹوں میں ہو مگر عنقریب دوسری قوموں کے بڑے بن جاؤ گے۔ جہالت بہت بُری چیز ہے۔ خصوصاً قوم کے سردار کے لئے۔"

فرماتے تھے "حضرت داؤدؑ ممبر پر بیٹھے ہوئے کھجوروں کی پتیوں کی ٹوکریاں بناتے اور ان کو بیچ کر ان کی قیمت سے زندگی بسر کرتے تھے۔" یہ بھی فرماتے تھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ زہد والے میرے گھر کے لوگ ہیں۔

جب آپ نے اپنے محل میں جو وادی عتیق میں تھا گوشہ نشینی اختیار فرمالی۔ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آنا ترک فرما دیا تو لوگوں نے اس کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ "میں نے دیکھا کہ مسجدیں کھیل کود کے اکھاڑے، ہزلیات کی منزلیں اور گندگاہیں اور بے حیائیوں کے اڈے بن گئے ہیں۔ اس لئے مجھے گھر پر ہی عافیت معلوم ہوتی ہے۔

"ابو خبیب (حضرت عبداللہؓ کی کنیت ہے) خدا تمھاری مغفرت کرے۔ تم بڑے روزہ دار۔ بڑے نمازی اور بڑی صلہ رحمی کرنے والے تھے"۔ بخدا جس خاندان کے تم فرد ہو وہ قوم میں سب سے زیادہ بہتر ہے"۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو سرکار دو عالم صلعم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد سب سے زیادہ محبت آپ ہی سے تھی"۔ خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر بھی آپ کا ایک بڑا کارنامہ ہے"۔

خلافت امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ پر ایک نظر

تاریخ اسلام جلد دوم مؤلفہ علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے صفحہ ۵۵ پر تحریر ہے کہ۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بہتر کوئی شخص خلافت کے لئے نہ تھا۔ جو مستحق خلافت تھے۔ آپ جرات و بیباکی میں جو شجاعت کا دوسرا رُخ ہے فرد تھے"۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد بنانے کے لئے اپنی پولٹیکل تدبیروں اور زر پاشیوں سے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں بند کر دی تھیں لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تیغ زبان اُن کے مقابلہ میں بھی بے نیام رہی۔ آپ نے اِس شدومد سے اُن کی مخالفت کی کہ حضرت امیر معاویہؓ جیسے عالی دماغ کو بھی متحیر کر دیا۔ اور آخر تک یزید کی ولیعہدی تسلیم نہ کی"۔ یزید تخت نشین ہونے پر آپ کو قابو میں نہ لا سکا۔

آپ بنو امیہ کے خلاف اِس زور سے اُٹھے کر اُن کی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں۔ اور قریب قریب تمام عالم اسلامی سے اپنی خلافت تسلیم کرالی۔ قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا ورنہ آج بنو اُمیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے صحیح خلافت کے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں لوگوں نے اپنی آزاد مرضی سے اُن کو خلیفہ تسلیم کیا"۔ اور جہاں جہاں لوگوں کو آزادی حاصل تھی کسی نے بھی ان کی خلافت سے انکار نہیں کیا۔ ہاں بنو امیہ جو خلافت کے معاملہ میں اُن کے رقیب تھے اُن کی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ اور شام و فلسطین و مصر وغیرہ میں جبر و قہر کے ساتھ انھوں نے اپنی حکومت قایم کی"۔ اور پھر اِسی جبر و قہر کے ساتھ وہ تمام عالم اسلام پر حکومت قایم کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے بالمقابل"۔ مروان بن الحکم"۔ اور عبدالملک کی حکومت کو باغیوں کی حکومت کہا جا سکتا ہے۔ پس عبدالملک بن مروان کی حکومت کا وہ زمانہ ہی جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد شروع ہوتا ہے باقاعدہ حکومت سمجھنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنے عہد خلافت میں کوئی ایسا موقع نہیں ملا کہ آپ لڑائیوں اور چڑھائیوں کی فکر سے مطمئن بیٹھے ہوتے اِس لئے آپ کے عہد خلافت میں اگر جدید فتوحات اور اندرونی اصلاحیں ہم کو نظر نہ آئیں تو کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے۔

آپ بہت بڑے سپہ سالار اور جنگی شہسوار تھے۔ ساتھ ہی آپ بڑے مدبر اور ملکدار بھی تھے۔ یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ آپ کے حریفوں کی تدبیریں آپ کے خلاف کامیاب ہوئیں اور آپ کو جام شہادت نوش فرمانا پڑا"۔ آپ کی زندگی کا عملی نمونہ زہد و عبادت کے اعتبار سے بھی بہت ہی قابل تعریف تھا"۔

بنو اُمیہ کے حکمرانوں میں یہ بات خصوصیت سے فایق و نمایاں تھی کہ وہ اپنی حکومت کے قیام و استحکام کے لئے روپیہ سے کام لینا خوب جانتے تھے۔ وہ روپیہ کے حاصل کرنے میں بھی خوب مستعد تھے"۔ اور اِس روپیہ کو حصول مقصد کے لئے خرچ بھی سلیقہ کے ساتھ کرتے تھے"۔ اگر لوگوں میں روپیہ کی محبت نہ پیدا ہو گئی ہوتی تو وہ ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے"۔ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اُن کے مقابلہ میں ہرگز ناکامیابی حاصل نہ ہوتی"۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اگر عبدالملک بن مروان کی طرح بیت المال کو اپنے دوستوں اور مددگاروں کے لئے وقف کر دیتے اور کمزوروں کا لحاظ نہ رکھتے تو آپ کے گرد بھی بہت سے شمشیر زن جمع ہو جاتے اور بنو امیہ کو نیچا دیکھنا پڑتا"۔ لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اِس خلاف تقویٰ راہ عمل کو ہمیشہ ناپسند فرمایا۔ اور آپ کے لئے یہی موزوں بھی تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں" مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کا کوفہ میں قتل ہونا ایک بڑا کارنامہ ہے"۔ فارس کے

کرنے والوں میں سب سے آگے دشمنوں سے لڑتا ہوا صفوں کو اللہ کا نام لے کر حملہ کر دیتے۔

آپ اپنے شجاع باپ کے بہادر بیٹے تھے۔ فتح افریقہ، حملہ قسطنطنیہ اور دوسرے محاذوں پر آپ کے کارنامے ضرب المثل ہیں۔ آپ کی بے نظیر شجاعت کا لوہا آپ کے دشمن بھی مانتے تھے۔

اُس عہد کے مشہور و معروف سپہ سالار ”مہلب بن ابی صفرہ“ سے اُس زمانہ کے بہادروں کے نام پوچھے گئے تو اُس نے حضرت مصعب بن زبیرؓ، عمر بن عبیداللہ اور عباد بن حصین کے نام بتائے۔ پوچھنے والے نے کہا: ”امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا تم نے نام نہیں لیا؟“

مہلب نے برجستہ جواب دیا: ”ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں جنوں کا ذکر نہیں کرتے۔“ (مستدرک حاکم جلد ۳)

حضرت عبداللہ بن حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ ”حضرت زبیرؓ کے دونوں بیٹوں حضرت عبداللہؓ اور حضرت مصعبؓ میں سے کون زیادہ بہادر تھا؟“

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ”دونوں بہادر تھے۔ دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں گھس گئے۔“ (مستدرک حاکم جلد ۳)

آپ کی جرأت و بیباکی نے حضرت امیر معاویہؓ جیسے سیاسی بزرگ کو بھی معترف کر دیا تھا۔ اور جو گفتگو ان چچا بھتیجوں میں ہوئی وہ آپ کی نڈرپن اور بیباکی کی مثال بننے کے قابل ہے۔ اور جو اثر حضرت امیر معاویہؓ پر آپ کی گفتگو کا ہوا تھا وہ اس وصیت سے ظاہر ہے جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت آپ کے بارے میں یزید کو کی تھی کہ۔

مجھے اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ امر خلافت جو تیرے لئے مقرر ہو چکا ہے اس کے متعلق قریش میں چار شخصوں کے سوا اس بارے میں اور کوئی تم سے نزاع کرے گا۔ وہ چار یہ: عبداللہ بن زبیرؓ، حسین بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ہیں۔

عبداللہ بن عمرؓ کا عبادت نے کام تمام کر دیا ہے جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے سوا اب کوئی باقی نہیں رہا تو وہ بھی تجھ سے بیعت کر لیں گے۔

حسین بن علیؓ کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کر لیں گے ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اگر وہ تجھ پر خروج کریں اور تو ان پر قابو پا جائے تو درگذر کرنا۔ ان کو قرابت قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ وہ شخص ہیں کہ اپنے اصحاب کو جو کام کرتا دیکھیں گے ویسا ہی خود بھی کریں گے۔

ہاں جو شخص شیر کی طرح تجھ پر حملہ آور ہو گا اور لومڑی کی طرح تجھے دھوکا دے گا اور جب اس کو موقع ملے گا حملہ کرے گا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے اگر ایسی صورت ہو کہ وہ تجھ سے صلح کرے اور تیرے قابو میں آ جائے تو اس کے ٹکڑے اُڑا دینا۔

عبادت و ریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں قلعہ والوں کی آنکھوں کے سامنے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ تاریخ میں ہے کہ جب آپ عبادتِ الٰہی کی طرف راغب ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا دنیا دار ہی نہیں اور جب خروج کی اطلاع ہوتی تو معلوم ہوتا کہ دنیا سے آپ کو کوئی واسطہ ہی نہیں۔ آپ کے رکوع و سجود اس قدر طویل ہوتے کہ تمام تمام شب اسی میں گذر جاتی۔ اس سکونِ قلب، اس اخلاص اور اس استغراق سے آپ نماز ادا فرماتے کہ جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر تم لوگ رسول اللہ صلعم کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز کی نقل کرو۔“ (مسند امام احمد حنبل جلد اول)

روزوں کا بھی یہی حال تھا کبھی مسلسل سات سات دن کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ حج بیت اللہ کیا۔ غرض عبادت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ نے کثرت سے محنت نہ اٹھائی ہو۔ آپ کی شہادت کے بعد جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ کی لاش کی طرف سے گذرے تو نہایت حسرت سے مخاطب ہو کر کہا کہ۔

تو یہ خطبہ ابوبکرؓ کی زبان ہی سے دیا۔" (عقد الفرید)

آپ نے حضرت مصعبؓ کی شہادت پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "تمام تعریف اُسی خدا کے لئے ہے جس نے سب کو پیدا کیا۔ اور جس کے ہاتھ میں حکومت ہے۔ جسے چاہتا ہے سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ جان لو حق و صداقت جس کے ساتھ ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ تنہا اور بے یار و مددگار ہی کیوں نہ ہو۔ اور خدا اُس شخص کو کبھی عزت نہیں دیتا جس کی دوستی شیطان اور اُس کی جماعت سے ہو۔ اگرچہ وہ جماعت کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو۔

ہمیں عراق سے ایک خبر معلوم ہوئی ہے جس نے ہمیں رنجیدہ بھی کیا ہے اور خوشی بھی بخشی ہے۔ اور وہ خبر یہ ہے کہ مصعبؓ رضا اللہ کی رحمت اُن پر نازل ہو) شہید ہو گئے۔ ہمیں خوشی اِس لئے ہوئی ہے کہ اُنہیں درجۂ شہادت نصیب ہوا۔ غم اِس لئے ہوا کہ ہمارے رفیق مصعبؓ ہم سے جدا ہو گئے۔ جو مصیبت کے وقت ہمارے مددگار تھے۔ ایک محبّ صادق کی جدائی۔ ایک سوزش نہانی ہوتی ہے۔ جو اُس کے دوست کو صدمہ پہونچاتی اور ستاتی ہے۔ یہ مگر عقلا اِن تمام باتوں کے بعد صبر جمیل اختیار کرتے ہیں۔"

اِس وقت مجھے مصعبؓ کا صدمہ اُٹھانا پڑا۔ حالانکہ اس سے پہلے حضرت زبیرؓ کی وفات کا صدمہ سہہ چکا ہوں۔ نیز حضرت عثمانؓ کی وفات کا رنج بھی ایسا نہیں ہے جسے میں نے فراموش کر دیا ہو۔

مصعبؓ بھی اللہ کے ایک بندے اور میرے دست و بازو تھے۔ اور خداوند بزرگ و برتر اُن کی شہادت کو ہمارے لئے بھلائی کا سبب بنانے والا ہے۔ مگر ملال اِس بات کا ہے کہ اہلِ عراق نے اُن سے بے وفائی اور منافقت کی اور دُنیا کی قلیل دولت کے عوض اُنہیں دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اور اُن کو دشمن کے حوالے ایسے ہی کیا جیسے نشتہ لگایا ہوا شتر مرغ کسی کے حوالے کیا جاتا ہے۔

پس اگر مصعبؓ شہید ہو گئے تو یہ اُن کے خاندان میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے والد۔ چچا۔ بھائی بھی فی سبیل اللہ شہید ہوئے اور یہ سب خیار المسلمین میں سے تھے۔

ہم اپنے بستروں پر پڑ کر مرنے کے عادی نہیں ہیں نہ ہماری موت بزدلوں کی طرح نہیں ہو گی۔ بلکہ جوانمرد۔ مرد میدان کی طرح تلواروں کے سایہ تلے ہم جان دیں گے۔

ہم اِس طرح نہیں مریں گے جیسے کہ ابو العاص (جو عبدالملک کا پَردادا تھا) کی اولاد مرا کرتی ہے۔ بخدا اُن کے خاندان کا کوئی شخص بھی زمانہ جاہلیت یا اسلام کی جنگ میں کام نہیں آیا۔ اور ہم ہمیشہ تیروں کا نشانہ بنائے گئے اور تلواروں کے سائے میں جان دیتے رہے۔ ہم اب بھی نہیں مرینگے جب تک نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں۔

یہ ہی دُنیا۔ یہ اس شہنشاہ اعلیٰ و اعظم کی طرف سے کہ صرف اسی کی حکومت کو بقا و دوام حاصل ہے ایک مستعار شئے ہے اگر وہ سامنے آئے گی تو میں اُس کو کمینہ و گمراہ اور ذلیل و ناہنجار لوگوں کی طرح نہ لوں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پشت پھیر کر بھاگے گی تو میں اُس پر کمزور و ناتواں۔ اور ضعیف دل اور ساں لوگوں کی طرح نہ روؤں گا۔"

اپنی شہادت کے دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خطبہ فرمایا کہ "اے آلِ زبیرؓ اگر تم مجھ سے خوش ہو اور مجھ کو اپنے میں سے تصور کرتے ہو تو یاد رکھو کہ ہم عرب کے ایک ایسے خاندان کے لوگ ہیں جنہوں نے خدا کے لئے اپنی جانیں قربان کی ہیں اور خدا ہی کے لئے صلح کی ہے۔"

اے آلِ زبیرؓ تم تلواروں کی ضربوں سے خوفزدہ نہ ہونا کیونکہ زخم میں دوا لگانے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے اُس تکلیف سے جو زخم کے پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ تم جس طرح اپنے چہروں کو بچاتے ہو اُسی طرح تلواروں کی بھی حفاظت کرنا کیونکہ میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں کہ جس کی تلوار ٹوٹ گئی ہو۔ اور پھر بھی وہ زندہ باقی رہا ہو۔ مرد کے پاس ہتھیار نہ ہوں تو وہ عورت کی طرح رہتا ہے۔ اپنی اپنی تلواریں تو تو نظریں نیچی رکھو تاکہ تلواروں کی چمک سے تمہاری آنکھوں میں چکا چوند نہ پیدا ہو جائے۔ ہر شخص اپنے مقابل پر حملہ آور رہو۔ تم مجھے ڈھونڈتے نہ پھرنا۔ اگر کوئی میری تلاش ہی

امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ آپ مہاجرین مدینہ منورہ کے مولود اولیں ہیں۔ جن کی وجہ سے مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے مدینہ منورہ کے در و دیوار گونج اٹھے تھے۔ آپ سنہ ۱ھ قباء میں پیدا ہوئے۔ اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماء صدیقہؓ کی گود سے اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں اور پھر سرکار دو عالم صلعم کی گود میں پہنچائے گئے اور سب سے پہلے آپ کے پیٹ میں رسول اکرم صلعم کا لعاب دہن پہنچا اور عبداللہ کے نام اور اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مناسبت سے ابوبکر اسدی قریشی کی کنیت سے سرفراز فرمائے گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ نے آپ کو بیٹا بنایا اور سرکار دو عالم صلعم نے ام المومنینؓ کی کنیت ام عبداللہؓ قرار فرمائی۔

اس طرح آپ کی پرورش رسول اکرم صلعم کے گھر اور حضرت عائشہؓ کی گود میں ہوئی۔ اور اس فیضان کا اثر آپ کی پوری زندگی کے ہر ہر واقعہ سے بخوبی آشکارا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک جامع صفات خاتون تھیں آپ کے علم و فضل کا یہ فیضان ہے کہ رہتی دنیا تک دنیا اس سے مستفید ہوتی رہے گی۔ حضرت عبداللہؓ کو آپ سے بہرہ ور فرمایا۔ اور ہر طرح کی مروجہ تعلیم آپ کے آغوش شفقت و تربیت میں حاصل ہوئی۔ اور اسی وجہ سے آپ نہایت باحوصلہ۔ باہمت، جری، بیباک اور فصاحت و بلاغت و تدبر میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ باپ۔ ماں، نانا، خالہ وغیرہ کے جملہ صفات آپ میں موجود تھے۔

تمام علوم اسلامیہ میں قرآن اور اس کے متعلقات خاص العلوم ہیں۔ آپ کو قرأت سے خاص شغف تھا۔ وہ اسلام کے مشہور قاری تھے حضرت عبداللہ بن العباسؓ آپ کے دوسرے فضائل و کمالات کے ساتھ آپ کی قرأت قرآن کے بھی خاص طور سے معترف تھے۔ جب امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے جمع قرآن شریف کی جانب توجہ مبذول فرمائی تو آپ ان چار میں سے ایک تھے جن کو قرآن شریف کے جمع کرنے اور صحت الفاظ کے لئے قریش کے لہجہ کو ملحوظ رکھنے کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ آپ کے ساتھ حضرت سعید بن العاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اس کام میں شریک تھے۔ اول الذکر تین قریشی اور چوتھے بزرگ غیر قریشی تھے قرآن شریف جو اس وقت مسلمانوں کا دستور العمل ہے اس کے ترتیب و جمع کے کام میں شرکت آپ کی زندگی کا ایک روشن باب ہے چونکہ قرآن مجید قریش کے محاورے کے مطابق نازل ہوا ہے اس لئے ان بزرگوں نے اس کو قریش کے محاورے کے مطابق ہی لکھا۔ اور یہی قرآن رہتی دنیا تک مسلمانوں کا ہادی بنے گا۔

آپ نے سرکار دو عالم صلعم اور صحابہ کرامؓ سے بھی بیش علم و فضل حاصل کیا تھا۔ اور جس کو بعد والوں نے آپ سے حاصل کرکے اس کی اشاعت کی۔ آپ کا علم و فضل آپ کے معاصرین میں مسلّم تھا لیکن باوجود اس کے جو مسائل ایسے آجاتے کہ جن کا آپ کو علم نہ ہوتا تو آپ معاصرین سے استفادہ حاصل فرماتے۔ اور اس طرح کے جو مشورے آپ کو دیئے جاتے ان کو آپ قبول فرما لیتے۔ اور اس میں کسی طرح کی کوئی کسر شان نہ سمجھتے تھے لیکن جن باتوں کو آپ صحیح جانتے اور بڑے سے بڑے صحابی اس کے متعلق کوئی استدلال فرماتے تو آپ اس کو کبھی تسلیم نہ فرماتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حرمت متعہ کے قائل نہ تھے لیکن آپ سختی کے ساتھ اس کا اعلان فرمایا اور اس کی تکذیب کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی متعہ کے خلاف تھے۔

آپ عربی کے علاوہ دوسرے ممالک کی زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے اور آسانی سے گفتگو فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کے پاس مختلف اقسام کے بہت سے غلام تھے۔ آپ سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو فرماتے تھے (مستدرک حاکم جلد ۳)

زبان آوری اور خطابت میں قریش کی فصاحت و بلاغت مشہور تھی۔ اور آپ کو اس میں خداداد اور فطری ملکہ حاصل تھا عثمان بن طلحہؓ روایت کرتے ہیں کہ بلاغت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا کوئی حریف نہ تھا۔

جب آپ خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آواز کی کڑک سے پہاڑیاں گونج اٹھتی تھیں۔ تاریخ کی کتابوں میں آپ کی تقریریں موجود ہیں۔ جو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں۔ فتح افریقہ کے بعد جب آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے اور امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے ارشاد کے بموجب وہاں کے حالات اور فتح و نصرت پر مسجد نبوی میں جو خطبہ دیا وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ آپ کے والد حضرت زبیرؓ تقریر سے خوش ہوکر اٹھے اور بیٹے کی پیشانی چوم لی اور فرمایا کہ اولاد در حقیقت ایک دوسرے سے ہوتے ہیں اور بزرگوں کا اثر چھوٹوں پر ضرور ہوتا ہے۔ اے بیٹے تم نے

صاحبزادی کو آپ ہی کی تولیت میں دے گئے تھے۔

جب حضرت اسماءؓ سن بلوغ کو پہنچیں اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا انتقال ہو چکا تو حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ شادی کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اس رشتہ کو قبول فرما کر خود نکاح پڑھا دیا۔"

یہی وجہ تھی کہ آپ مقروض ہو گئے تھے کیونکہ جو شخص آپ کے پاس کوئی امانت رکھنے آتا تھا تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں امانت کو نہیں رکھتا البتہ قرض لے لیتا ہوں کیونکہ امانت کی صورت میں مجھے اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جب آپ کا انتقال ہوا ہے تو آپ پر بائیس لاکھ کا قرضہ تھا۔ آپ کی حسن نیت تھی کہ صرف ایک زمین کی فروخت سے یہ جملہ قرضہ ادا ہو گیا۔

آپ کا شوق

آپ کو آلاتِ حرب اور گھوڑوں کا بڑا شوق تھا۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ایک آپ کے پاس اور دوسرا حضرت مقدادؓ کے پاس تھا۔ بعد ازاں اعلیٰ درجہ کے گھوڑے آپ کے پاس رہتے تھے۔ اسی طرح آلاتِ حرب بھی آپ کے پاس بہت قیمتی رہتے تھے۔ آپ کی ایک تلوار کی قیمت تین ہزار تھی۔ اور آپ کے اکثر ہتھیاروں پر چاندی کا کام ہوتا تھا۔ آپ کا **بھالا**، برچھی، تلوار اور آپ کی وہ سیڑھی جس کو لگا کر آپ نے فسطاط کو فتح کیا تھا تبرکاً خلفاء کے پاس رہیں۔ طبری اور بلاذری وغیرہ نے ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

آپ کی ایک حدیث ہے کہ "حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ "بے شک یہ بات کہ کوئی شخص تم میں سے اپنی رسی لے اور لکڑی کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور اس کو بیچے اور اللہ اس ذریعہ سے اس کی آبرو قائم رکھے۔ یہ بات اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے۔"

چنانچہ آپ نے حرف بحرف عمل کیا اور باوجود بڑے صاحبِ ثروت صحابی ہونے کے آپ معمولی کام بھی خود اپنے ہاتھوں انجام دینے میں کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے۔ اور محنت و ایمانداری سے اپنی روزی پیدا فرماتے تھے۔ طریقِ معاشرت نہایت سادہ تھا۔ اپنے باغوں اور کھیتوں میں خود پانی دیدیتے۔ راتوں کو جاگ کر اپنے املاک کی خود حفاظت فرماتے۔ حالانکہ آپ کے پاس ہزار غلام تھے۔ مگر پھر بھی آپ بذاتِ خود چھوٹے چھوٹے کاموں کو انجام دیتے۔ اور آپ کو کسی طرح کے کام میں عار نہیں تھا۔ روایت حدیث میں آپ بڑے محتاط تھے۔ چنانچہ کتب احادیث میں آپ سے صرف (۳۸) احادیث مروی ہیں۔

جنگِ جمل سے واپس ہوتے ہوئے ۳۶ھ ہجری میں آپ شہید ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ وادی السباع میں آپ سپردِ خاک کئے گئے۔ جو موجودہ بصرہ سے دس گیارہ میل پر واقع ہے۔ اور وہاں کی آبادی آپ کے اسمائے گرامی کی مناسبت سے "زبیریہ" کہلاتی ہے۔

آپ کے بارہ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں مختلف بیویوں کے بطن سے ہوئیں جن میں سے امیر المومنین سیدنا حضرت عبداللہؓ، سیدنا حضرت عروہؓ اور سیدنا حضرت مصعبؓ اپنی خاص خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔

علاوہ ازیں آپ ایک نئے قبیلہ "**زبیری** یا اسدی" کے بانی بھی ہوئے۔ آپ کے صاحبزادوں اور آپ کی اولاد کی اولاد بفضلہٖ خدا اس وقت تک بھی جا بجا برقرار مقیم ہے۔ اس میں آپ کے حسن نیت و کرم کی جھلکیاں موجود ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے امید قوی ہے کہ آپ کے اخلاق و کھرداری کی روشنی سے آپ کی اولاد تا قیامِ قیامت بہرہ ور ہوتی رہے گی۔

آپ کی اولاد مختلف ممالک میں جن ناموں سے مشہور ہوئی

انساب الخلافہ ترجمہ سبائک الذہب مؤلفہ علامہ شہاب الدین ابی العباس علامہ ابو الفوز محمد امین السویدی میں تحریر ہے کہ "ہمدانی کہتا ہے جو ہری اسے تیسری صدی ہجری میں حضرت زبیرؓ کی اولاد کے متعلق لکھا ہے کہ "(۱) مصر میں یہ خاندان جماعت "ذوق" کے نام سے مشہور رہے اور مختلف ممالک میں "(۲) بنو رمنان" (۳) بنو بدر" (۴) الزبیریوں" (۵) بنو مقطع" (۶) بنو مصعب (۷) زبیریین" (۸) بنو غنی" (۹) اور بنو حلان" کے ناموں سے موسوم ہے۔"

ہندوستان میں یہ خاندان "**قریشی**" اور "**زبیری**" اور اپنے مسکنی لقب "**کنبوی**" سے شہرت پذیر ہوا۔ اور امتداد زمانہ سے **کنبوہ** بھی کہلایا جانے لگا۔

بھی آپ بڑے محبوب رہے اور حواری ؓ کے خطاب سے معزز فرمائے گئے دوسرا اپنے ماں باپ کو آپ پر فدا کئے جانے کا ارشاد گرامی فرمایا گیا۔ آپ کے چہرے کو غبار سے پاک و صاف دست مبارک سے فرمایا گیا۔ اسی دنیا میں بہشت کی بشارت سنا دی گئی۔ یہ وہ سرفرازیاں تھیں جو آپ پر ذات قدسی سے فرمائی گئیں۔ اور تو اور حسب تکمیل دس یعنی فتح مکہ کا دن آپہونچا اور مکہ میں لشکر اسلام داخل ہو رہا تھا تو مہاجرین و انصار کی سرداری کا علم بھی آپ کو مرحمت فرمایا گیا اور اس طرح آپ اس دور سے صاحب اللوائین کے لقب سے بھی ملقب ہوئے۔

آپ ہمیشہ مصالح اسلامی کے ساتھ رہے اور اپنی اعانت ہائے سے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے مساوات پسندی فراخ حوصلگی نرم دلی۔ خوف الٰہی تقدیٰ و پرہیزگاری۔ بلند حوصلگی۔ محنت و مروت۔ غیرت و حمیت شجاعت و شہامت میں آپ فرد فرید تھے۔ اسلام کی خدمت کیا آپ ایک ادنیٰ سپاہی کی طرح کاربند رہے بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ اور بہادران اسلام میں آپ کا جو رتبہ تھا وہ اظہار سے مستغنی ہے۔ باوجود اس کے جب سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ کے انتخاب کا وقت آیا تو آپ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں اپنے انتخاب سے دست بردار ہو گئے سیدنا حضرت عثمان غنی ؓ آپ کو سب سے زیادہ مستحق خلافت کہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے متعلق حضرت عثمان ؓ کا قول بخاری شریف میں ہے کہ قسم ہے خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ سب سے بہتر ہیں اور بے شک وہ رسول اللہ ؐ کو سب سے پیارے تھے۔ یہ الفاظ آپ کے مرتبہ حضرت رسول ؐ کے متعلق فرمائے۔

آپ کی زندگی کے چار پہلو ایسے کوئی نظر نہیں رکھتے شجاعت سخاوت تجارت اور امانت ہیں سرکار دو عالم صلعم اور خلفاء کے زمانے میں ہر جنگ میں آپ کا بڑا شاندار کارنامہ رہا ہے۔ بدر، احد اور تمام غزوات میں آپ شریک رہے خندق کی جنگ مسلمانوں کے لئے بڑا سخت معاملہ تھا مگر جس طرح آپ دشمنوں کی خبر لیکر حاضر حضور رسالت مآب ؐ ہوئے اس سے رحمت العالمین بھی مسرور ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور حواری رسول اللہ کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے۔ جنگ یرموک اور مصر کی فتح آپ کا عجیب و غریب کارنامہ ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی مرتبہ کی خدمت کے کارناموں میں میرے بدن کا کوئی عضو ایسا نہیں ہے جس میں زخم نہ ہو یہاں تک کہ اس سے شرمگاہ بھی نہیں بچا ہے۔ اور اس طرح آپ بہادران اسلام کی صف اول میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

تجارت ذریعہ معاش میں آپ نے تجارت کو اختیار فرمایا تھا جس کا سلسلہ شام۔ مصر۔ عراق اور حبش وغیرہ تک پھیلا ہوا تھا اسی م سے ہر جگہ آپ کے مکانات اور اموال موجود تھے مسعودی کے زمانہ تک حویلیاں اچھی حالت میں تھیں

ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کی تجارت میں اس قدر ترقی کس طرح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اول تو میں حرام مال نہیں لیتا دوسرے یہ کہ نفع کے پیچھے نہیں پڑا رہتا۔ اس تجارت ہی کی وجہ تھی کہ دولت و ثروت میں آپ بڑے ممتاز تھے۔ آپ کی دولت کا تخمینہ پانچ کروڑ دولاکھ کیا گیا تھا۔ اس دولت کے ساتھ فیاضی کے جوہر نے اس مال میں اور بھی برکت دی۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک زمین آپ نے چھ لاکھ میں فروخت کی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نقصان میں رہے فرمایا خدا واللہ میں نقصان میں نہیں رہ سکتا یہ فرمایا اور سب رقم راہ خدا میں خرچ کر دی۔ غریبوں اور محتاجوں کی آپ امداد فرماتے رہتے اور ان کی خبرگیری رکھتے۔ اس تجارت کے علاوہ جو جاگیریں مختلف اوقات میں آپ کو ملتی رہیں وہ مزید برآں ہیں۔ مال غنیمت سے بھی آپ کو گراں قدر رقمیں حاصل ہوتی رہیں

امانت و دیانت آپ کی اصطلاحی قابلیت و امانت و دیانت داری کا عام شہرہ تھا یہاں اپنی آل و اولاد و مال و متاع کیلئے آپ ہی کو اپنا وصی بناتے چنانچہ حضرت عثمان ؓ حضرت مقداد۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبدالرحمن بن عوف وغیرہ جیسے صحابہ کرام ؓ نے آپ ہی کو وصی بنایا تھا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت خدیجہ کے بھانجے اور خود حضرت زبیر کے پھوپھی زاد بھائی حضرت ابی العاص ؓ کے بھی آپ ہی وصی تھے حضرت زینب ؓ سرکار دو عالم صلعم کی بڑی صاحبزادی حضرت ابی العاص ؓ کو بیاہی تھیں۔ جن سے ان کی صاحبزادی حضرت امامہ پیدا ہوئی تھیں۔ اور حضور اکرم صلعم کو جن سے بہت ہی محبت تھی جب حضرت ابی العاص ؓ کا انتقال ہونے لگا تو وہ بھی اپنی ا

ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف (شاگرد حضرت امام ابو حنیفہ) کے ۱۸۲ھ ہجری میں انتقال کے بعد آپ کو بغداد کے مغربی حصہ (عسکری المہدی) کا قاضی مقرر کیا تھا

کچھ دنوں کے بعد ۱۹۲ ہجری میں آپ کو قاضی بکار بن عبداللہ الزبیری کی جگہ پر مدینہ منورہ روانہ کیا گیا اور آپ [illegible] میں مدینہ منورہ ہو گئے جس پر آپ انتقال کے وقت ۲۵۶ ہجری تک فائز رہے آپ کا انتقال بغداد میں ہوا۔ آپ کی تالیفیں حدیث والوں کی نظروں میں بہت قیمتی ہیں اور جن سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے (ابن خلکان، ابن اثیر، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن (?))

آپ کی تصانیف میں کتاب نسب النبی صلعم اور فضائل الانصار بھی ہیں۔ (المعارف تالیف علامہ شبلیؒ)

علامہ مسعودی نے آپ کی اکثر تصانیف کے لئے تحریر کیا ہے کہ ابو البختری قاضی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں حجازیوں کے حالات اور ان کے مرتبے بیان کئے ہیں اور ان میں بتایا ہے کہ کن کن لوگوں پر ان سب کا تعلق ہے اور وہ کون سے فروع ہیں جو ان کے درمیان مالا علاقہ ہیں (مروج الذہب مسعودی)

آپ کی اولاد میں بڑے بڑے صاحب علم و فضل، صاحب تدبیر اور ہوشمند اصحاب ہوئے ہیں اور کئی پشتوں تک قضا کی خلافت میں دربار خلافت (?) سے ہوتے رہے ہیں۔ (ان کے لئے دیکھو کتاب حالات سیدنا حضرت زبیرؓ مولفہ مولوی حسن اختر زبیری مؤلف کتاب ہذا)

امام ابو بکر عبداللہ الحمیدی | بن زبیر بن عیسیٰ بن عبید اللہ بن زبیر بن عبداللہ بن حمید بن زبیر بن الحارث بن اسد کے نام سے ایک بطن یا گھرانا (?) قائم ہوا جس کو الحمیدی کہتے ہیں۔

آپ علامہ سفیان بن عیینہ کے شاگرد رشید تھے اور انیس سال تک آپ نے ان سے کسب کمال کیا۔ امام شافعیؒ نے مکہ کے دوران قیام میں آپ نے استفادہ حاصل کیا اور مصر کے سفر میں دونوں ہمراہ تھے۔

آپ کے سب سے زیادہ مشہور و معروف شاگرد امام محمد بن اسمٰعیل البخاری ہیں جنہوں نے اپنی صحیح بخاری کی آپ ہی کی حدیث سے ابتدا کی ہے۔ آپ کی نسبت قرشی اسدی ہے۔

آپ اکثر کتابوں کے مصنف بھی ہیں چنانچہ مسلمانوں نے علم پر جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں آپ کی بھی ایک کتاب کا نام آتا ہے "اور حدیث میں آپ کی "مسند حمیدی" ایک مشہور کتاب ہے ۲۱۹ ہجری میں مکہ معظمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

خویلد بن اسد | آپ قریش کے معززین میں سے تھے۔ اور حرب فجار میں بنو اسد کے سردار تھے اور اسی جنگ میں آپ مارے گئے۔ آپ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے والد اور حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت حکیمؓ بن حزام کے دادا تھے

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد | آپ بڑی صاحب دولت و ثروت ہوئی تھیں۔ وہ اپنا مال تجارت ملک شام و عراق وغیرہ میں بھیجا کرتی تھیں۔ اور وہ ایسا ہوتا تھا کہ ان کی سامان ڈھونے والی اونٹنیاں تمام قریش کے سامان لے جانے والی اونٹوں کے برابر ہوتی تھیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلعم نے بھی اس کام کو انجام دیا اور جس میں پہلے سے کہیں زیادہ نفع حاصل ہوا۔

آپ موصوفہ حسن و جمال، عقل و دانش میں یکتا اور دولت و ثروت اور شرافت اخلاق میں وہ تھیں۔ آپ کے ان اوصاف نے اشراف قریش کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا اور آپ کو برابر پیام نکاح وصول ہوتے رہتے تھے لیکن خداوند قدوس کو کچھ اور منظور تھا اور آپ کو ام المومنین بننا تھا۔ جس کی موافقت میں آپ سرور دو عالم صلعم کے عقد میں آئیں۔ بقول طبری اس زمانہ میں قریش میں آپ سب سے زیادہ نسب شریف اور دولت مند عورتوں میں تھیں۔ پھر آپ نے جو خدمات انجام دیں ان سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ آپ ہی تھیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام میں رسالت کی تصدیق کی اور اپنی تمام دولت اسلام کی خدمت میں نثار کر دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے ہی دامن پرورش میں پروان [illegible] رسالت مآب کو جو تکالیف اور مشاغل برداشت کرنے پڑے ان میں آپ برابر کی شریک رہیں۔ بقول ابن ہشام آپ اسلام کے

اور تمام بنی ہاشم کو شعب ابو طالب سے نکال لائے تھے۔

لیکن ابو البختری اسدی نے شرارت کے ماتحت مارا جانا گوارا کیا اور جان بخشی اپنے ہمراہی کو چھوڑ کر قبول نہیں کی۔ واقعہ یہ ہوا کہ بدر کی جنگ میں یہ مجذر بن زیاد البلوی سے الصالحؓ کے ایک حلیف سے مڈبھیڑ ہوئی تو مجذرؓ نے ابو البختری سے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے تمہارے قتل کو منع فرمایا ہے۔ ابو البختری نے اپنے رفیق کے متعلق دریافت کیا کہ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ مجذرؓ نے کہا کہ ہم اسے نہیں چھوڑنے کے۔ صرف تمہارے واسطے حکم ہے۔ ابو البختری نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہے تو میں اور وہ دونوں ساتھ جان دیں گے تاکہ مکہ کی قریشی عورتیں میرے متعلق یہ نہ کہیں کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے رفیق کو قربان کر دیا اور یہ رجز پڑھتے ہوئے کہ ایک شریف زادہ کبھی اپنے ساتھی کو دشمن کے حوالے نہیں کرتا۔ اب چاہئے وہ مر جائے یا کامیاب ہو۔ لڑے اور مارے گئے۔"

حضرت ہبارؓ بن الاسود بن مطلب بن اسد

آپ کی اولاد خوب پھلی پھولی چنانچہ عمر بن عبدالعزیز بن ربیع بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن حضرت ہبارؓ نے سندھ میں منصورہ کی خودمختار سلطنت قائم کر لی تھی جو ۳۵۲ ہجری تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ قائم رہی۔ اور قرامطیوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی جن کو بعد میں سلطان محمود غزنوی نے تباہ و برباد کر دیا۔

حضرت ہبار کے پوتے مطرف بن عبدالرحمٰن کی بارہویں پشت میں شیخ الاسلام حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا ملتانی سہروردیؒ (المتوفی ۶۶۶ ہجری) ہوئے۔ آپ کے فیض انوار سے وسط ایشیا تک منور و تاباں تھا۔

حضرت ہبارؓ ہی کی نسل میں ایک صاحب جو صلاء بصرہ کے صاحب حیثیت و متمول بزرگ (جب کہ صاحب الزنج (حبشیوں کے سردار) کی خبریں بصرہ میں مشہور ہو رہی تھیں) ۲۵۵ ہجری میں سیراف میں منتقل ہو گئے اور وہاں سے بحر ہند ہوتے ہوئے چین میں پہنچے۔ اور شہنشاہ چین کے مہمان ہوئے تھے۔ انہوں نے عربوں اور ادھر کے ملکوں کے متعلق شہنشاہ کو باخبر کیا تھا۔ یہ قریشی ابن ہبار کے لقب سے ملقب تھے۔ علامہ مسعودی نے ابو زید محمد بن یزید سیرافی سے جو سیراف سے بصرہ میں منتقل ہو گئے تھے ۳۰۳ ہجری میں چین کے متعلق حالات دریافت کر کے لکھے ہیں۔ ابو زید سے خود ابن ہبار موصوف نے بیان کیا تھا۔

حضرت ربیعہؓ بن الاسود بن مطلب بن اسد

انہوں نے مسافروں کے لئے ایک کھجور کا درخت وقف کر دیا تھا۔ اور سرور دو عالم صلعم نے ان کے اس فعل کو قابل عزت قرار فرمایا تھا۔ چنانچہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے اس کے متعلق شعر کہا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ نے کہا تھا کہ کاش میں ربیع بن الاسود کے کھجور کا درخت والا ہوتا اور خلافت مجھے نہ ملتی۔"

(کتاب المحبر)

زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد

اپنی فیاضیوں کی وجہ سے مشہور و معروف تھے۔ اور ان کو زاد الرکب (سفر کے لئے سہارا) کے خطاب سے ملقب کیا جاتا تھا۔ یہ تمام خاندان کے بھی سردار رہتے تھے۔ ان کی بیوی قریبہ اور ام المومنین حضرت سلمہؓ سگی بہنیں تھیں۔"

(ابن ہشام) و (ڈاکٹر حمید اللہ نے "کتاب المحبر" کا ترجمہ کیا)

حضرت یزیدؓ بن زمعہ

آپ کا وقار مکہ میں بہت تھا۔ جب کبھی قریش پنچایت کرتے تو وہ فیصلہ کا انحصار ان پر رکھتے اور سارے معاملہ کو انہیں کے سپرد کر دیتے۔ اور ان کا فیصلہ قابل تسلیم ہوتا۔ (ابن ہشام و ابن الاثیر وغیرہ) آپ نے ابتداء ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔" جنگ حنین میں ان کا گھوڑا (جناح نامی) بدک گیا تھا جس سے گر کر شہید ہو گئے۔

قاضی ابو البختری وہب بن وہب بن وہب بن قسیم بن عبداللہ بن زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد

آپ کی والدہ نے آپ کے والد کے انتقال کے بعد حضرت جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن حسینؓ بن حضرت علیؓ سے شادی کر لی تھی۔ آپ نے حضرت جعفر صادق اور حضرت ہشام بن حضرت عروہ بن حضرت زبیرؓ سے حدیثیں حاصل کیں۔

اس دنیا میں آپ پہلے شخص ہیں کہ جب حضور اکرم صلعم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ہی نے اس کی صداقت و حقانیت کی گواہی دی تھی لیکن رسالت کا اعلان نہیں ہوا تھا کہ دنیا سے چل بسے

آپ ہی ہیں کہ جنہوں نے آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے سے قبل سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور اقدس صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی اور یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضور اکرم صلعم کے مبعوث ہوتے ہی ایمان لے آئے اور تصدیق نبوت فرمائی۔

عثمان بن حویرث

یہ عثمان بن حویرث بن اسد ہیں جن کا حال پہلے مذکور ہوا ہے یہ عیسائی ہو گئے تھے۔ یہ ایک باحوصلہ شخص تھے۔ اور مذہب کی کافی تلاش و جستجو کرتے رہتے تھے۔ قیصر روم ان کی بہت قدر کرتا تھا۔ اور اس کے یہاں ان کو ایسا اعتبار حاصل ہو گیا تھا کہ اس نے انہیں مکہ کی حکومت کا فرمان دے کر روانہ کیا تھا جس میں مکہ والوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ صاحب عثمان کے لئے بڑے اچھے مواقع حاصل تھے کیونکہ مکہ والے غلہ اور دیگر ضروریات اور سیر تجارتی کاروانوں کے لئے مصر فلسطین اور شام کے رومی صوبوں کے دست نگر تھے۔ اس لئے وہ آسانی سے فرمان قیصری کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے لیکن بنو عبد العزی بن عثمان ہی کے ایک رشتہ دار نے جلسہ میں اٹھ کر اعتراض کرنا شروع کر دیا اور کہا کہ یہ مکے کے آزاد باشندے بادشاہت اور امارت کی بدعتوں کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟ اور اس خیال کا خوب مضحکہ اڑایا قوم کے ذہن میں جلسے کی رائے بدل گئی۔ عثمان برہم ہو کر شام واپس چلا گیا اور قیصر روم نے اس کا بدلہ یوں لیا کہ اپنی قلمرو مکہ والوں کے لئے بند کر دی اور ان کے جو تاجر اس وقت وہاں موجود تھے ان کو قید کر لیا۔ حالانکہ اس سے قبل اسی قیصر نے آنحضرت صلعم کے پر دادا جناب ہاشم کو شام میں تجارت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت قیصر مکہ والوں کو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا کیونکہ اسی دوران میں اس کی ایران سے جنگ چھڑ چکی تھی۔

ابو البختری عاص بن ہشام بن الحارث بن اسد

ابو البختری کے دادا حارث حضرت خدیجہؓ کے دادا خویلد بن اسد کے سگے بھائی تھے۔ اس طرح یہ خود حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہوں نے اسلام نہیں قبول کیا مگر آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی امداد کا جب موقع ملا تو اس سے دریغ نہیں کیا۔

جب کفار قریش نے بنی ہاشم کو شعب ابو طالب میں محصور کر رکھا تھا۔ لگاتار تین سال تک محاصرے کی طوالت کی وجہ سے وہ لوگ گھاس اور پتے بھی کھانے کے لئے باقی نہیں رہے تھے اکثر درخت کے پتے کھانے پڑتے تھے۔ عجیب مصیبت میں مبتلا تھے اس زمانے میں ام المومنین حضرت خدیجہؓ اسدیہ کے اثر سے جو حضور اکرم صلعم کے ساتھ شعب ابو طالب میں تھیں کبھی کبھی باہر سے کھانا پہنچ جاتا تھا جس کو ان کے خادم چھپا کر وہاں بھیج دیتے تھے۔ ایک دن ابو جہل نے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کو دیکھ لیا جو ایک غلام پر گیہوں لدوا کر شعب ابو طالب میں پہنچانے لے جا رہے تھے۔ ابو جہل نے ان کی مزاحمت کی اتنے میں ابو البختری وہاں پہنچ گئے انہوں نے ماجرا دریافت کیا۔ ابو جہل سے کہا کہ انہیں جانے دو مگر جب وہ کسی طرح نہ مانا تو ابو البختری نے ابو جہل کے ایسی چوٹ سر پر لگائی کہ وہ لہو لہان اور بے دم ہو گیا۔

بنو ہاشم سخت مصیبت میں تھے۔ محاصرہ کو تین برس ہو چکے تھے کہ ایک دن ان کی رہائی کا اس طرح سامان ہو گیا کہ حضرت زہیر ہشام مخزومی سے مشورہ کر کے مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ انہوں نے اور ابو البختری عاص اور زمعہ بن الاسود اسدی اور عدی بن قیس نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن یہ سب مل کر حرم میں گئے حضرت زہیرؓ نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے کہ ہم لوگ آرام سے زندگی بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک کر دیا جائے گا میں اور آدمی تکا۔ اور ابو جہل وغیرہ کی مخالفت کے باوجود معاہدہ کو چاک کر کے یہ لوگ شعب ابو طالب میں جا کر سب کو نکال کر مکہ معظمہ لے آئے

جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت صلعم نے جن لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ قتل نہ کئے جائیں ان میں یہ ابو البختری اسدی تھے اور حضرت عباسؓ بھی تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور لڑنے کے لئے آئے تھے۔

ابو البختری اسدی کے قتل سے رسول مقبول صلعم نے اس لئے منع فرمایا تھا کہ انہوں نے قیام مکہ کے زمانے میں کبھی آپ سے بدسلوکی نہیں کی کبھی ایذا نہیں دی اور کوئی ایسی بات نہیں کی جو رسول اللہ صلعم کے ناگوار خاطر ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ یہ منجملہ ان لوگوں کے تھے جو رسول اللہ صلعم

پہلے سے موجود تھے اور بعد میں اکثر قصی نے ضروریات کے تدنظر قائم کئے۔

قصی کی اولاد اِن چاروں لڑکوں عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدقصیٰ میں سے عبدمناف اور عبدالعزیٰ باپ کی حیات ہی میں نامور اور صاحب عزت و جاہ ہوچکے تھے لیکن اِن دونوں بھائیوں کے مقابلہ میں عبدالدار کے کمزور ہونے کی وجہ سے باپ نے اُس کو حکومت مکہ کے کاروبار سپرد کر دیئے تھے جس کی جانب اِن دونوں بھائیوں نے اپنی ذاتی وجاہتوں اور دولت مندی کی وجہ سے کوئی توجہ نہیں دی لیکن اِن کے اِنتقال پر عبدمناف کے بیٹے ہاشم اور عبدالعزیٰ کے بیٹے اسد نے عبدالدار کی اولاد سے اپنے حقوں اور کاروبار حکومت مکہ میں شمولیت کا مطالبہ کیا۔ ایک شدید جنگ کا خطرہ پیدا ہوکر رفع ہوگیا۔ اسد بن عبدالعزیٰ کو دارالندوہ کی صدارت و انتظام۔ حرم کے آنے والوں کی دعوت اور محتاجوں کی خبرگیری سپرد ہوئی۔ اور یہ صدارت آپ کے خاندان میں متوارث رہتی چلی آئی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت زبیرؓ کے حقیقی چچازاد بھائی حضرت حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔

اِسی سلسلہ میں ہاشم کے بھائی عبدالشمس بن عبدمناف کو ٹیکس جمع کرنے اور حاجیوں کے لئے پانی مہیا کرنے کا انتظام سپرد ہوا۔

اور دوسرے اداروں کی تقسیم بھی عمل میں لائی گئی۔ عبدالدار کی اولاد کے حوالے فوجی اِنتظام ہوا۔

اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور آپ کی اولاد آپ قریش کے نامور۔ باوجاہت اور ذی حشم سردار تھے۔ دارالندوہ کی صدارت پر آپ متمکن ہوئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ خدا نے آپ کو نامور اولاد بھی عطا فرمائی اور آپ قریش کے ایک نئے بطن اسدی کے اِسی طرح مورث اعلیٰ ہوئے جیسے کہ آپ کے حقیقی چچازاد بھائی ہاشم ایک نئے بطن ہاشمی کے مورث اعلیٰ بنے۔

آپ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہونے کا شرف بھی حاصل ہے کیونکہ آپ کی صاحبزادی اُمّ حبیب آنحضرت رسُول مقبول صلعم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی حقیقی نانی تھیں۔ علاوہ ازیں آپ اُم المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے دادا اور سیدنا حضرت زبیرؓ کے پردادا بھی تھے۔ سرکار دوعالم صلعم کے چچا سیدالشہداء حضرت حمزہؓ اور آپ کی حقیقی بہن سیدہ حضرت صفیہؓ دوالدہ ماجدہ حضرت زبیرؓ) اسد کی پوتی عیلہ بنت مطلب بن اسد کے نواسے اور نواسی تھے عیلہ زوجہ وہیب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی ہالہ کی شادی عبدالمطلب بن ہاشم سے قرار پائی تھی۔ اور وہیب کے بھائی وہب کی صاحبزادی آمنہ کا نکاح عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کیا تھا۔

اِسی طرح اسد کی پانچویں پشت میں ابوعبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد کی صاحبزادی ھند کی شادی عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی تھی جن کے بطن سے اِمام محمد نفس ذکیہ اور اِن کے بھائی ابراہیم تھے جنہوں نے ۱۴۵ھ ہجری میں ابوجعفر منصور خلیفہ دوم عباسی کے خلاف خروج کیا تھا۔

جناب اسد کی اولاد سے قبل از بعثت آنحضرت صلعم جن صلاحیتوں کا اظہار ہوا اور بعد از بعثت حضور اکرم صلعم انہوں نے اِسلام کی جو خدمات انجام دیں تاریخ اسلام کے صفحات اُن کے کارناموں سے مُزین ہیں۔

ورقہ بن نوفل چنانچہ ورقہ بن نوفل بن اسد پہلے شخص تھے جو قریش میں سریانی و عبرانی زبانوں کے ماہر تھے۔ اور جنہوں نے عبرانی سے انجیل کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ اور اِسی طرح توریت کو عربی میں منتقل کیا تھا۔

قریشیوں میں قبل از اسلام جن اشخاص نے بُت پرستی سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ ان میں سے ایک آپ اور دوسرے آپ کے چچازاد بھائی عثمان بن حویرث بن اسد تھے۔

نوٹ ۱: رسول مقبول صلعم کے دو چچاؤں میں آپ کے چچا حضرت حمزہؓ اور پھوپھی حضرت صفیہؓ ہی دونوں حقیقی ماں جائے بھائی بہن تھے جنہوں نے خاندان ہاشمی میں سب سے پہلے اِسلام قبول کیا تھا۔ ان دونوں کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے آنحضرت صلعم سے خون کا رشتہ رکھتے تھے۔

فہرست مضامین مقدمہ

کروں گا۔ چنانچہ آپ نے شادی نہیں کی۔ اور غیر تاہل زندگی بسر کرتے ہیں۔ اِس طرح فرض شناسی اور پاکباز زندگی آپ کے کیرکٹر کا انمول جوہر ہیں۔
یوں تو آپ کو اپنے عزیز اقارب بہن بھائیوں سب سے محبت ہے لیکن سب سے زیادہ میں آپ کی بے پناہ محبت و مودت کا مرکز رہا اور اب میری ننھی بچی
فیضیہ تاج بانو آپ کی مسرتوں اور خوشیوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ میری پوری تعلیم اور شادی وغیرہ کے اخراجات کے آپ ہی کفیل رہے۔
غرض آپ ایک بے چین اور ہمہ گیر طبیعت لیکر آئے ہیں۔ جوان عمری سے "خودداری" "غیرت" "فیاضی" رحم دلی اور خداترسی آپ کا
جوہر رہا ہے۔ قوت فہم۔ ذہانت حافظہ۔ اور طاقتِ ادراک اور طلاقت وخوش تقریری کا کافی حصہ خدا کی طرف سے آپ کو ودیعت کیا گیا ہے پیہم
مطالعہ اور کثرت کتب بینی کے باعث آپ نے لیاقت میں ترقی کی۔ آپ کے اَوضاع۔ اطوار۔ اور طرزِ معاشرت مثالی ہے۔ آپ حد درجہ نیک چلن اور
پاک باز رہے ہیں۔ صحت اعلیٰ درجہ کی رہی۔ جو کتاب میں تصویر دیکھنے سے ظاہر ہے اور شاید حضرت ریاض خیرآبادی نے اپنا یہ شعر آپ ہی کے لئے
موزوں کیا تھا ؎

دنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر (حسین پر)
کس نوک کا جوان ہے کس آن بان کا

سادگی۔ اور پاک دامنی کا جو مسلک شروع سے اختیار کیا تھا اُس کو تا ایں دم بفضلہ تعالیٰ بخیر و خوبی قایم رکھے ہوئے ہیں۔ اب اِس تعارف کو میں
اِس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیش از بیش صحت و تندرستی خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ علمی خدمات کی روز افزوں توفیق
عطا فرمائے اور یہ کہ ؎

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آمین اللّٰھم آمین

راقم

محمد امداد احمد زبیری

ختم ۸ بجے شب۔ ۷ رمئی سنہ ۱۹۵۰ء مطابق ۱۹ ررجب سنہ ۱۳۶۹ ہجری
بروز اتوار۔ حیدرآباد دکن

دن اور تمام تمام رات کو ایک کر دیا اور جس کام کو ہاتھ لگایا تھا اس کو بحسن و خوبی تکمیل کو پہونچا دیا۔ باغ لگانے کا خیال آیا تو جب تک اس کو تہذیب دے کر اور اعلیٰ درجہ کے میوہ دار درختوں سے بھرپور نہ کر لیا نہ چین لیا اور نہ لینے دیا۔ غرض چھوٹا ہو یا بڑا جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں کبھی ادھورا نہیں چھوڑتے۔ اس کو پورا کر کے ہی دم لیتے ہیں

حقہ کا شوق

اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں یہ جب بورڈر کی حیثیت سے داخل ہوئے تو وہاں کی صحبت نے حقہ پینے کی عادت ڈلوا دی۔ اور یہ ان کی زندگی کا ایک اہم مشغلہ بن گیا ہے۔ والد صاحب مرحوم و مغفور حقہ نہیں پیتے تھے لیکن نانا صاحب مرحوم و مغفور حقہ بہت پیتے تھے۔ اٹاوہ سے آپ چھٹی میں مکان پر آئے ہوئے تھے نانا صاحب کے حقہ کو کیا ہاتھ لگا سکتے تھے اور گھر میں بھی حقہ کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے حسب موقع ادھر اُدھر دوست احباب میں اس کا مشغلہ ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ نانا صاحب مرحوم نے ان کو حقہ پیتے ہوئے دیکھ لیا۔ مکان پر تشریف لا کر جب اُن کا حقہ بھرا گیا تو انہوں نے برادر محترم کو بلوایا۔ یہ حسب عادت سلام کر کے حاضر ہوئے ارشاد ہوا کہ بیٹھو اور حقہ پینے کے لئے کہا۔ اب تو آپ کے حواس کے طوطے اُڑ گئے۔ انکار کیا۔ ارشاد ہوا کہ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اُدھر اُدھر حقہ پیو جب پیتے ہو تو ہمارے سامنے پیو۔ اس پر مجبور ہوئے کہ ایک دو کش لینے ہی پڑے۔ اس دن سے یہ ہوا کہ نانا صاحب جب کچھ حقہ پی لیتے تو پھر اُس کو آپ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ اس طرح حقہ نوشی کا سلسلہ چلا۔ اب تو اس میں ایسی کثرت ہے کہ کام کے وقت چاہے ایک کش لینے کی نوبت نہ آئے مگر چلم بھری بھرائی حقہ پر حاضر ہے۔ سگرٹ اور بیڑی بھی حسب موقع چلتی رہتی ہے۔ غرض یہ شغل آپ کی دُھن کے لئے نہایت ضروری ہے۔

طبیعت کا خاصہ

طبیعت درحقیقت بہت سادگی پسند ہے اور کسی تصنع اور بناوٹ کو دخل نہیں ہے۔ زندگی بہت سادگی کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ اس میں رہن سہن۔ کھانا پینا اور لباس سب شامل ہیں بُری باتوں سے ہمیشہ نفرت رہا ہے۔ جھوٹ دھوکہ دہی اور فریب کے دشمن ہیں اور ہمیشہ سچ بولنا اور دو ٹوک گفتگو کرنا پسند خاطر ہے۔ کسی سے ایچ پیچ کی گفتگو کرتے ہیں۔ اور نہ چاہتے ہیں کہ ان سے اس طرح سے گفتگو یا معاملہ کی بات چیت کی جائے۔ اور جب دیکھتے ہیں کہ ایسا ہو رہا ہے تو آپ کو غصہ آ جاتا ہے۔ اور اُس شخص کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ کینہ کپٹ کسی سے نہیں رکھتے سچی بات ایسی کہہ دیتے ہیں کہ چاہے کسی کے دل میں رہے یا کلیجہ کے پار ہو جائے۔

دوسروں کے معاملوں میں دخیل ہونے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنے معاملہ میں بھی کسی کو خواہ مخواہ دخیل نہیں ہونے دیتے۔

بڑوں کی عزت چھوٹوں سے محبت اور دوست احباب سے مروت کا برتاؤ رہتا ہے اعزا کے ساتھ لطف و مدارات سے پیش آتے ہیں اور اُن کے کام بھی آتے ہیں۔

نماز روزہ کے پابند ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ احکام الٰہیہ ہیں ان کی بجا آوری میں کسی طرح کا تساہل نہیں ہونا چاہئے۔

بزرگان دین سے عقیدت ہے مگر شیخی بگھارنے والے اور دنیادار مکاروں کے سخت دشمن ہیں۔ کسی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے گھبرا جاتے ہیں اوائل عمر سے ورزش کا شوق ہے جو کسی نہ کسی شکل میں اب تک زیر مداومت ہے۔ اس ریاضت اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے آپ کی صحت ہمیشہ بہت اچھی رہی۔ اب بھی آپ روزانہ کسی نہ کسی کام میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے ہیں۔

تاہل

والد صاحب مرحوم و مغفور کے انتقال کے بعد کچھ مالی پریشانیاں لاحق رہیں۔ ملازم ہوتے ہی آپ نے اپنی فراست سے اپنے گھر کے ماحول کا اندازہ کر لیا۔ اور اپنی گاڑھی محنت کی کمائی اپنی ماں اور بہن بھائیوں پر اس طرح صرف کرنے لگے کہ جس سے گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا۔ ماں کی مامتا چاہتی تھی کہ وہ بیٹے کا سہرا دیکھے۔ مگر آپ کی ہمت اس کی متقاضی تھی کہ پہلے بہن کی شادی ہو۔ اور میری تعلیم کی تکمیل ہو سکے۔ خدا نے ان کاموں کو انجام کو پہونچایا بہن اور دوسرے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ اور میں بھی بی۔ اے کر چکا تھا کہ یکایک ۱۹۲۹ء میں شفیق ماں نے داغ مفارقت دے دیا۔ آپ کے لئے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا اور اس نے آپ کی زندگی کے ایک باب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ میری ملازمت کے بعد مجھ پر زور ڈالا گیا کہ میں شادی کر لوں۔ میرا اصرار تھا کہ آپ کو مجھ سے پہلے شادی کرنی چاہئے۔ مگر آپ کی مستغنی طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا اور صاف طور پر کہہ دیا کہ اب والدہ کے انتقال کے بعد میں تاہل کی زندگی کسی طرح بسر نہیں

ذہانت تلنگانہ میں ملازمت کے سلسلہ میں آپ کو خیال پیدا ہوا کہ ملکی زبان سیکھنی چاہئیے۔ چنانچہ ایک ہی ہفتہ میں آپ نے دماغ میں تلنگی زبان کا اتنا ذخیرہ جمع کر لیا کہ اس میں گفتگو فرمانے لگے۔ معلومات کا وہ ذخیرہ آپ کے دماغ میں رہتا ہے کہ کسی جلسہ کسی سوسائٹی اور کسی مجمع میں کسی بھی مسئلہ پر بے تکلف گفتگو کرتے ہیں۔

ایک روز گلشن آباد میدک دکن میں اپنی تعیناتی کے زمانہ میں اپنے دوست وحید الدین حیدر صاحب کے مکان پر معہ چند احباب کے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اُن کے چھوٹے بھائی امیرالدین حیدر عرف امیر میاں مرحوم و مغفور نے جن کی عمر اس وقت بائیس ۲۲ سال کے قریب تھی دو تصویریں دو اصحاب کی جنہیں کبھی آپ نے دیکھا نہ تھا بلکہ اُن کے ناموں سے بھی واقف نہ تھے۔ اور جن کی جسامت عمر۔ وپوشش میں بھی زیادہ فرق نہ تھا، لاکر الگ الگ دو چوکٹوں میں آپ کے سامنے رکھدیں اور کہا کہ جو کتاب آپ نے مجھ سے لیکر ایک ماہ قبل پڑھی تھی۔ اِن دونوں حضرات میں سے ایک اُس کے مصنف ہیں۔ تصویروں کو دیکھکر بتلائیے کہ اِن میں وہ کون ہیں" معاملہ سخت تھا مگر آپ نے دونوں شکلوں کے چہروں پر نظر ڈالی اور اس کتاب کے مضمون کو ذہن میں لاکر ایک چوکٹا اُن کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور فرمایا کہ اُس کتاب کے مصنف یہ ہیں" امیر میاں مرحوم نے اقرار کیا اور چلے گئے۔ الگ پلنگ پر جا کر خاموش لیٹ گئے۔ آدھ گھنٹے کے بعد یہ سوچ کر کہ شاید یہ اتفاق تھا۔ پھر ایک تصویر لیکر آئے جس میں اُن کے ہم سن پندرہ سولہ لڑکوں کا گروپ تھا" اور اُسے آپ کے سامنے رکھکر کہا کہ یہ سب میرے ملنے والے ہیں۔ مگر ان میں ایک میرا خاص الخاص دوست ہے۔ بتلائیے وہ کونسا ہے" یہ معاملہ پہلے معاملہ سے بھی اہم تھا۔ سوائے دو تین لڑکوں کے آپ کسی اور سے واقف نہ تھے" مگر آپ نے امیر میاں مرحوم کے عادات وخصائل کو ذہن میں رکھکر اور گروپ کے سب لڑکوں کے چہروں کو غور سے دیکھکر ایک لڑکے کے چہرے پر انگلی رکھدی اور فرمایا کہ اگر خاص الخاص دوست تمہارا ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے"۔ بات صحیح تھی موجودہ حضرات اور امیر میاں مرحوم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور وہ آپ کی ذہانت پر عش عش کر گئے۔ یہ لڑکا وہ تھا جسے آپ نے کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ پھر بعد میں اُسے دیکھنے کا موقع ملا" امیر میاں آپ کی ذہانت کے ہمیشہ معترف رہے جب کوئی الجھن کسی کام میں انہیں پیش آجاتی تھی تو آپ ہی سے مشورہ کرتے تھے اور اکثر اس واقعہ کو بیان کیا کرتے تھے"

ایک دفعہ میرٹھ کے ایک مجمع میں آپ کی موجودگی میں اس بات کا ذکر ہوا تو ایک صاحب یقین نہ کر کے اپنے آٹھ دس دوستوں کے گروپ کی ایک تصویر لے آئے اور وہی سوال کیا جو امیر میاں مرحوم نے کیا تھا" خدا کا فضل شامل حال تھا آپ نے جس لڑکے کی پیشانی پر انگلی رکھی وہ ہی گروپ پیش کرنے والے اور سوال کرنے والے کا مطلوب تھا۔ ان واقعات سے بھی زیادہ اہم آپ کی ذہانت کا یہ واقعہ ہے کہ حیدرآباد میں آپ کی ڈاڑھ کے قریب منہ کے اندر ایک طرح کی رسولی نکل آئی تھی جو بیر کے برابر ہو گئی اور دانتوں کے نیچے آنے لگی تھی" میرٹھ میں ڈاکٹروں سے مشورہ ہوا۔ سب کی رائے ہوئی کہ جلد سے جلد اس کو نکلوا دینا چاہئیے دیر کی تو نا قابل علاج ہو جائے گی۔ اور خدشہ پیدا کرے گی" چنانچہ ایک دن صبح دس بجے سول سرجن صاحب نے آپریشن کر کے اُسے نکال دیا" اور خون بند کرنے کی دوا لگا دی" مکان پر آنے کے بعد قریباً بارہ ۱۲ بجے سے زخم سے خون آنا شروع ہو گیا" ڈاکٹر صاحب سے کہلوایا انہوں نے اور دوائیں دیں مگر کوئی کارگر نہیں ہوئی اس قدر کثرت سے خون آیا کہ جان کے لالے پڑ گئے" رات کو آٹھ بجے میرٹھ کے مشہور سرجن ڈاکٹر بھوپال سنگھ نے ٹانکے لگائے تو خون بند ہوا" دوسرے روز خون بند رہا اور تیسرے دن جریان خون کی وہی کیفیت ہو گئی جو پہلے دن ہوئی تھی" رات کو دس بجے بھوپال سنگھ آئے اور مکان پر تشریف لاکر حالت کو دیکھکر انہوں نے ایک انگیٹھی منگائی اُس میں آگ سلگوائی اور اُس میں لوہے کی تیلیاں ڈال کر بیٹھ گئے" وہ تیلیاں سرخ ہو گئیں اور عرصہ گذر گیا مگر ڈاکٹر صاحب نے کوئی حرکت نہ کی بستر کو پکڑے خاموش ہی بیٹھے رہے" خون کے اس کثرت سے نکل جانے کی وجہ سے برادر محترم میں کروٹ لینے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی" مگر جب انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی یہ کیفیت دیکھی تو اُن سے دریافت کیا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں اپنا کام کیوں شروع نہیں کرتے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے پہلے ٹانکے لگائے تھے لیکن اب وہاں کے گوشت کے سڑ جانے یا ڈھیلا پڑ جانے کی وجہ سے ٹانکے تو لگائے نہیں جا سکتے ——— میں نے انگیٹھی میں لوہے کی تیلی اس غرض سے گرم کی ہے کہ وہاں داغ دینے کا ارادہ ہے،

پیاسے جو آئے یہاں سیراب ہوتے تھے سبھی — کوششوں سے اُن کی یہاں پر علم کی نہریں بہیں
اس جگہ ایسے ہوئے صاحبِ دل و صاحبِ کمال — فیض جن کا پہنچا تھا غرب سے تا ملکِ چین
ماشاءاللہ ہر صفت میں۔ تھے وہ اپنی ہی مثال
مرحبا۔ صلِ علیٰ ؛ صد آفریں صد آفریں

جس زمانے میں چینور ضلع آصف آباد آپ کا مستقر تھا۔ وہاں ایک نائب ناظم صاحب جنگلات تقریب ڈیڑھ ماہ کر اسپکشن میں مقیم ہوئے تھے۔ مقامی کلب نے جس کے برادر محترم مع مقامی افسروں اور وکلاء وغیرہ کے ممبر تھے اُن کے آخر میں ایک جلسہ ترتیب دیا تھا۔ احباب کے تقاضہ سے یہ نظم فوراً تصنیف کرکے آپ نے پڑھی تھی۔"

اس قصبہ چینور میں آئے نائب ناظم جنگلات — خوشی مناؤ ڈھول بجاؤ۔ ہم سے ملا دو یارو ہاتھ
جنگل۔ جھاڑی اور پہاڑی شیر بگھیرے۔ گیدڑ۔ مارٹے۔ — ان سب کے اَن داتا یہ ہیں سن لو پیارو میری بات
سات گنائے ہیں نے تم کو اور بہت سے چھوڑ دیئے — ساری گر تفصیل سناتا۔ صبح سے ہوتی آدھی رات
ہر گن پورے۔ سب کچھ جانیں۔ خوب نکھائیں۔ دیکھیں بھالیں — اپنے کام میں بار رہائیں۔ سب سے نرالی اِن کی گھات
اِن کے ماتحت اِن سے خوش ہیں کیسی شان نرالی اِن کی — نکلے سمائے۔ عہدے اترائے۔ سب میں نرالی ان کی بات
ہم تو واقف اِن سے نہیں تھے حال یہ صاحب ہم نے اِن کا — سب لوگوں کی چاہت دیکھی جانا ان کو سونا دھات
وصف کو ان کے سن کر یارو سب ہی تو ملنا چاہتے تھے
مصنف نے انصاف کیا ہے۔ لایا جو اِن کو اپنے ساتھ

آپ پنڈی پاکلا پراجکٹ کا کام شروع کرانے کے لئے اور لوگوں کے ساتھ تیرہ رمضان کی صبح کو حیدرآباد سے روانہ ہو کر وہاں شب کو پہنچے تھے۔ ستائیس رمضان کو ساٹھ ستر اشعار کا ایک منظوم خط آپ نے اپنے کرم فرما شیخ محمد حسین صاحب مرحوم و مغفور وکیل ضلع کریم نگر کی خدمت میں بھیجا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

لے لکھے کٹ رہے ہیں دن سے جناب والا — ہوں دور آپ سے جو میں اے جناب والا
بائیس [۲۲] ہو چکے ہیں اور آٹھ جو ہیں باقی — ہمت کے سامنے یہ کیا ہیں جناب والا
چاروں طرف کو نظریں جس وقت ڈالتا ہوں — پتھر ہی دیکھتا ہوں بکھرے جناب والا
ہے دھوپ سخت لیکن۔ سایہ ذرا نہیں ہے — کانٹوں کی جھاڑیاں ہیں چھوٹی جناب والا
پتھر ہو یا کہ روڑا اس کو اٹھاؤ گے جب — بس بچھو دیکھ لوگے۔ بیچے جناب والا
قدرت کا یہ تماشا دیکھیں گے آپ جس دم — غش غش کریں گے پھر تو بیشک جناب والا
دس میل ڈاک خانہ ہے دور اس جگہ سے — واں تک سڑک سے کچی پہنچئے جناب والا
بارہ ہی ڈاکٹر بھی آتے ہی فصل پر ہیں — واں تک پہنچنا ہے مشکل حد سے جناب والا
بیسر تیتر سے خشک جنگل میں بہت سے ہیں — خرگوش بھی ہیں کافی یاں پر جناب والا
جب کام ہی سے فرصت مجھ کو ذرا نہیں ہے — پھر ان سے فائدہ ہی کیا ہے جناب والا
ملنا جیسی ہے کیسی اس جا جمن سے اکثر — آؤ جناب والا۔ دیکھو جناب والا

غرض آپ کی بہت سی نظمیں ہیں۔ جو کسی نہ کسی موقع پر آپ نے کسی مدح یا تاثر کے ماتحت لکھی ہیں ہم نے جو یہاں ایک جھلک دکھلائی ہے اس سے آپ کی جودتِ طبع اور آمدِ مضمون کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔"

دکھ بظاہر تو اس کو ہوتا تھا — تھے مگر بے قرار باپ اور ماں
کون تھا جس کو وہ نہ تھا پیارا — تھا وہ سب سے عزیز تراز جان
چین سے وہ تو رات بھر سوتا — ماں کو لیکن نصیب خواب کہاں
الغرض اس طرح بہ نازو نعم — پرورش پائی تا حدِ امکان

آپ کی ختنہ اور بسم اللہ اور ختم قرآن شریف کے بعد نشرح کی رسمیں کافی حوصلہ مندی کے ساتھ انجام پائیں۔

مکتب رسم بسم اللہ کے بعد مدرسہ قومی میں حافظ عظیم اللہ صاحب مرحوم و مغفور کی سپردگی میں دیدیئے گئے۔ یہ مدرسہ نواب خیر اندیش خاں زبیری کنبوی عالمگیری کی تعمیر کردہ "خیر المساجد والمعابد ۱۱۰۳ھ ہجری" میں خاندان کے بزرگوں نے قایم کیا تھا جس میں عربی و فارسی، علم حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک طرف افغانستان و صوبہ سرحد اور دوسری جانب بنگال تک کے طلبار بغرض حصول تعلیم آتے تھے۔ اور قرآن شریف ناظرہ پڑھایا اور حفظ بھی کرایا جاتا تھا۔ اردو۔ انگریزی و حساب کی تعلیم بھی چھٹی جماعت تک ہوتی تھی۔ اس مدرسہ نے کافی شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ شہر کے شرفا کی ابتدائی تعلیم کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر ضیاء الدین "نواب اسلام احمد خاں سابق رکن لیجسلیٹیو اسمبلی صوبہ یو۔پی۔ اور مولوی محمد احمد صاحب سابق پوسٹ ماسٹر جنرل ریاست حیدرآباد دکن وغیرہ وغیرہ اپنی ابتدائی تعلیم کے لئے اسی مدرسہ کے ممنونِ منت ہیں۔ خان بہادر مولوی بشیر الدین احمد صاحب بانی و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ و ایڈیٹر اخبار البشیر اپنی ابتدائے عمر میں اسی مدرسہ میں ملازم ہوئے تھے اور اسی وجہ سے ماسٹر بشیر الدین کے نام سے مشہور رہیں۔

شرارتیں آپ گھر کے ماحول کی وجہ سے شروع سے نڈر واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ اس مدرسہ میں ماسٹر عبد الرحیم صاحب ایک قدیم انگریزی داں مدرس تھے۔ اُن کی عادت تھی کہ مارنے کی بجائے لڑکوں کی آستین چڑھا کر بازو میں کاٹ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز برادر محترم کی بھی باری آگئی۔ اور ماسٹر صاحب نے جلدی جلدی آپ کی آستین چڑھا کر کٹ مارنے کا ارادہ کیا۔ اُس وقت خود ماسٹر صاحب کے ہاتھ کا انگوٹھا۔ خوب پک رہا تھا اور پٹی بندھی تھی۔ برادر محترم نے یکایک اُن کا انگوٹھا پکڑ لیا۔ اُسے خوب مسلتے جاتے اور شور مچاتے تھے کہ ماسٹر صاحب مرگیا معاف کردو اب ایسا نہیں کروں گا۔ ماسٹر صاحب نے بہت بَل کھائے اور تکلیف سے تڑپ کر فرمانے لگے "دو تو تمہیں مرا میں مرگیا" غرض برادر محترم نے انگوٹھا چھوڑ دیا اور ماسٹر صاحب کرب و بے چینی میں ان کے بازو کاٹنا بھول گئے" انہیں بخار چڑھ آیا دو دن کی چھٹی لینی پڑی"۔

اسی طرح انہیں ماسٹر صاحب کے متعلق (خدا ان کو جنت نصیب کرے) ایک واقعہ ہے کہ یہ حقہ پینے کے بہت عادی تھے۔ لڑکے تنگ تھے۔ ایک روز برادر محترم نے اُس لڑکے کو جو اس ڈیوٹی پر متعین تھا۔ صلاح دی کہ خرگوش کی مینگنیوں کا سُلفہ ماسٹر صاحب کو پلایا جائے۔ چنانچہ چند لڑکوں کی ایک کمیٹی بن گئی۔ ایک دن اِس شرارت کے لئے مقرر ہو گیا۔ چنانچہ ماسٹر صاحب نے جیسے ہی حقہ بھرنے والے لڑکے کو چلم بھرنے کا حکم دیا۔ اِس کمیٹی کے اراکین مختلف بہانوں سے مدرسہ کے باہر ہو گئے۔ اور ماسٹر صاحب کی چلم میں نصف تمباکو اور نصف خرگوش کی مینگنیاں بھر دیں۔ اور پھر ایک ایک کرکے یہ لڑکے جماعت میں حاضر ہو گئے۔ چلم حقہ پر رکھدی گئی۔ ماسٹر صاحب کا قاعدہ تھا کہ پہلے تو چھوٹے چھوٹے جلدی جلدی دم لگاتے اور بعد میں ایک لمبا کش کھینچتے۔ چنانچہ لمبا کش کھینچتے ہی انہوں نے میز پہ پاؤں پھیلا کر ——— پہلو بدلنا شروع کر دیئے تھوڑی دیر بعد انہوں نے چھوٹے چھوٹے اور لمبے لمبے چند کش اور لگائے۔ اب تو انہیں بیٹھنے کی تاب نہیں رہی۔ فوراً پاخانہ تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بجائے اس کے کہ اُن کو اجابت ہوتی۔ ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ مدرسہ کے مکان کا صحن کچھ بڑا نہیں تھا اِس لئے اِن آوازوں کو سُن کر تمام طلبار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے۔ مجبور ہو کر ماسٹر صاحب کرسی پر آبیٹھے۔ بے چینی بڑھتی رہی اور پیٹ پھولنا شروع ہو گیا۔ گھبرا گئے اور لڑکوں کو چھٹی دے مکان کو سدھا گئے۔ لڑکوں کو

آپ کو بھی مطالعہ کا بڑا ذوق تھا۔ چنانچہ آپ کی حسب ذیل تین تصانیف یادگار ہیں۔

(۱) "حکایات شاہاں" اس میں چند بادشاہان دہلی کی نقل و حکایات مع تصاویر درج ہیں۔

(۲) "حکایات اُمراء" اس میں نقل و حکایات اُمرائے عہد سلاطین خاندان ماریہ لکھی ہیں۔

(۳) "اخلاق احمدی" جو عورت و مرد دونوں کے پڑھنے کے لائق ہے۔ چند کتب اخلاق سے منتخب کر کے لکھی ہے۔)

حقانی اعزاز و مرتبہ کو دیکھ کر انگریزوں نے آپ کو نوابی کا خطاب عطا کیا۔ جو آپ کے پانچ صاحبزادوں میں سے تین کو یکے بعد دیگرے عطا ہوتا رہا۔ اب اس خطاب کے مسند نشین آپ کے پوتے نواب اسلام احمد خاں بی۔ اے۔ علیگ ہیں۔ نواب اسلام اللہ خاں مرحوم نے بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح آپ نے سپرنٹنڈنٹ پرمٹ کے عہدہ سے پنشن حاصل کی تھی۔

نواب حمد اللہ خاں کے سب سے بڑے صاحبزادے نواب سعد اللہ خاں باپ دادا کے حقیقی جانشین ہوئے۔ میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ، اسپیشل مجسٹریٹی وغیرہ وغیرہ کو آپ سے افتخار رہا۔ اور صوبہ کی میونسپل بورڈوں کی جانب سے لیجسلیٹو اسمبلی میں نمائندگی بھی فرمائی۔ شہر میں آپ کی عوام و حکومت میں بڑی عزت تھی۔ حکمت کا فیض بھی آپ سے جاری تھا۔ دین و دنیا کی نعمتوں سے بہرہ ور تھے۔ آپ قدامت خاندان اور اپنی ذاتی اخلاق اور خوبیوں اور مجموعیوں کی وجہ سے سب کے محبوب رہے۔ اگرچہ آپ بظاہر کوٹ پتلون میں ملبوس بلند و بالا نواب بابو نظر آتے تھے لیکن حقیقت میں آپ ایک بڑے باخدا اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔

آپ والدہ مرحومہ کے حقیقی ماموں تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے سعید اللہ خاں اور سعد اللہ خاں تھے۔ اوّل الذکر عین نوجوانی میں وفات پا گئے۔ آپ کی اکلوتی صاحبزادی رشیدہ بانو خانم زوجہ اقبال احمد خاں مرحوم بی۔ اے کلکٹر و مجسٹریٹ صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کی زوجہ اور صاحب اولاد ہیں۔

ثانی الذکر سعد اللہ خاں ڈپٹی کلکٹر تھے اپنے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے سب کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھے کہ ابھی عین بھر جوانی میں انتقال فرما گئے۔ آپ کی صاحبزادیاں بفضلہ موجود ہیں بڑی صاحبزادی گوہر بانو مسٹر لئیق خاں بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی سابق مجسٹریٹ و جج مدن کی زوجہ ہیں۔

والدہ مرحومہ کے حقیقی ماموں حاجی انعام اللہ خاں صاحب مرحوم بھی عاملین میں سے تھے۔ شہر کی بڑی بات تھی۔ ہمیرپور کے ڈسٹرکٹ بورڈ و میونسپل بورڈ کے ممبر و نائب صدر تھے۔ آپ کا حسن اخلاق اور رعب و داب ضرب المثل تھا۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ آپ کے پوتے سلیم احمد خاں بی۔ اے۔ علیگ مرحوم یو۔ پی کونسل کے بڑے معرکہ کے ساتھ ہمیرپور و جھانسی کے حلقہ سے ممبر تھے لیکن عین جوانی میں داغ مفارقت دے گئے۔ اب اُن کے چھوٹے بھائی عزیزی سلیم حامد خاں علیگ یو پی کونسل کے ممبر ہیں۔

اسی سلسلہ میں خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اور بانی و منیجر اسلامیہ کالج اٹاوہ بھی مؤلف کتاب ہذا کے ماموں لگتے ہیں۔ جن کی قومی، ملکی، تعلیمی خدمات روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ نانی صاحبہ مرحومہ کی ایک خالہ زاد بہن نصرت فاطمہ جان نواب وقار الملک بہادر مرحوم کی زوجہ محترمہ تھیں۔

پیدائش مولود برادر محترم کی پیدائش سے قبل ہمارے والدین کی کئی اولادیں ضائع ہو چکی تھیں۔ اس لئے برادر محترم کی پیدائش بڑی امنگوں کے ساتھ ہوئی۔ گنڈے۔ تعویذ۔ اور دعاؤں کی بھرمار رہی۔ اور اکثر صاحب نسبت بزرگوں نے بھی اپنی نظر کرم اور دعاؤں سے نوازا۔ حضرت مولانا صاحب جو حج پر گئے ہوئے تھے ایک سو سال سے زیادہ عمر پا کر آسودہ ہیں اُن کی خدمت اُن کی جناب میں میاں کو لے کر حقیقی باپ نے ارشاد ہوا کہ بیعت واپس جاؤ تو اس لڑکے کے کان میں بار اسلام کہہ دینا چنانچہ یہ عمل کیا گیا۔ پھر کسی بزرگ کے ارشاد پر ایک کان چھدوایا گیا اس لئے بندو میاں پکارے جانے لگے۔ اسی طرح پورے گھر میں سب کی آنکھوں کے تارے رہے۔ ذرا کان گرم ہوا اور بزرگوں نے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ اور یہ اسی لاڈ دلار میں پروان چڑھنے لگے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ع

.... وہر ساعت شعلہ آتش فساد بلند شدن گرفت و کومک از ہر دو طرف می رسید و نائرۂ جدال وقتال افروختہ تر می گردید۔ جمع کثیر از طرفین کشتہ و زخمی گردیدند۔ دریں ضمن قریب ہفت ہزار سوار غنیم و مردم بقیۃ السیف را درمیان گرفتہ بزور و خود دپہر داختند۔ و بہ مرتبۂ غلبۂ دکھنی ہا ظاہر شد کہ شہباز خاں با پسر خود از اسپان پیادہ شدہ داد مردانگی دادہ نقد جان را با شصت نفر دیگر در راہِ ولی نعمت نثار نمودند: ......

...... اور ہر گھڑی فساد کی آگ کے شعلے بلند ہوئے اور ہر طرف سے مدد پہنچی اور جدال وقتال کی آگ خوب بھڑک گئی۔ دونوں طرف کی جماعت کثیر قتل و زخمی ہوگئی۔ اسی دوران میں دشمن کے قریب سات ہزار سواروں اور باقی ماندہ لوگوں نے تیز زور حملہ کر دیا جس سے دکھنیوں کا غلبہ ظاہر ہونے لگا۔ شہباز خاں یہ دیکھکر معہ اپنے لڑکے کے گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہو گئے۔ اور داد مردانگی دے کر معہ ساٹھ دوسرے لوگوں کے اپنے ولی نعمت پر نثار ہو گئے ....

تحریر بالا سے شہباز خاں کی دلاوری و شہامت بخوبی ظاہر ہے۔ نصیر خاں جس کا تذکرہ ہوا ہے۔ اسی جنگ کے اگلے سال ۱۰۸۱ھ ہجری میں خطاب خان دوران سے سرفراز کئے گئے تھے۔

ادیب رحمانی خان نے جو یہ شہباز خاں با پسر خود تحریر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ شہباز خاں کے ساتھ اُن کے حقیقی بھتیجے محمد عمر خاں بن مدا خاں شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ سلسلۂ عالیہ میں ہے کہ۔

"محمد عمر خاں پسر خورد مدا خاں از شجاعان با نام عہد و معزز زمانیان بود۔ ہمرکاب دولت بادشاہی ہنگام مہم قندھار بہ شہادت اکبر فائض شد۔" ......

"محمد عمر خاں چھوٹے بیٹے مدا خاں کے اپنے عہد کے بہادروں میں ممتاز اور معزز زمانہ تھے۔ شہنشاہ کی ہمراہی میں مہم قندھار کے زمانے میں شہادت کبریٰ پر فائز ہوئے۔" ......

شہباز خاں کے ایک پوتے محمد بہلول خاں بن اولیاء خاں اکابر وقت اور اہل اللہ میں سے تھے۔ اور دوسرے پوتے دلیل خاں بن اولیاء خاں کے صاحبزادے محمد جعفر اور ان کے بیٹے محمد باقر صاحب جمعیت و اعتبار۔ دانش مند۔ باوقار اور معتمد اقرانِ خود تھے۔ چنانچہ محمد باقر کے پڑپوتے محمد انوار حسین بن عباد علی عرف محمد بھکاری بن تراب علی جو اپنی متانت و اخلاق و علمیت میں ممتاز تھے۔ مؤلف کتاب ہذا کے حقیقی نانا تھے۔ آپ کی بھی ایک کتاب فنِ طب میں یادگار ہے۔

مؤلف کتاب ہذا کی نانی کے حقیقی نانا نواب مبارک علی خاں۔ نواب خیر اندیش خاں عالمگیری کے سلسلہ سے مخدوم شیخ سماء الدین زبیری سہروردی کے اخلاف میں ایک با نام و نشان اور صاحب دل بزرگ تھے۔ آپ کے اسلاف میں نواب خیر اندیش خاں صوبہ داری و فوجداری کے عہدوں پر عالمگیر کے زمانہ میں رہے۔ جن کا سب سے اہم اور فراموش نہ کیا جانے والا کارنامہ اٹاوہ میں ایک شفاخانہ کا قیام تھا۔ جس میں مشہور و معروف طبیب یونانی اور طبیب ہندی کارپرداز تھے۔ فن طب سے آپ کو ذاتی طور پر ذوق تھا۔ چنانچہ اس فن شریف میں "خیر التجارت" نامی کتاب آپ سے یادگار ہے۔

نواب مبارک علی خاں بن نواب فرحت اندیش خاں رئیس بانام ہونے کے علاوہ ایک حاذق حکیم بھی تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ شہر میں انگریزی حکومت آچکی تھی لیکن آپ کی حرمت یگانوں اور بیگانوں کے لئے مسلّمہ تھی۔ آپ کی چار کتابیں یادگار ہیں۔

(۱) "کمالات عزیزی" (اپنے پیر و مرشد کے کمالات میں)

(۲) "رسالہ مبارک" (زبیری کنبوی خاندان کے ذکر میں)

(۳) "رسالہ تحفۃ المسلمین" (ردِ شیعیت میں ہے۔ حامد علی خاں مرحوم بیرسٹر لکھنؤ کے دادا صاحب نے اس کے جواب میں کتاب تحریر کی تھی۔

(۴) "انشاء مبارک" (آپ کے خطوط ہیں)

آپ کے اکلوتے صاحبزادے نواب احمد اللہ خاں صاحب بعد خدمات سرکاری اپنے وطن میں اسپیشل مجسٹریٹ اور وائس پریذیڈنٹ میونسپل بورڈ رہے

مولوی محمد حسین احمد صاحب مؤلف کتاب ہذا مولوی فیض احمد صاحب مرحوم کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ دادھیال کا تذکرہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے ننھیال کا کچھ تذکرہ کر دینا بھی مناسب ہے آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی حبیب فاطمہ تھا۔ آپ نے اپنی اولاد کی تربیت میں بڑا اہم حصہ لیا اور بیوگی کے ایام میں تمام دشواریوں کا اس پامردی سے مقابلہ کیا جو اولاد کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کر گیا آپ ایک نیک نفس اور صاحب کردار بی بی تھیں آپ کا سلیقہ آپ کا تدین۔ آپ کا رحم سب آپ کی امانت رہے جو نسل مزاجی اور خلوص سانی رہا۔
مؤلف کتاب ہذا کے نانا حکیم اولاد حسین صاحب تھے کی والدہ حکیم امداد حسین صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے ناناکا ددھیالی سلسلہ **محمود خاں بن عبداللہ خاں بن شیخ عبدالصمد ملتانی** کے سلسلہ سے حضرت مخدوم شیخ بہاؤالدین میری سہروردی ملتانی دہلوی پر منتہی ہوتا ہے۔

محمود خاں کے دو صاحبزادے مداخاں اور شہباز خاں نامی ہوئے۔ اول الذکر ریاست صوبہ لاہور کی خلعت سے ممتاز فرمائے گئے۔ آپ کی اولاد میں **دولت خاں** دیوان نامید خاں کے ساتھ سید جلیل کھٹا کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ حافظ **نعمت خاں** نے دولت روحانی سے فیض پایا **محمد معظم خاں** المشہور بہ شاہ **عبداللہ** حضرت سید شاہ **برکت اللہ** مارہروی قدس سرہ العزیز کے حلقہ اول مرید عہد کامل وقت۔ اور صاحب حربہ قوی تھے۔ عرصہ تک دہلی میں قیام رہا اور مرجع خلائق دہلی سے رہے **محمد شاہ** بادشاہ دہلی کو بھی آپ سے بڑا اعتقاد تھا۔ دہلی میں انتقال کیا لاش مارہرہ لاکر پائین مزار مرشد میں دفن کی گئی۔

آپ نے صدت کی حالت میں خوب سیر کی چنانچہ دکن سے جو لڑکا آپ کے ہمراہ آیا تھا وہ آپ کی نظر کیمیا اثر سے **شاہ سیم** ہو کر مشہور امام ہوا۔ وہ آپ کا جانشین ہوا۔ نواب آصف جاہ اول اور نواب قمرالدین خاں وزیر سلطنت دہلی اور وہاں کے مشائخ شاہ سیم کی تعظیم و تکریم کرتے۔ شاہ سیم ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر بھی تھے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے تذکرہ ید بیضا میں آپ کی ابیات نقل کی ہیں۔ یہ سلسلۂ عالیہ میں بھی آپ کی ایک غزل ہے جس کا پہلا شعر ہے کہ

> چہ بی تیر سی رس اے داش آبا درچہ تدبیرم   حوں تازہ پیدا کردہ آیم در فکر زنجیرم

مداخاں کی اولاد کا سلسلہ بفضلہ تعالیٰ موجود ہے۔

محمود خاں کے دوسرے صاحبزادے **شہباز خاں** عمدہ ملازمین شاہی میں سے تھے شجاعت و مردانگی میں اپنا نمونہ تھے۔ جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد سلطنت میں آپ نے ماموری حاصل کی چنانچہ مسعار ضلع نامیڑ ریاست حیدرآباد دکن کی فتح میں نمایاں حصہ لیا اور شاہ جہاں کے اوائل عہد میں ۱۰۴۰ ہجری میں اسی جنگ میں مع اپنے بھتیجے **محمد عمر خاں بن مداخاں** کے شہادت پائی۔ اور اسی قلعہ کے دروازے پر دفن ہوئے۔

محمد ہاشم خاں المخاطب بہ خافی خاں نظام الملکی نے اپنی مشہور کتاب منتخب اللباب حصہ اول شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال طبع شدہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء میں صفحات ۴۵۵ تا ۴۵۹ پر مسعار کی اس جنگ کی پوری تفصیل دی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق لکھا ہے کہ۔

نصیر خاں کہ سال گذشتہ بقصد تسخیر قلعہ و قصبہ قندھار شرط سعی بجا آورد بسبب بعضے موانع دست بر داشتہ موقوف بر سال آیندہ داشتہ بود۔ درین سال بالاتفاق شہباز خاں وغیرہ بطریق ایلغار جلوہ ریز برقصبہ مذکور رسیدہ

نصیر خاں نے گذشتہ سال قلعہ اور قصبہ قندھار کی فتح کے لئے سخت کوشش کی تھی۔ لیکن بعض رکاوٹوں کی وجہ سے ہاتھ اٹھا کر دوسرے برس پر اس کام کو موقوف رکھا تھا۔ چنانچہ شہباز خاں وغیرہ کے اتفاق سے بطریق ایلغار قصبۂ مذکور پر پہنچا

خافی خاں نے اس پوری جنگ کی کیفیت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے ہوئے شہباز خاں کی وفات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ۔

آپ کو مارہرہ کے مارسین اسلامیہ اسکول سے بڑی دلچسپی تھی اور آخر تک اس کی ترقی میں ساعی رہے۔ کانفرنس کے صدر دفتر میں قلمی کتابوں اور نادرات کے جمع کرنے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

اوائل عمر میں جب اٹاوہ میں قیام تھا تو وہاں کی سوسائٹی کے اثر سے شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ بشیرؔ تخلص کرتے تھے۔ مگر قومی خدمات کی ہنگامہ آرائیوں نے اس شغل کو ترک کرا دیا تھا لیکن آخر عمر میں قلبی تاثرات کی وجہ سے پھر اس جانب توجہ مبذول ہو گئی تھی۔ چنانچہ نوحہ وفات مولانا محمد علی مرحوم میں کلیجہ چیر کر رکھ دیا ہے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے **اقبال احمد** بی۔ اے۔ بی ٹی۔ اور **عارف احمد** بی۔ اے بفضلہ تعالےٰ برسرِ روزگار ہیں۔

مولوی محمد حسن احمد صاحب، مولوی فیض احمد صاحب مرحوم کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ اٹاوہ اور علی گڑھ میں تعلیم پائی جس کی وجہ سے قومی لگن کا چسکا اوائل عمر ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ ان دونوں مقامات کے بزرگوں کی صحبتوں نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ مولوی **محمد بشیر الدین احمد** صاحب اور **نواب وقار الملک** بہادر مرحوم کی صحبت کا کافی موقع ملا۔ اور نواب صاحب مرحوم و مغفور کے آخری دورِ حیات میں ایک عرصہ تک آپ اُن کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی ستھرا ذوق ہے۔ اخبارات میں مضامین لکھے اور اکثر کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ اور ہر قومی و ملکی خدمات میں پیش پیش رہے۔ مسلم یونیورسٹی کے چندے کے حصول میں بڑا کام انجام دیا۔ سرکاری ملازمت اور مسلسل بیماریوں نے تھکا دیا ہے مگر قومی کاموں کی کسک اب تک موجود ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے **حسن محمد اکمل** اور **حسن محمد شفیع** کالج و اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔

راقم الحروف **محمد امداد احمد**۔ مولوی فیض احمد صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی۔ اے اور جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے ڈپ ایڈ کی تعلیمی سند حاصل کی ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں "اصول صدقات و خیرات اسلام" پر ایک مضمون لکھنے کی وجہ سے ایک طلائی تمغہ حاصل کیا تھا۔ یہ مضمون تاج پریس حیدر آباد دکن میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ کھیل و کود میں بھی انعامات و تمغے برابر ملتے رہے۔ کھیل میں فٹ بال سے زیادہ رغبت تھی۔ "خطبات عالیہ" جو میرے سب سے بڑے بھائی کی تالیف ہے۔ اس میں اکثر صدور کے حالات کا انگریزی کتب سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

برادرِ محترم **مولوی محمد حسین احمد** صاحب کی تالیفات کے دوران میں آپ کے کاموں میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا جس سے بڑے علمی فوائد حاصل ہوئے اور انہیں کاموں کے ذوق و شوق میں "**المحبر**" تصنیف محمد بن حبیب المتوفی **۲۴۵** ہجری استاد ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ جیسی قدیم اور انمول عربی کتاب کے اردو ترجمہ کا سبب بنا۔ اس کتاب کو عربی میں دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے بعد تصحیح شائع کیا ہے۔ میرے اصرار پر ڈاکٹر **حمید اللہ** صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے اردو میں ترجمہ اس طرح کرایا کہ وہ ترجمہ دیتے جاتے اور میں لکھتا جاتا تھا۔ اس طرح پانچ سو صفحات کی اس کتاب کا ترجمہ کئی ماہ میں انجام کو پہنچ گیا۔

اسی طرح ڈاکٹر **نذیر احمد** صاحب دہلوی کے استاد حضرت مولانا **نصر اللہ** صاحب خویشگی خورجوی کی مشہور و معروف **تاریخ دکن** کا فارسی سے اردو میں ترجمہ اپنے عزیز دوست مولوی **محمد عقیل** صاحب فاروقی ندوی جونپوری سے کرایا۔ اور خود مؤلف کتاب اور دوسرے متعلقہ اشخاص کے حالات جمع کر کے اس کتاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ سو برس قبل کے حیدر آباد پر یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔ یہ دونوں ترجمے میرے پاس موجود ہیں۔ زمانۂ طالب علمی میں میرے اکثر رسائل میں مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔

کارِ سرکاری کے علاوہ کتب بینی اور اسی طرح کے علمی کاموں میں وقت گذرتا ہے۔ چنانچہ آج کل اپنے سلسلہ کے پیرانِ طریقت (صابریہ چشتیہ) کا تذکرہ ترتیب دے رہا ہوں۔

والد مرحوم کا انتقال ایسے وقت میں ہوا کہ میں شیر خوار تھا۔ اس لئے میری تعلیم و تربیت اپنی والدہ محترمہ مرحومہ اور برادر بزرگ مؤلف کتاب ہذا کی رہینِ منت ہے۔ یہ انہیں محبت بھرے بزرگوں کا فیضان ہے کہ جس نے علم و عمل کی شاہراہیں میرے لئے کھول دیں۔

میں ان نعمتوں کو حالے دو۔ بزرگانِ سلف کے واقعات میں وہ بات جو سب سے نرالی معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ دنیاوی جاہ و منصب اور دولت کے اس پایہ رفیع پر پہونچکر بھی وہ سیدھے سادے اور پکے مسلمان نظر آتے تھے دائرۂ سنت و اتباعِ شریعت سے اُن کا قدم باہر ہوتا تھا دولت و حکومت جو آج باعث پیدائش نخوت و غرور و صد ہا عیوب و مسرفت بھی جاتی ہے۔ اُن میں ایسے اعتدالی پیدا نہ کرتی تھی۔ اُن کی عادتیں ستھری اخلاق پاکیزہ تھے۔ پھر اس کا کوئی سبب بھی۔ اس کا سبب تھا۔ اکتسابِ فضائل و ترکِ رذائل۔ وہ علم و حکمت کے شائق تھے ہمت۔ استقلال عزم ارادہ صبر تحمل حق شناسی خودداری اُن کا فطری جوہر تھا۔ پہلے علم پڑھا۔ پھر دیانت راستبازی اخلاقِ حسنہ کتاب و سنت کے مطابق جزو ایمان ٹھہرائے دولت و مقبولیت اسی جوہر کا عرض تھی وہ کیوں نہ حاصل ہوتی اور اُن کو کیا نقصان پہونچاتی۔ دولت باکمالی کے اخلاق اور نکھر جاتے۔ دولت اُن کی خوبیاں چمکانے میں ایسی تھی جیسے سونے کو سہاگہ۔

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے پردادا حکیم عنایت حسن صاحب قدس سرہ العزیز کی کتاب "سلسلۂ عالیہ" کو کافی اضافوں کے ساتھ طبع کرادیا۔ اور اس طرح آپ نے خاندان رمیری کنبوی کے سلسلۂ نسب کو اور اُن کی قومی عظمت و شان کو بڑی حد تک محفوظ کر دیا۔ اور پھر خود بھی "مشاہیرِ کنبوہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور طبع کرائی اس کے ذریعہ اس شہرہ آفاق خاندان کے اکثر مشاہیر سابق گرامی علماء حکماء شعراء مشائخ اراکینِ سلطنت اور قومی خدمت گذاروں کے تذکرہ سے خاندان کو اُن کے بھولے بسرے بزرگوں سے روشناس کرادیا اور یہ آپ کی ایک ایسی قومی خدمت ہے کہ کسی زمانہ میں بھی اس کا انکار نہیں کیا جاسکے گا۔

مولوی فیض احمد صاحب مرحوم و مغفور کی اولاد میں مولوی حاجی محمد انوار احمد صاحب۔ مولوی محمد حسین احمد صاحب مؤلف کتاب ہذا۔ مولوی محمد حسن احمد صاحب اور یہ راقم الحروف محمد امداد احمد ہے۔

مولوی حاجی محمد انوار احمد صاحب مرحوم و مغفور کو بقول مؤلف "ضیاء الانوار" قدرت نے ایسے نایاب جوہر عطا کئے تھے کہ اگر زمانہ مساعد ہوتا تو وہ اعاظم الرجال کے زمرہ میں شامل ہوکر آسمانِ شہرت کے انجم بنتے ایسا نہ ہونے پر بھی انہوں نے مسلمانانِ ہند کی تعلیمی خدمات اپنی بساط سے کہیں بڑھ کر انجام دیں۔

نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک۔ مولانا شبلی۔ مولانا حالی۔ حکیم محمد اجمل خاں اور حضرت اکبر الہ آبادی۔ سر علی امام، نذیر وغیرہ بزرگ قدر کی نظر سے آپ کو دیکھتے تھے۔ **مولانا محمد علی۔ مولوی عبد الحق** بابائے اردو اور ڈاکٹر ضیاء الدین وغیرہ احباب سے بے تکلفانہ روابط تھے اور ڈاکٹر سر راس مسعود آپ کا بے حد احترام اور محبت کرتے تھے۔

آپ کا سب سے بڑا جوہر خودداری وجود اعتمادی اور اپنی ذات کے لئے قناعت و استغنا تھا آپ کی گفتگو مؤثر ہوتی جس موضوع پر گفتگو فرماتے معلوم ہوتا کہ اسی کا چسکا ہے طلاقتِ لسانی غضب کی تھی۔ یہی شگفتگی روانی اور سلاست آپ کی تحریروں میں بھی نظر آئے گی۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ سے آپ کا تعلق چھتیس سال رہا۔ بقول مولوی عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی "خوش قسمت تھے۔ کانفرنس کی خدمت میں جوان سے بوڑھے ہوئے اور حق یہ ہے کہ خدمت کا حق ادا کر دیا۔ جفاکش خوش بیان مصلحت شناس۔ معاملہ فہم تھے۔ مخالفین کو رام کرنا انہیں کا کام تھا۔"

آپ کی تالیفات میں دو کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ اول "**خطبات عالیہ**" جس میں ایجوکیشنل کانفرنس کے چالیس سالہ خطبات کو تین جلدوں میں مدوّن کیا ہے ہر خطبہ کے شروع میں صدر کے مختصر حالات کے ساتھ اُن کا فوٹو بھی دیا گیا ہے یہ تین جلدیں مسلمانانِ ہند کی چالیس سالہ قومی ملکی۔ سیاسی اور سب سے زیادہ تعلیمی جد و جہد کی آئینہ دار ہیں ان میں حالات کی پیشکش شاعرانہ عبارت کی شگفتگی بیان کا تسلسل حالات کا انضباط۔ سوانح زندگی کی جامعیت خود مؤلف کی وسعتِ نظر اور قابلیت کا شاہکار ہے۔

آپ کی دوسری تالیف "**مرقع کانفرنس**" ہے۔ اس میں کانفرنس کے پچاس سالہ اجلاسوں کی کیفیت اور تعلیم جدید کی تحریک تاریخ کے مختصر تذکرہ کے بعد ہر سال کے پاس شدہ قرار دادوں کا ترتیب وار اندراج ہے یہ کتاب در اصل ہماری قوم کی ذہنی و عملی قوتوں کا آئینہ ہے

حکیم دلدار احمد صاحب کے دو صاحبزادوں میں چھوٹے حکیم ابو سعید احمد میاں صاحب عارفؔ صابری چشتی ایک برگزیدہ بزرگ گذرے ہیں۔ تمام عمر تہذیب نفس میں گذری طب میں طبیعت رسا تھی۔ زود قلم بلا کے تھے۔ مطالعہ وسیع تھا۔ ضخیم جلدیں آپ کے قلم کی موجود ہیں تصوف میں ایک رسالہ "مصباح الحق" طبع ہو چکا ہے۔ تمام عمر اللہ کی یاد میں گذار دی پیر و مرشد نے عارفؔ کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ آپ کے دو صاحبزادے محی الدین محمد عرف محمد میاں اور شمس الدین محمود عرف محمود میاں بفضلہٖ تعالیٰ موجود ہیں۔ اول الذکر متعدد زبانوں سے واقف ہیں غیر ممالک کی کافی سیر و سیاحت کی ہے۔ ثانی الذکر نے اپنے محترم باپ سے طب پڑھی۔ اور ایک ذاکر و شاغل انسان ہیں۔

حکیم دلدار احمد صاحب کے بڑے صاحبزادے مولوی فیض احمد صاحب اپنے اجداد اور سلف صالحین کے ایک عمدہ نمونہ تھے۔ آپ بڑے متین۔ فطین۔ محنتی۔ جفاکش۔ دیانت دار اور سلیقہ شعار بزرگ تھے۔

جنرل اعظم الدین خاں وزیر مختار ریاست رامپور کے ساتھ آپ کا جو واقعہ پیش آیا تھا۔ اور جسے اس کتاب میں آپ کے حالات میں نظم میں پیش کیا ہے۔ "اس سے اگر ایک طرف جنرل موصوف محو حیرت ہوئے تو دوسری جانب اس سے آپ کی بلند ہمتی۔ استغنا۔ شرافت نفس ہمت اور غیرت کا اظہار ہوتا ہے۔

آپ ایک اعلیٰ پایہ کے انشا پرداز تھے۔ زود قلم اور شیریں رقم بلا کے تھے۔ آپ کی تحریر میں بڑی شگفتگی اور متانت تھی۔ بقول محترمی مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ غالبؔ کی طرز میں ان سے بہتر لکھنے والا کوئی نظر سے نہیں گذرا۔

(۱) ۱۳ر جنوری ۱۸۸۷ء کو مولوی بشیر الدین صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ۔

"بخدا میں سچے دل سے لکھتا ہوں کہ میں آپ کی تحریر کو بہت غور سے دیکھتا ہوں۔ آج کل کے لوگوں میں آپ جیسے لکھنے والے بالکل نہیں پاتا۔ کو آزاد شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی وغیرہ دو ایک ہوں تو وہ کس گنتی میں۔ اور یہ بات تو ان میں بھی نہ ہوگی کہ سرسری طور پر ایک کارڈ لکھیں اور ناظرین کا دل کلیجہ سے نکال لیں۔ اگر آپ کے سب خطوط ہاتھ آجاویں تو میں انہیں کتاب کے طور پر طبع کرادوں اور پبلک کو دکھادوں کہ گو زمانہ نہیں رہا۔ قدر دان اٹھ گئے۔ تاہم ایسے لوگ موجود ہیں جو ہر طرح غالب کے ہم پلہ ہیں۔ خدا کے لئے اگر آپ اپنے خطوط فراہم کرسکیں تو میرے پاس بھیجدیں تاکہ وہ طبع کرادیئے جائیں۔ یہ دوسری کتاب ہمارے یہاں اور ہوجاوے گی۔"

(۲) اور ۲۴ر ستمبر ۱۸۸۸ء کے خط میں لکھا ہے کہ۔

"اب مجھے ضروری ہے کہ میں آپ کی اعلیٰ انشا پردازی کی مدح کروں۔ لیکن میرے پاس الفاظ کا ذخیرہ چونکہ کم ہے لہذا افسوس ہے کہ اس کی نسبت بجز اس کے زیادہ کیا لکھوں کہ بخدا آپ کے خط میں غالبؔ کی تحریر کا لطف آگیا۔ اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو کوئی دس بارہ دفعہ خط پڑھا اور ہر دفعہ تازہ لطف آیا۔ یہ بات میں کچھ ظاہری دنیا سازی کے طور پر نہیں کہتا بلکہ واقعی بات ہے۔ میرا تو یہاں تک ارادہ تھا کہ اس خط کو اخبار میں چھاپ دوں۔ اور ملک کو دکھادوں کہ غالبؔ کے مثل اس وقت بھی لوگ موجود ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ شاید آپ کے خلاف طبع ہو اس ارادے کو ملتوی رکھا۔ لیکن اب ضرور طبع چاہتا ہوں۔ فارسی انشا پردازی میں بھی اس وقت آپ فخر روزگار ہیں۔"

مطالب کی ادائیگی، اور الفاظ کی نشست و برخاست آپ کا جوہر تھا۔ آپ کے دیباچہ "المشاہیر" کے ایک ٹکڑے سے بھی آپ کی گرمیٔ تحریر کا اندازہ

حکیم صاحب کو ان کے والد بزرگوار نے اوائل عمری میں حضرت اچھے میاں صاحب سے بیعت کرا دیا تھا حق کا ان پر ایک لطف خاص تھا۔

آپ نے تمام زندگی بڑے تحمل و حشم کے ساتھ بسر کی حضرت سید شاہ صاحب عالم مارہروی اور چودھری عبد الصمد سرور مارہروی نے جیسے وہ متعدد قطعات تاریخ وفات لکھے ہیں۔ جن میں اول الذکر بزرگ نے مرثیہ میں اٹھ سو شعر لکھے تھے جس کا پہلا شعر ہے

دریغا رہبر تکمیلی آسماں　　دریغا رہ سیداد دیر ماں

اور آخری تاریخ کا شعر ہے　بہ رضوان شیدیم تاریخ او　گفتہ بود مایہ صاحب ان شہ ہے۔

اور ثانی الذکر کے مرثیہ کے آخر میں تاریخ اس شعر سے نکالی ہے ؎

سروش غیبی گفت ملک ستر در　　کہ در جنت از دہر تقصیر ات رفت

آپ کے پانچ فرزندوں میں سے حکیم الطاف احمد صاحب، حکیم دلدار احمد صاحب اور حکیم احمد سعید صاحب بڑے حاذق طبیب ہوئے۔ حکیم احمد سعید صاحب کے صاحبزادے حکیم محمد ابو صالح صاحب بڑے سلیقہ شعار، خوش فہم، خوش ... اور علم طب میں مہارت اور دقت نظر رکھتے تھے معالجہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس فن شریف میں ان کی طبیعت اور فکر کا ساتھ ... ان کے صاحبزادے حکیم محمد ابو صالح صاحب بھی ایک اچھے اور مشہور طبیب تھے۔ رسالہ "جھیک" آپ سے یادگار ہے۔ لاہور میں طبع ہو چکا ہے۔ ان کے صاحبزادے محمد زبیر صاحب سلمہ مسلم یونیورسٹی میں اسسٹنٹ لائبریرین ہیں۔"

حکیم دلدار احمد صاحب فرزند دوم حکیم امداد حسین صاحب۔ اپنے باپ اور دادا کے حقیقی جانشین تھے آپ طبیب حاذق اور معالج روشن ضمیر تھے خلقت کو بھی اس فن خاص میں ان پر بہت اعتماد تھا۔ دینی و دنیاوی ہر کام میں فکر صائب اور حسن ... پایا تھا۔ آپ کی قانونی سوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی ضرب المثل تھی۔ آپ کی دیانت، صداقت اور نکتہ رسی پر اپنوں اور غیروں کو ایسا بھروسہ تھا کہ صاحب معاملہ بڑے پیچیدہ معاملات میں آپ ہی کو حکم بناتے اور آپ کی تجویز اور فیصلہ کو بخوشی و طیب خاطر قبول کرتے اور آپ کی معاملہ فہمی کی وجہ سے لوگ کشمکش عدالت اور مصارف بے جا سے بچ جاتے تھے۔

اگرچہ آپ پر مریضوں کا ہجوم اور اہل حاجت کی کثرت رہتی مگر باوجود اس کے مطالعہ اور کتب بینی کا از حد شوق تھا۔ دست و قلم میں اللہ نے طاقت دی تھی ضخیم کتابوں کو بہت جلد لکھ لیتے۔ آپ کی تحریر بہت سلیس و متین ہوتی تھی قلم برداشتہ فارسی میں لکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ... نواسہ مولوی فیض احمد صاحب نے تھوڑے خطوط کو جمع کر کے "انشاء فیض احمدی" نام رکھا ہے۔ فن طب میں آپ کی تصانیف "گلزار احمدی" اور "گلشن احمدی" یادگار ہیں۔

قومی و ملکی کاموں میں بھی شریک رہتے تھے۔ چنانچہ جنگ روم و روس میں ایک معتدبہ رقم اپنی ذات خاص اور چندہ سے جمع کر کے روانہ کی تھی ہر رسیدہ کی مرمت کے چندہ میں بھی معقول رقم روانہ فرمائی تھی۔ آپ کے سانحہ وفات پر مولوی اکرام الدین حسین خاں ... رسیری مارہروی نے جو اس زمانہ میں ... تھے تاثرات سے پُر تاریخ کہی ہے ؎

ہوئی رحلت حکیم با صفا کی　　کہ جس سے ہو گیا مارہرہ خالی
بڑے عالی منش اور متقی تھے　　یکایک کر دیا مارہرہ خالی
ہماری قوم کا تو سار ہے یہ　　کہ نیکوں سے ہوا مارہرہ خالی
تاسف ہے کہ خاصانِ خدا سے　　بسی حسرت ہوا مارہرہ خالی
ہے بیماری کی کثرت ہائے افسوس　　طبیبوں سے کیا مارہرہ خالی

ہوئی تاریخ کی اردو نئے یار
عالم سے ہوا مارہرہ خالی

آپ کو حقایق تصوف جفر و تکسیر پر بھی عبور حاصل تھا۔ طب کے فنِ شریف سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ بلکہ آپ اس کے امام تھے۔ اس میں آپ نے بڑی شہرت پائی۔ اور آپ کے دستِ شفا سے ہزاروں اشخاص صحت یاب ہوئے۔

شعر و سخن کا بھی بڑا ستھرا ذوق تھا آپ کے کلام میں زور اور شستگی بیحد تھی۔ مجموعہ نظم آپ کا تلف ہو گیا۔ تاریخ سے بھی آپ کو خاص دلچسپی تھی اپنی گوناں گوں مصروفیتوں کے باوجود کتب بینی کا بھی آپ کو بڑا شوق تھا۔ اور تصنیف و تالیف کے لئے بھی وقت نکال ہی لیتے تھے۔

چنانچہ فنِ تاریخ میں آپ نے تین کتابیں لکھی:۔

(۱) **کاشف الاخبار**:۔ یہ ایک جامع اور ہمہ گیر تاریخ ہے۔ غیر مطبوعہ۔

(۲) **آثارِ احمدی**:۔ خاندانِ برکاتیہ مارہرہ کے بزرگوں کا نادر تذکرہ ہے۔ غیر مطبوعہ۔

(۳) **سلسلۂ عالیہ**:۔ زبیری کنبوی خاندان مقیم مارہرہ کے حالات میں جامع کتاب ہے۔ طبع ہو چکی ہے۔

فنِ طب جس کے آپ امام تھے۔ نظری و عملی طب میں آپ نے ایک نہایت جامع و مبسوط کتاب دو جلدوں میں لکھی ہے "ریاضِ احمدی" اس کا نام ہے حکیم صاحب ایک روشن دماغ۔ عالی خیال علم دوست و جامع فنون۔ باوقار۔ عابد متقی۔ شب بیدار۔ ذکر و شاغل اور معظم و محترم بزرگ تھے حضرت **اچھے صاحب** سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ اور پیر و مرشد کی جو آپ کے جدِ مکرم کے شاگرد بھی تھے۔ آپ پر خاص نظر تھی۔

حضرت سید صاحب عالم صاحب مارہروی نے تاریخ وفات کہی تھی ع

"رفتہ بقراط دہر قادیلاہ"

حکیم امداد حسین صاحب حکیم عنایت حسین صاحب کے صاحبزادے بھی بڑے نامی گرامی اور حاذق طبیب اور اپنے مشہور باپ کے نامور بیٹے تھے۔ علم طب اپنے قابل پدر بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔ نہایت وجیہ۔ قد آور۔ خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ طاقت بڑی زبردست تھی۔ "قدرت سخن سنجی و قوت معانی آفرینی اور حسنِ کلام غضب کا تھا۔ اُمراء۔ علماء۔ اطباء۔ فقراء و مشائخ۔ غرض ہر قسم کی صحبتوں میں سربرآوردہ رہتے"

اوائل عمر میں تحصیلدار رہے یہ عہدہ اس زمانہ میں ہندوستانیوں کے لئے معراج تھا۔ پھر ایک مدت تک رانائے اودے پور کے طبیب خاص رہے۔ بعدازاں نواب جعفری بیگم صاحبہ رئیسہ شمس آباد ضلع فرخ آباد دختر نیک اختر نواب فضل علی خاں صاحب دہلوی وزیر شاہ اودھ کی ریاست سے تعلق رہا طبیعت چونکہ آزاد تھی ان سب جھگڑوں کو خیرباد کہکر طبابت کے فیض کو عام کیا۔ آپ کی حذاقت کے چرچے رہے۔ اب بھی بڑے بوڑھوں سے واقعات سننے میں آجاتے ہیں۔ جب کبھی آپ کے جلسہ میں حکیم علوی خاں کا تذکرہ آجاتا تو آپ فرماتے کہ "علوی خاں تو اب بھی ہیں مگر افسوس محمد شاہ نہیں۔ آپ کو ہر مرض میں دست گاہِ کامل حاصل تھا۔

طبابت کے علاوہ آپ قلم کے بھی بڑے دھنی تھے۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں مثل ترجمہ کلام مجید اردو مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی" "تحفہ اثنا عشری" از مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی" وغیرہ وغیرہ آپ کے قلم کی نقل کردہ اب تک موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے والد مرحوم و مغفور کی تصنیف "ریاض احمدی" کی تکمیل فرما کر اپنے قلم سے اس کتاب کی دونوں جلدوں کو لکھا۔

آپ کی تصانیف میں حسب ذیل تین کتابیں ہیں۔

(۱) "**میلاد شریف**"

(۲) "**رسالہ منظومہ توضیح القرآن**"

(۳) "**درود و وظائف احمدی**" ایک ضخیم کتاب ہے جس کا موضوع نام کتاب سے ظاہر ہے۔ خاندان برکاتیہ کے اہم وظائف ہیں جو حکیم صاحب کو منجانب پیر و مرشد عطا فرمائے گئے تھے"

(۴) "**رسالہ نبض و قارورہ**" نظم و نثر"

(۵) "**انوار النفائس در لغت**"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف مؤلف کتاب ہذا

قدیم کتابوں میں اس بات کی کمی کو اکثر محسوس کیا جاتا ہے کہ مصنف یا مؤلف یا مترجم دنیا کے معاملات۔ حالات اور لوگوں کے تذکروں سے تو اپنی کتاب کو پوری معلومات سے پُر کر دیتا ہے لیکن صرف صاحب کتاب کے حالات کی جستجو کی جاتی ہے تو خود اس کی کتاب اس کے حالات سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ کبھی کسی کتاب میں تلاش و جستجو سے کچھ پتہ چل جاتا ہے ورنہ اس کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ مؤلف و مصنف کے باپ دادا کون تھے۔ اور خود اس کے کیا حالات ہیں اس کی بڑی اچھی مثال صالح صاحب کی عمل صالح کی ہے۔ عمل صالح شاہجہاں کے حالات میں ایک بڑی مستند اور اعلیٰ پایہ کتاب ہے لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خود صاحب کتاب کے حالات و تذکرے سے بالکل معرا ہے۔ مؤرخین نے جب اس کے حالات پر قلم اٹھایا تو انہیں اس میں ناکامیابی ہوئی۔

اس صورت کے پیش نظر ہمارے دل میں خیال گذرا کہ اس کتاب کے مؤلف مولوی حسین احمد صاحب رسیری جو ہمارے حقیقی بڑے بھائی ہیں۔ ان کی زندگی کے مختلف ادوار کو پیش کر کے ان کا تعارف کرا دیا جائے جس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مؤلف کتاب ہذا کے حالات کی روشنی میں ان کے اصلی خد و خال اور کیرکٹر کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تحریر اور اس کے مقاصد کو پوری طرح سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

آپ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو ملتان۔ دہلی۔ اور مارہرہ کے مسند علم و فضل پر آفتاب بن کر چمکا اور سب کی آنکھوں کو خیرہ کر گیا مارہرہ میں آپ کا گھر بڑا گھر کہلاتا تھا۔ فیصلوں کے لئے معاملات اسی گھر کے بزرگوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے جنہیں وہ اس طرح فیصل فرما دیتے تھے کہ کسی فریق کو کوئی وجہ شکایت باقی نہیں رہتی تھی۔ اس گھر کی دادہیال محمد خانی کہلاتی ہے۔ محمد خاں ابن محمد سعید خاں شہید ابن محمود خاں ابن شیخ جنید المعروف بہ عمر خاں ابن شیخ رکن الدین عرف شیخ بدھ خاکانی کول ابن شیخ یحییٰ عبد السلام المعروف شیخ اچھن ابن حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز ابن خواجہ عز الدین ملتانی ہیں) ایک اعلیٰ پایہ امیر اور صاحب عزت خاندان تھے۔ سال کی شادی دہلی میں اپنے اہل خاندان میں نواب دلدار خاں کی بہن سے ہوئی تھی۔

ان کے پوتے فضیلت دستگاہ حقائق آگاہ مولوی حافظ حکیم محمد نصر اللہ قدس سرہ العزیز ایک متبحر عالم و فاضل ہونے کے علاوہ مرکز فیض اہتمام شریعت و حفظ اسرار طریقت میں فرد کامل تھے۔ پچاس برس کامل تشنگان علم کو اپنے فیض و کرم سے سیراب کیا عربی فارسی میں شیریں رقم اور ماہر زود نویس تھے۔ قریب تین سو جلدیں ہر علم کی آپ کے قلم کی لکھی ہوئی کتب خانہ خاندان برکاتیہ مارہرہ میں موجود ہیں اور ان کا فیض اہل مطالعہ پر جاری تھا۔ حضرت سید شاہ آل محمد مارہروی سے شرف بیعت حاصل۔ اور سلطان العاشقین حضرت سید شاہ حمزہ جیسے یاران خاص میں سے تھے۔ آپ ایک متبحر عالم تھے ایک زمانے نے آپ سے فیض حاصل کیا چنانچہ قدوۃ العارفین سید شاہ آل احمد عرف حضرت اچھے صاحب قبلۃ العاشقین حضرت سید شاہ حقانی اور سند المشائخ حضرت سید آل برکات عرف ستھرے میاں جیسے اکابرین و واصلین کو علوم ظاہری میں آپ سے ہی شرف شاگردی حاصل رہا حضرت سید شاہ حمزہ صاحب کا یہ اتحاد کہ یہ مولوی صاحب کے ساتھ لطف [illegible] آپ کے ملازم [illegible] مارہرہ میں انتقال فرمایا۔

آپ کے پوتے [illegible] حکیم عنایت حسین صاحب ابن شیخ فتح اللہ بڑے صاحب استعداد اور کامل فن بزرگ تھے۔

حسین احمد مؤلف

فہرست مضامین تعارف

ملتی حکیم فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر

نذرِ عقیدت

میں نہایت ادب اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کتاب کو خاندان کے کوائف و سوانح نگار بزرگوں "(۱) حضرت مخدوم شیخ جمالی مؤلف سیر العارفین" (۲) حضرت احمد خاں اکبرشاہی مؤلف معدن اخبار احمدی اور تحفۂ شہیدیہ" (۳) مؤلف صاحب رسالہ نواب شہباز خاں اکبری" (۴) افلاطونِ زماں حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی مؤلف سلسلۂ عالیہ" (۵) نواب مبارک علی خاں میرٹھی مؤلف رسالہ مبارک" (۶) حکیم منشی فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر" کے اسمائے گرامی سے منسوب کرتا ہوں جنہوں نے اہلِ خاندان کو ان کے بزرگوں کے بھولے بسرے حالات و کارنامے سنا کر ان میں جوشِ عمل پیدا کیا۔ یہ بزرگ ترین ہستیاں ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کے یہ علمی کارنامے ہمیشہ سدابہار رہیں گے۔ یہ پاک نفس بزرگانِ پاک باطن کا فیضِ روحانی ہے کہ ہماری یہ سعی مشکور ہوئی۔

حسین احمد زبیری

فہرس الفہرست

تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم

اپنے نسب کی واقفیت حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کر سکو (حدیث شریف)

سلسلۂ زبیریہ

خاندانِ زبیری کنبوہی

جلد اوّل

یعنی

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات کا تجزیہ

مؤلفہ

جناب مولوی حسین احمد صاحب زبیری کنبوہی مارہروی ثم المیرٹھی

۱۹۵۰ عیسوی

۱۳۶۹ ہجری

مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ

طبع اول ۵ جلد

قیمت فی جلد دس روپیہ علاوہ محصول ڈاک